دیوتا

سولہواں حصہ

ایک درازدست شخص کی سرگزشت۔ ایک فسوں کار کا قصہ، جس کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ اُس شوریدہ پُشت، شوریدہ سر کا احوال، ایک عالم جس کے خون کا پیاسا تھا۔

اور یہی بات تھی۔ بعد میں پتا چلا، ڈرائیور اور اس کے دونوں ساتھی ایک جگہ ٹرک کو روکنے کے بعد ایک بار میں شراب پینے گئے تھے، وہاں سے واپس نہیں آئے۔ کسی نے تینوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ ہلاک کرنے والا ایک نہیں تھا۔ وہ کئی تھے۔ انھوں نے ہمارے ڈرائیور اور کلینروں کی جگہ لے لی تھی۔ ایسا کرنے والے کون تھے، باس اور اس کے آدمیوں کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک بات کا یقین تھا، وہ اجنبی دشمن کے متعلق نہیں جانتے تھے۔ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا، کوئی اس ٹرک کے خفیہ خانے میں گہری نیند سو رہا ہے۔ وہ کسی اور مقصد سے ٹرک لے کر فرار ہوئے تھے۔

وہ یقیناً مجرم تھے۔ مجرمانہ زندگی گزارنے والے مجرم اپنے کتنے ہی دشمن رکھتے ہیں اور سب سے بڑا دشمن تو قانون ہوتا ہے۔ اگر وہ قانون سے یا اپنے مخالفوں سے ٹکراتے اور اس ٹرک کو نقصان پہنچاتے تو مجھے بھی نقصان پہنچتا۔ کوئی ٹائم بم میرے خفیہ خانے کے آس پاس لگایا جاتا تو اس کی ہلکی ٹک ٹک سے میری آنکھ کھل جاتی کیونکہ یہ غیر معمولی بات ہوتی۔ یا دو مخالف گروہوں میں فائرنگ کا تبادلہ ہوتا تو اس کی آواز میرے لیے غیر معمولی ہوتی اور ایسی حالت میں آنکھ کھل جاتی۔ اب معلوم ہوتا ہے میری آنکھ علین اس وقت کھلے گی جب آس پاس خطرات منڈلائیں گے اور مجھے بچ نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی۔

عجیب سچوایشن تھی۔ میں آرام سے سو رہا تھا اور کسی نامعلوم خطرے سے دوچار ہونے والا تھا۔ پومی نے جناب شیخ الفارس سے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ انھیں میرے حالات بتائے۔ انھوں نے کہا "شیبا تنویمی نیند سے بیدار ہو چکی ہے۔ میں اسے فرہاد کے پاس بھیجتا ہوں۔"

دو منٹ کے بعد ہی میری آنکھ کھل گئی۔ شیبا نے سوچ کے ذریعے مخاطب کیا تھا "فرہاد! اُٹھو، آنکھیں کھولو، خطرہ ہے۔"

وہ مجھے اُٹھنے اور آنکھیں کھولنے کے لیے نہ کہتی تب بھی پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتے ہی دماغ بیدار ہو جاتا۔ میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

اس نے مختصر طور پر بتایا "یہ ٹرک اغوا کیا گیا ہے اور جس ڈرائیور سے تمھارا رابطہ تھا وہ کہیں گم ہو گیا ہے۔"

میں نے ڈرائیور کے لب و لہجے کو یاد کیا۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچنے کے لیے خیال خوانی کی پرواز کی لیکن واپس آ گیا۔ اس کا دماغی وجود ختم ہو چکا تھا۔ تصدیق ہو گئی کہ ڈرائیور اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔

شیبا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "یہ کیسے معلوم ہو گا کہ ٹرک کس کے قبضے میں ہے؟"

میں نے سرہانے رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر کو اُٹھا کر سبز بٹن دبایا۔ ڈرائیور نے کہا تھا اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وہ دنیا میں نہیں رہا تھا لیکن ٹرک پر جن لوگوں نے قبضہ کیا تھا انھوں نے ڈرائیور کی دوسری چیزوں پر بھی قبضہ کیا ہو گا۔ ان میں ٹرانسمیٹر بھی ہو گا، اور اس وقت ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہو رہا ہو گا۔

لیکن جواب نہیں مل رہا تھا۔ کوئی ٹرانسمیٹر کو ہاتھ نہیں لگا رہا تھا۔ شاید وہ ان کے ہاتھ نہیں لگا تھا، یا پھر اُسے اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ شیبا نے کہا۔ "فرہاد! دیر نہ کرو، ایک ہی راستہ ہے، چیخنا شروع کر دو۔ اس خفیہ خانے کی آہنی دیواروں پر ہاتھ مارو۔ انھیں آوازیں دو۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ کسی طرح کا بھی خطرہ مول لینا دانش مندی نہیں تھی۔ میں آئندہ کسی خوش نصیب لمحے کی امید میں انتظار نہیں کر سکتا تھا، جو کرنا تھا، ابھی کر گزرنا تھا۔

ہماری باتوں کے دوران کہیں دُور سے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر وہ آواز قریب آ گئی۔ اس سے پہلے کہ میں خفیہ خانے کی آہنی دیواروں پر ہاتھ مارتا، چیختا چلاتا اور انھیں اپنی طرف متوجہ کرتا، اچانک فائرنگ شروع ہو گئی۔ ٹرک کی آہنی دیواروں پر وہ گولیاں مسلسل بج رہی تھیں یعنی ہیلی کاپٹر سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔ ٹرک میں جو لوگ تھے وہ بھی جوابی فائرنگ کر رہے تھے۔ میں نے یکے بعد دیگرے دو آدمیوں کے چیخنے اور ٹرک پر سے گرنے کی آواز سنی۔ یہ نئی افتاد آ پڑی تھی۔ میرے لیے خطرہ بڑھ گیا تھا۔ اگر ہیلی کاپٹر سے فائرنگ کے علاوہ بمباری کی جاتی، ہینڈ گرینیڈ وغیرہ پھینکے جاتے تو اس کا اثر میرے خفیہ خانے پر ہوتا، یا پھر پہیے برسٹ ہو جاتے اور ٹرک بہک کر کہیں سے کہیں جا پہنچتا۔ شاید کسی گہری کھائی میں گر پڑتا۔ میں نے یکبارگی چیخنا شروع کر دیا۔

میری زندگی میں کبھی ایسا وقت نہیں آیا۔ میں پہلی بار اتنی بے بسی سے چیخ رہا تھا۔ میں نے خود کو فولادی قبر میں جیتے جی قید کر دیا تھا، حالانکہ میں اس کے خفیہ دروازے کو کھول سکتا تھا۔ میرے سرہانے ہی ایک ایسا بٹن تھا جس کے دباتے ہی دروازہ خود بخود کھلنے لگتا لیکن ٹرک تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا۔ ایسے میں، میں دروازہ کھلتے ہی نیچے گر سکتا تھا۔ تیز رفتاری کے باعث کسی پہیے کے نیچے آ سکتا تھا اور اب تو فائرنگ کی وجہ سے اور خطرہ بڑھ گیا تھا۔

دونوں طرف سے فائرنگ کے دوران ذرا سا وقفہ ہوا۔ میری چیخ کی آواز دوسری طرف صاف طور پر سنی گئی۔ کسی نے کسی سے کہا۔ "یہ آواز کیسی آ رہی ہے۔ کوئی چیخ رہا ہے؟"

ایک اور شخص نے کہا۔ "یہ آواز ہماری گاڑی سے سنائی دے رہی ہے۔"

دو آدمیوں نے اپنی زبان کھولی تھی۔ میں اور شیبا ایک ایک کے دماغ میں پہنچ گئے۔ شیبا ہزاروں میل دُور تھی، میں ایک جگہ قید تھا۔ دو آدمیوں کا دماغ ملتے ہی ہم کھلی فضا میں پہنچ گئے ان کے ذریعے وہاں کا منظر دیکھنے لگے۔ اس ٹرک سے کچھ فاصلے پر ایک ہیلی کاپٹر پرواز کر رہا تھا۔ پرواز کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ٹرک سے فائرنگ کرنے والوں کی زد سے دُور رہ کر ان کا راستہ روک رہا ہے مگر ٹرک والے رُکنا نہیں چاہتے تھے۔ جس کے نتیجے میں وقفے وقفے سے فائرنگ ہو رہی تھی۔

میں جس کے دماغ میں تھا، اس کے ذریعے معلوم کیا، ٹرک ڈرائیو کرنے والے کا نام کیا ہے۔ پھر میں نے اُسے مخاطب کیا۔ "اینڈریو! گاڑی روکو، ہمیں صرف ہیلی کاپٹر والوں کی طرف سے نہیں اس ٹرک کے اندر چھپے ہوئے کسی شخص سے بھی خطرہ ہے۔"

اینڈریو نے غصے سے جواب دیا۔ "تم لوگ ٹرک کے پچھلے حصے میں کیا کر رہے ہو۔ کوئی چھپا ہوا ہے تو اسے تلاش کرو، یہ ٹرک نہیں رُکے گا۔"

اب وہ کیسے نہ رُکتا جبکہ میں اینڈریو کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ اُس نے بے اختیار بریک لگائے، ٹرک ایک جھٹکے سے رُکا۔ اوپر بیٹھ کر فائرنگ کرنے والے اس بات کے لیے تیار نہیں تھے، اچانک جھٹکے سے رُکتے ہی لڑھکتے ہوئے ٹرک سے نیچے گر پڑے۔ نیچے گرنے والوں میں ایک تو فائرنگ سے ہلاک ہو گیا۔ دوسرا زخمی ہوا تھا۔ مگر وہ اپنے زخم کو بھول کر ٹرک کے نچلے حصے کی طرف حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نچلا حصہ دروازے کی صورت میں کھل رہا تھا اور میں اس دروازہ نما حصے پر لیٹا ہوا نیچے پہنچ گیا تھا۔ پھر میں نے کروٹ لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہیلو، یہ فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟"

وہ شدید حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کے مُنہ پر ایک ہاتھ جمایا۔ پھر اس کی اسٹین گن چھین کر کہا۔ "تم عجیب احمق ہو، نہ دشمنوں سے لڑتے ہو، نہ میری بات کا جواب دیتے ہو، بھاگو یہاں سے۔"

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولا۔ "میں یہاں سے نکل نہیں سکتا۔ فائرنگ ہو رہی ہے۔"

"نہیں نکلو گے تو میں فائر کروں گا۔ تم لوگ کون ہو؟"

"ہم معاوضے پر کام کرتے ہیں۔ ہمیں اب پتا چلا کہ اتنا بھاری معاوضہ کیوں دیا جا رہا تھا۔ جو ہم سے کام لے رہا ہے وہ جانتا تھا کہ اس ٹرک کے خفیہ خانے میں تم موجود ہو۔"

"کون تم سے کام لے رہا ہے؟"

"یہ ہم نہیں جانتے۔ مگر ہمیں بہت بڑی رقم دی گئی ہے۔ اس کے لیے تو ہم جان کی بازی لگا رہے ہیں۔"

"اب نہ بازی رہے گی نہ جان۔"

"مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے معاف کر دو۔"

"یہ ہتھیار تمھارے ہاتھ میں ہوتا تو معاف نہ کرتے۔ چلو یہ بتاؤ، موت کو سامنے دیکھ کر زندگی کیسی لگ رہی ہے؟"

"بہت قیمتی، بہت اہم لگ رہی ہے۔ مرنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"پھر مجھ سے دشمنی کیوں کی۔ جبکہ مجھ سے دشمنی تھی نہ دوستی۔ کیا امریکی ڈالر اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ انسانوں کو چیونٹیوں سے بھی کم تر سمجھ کر مسل ڈالا جاتا ہے۔"

اُس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "فار گاڈ سیک، مجھے معاف کر دو، موت کو سامنے دیکھ کر عقل آ گئی ہے۔ آئندہ کبھی کسی کی جان نہیں لوں گا۔ یہ دھندا ہی چھوڑ دوں گا۔"

"کیا توبہ کرتے ہو اور وعدہ کرتے ہو کہ ایک شریف انسان کی طرح زندگی گزارو گے؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے کانوں کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، کبھی کسی کی زندگی سے نہیں کھیلوں گا۔ ایک اچھے شہری کی طرح زندگی گزاروں گا۔"

"میں تم پر بھروسا کرتا ہوں اور تمھیں زندگی لوٹاتا ہوں۔ یہ لو، اپنا ہتھیار۔"

ہم دونوں ٹرک کے نیچے کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے، باہر گولیاں چل رہی تھیں۔ میں نے ہتھیار اس کے سامنے پھینک دیا، اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ اسی طرح دیکھتے دیکھتے اور دھیرے دھیرے ہاتھ بڑھاتے ہوئے ہتھیار کو اٹھا لیا۔ یہ ہتھیار بھی کیا چیز ہے۔ ہاتھ آتے ہی اپنی طاقت اور دوسروں کی کمزوری کا یقین ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اپنی برتری منوانے کے لیے آدمی جو بھی کر گزرے کم ہے۔ اس نے اسٹین گن کا رُخ میری طرف کرتے ہوئے کہا۔ "دنیا میں سب سے زیادہ ہتھیار روس اور امریکا کے پاس ہیں۔ اگر تم ان سے کہو کہ ہتھیاروں میں کمی کر دیں تو وہ کبھی نہیں کریں گے۔ میرے پاس تو ایک ہتھیار ہے۔ تم کہو گے میں اسے چھوڑ دوں، اسے استعمال نہ کروں تو یہ سراسر حماقت ہے۔ یہ ہوتے ہی استعمال کرنے کے لیے ہیں اور استعمال کرنے کے لیے تم میرے سامنے ہو۔"

میں نے کہا۔ "اِسے اُدھر استعمال ہونا چاہیے جدھر فائرنگ ہو رہی ہے۔ میں تو امن اور سلامتی کی بات کر رہا ہوں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہتھیار ہمیشہ اُدھر استعمال ہوتے ہیں جہاں امن اور سلامتی کی باتیں ہوتی ہیں۔ کیا میرا دماغ چل گیا ہے کہ فائرنگ کے جواب میں فائرنگ کرنے اُدھر جاؤں اور کسی کا نشانہ بن جاؤں۔"

"کیا تم مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو؟"

"جس نے ہمیں بھاری معاوضہ دیا ہے اس نے تمھیں ہلاک کرنے سے منع کیا ہے۔ ہم تمھیں زندہ سلامت وہاں لے جائیں گے، اگر تم نے انکار کیا تو اپاہج بنا دیں گے، پھر تم ایک معذور انسان کی طرح ہمارے ساتھ چلنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"تم یہ نہیں جانتے کہ کس نے تمھیں معاوضہ دیا ہے لیکن یہ جانتے ہو کہ مجھے کہاں پہنچانا ہے؟"

"ہم یہ بھی نہیں جانتے۔ ہمارے درمیان ایک شخص ایسا ہے جس نے یہ سودا کیا ہے۔ اس نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ہم صرف اپنے معاوضے سے کام رکھیں۔ اس سے کوئی سوال نہ کریں۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ اس ٹرک کے کسی حصے میں تم چھپے ہوئے ہو۔"

میں نے اس کے دماغ سے چپ چاپ اس شخص کا نام معلوم کیا جو اُن سے سودا کرنے کے بعد مجھے ان کی مدد سے کہیں لے جانا چاہتا تھا۔ اس کا اصل نام کیا ہو گا، یہ بھی شاید اس نے نہیں بتایا ہو گا مگر یہ کرائے کے ٹٹو اسے مسٹر آرنی کہتے تھے۔

اب اس آرنی نام کے شخص تک پہنچنے کا یہی طریقہ تھا کہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے ذریعے اسے مخاطب کروں۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ ٹرک کے نیچے سے رینگتا ہوا، آرنی کو آوازیں دیتا ہوا باہر نکل گیا، کہنے لگا۔ "مسٹر آرنی! یہاں ٹرک کے نیچے ایک شخص چھپا ہوا ہے۔"

آرنی کی آواز سنائی دی۔ "بیوقوف کے بچے! تم ٹرک سے باہر کیوں نکل آئے؟"

اس کی آواز سنتے ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی لیکن اس کے دماغ تک نہ پہنچ سکا۔ اُس نے فوراً ہی سانس روک لی۔ پھر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اچھا مسٹر فرہاد! تم ٹرک کے نیچے سے اوپر میرے دماغ میں آنا چاہتے ہو لیکن تمھارے دل میں حسرت رہ جائے

گی جہاں ہو وہیں رہو۔ ہم تمہیں بڑے آرام سے ماسٹر کی تک پہنچا دیں گے۔"

میں نے اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے پھر سانس روک کر کہا۔ "نہیں نہیں۔ تم میرے دماغ میں ..."

بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک اس کے حلق سے کراہ نکلی، اس کے دماغ کا دروازہ کھُل گیا۔ اس آخری لمحے میں پتا چلا کہ ہیلی کاپٹر سے آنے والی گولی اس کے سر میں پیوست ہو گئی تھی۔ یعنی ایک گولی نے میرے لیے دروازہ کھولا تھا مگر میں کچھ کہہ نہ سکا۔ کچھ کہنے سے پہلے اس کا دم نکل چکا تھا، وہ ٹرک کے اوپری حصے سے لڑھک کر زمین پر آ کر چاروں شانے چت ہو گیا تھا۔

اس کے مرتے ہی ٹرک ڈرائیور اینڈریو کی آواز سنائی دی۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "ارے، یہ تو ختم ہو چکا ہے۔ اب ہمارا کیا ہوگا؟ فوراً یہاں سے بھاگ چلو۔"

بھاگنے کے لیے صرف دو ہی آدمی رہ گئے تھے۔ ایک وہ جو مجھ سے اسٹین گن لے کر گیا تھا اور دوسرا اینڈریو۔ وہ دونوں ٹرک چھوڑ کر ایک طرف دوڑتے جا رہے تھے۔ ان کی سوچ بتا رہی تھی، جتنا معاوضہ مل چکا ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اس ٹرک کو کہاں لے جانا ہے یا اس میں جو کوئی بھی چھپا ہوا ہے اسے کہاں پہنچانا ہے یہ انھیں معلوم نہیں تھا لہٰذا ان کی ڈیوٹی ختم ہو چکی تھی۔

جب وہ دوڑتے ہوئے دُور نکل گئے تو میں نے اسٹین گن والے کی زبان سے کہا۔ "اینڈریو! رک جاؤ۔"

اس نے دوڑتے ہوئے کہا۔ "حماقت نہ کرو، رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ وہ ہیلی کاپٹر والے ہمارے پیچھے آئیں گے۔"

اچانک اسٹین گن سے فائرنگ ہوئی۔ اینڈریو دوڑتے دوڑتے لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اسے گولی لگی تھی۔ اس نے حیرانی سے اپنے ساتھی کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟"

"وہ جو ٹرک کے نیچے چھپا ہوا تھا، اس نے مجھ سے یہ ہتھیار لیا تھا۔ بعد میں واپس کر دیا۔ میں نے اس سے کہا تھا ہتھیار استعمال کرنے کے لیے ہوتا ہے اور اس پر استعمال کیا جاتا ہے جو سامنے ہو اور تم سامنے ہو۔"

ہتھیار تو اینڈریو کے ہاتھ میں بھی تھا اور اس کے سامنے وہ اسٹین گن والا تھا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے پر فائر کیسے نہ کرتے جبکہ میری مرضی یہی تھی۔ میں ایسے لوگوں کو معاف کرنے والا نہیں تھا جو ہتھیار کو استعمال کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نظروں میں انسانی جانوں کی قیمت نہیں ہوتی۔ میں ان کی زندگی کی قیمت کا اندازہ کیوں کرتا؟ انھوں نے میری مرضی کے مطابق ایک دوسرے پر تڑاتڑ فائرنگ کی۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ اب میری خیال خوانی کے لیے وہاں کوئی دماغ نہیں رہ گیا تھا۔

ہیلی کاپٹر کی آواز قریب ہو رہی تھی اور وہ نیچے اتر رہا تھا۔ میں زمین پر لڑھکتا ہوا ٹرک کے دوسری طرف چلا گیا تاکہ ہیلی کاپٹر والوں کی فائرنگ سے محفوظ رہ سکوں۔ میں نے ٹرک کی آڑ سے دیکھا۔ وہ ہیلی کاپٹر زمین پر اتر چکا تھا۔ پنکھا آہستہ آہستہ گردش کرتا ہوا تھم رہا تھا۔

میں نے خیال خوانی کے ذریعے ریڈ پاور کے باس کو اس ہیلی کاپٹر کا نمبر اور اس کا نشان بتایا۔ پھر پوچھا۔ "کیا اس میں تمہارے آدمی ہیں؟"

باس نے چونک کر کہا۔ "یہ تو لیڈی زرینہ کا ہیلی کاپٹر ہے، اُسے ہم سے بھلا کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔"

"یہ لیڈی زرینہ کون ہے؟"

"ایک ترکی فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بزرگوں نے استنبول سے یہاں آ کر برسوں پہلے نارتھ ویلی میں بہت بڑی زمین کا حصہ خریدا تھا۔ وہاں ان کا بہت بڑا فارم ہے۔ وہ میلوں دُور تک پھیلے ہوئے فارم کی تنہا مالکہ ہے۔ میں اس کے متعلق زیادہ نہیں جانتا۔ اس کا خاص ہیلی کاپٹر کئی بار میری نظروں کے سامنے سے گزرا۔ اس طرح میں نے اس کے متعلق یہی تھوڑی سی معلومات حاصل کی ہیں۔ ویسے سُنا ہے، وہ ایک عجیب و غریب خاتون ہے۔"

"یہ تو معلوم کیا ہوگا کہ اس میں عجیب و غریب ہونے والی کیا بات ہے؟"

"میں نے کبھی توجہ نہیں دی اور نہ ہی ایسی کوئی ضرورت پیش آئی۔ اب اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہی ہوں گی۔ اس سے رابطہ قائم کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ میں ابھی پوچھتا ہوں کہ وہ ہمارے راستے میں کیوں آ رہی ہے؟"

میں زیادہ دیر خیال خوانی نہیں کر سکا۔ ہیلی کاپٹر زمین پر اتر گیا تھا لیکن وہ فائرنگ نہیں کر رہے تھے۔ میری توقع کے خلاف ایک نے سفید رومال ہلایا تھا۔ اس کے بعد ہیلی کاپٹر سے نیچے اتر گیا تھا۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ سفید رومال لہراتا ہوا میری طرف بڑھ رہا تھا، یعنی صلح کی جھنڈی دکھا رہا تھا۔ میں ٹرک کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس کی طرف آہستہ آہستہ محتاط انداز میں بڑھنے لگا۔ اس نے دور ہی سے کہا۔ "مسٹر! تم جو کوئی بھی ہو، اگر اس ٹرک کے خفیہ خانے میں چھُپ کر آئے ہو تو ہمیں تمہاری ہی ضرورت ہے۔"

"میری ضرورت کیوں ہے؟"

"پہلے یہ بتاؤ، کیا تم وہی ہو؟"

"میں ہی اس ٹرک کے خفیہ خانے میں چھُپ کر آیا ہوں۔"

"پھر دوست بن جاؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔"

"اگر میں انکار کر دوں تو؟"

"ہم جبراً لے جائیں گے۔ ٹرک کے آس پاس پڑی ہوئی لاشوں کو دیکھو اور اندازہ کرو ہمارے پاس کتنے خطرناک ہتھیار ہیں۔"

میں نے ناگواری سے پوچھا۔ "مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"دوست بن کر نہیں چلو گے تو یہ دھمکی ہے اور ہمیں دھمکی پر عمل کرنا آتا ہے۔"

میں نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مجھے کہاں لے جاؤ گے؟"

"ہم لیڈی زرینہ کے خادم ہیں۔ تمہیں ان کے فارم میں لے جائیں گے۔"

"تمہاری لیڈی مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"یہ وہی جانتی ہو گی۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا، جو شخص سات پردوں میں چھُپا رہتا ہے وہ بہت اہم ہوتا ہے اور ہم نے دیکھ لیا، تم بڑی کامیابی سے خفیہ خانے میں چھُپ کر آ رہے تھے۔ تمہاری اہمیت کس نوعیت کی ہے، یہ ہم نہیں جانتے۔ شاید ہماری لیڈی جانتی ہو۔ کیا ہمارے ساتھ دوستانہ انداز میں چلو گے؟"

فی الحال یہی راستہ تھا۔ میں اس کے ساتھ چلتا ہوا ہیلی کاپٹر کے پاس آیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر پچھلی سیٹ پر دو شخص بیٹھے ہوئے تھے۔ میں درمیانی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میرے پاس وہی سفید رومال والا تھا۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دو اجنبیوں کو دیکھا۔ پھر مسکرا کر کہا "ہیلو۔"

رومال والے نے ہیلی کاپٹر کے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے ہماری مالکہ کے فارم تک کوئی تمہاری زبان نہ سمجھے گا، نہ بولے گا۔ مالکہ کے پاس جتنے خادم ہیں وہ سب ترکی سے آئے ہیں۔ اپنی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ہیلی کاپٹر زمین سے اُٹھتا ہوا فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے باس سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا۔ "میں لیڈی زرینہ سے بات کرنا چاہتا تھا مگر اس کی لیڈی سیکریٹری سے پتا چلا، وہ انگریزی بول نہیں سکتی، اتنے بڑے فارم میں صرف دو ہی انگریزی بولنے اور سمجھنے والے ہیں۔ ایک وہ لیڈی سیکریٹری اور دوسرا وہ جو ہیلی کاپٹر میں آپ کے پاس موجود ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ کوئی گہری چال معلوم ہوتی ہے۔ امریکا جیسے ملک میں جہاں ایک خاتون بہت بڑے فارم کی مالک ہو وہ انگریزی بولنا نہ جانتی ہو یا اس کے ملازم بھی صرف ترکی زبان جانتے ہوں تو پھر یہ سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے۔ وہ لیڈی زرینہ جو کوئی بھی ہے میری ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہنے کا سامان پہلے ہی کر چکی ہے۔"

باس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے تمام آدمیوں کو اس کے فارم کے اطراف نگرانی کے لیے بھیج رہا ہوں۔ آپ جب بھی میرے آدمیوں سے رابطہ قائم کرنا چاہیں گے، میں ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ان کی آوازیں سنا دوں گا۔"

میں نے خیال خوانی ختم کر دی۔ چُپ چاپ بیٹھ کر سوچنے لگا۔ حالات کہاں سے کہاں لے جا رہے تھے۔ میں سپر ماسٹر اور ماسٹر کی سے چھُپتا پھر رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے مجھے سونیا سے الگ ہونا پڑا۔ ایک مدت کے بعد لوبی میرے قریب آنے والی تھی۔ بظاہر ہمارے ملنے کے راستے آسان تھے۔ ہم نے تمام انتظامات کر لیے تھے۔ مائیکل اور لیوجین کو نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس کے ذریعے خرید لیا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچنے والا تھا۔ ایسے ہی وقت تقدیر کو ماننا پڑتا ہے۔ آدمی اپنے راستے پر چلنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا مگر تقدیر اچانک ہی راستہ بدل دیتی ہے۔ اب میں کسی نامعلوم لیڈی زرینہ کے پاس جا رہا تھا پتا نہیں یہ کمبخت کون تھی؟

ہمارا سفر چالیس منٹ تک جاری رہا پھر وہ ہیلی کاپٹر نارتھ ویلی کے اس فارم میں پہنچ گیا۔ میں کھڑکی سے دیکھ رہا تھا۔ دُور ایک دو منزلہ بہت بڑی محل نما کوٹھی نظر آ رہی تھی۔ اس کوٹھی کے پیچھے چھوٹے چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے۔ سامنے ایک خوب صورت سی جھیل تھی۔ اس کے اطراف رنگ برنگے پھولوں کے باغات تھے، دُور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ بے شمار مزدور عورتیں اور مرد کام کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ کوٹھی کے آس پاس دور دور تک مسلح محافظ بھی دکھائی دیے، وہ ہیلی کاپٹر ایک کھُلے میدان میں اُتر گیا۔

میں نے ہیلی کاپٹر سے اتر کر دیکھا۔ ذرا فاصلے پر ایک شخص ایک بہت ہی خوب صورت قد آور گھوڑا لیے کھڑا تھا۔ اس پر زین کسی ہوئی تھی۔ سفید رنگ کا گھوڑا ایسا صحت مند اور خوب صورت تھا کہ قریب پہنچ کر اس پر ہاتھ پھیرنے کو جی چاہتا تھا۔ میرے ساتھ آنے والے شخص نے کہا۔ "یہ آپ کے لیے ہے۔ اس پر سوار ہو کر ہماری لیڈی صاحبہ کے پاس پہنچ جائیے۔"

میں نے اس کی لگام تھام لی۔ پھر پوچھا "کیا میں تنہا جاؤں گا؟"

"یہ گھوڑا آپ کے ساتھ جائے گا اور آپ کو وہاں پہنچا دے گا۔"

وہ انگریزی بولنے والا اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوسری طرف جانے لگا۔ اسی وقت شیبا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "فرہاد! جس وقت باس نے لیڈی زرینہ کی سیکریٹری سے گفتگو کی تھی، میں اس کے دماغ میں تھی، میں نے اس کی سیکریٹری کے لب و لہجے کو اپنی گرفت میں لیا تھا لیکن فوراً ہی اہم معلومات حاصل نہ کر سکی۔ مجھے بابا صاحب کے ادارے میں دماغی طور پر حاضر ہونا پڑا۔ کچھ میرے اپنے معاملات تھے۔ اسرائیلی جاسوس بڑے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور اچھی ذہانت کا ثبوت بھی دے رہے ہیں۔ ایک جاسوس بڑی چالاکی سے بابا صاحب کے ادارے میں آگیا تھا۔"

میں نے کہا "تعجب ہے، کیسے آگیا تھا؟"

"جیسے تم کسی کے میک اپ اور گیٹ اپ میں ان کے ہاں پہنچ جاتے ہو۔ اسی طرح وہ ہمارے ایک طالب علم کے بھیس میں آگیا تھا۔ پتا نہیں، اس بے چارے طالب علم کا کیا ہوا۔ یقیناً اسے مار ڈالا گیا۔ میں ذرا دیر سے لیڈی زرینہ کی سیکریٹری کے پاس پہنچی اور معلومات حاصل کیں۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ ماسٹر کی اور لیڈی زرینہ آپس میں دوست ہیں، ان کے درمیان کئی بار لیڈی سیکریٹری کے ذریعے گفتگو ہو چکی ہے۔ کچھ اہم معاملات بھی طے ہو چکے ہیں۔ وہ معاملات کیا ہیں اور ان کے درمیان کیا گفتگو ہوتی رہی ہے، یہ ہم لیڈی سیکریٹری کے دماغ میں رہ کر اطمینان سے معلوم کریں گے۔ لیڈی زرینہ انگریزی یا کوئی دوسری زبان نہیں جانتی ہے۔ وہ اپنی زبان میں لیڈی سیکریٹری سے بولتی ہے اور سیکریٹری اس کا ترجمہ ماسٹر کی تک پہنچاتی ہے۔"

میں نے گھوڑے کو سہلاتے ہوئے کہا "اس کا مطلب ہے میں ماسٹر کی کے دروازے تک پہنچ گیا ہوں۔ اس نے دعویٰ کیا تھا میرے ٹیلی پیتھی کے ہتھیار کو بے کار کر دے گا اور مجھے بے بسی کی زندگی یوں گزارنے پر مجبور کرے گا کہ دوسرے مجھے دیکھ کر عبرت حاصل کریں گے۔"

شیبا نے پریشان ہو کر کہا "مجھ سے بڑی بھول ہوئی اگر میں دیر نہ کرتی اور لیڈی سیکریٹری کے دماغ میں پہلے ہی پہنچ کر معلوم کر لیتی تو تمہیں اس ہیلی کاپٹر میں سوار نہ ہونے دیتی۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے، میں تو آگیا ہوں۔ واپس نہیں جا سکتا۔ وہ ہیلی کاپٹر جا چکا ہے۔ صرف ایک گھوڑا میری سواری کے لیے رہ گیا ہے اور یہ مجھے لیڈی زرینہ تک پہنچائے گا۔ چلو دیکھتے ہیں، تقدیر کیا گل کھلاتی ہے۔"

گھوڑے کی لگام میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے اسے تھپکی دی، پھر ایک رکاب میں پاؤں ڈال کر اچھلتے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ پر جیسے ہی پہنچا، اچانک یوں لگا جیسے رکاب میں ایک پاؤں پھنس گیا ہو۔ ایک ہلکے سے کھٹکے کی آواز آئی۔ میں نے ذرا جھک کر دیکھا، میرا پاؤں اس میں جکڑ گیا تھا۔ اسے خاص طور پر ایسا ہی بنایا گیا تھا کوئی بھی سوار اس میں پاؤں رکھ کر جیسے ہی گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوتا، ویسے ہی پاؤں جکڑ جاتا۔ میں نے دوسری طرف کی رکاب کو دیکھا اس میں بھی پاؤں جکڑ سکتا تھا۔ میں نے پاؤں نہیں ڈالا۔ سوچنے لگا کیا مجھے اتر جانا چاہیے؟ لیکن کیسے اتر سکتا تھا، پاؤں اس میں پھنسا ہوا تھا۔ اسے نکالنا ممکن نہیں تھا۔ اگر گھوڑا آگے بڑھتا تو میرا پاؤں پھنستا اور میں اُلٹا لٹکتا ہوا گھسٹتا ہوا گھوڑے کے ساتھ جاتا۔

میں بُری طرح پھنس گیا تھا۔ نہ گھوڑے کی پیٹھ سے اتر سکتا تھا اور نہ ہی سوار رہ کر آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ میں نے ذرا جھک کر گھوڑے کی گردن کو تھپکتے ہوئے کہا "دوست، یہ کیا حرکت ہے؟"

اسی لمحے کہیں سے فائرنگ ہوئی۔ گھوڑے کے پاؤں کے قریب مٹی ذرا سی اُکھڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی گھوڑا بھڑک گیا۔ میں اگر فوراً ہی اس کی گردن سے لپٹ نہ جاتا تو زین سے اکھڑ جاتا۔ پھر وہی ہوتا یعنی پاؤں رکاب میں پھنسا ہوتا اور میں اُلٹا گھسٹتا ہوا گھوڑے کے ساتھ جاتا رہتا۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا، وہ بھڑک چکا تھا۔ تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ ذرا دور پہنچنے کے بعد پھر فائرنگ ہوئی تو وہ اور بھڑک کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ اس کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ میں زیادہ دیر اس کی گردن سے لپٹ کر نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے سیدھی طرح بیٹھ کر اسے قابو میں کرنا تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ میں ایک ہی رکاب میں پاؤں ڈالے اپنا توازن بھی برقرار رکھتا اور گھوڑے کو بھی قابو میں کر سکتا۔ مجھے مجبور ہو کر اس کی رفتار کو دیکھتے ہوئے دوسرے رکاب میں پاؤں ڈالنا پڑا۔ پھر وہی ہوا۔ ایک ہلکا سا کھٹکا سُنائی دیا اور میرا دوسرا پاؤں بھی دوسری رکاب میں جکڑ گیا۔

آج تک کسی نے کسی کو اس طرح قیدی نہیں بنایا ہوگا۔ قیدی بنانے کے لیے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جاتی ہیں۔ طرح طرح سے گھیرا جاتا ہے۔ جال پھینکے جاتے ہیں۔ کمند پھینک کر گھوڑے کے پیچھے گھسیٹا جاتا ہے لیکن اس طرح قیدی بنانا ایک انوکھی بات تھی۔ میں نہ تو گھوڑے سے اتر سکتا تھا۔ نہ سوار رہ کر آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ اگر لگام کھینچ کر قابو میں کرنا چاہتا، اس کی رفتار کم کرنا چاہتا تو کہیں نہ کہیں سے فائرنگ ہوتی اور وہ بھڑک کر پھر تیزی سے بھاگنے لگتا تھا۔

یہ چال ماسٹر کی نے چلی ہو یا لیڈی زرینہ نے لیکن میں ماسٹر کی کے دعوے کے مطابق واقعی بے بس ہو گیا تھا۔ میری ٹیلی پیتھی کام نہیں آسکتی تھی۔ میری کوئی صلاحیت میرا ساتھ نہیں دے سکتی تھی۔ مجھے ایک گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا کر تماشا بنا دیا گیا تھا۔ میں اس کوٹھی کے قریب پہنچ رہا تھا، دور دور تک پھیلے ہوئے مسلح افراد قہقہے لگا رہے تھے۔ ان مسلح افراد میں عورتیں بھی تھیں۔ وہ گھوڑا جھیل کے کنارے کنارے دوڑتا ہوا کوٹھی کے مین گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا، وہ مین گیٹ بند تھا۔ اس کی اونچائی تقریباً سات یا آٹھ فٹ ہوگی۔ اسے کوئی کھولنے کے لیے نہیں آیا۔ اب گھوڑا تیزی سے اس طرف بڑھ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا یہ چھلانگ لگا کر گیٹ کے اس پار جائے گا۔ میرے تو ہوش اُڑ گئے۔ میں نے بارہا گھڑسواری کی تھی۔ میں اناڑی نہیں تھا۔ لیکن ایسے گھوڑے پر نہیں سوار ہوا تھا جو اونچی چھلانگیں لگاتا ہو۔

میرے سوچتے سوچتے گیٹ قریب آگیا۔ میں نے لگام کو مضبوطی سے پکڑا۔ پھر جھک کر اس کی گردن سے لپٹ گیا۔ گھوڑے نے ہنہناتے ہوئے اچانک ہی چھلانگ لگائی۔ اگر وہ ناکام ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا کیونکہ میں اس کی پیٹھ سے اَلگ نہیں ہو سکتا تھا۔ آہنی گیٹ سے ٹکرا کر گرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہیں میرا کام تمام ہو جاتا۔ خدا کا شکر ہے، گھوڑا بہت ہی زبردست تربیت یافتہ تھا۔ اس نے کامیاب چھلانگ لگائی اور مجھے کوٹھی کے احاطے میں پہنچا دیا۔

اس کی رفتار سُست ہو گئی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا ایسی جگہ رُک گیا جہاں دو عورتیں کھڑی ہوئی تھیں۔ یوں تو اور کئی عورتیں تھیں مگر کچھ فاصلے پر تھیں۔ گھوڑا ٹھیک ان دو عورتوں کے درمیان رک گیا تھا۔ اُن دونوں کے پاس ایک ایک چابی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر میرے دونوں پاؤں کے پاس آئیں۔ انھوں نے رکاب میں اُس چابی کو ڈال کر گھمایا۔ ہلکا سا کھٹکا ہوا اور میرے دونوں پاؤں آزاد ہو گئے۔ ایک عورت نے میرے پاؤں کو رکاب سے نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھا۔ دوسری عورت نے بھی یہی کیا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھتا، ان دونوں عورتوں نے مجھے اپنی ہتھیلی پر پوری قوت سے اچھال دیا۔ میں گھوڑے کی پیٹھ سے فضا میں بلند ہوا۔ پھر قلابازی کھا کر پھولوں کی روش کے درمیان چاروں شانے چت گر گیا۔ سامنے ہی ایک ادھیڑ عمر کی عورت کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے انگریزی زبان میں کہا "میں لیڈی زرینہ کی جانب سے خوش آمدید کہتی ہوں۔"

واہ خوش آمدید کہنے کا کیا شاندار طریقہ اختیار کیا تھا۔ پہلے تو گھوڑے کی پیٹھ پر جان آدھی کر دی۔ پھر میں نے سوچا۔ یہاں عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن دو عورتوں نے مجھے اپنی ہتھیلیوں پر رکھ کر اچھال دیا تھا یعنی یہ عورتیں محض خوبصورت نہیں تھیں، خوبصورت بلائیں بھی تھیں۔ ادھیڑ عمر کی سیکریٹری نے ایک طرف پلٹ کر جاتے ہوئے کہا "میرے ساتھ آؤ۔"

میں اس کے پیچھے چلتا ہوا ایک دروازے پر پہنچا۔ وہ دروازہ کھل گیا۔ اندر ایک خوبصورت سا ہال تھا۔ وہاں کئی عورتیں مختصر سے لباس میں کھڑی ہوئی تھیں۔ لیڈی سیکریٹری نے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "یہ حسین بلائیں تمہارا استقبال کرتی رہیں گی۔ اب یہ تم پر ہے کہ کس طرح ان سے دامن بچا کر آ سکتے ہو۔ ان سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گئے تو لیڈی زرینہ سے ملاقات ہو جائے گی۔"

وہ آگے بڑھ گئی، میں اس کے پیچھے جانے کے لیے جیسے ہی آگے بڑھا، دو لڑکیوں نے اچانک جمناسٹک کے کرتب دکھلائے۔ اِدھر سے اُدھر اچھلتی ہوئی قلابازیاں کھاتی ہوئی گئیں۔ میں نے سوچا۔ شاید یہ مجھے متاثر کر رہی ہیں۔ وہ دوسری طرف چلی گئیں مگر ان کے پیچھے کھڑی ہوئی دو لڑکیوں نے بھی وہی کرتب دکھلاتے ہوئے مجھ پر حملہ کرنا چاہا۔ میں اگر فوراً نہ سنبھلتا تو دونوں کی دو لاتیں یکے بعد دیگرے میرے مُنہ پر پڑتیں۔

مقابلے کے میدان میں جوابی حملہ لازمی ہوتا ہے لیکن میں فوراً ہی دوڑتا ہوا لیڈی سیکریٹری کے پیچھے جانے لگا۔ ابھی کئی لڑکیاں تھیں۔ وہ بھی یکے بعد دیگرے آرہی تھیں۔ بڑے عجیب عجیب تماشے دکھا رہی تھیں۔ وہ سب بہترین فائٹر تھیں کسی نہ کسی طرح مجھ پر کامیاب حملہ کرتے ہوئے میرا راستہ روکنا چاہتی تھیں۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی کسی طرح ان سے بچ کر نکل جاؤں اور جوابی حملہ نہ کروں مگر بعض حالات میں دو چار ہاتھ دکھلانے پڑے۔ آخر کسی نہ کسی طرح ان سے دامن بچاتا ہوا ایک

راہداری میں آیا۔ لیڈی سیکریٹری پلٹ کر دیکھے بغیر چلی جا رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ کیا تک ہے۔ تم چاہتی ہو، میں عورتوں سے مقابلہ کروں؟"

وہ جواب دیے بغیر چلی جا رہی تھی۔ میں غصے سے رُک گیا۔ ابھی میری تقدیر میں سلامتی لکھی تھی۔ جیسے رکا ویسے ہی چھت سے لٹکنے والا فانوس ایک زوردار آواز کے ساتھ سامنے آکر گرا۔ میں اچھل کر ایک ذرا پیچھے گیا۔ پھر چھلانگ لگا کر فانوس کو پار کرتا ہوا دوڑتا ہوا لیڈی سیکریٹری کی طرف پہنچا۔ اس کے بعد پیچھے سے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

وہ چیخنے لگی۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "آواز بند کرو۔ میں سمجھ گیا ہوں، یہاں میری سلامتی اسی میں ہے کہ تمھیں اپنی گرفت میں رکھوں۔ میں تنہا مرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ہم تو ڈوبیں گے صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔"

میں نے اس کے بالوں کو جھٹکا دے کر آگے بڑھایا۔ اُسے اپنی گرفت میں رکھا۔ اس نے کئی بار مجھ سے التجا کی "مجھے چھوڑ دو۔ اب تمھارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

میں نے کہا "جب مجھے یقین ہو جائے گا تو چھوڑ دوں گا۔"

وہ مجھے کوٹھی کے ایسے حصے میں لے آئی جہاں نیم تاریکی تھی۔ ہر طرف کھڑکی دروازے بند تھے۔ ان پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے کہا "لائٹ آن کرو۔"

"یہاں پر روشنی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد جس کمرے میں جاؤ گے وہاں گہری تاریکی ہوگی۔ اسی تاریکی میں لیڈی زرینہ سے ملاقات ہوگی۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟"

"لیڈی زرینہ روشنی میں نہیں آسکتیں۔ وہ گہری تاریکی میں زندگی گزارتی ہیں۔"

"کیا تمھاری لیڈی اُلّو کی نسل سے ہے؟"

میری بات ختم ہوتے ہی سامنے والے بند دروازے سے آواز آئی۔ وہ آواز بڑی ہی میٹھی اور سُریلی تھی لیکن زبان سمجھ میں نہیں آئی۔ لیڈی سیکریٹری نے کہا "دروازے کے پیچھے سے مادام کہہ رہی ہیں کہ وہ گہری تاریکی میں رہنے کی عادی ہیں۔ روشنی میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔"

میں نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا "اپنی مادام سے کہو، مجھے تاریکی میں کچھ نظر نہیں آتا۔"

وہ یہی بات اپنی لیڈی زرینہ سے کہنے لگی۔ میں اس کے دماغ سے ترجمہ سُن رہا تھا۔ دوسری طرف سے جب لیڈی زرینہ نے کہا تو وہ بات بھی مجھے سیکریٹری کے ذریعے سمجھ میں آگئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میرے مہمان سے کہو، مجھے روشنی میں نظر نہیں آتا۔ اس کے باوجود میں اس کے استقبال کے لیے باہر آرہی ہوں۔"

دروازہ کھل گیا۔ اندر گہری تاریکی تھی، باہر کی کچھ روشنی اندر جارہی تھی۔ تاریکی میں نارنجی رنگ کا لباس ہلکا ہلکا نظر آرہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی جارہی تھی۔ پھر وہ دروازے پر آگئی۔ میں اُسے دیکھتا رہ گیا۔ یہ بھول گیا کہ یہاں آکر پھنس گیا ہوں۔ ایسا بے مثال حسن تھا کہ اسے دیکھ کر کچھ اور دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر اسے دیکھ کر افسوس بھی ہوا۔ وہ دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر راستہ ٹٹولتے ہوئے دروازے سے باہر آگئی تھی۔ مکمل حسن بڑی مشکل سے پایا جاتا ہے۔ شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ ورنہ سر سے پاؤں تک خوبیاں ہی خوبیاں ہونے کے باوجود کوئی نقص ضرور رہ جاتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقص تھا اور وہ یہ کہ وہ اندھی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، پتلیاں سفید تھیں۔ ان کی سفیدی میں ہلکی ہلکی سی چمک تھی۔ وہ اپنی زبان میں کہنے لگی۔ میں نے لیڈی سیکریٹری کے ذریعے سمجھا۔ وہ کہہ رہی تھی "میں اپنے مہمان کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ میں یہاں تک آکر واپس جارہی ہوں۔ کیونکہ روشنی برداشت نہیں ہوتی۔ میں اپنے تاریک کمرے میں مہمان کا انتظار کروں گی۔"

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ میں اس کا سراپا دیکھ رہا تھا۔ چال میں پھولوں بھری شاخوں جیسی لچک تھی۔ وہ دروازے کے پاس پہنچی۔ پھر آہستہ آہستہ کمرے کی تاریکی میں گم ہوگئی۔ لیڈی سیکریٹری نے کہا "اس زبان کا ترجمہ پیش کرنے کے لیے میری موجودگی لازمی ہے اس لیے تم سے پہلے میں جارہی ہوں تاکہ تمھیں یقین ہو کہ تاریکی میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

وہ آگے بڑھنے لگی۔ میں نے پھر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا اور کہا "ایسے نہیں، میں تمھارے ساتھ چلوں گا اور تم میرے لیے ڈھال بنو گی۔"

میں اسے گرفت میں لے کر آگے بڑھتا ہوا دروازے کے پاس پہنچا۔ اندر گہری تاریکی تھی۔ میں اس کے ساتھ اور آگے بڑھ گیا۔ لیڈی سیکریٹری نے میری گرفت میں رہتے ہوئے دوسری طرف گھوم کر دروازے کو بند کر دیا۔ میں نے سر گھما کر ایک طرف دیکھا۔ تاریکی میں اور تو کچھ نظر نہیں آیا، دو آنکھیں چمکتی ہوئی دکھا دیں جیسے اندھیرے میں کوئی بلی بیٹھی ہوئی ہو۔

میں لیڈی زرینہ کا مہمان تھا۔ میرے سامنے اس کا وجود نہیں تھا مگر دو چمکتی ہوئی آنکھیں اس کے وجود کی گواہی دے رہی تھیں۔ وہ کون تھی؟ کیا چاہتی تھی؟ اور ماسٹر کی سے اس کا کیا تعلق تھا؟

میں پلک جھپکتے ہی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا ہوں۔ کوئی ایک بات کی ابتدا کرتا ہے تو میں دماغ میں پہنچ کر ابتدا کی انتہا تک پہنچ جاتا ہوں لیکن بعض حالات میں یہ میرے لیے ممکن نہیں رہتا۔ میں خیال خوانی کی پرواز نہیں کر سکتا۔ ماسٹر کی کے چیلنج کے مطابق میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

میں یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ لیڈی روزینہ اور ماسٹر کی کے درمیان گہرے تعلقات ہیں یا محض وقتی طور پر کوئی معاہدہ ہوا ہے۔ یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ لیڈی روزینہ اپنی کسی غرض، اپنے کسی مقصد کے تحت میرا سودا ماسٹر کی سے کرنے والی ہے یا کوئی اور بات ہے۔ جب تک بات کا پتا نہ چلتا، میں تاریکی میں رہتا۔

اور میں گہری تاریکی میں تھا۔ چاروں طرف ہاتھ بڑھا کر ٹٹولنے سے بھی راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ وہ کمرہ میرے لیے نادیدہ تھا۔ کون سی چیز کہاں رکھی ہے، میں نہیں جانتا تھا۔ کسی چیز سے بھی ٹکرا سکتا تھا ——— میرے سامنے کچھ فاصلے پر دو آنکھیں چمک رہی تھیں، جیسے دو دیے جل رہے ہوں لیکن ان سے کمرہ روشن نہیں ہو رہا تھا۔ وہ آنکھیں جگنو کی طرح چمکتی تھیں اور بجھتی تھیں۔ یقیناً وہ پلکیں جھپکتی تھی اسی لیے ان کی چمک جلتی بجھتی ہوئی سی لگتی تھی۔

وہاں ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے کسی کا وجود نہ ہو۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ میں لیڈی سیکریٹری کے ذریعے اس کی بات سمجھنے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی "ہمارے مہمان سے کہو، اپنے بائیں طرف گھوم کر دو قدم چلے، اس کے بعد ایک ایزی چیئر پر بیٹھ جائے۔"

لیڈی سیکریٹری نے اس کا ترجمہ پیش کیا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے سمجھ سکتا تھا کہ وہ سیکریٹری مجھ سے کتنی دور ہے۔ میں نے بائیں طرف گھوم کر ایزی چیئر تک پہنچنے کے بجائے دائیں طرف گھوم کر سیکریٹری کے بازو کو تھام لیا۔ پھر کہا۔ "تم میرے ساتھ چلو گی اور مجھے اس کرسی تک پہنچاؤ گی۔"

اس نے یہی کیا۔ مجھے اس کرسی تک پہنچا دیا۔ پھر کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"نہیں، تم بھی میرے ساتھ بیٹھو گی۔"

میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ بڑے سائز کی کرسی تھی۔ ہم دونوں کے لیے گنجائش نکل گئی۔

لیڈی روزینہ کا قہقہہ سنائی دیا۔ کہنے لگی "مجھے نہیں معلوم تھا، یہ شخص اتنا بزدل ہے کہ ایک عورت کا سہارا لے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا، آخر ریڈ پاور والے اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے تھے۔"

لیڈی سیکریٹری نے مجھ سے یہی بات کہی۔ میں نے جواب دیا "میں بزدل نہیں ہوں۔ اگر یہاں روشنی ہوتی اور میرے مقابل مسلح افراد نہ ہوتے تو میں تم سب سے تنہا نمٹ لیتا۔"

سیکریٹری نے لیڈی روزینہ کی طرف سے سوال کیا۔ "کیا ماسک مین اسی لیے تمھیں اہمیت دیتا ہے کہ تم تنہا ایک پوری فوج سے نمٹ سکتے ہو؟"

"وہ مجھے کیوں اہمیت دے رہا ہے، یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ مجھے کسی کی جگہ استعمال کرنا چاہتا ہے۔"

"تمھیں کس کی جگہ استعمال کیا جارہا ہے؟"

"مجھے بتایا نہیں گیا۔ وہ اتنا ہی کہتے تھے کہ مجھ میں ایسی خوبیاں ہیں جو دشمنوں کو شبہات میں مبتلا کر دیں گی۔ دشمن ان کے خاص آدمی کو چھوڑ کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ میں نے کئی بار سوال کیا کہ آخر ان کا وہ خاص آدمی کون ہے؟ اور مجھے کیوں اس کی جگہ استعمال کیا جارہا ہے؟ لیکن انھوں نے جواب نہیں دیا۔"

"تم میں ایسی کیا بات ہے کہ دشمن تمھیں دیکھ کر شبہات میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟"

"میں ماہر نجوم ہوں۔ حاضرات کا علم جانتا ہوں۔ جب خطرات میں گھر جاتا ہوں تو میرے علم کے ذریعے کچھ نادیدہ قوتیں میری حفاظت کرتی ہیں۔"

"اگر تم اتنے ہی باکمال ہو تو ریڈ پاور والوں کے سامنے مجبور کیوں ہو گئے؟ ان کے آلۂ کار کیوں بن رہے تھے؟"

"وہ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔"

"وہ کس طرح؟"

"انھوں نے میری محبوبہ لیوچن کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔"

"تم حاضرات کا علم جانتے ہو، اپنی محبوبہ کو اپنے پاس بلا سکتے ہو۔"

"میرا علم کہتا ہے، ابھی میرے ستارے گردش میں ہیں۔ مجھے صبر کرنا ہوگا۔ چودھویں کی رات کو میرے معمول لیوچن کو میرے پاس پہنچا دیں گے۔ مجھے اپنے علم کے ذریعے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ فی الحال مجھے کسی کا آلۂ کار بن کر رہنا چاہیے۔ اس طرح میری زندگی میں ایک ایسی ہستی آئے گی جس کے ذریعے مجھے کچھ اور پُراسرار قوتیں حاصل ہوں گی۔"

لیڈی روزینہ نے کہا "امریکا بہت عظیم اور ترقی یافتہ ملک ہے۔ اس کے باوجود یہاں کچھ لوگ شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ میں تمھاری بات کا یقین کرسکتی ہوں بشرطیکہ ثبوت پیش کرو اور اپنے غیر معمولی علوم کا مظاہرہ کرو۔"

میں نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ میں اپنے علم کا بے جا اور بے وقت استعمال نہیں کرتا۔ جب ضرورت پیش آئے گی تو آنکھوں سے دیکھ لوگی بشرطیکہ تمھیں دن کی روشنی میں نظر آتا ہو۔"

وہ بولی "یہ میری مجبوری ہے۔ میں روشنی میں اندھی ہوجاتی ہوں۔ جب میں پیدا ہوئی تو پورے شہر میں بلیک آؤٹ تھا۔ میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولتے ہی اندھیرا دیکھا۔ جب روشنی ہوئی تو میں تکلیف سے چیخنے چلّانے لگی۔ ہاتھ پاؤں جھٹک کر رونے لگی۔ ڈاکٹروں نے میرا معائنہ کیا۔ پھر کہا، قدرت نے میرے ساتھ عجیب مذاق کیا ہے۔ میری آنکھوں میں ریڈیم کی سی خاصیت ہے۔ ایسے جانوروں کی خوبیاں ہیں جو اندھیرے میں سب کچھ دیکھ سکتے ہیں لیکن روشنی انھیں چبھتی ہے۔ اس لیے وہ آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ میں بھی تکلیف محسوس کرتے ہوئے آنکھیں بند کرلیتی ہوں۔ کھولنے کی کوشش کرتی ہوں تو کچھ نظر نہیں آتا، سفید سفید سی دھند دکھائی دیتی ہے۔"

میں نے کہا "تمھارا حسن بے مثال ہے مگر نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب کوئی اندھیرے میں دیکھ ہی نہ سکے تو پھر یہ حسن کس کام کا؟"

ہمارے درمیان لیڈی سیکرٹری کے ذریعے گفتگو ہورہی تھی۔ وہ میری بات سن کر ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا "میں کسی طرح آنکھیں بند کرکے یا آنکھیں کھول کر ذرا دیر کے لیے روشنی میں آتی ہوں جیسا کہ تمھارے سامنے آئی تھی۔ اپنے حسن و شباب کی جھلک دکھاتی ہوں، پھر تاریکی میں آجاتی ہوں۔ اتنی سی جھلک دیوانہ بنانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں، تم ابھی تاریکی میں تصوّر کی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے ہو۔"

"تمھاری ایک جھلک دیکھنے کے بعد بار بار تمھیں دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا تم روشنی میں رہنے کی عادت نہیں ڈال سکتیں؟"

چند لمحوں تک گہری خاموشی رہی۔ پھر اس کی آواز کمرے کی محدود فضا میں گونجنے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی "تاریکی بڑی بندہ پرور ہوتی ہے یہ دنیا کے تمام عیوب کو، تمام نقائص کو اور تمام گناہوں کو چھپالیتی ہے۔

روشنی بڑی بے حیا ہوتی ہے۔ پرائے گھروں میں دستک دیے بغیر پہنچ جاتی ہے۔

روشنی بڑی بدقماش ہوتی ہے۔ غریب عورتوں کے پھٹے ہوئے لباس سے گزر کر بے حیائی کا اشتہار بن جاتی ہے جبکہ تاریکی ان کی غربت اور مجبوریوں کو اپنے دامن میں چھپالیتی ہے۔ کسی کی نظر نہیں پڑنے دیتی۔

مسٹر مائیکل! تمھیں روشنی سے جتنی محبت ہے، مجھے تاریکی سے اتنا ہی پیار ہے۔ یہ تاریکی میرے جنم کی ساتھی ہے۔ میری ہمدم ہے۔ مجھے ساری دنیا سے چھپا کر رکھتی ہے اور میں رات کی تاریکیوں میں چھپ کر ساری دنیا کو دیکھتی رہتی ہوں۔"

وہ جو کہہ رہی تھی، وہی کر رہی تھی۔ مجھے اس تاریکی میں صاف طور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا "بات روشنی اور تاریکی کی نہیں ہے بلکہ سچائی کی ہے۔ روشنی میں سچائی نہیں چھپتی۔ اسی طرح سچائی تاریکی میں بھی نہیں چھپ سکتی۔ وہاں تمھاری جیسی دیکھنے والی آنکھیں موجود ہوتی ہیں۔ تم نے اس تاریکی میں اپنے آپ کو چھپالیا لیکن مجھے دیکھ رہی ہو کیونکہ میں یہاں خود کو نہیں چھپا سکتا۔ بہتر ہے، تم تاریکی اور روشنی کا فلسفہ رہنے دو اور مجھے یہ بتاؤ، یہاں کس لیے بلایا گیا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "بلانے سے تم کب آنے والے تھے۔ تمھیں جبراً لایا گیا ہے۔"

"یہی سہی۔ کام کی بات کرو۔"

"پہلے میں تمھاری حقیقت معلوم کروں گی کہ تم سچ مچ مائیکل گارسن ہو یا وہ شخص ہو جس کا مطالبہ ماسٹر کی کر رہا ہے۔"

میں نے معصوم اور انجان بن کر پوچھا "وہ شخص کون ہے، کچھ مجھے بھی پتا چلے۔"

"پتا چلے گا۔ پہلے تم آرام سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاؤ اور دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ میں تمھیں اچھی طرح دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں نے کرسی کے ہتھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ اس کی پشت سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ اچانک کھٹاکے کی آواز سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا، میرے دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں کے ساتھ ہتھکڑیوں میں جکڑ گئے۔ میں سیدھا بیٹھنا چاہتا تھا لیکن کرسی کی پشت سے کوئی چیز آکر مجھ سے لپٹ گئی۔ یقیناً وہ سیفٹی بیلٹ کی طرح کوئی چیز ہوگی جس نے مجھے کرسی سے جکڑ دیا تھا۔ ایسے وقت مجھے ہاتھ پاؤں مارنے چاہیے تھے مگر میں صرف پاؤں مار رہا تھا کیونکہ وہی آزاد تھے۔ لہٰذا میں نے پاؤں پٹخ کر پوچھا "یہ کیا حرکت ہے؟"

پہلے میں نے لیڈی سیکرٹری کو اپنے پاس کرسی پر بٹھایا ہوا تھا لیکن اس وقت چھوڑ دیا تھا جب لیڈی روزینہ نے کہا تھا کہ مجھے کرسی پر آرام سے بیٹھنا چاہیے۔ میں نے سوچا تھا، جب وہ مجھے اچھی طرح دیکھنے کے لیے قریب آئے گی تو اسے پکڑ لوں گا۔ پھر اسے مجبور کروں گا کہ میرے ساتھ روشنی میں چلے یا نیم تاریکی میں رہے تاکہ اسے کسی حد تک دیکھ سکوں اور اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھ سکوں لیکن میں نے ایک کو پانے کی خوش فہمی میں دوسری کو کھو دیا تھا۔

پھر اس تاریکی میں کتنے ہی دیے نظر آنے لگے۔ ایسے دیے جن سے تاریکی روشن نہیں ہوسکتی تھی، نہ ہی مجھے کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اس اندھیرے میں کچھ لوگ آگئے تھے۔ انھوں نے آنکھوں پر اینٹی ڈارک لینس پہنے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں کے پاس ہلکی ہلکی چمک تھی۔ باقی جسم تاریکی میں چھپے ہوئے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو پتا چلا، وہ مرد نہیں، عورتیں ہیں۔ وہ میرے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ ایک ملائم کپڑے کو کسی رقیق مادّے میں بھگو کر اس سے میرے چہرے کو پونچھ رہی تھیں۔ اچھی طرح رگڑ رہی تھیں تاکہ میک اپ ہو تو چھوٹ جائے۔

میں خیال خوانی کے ذریعے صرف لیڈی سیکرٹری کے پاس ہی پہنچ سکتا تھا۔ پتا چلا، اس نے بھی اینٹی ڈارک لینس پہن لیا ہے تاکہ مجھے اصلی روپ میں دیکھ سکے۔ میک اپ ہوتا تو صاف ہوجاتا۔ مائیکل گارسن کا چہرہ جوں کا توں رہا۔ اس کے بعد میرے متعلق وہی رائے قائم کی گئی جو دوسرے دشمن کرتے آرہے تھے۔ یعنی چہرے پر پلاسٹک سرجری کی گئی ہے۔

میں نے کہا "اگر یہ پلاسٹک سرجری ہے تو جس طرح ممکن ہو، تصدیق کرلو تاکہ میری جان چھوٹے۔ خوامخواہ مجھ پر شبہ کیا جا رہا ہے۔ ایک تو پچھلی شام سے ان لوگوں نے مجھے پریشان کیا، جنھیں تم ماسک مین یا ریڈ پاور کہتی ہو۔ تم بھی میرے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر وہ شخص کون ہے جس سے میں مشابہت رکھتا ہوں اور جس کی جگہ مجھے استعمال کیا جا رہا ہے؟"

لیڈی روزینہ پر میری باتوں کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ عورتیں تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے دور ہوگئی تھیں۔ ایک ٹرالی مجھے حرکت کرتی نظر آئی، اس ٹرالی پر ایک ننھا سا بلب روشن تھا۔ اس کی روشنی محدود تھی۔ صرف ٹرالی کی سطح پر پڑ رہی تھی۔ وہاں آپریشن کے مختلف اوزار رکھے ہوئے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی میں نے پریشان ہوکر پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟"

لیڈی روزینہ کا سرد اور بے رحم لہجہ سنائی دیا "خاموش بیٹھے رہو۔"

خاموش رہنے کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ میں حلق پھاڑ پھاڑ کر چلّا سکتا تھا لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکتا تھا۔ اینٹی ڈارک لینس لگائے ایک عورت سرنج لے کر میرے پاس آئی۔ میرے دائیں ہاتھ میں سرنج کی سوئی کو پیوست کرکے تھوڑا سا خون نکالا۔ اس خون کو ایک شیشے کی ٹیوب میں رکھ کر ایک عورت کے حوالے کیا۔ پھر اپنی زبان میں کہا۔ "فوراً اس کا گروپ معلوم کیا جائے۔"

میں اس کی بات بھی لیڈی سیکرٹری کے ذریعے سمجھ رہا تھا اور یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ لیڈی روزینہ مجھے بے نقاب کرنے کے لیے غیر انسانی سلوک کرے گی اور انتہائی ظالمانہ سزائیں دینے سے باز نہیں آئے گی۔ جس نے میرا بلڈ گروپ معلوم کرنے کے لیے میرے جسم سے خون نکالا تھا، وہ کوئی لیڈی ڈاکٹر تھی۔ اب وہ ایک پتلی سی چھری لے کر میری طرف بڑھ رہی تھی۔ پیچھے کھڑی ہوئی دو عورتوں نے میرے سر کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔ میں نے سر جھٹکنے کی کوشش کی تو تیسری عورت نے میری کنپٹی سے ریوالور کی نال لگا دی پھر اپنی زبان میں کہا "ذرا بھی حرکت کروگے تو گولی کھوپڑی کے پار ہوجائے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ اب صرف ٹریگر پر انگلی دبانے کی دیر تھی۔ میں ایک دم سے ساکت ہوگیا۔ دونوں عورتوں نے میری ٹھوڑی کے نیچے ایک ایپرن رکھ کر پیچھے گردن کی طرف باندھ دیا۔ لیڈی ڈاکٹر جسمانی کھال کو چیرنے والا چھوٹا سا چاقو لے کر میرے پاس آگئی۔ اس نے ایک ہاتھ میرے دائیں کان پر رکھا۔ پھر چاقو کی نوک میرے کان کے قریب جبڑے سے ذرا اوپر رکھ کر اس پر دباؤ ڈالا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے چہرے کے اس حصّے سے چنگاریاں پھوٹ رہی ہوں۔ ایسی جلن محسوس ہوئی جیسے انگارے بھر دیے گئے ہوں۔ میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو حلق پھاڑ کر چیخنے لگتا۔ مگر میں دانت پر دانت جمائے مٹھیاں بھینچے برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ تقدیر مجھے کیا تماشے دکھا رہی ہے۔

اُس نے میرے چہرے کی جلد کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ لیا۔ اسے نکال کر ایک ٹرے پر رکھتے ہوئے بولی۔ "فوراً لیبارٹری لے جاؤ اور اس کھال کا تجزیہ کراؤ۔ مجھے ابھی رپورٹ چاہیے۔"

ایک عورت وہ ٹرے لے کر چلی گئی۔ میں نے اپنی زبان میں کہا "تم لوگوں نے ظلم اور سفّاکی کی انتہا کردی۔ میں سمجھتا تھا، عورتوں کا دل نرم ہوتا ہے۔"

لیڈی سیکرٹری نے کہا۔ "ہمارا دل نرم ہے۔ تمھارے چہرے کے اس حصّے کی مرہم پٹی کی جارہی ہے۔"

"ایسا کرنا ہی تھا تو پہلے میرے چہرے کے اس حصّے کو انجکشن کے ذریعے سُن کیا جاسکتا تھا۔"

سیکرٹری نے بے پروائی سے کہا۔ "ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

میں نے ناگواری سے کہا۔ "اگر میں آزاد ہوتا تو تمھیں وقت سے زیادہ انسان کی قدر کرنا سکھا دیتا۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "مجھے نقصان پہنچانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میں ہی ایک ایسی ہستی ہوں جو تمھاری زبان کا ترجمہ ان کے سامنے پیش کرتی ہے اور ان کی باتیں تمھیں سمجھاتی ہے۔ میں نہیں رہوں گی تو ان غٹرغوں کرنے والی عورتوں کے درمیان پاگل ہو جاؤ گے۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ میں اسے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس بار لیڈی ڈاکٹر وہ چاقو لے کر میرے بائیں ہاتھ کے پاس آئی۔ پھر ایک عورت نے میری آستین کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ آستین پھٹتی ہوئی میرے بازو سے نکل گئی، چیتھڑے جھولنے لگے۔ لیڈی ڈاکٹر نے چاقو کی نوک کو میرے ننگے بازو پر رکھا۔ میں نے چیخ کر پوچھا۔ "یہ ظلم ہے۔ تم آخر کیا کرنا چاہتی ہو؟"

میں آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اتنی شدید جلن اور تکلیف ہوئی کہ اپنے حلق سے نکلنے والی چیخ پر قابو نہ پا سکا۔ پھر عقل نے سمجھایا، مجھے چیخنا چلّانا اور فریاد کرنا چاہیے۔ ورنہ انتہائی ظلم برداشت کرنے والا فرہاد علی تیمور سمجھا جاؤں گا۔

میں چیخنے اور احتجاج کرنے لگا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ اس نے میرے بازو کی جلد کو تھوڑا سا کاٹ کر نکالا، اسے بھی ایک ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔ "اسے بھی لیبارٹری لے جاؤ۔ مجھے ابھی رپورٹ چاہیے۔"

میں اس لیڈی ڈاکٹر کا طریقۂ کار سمجھ رہا تھا۔ چہرے پر پلاسٹک سرجری کی جاتی ہے لیکن بازو چھپا ہوتا ہے۔ وہاں تو میرے جسم پر وہی پیدائشی جلد ہوگی لہٰذا بازو اور چہرے کی جلدوں کا موازنہ کرنے کے لیے دونوں جگہ کی جلدوں کو کاٹ کر لیبارٹری بھیجا گیا تھا۔

جو طریقۂ کار اختیار کیا جارہا تھا، اس کے بعد میرا بے نقاب ہو جانا لازمی تھا۔ بازو کی جلد یہ چغلی کھا سکتی تھی کہ چہرے کی جلد مصنوعی ہے۔ اس سے پہلے میرا خون لیا گیا تھا۔ بلڈ گروپ معلوم کیا جارہا تھا۔ اس سے بھی پتا چل جاتا کہ فرہاد کا بلڈ گروپ کیا ہے۔ جبکہ ریکارڈ میں میرا گروپ 'او' لکھا ہوا ہے ظاہر ہے، ابھی جو خون لیا گیا ہے، اس کا بھی نتیجہ یہی نکلنے والا تھا۔ اب میں ان عورتوں سے چھپ کر نہیں رہ سکتا تھا۔

میں نے سر اٹھا کر دور بیٹھی ہوئی لیڈی روزینہ کو دیکھا، صرف اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ سیکرٹری کی سوچ سے پتا چلا، وہ کسی آرام دہ صوفے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ میرے مقابلے پر آج تک کتنے ہی ناقابلِ شکست دشمن آئے۔ وہ کتنے ہی ذہین، چالاک اور شاطر قسم کے لوگ تھے۔ انھوں نے مجھے بے نقاب کرنے کے لیے طرح طرح کے طریقے اختیار کیے لیکن یہ عورتیں ان سے زیادہ چالاک ثابت ہو رہی تھیں اور ان عورتوں کے پیچھے لیڈی روزینہ کا ہی دماغ کام کر رہا تھا۔ کمبخت کیا بلا تھی، یہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

میرے بازو کی بھی مرہم پٹی کر دی گئی۔ وہ تمام عورتیں چلی گئی تھیں۔ لیڈی روزینہ کی آنکھیں بھی نظر نہیں آرہی تھیں۔ سیکرٹری کے ذریعے پتا چلا، وہ بھی وہاں سے جاچکی ہے شاید میری رپورٹ حاصل کرنے کے لیے لیبارٹری میں گئی ہے۔

اب میرا کیا ہوگا؟ میں تو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہونے والا تھا۔ سیکرٹری کی سوچ بتا رہی تھی، اگر میرے فرہاد علی تیمور ہونے کی تصدیق ہوگئی تو لیڈی روزینہ بھاری قیمت لے کر مجھے ماسٹرکی کے حوالے کر دے گی۔ میں بے لبسی سے سوچنے لگا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

میں اسی طرح کرسی سے جکڑا ہوا تھا۔ مجھے اس کمرے میں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ انھیں یقین تھا کہ میں فرار نہیں ہوسکتا اور ان کا یقین درست تھا۔

میں نے جناب شیخ الفارس کو مخاطب کیا۔ انھیں اپنے موجودہ حالات بتائے۔ انھوں نے تمام حالات سننے کے بعد ناراض ہو کر کہا۔ "تمھاری یہ بہت بُری عادت ہے کہ جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تب ہم سے رابطہ قائم کرتے ہو۔ اب تمھی بتاؤ، تمھارا بلڈ گروپ معلوم کرنے اور تمھاری جسمانی کھال کا تجزیہ کرنے میں کتنی دیر لگے گی۔ ان کی لیبارٹری میں یہی ایک اہم کام ہوگا۔ یہ تو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں ہو جائے گا۔ میں ہزاروں میل دور رہ کر پندرہ منٹ میں کیا کر سکتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ شیبا کو تمھارے پاس بھیج سکتا ہوں۔"

مجھے شیبا کی آواز سنائی دی۔ "میں بہت پہلے ہی تمھارے دماغ میں موجود ہوں۔"

مجھے اس بات پر حیرانی ہوئی۔ وہ میرے دماغ میں تھی اور میں سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ بھلا کیسے کرتا؟ میرے چہرے اور بازو کی جلد تھوڑی سی کاٹی گئی تھی۔ مجھے اپنے جسم کے ان دونوں حصّوں میں شدید جلن کا احساس ہو رہا تھا۔ میں ایسے میں سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

شیبا نے کہا۔ "تم درست سوچ رہے ہو۔ میں اسی وقت تمھارے دماغ میں آئی تھی جب وہ لیڈی ڈاکٹر تمھارے چہرے سے تھوڑی سی جلد کاٹ کر نکال رہی تھی اور تم تکلیف میں مبتلا تھے۔"

"شیبا! وہ سیکرٹری یہاں نہیں ہے۔ لیڈی روزینہ کے ساتھ لیبارٹری میں ہے۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ رہا ہوں، تم بھی میرے ساتھ چلو۔ ہم موقع ملتے ہی لیبارٹری سے نکلنے والی رپورٹ میں تبدیلی کر دیں گے۔"

ہم دوسرے ہی لمحے سیکرٹری کے دماغ میں پہنچ گئے۔ لیڈی روزینہ وہاں نہیں تھی۔ لیبارٹری میں اچھی خاصی روشنی تھی۔ شعبۂ طب سے تعلق رکھنے والی اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں اس لیبارٹری میں مصروف تھیں۔ لیڈی سیکرٹری نے ایک لڑکی کے پاس پہنچ کر کہا۔ "مائیکل گارسن کے خون کی رپورٹ دکھاؤ۔"

اس نے ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس میں میرے خون کا گروپ 'اے پازیٹو' لکھا ہوا تھا۔ میں اور شیبا وہ رپورٹ پڑھ کر حیران رہ گئے۔ لیڈی سیکرٹری مایوس ہوگئی تھی۔ اسے بھی معلوم تھا کہ فرہاد علی تیمور کے خون کا گروپ 'او' ہے۔ میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ شیبا میرے ساتھ تھی میں نے اس سے کہا۔ "یہ بڑی حیرانی کی بات ہے۔ خون کا گروپ اے پازیٹو کیسے ہوگیا۔ جبکہ میرا 'او' گروپ ہے؟"

"لیبارٹری میں جس لڑکی نے تمھارے خون کی رپورٹ تیار کی ہے، وہ یقیناً تمھیں جانتی ہے، درپردہ تمھارے لیے کام کر رہی ہے۔ ہمیں اس کے دماغ میں کسی طرح پہنچنا چاہیے۔"

میں پھر لیڈی سیکرٹری کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ترکی زبان میں اس لڑکی سے باتیں کر رہی تھی۔ میں نے سیکرٹری کو غیر شعوری طور پر انگریزی میں بات کرنے کے لیے مجبور کیا۔ وہ بے اختیار انگریزی بولنے لگی۔ سامنے کھڑی ہوئی لڑکی نے حیرانی سے ترکی زبان میں پوچھا۔ "تم مجھ سے اس زبان میں گفتگو کر رہی ہو۔ میں تو ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتی۔"

مجھے پتا چل گیا کہ جس لڑکی نے مجھ پر مہربانی کی ہے وہ صرف ترکی زبان جانتی ہے۔ سیکرٹری نے اس سے کہا۔ "میں یقین کرنا چاہتی ہوں، تم اپنی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتی ہو۔ اگر تمھیں انگریزی آتی ہے تو صاف صاف کہہ دو۔ ہوسکتا ہے، فرہاد علی تیمور تمھارے دماغ میں موجود ہو اور اس نے رپورٹ میں کوئی تبدیلی کروائی ہو۔"

اس لڑکی نے معصومیت سے کہا۔ "مادام! مجھے تمھاری یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ میں کسی فرہاد علی تیمور کو نہیں جانتی اور نہ ہی میری رپورٹ میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے۔ میں ایک زبان جانتی ہوں، دوسری زبان مجھے نہیں آتی۔"

لیڈی سیکرٹری وہاں سے مطمئن ہو کر دوسری لڑکیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے جانے لگی۔ تمام لڑکیاں اپنے اپنے کام میں مصروف تھیں۔ وہ ایک کے پاس آکر رک گئی۔ اس سے پوچھا۔ "کیا رپورٹ ہے؟"

وہ میری جسمانی کھال کا تجزیہ کر چکی تھی۔ ٹائپ شدہ رپورٹ بھی تیار تھی۔ اس نے وہ کاغذ اٹھا کر لیڈی سیکرٹری کے حوالے کر دیا۔ میں نے اس کے ذریعے پڑھا اور پھر ایک بار حیران رہ گیا۔ رپورٹ میں لکھا تھا کہ میرے چہرے اور بازو کی کھال بالکل ایک ہے۔ میرے چہرے کی جلد میں پلاسٹک اور کسی دوسری جسمانی کھال کی آمیزش نہیں ہے۔ یہ ایسا سفید جھوٹ تھا جس پر میں کبھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوا۔ شیبا نے کہا۔ "فرہاد! یہ تو کمال ہوگیا۔ جو ہم کبھی سوچ نہیں سکتے تھے، وہ ہو رہا ہے۔ اس لیبارٹری میں جو لڑکیاں کام کر رہی ہیں، وہ ہماری حمایتی ہیں۔ تمھیں اچھی طرح جانتی ہیں۔ کتنی چالاکی اور خاموشی سے تمھارا بچاؤ کر رہی ہیں!"

"میں حیران ہوں کہ یہ لڑکیاں انگریزی نہیں جانتیں۔ کوئی دوسری زبان نہیں جانتیں اور میری حمایت کر رہی ہیں۔ ان لڑکیوں کو جاننا اور پہچاننا تو دور کی بات ہے، کبھی ان کی آواز تک نہیں سنی تھی۔ ان سے بات تک نہیں کی تھی۔ بھلا بات کیسے کرتا جبکہ یہ اپنی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتیں۔ پھر یہ کس رشتے اور تعلق سے مجھے دشمنوں کی نظروں سے چھپا رہی ہیں؟"

شیبا نے چونک کر کہا۔ "ہم ایک بات بھول رہے ہیں، سونیا ترکی زبان جانتی ہے۔ کیا وہ یہاں موجود ہے اور چھپ چھپا کر ہمارے لیے کام کر رہی ہے؟"

"میں نے اس کمبخت سے وعدہ کیا ہے کہ ہم اس کے دماغ میں نہیں آئیں گے۔ نہ ہی اس کے متعلق کسی طرح معلومات حاصل کریں گے۔"

"شاید اس نے اسی لیے ہم پر پابندی لگائی ہے کہ وہ جو کچھ کرتی رہے، ہم اس سے بے خبر رہیں۔ آخر ہمیں بے خبر رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟"

"یہ تو وہی جانتی ہوگی۔"

"فرہاد، میرا دل کہتا ہے، سونیا موجود ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"تم سوچ رہے ہو۔ یقین کیوں نہیں کر لیتے؟"

"نہیں شیبا! تم اس کے دماغ میں جانے کی غلطی نہ کرنا۔ بے شک اسے پتا نہیں چلے گا لیکن یہ ہماری وعدہ خلافی ہوگی۔ میں جب چاہوں تمہارے دماغ میں اجازت کے بغیر آسکتا ہوں۔ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا لیکن یہ میری وعدہ خلافی بھی ہوگی اور میرا ایمان بھی جائے گا۔ ہمیں اخلاقی پابندیوں میں رہنا چاہیے۔"

وہ شرمندہ سی ہو کر بولی "تم درست کہہ رہے ہو۔ میں تو یونہی جذباتی سی ہو گئی تھی۔ سونیا کو اتنے قریب محسوس کرتے ہوئے اس سے ملنا چاہتی تھی۔ اب ایسا نہیں سوچوں گی۔"

"تم جاؤ اور جناب شیخ صاحب کو بتا دو کہ میرا بھید کھلتے کھلتے رہ گیا ہے۔ میں خیریت سے ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ مجھے اس تاریک کمرے میں پھر وہ چمکتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیں۔ وہ آنکھیں میرے قریب آرہی تھیں۔ میں نے لیڈی سیکرٹری کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ اپنی آنکھوں پر اینٹی ڈارک آئی لینس پہن رہی تھی۔ اس کے بعد وہ بھی کمرے میں پہنچ گئی۔ لیڈی روزینہ نے کہا "مائیکل گارسن! ہمیں یقین ہو گیا ہے، تم مائیکل ہو اور ریڈ پاور والے تمہیں اپنا آلہ کار بنانا چاہتے تھے۔ خدا کا شکر ادا کرو، تمہاری جان بچ گئی۔ ورنہ ماسٹر کے پاس پہنچتے تو وہ تمہیں یوں اپاہج بنا دیتا کہ زندگی بوجھ بن جاتی اور موت تمہارے قریب نہ آتی۔"

لیڈی سیکرٹری نے اس کا ترجمہ پیش کیا حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ترجمہ سننے کے بعد کہا "تمہیں یقین ہو چکا ہے، میں وہ نہیں ہوں جس کی تلاش تھی۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

لیڈی روزینہ نے کہا "تم زخمی ہو۔ یہ زخم بھرنے تک ہمارے مہمان رہو گے۔ اس کے بعد میں تم سے شادی کروں گی۔"

میں نے چونک کر اندھیرے میں دیدے پھیلاتے ہوئے اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ پھر پوچھا "کیا تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو؟"

اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں دوسری طرف گھوم گئیں۔ یعنی وہ گھوم کر جا رہی تھی۔ اب نظر نہیں آرہی تھی۔ لیڈی سیکرٹری نے کہا "تم خوش نصیب ہو۔ لیڈی روزینہ تمہیں اپنا دسواں شوہر بنا رہی ہیں۔"

یا حیرت! میں ذرا دیر تک گم صم سا رہا۔ بولنے کے لیے کوئی لفظ نہیں ملا۔ پھر میں نے پوچھا "دسواں شوہر؟"

"ہاں، ہماری لیڈی جسے پسند کر لیتی ہے اسے اپنا شوہر بنا لیتی ہے مگر۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ میں نے پوچھا "مگر کیا؟"

لیڈی سیکرٹری میرے قریب آکر بولی "تم نے وہ حسن و شباب روشنی میں دیکھا ہے۔ ذرا دیر کے لیے سہی مگر دیکھا ہے۔"

"ہاں، بہت خوب ہے۔"

"اسے جو دیکھتا ہے، اسی کی تمنا میں جیتا ہے، اسی کی تمنا میں مر جاتا ہے۔ تم خوش نصیب ہو، اس کی قربت میں مرنے والے ہو۔"

"تم پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔"

"سیدھی اور صاف بات سننا چاہتے ہو تو سنو۔ دسویں شوہر کے بعد کسی دن گیارھواں شوہر بھی آئے گا اور وہ بھی خوش نصیب ہوگا۔"

"تم صاف اور سیدھی بات نہیں کر رہی ہو۔"

"سیدھی بات کر رہی ہوں۔ جب دسواں نہیں ہوگا تب ہی تو گیارھواں آئے گا۔ جس طرح نواں نہیں رہا اور دسویں تم آئے ہو۔"

"اس کا مطلب ہے، میری شادی لیڈی روزینہ سے نہیں موت سے ہوگی۔"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی مگر جو دیکھتی آئی ہوں، وہ کہہ رہی ہوں۔ جو بھی شوہر بن کر دلہن کے کمرے میں جاتا ہے، وہ اس کی پہلی اور آخری سہاگ رات ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ نظر نہیں آتا۔"

وہ سیدھی اور صاف بات کہہ رہی تھی۔ پھر بھی وہ گفتگو سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہے تو کیا وہ پسند محض ایک رات کی ہوتی ہے۔ کیا وہ نارمل نہیں ہے؟

میں نے اس کی جتنی باتیں سنیں اور اس کا طرزِ عمل دیکھا، اس سے وہ بالکل نارمل لگتی تھی۔ اگرچہ مجھے بے نقاب کرنے کے لیے اس نے ظالمانہ برتاؤ کیا تھا مگر اس کا طریقۂ کار بتاتا تھا کہ وہ ذہین اور چالاک ہے۔ پھر یہ عورت ایسی حماقت کیوں کرتی ہے کہ اپنی پسند سے شادی کرے اور شادی کی رات کو اپنے شوہر کے لیے آخری رات بنا دے۔ پھر اس بے چارے کا سراغ نہ مل سکے۔

لیڈی سیکرٹری کا دماغ مجھے بتا رہا تھا، آج تک اس کے نو شوہروں کا سراغ نہ مل سکا، نہ ہی ان کی لاشیں ملیں۔

سیکرٹری میری کرسی کے پیچھے آئی۔ اس کرسی کے پیچھے ایک بٹن تھا، اسے دباتے ہی میری ہتھکڑیاں کھل گئیں۔ میرے سینے پر جو بیلٹ بندھا ہوا تھا، وہ بھی کھل گیا۔ اس نے کہا "تم آزاد ہو، چونکہ لیڈی روزینہ کے ہونے والے شوہر ہو لہٰذا یہاں سب ہی تمہارے آگے سر جھکائیں گے لیکن تم اس عمارت سے باہر نہیں جاؤ گے۔"

میں کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ عمارت سے باہر جانے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ویسے میں سمجھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا کمرے سے نکل کر باہر آیا۔ اتنی دیر تک تاریکی میں رہنے کے باعث باہر کی روشنی آنکھوں میں چبھنے لگی۔ میں نظریں جھکائے اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے ایک دور افتادہ کمرے میں پہنچا۔ وہ کمرہ میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔

لیڈی روزینہ کی وہ کوٹھی کسی محل سے کم نہیں تھی۔ میرا کمرہ خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ میں وہاں پہنچ کر چاروں طرف گھوم کر اسے دیکھتا رہا۔ چار خوبصورت کنیزیں میری خدمت کے لیے وہاں موجود تھیں۔ ایک بوڑھی عورت بھی تھی۔ اس نے اپنی زبان میں سیکرٹری سے کہا "مہمان سے کہو، بستر پر آرام سے لیٹ جائے۔"

سیکرٹری نے جب مجھ سے کہا تو میں بستر پر لیٹ گیا۔ پتا چلا، یہ وہی لیڈی ڈاکٹر تھی جس نے میرے چہرے اور بازو کی جلد بڑی بے رحمی سے کاٹی تھی۔ میں نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا "میں آزاد ہوں۔ لیڈی ڈاکٹر سے کہہ دو، اگر کوئی ظالمانہ سلوک ہوا تو سب سے پہلے اسی کی گردن توڑوں گا۔"

ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس نے دوبارہ میرے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ ایک انجکشن لگایا۔ کھانے اور پینے کے لیے دوائیں دیں۔ میں سیکرٹری کے ذریعے اس کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "یہ زخم جلد ہی بھر جائیں گے۔ میں باقاعدہ دوائیں استعمال کرتا رہا تو چوبیس گھنٹے کے بعد دولہا بننے کے قابل ہو جاؤں گا۔"

وہ اپنا فرض ادا کر کے چلی گئی۔ سیکرٹری نے کہا "میں جا رہی ہوں۔ میری عدم موجودگی میں تم ان لڑکیوں سے باتیں نہیں کر سکو گے مگر اپنی خدمت کرا سکو گے۔"

"ان زخموں کی وجہ سے کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ آنکھیں بند کر کے آرام سے لیٹنا چاہتا ہوں۔"

سیکرٹری نے اپنی زبان میں لڑکیوں سے جانے کے لیے کہا۔ سب چلی گئیں۔ ان کے پیچھے وہ بھی گئی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ بستر پر آکر لیٹ گیا۔ بہت ہی آرام دہ بستر تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے خیال خوانی کی پرواز کی۔ پومی کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا۔ "میں تمہارے لیے پریشان ہوں۔ کیا نئی مصیبت میں پھنس گئے ہو؟"

"قدم قدم پر اتنی مصیبتیں سامنے آتی ہیں کہ ان میں کون سی نئی ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔"

"میں نارتھ ویلز کے قریب آگئی ہوں۔ مجھے وہاں کا جغرافیہ بتاؤ۔"

میں جو کچھ جانتا تھا، وہ بتانے لگا۔ اس کے بعد کہا "ابھی لیڈی روزینہ کے فارم میں داخل نہ ہونا۔ تم ترکی زبان نہیں جانتی ہو۔ وہاں جتنی لڑکیاں ہیں سب یہی زبان بولتی اور سمجھتی ہیں۔ انگریزی کسی کے پلے نہیں پڑتی۔"

"بولنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ یہ معلوم کرو، وہاں کوئی گونگی لڑکی ہے۔"

"یعنی تم گونگی بن کر آنا چاہتی ہو۔"

"میں کسی طرح بھی تمہارے پاس آنا چاہتی ہوں۔"

"پومی! ہم دشمنوں سے لڑ سکتے ہیں۔ تقدیر سے نہیں لڑ سکتے۔ تم نے دیکھ لیا، ہم کتنی آسانی سے ایک دوسرے کے قریب آرہے تھے، پھر آتے آتے دور ہو گئے۔ یہاں کوئی گونگی لڑکی ہے یا نہیں، یہ معلوم کروں گا۔ مگر جلد بازی نہ کرنا ورنہ ہم سب کو نقصان پہنچے گا۔"

وہ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا "سوری! میرا یہاں دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم کروں گا۔"

میں اس سے رابطہ ختم کر کے سوچنے لگا، پومی اگر نارتھ ویلز کے قریب رہے گی تو میرے پاس آنے کی دُھن میں کوئی نہ کوئی غلطی کر بیٹھے گی۔ وہ دی کلر کا سر حاصل کرنے آئی تھی۔ بڑی کامیابی سے دشمنوں کے دل و دماغ پر دہشت بن کر نقش ہو رہی تھی لیکن جب سے میرے قریب آنے کی بات چلی تھی، اس کا دھیان اپنے فرض سے ہٹ گیا تھا۔ جو اپنی منزل کی طرف بڑھتے بڑھتے راستے سے ہٹ جاتا ہے، وہ بھٹکتا رہ جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ پہلی بار زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد بھٹکنا شروع کر دے۔

اگرچہ میری بھی تمنا تھی کہ وہ میرے پاس آئے۔ میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ اس کے ساتھ حالات کے نشیب و فراز سے گزرتا جاؤں لیکن ابھی یہ مناسب نہیں تھا۔ حالات اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

پُراسرار سپر ماسٹر مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ مسٹر لوکو کے ذریعے اس کا نام، پتا اور ٹیلیفون نمبر وغیرہ معلوم کر چکا تھا اور یہ بھی معلوم کر چکا تھا کہ اگر اس سے براہِ راست رابطہ قائم نہ کرسکوں تو کن ذرائع سے اس کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔

وہ پُراسرار شخص جو ایک عرصے سے ہمیں الجھاتا رہا۔ اپنے آپ کو ایک ناقابلِ فہم راز بنا کر ہمارے لیے دشواریاں پیدا کرتا رہا، اس کا نام گراہم ہارڈلے تھا۔ وہ وزارتِ خارجہ کے اس شعبے سے تعلق رکھتا تھا جس کا بظاہر کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اس شعبے کا ذکر صرف ایک فائل میں ہوتا ہے اور اس فائل کا عنوان ہوتا ہے "ٹاپ سیکرٹ"۔

وہ اس انتہائی خفیہ ادارے کا سپر ماسٹر کہلاتا تھا۔ یہ سپر ماسٹر کا عہدہ بہت سے لوگوں کو معلوم تھا لیکن سپر ماسٹر کون تھا؟ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ اگر کبھی ملکی یا غیر ملکی معاملات میں راز فاش ہونے کی نوبت آتی تو ایک جونیئر سپر ماسٹر کو منظرِ عام پر لایا جاتا تھا۔ اصل سپر ماسٹر پھر بھی پردۂ راز میں رہتا تھا۔

مگر کوئی انسان کس حد تک پُراسرار بن سکتا ہے؟ کہاں تک خود کو چھپا کر رکھ سکتا ہے؟ وہ سرکاری معاملات میں پُراسرار ہو سکتا ہے مگر اس کی نجی زندگی بھی ہوگی۔ کوئی بھی شخص کسی تہ خانے میں جا کر دنیا والوں سے خود کو چھپا کر ایک طویل زندگی نہیں گزار سکتا۔ زندگی گزارنے کے لیے اسے انسانوں کی دنیا میں کسی سے ملنا پڑتا ہوگا، کسی سے دو بات کہنے کی ضرورت پیش آتی ہوگی۔ کسی کھانا پکانے والی اور گھر کی صفائی کرنے والے کی ضرورت پڑتی ہوگی۔ دنیا جہان کے معاملات نمٹانے والا سپر ماسٹر تنہا دفتری کام بھی کرتا ہو، کھانا بھی پکاتا ہو، اپنے کپڑے بھی دھوتا ہو، استری بھی کرتا ہو اور اپنی ساری ضروریات خود ہی پوری کرتا ہو تو یہ ماننے والی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے کسی نہ کسی ساتھی کی ضرورت پڑتی ہوگی۔ کسی نہ کسی سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہوگا۔ ایسے ہی وقت وہ خود کو پُراسرار بنا کر نہیں رکھ سکتا۔

اس پُراسرار سپر ماسٹر نے شادی نہیں کی تھی تاکہ بیوی بچوں کو رازدار نہ بنانا پڑے۔ جس شاندار بنگلے میں وہ رہتا تھا وہاں اس کی حیثیت صرف ایک بزنس مین کی تھی جو اچھا کماتا تھا اور شان و شوکت سے زندگی گزارتا تھا۔۔۔ اس بزنس مین کا نام گراہم ہارڈلے تھا۔ یہی اس کا اصل نام تھا۔

وہ ایک عام شہری کی طرح زندگی گزارتا تھا۔ اس کے نوکر چاکر تھے۔ وہ شام کو ایوننگ سوٹ پہن کر کلبوں میں جاتا تھا۔ اپنا دل بہلاتا تھا۔ کسی سے مستقل دوستی نہیں کرتا تھا۔ خواہ مرد ہو یا عورت، عارضی دوستی ہوتی۔ پھر وہ ان سے کترا جاتا۔ اپنے دوستوں میں، اپنے شہر میں وہ خود غرض اور مغرور کہلاتا تھا۔ ایسا کہنے والے یہ نہیں جانتے کہ یہ ایک سپر ماسٹر کی مجبوری ہے۔

میں نے ریڈ پاور کے باس سے رابطہ قائم کیا۔ پھر کہا "میں ایک ٹیلیفون نمبر بتا رہا ہوں، اس نمبر پر ڈائل کرو۔ جب دوسری طرف سے کوئی بات کرے تو اس کی بات سن کر رانگ نمبر کہہ دینا"۔

اس نے پوچھا "یہ کس کا نمبر ہے؟"

"یہ نمبر مجھے سپر ماسٹر تک پہنچا دے گا"

باس نے خوش ہو کر پوچھا "کیا واقعی؟"

میں نے اسے نمبر بتایا۔ وہ ریسیور اٹھا کر ڈائل کرنے لگا۔ ریسیور اس کے کان سے لگا ہوا تھا اور میں اس کی کھوپڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں دوسری طرف سے کسی نے ریسیور کو اٹھایا۔ پھر کہا "ہیلو"

باس نے پوچھا "کیا یہاں مسٹر وِکی وائزمین رہتے ہیں؟"

دوسری طرف سے کہا گیا "نو، رانگ نمبر"

باس کو رانگ نمبر کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ میں نے کہا "کافی ہے"

اس کے ساتھ ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ دوسری طرف سے بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ گراہم ہارڈلے کا خاص ملازم تھا۔ وہ ملازم بھی اپنے مالک کو سپر ماسٹر کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک اس کے دماغ میں رہ کر اس کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا۔ گراہم ہارڈلے کہیں جانے کے لیے سوٹ پہن چکا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے ملازم سے کہہ رہا تھا "ڈرائیور سے کہو، گاڑی پورچ میں لے آئے"۔

ملازم چلا گیا۔ میں وہیں رہ گیا۔ ایک مدت کے بعد اس پُراسرار شخص کا دماغ رہنے کو ملا تھا۔ اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ وہ یوگا کا ماہر ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو ماسٹر کی طرح چیلنج کرتا، یوں برسوں چھپ کر نہ رہتا۔

اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بہت اہم شخص تھا۔ میں اس کے دماغ سے بڑی اہم معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے دی کلر کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ مسٹر لوکو کا قلعہ سب سے زیادہ محفوظ تھا۔ سپر ماسٹر کے خیال کے مطابق پومی بڑی مشکل سے مسٹر لوکو کی اجازت حاصل کر کے اس قلعے میں داخل ہوئی تھی اور اپنی خوش قسمتی سے نکل آئی تھی ورنہ وہاں نہ تو کوئی جا سکتا تھا اور نہ جانے کے بعد باہر آ سکتا تھا۔ اب پومی کے لیے بھی یہ ممکن نہ تھا۔ اسے دوبارہ وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔ وہ ادھر کا رخ کرتی تو اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا۔

یہ سپر ماسٹر کے خیالات تھے اور اسے یقین تھا کہ دی کلر پھر اس قلعے میں رہے گا تو پومی یا فرہاد کو اس کی ہوا بھی نہیں لگے گی اور نہ ہی فرہاد خیال خوانی کے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچ سکے گا، مسٹر لوکو کو گولی مار دینے کے بعد اب کوئی دوسرا اس کے دماغ کو کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول کر رہا تھا۔

جیسا کہ میں اپنی داستان میں بتا چکا ہوں، پومی نے ایک بار دی کلر کو قلعے کے اس قید خانے میں دیکھا تھا جہاں بہت سی عورتیں قید کی گئی تھیں اور جہاں پومی کو بھی قید کیا گیا تھا۔ اس کے بعد دی کلر اچانک غائب ہو گیا تھا۔ میں نے مسٹر لوکو کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنا چاہا تھا۔ ایسا کون سا خفیہ راستہ ہے جہاں سے اسے نکال کر محفوظ مقام تک پہنچا دیا گیا ہے۔

اس کا جواب مسٹر لوکو کے پاس نہیں تھا۔ اگرچہ وہ اس قلعے میں حکمرانی کرتا تھا لیکن سپر ماسٹر نے ہی اسے وہاں کا حکمراں بنایا تھا۔ مسٹر لوکو سیاہ سفید کا مالک تھا لیکن اس خفیہ راستے کا علم اسے نہیں تھا۔ اب میں پُراسرار سپر ماسٹر کے دماغ میں رہ کر خفیہ راستے کے متعلق معلوم کر رہا تھا۔ اسی راستے سے دی کلر کو دوبارہ قلعے میں پہنچا دیا گیا تھا اور جو شخص اس کے دماغ کو کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول کر رہا تھا، اس شخص کو عارضی طور پر قلعے کا منتظمِ اعلیٰ بنا دیا گیا تھا۔ وہاں کے لوگ اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگے تھے۔

میں اس قلعے میں رہنے والوں کے دماغوں تک پہنچ چکا تھا۔ لہٰذا وہاں بڑی زبردست تبدیلیاں عمل میں آئی تھیں۔ مسلح افراد اس قلعے سے نکال دیے گئے تھے۔ نئے افراد لائے گئے تھے۔ سختی سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک اجنبی بھی اس قلعے میں داخل نہ ہونے پائے۔ یقیناً سپر ماسٹر نے بڑی چالاکی سے کام لیا تھا۔ ایک تو ہم دی کلر کے متعلق یہ سوچ نہیں سکتے تھے کہ دوبارہ اسے قلعے میں چھپا کر رکھا جائے گا۔ دوسرے اس نے قلعے میں داخلے کا ہر راستہ بند کر دیا تھا۔ نہ پومی جسمانی طور پر جا سکتی تھی۔ نہ میں دماغی طور پر پہنچ سکتا تھا۔

میں نے پومی سے کہا "تمھیں پھر مسٹر لوکو کے قلعے میں جانا ہوگا"

اس نے چونک کر پوچھا "کیا دی کلر وہاں ہے؟"

"دوبارہ وہاں پہنچایا گیا ہے"

"کیا اس قلعے میں دوبارہ داخل ہونا ممکن ہے"

"میں نے خفیہ راستہ معلوم کر لیا ہے۔ تم اپنے موجودہ مقام کو چھوڑ دو۔ وہاں سے چل پڑو۔ میں تمھاری رہنمائی کروں گا"

وہ فوراً ہی روانگی کی تیاریاں کرتے ہوئے بولی "مجھے کس سمت جانا ہے؟"

"تم ریڈ پاور کے باس کی طرف جاؤ۔ راستے میں اس کے آدمی ملیں گے۔ وہ تمھیں ایسی جگہ پہنچا دیں گے جہاں سے وہ خفیہ راستہ شروع ہوتا ہے"

میں نے باس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا "میں ایک جگہ کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ مسٹر لوکو کا قلعہ جس پہاڑی پر ہے اس کے دامن میں تقریباً چار میل کے فاصلے تک جو جنگلات ہیں، کیا وہاں آپ کا گزر کبھی ہوا ہے؟"

"میں اس طرف کبھی نہیں گیا لیکن نقشے کے ذریعے میں اس جگہ تک پہنچ سکتا ہوں جہاں کی آپ نشاندہی کریں گے"

"اس پہاڑی کے دامن میں شمال کی طرف چھ میل تک گھنے جنگلات ہیں۔ وہاں سرخ اینٹوں سے بنا ہوا ایک ریسٹ ہاؤس ہے جہاں صرف حکومت کے اعلیٰ افسران قیام کر سکتے ہیں"

"میں سمجھ گیا۔ ہمارے آدمی اکثر اُدھر سے گزرتے رہے ہیں۔ ایک بار میرا ایک خاص ماتحت اس ریسٹ ہاؤس میں قیام کرنا چاہتا تھا مگر اسے اجازت نہیں ملی"

میں نے کہا "حکومت کے اعلیٰ افسران کو بھی وہاں قیام کرنے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔ وہ نام کے لیے گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس کہلاتا ہے"

"جناب، کیا وہاں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں، اپنے آدمیوں سے کہو، وہ پومی کو وہاں تک پہنچا دیں۔ وہ تمھاری طرف آ رہی ہے"

"میں ابھی اپنے آدمیوں کو روانہ کر رہا ہوں"

وہ اپنے خاص ماتحتوں کو اس راستے پر روانہ کرنے لگا جدھر سے پومی آ رہی تھی اور انھیں بتا رہا تھا کہ اسے کہاں پہنچانا چاہیے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا "جناب، اگر کسی خاص مرحلے سے گزرنا ہو تو مجھے بتا دیجیے تاکہ ضروری انتظامات کیے جا سکیں"

"وہ لوکو کے قلعے تک پہنچنے کا خفیہ راستہ ہے۔ ریسٹ ہاؤس محض دکھاوے کے لیے ہے۔ وہاں سپر ماسٹر کے حکم کے بغیر کوئی جا نہیں سکتا۔ ریسٹ ہاؤس کا ایک انچارج اور دو محافظ وہاں مستقل رہتے ہیں۔ اس جنگل سے گزرنے والے کسی بھی مسافر کو اُدھر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے"

"میں سمجھ گیا۔ اس ریسٹ ہاؤس کے کسی کمرے سے

زمین دوز راستہ اس قلعے تک جاتا ہوگا۔"

"ہاں، ایک کمرہ ایسا ہے جس کے متعلق اس ریسٹ ہاؤس کا انچارج اور اس کے مسلح باڈی گارڈز بھی کچھ نہیں جانتے۔ وہ کمرہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔ اگر اسے کھول دیا جائے تب بھی کسی کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ کس طرح اس کے فرش سے زمین دوز راستہ نمودار ہوتا ہے۔"

باس نے پوچھا "جب دی کلر اس راستے سے آتا جاتا ہوگا تو انچارج کو ضرور شبہ ہوگا کہ وہ آنے جانے والا کہاں غائب ہوجاتا ہے۔ وہ ریسٹ ہاؤس میں داخل ہوتا ہے۔ پھر نظر نہیں آتا۔"

"شبہ ہوسکتا ہے لیکن ریسٹ ہاؤس کے پیچھے گھنا جنگل ہے۔ یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ دی کلر خفیہ طور پر پچھلے راستے سے چلا جاتا ہے۔ جب ضرورت ہوتی ہے تو ریسٹ ہاؤس میں واپس آجاتا ہے۔"

باس نے پوچھا "کیا سپر ماسٹر ریسٹ ہاؤس کے اس انچارج سے رابطہ قائم نہیں کرتا ہوگا۔ ایسے وقت جب پومی وہاں جائے گی اور خفیہ راستے سے گزرتی رہے گی، اس دوران سپر ماسٹر نے اپنے انچارج سے رابطہ قائم کرلیا تو کیا ہوگا؟"

"تمھارے آدمی جو پومی کے ساتھ جائیں گے، وہ اس ریسٹ ہاؤس کے انچارج سے رسمی گفتگو کریں گے۔ میں اس کے لب و لہجے کو یاد رکھوں گا۔ اس کے بعد تمھارے آدمی ان تینوں کو ٹھکانے لگا دیں گے اور ریسٹ ہاؤس میں ان کی جگہ رہیں گے۔"

"پومی کو کتنے آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی؟"

"اس کے ساتھ قلعے میں جتنے بھی آدمی جائیں کم ہیں۔ سب کو پوری طرح مسلح ہونا چاہیے۔ صرف اسٹین گنوں سے کام نہیں چلے گا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ ایسے ایسے مہلک ہتھیار ہوں گے کہ قلعے کے مسلح محافظوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔"

"جب پومی کامیاب ہوگی اور وہاں سے نکلنا چاہے گی تو اس کے لیے ایک ہیلی کاپٹر لازمی ہے۔"

"یوں تو یہاں کی سرکار نے ہمارے ہوائی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں پر پرواز کی پابندی عائد کردی ہے لیکن میں بلیک پورٹ سے ایک ہیلی کاپٹر وہاں پہنچا دوں گا۔"

میں نے رابطہ ختم کردیا۔ پومی کے پاس تھوڑی دیر تک رہا۔ جب باس کے آدمی اسے مل گئے اور ریسٹ ہاؤس کی طرف اسے لے جانے لگے تو میں سپر ماسٹر گراہم ہارڈلے کے پاس پہنچ گیا۔ اس میں ایسی بے شمار خوبیاں تھیں جن کے باعث وہ سپر ماسٹر بنایا گیا تھا۔ سب سے پہلی اور نمایاں خوبی اس کی ذہانت اور حاضر دماغی تھی۔ اس کی یادداشت بہت مستحکم تھی۔ دنیا کے کس ملک میں کیا ہو رہا ہے اور تخریبی کارروائی کرنے، وہاں کی حکومت کو کمزور بنانے یا اس حکومت کو کٹھ پتلی کی طرح اپنے اشاروں پر نچانے کے سلسلے میں کیسے منصوبے بنانے چاہئیں اور ان منصوبوں پر کس طرح عمل کرنا چاہیے، یہ سارے ہتھکنڈے وہ خوب جانتا تھا۔

دنیا کے نقشے میں جتنے ممالک ہیں، وہ ہر ملک اور ہر شہر کے جرائم پیشہ افراد کو اچھی طرح جانتا تھا۔ جو چھوٹی موٹی چوریاں کرتے ہیں۔ اپنے علاقوں میں دادا بن کر رہتے ہیں۔ بنکوں میں ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ایسے مجرموں کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کے برعکس بین الاقوامی سطح پر جو لوگ ہر ملک کے قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکتے تھے اور طرح طرح کے کارنامے انجام دیتے تھے، ایسے جرائم پیشہ لوگ سپر ماسٹر کی یادداشت میں محفوظ رہتے تھے اور وہ ہر ممکن طریقے سے انھیں اپنے زیرِ اثر لاکر بڑی سے بڑی مراعات دے کر اپنا آلۂ کار بناتا تھا۔ پھر یہ آلۂ کار اس کے اشاروں پر کسی بھی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے بھرپور تخریبی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔

اس سے پہلے جتنے سپر ماسٹر آئے انھوں نے مجھے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا گراہم ہارڈلے نے پہنچایا ہے۔ میرے تمام ساتھیوں کو کوما میں پہنچانے کی منصوبہ بندی اسی کی تھی۔ اسی نے آہستہ آہستہ ایسی چالیں چلی تھیں کہ میرے تمام ساتھی یکے بعد دیگرے اس کے جال میں پھنستے چلے گئے تھے۔ میں نے ایک علیحدہ مملکت بنانے کی کوشش کی تھی۔ وادیٔ قاف میں میری یہ کوشش کامیاب ہونے والی تھی لیکن اس نے پوری وادی کو تباہ کردیا۔ اس کی پلاننگ سے ثباتہ ختم ہوگئی۔ مرجانہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔ میرا جاں نثار بھائی سجاد علی تیمور کوما میں رہ کر ختم ہوگیا۔ رسونتی نہ جوان رہی، نہ بچی، نہ زندہ رہی، نہ مردہ۔ وہ بابا صاحب کے ادارے میں نیم پاگل عورت کی سی زندگی گزار رہی ہے اور ابھی تک زیرِ علاج ہے۔ اسی گراہم ہارڈلے کے باعث میرا لختِ جگر پارس مجھ سے بچھڑ گیا۔ میں نہیں جانتا، وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کہاں ہے۔ کیا مجھے کبھی مل سکے گا۔ کیا میں اپنے بیٹے کو کبھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں گا؟

پتا نہیں تقدیر کیا تماشے دکھانے والی تھی لیکن مجھے تماشا دکھانے کے لیے میرے پیاروں کا یہ قاتل میرے ہاتھ آگیا تھا۔ میں اسے آسانی سے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے تماشے کرنا چاہتا تھا کہ اس کے بعد آنے والے سپر ماسٹر بھی میرا نام سن کر اپنے کان پکڑتے رہیں۔

وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ صرف ڈرائیور نہیں، اس کا باڈی گارڈ بھی تھا۔ جوڈو کراٹے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ کوئی بھی آتشی اسلحہ ہاتھ میں ہو تو حیرت انگیز نشانہ بازی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ آنکھ بند کرکے ہلکی سی آہٹ پر آواز کی سمت سچا نشانا لگاتا تھا۔ سپر ماسٹر نے اتنا زبردست باڈی گارڈ میرے لیے نہیں اپنے دوسرے اَن جانے دشمنوں کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ میرے متعلق تو اسے یقین تھا کہ کبھی اس کا سراغ نہیں لگا سکوں گا۔

اس کی گاڑی ایک خوبصورت سے بنگلے کے پورچ میں پہنچ کر رک گئی۔ ڈرائیور نے اپنی سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی برآمدے کا دروازہ کھلا۔ ایک حسین و جمیل عورت باہر آئی۔ اس نے سپر ماسٹر کو دیکھتے ہی دونوں بانہیں پھیلاتے ہوئے، آگے بڑھتے ہوئے کہا "اوہ گراہم! تم وقت کے بہت پابند ہو۔ تم نے چھ بج کر پندرہ منٹ پر آنے کے لیے کہا تھا اور ٹھیک اسی وقت آئے ہو۔"

سپر ماسٹر نے کار سے اترتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا پھر اس کے بازو میں ہاتھ ڈال کر بنگلے کے اندر جانے لگا۔ ڈرائیور ان کے پیچھے ہوگیا۔ اس حسینہ نے پوچھا "کیا تمھارا یہ باڈی گارڈ ہماری تنہائی میں بھی موجود رہے گا؟"

سپر ماسٹر خاموش تھا۔ اس نے اب تک ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ اس کی جگہ باڈی گارڈ نے کہا "میں پہلے کمرے میں پہنچ کر وہاں کا جائزہ لوں گا اس کے بعد باہر چلا جاؤں گا۔"

وہ بولی "تم دو گھنٹے پہلے میرے بنگلے میں آکر اچھی طرح جائزہ لے چکے ہو۔ آخر تم لوگ اتنے محتاط کیوں ہو؟"

باڈی گارڈ نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا "دو گھنٹے پہلے میں نے دو ملازم دیکھے تھے۔ وہ نظر نہیں آرہے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولی "مسٹر گراہم آنے والے تھے اس لیے میں نے ان کی چھٹی کردی۔"

وہ ایک بیڈ روم میں آگئے۔ باڈی گارڈ چاروں طرف گھوم گھوم کر ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کبھی الماری کے پیچھے جھانک کر دیکھتا تھا۔ کبھی پلنگ کے نیچے جھک کر دیکھتا تھا۔ اس نے ٹیبل لیمپ اور ٹیلیفون وغیرہ کو اٹھا کر دیکھا۔ کسی کے نیچے کوئی ایسی چیز چھپائی نہیں گئی تھی جس سے اس کے مالک گراہم ہارڈلے کو نقصان پہنچتا۔

میں نے شیبا کی طرف پرواز کی۔ پتا چلا، اس کا دماغ خوابیدہ اور کمزور پڑ گیا ہے۔ میں نے جناب شیخ صاحب سے پوچھا۔ "شیبا کو کیا ہوگیا ہے؟"

"وہ تنویمی عمل کے آخری مرحلے سے گزر رہی ہے۔ کچھ دیر پہلے اس کے دماغ میں یہ طور طریقے نقش کرا دیے گئے ہیں کہ کن حالات میں کس طرح حاضر دماغی سے کام لینا چاہیے۔ جب وہ تنویمی نیند پوری کرلے گی تو زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھنے کے قابل ہوجائے گی۔ ہم اس پر اعتماد کرسکیں گے۔ پھر اسے بڑی رازداری سے تمھاری طرف روانہ کردیں گے۔"

"میں اِن پُراسرار سپر ماسٹر کے ساتھ لگا ہوا ہوں۔ میں چاہتا تھا، شیبا بھی اس کے لب و لہجے کو یاد رکھے۔ بہرحال جب وہ تنویمی نیند سے بیدار ہوگی تو میں اسے سپر ماسٹر کے پاس پہنچا دوں گا۔"

میں پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت تک اس کا باڈی گارڈ بیڈ روم کی اچھی طرح تلاشی لے چکا تھا۔ اس نے وہاں سے جاتے ہوئے دروازے کے پاس رک کر اس حسینہ کو دیکھا پھر کہا "مس کیلی، میں باہر موجود رہوں گا۔ یہ بات نہ بھولنا کہ مسٹر گراہم گونگے ہیں۔"

وہ بیڈ روم سے باہر چلا گیا۔ مس کیلی نے آگے بڑھ کر دروازے کو بند کیا۔ پھر دروازے سے لگ کر سپر ماسٹر کی طرف گھوم کر مسکراتے ہوئے کہا "مسٹر گراہم! دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے درمیان کتنی گہری دوستی ہوگئی۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ کوئی فلمی کہانی ہو۔ میں ہائی وے کے پُل پر کسی گاڑی والے سے لفٹ کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ تم نے لفٹ دے دی۔ مجھے بیٹھنے کے بعد پتا چلا، تم گونگے ہو۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ اتنا خوبرو شخص گونگا ہو۔ اپنے دل کی بات نہ کہہ سکتا ہو تو بڑا دُکھ ہوتا ہے۔"

وہ بولتی ہوئی اس کے قریب آکر بولی "کیا تمھاری محبت بھی گونگی ہوگی؟"

وہ گونگی محبت کرنے لگا۔ حسینہ پیچھے ہٹ کر بولی "خاموش فلموں کا دور گزر چکا۔ اب تو فلمیں میری طرح رنگین بھی ہوتی ہیں اور سنگین بھی۔ اور آواز فور ٹریک ساؤنڈ سسٹم پر ہوتی ہیں۔ کچھ بولو۔ پھر پَر تولو۔"

اس نے اشارے کی زبان سے سمجھایا کہ وہ مجبور ہے۔ زبان سے بول نہیں سکتا۔ وہ بولی "میں بھی مجبور ہوں۔ جب تک زبان نہیں کھولو گے، میں اپنی محبتوں کے دروازے نہیں کھولوں گی۔"

سپر ماسٹر کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ ہر انسان کی کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ اس نے شادی نہیں کی تھی تاکہ بیوی نہ ہو، بچے نہ ہوں۔

کوئی دشمن اسے بیوی بچوں کے حوالے سے بلیک میل نہ کر سکے، کبھی اس کی کسی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھائے۔ شادی نہ کرنا اور بات ہے۔ انسان قدرت کے حسین نظاروں سے آنکھیں نہیں چرا سکتا۔ وہ بھی حسن و شباب کا دلدادہ تھا۔ کوئی حسینہ نگاہوں میں سما جاتی تو اسے ضرور حاصل کرتا تھا۔ کبھی محبت سے، کبھی دولت سے اور کبھی طاقت سے۔ سپر ماسٹر کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

مس کیلی اپنے حسن و شباب کی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ اس کے سامنے تھی اور ہاتھ آکر بھی گیلے صابن کی طرح پھسل رہی تھی۔ عورت کم عقل ہوتی ہے مگر نفسیات کی ماہر ہوتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ مرد کو کس موقع پر للچانا اور تڑپانا چاہیے اور وہ صحیح موقع پر اسے تڑپا رہی تھی۔

اس نے محبت سے آگے ہو کر اسے پکڑنا چاہا۔ وہ دور ہو گئی۔ اس نے غصہ دکھایا۔ جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوبارہ قریب آنا چاہا۔ وہ طرح دے گئی۔ پھر دونوں کے درمیان چوہے بلی کا کھیل شروع ہو گیا۔ ایک بھاگ رہی تھی۔ دوسرا پکڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ ہاتھ آجاتی تھی مگر پارہ صفت تھی۔ بڑی صفائی سے نکل جاتی تھی۔

آخر وہ جھنجلا کر پاؤں پٹختا ہوا جانے کی دھمکی دینے لگا۔

وہ مسکرا کر بولی ”کیسے مرد ہو۔ میدان ہار کر جا رہے ہو۔“

وہ غصے سے پلٹ کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ پھر ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ باہر فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ کان لگا کر سننے لگا۔ بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مس کیلی نے ہنستے ہوئے کہا ”شاید تمہارا باڈی گارڈ کام آچکا ہے۔“

سپر ماسٹر نے پریشان ہو کر ایک نظر مس کیلی پر ڈالی۔ پھر دروازے کو دیکھنے لگا۔ وہ بولی ”اس کمرے سے باہر موت کا دھڑکا ہے۔ اندر میرا، تم باہر کہاں جاؤ گے؟“

وہ اب بھی خاموش تھا۔ اس نے قریب آتے ہوئے کہا ”تم مجھ سے محبت کے دو بول نہیں بول سکتے لیکن اپنی حفاظت کے لیے باڈی گارڈ کو آواز تو دے سکتے ہو۔ تمہارے پاس یہی راستہ رہ گیا ہے۔ باہر حفاظت سے جانے کے لیے یقین کرنا ہوگا کہ وہ باڈی گارڈ زندہ ہے یا نہیں اور یقین کرنے کے لیے آواز دینا ضروری ہے۔ بولو میرے میاں مٹھو، بولو!“

اس نے ایک طرف گھوم کر میز اور کرسی کی طرف دیکھا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا وہاں پہنچا۔ اپنی جیب سے قلم نکال کر ایک کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔ پھر اس نے وہ کاغذ پھاڑ کر مس کیلی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے پڑھنے لگی۔ اس میں لکھا تھا—

”تمہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ صاف صاف بتاؤ، تم کون ہو اور کیا چاہتی ہو؟“

وہ مسکرا کر کاغذ واپس کرتے ہوئے بولی ”میں پچھلے پندرہ دن سے تمہاری نگرانی کر رہی ہوں۔ تمہارا تعلق وزارتِ خارجہ کے دفتر سے ہے۔ تم بڑے شاہانہ انداز میں وہاں جاتے ہو، کسی کمرے میں پہنچتے ہو مگر اس کمرے سے باہر نہیں نکلتے۔ تمہاری کوئی پرسنل سیکرٹری بھی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو شاید وہ بھی تمہارے اس کمرے میں نہ جاتی۔ اپنے اس دفتری کمرے کا دروازہ تمہی کھولتے ہو اور تمہی بند کرتے ہو۔ شاید آج تک کسی نے اس کمرے کے اندر قدم نہیں رکھا ہے۔ آخر تم کیا ہو۔ اس دفتر سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“

جو سوالات وہ کر رہی تھی، میں اس کے جوابات بہت پہلے اس کے دماغ سے معلوم کر چکا تھا۔ بیشک وہ وزارتِ خارجہ کے ایک دفتر میں جاتا تھا۔ وہ بہت بڑی عمارت تھی۔ لفٹ کے ذریعے وہ پانچویں منزل میں جاتا تھا۔ وہاں کے ایک دفتری کمرے میں داخل ہوتا تھا۔ پھر اسے اندر سے لاک کر دیتا تھا۔ اس کمرے کے پچھلے دروازے کو کھول کر چھوٹے سے کوریڈور میں آتا تھا۔ وہاں سے ایک زینہ اسے ایک پرائیویٹ کمرے میں پہنچا دیتا تھا۔

وہ پرائیویٹ کمرہ ہال نما تھا۔ وہاں اس کی ضرورت کا ہر سامان موجود تھا۔ اس جگہ ... وہ دنیا کے ہر ملک سے، ہر شہر سے اور اپنے ہر خاص آدمی سے سپر ماسٹر کی حیثیت سے رابطہ قائم کرتا تھا یعنی وہ اپنے بنگلے میں، اپنے گھریلو ملازم اور ڈرائیور باڈی گارڈ کے سامنے بولتا تھا یا پھر اس کمرے کے اندر بیٹھ کر اپنی آواز اپنے خاص ماتحتوں تک پہنچاتا تھا لیکن وہ آواز مائیک سے گزر کر دوسری جگہ پہنچتے پہنچتے تبدیل ہو جاتی تھی۔ اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ فرہاد وہ آواز سنے گا اور اس کے دماغ تک پہنچ جائے گا۔ اس نے ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہنے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اس کا کوئی پرائیویٹ سیکرٹری، کوئی ہمراز نہیں تھا۔ اس ہال نما دفتری کمرے میں بڑے بڑے ٹرانسمیٹر تھے۔ جہاں وہ بیٹھتا تھا، اس کے سامنے ایک بڑا سا ٹی وی اسکرین تھا۔ اس کے علاوہ ایسے چھوٹے چھوٹے اسکرین تھے جن کے ذریعے وہ اپنے دفتر کے آس پاس آنے جانے والوں کو اور اس عمارت میں داخل ہونے والوں کو دیکھ سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ وہاں بیٹھ کر عمارت کے اندر اور باہر کی تمام مصروفیات دیکھ سکتا تھا۔

بہرحال ابھی وہ نہ اس عمارت میں تھا۔ نہ اپنے پرائیویٹ کمرے میں محفوظ تھا۔ اس حسینہ نے درست کہا تھا۔ وہ رنگین بھی ہے اور سنگین بھی۔ اور اس کی سنگینی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ بولی۔ ”چلو یہ نہ بتاؤ کہ تم اس کمرے میں جا کر بند ہو جاتے ہو تو کوئی دوسرا وہاں کیوں نہیں جاتا؟ آخر اس کمرے میں کیا ہے، یہ بھی میں نہیں پوچھوں گی۔ صرف اتنا بتا دو، وزارتِ خارجہ جیسے شعبے میں ایک گونگے کا کیا کام ہے؟“

سپر ماسٹر نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر وہی کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا جس پر لکھا ہوا تھا ”تم کون ہو اور کیا چاہتی ہو؟“

وہ مسکرا کر بولی ”ضرور بتاؤں گی۔ تمہارے سامنے ایک کتاب کی طرح کھل جاؤں گی۔ مگر پہلے زبان کھولو، منہ سے کچھ بولو۔“

سپر ماسٹر نے قلم نکال کر اس کاغذ پر کچھ لکھا۔ پھر اس کی طرف بڑھایا۔ اس بار اس نے لکھا تھا ”تم میری زبان کھلوانا چاہتی ہو۔ میری آواز سننا چاہتی ہو۔ اس کا مطلب ہے، تمہارا تعلق فرہاد علی تیمور سے ہے۔“

وہ ہنستے ہوئے بولی ”تمہاری تحریر سے پتا چلتا ہے، تم بہت زیادہ اہم ہو۔ اتنے اہم کہ فرہاد علی تیمور سے چھپنے کے لیے گونگے بنے پھرتے ہو۔ ماسٹر کی درست کہہ رہا تھا، تم سپر ماسٹر ہو سکتے ہو۔“

وہ پھر اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ اسی وقت دروازے پر ایسی آواز آئی جیسے کوئی آکر ٹکرایا ہو، پھر وہ آواز دم توڑنے لگی۔ کسی کی گھٹی گھٹی سی کراہ سنائی دے رہی تھی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں بعد اس کے باڈی گارڈ کی آواز سنائی دی ”سر! یہاں سب خیریت ہے۔ چھ نقاب پوش تھے۔ انھیں ٹھکانے لگا دیا ہے۔ آپ اپنی خیریت سے آگاہ کریں۔“

سپر ماسٹر نے اپنا قلم نکالا۔ پھر اس کی کلپ کو دبایا۔ میں نے اس کے ڈرائیور باڈی گارڈ کے پاس جا کر دیکھا۔ اس کی جیب میں کوئی ننھا سا آلہ رکھا ہوا تھا۔ وہاں سے ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس مخصوص اشارے کا مطلب یہ تھا کہ اندر خطرہ نہیں ہے۔

باڈی گارڈ مطمئن ہو گیا۔ میں پھر اندر پہنچا۔ سپر ماسٹر نے قلم کے اگلے حصے کے پیچ کو کھول کر اس کے پچھلے حصے پر لگایا۔ اب وہاں قلم کے پوائنٹ کی جگہ خالی نلکی نظر آرہی تھی۔ اس نے پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ پڑھنے لگی۔ اس پر لکھا تھا ”تمہارے سامنے قلم نہیں، موت کا ننھا سا آلہ ہے۔ ذرا بھی حرکت کرو گی تو آخری سانس پوری طرح نہیں لے سکو گی۔ کسی حیل و حجت کے بغیر فوراً بتاؤ، ماسٹر کی ان دنوں کہاں ہے؟ اس کا موجودہ پتا ٹھکانا بتاؤ گی تو زندہ رہ سکو گی۔“

مس کیلی نے اس قلم کو دیکھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ جہاں سے تحریر نکلتی ہے، وہاں سے موت خارج ہوگی۔ اس کی شوخی اور تیز طراری ختم ہو چکی تھی۔ اس نے کہا ”میں بتا بھی دوں تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمارے چھ آدمی مارے جا چکے ہیں، اس کی اطلاع ماسٹر کی تک پہنچ گئی ہوگی۔ وہ سمجھ چکا ہوگا کہ راز فاش ہو گیا ہے۔ اس لیے اپنی جگہ تبدیل کر دے گا۔“

سپر ماسٹر نے اپنی اس تحریر پر انگلی رکھتے ہوئے اسے دکھایا۔ وہ اشارے سے کہہ رہا تھا ”تم اس کا موجودہ پتا بتاؤ۔“

”مسٹر نوکو کے قلعے سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ایک ڈے اینڈ نائٹ موٹل ہے۔ اس موٹل کے ساتھ ایک گیس اسٹیشن ہے۔ اس اسٹیشن سے ملحقہ ایک بنگلے میں اس نے عارضی رہائش اختیار کی ہے۔“

یہ سنتے ہی میں نے دوسری سمت خیال خوانی کی پرواز کی۔ باس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”ماسٹر کی نے یہاں عارضی رہائش اختیار کی ہے۔ میں پتا بتا رہا ہوں۔ نوٹ کریں اور اپنے آدمیوں کو اُدھر روانہ کریں۔ ماسٹر کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی کوشش یہ ہو گی کہ ہمارا کوئی آدمی اس کا ملازم ہو جائے یا کسی طرح اس کا اعتماد حاصل کر لے۔ میں پھر رابطہ قائم کروں گا۔“

میں اسے پتا بتا کر دوبارہ سپر ماسٹر کے پاس آگیا۔ اس دوران اس نے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر ڈرائیور کو بلایا تھا۔ ایک کاغذ پر ماسٹر کی کا موجودہ پتا لکھ کر دیا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے خاص ماتحتوں کو فوراً اس طرف روانہ کرے۔

باڈی گارڈ کاغذ لے کر چلا گیا۔ جب میں سپر ماسٹر کے پاس دوبارہ پہنچا تو وہ بیڈ روم کے دروازے کو اندر سے بند کر رہا تھا۔ اسی وقت مس کیلی نے ایک گلدان اٹھا کر اس کے سر پر ضرب لگانا چاہی تھی۔ سپر ماسٹر اتنا نادان نہیں تھا۔ اس نے غافل رہنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ جاگتے ہوئے ذہن کا مالک تھا۔ حملہ ہوتے ہی وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ پھر دوسری بار وہ حملہ نہ کر سکی۔ سپر ماسٹر نے اپنے قلم کے ایک ننھے سے بٹن کو دبایا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نلکی سے ایک باریک سوئی نکلی۔ اور حلق سے ذرا نیچے اس کے جسم میں پیوست ہو گئی۔ وہ جہاں تھی، وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کے ہاتھ سے گلدان گر پڑا۔ وہ بھی گرنے والی تھی۔ سپر ماسٹر نے اسے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا

کر دیا۔ اس نتھے سے ہتھیار کو دوبارہ قلم کی شکل میں ایڈجسٹ کیا۔ اسے اپنی جیب میں رکھا۔ پھر اس حسین ساکت مجسمے کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر بستر پر لے آیا۔ وہ بالکل ساکت تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ چہرے پر زندگی کے آثار تھے۔ سانس آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ مُردہ سی تھی کیونکہ اپنی مرضی کے مطابق حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ پلک نہیں جھپک سکتی تھی۔ ایک بے جان مجسمے کی طرح پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔

میں نے اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ وہاں جگہ تو ملی مگر میں اس کے ذریعے اس ماحول کو نہ دیکھ سکتا تھا، نہ سمجھ سکتا تھا اور نہ کوئی آواز سن سکتا تھا۔ اس کا دماغ اتنا کمزور ہوگیا تھا جیسے وہ دم توڑ رہی ہو یا جیسے مرنے سے پہلے دماغ مردہ ہو چلا ہو۔

سُپر ماسٹر اس کے پاس آگیا۔ اس نے حسین ملائم چہرے کو چھُو کر دیکھا۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "تم میری آواز سننا چاہتی تھیں۔ لو، سنو۔"

وہ ایک زندہ تصویر کی طرح تھی۔ اسے بات سنائی جا سکتی تھی۔ وہ سن نہیں سکتی تھی۔ اس نے کہا "تم میرے ہاتھ نہیں آنا چاہتی تھیں۔ ہاتھ آتے آتے نکل جاتی تھیں۔ تمھارا دعویٰ تھا کہ پہلے میں بولوں گا۔ پھر پَر تولوں گا۔ دیکھو، اب بول رہا ہوں اور پَر تول رہا ہوں۔ تم انکار نہیں کر سکو گی۔ مجھ سے دور نہیں بھاگ سکو گی۔"

وہ ہنستے ہوئے اس کے چہرے پر جھک گیا پھر سرگوشی میں بولا "میں بول رہا ہوں۔ فرہاد علی تیمور، میں بول رہا ہوں۔ اگر تم اس کے دماغ میں ہو تو میری آواز سن لو اور میں جانتا ہوں کہ اس کا کمزور دماغ تمھیں میری آواز نہیں سنا سکے گا۔"

وہ فاتحانہ انداز میں قہقہے لگانے لگا۔

میں نے پھر مِس کیلی کے دماغ میں پہنچ کر اس کی آواز سننے کی کوشش کی۔ اس کا قہقہہ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ صرف وہ ہنستا ہوا نظر آتا تھا۔ میں پھر سُپر ماسٹر کے پاس پہنچ گیا۔ بے چارہ کتنی خوش فہمی میں مبتلا تھا۔ پورے یقین سے کہہ رہا تھا کہ میں مس کیلی کے ذریعے اس کی آواز نہیں سن سکوں گا۔

ہم کیسے انجان لوگ ہیں۔ یہ کبھی سمجھ نہیں پاتے کہ موت ہمارے قریب کھڑی ہے، ہم سے لگ کر کھڑی ہے بلکہ ہمارے اندر موجود ہے۔ ہر انسان ایک لمبی عمر کی توقع میں جیتا ہے اور ان میں سے اکثر اگلی سانس بھی لینے نہیں پاتے۔

موت تو خیر اٹل ہے۔ مصیبت تو آنی جانی چیز ہے۔ وہ کب آتی ہے، ہم سمجھ نہیں پاتے۔ ہمارے کتنے قریب ہے، یہ بھی احساس نہیں ہوتا۔ سُپر ماسٹر بھی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ مصیبت اس کے باہر بھی ہے، اس کے اندر بھی ہے۔ اس نے اپنی زندگی کو طول دینے کے لیے بڑے سخت حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ ان انتظامات کے پیشِ نظر وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے اندر ٹیلی پیتھی کا ٹائم بم پھٹ سکتا ہے۔ ایسا وقت کب آئے گا، یہ میں خود نہیں جانتا تھا۔ اس کے دماغ میں خاموش رہنے کے بڑے فائدے تھے۔ اس خاموشی کے باعث میں نے ماسٹر کی کا عارضی پتا معلوم کر لیا تھا۔

میں نے گھڑی دیکھی۔ جناب شیخ الفارس سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ شیبا کی تنویمی نیند کب پوری ہوگی۔ اب ان سے دوبارہ پوچھنے کے بجائے میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور شیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی جیسے میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ میں اپنی جگہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے کراہ میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے جلنے بجھنے لگے تھے۔ پھر تاریکی چھا گئی تھی۔ سر پر شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ اندھیروں میں ڈوبتی چلی گئی۔

میں نے اسے آواز دی "شیبا، شیبا، ہوش میں آؤ، کیا ہوگیا ہے؟"

مگر وہ جواب دینے کے قابل نہیں رہی تھی۔ بے ہوش ہوگئی تھی۔ میں نے فوراً ہی شیخ صاحب کو مخاطب کیا "جلدی کیجیے۔ شیبا خطرے میں ہے۔ کسی نے اس کے سر پر شدید ضرب لگائی ہے۔"

میری بات سنتے ہی انھوں نے احکامات صادر کیے۔ چشم زدن میں ہر طرف خطرے کا سائرن گونجنے لگا۔ ادارے سے نکلنے کا ایک ہی بڑا مین گیٹ تھا۔ وہاں کے مسلح گارڈز کو حکم دیا گیا، کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ جو جبراً جانا چاہے اسے گولی مار دی جائے۔ وہ ادارہ میلوں دور تک پھیلا ہوا تھا اور اونچی باؤنڈری وال کے درمیان تھا۔ وہاں بجلی کے تار اس طرح بچھائے گئے تھے کہ دیوار کو ہاتھ لگاتے ہی بجلی کا جھٹکا پہنچتا تھا۔ لہٰذا کوئی نقب لگا کر آ سکتا تھا نہ جا سکتا تھا۔

جلد ہی صورتِ حال کا پتا چل گیا۔ کوئی میگا فون کے ذریعے چیخ چیخ کر جناب شیخ الفارس سے کہہ رہا تھا "مسٹر شیخ! اگر شیبا کی زندگی چاہتے ہو تو اپنے آدمیوں سے کہو، میرے لیے راستہ صاف رکھیں۔ میرے ایک ہاتھ میں ریوالور ہے، اگر کسی نے مداخلت کی، میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تو میں تمھاری اس ٹیلی پیتھی جاننے والی کو گولی مار دوں گا۔"

میں نے شیخ صاحب سے کہا "اپنے آدمیوں کو حکم دیجیے کہ کوئی اس کا راستہ نہ روکے۔ میں اسے ٹریپ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ظاہر ہے، شیخ صاحب یا ہم میں سے کوئی شیبا کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ جو شخص اتنی جی داری سے ادارے میں گھس آیا تھا اور شیبا کو زخمی کر کے لے جا رہا تھا، وہ اپنی دھمکی پر عمل بھی کر سکتا تھا۔ شیبا جب اسے حاصل نہ ہوتی تو وہ اسے ہمارے پاس بھی زندہ نہ چھوڑتا۔

میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی مگر اس نے سانس روک لی۔ پھر چیختے ہوئے کہا۔ "میں فرہاد سے کہہ رہا ہوں، وہ دوسری بار میرے دماغ میں آنے کی حماقت نہ کرے۔ میں بار بار سانس روکنے کی زحمت نہیں کروں گا۔ پہلے شیبا کو گولی ماروں گا۔ پھر دشمنوں کے ہاتھ آنے سے پہلے خودکشی کر لوں گا۔"

میں نے شیخ صاحب کے پاس آ کر کہا "وہ اپنی جان دینے پر تُلا ہوا ہے۔ ہم کوئی ایکشن لینا چاہیں گے تو شیبا ہمیں زندہ نہیں ملے گی۔"

شیخ صاحب ادارے کے اس مین گیٹ کے پاس آگئے تھے۔ میں نے ان کے ذریعے دیکھا، بہت دور سے ایک جیپ چلی آ رہی تھی۔ جیپ کے پچھلے حصے میں ایک بہت ہی صحت مند، قد آور اور خوبرو جوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے شیبا کو دبوچ رکھا تھا، دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ جیپ ڈرائیو کرنے والا حالانکہ ادارے کا بہت ہی بااعتماد اور وفادار ڈرائیور تھا لیکن وہ دشمن کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو شیبا جان سے جاتی۔

شیخ صاحب نے میگا فون کے ذریعے کہا "تم جو کوئی بھی ہو، ایک منٹ کے لیے رک جاؤ۔"

جیپ پر آنے والے نے ریوالور سے ہوائی فائر کیا۔ پھر چیختے ہوئے کہا "میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں رکوں گا۔ یہ گاڑی رُکے گی تو ہم سب کی سانسیں رک جائیں گی۔"

شیخ صاحب نے جواباً چیختے ہوئے سمجھایا "اے اجنبی جوان! شیبا ایک ایسا ہتھیار ہے جو تم لوگوں کے پاس رہے گا تو تباہی کا سبب بنے گا۔ ہمارے دوست اور دشمن اس بات کے گواہ ہیں کہ ہم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے دشمنوں کو خواہ مخواہ کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔"

دشمن اگر کوئی کارنامہ انجام دے تو اس کی داد نہ دینا کم ظرفی ہے۔ وہ جوان واقعی ارادے کا مستحکم اور صحیح معنوں میں جوان مرد تھا۔ بابا صاحب کے ادارے میں اتنے مسلح افراد کے درمیان سے شیبا کو اغوا کر رہا تھا۔ آج تک کسی نے اس احاطے میں بغیر اجازت قدم رکھنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ شیخ صاحب نے کہا "میری آخری وارننگ سن لو۔ شیبا ہمارے پاس نہ رہی تو تمھارے پاس بھی نہیں رہے گی۔ تم بھی یہی ارادہ لے کر اسے یہاں سے لے جانا چاہتے ہو مگر ہم لے جانے نہیں دیں گے۔"

"تو پھر میرا راستہ روکو۔"

اس نے ریوالور کی نال شیبا کی کنپٹی سے لگا دی۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں اس کے شانوں سے لگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "اسے مار کر میں مر جاؤں گا تو میری یہودی قوم مجھ پر فخر کرے گی کیونکہ میں تمھاری دو طرفہ ٹیلی پیتھی کی قوتوں میں سے ایک کو مار کر مروں گا۔"

جناب شیخ الفارس شش و پنج میں پڑ گئے تھے۔ انھوں نے دھمکی دی تھی مگر اس پر عمل کر کے شیبا کی جان نہیں لے سکتے تھے۔ سیکیورٹی گارڈ نے چیختے ہوئے کہا "محترم شیخ صاحب، وہ قریب آ چکا ہے۔ ہمیں حکم دیجیے۔ ہم گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔"

شیخ صاحب نے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، گیٹ کھول دو۔"

وہاں ادارے کے دوسرے بزرگ حضرات موجود تھے۔ وہ سب اپنے اپنے فن میں یکتا تھے۔ انھوں نے حیرانی سے شیخ صاحب کو دیکھا۔ پھر ایک نے پوچھا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

شیخ صاحب نے کہا "میں درست کہہ رہا ہوں۔ ہم خود غرض نہیں ہیں۔ دشمن کو کمزور بنائے رکھنے کے لیے اس لڑکی کی جان نہیں لے سکتے جو ہم پر اعتماد کرتی رہی۔ ہمارے ہاں مہمان کی طرح اتنے عرصے تک رہی۔ تقدیر اسے ہم سے چھین کر لے جا رہی ہے، لے جانے دو۔ یہ اپنی یہودی قوم میں رہ کر بھی ہم مسلمانوں کی مہمان نوازی اور بے غرضی کو یاد رکھے گی۔"

ان کی باتیں سن کر سب کے سر جھک گئے۔ سیکیورٹی گارڈ نے مجبوراً حکم کی تعمیل کی اور مین گیٹ کو کھول دیا۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا "اس جیپ کے ڈرائیور سے کوئی بات کریں، کسی طرح اسے مخاطب کریں۔"

جب وہ جیپ شیخ صاحب کے قریب سے گزرنے لگی تو انھوں نے کہا "جیکب، میں نے تمھیں اور شیبا کو خدا کے حوالے کیا۔"

اس نے قریب سے گزرتے ہوئے کہا "محترم! میں مجبور ہوں۔ شیبا کی خاطر اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔"

شیخ صاحب نے کہا "کوئی بات نہیں۔ تم اپنا فرض ادا کرو۔ شیبا کی زندگی ہمیں عزیز ہے۔"

وہ جیپ مین گیٹ سے باہر نکل گئی۔ یہ بابا صاحب

کے ادارے میں پہلا موقع تھا۔ آج تک وہاں سے کوئی ایک تنکا بھی اجازت کے بغیر نہیں لے جاسکا تھا اور وہ سراپا شیبا کو ایک ڈرائیور کے ساتھ اغوا کیے لیے جا رہا تھا۔

گیٹ سے باہر جانے کے بعد اس نے ریوالور کی نال کو شیبا کی کنپٹی سے لگا کر سر گھماتے ہوئے کہا: "اگر کسی نے ہمارا تعاقب کیا تو یہ شیبا کے لیے بہت بُرا ہوگا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔"

اس کا تعاقب کرنے کے لیے کتنی ہی گاڑیاں اور دو ہیلی کاپٹر تیار تھے لیکن شیخ صاحب نے سب کو منع کر دیا۔ ان کی زندگی میں پہلی بار اس ادارے کے خاص افراد ان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس مخالفت کا وہ کیا جواب دے رہے تھے، یہ سننے کے لیے میں ان کے پاس نہیں تھا۔ میں تو ڈرائیور کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔

وہ بالکل نہتا تھا۔ اس کی جیب میں چھوٹا بڑا کوئی ایسا ہتھیار نہیں تھا جسے میں سہارے کے طور پر استعمال کرتا۔ اب میرے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ تیز رفتاری سے بھاگتی ہوئی جیپ کو اچانک بریک لگا کر روکا جائے۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ریوالور کی نال ڈرائیور کی گردن سے لگ گئی۔ اغوا کرنے والا کہہ رہا تھا: "فرہاد! تم میرے دماغ میں کبھی نہیں آسکو گے۔ میں اتنا نادان نہیں ہوں جتنا تم اپنے دوسرے دشمنوں کو سمجھتے ہو۔ میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا جب تمھارے شیخ صاحب نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا۔ یقیناً تم اس کی کھوپڑی میں موجود ہو۔"

میں نے ڈرائیور کی زبان سے کہا: "تم چالاک بھی ہو اور دلیر بھی لیکن مجھ سے خوف زدہ ہو۔"

"میں تمھیں لفٹ ہی نہیں دیتا۔ اگر اپنے دماغ سے بھگاتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خوف زدہ ہوں۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ڈرائیور کے پاس میری موجودگی تمھیں خوف زدہ کر رہی ہے۔ یقیناً تم اس بے چارے کو زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

"ہونا تو یہی چاہیے۔ جب تک یہ زندہ رہے گا تم اس کے دماغ میں رہ کر میری نگرانی کرتے رہو گے اور موقع پاتے ہی مجھ پر جھپٹ پڑو گے۔ یہ سمجھتے ہوئے بھی وعدہ کرتا ہوں، اسے زندہ چھوڑ دوں گا مگر تم اچانک بریک لگا کر گاڑی روکنے کی حماقت نہ کرنا۔ ورنہ میں اپنا وعدہ بھول جاؤں گا۔"

میں اس بے چارے ڈرائیور کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اچانک ہی بریک لگانے کے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

ڈرائیور اسے عقب نما آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذریعے میں سمجھ رہا تھا، اغوا کرنے والا جوان بہت ہی صحت مند تھا۔ اس کے بازو کی مچھلیاں ایسی ابھری ہوئی اور ایسی سخت تھیں جیسے چٹان کو تراشا گیا ہو، اس میں بلا کی مردانگی تھی۔ چہرے پر بھی مردانگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ بے حد خوبرو تھا مگر جتنا خوبرو تھا اتنی ہی سفاکی آنکھوں سے جھلکتی تھی۔ سینہ بھی چٹان کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ اس نے چست پتلون پر کمانڈو جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا: "تم کون ہو؟"

"کمانڈو ایکس۔"

"یعنی تم اسرائیلی ملٹری کمانڈوز سے تعلق رکھتے ہو۔"

وہ خاموش رہا۔ میں نے پوچھا: "تم بابا صاحب کے ادارے میں کیسے داخل ہوگئے تھے؟"

"مجھے افسوس ہے۔ ہم اپنا طریقۂ کار کسی کو نہیں بتاتے۔"

وہ درست کہہ رہا تھا۔ دنیا کے بیشتر ممالک کی فوجوں میں ایک ایسا شعبہ ہوتا ہے جس میں گنتی کے چند فوجی ہوتے ہیں۔ ایسی مختصر سی فوج کو کمانڈوز کہتے ہیں۔ فوج اپنے ملک، اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے لیکن فوج ایسی بھی ہوتی ہے جو دوسروں کی سرحدیں پار کرتی ہے اور ان پر حملے کرتی ہے۔ جب بعض ملکوں کے درمیان سرد جنگ جاری رہتی ہے، فوجیں اپنی بیرکوں میں ہوتی ہیں تو ایسے وقت کمانڈوز ایکشن میں آتے ہیں۔ وہ چپ چاپ دشمن ملک کی سرحدوں میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں تباہیاں مچاتے ہیں یا وہاں کے راز چُرا کر لاتے ہیں یا اپنے اہم سیاسی اور فوجی قیدیوں کو چھڑا کر لاتے ہیں۔ جیسا کہ اس کمانڈو ایکس نے ابھی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا اور بابا صاحب کے ادارے سے شیبا کو لے جا رہا تھا۔

اسرائیلی اور فرانسیسی حکومتوں کے درمیان اچھے تعلقات تھے۔ فرانسیسی حکومت، بابا صاحب کے ادارے کی سرپرست تھی لہٰذا یہودی سیاسی طور پر اپنی بات نہیں منوا سکتے تھے۔ وہ کمانڈو کے ذریعے اپنا مقصد پورا کر رہے تھے۔

ایک ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا جیپ کے قریب پہنچ گیا۔ کمانڈو ایکس نے کہا: "مسٹر فرہاد! الوداع، میں شیبا کو لے جا رہا ہوں۔ تم اس ڈرائیور کے ذریعے مجھے روک سکتے ہو تو روک لو۔"

"کمانڈو ایکس! میں نے اس ڈرائیور کے پاس رہ کر اس کی جسمانی قوت کا اندازہ کر لیا ہے۔ اگر میں اس کے ذریعے داؤ پیچ استعمال کروں تو کام نہیں چلے گا۔ تمھارے ساتھ ٹکرانے کے لیے قوت کی بھی ضرورت ہے، وہ اس ڈرائیور کے پاس نہیں ہے۔ آج حالات تمھارے موافق ہیں۔ تم بے شک اسے لے جاؤ لیکن تمھاری یہ کامیابی جلد ہی ناکامی میں بدلنے والی ہے۔"

"یعنی تم شیبا کو حاصل کرنے اسرائیل آؤ گے؟"

"جسمانی طور پر نہیں آؤں گا لیکن میرے ساتھی وہاں پہنچیں گے۔"

"تم اسرائیلی کمانڈوز کو بچوں کا شعبہ سمجھ رہے ہو۔ اس لیے محض اپنے ساتھیوں کو بھیجنا چاہتے ہو۔ میں تمھیں بتا دوں۔ ان کمانڈوز میں چار ایسے افراد ہیں جو آج تک کسی بھی مہم میں ناکام نہیں ہوئے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔ جس کے مقابل آتے ہیں اسے ہمیشہ کی نیند سُلا دیتے ہیں۔ ان چار کمانڈوز میں پہلا میں ہوں کمانڈو ایکس، دوسرا کمانڈو وائی، تیسرا کمانڈو زیڈ اور چوتھا کمانڈو گمنام ہے۔ اسے کمانڈو لاسٹ بلٹ کہتے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "جن دنوں سونیا تل ابیب میں تھی، تم چاروں کمانڈوز نے اس کا کیا بگاڑ لیا تھا۔"

"ہم احکامات کے پابند ہیں۔ حکومت نے ہمیں بیرک سے نکلنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ربی اسفند یار کو پورا یقین تھا کہ سونیا اس کے قابو میں ہے۔ جب ربی کی یہ خوش فہمی ختم ہوئی تو کھیل بگڑ چکا تھا۔ سونیا یہاں سے نکل چکی تھی۔ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں۔"

"تم اور سونیا کچھ نہیں ہو۔ صرف قسمت کے دھنی ہو مگر کسی کی قسمت ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی۔ یقین نہ ہو تو شیبا کو حاصل کرنے آؤ۔ ہم یقین دلاتے ہیں، وہ تمھاری آخری کوشش ہوگی۔ ہم چاروں کمانڈوز میں سے کوئی ایک تم دونوں کے لیے کافی ہے۔"

جیپ رُک گئی۔ دوسری طرف ہیلی کاپٹر زمین پر اتر گیا تھا۔ کمانڈو نے جیپ سے اتر کر شیبا کو اپنے کاندھے پر لاد لیا۔ پھر وہاں سے جانے لگا۔ ڈرائیور نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا: "مسٹر فرہاد! مجھے اجازت دیجیے، میں اس سے ٹکرا جاؤں گا۔"

"پاش پاش ہو جاؤ گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ مس شیبا پر ہم لوگوں کا حق ہے۔ اپنا حق حاصل کرتے ہوئے جان دے دوں گا۔ بابا صاحب کے ادارے میں ہمیشہ کے لیے یادگار بن کر رہوں گا۔"

"میں اجازت نہیں دے سکتا۔ چپ چاپ گاڑی موڑ کر ادارے میں جاؤ۔"

وہ میری ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ جب تک گاڑی گھوم کر واپس جاتی رہی، میں اس کے ذریعے ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ شیبا کے ساتھ اس میں سوار ہوگیا تھا۔ اب ہیلی کاپٹر بلند ہوتا جا رہا تھا۔ بے شک ہم سب بے بس ہوگئے تھے لیکن بے بسی کا مطلب ہماری کمزوری نہیں تھی۔ ہم طاقت، ذہانت، صلاحیت اور دوسرے تمام اعتبار سے کسی طرح بھی کمتر نہیں تھے۔ پلک جھپکتے ہی شیبا کے اغوا کو ناکام بنا سکتے تھے لیکن وہ ہمیں زندہ نہ ملتی۔ ہم اپنی غرض کی خاطر اس کی زندگی سے نہیں کھیل سکتے تھے۔ کمانڈو ایکس نے کہا تھا کہ میں اور سونیا خوش قسمتی سے بچ نکلتے ہیں۔ دراصل وہ خوش نصیب تھا جو بچ کر جا رہا تھا۔

میں نے شیخ صاحب کے پاس پہنچ کر کہا: "ہمارا یہ ادارہ میلوں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں تین منزلہ ہاسٹل ہیں جہاں طلبا و طالبات رہتے ہیں۔ ادارے کے اہم افراد مختلف کوارٹرز میں ہیں اور کوارٹرز کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر کمانڈو ایکس کو کیسے پتا چلا کہ شیبا کس کوارٹر میں ملے گی پھر اسے کس طرح ایک جیپ آسانی سے مل گئی۔"

انھوں نے کہا: "اس جیپ کی دیکھ بھال وہی ڈرائیور کرتا ہے جو شیبا اور کمانڈو ایکس کو لے گیا ہے۔"

"میں نے اس کے دماغ میں رہ کر معلوم کیا ہے۔ وہ بے قصور ہے، وہ ڈیوٹی پر نہیں تھا، اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ وہ شیبا کے کوارٹر کے قریب رہتا تھا۔ کمانڈو کو وہاں تک پہنچنے میں آسانی ہوئی۔ اس نے ریوالور دکھا کر اسے مجبور کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کمانڈو ایکس کو شیبا اور ڈرائیور کا کوارٹر کیسے معلوم ہوا۔ اسے کس نے بتایا کہ ان دونوں کو قابو میں کرنے کے بعد آسانی سے جیپ حاصل ہوگی اور وہ وہاں سے نکل سکے گا۔"

شیخ صاحب نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "میں سمجھ رہا ہوں، ہمارے ادارے میں شگاف پڑ گیا ہے۔ دشمن یہاں داخل ہونے لگے ہیں۔ میں آج سے ایک ایک فرد کا محاسبہ کروں گا۔ زبردست پابندیاں عائد کروں گا۔ باہر کا کوئی شخص کسی بھی چور راستے سے اندر نہیں آسکے گا۔"

میں نے کہا: "محاسبہ کرتے وقت چند اہم نکتے یاد رکھیں۔ کمانڈو ایکس کسی گاڑی میں چھپ کر باہر سے آیا تھا۔ اندر ایک یا ایک سے زیادہ ایسے یہودی جاسوس ہیں جنھوں نے اسے شیبا اور ڈرائیور کے کوارٹر تک پہنچایا — تیسری بات یہ کہ آپ اس ادارے کے ایک ایک فرد سے ذاتی طور پر ملاقات کریں۔ میں آپ کے ذریعے ان کی باتیں سنتا رہوں گا۔ ان کے دماغ میں پہنچ کر یہودی سراغرسانوں کو ڈھونڈ نکالوں گا۔"

"بے شک تم میرے ساتھ رہ سکتے ہو مگر تمھیں اپنی جگہ مصروف رہنا چاہیے۔"

"کیا آپ ان سراغ رسانوں کی طرف سے زیادہ پریشان نہیں ہیں؟"

"پریشانی تو ضرور ہے۔ میں یہاں کا منتظمِ اعلیٰ ہوں۔ شیبا اغوا کی گئی ہے۔ یہاں دشمن گھس آئے ہیں۔ یہ میری ذمّے داری ہے کہ میں ان چھپے ہوئے لوگوں کو ڈھونڈ نکالوں اور شیبا کو واپس لاؤں۔ فی الحال تم اپنی جگہ موجود رہو۔"

"آپ مجھے بار بار جانے کے لیے کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"کوئی مصلحت ہے۔ تم میرے دماغ میں زیادہ دیر تک نہ رہو۔ اپنے معاملات سے نمٹنے کی کوشش کرو۔ جب شیبا اسرائیل پہنچ جائے گی اور ہوش میں آئے گی تو مجھ سے رابطہ قائم کرنا۔ فی الحال جاؤ۔"

میں چاہتا تو چپ چاپ ان کے دماغ میں موجود رہتا لیکن ان کا حکم سب مانتے ہیں۔ میں بھی مانتا ہوں۔ اس لیے وہاں سے چلا آیا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں نے بستر سے اٹھ کر اسے کھولا۔ لیڈی سیکرٹری چند کنیزوں کے ساتھ پھر آئی۔ وہ کنیزیں ایک بڑی سی ٹرالی میں میرے لیے کھانے پینے کا سامان لائی تھیں۔ لیڈی روزینہ بڑی فراخدلی سے میزبانی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ کھانا دیکھ کر یاد آیا، میں نے پچھلی رات لیوچن کے ساتھ ہوٹل میں کھایا تھا۔ اس کے بعد اب تک بھوکا ہوں۔ بے پناہ مصروفیات میں بھوک نہیں لگتی۔ البتہ کھانا دیکھ کر بھوک چمک اٹھتی ہے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ طرح طرح کی لذیذ ڈشیں تھیں۔ کھانے کے بعد میں نے پیٹ کو سہلاتے ہوئے کہا: "خوب کھایا ہے۔ اب ذرا آرام سے لیٹوں گا۔ یہ چیزیں لے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

لیڈی سیکرٹری میری مرضی کے مطابق کنیزوں کو حکم دے کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ چاروں کنیزیں کھانے کا ایک ایک سامان اور ٹرالی لے کر جانے لگیں۔ آخری کنیز نے جاتے وقت چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر آہستگی سے کہا: "مادام کا مشورہ ہے، آپ زیادہ دیر تنہا رہیں، نہ خاموش رہا کریں ورنہ خیال خوانی کا شبہ ہوگا۔"

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے چلتے ہوئے کمرے کے باہر چلی گئی۔ میں اسے تعجب سے دیکھتا رہا۔ لیڈی روزینہ کے فارم میں سیکرٹری کے بعد یہ دوسری انگریزی بولنے والی نظر آئی تھی۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔

وہ ایک ترکی دوشیزہ تھی۔ لیڈی روزینہ نے ایسی کتنی ہی بےروزگار لڑکیوں کو جنھیں روزگار کی تلاش تھی اور جو ترکی کے مختلف شہروں اور علاقوں سے آئی تھیں، انھیں اپنے ہاں ملازمت دی تھی۔ وہاں ملازمت کرنے کی ایک کڑی شرط تھی اور وہ یہ کہ لڑکیاں شادی نہ کریں۔ کسی مرد سے کوئی رشتہ قائم نہ کریں۔ اگر ان کے لیے شادی ضروری ہو جائے تو وہ ملازمت چھوڑ کر جا سکتی تھیں۔ ملازمت چھوڑنے پر اچھی خاصی رقم دی جاتی تھی مگر وہاں کام کرنے والی لڑکیاں واپس جانا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ایک تو اتنی زیادہ تنخواہ ملتی تھی جس کی وہ توقع نہیں کر سکتی تھیں پھر امریکا جیسے ملک میں رہائش اختیار کرنے کی آسانی ہوتی تھی لیکن ایک قباحت یہ تھی کہ وہاں کی عیش و نشاط سے بھری ہوئی زندگی میں ان کا حصہ نہیں تھا۔ ہفتے میں ایک دن چھٹی ہوتی تھی، وہ بھی فارم میں رہ کر گزارنا پڑتی تھی۔ باہر جا کر کسی سے دوستی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایسی ملازمت کرنے والی اکثر لڑکیاں یہی سوچ کر وہاں رہ جاتی تھیں کہ کم از کم تیس برس تک خوب دولت کمائیں گی پھر باقی زندگی کسی سے شادی کر کے عیش و عشرت میں گزاریں گی۔

لیڈی روزینہ نے بڑی سہولتیں فراہم کی تھیں۔ ملازمت چھوڑنے کے بعد بھی بڑی رقمیں ادا کرتی تھی۔ ایسی صورت میں کوئی لڑکی اس سے بے وفائی یا غداری کا تصور بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ اپنی لیڈی کو بھلا دھوکا کیسے دیتیں جبکہ کسی وقت بھی ملازمت چھوڑ دینے کی اجازت تھی۔ ان لڑکیوں نے اکثر دیکھا تھا، اگر کوئی ساتھی لڑکی فارم میں کام کرنے والے کسی مرد کی محبت میں گرفتار ہو جاتی یا اس سے شادی کرنا چاہتی تو لیڈی روزینہ راضی خوشی اجازت دیتی تھی پھر انھیں اچھی خاصی رقم دے کر فارم سے رخصت کر دیتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی، اس کے ہاں ملازمت کرنے والے میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزاریں اور بچے پیدا کرتے رہیں جتنی آبادی فارم میں بڑھے گی، اتنے ہی مسائل بڑھتے جائیں گے پھر ماں باپ اپنے بچوں کے باعث کمزور پڑ جاتے ہیں، کوئی بھی باہر سے آنے والا انھیں بلیک میل کر سکتا ہے۔ لیڈی روزینہ کے خلاف انھیں غداری پر آمادہ کر سکتا ہے۔

بہرحال مجھے جس لڑکی کے دماغ میں جگہ ملی، اس کا نام رینا تھا۔ وہ اپنی عمر کی پچیسویں بہار گزار رہی تھی۔ دل میں ارمان تھے، جذبے تھے، طوفان تھے، مگر وہ سوچتی تھی تیس برس تک ملازمت کرے گی تا کہ اچھی خاصی رقم جمع ہو جائے۔ لیڈی روزینہ نے اپنی دانست میں بڑی سخت پابندیاں عائد کی تھیں اور ان کے لیے سہولتیں بھی فراہم کی تھیں لیکن پابندیوں میں رہ کر اکثر لڑکیاں گمراہ ہو جاتی ہیں۔ اسے بھی گمراہی کا موقع مل گیا۔ وہاں تقریباً چھ ادھیڑ عمر کی ایسی عورتیں تھیں جو تمام لڑکیوں کی [illegible] تھیں۔ ان کی نگرانی کرتی تھیں۔ [illegible] لڑکیوں کے کھانے پینے، آنے جانے اور سونے جاگنے کا حساب رکھتی تھیں تا کہ وہ بے راہ روی اختیار نہ کر سکیں۔ ایسی ہی ایک مادام اس کے ساتھ بے تکلف ہو گئی تھی۔

لیڈی روزینہ ٹھیک ہی سوچتی تھی کہ کسی بھی لڑکی کو کسی سے بے تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بے تکلفی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رینا اس مادام کے اشاروں پر چلنے لگی۔ رینا کے علاوہ ایسی اور کئی لڑکیاں تھیں جو طبّی شعبے سے تعلق رکھتی تھیں۔ مادام کے زیرِ اثر تھیں۔ ان میں سے دو لڑکیاں اس فارم میں ملازمت کرنے والے دو جوانوں سے محبت کرتی تھیں، ان سے شادی کرنا چاہتی تھیں لیکن اتنی جلدی ملازمت چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ ایسی صورت میں ادھیڑ عمر کی مادام نے ان جوانوں سے ملاقات کرنے کے مواقع فراہم کیے تھے۔ اس طرح وہ لڑکیاں مادام کو چاہتی تھیں اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میری میڈیکل رپورٹ میں آسانی سے تبدیلی ہو گئی۔ میرے خون کا گروپ بدل دیا گیا اور میری جلد کی تجزیاتی رپورٹ بھی وہ تھی جس کی ہم توقع نہیں کر سکتے تھے۔

اور میرا دل کہہ رہا تھا، سونیا یہاں موجود ہے۔ اسی نے یہ تمام چکر چلایا ہے۔ کمبخت نے میرے ساتھ بھی چکر چلا رکھا تھا۔ مجھے پابند کر دیا تھا اور میں اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میری بھلائی سوچنے والی اور مجھے خیال خوانی سے روکنے والی وہی ہو سکتی تھی۔ وہی چھپ چھپا کر دیکھ رہی ہوگی اور سمجھ رہی ہوگی کہ کوئی مجھے چھپ کر خیال خوانی کرتے دیکھ سکتا ہے اور میری اصلیت معلوم کر سکتا ہے۔

لیکن خیال خوانی کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ میں نے بہت دیر سے پومی کی خبر نہیں لی تھی۔ تھوڑی دیر بعد شیبا ہوش میں آنے والی تھی۔ اس کے ساتھ رہنا بھی ضروری تھا۔ سپر ماسٹر کے پاس جا کر اس کی دوسری مصروفیات کے متعلق بھی معلوم کرنا تھا اور... بھی چھوٹے بڑے کئی مسئلے تھے جو مجھے خیال خوانی پر مجبور کرتے تھے۔ میں نے وہاں سے اٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ دوسرے دروازے اور کھڑکیوں پر بھی پردے پڑے ہوئے تھے۔ باہر سے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی احتیاط لازمی تھی۔ میں نے سینٹر ٹیبل پر پڑے ہوئے رسالوں میں سے ایک رسالہ اٹھایا۔ اسے لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب کوئی مجھے کہیں سے چھپ کر دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ میں پڑھنے میں مصروف ہوں۔ میں نے رسالے کو کھولا۔ پھر اس کے ایک صفحے پر نظر جماتے ہوئے پومی کے پاس پہنچ گیا۔

ریڈ پاور کے آدمیوں کا قبضہ اس ریسٹ ہاؤس پر ہو گیا تھا جہاں سے خفیہ راستہ مسٹر نوکو کے قلعے تک جاتا تھا۔ اس ریسٹ ہاؤس میں دو مسلح گارڈز اور وہاں کا ایک انچارج تھا۔ وہ تینوں مارے گئے تھے۔ ان کی جگہ باس کے آدمیوں نے لے لی تھی۔ پومی تقریباً پندرہ مسلح افراد کے ساتھ اس تہ خانے میں اتر گئی تھی۔ وہاں سے ایک سرنگ نما راستہ دور تک جاتا تھا۔ وہ راستہ ہموار نہیں تھا۔ سو، دو سو قدموں کے فاصلے تک بلندی تک سیڑھیاں جاتی تھیں۔ ان سیڑھیوں پر چڑھنے کے بعد ویسا ہی ہموار راستہ آتا تھا۔ پھر بلندی تک سیڑھیاں جاتی تھیں۔ یعنی نوکو کا قلعہ پہاڑی کی بلندی پر تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ایسی سیڑھیوں کا ہونا لازمی تھا۔

سپر ماسٹر نے اس راستے کو بنانے میں بڑی رقم خرچ کی تھی۔ میں نے معلوم کیا تھا، تقریباً ڈیڑھ سو مزدوروں نے یہ کام کیا تھا۔ جب کام مکمل ہو گیا تھا تو اس نے ان مزدوروں کو مختلف بہانوں سے مختلف مقامات تک پہنچا کر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا تا کہ خفیہ راستے کو جاننے والا کوئی نہ رہے۔

اس خفیہ راستے کی نگرانی کرنے والے بظاہر تین افراد تھے جو ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھے۔ ایک وہی ریسٹ ہاؤس کا انچارج اور دو مسلح افراد۔ لیکن چور راستے میں بھی جگہ جگہ نادیدہ حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔ اگر کوئی ریسٹ ہاؤس سے گزر کر اس راستے تک پہنچ جاتا تب بھی نوکو کے قلعے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سرنگ میں کئی جگہ خطرناک رکاوٹیں تھیں۔ اگر کوئی پہلے سے جانتا نہ ہو تو پہلی ہی رکاوٹ میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔

میں نے پومی کو تمام خطرات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ اسے بتا دیا تھا کہ ان راستوں سے کس طرح گزرا جا سکتا ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس وقت تک وہ دو خطرناک راستوں سے گزر چکی تھی۔ تیسرے راستے پر پہنچ کر رک گئی تھی۔ وہاں سرنگ کی چھت سے بے شمار لوہے کی نوکیلی میخیں نکلی ہوئی تھیں۔ اس چھت کے سائے میں... آگے بڑھتے ہی وہ نوکیلی چھت گزرنے والے کے اوپر ایک دھماکے سے آ کر گرتی تھی اور جیتے جاگتے انسان کا قیمہ بنا کر رکھ دیتی تھی۔

پومی وہاں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ رک گئی

تھی۔ وہ سرنگ چھ فٹ چوڑی تھی اور قیمہ بنانے والی چھت چھ گز کے فاصلے تک گئی تھی یعنی وہاں سے گزرنے والے کو اٹھارہ فٹ تک چلنا پڑتا۔ پومی جمناسٹک کے کرتب دکھا سکتی تھی۔ اٹھارہ فٹ تک زمین پر بغیر قدم رکھے دوڑتی ہوئی ایک چھلانگ میں یہاں سے وہاں پہنچ سکتی تھی مگر یہ سبھی کے لیے ممکن نہیں تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا' اس چھت کے سائے میں قدم رکھنے سے پہلے دائیں طرف کی دیوار میں جتنے پتھر چُنے گئے ہیں' ان میں سے ایک پتھر ایسا ہے جسے ذرا سی محنت کے بعد باہر نکالا جاسکتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک آہنی کَل ہے۔ اسے بائیں سے دائیں گھمایا جائے تو وہ کَل دس سیکنڈ میں گھومتے ہوئے اپنی پہلی پوزیشن میں آجاتی ہے یعنی دس سیکنڈ میں جب تک وہ اپنی پہلی پوزیشن میں نہ آئے اس وقت تک چھت اپنی جگہ رہتی ہے پھر دس سیکنڈ کے بعد کوئی بھی وہاں سے گزرے تو اس پر آگرتی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کَل کو دائیں طرف گھمانے کے بعد دس سیکنڈ کے اندر اس اٹھارہ فٹ کے فاصلے کو پار کرنا تھا۔ اگر کوئی رہ جاتا تو پھر ہمیشہ کے لیے رہ جاتا۔

پومی نے اس پتھر کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ وہ مسلح جوانوں سے کہہ رہی تھی "اسے اس دیوار سے کھینچ کر باہر نکالو۔"

وہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ دو نوجوان اس پتھر کو دیوار سے نکال رہے تھے۔ ذرا سی محنت کے بعد وہ پتھر باہر آگیا۔ پیچھے وہی لوہے کی کَل دکھائی دی جس کا ذکر میں نے کیا تھا۔ اس نے ایک جوان سے اسٹاپ واچ لی۔ پھر ان نوجوانوں سے کہا۔ "دیکھو، میں اس کَل کو دائیں طرف گھما رہی ہوں۔ دس سیکنڈ میں یہ گھومتے ہوئے پھر اپنی جگہ آئے گی۔ ان دس سیکنڈوں میں چھت اپنی جگہ رہے گی۔ تم لوگوں کو چار چار چھ چھ کی ٹولی بنا کر یہاں سے گزرنا ہے' اگر کسی نے ایک سیکنڈ کی بھی دیر کی تو وہ جان سے جائے گا۔"

وہ لوگ کبھی اس نوکیلی چھت کو اور کبھی فرش کو دیکھ رہے تھے جہاں سے پاؤں رکھتے ہوئے گزرنا تھا۔ پومی نے کہا "میں اپنے اطمینان کے لیے اس کَل کو آزمانا چاہتی ہوں تاکہ ہم سب مطمئن ہوکر چھت کے سائے سے گزر سکیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے کَل کو بائیں سے دائیں گھما دیا۔ اس کے ساتھ ہی اسٹاپ واچ کے بٹن کو دبایا۔ سیکنڈ کا کانٹا تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی پومی نے اس پتھر کو جو کہ دیوار سے نکالا گیا تھا، اس فرش پر پھینک دیا جہاں سے انھیں گزرنا تھا۔ وہ سب غور سے کبھی پتھر کو اور کبھی چھت کو دیکھ رہے تھے۔ ٹھیک دس سیکنڈ میں وہ کَل گھومتے ہوئے جیسے ہی اپنی جگہ آئی، اوپر سے وہ نوکیلی چھت ایک دھماکے سے آکر نیچے گری۔ پھر چند سیکنڈ میں اوپر اپنی جگہ واپس جاکر جم گئی۔ وہ پتھر جو فرش پر رکھا ہوا تھا چکنا چور ہوگیا تھا۔ ریزہ ریزہ ہوکر دور تک بکھر گیا تھا۔ پومی نے کہا "جب تک پتھر کا وزن اس فرش پر رہا' چھت نیچے آکر گری۔ جیسے ہی وہ پتھر منتشر ہوا' اس کا وزن تقسیم ہوگیا۔ اور فرش پر بوجھ نہ رہا تو چھت واپس اپنی جگہ چلی گئی۔"

یہ بات سب کی سمجھ میں آگئی۔ انھوں نے اپنے اپنے سامان کو سنبھالا۔ پھر چھ چھ کی ٹولی میں اس حصے کو پار کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ پومی نے اس کَل کو دوبارہ دائیں طرف گھما دیا۔ پھر کہا "دوڑو۔"

اس کے ساتھ ہی چھ مسلح جوان دوڑتے ہوئے' اس فرش پر سے گزرتے ہوئے اٹھارہ فٹ کا فاصلہ پار کر گئے۔ ایک تنہا آدمی کے لیے دس سیکنڈ میں اس فاصلے کو پار کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر چھ آدمی بیک وقت گزرتے تو ایک دوسرے سے ٹکرا سکتے تھے' گر سکتے تھے' اٹھ کر بھاگنے میں دیر ہوسکتی تھی لیکن وہ سب تجربہ کار تھے' کئی خطرناک مقامات سے گزر چکے تھے۔ وہاں بھی وہ چپے تلے قدموں سے گزرتے ہوئے پار ہوگئے تھے۔

ویسے کس وقت کس کو کہاں ٹھوکر لگتی ہے' یہ پہلے سے کوئی نہیں جانتا۔ دوسری بار یہی ہوا۔ چھ آدمی جب اس فاصلے کو پار کرتے ہوئے گئے تو ایک جوان کا توازن بگڑ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ اس نے سنبھلنے کے لیے دوسرے کا سہارا لینا چاہا تو اسے بھی اپنے ساتھ لے گرا۔ ایسے نازک وقت میں دس سیکنڈ کی مہلت کچھ نہیں ہوتی۔ گرنے' سنبھلنے اور پھر اٹھ کر دوڑنے میں ذرا وقت لگتا ہے۔ وہ دونوں فوراً ہی اٹھ کر بھاگے مگر ایک سیکنڈ کی دیر ہوگئی۔ جیسے ہی وہ کنارے تک پہنچنے لگے' اوپر سے چھت ایک دھماکے سے ان پر آکر گر پڑی۔

تمام ساتھی دم بخود رہ گئے۔ پومی کا سر جھک گیا۔ ان کی آخری چیخ اس سرنگ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجتی گئی تھی پھر سناٹا چھا گیا تھا۔ بیک وقت دو ساتھیوں کی موت افسوسناک تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اب وہ نوکیلی چھت ایک جھٹکے سے اوپر اپنی جگہ پہنچ کر تھم گئی

ان کے دونوں ساتھی مردہ ہوگئے تھے اور نوکیلی میخوں میں پھنس کر چھت کے ساتھ اوپر چلے گئے تھے۔ وہاں سے ان کا خون رِس رہا تھا اور فرش پر گرتا ہوا ایک طرف بہتا جا رہا تھا۔

پومی غور سے اس حصے کو دیکھ رہی تھی جہاں وہ لہو بہہ رہا تھا۔ اس کے پاس تین مسلح جوان رہ گئے تھے۔ باقی چھ چھ کی ٹولی میں بارہ افراد پار ہونے گئے تھے' ان میں سے دس زندہ رہ سکے تھے۔ ایک جوان نے پومی سے کہا "مس! آپ کیا سوچ رہی ہیں۔ کیا ہمیں پار نہیں جانا چاہیے؟"

وہ بولی "جانا تو چاہیے۔ میں حساب لگا رہی ہوں' ہمارے دو ساتھیوں کا لہو فرش پر پھیل رہا ہے۔ ہم چاروں کو یہ خیال رکھنا ہوگا کہ یہاں سے دوڑتے وقت ہمارا پاؤں اس لہو پر نہ پڑے ورنہ ہم پھسل کر وہیں رہ جائیں گے۔"

اس کے تین ساتھیوں نے کہا "پہلے آپ یہاں سے چلی جائیں۔ آخر میں ہم آئیں گے۔"

"ہم دو دو کی ٹولی میں جائیں گے ——" یہ کہہ کر پومی نے اس کَل کو ۔۔۔ دائیں طرف گھمایا اور اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تیزی سے دوڑتی ہوئی' اس فرش پر سے گزرتی ہوئی جب لہو کے قریب پہنچی تو وہاں سے چھلانگ لگا کر قلابازی کھاتے ہوئے پار ہوگئی۔ چونکہ فرش پر پومی اور اس کے ساتھی کا بوجھ پڑا تھا لہٰذا دس سیکنڈ پورے ہوتے ہی وہ چھت پھر نیچے ایک دھماکے کے ساتھ آکر واپس چلی گئی تھی۔ اس کے بعد باقی دو ساتھیوں نے بھی یہی کیا اور بخیریت اس قاتل چھت کے نیچے سے گزر کر چلے آئے۔

وہ لوگ جہاں پہنچ گئے تھے، وہاں سے واپسی کا وہی راستہ اختیار کرتے تو دوسری طرف بھی ایسا ہی ایک پتھر تھا جسے ہٹانے کے بعد ویسی ہی ایک کَل نظر آرہی تھی۔ اسے بھی دائیں طرف گھمانے کے بعد دس سیکنڈ کی مہلت ملتی اور اسی طرح وہ پار ہوکر واپس آسکتے تھے۔ بہرحال ابھی تو قلعہ سر کرنے اور دی کلر کا سر حاصل کرنے کے مرحلے سے گزرنا تھا۔ اگرچہ میں نے سپر ماسٹر کے دماغ میں رہ کر اس خفیہ راستے سے گزرنے کے تمام ہتھکنڈے معلوم کرلیے تھے۔ تاہم ایک بار پھر احتیاطاً معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر تک معلومات حاصل کرتا رہا۔ پھر میں نے پومی کے پاس پہنچ کر کہا "میں نے یہاں کے خطرات سے متعلق تمھیں تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔ کیا تمھیں سب یاد ہے؟"

"ہاں' اب ہمارے سامنے جو سیڑھیاں آرہی ہیں' یہ بھول بھلیوں کی طرح ہیں۔ مجھے یاد رکھنا ہوگا کہ ان سیڑھیوں کے کن پائیدانوں پر قدم رکھنا چاہیے۔"

"تم بولتی جاؤ' میں سننا چاہتا ہوں کہ تمھیں یاد ہے یا نہیں۔"

اس نے کہا "پائیدان نمبر ایک۔ پھر دو کو چھوڑ دیا جائے۔ تین اور چار پر قدم رکھا جائے۔ پانچ کو چھوڑ دیا جائے۔ چھ پر قدم رکھا جائے۔ سات اور آٹھ کو چھوڑ دیا جائے۔"

وہ بولتی جا رہی تھی۔ میں سنتا جا رہا تھا۔ پھر میں نے کہا "تمھاری یادداشت بہت اچھی ہے۔ اب اپنے ساتھیوں کو یہی بتاتی جاؤ۔ اس کے مطابق وہ زینے کی بلندی پر پہنچ جائیں گے۔ یہ آخری مرحلہ ہے' اس کے بعد زینے کی بلندی والا دروازہ کھول کر قلعے کے ایک خفیہ کمرے میں پہنچ جاؤ گی۔"

اس نے پوچھا "اگر کسی غلط پائیدان پر پاؤں پڑ گیا تو کیا حشر ہوگا؟"

"جیسے ہی کسی غلط پائیدان پر پاؤں پڑے گا' وہاں اچانک خلا پیدا ہوگا اور پاؤں رکھنے والا نیچے ایک گرم پانی کے حوض میں چلا جائے گا۔ وہاں اتنا کھولتا ہوا پانی ہے کہ اسے جدوجہد کرکے واپس زینے تک پہنچنے کا موقع نہیں ملے گا۔ وہ پانی اس کی کھال اور گوشت کو دیکھتے ہی دیکھتے گلا کر رکھ دے گا۔"

وہ اپنے ساتھیوں کو بتانے لگی کہ کون کون سے پائیدان پر قدم رکھنا چاہیے۔ وہ پانچ پانچ کی تعداد میں زینے کے پہلے پائیدان پر کھڑے ہوگئے۔ پھر جیسے جیسے پومی نمبر بتاتی گئی، وہ ان پر قدم رکھتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ اسی طرح وہ باری باری بحفاظت اوپر پہنچ گئے۔ یوں دیکھا جائے تو انھیں کوئی خطرہ پیش نہیں آیا تھا۔ اگر یہ ٹیلی پیتھی کا علم نہ ہوتا اور قبل از وقت معلومات حاصل نہ ہوتیں تو ان میں سے کوئی اس زینے کے دوسرے تیسرے پائیدان سے اوپر نہیں جاسکتا تھا۔ سب گرم پانی کے حوض میں پہنچ جاتے۔

اب وہ اس دروازے کے سامنے کھڑے تھے جسے کھولتے ہی لوکو کے قلعے میں داخل ہونے والے تھے۔ ایک مسلح جوان نے آگے بڑھ کر کہا "پہلے میں دروازہ کھول کر جاؤں گا۔"

پومی نے کہا "میری اور تمھاری جان ایک جیسی ہے۔ ہم دونوں انسان ہیں۔ پھر میں کیوں نہ پہلے جاؤں۔"

"ہم آپ کے باڈی گارڈز ہیں۔ آپ کے جسم و جان کی حفاظت کرنے والے۔ لہٰذا مجھے اجازت دیجیے' پلیز۔"

وہ مسکرا کر بولی "اچھا، جاؤ۔"

کوئی خطرے کی بات نہیں تھی۔ یہ بات پومی جانتی تھی۔ وہ خودکار آہنی دروازہ تھا۔ ایک کَل کو ایک طرف گھماتے ہی

دروازہ کھلنے لگتا تھا۔ جب وہ دروازہ کھل گیا تو وہ یکے بعد دیگرے وہاں سے گزرتے ہوئے ایک تنگ راہداری میں پہنچے۔ پوری سرنگ میں روشنی کا خاصا انتظام تھا۔ راہداری اگرچہ تنگ تھی مگر روشن تھی۔ سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔ میں نے کہا۔" اس دروازے کے دوسری طرف ایک خفیہ کمرہ ہے۔ اس کمرے سے گزر کر دوسرے دروازے کو کھولوگی تو ایک اسٹور روم میں پہنچوگی۔ جب اسٹور روم سے گزر کر تیسرے دروازے کو کھولوگی تو مسٹر لوکو کے شاندار بیڈ روم میں پہنچوگی۔ اگرچہ لوکو اب نہیں رہا لیکن دوسرا اس قلعے کا منتظم اعلیٰ موجود ہے۔ شاید اس سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔ میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر آؤں گا۔"

"ذرا ایک منٹ، اگر بیڈ روم میں قلعے کا موجودہ سربراہ موجود ہوا تو وہ سمجھ لے گا کہ ہم کسی خفیہ راستے سے آئے ہیں۔"

"کسی کو یہ سمجھنے کا موقع نہ دو کہ تم نے خفیہ راستہ اختیار کیا ہے جو اس بات پر شبہ کرے، تم اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دو۔"

"تمھیں میرے ساتھ رہنا چاہیے۔ اگر قلعے کے سربراہ سے میرا سامنا ہوا تو میں اس سے بات کروں گی۔ تم اس کے دماغ میں پہنچ سکو گے۔ اس کے ذریعے ٹیلیفون کراؤ گے اور دوسری طرف سے بات کرنے والوں کے دماغوں میں بھی پہنچ سکو گے۔"

"میں ایسا کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اس قلعے میں جب تک دی کلر چھپا رہتا ہے، قلعے کا موجودہ سربراہ کمپیوٹر کے ذریعے اسے کنٹرول میں رکھتا ہے، جس طرح مسٹر لوکو اسے اپنے قابو میں رکھتا ہے۔ جو شخص دی کلر کے دماغ کو کنٹرول کرتا ہے وہ یوگا کا ماہر ہوتا ہے تاکہ ہم ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے دماغ میں نہ پہنچ سکیں۔ لہٰذا اس سے تمہارا سامنا ہو تو پہلی فرصت میں گولی مار دینا۔ اس سے کچھ حاصل کرنے کی توقع مت رکھنا۔"

"تمھیں اتنی جلدی واپس جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا میں تمہارے ساتھ رہ کر فلمی گیت گاؤں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔" میرا دل گنگناتے گنگناتے مایوس ہو گیا۔ کتنی خوش ہو رہی تھی کہ تمہارے پاس آؤں گی اور حالات مجھے کہاں لے آئے ہیں۔ ایک بات بتاؤ؟"

"پوچھو؟"

"جب میں اس مہم میں کامیاب ہو جاؤں گی، دی کلر کا سر حاصل کر لوں گی تو مجھے یہاں سے کہاں واپس جانا ہوگا؟"

"ادارے میں جانا چاہیے تاکہ وہاں سے دوسری مہم پر روانہ ہو سکو۔"

"نہیں فرہاد! جب تک تم یہاں ہو، میں اس ملک کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"پاگل نہ بنو۔ ہم جناب شیخ الفارس کا احترام کرتے ہیں اور ان کا حکم مانتے ہیں، تمھیں بھی ان کے حکم کی تعمیل کرنا چاہیے۔"

وہ مایوس ہو کر سوچنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔" ابھی تو میرے ساتھ رہو۔ میں اس قلعے کے سربراہ کو گولی نہیں ماروں گی۔ صرف زخمی کروں گی تاکہ وہ سانس روکنے کا مظاہرہ نہ کر سکے اور تمھیں اس کے دماغ میں جگہ مل جائے، اس کے ذریعے تم بہت کچھ کر سکتے ہو۔"

"چلو میں تمہارے ساتھ رہتا ہوں۔ ویسے تم بہت ضدی ہو۔"

وہ مجھے جیت کر مسکرانے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو کھولا۔ اس کمرے میں پہنچ گئی جو بالکل خالی تھا۔ اس کے پیچھے تمام مسلح جوان دبے قدموں اندر آ گئے۔ کمرے میں نہ کھڑکیاں تھیں نہ کوئی روشندان۔ وہ سب دوسرے دروازے کے پاس آئے۔ پومی نے دروازے سے کان لگا کر دوسری طرف کی آہٹ سننے کی کوشش کی۔ وہ دروازہ نمبروں کے ذریعے مقفل ہوتا تھا اور انھی مخصوص نمبروں کے ذریعے کھلتا تھا۔ وہ نمبر میں نے پومی کو بتا دیے تھے۔ اس نے بڑی آہستگی سے نمبروں کو ڈائل کیا۔ پھر دروازے کو دھیرے دھیرے کھول دیا۔ اب انھیں ایک بڑا سا اسٹور روم نظر آرہا تھا۔ وہ سب محتاط انداز میں چلتے ہوئے اس روم میں پہنچ گئے۔

وہاں صرف ایک روشندان تھا۔ روشندان کے نیچے بڑی سی الماری تھی۔ پومی نے الماری کے اوپری حصے پر ہاتھ رکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اوپر چڑھتی چلی گئی۔ وہاں سے ہلکی روشنی آرہی تھی۔ اس نے اوپر پہنچ کر روشندان سے جھانکتے ہوئے دیکھا۔ دوسری طرف ایک بہت ہی خوبصورت سجی سجائی خوابگاہ تھی۔ مگر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے کہا۔" روشن دان سے خوابگاہ کا تمام حصہ نظر نہیں آرہا ہے اور جو نظر نہیں آرہا ہے، ہو سکتا ہے ادھر کوئی ہو۔"

"اب کوئی ہو یا نہ ہو، ہمیں تو آگے بڑھنا ہی ہے۔"

وہ آہستگی سے نیچے اتر گئی۔ میں نے کہا۔" خوابگاہ میں پہنچ کر چاقو استعمال کرو یا پھر سائلنسر لگا ہوا ریوالور۔ آواز نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ اس دروازے کے پاس پہنچ گئی جو خوابگاہ کی طرف کھلتا تھا۔ اس نے بڑی آہستگی سے اسے کھول کر ذرا سا سر نکالتے ہوئے دیکھا۔ پوری خوابگاہ نظر آرہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ دبے قدموں چلتے ہوئے باتھ روم کے پاس پہنچی۔ پھر دروازے سے کان لگا کر سننے لگی۔ اندر شاور سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ ساتھ ہی کوئی گنگنا رہا تھا۔ بے چارہ ہنسنے بولنے، گانے اور گنگنانے والا آدمی سمجھ نہیں پاتا کہ وہ اس کی زندگی کی آخری ہنسی اور گنگناہٹ ہو سکتی ہے۔

چند سیکنڈ کے بعد ایک نسوانی گنگناہٹ سنائی دی۔ اس کا مطلب تھا، باتھ روم میں دو ہنسوں کا جوڑا ہے۔ مسٹر لوکو کے بعد اس قلعے کا جو آقا بن کر آیا تھا، وہ خاصا رنگین مزاج معلوم ہوتا تھا۔ مجھے اس نامعلوم عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔" اب میں جا رہی ہوں۔ زیادہ بھیگنے سے زکام ہو جاتا ہے۔"

پومی نے سوچ کے ذریعے مجھ سے کہا۔" وہ آرہی ہے۔"

میں نے کہا۔" وہ آنے کب دے گا۔"

وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ میں نے کہا۔" میں اندر جا رہا ہوں۔ اس عورت کو دروازہ کھولنے پر مجبور کروں گا۔"

"شرم نہیں آتی۔ ایسی جگہ جاؤ گے۔"

"بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں اخلاقی تقاضے پورے نہیں کیے جا سکتے۔ اگر میں اندر نہ گیا تو پتا نہیں کب تک یہاں کھڑی رہوگی۔ محبت اور جنگ کب تک جاری رہ سکتی ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ بڑی اپنائیت سے بولی۔" کچھ بھی ہو، میں تمھیں وہاں نہیں جانے دوں گی۔"

"کیا تم اسی طرح میرے شانہ بشانہ کام کرنا چاہتی ہو کہ جہاں فوری اقدامات کی ضرورت ہو، وہاں محبوبانہ انداز اختیار کر لو۔"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس سے پہلے ہی اچانک دروازہ کھل گیا۔ اگرچہ میں اور پومی ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف تھے تاہم ہمارا ذہن اُدھر لگا ہوا تھا۔ اگر ہم غافل ہوتے تو وہ دروازہ کھولنے والی مسلح افراد کو دیکھتے ہی چیخ پڑتی۔ اس سے پہلے ہی میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ پومی نے بھی حاضر دماغی سے کام لیا تھا۔ جو دروازہ ذرا سا کھلا تھا، اسے ایک لات مار کر پوری طرح کھول دیا۔ اب دو ہنسوں کا جوڑا پوری طرح نظر آرہا تھا۔ پومی نے ایک ساعت کی بھی دیر نہیں کی۔ اس نے سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے نشانہ لیا اور گولی داغ دی۔

ریوالور سے پھُسپھُسی آواز نکلی۔ اس کے ساتھ ہی ادھیڑ عمر کے شخص نے اپنے بائیں بازو کو تھام لیا۔ تکلیف سے کراہنے لگا۔ پومی نے اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر سیکنڈ لوکو! میں تمہاری جان بھی لے سکتی ہوں لیکن زخمی کیا ہے تاکہ اپنے دماغ کے دروازے کھلے رکھو۔"

میں نے اس حسینہ کے دماغ کو ذرا سا آزاد چھوڑتے ہوئے کہا۔" خبردار کسی طرح آواز نہ نکالنا۔"

وہ دہشت زدہ تھی۔ اس نے ٹیلی پیتھی کے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ اپنے دماغ میں میری آواز سن کر ایک دم سے گھبرا گئی تھی اور اسی گھبراہٹ میں پھر چیخنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا پہنچایا۔ وہ ایک دم سے تڑپ کر پیچھے گئی اور دیوار سے ٹکرا گئی۔ میں نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔" دوبارہ چیخنے کی حماقت کروگی تو تمہارے شانوں پر سر رہے گا مگر سر میں دماغ نہیں رہے گا۔"

وہ انکار میں تیزی سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں بولوں گی، نہیں چیخوں گی۔ میں اپنا منہ بند رکھوں گی۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو ڈھانپ لیا۔ پھر وہاں سے دوڑتی ہوئی کمرے کی طرف جانے لگی۔ ایک مسلح جوان نے اسے روکا۔ پومی نے کہا۔" اسے باہر نہیں جانے دو۔ چیخنا چاہے تو گولی مار دینا۔"

میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا جسے پومی نے سیکنڈ لوکو کہا تھا۔ اس کے دماغ نے اپنا نام بتایا۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" مسٹر ماؤنٹ ڈیزی! تم مجھے اپنے اندر محسوس کر رہے ہو مگر یہاں سے نکال نہیں سکو گے۔ سانس نہیں روک سکو گے۔ تمہارے بازو میں پیوست ہونے والا بلٹ تمھیں یوگا کے مظاہرے کی اجازت نہیں دے گا۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔" میرے بازو میں انگارے دہک رہے ہیں۔ پلیز، مجھے فوراً طبی امداد پہنچاؤ۔ نہیں تو مر جاؤں گا۔"

"تمہارے بازو سے گولی اس وقت نکلے گی جب میرے سوالات کا صحیح جواب دو گے۔ کسی معاملے میں دھوکا دینے کی کوشش کرو گے تو یہ گولی تمہارے ساتھ قبر میں جائے گی۔"

وہ گولی سچ مچ اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔ میں نے پوچھا۔" دی کلر کہاں ہے؟"

اس نے وہی جگہ بتائی جہاں پومی نے ایک بار اسے دیکھا تھا۔ میری ہدایت پر پومی کے دو ساتھیوں نے اسے سہارا دیا۔ وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ میں نے حکم دیا تھا کہ قلعے کے اسلحہ خانے کا جو انچارج ہے، اس سے گفتگو کرے۔

ایک مسلح جوان نے ریسیور اٹھایا۔ ماؤنٹ ڈیزی نمبر ڈائل

کرتے ہوئے بولا "مسٹر فرہاد! میں فون پر بات کروں گا تو دوسری طرف معلوم ہو جائے گا، میں تکلیف میں مبتلا ہوں، آپ دیکھ رہے ہیں، میری آواز کانپ رہی ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔"

اس وقت تک رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ ماؤنٹ ڈیزی نے ریسیور کان سے لگا کر جیسے ہی ہیلو کہا، میں اس کے دماغ پر پوری طرح قابض ہو گیا۔ اب اس کی آواز میں تھرتھراہٹ نہیں تھی، کسی کمزوری کا شائبہ نہیں تھا۔ اس نے ریسیور کے ذریعے کہا "میں ماؤنٹ ڈیزی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "یس سر! میں آرتھر بول رہا ہوں۔"

میں نے ڈیزی کی زبان سے کہا "آل رائٹ! میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم لوگ ڈیوٹی پر ہو یا نہیں۔ دیٹس آل۔"

میں نے ریسیور اس کے ہاتھ سے کریڈل پر رکھوا دیا۔ پومی اور اس کے ساتھیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ دی کلر کہاں ہے۔ ماؤنٹ ڈیزی کے اس محل نما حصے میں کتنے مسلح افراد ہیں اور کہاں کہاں ان کی ڈیوٹی ہے؟ میں نے کہا "پومی! جاؤ اور دی کلر کی گردن اتار کر یہاں سے نکل جاؤ، میں اس قلعے کو تباہ کرنے والا ہوں۔"

اس کے ساتھیوں نے ماؤنٹ ڈیزی کو اس کے پلنگ سے باندھ دیا۔ منہ میں کپڑا ٹھونس کر اوپر سے پٹی باندھ دی تاکہ وہ آواز نہ نکال سکے اور مجھے ہمیشہ اس کے دماغ میں رہنا نہ پڑے۔ وہ نہ تو حرکت کر سکتا تھا، نہ منہ سے آواز نکال سکتا تھا۔ اس نے سوچ کے ذریعے کہا "مسٹر فرہاد! تمھیں خدا کا واسطہ، مجھ پر رحم کرو۔"

"تم نے اتنے بڑے اور مضبوط قلعے میں سیکڑوں مسلح افراد کسی پر رحم کھانے کے لیے رکھے ہیں؟ پومی کو اس قلعے میں بلا کر قید کیا گیا تھا تاکہ وہ کبھی دی کلر کا سر نہ لے جا سکے۔ اس کے ساتھیوں کو بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا۔ کیا اس وقت ہماری رحم کی اپیل پر اور خدا کا واسطہ دینے پر انھیں رہا کر دیا جاتا؟"

میں نے اس کا جواب نہیں سنا۔ باہر سے فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پومی اور اس کے ساتھی وہاں کے مسلح محافظوں سے ٹکرا گئے تھے۔ میں آرتھر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اسلحہ خانے سے نکل کر دوسرے محافظوں سے پوچھ رہا تھا "یہ فائرنگ کیسی ہو رہی ہے؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی قلعے کے ہر حصے میں خطرے کا الارم بجنے لگا۔ آرتھر دوڑتا ہوا اپنے دفتری کمرے میں آیا۔ وہاں ٹیلیفون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ریڈیو وائرلیس سے اشارے موصول ہو رہے تھے۔ اس کے ماتحت ٹیلیفون اور ٹرانسمیٹر اٹینڈ کر رہے تھے۔ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ماؤنٹ ڈیزی کے محل نما حصے میں فائرنگ ہو رہی ہے لیکن یہ پتا نہیں چل رہا تھا، فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟ کس کے خلاف ہو رہی ہے؟ کیا اس محل میں ڈیوٹی دینے والے محافظ آپس میں لڑ پڑے ہیں؟

میں ریڈیو وائرلیس اور ٹیلیفون کے ذریعے دور دور کی آوازیں سن رہا تھا اور قلعے کے ہر حصے میں خاص خاص آدمیوں کے دماغوں تک پہنچتا جا رہا تھا۔ دس منٹ کے بعد یہ خبر ہر طرف پھیل گئی کہ پومی دوبارہ قلعے میں داخل ہو گئی ہے۔

سب حیران تھے، وہ قلعے کے اندر کیسے پہنچ گئی، کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ یہاں آئی ہے۔ جو فائرنگ ہو رہی تھی، اس سے یہی سمجھا جا رہا تھا، فرہاد کی ٹیلی پیتھی آپس میں ایک دوسرے کو لڑوا رہی ہے۔ وہاں پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا اور اب بھی وہ دیکھ رہے تھے، ماؤنٹ ڈیزی کے صرف محل نما حصے میں نہیں، بلکہ قلعے کے ہر حصے میں لوگ آپس میں ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہے تھے۔ میں جہاں جہاں پہنچ چکا تھا، وہاں کے لوگوں کو اپنا معمول بنا کر فائرنگ پر مجبور کرتا جا رہا تھا۔

اگرچہ وہاں سیکڑوں مسلح افراد تھے اور اسلحہ کی کمی نہیں تھی اس کے باوجود کسی بھی مسلح شخص کو اتنی فرصت نہیں مل رہی تھی کہ وہ ماؤنٹ ڈیزی کے محل نما حصے کی طرف جاتا۔ وہاں کے بڑے بڑے افسران کو ماؤنٹ ڈیزی کی فکر تھی۔ اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی اور نہ ہی وہ ان سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ جب بھی کوئی افسر اپنے مسلح افراد کے ساتھ وہاں جانا چاہتا تو میں ان میں سے دو چار لوگوں کو اپنا معمول بنا کر ان پر فائرنگ کرانے لگتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ آپس میں ہی الجھ پڑتے۔ جتنے اعلیٰ افسران تھے، وہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ذرا سی دیر میں یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہیں گے تو اسی طرح ان کے آدمی آپس میں فائرنگ کریں گے اور ایک دوسرے کو ہلاک کرتے رہیں گے۔ میرا آخری حملہ زبردست تھا۔ ان کے ہوش اڑ گئے۔ میں آرتھر کے ذریعے پورے اسلحہ خانے کو تباہ کر رہا تھا جس کے نتیجے میں وہ قلعہ کھنڈر بنتا جا رہا تھا۔

میں پومی کے پاس آ گیا۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔ اسے اب دی کلر کا سر کاٹ کر لے جانا چاہیے تھا۔ اگر وہ سرنگ کے راستے سے واپس نہ جاتی تو باس کے ذریعے ہیلی کاپٹر فراہم کیا جا سکتا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچا، پتا چلا وہ قلعے سے نکل گئی ہے، اسی چور راستے سے گزر رہی ہے لیکن اس نے دی کلر کا سر نہیں کاٹا تھا، اسے مجسم اغوا کر کے لے جا رہی تھی۔ اس کے ساتھیوں نے

اس پہاڑ جیسے آدمی کو اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے تنگ راستے سے گزر رہے تھے۔ دی کلر کوئی جدوجہد نہیں کر رہا تھا۔ آرام سے ان کے کاندھوں پر پڑا ہوا تھا اور اس کے منہ سے ایک فیڈر لگا دیا گیا تھا۔

میں نے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ بولی "تم نے ریڈ پاور کے ماسک مین سے وعدہ کیا ہے، دی کلر کا سر اس کے حوالے کرو گے۔ میں سالم دی کلر کو اس کے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔"

"تمھیں کہا گیا ہے، اس کی گردن کاٹ کر لے جاؤ، مجسم اغوا کرنے کی بہ نسبت صرف سر کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہو گا۔"

"میں اس کا سر نہیں کاٹ سکتی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا یہ وہی دی کلر ہے جس کے نام سے دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلے پر بڑے بڑے شہ زور ٹھہر نہیں سکتے لیکن یہ بالکل دودھ پیتا بچہ بن گیا ہے اور یہ تمھاری غلطی سے ہوا ہے۔"

"میری غلطی سے؟"

"ہاں، تمھیں معلوم تھا کہ کمپیوٹر کے ذریعے اسے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ پہلے مسٹر زو اسے اپنے قابو میں رکھتا تھا۔ اب ماؤنٹ ڈیزی اس کا انچارج تھا مگر تم نے اسے زخمی کر کے ایک طرف باندھ دیا۔ وہ خود اپنی مدد آپ نہیں کر سکتا تو پھر دی کلر کو لڑنے کے قابل کس طرح بنا سکتا ہے۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ دی کلر کے پاس صرف جسمانی قوت تھی جو کمپیوٹر کے ذریعے حرکت میں لائی جاتی تھی۔ مگر وہ کمپیوٹر سے کھیلنے والا ماؤنٹ ڈیزی ختم ہو چکا تھا۔ پومی جیسی دلیر لڑکی اسے ہاتھ نہیں لگا سکتی تھی جو بچہ بن گیا تھا۔

میں نے کہا "یہاں بچے اور بڑے کی کمزوری اور شہ زوری کا سوال نہیں ہے۔ بڑی بڑی خطرناک تنظیمیں اس کا سر حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اس کمپیوٹر کے طریقۂ کار کو اچھی طرح سمجھنا چاہتی ہیں۔ تم اسے پورا کا پورا اغوا کرنے کی کوشش کرو گی تو راستے میں بے شمار دشمن آئیں گے۔ کوئی بھی تمھارے مقابلے پر کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ تم اسے سر سے پاؤں تک حاصل کر رہی ہو اور دشمن صرف اس کا سر حاصل کریں گے۔ ان کے لیے یہ آسان ہو گا۔ تمھارے لیے مشکلات بڑھتی جائیں گی۔"

وہ چپ رہی۔ میں نے کہا "اگر تم اس کا سر نہیں کاٹو گی تو میں تمھارے ساتھیوں میں سے کسی کے ذریعے ایسا کرا سکتا ہوں۔ وہ اس کے جسم کو وہیں سرنگ میں چھوڑ کر سر لے جائیں گے۔"

"میں انھیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔"

"کیا تم میری مخالفت کر رہی ہو؟"

"تمھاری مخالفت کر رہی ہوں۔ اس مخالفت کے پیچھے کتنی محبت چھپی ہوئی ہے، کیا اس کا اندازہ کر سکتے ہو؟"

"تمھاری محبت میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"فرہاد! اگر میں اس کا سر کاٹ کر ریڈ پاور کے ماسک مین تک پہنچا دوں گی تو یہاں میرا کام ختم ہو جائے گا۔ مجھے بابا صاحب کے ادارے میں واپس جانا پڑے گا۔ اس مہم کو سر کرنے کا سہرا میرے سر ہو گا۔ ہر طرف میری واہ واہ ہو گی مگر میں تم سے دور ہو جاؤں گی۔"

"یعنی تم اس ملک میں میرے قریب رہنے کے لیے یہ کارنامہ انجام دینا نہیں چاہتیں۔"

"ہاں، میری بات مان لو۔ میں دی کلر کو اسی سرنگ میں چھوڑ دیتی ہوں۔"

"پاگل نہ بنو۔ یہ ریڈ پاور کے آدمی ہیں۔ یہ جانتے ہیں دی کلر کا سر انھیں اپنے ماسک مین تک پہنچانا ہے۔ وہ تمھاری بات نہیں مانیں گے، تمھاری مخالفت کریں گے۔"

"میں ایک ایک مخالف کو یہیں ختم کر دوں گی، کسی کو سرنگ سے باہر نکلنے نہیں دوں گی، ایک بار تم میری بات مان لو۔ مجھے اپنے قریب رہنے کا موقع دو۔ میں ابھی بازی پلٹ دیتی ہوں۔"

میرے پاس آنے اور میرے ساتھ رہ کر کام کرنے کے لیے وہ دیوانی ہو رہی تھی۔ یہ کیسی عجیب اور ناقابلِ یقین بات ہے کہ دنیا کی تمام خطرناک تنظیمیں دی کلر کا سر حاصل کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہی تھیں۔ اس لڑکی کو پلک جھپکتے ہی اس کا سر حاصل ہو سکتا تھا لیکن وہ جیتی ہوئی بازی ہارنا چاہتی تھی اور یہ بازی ہار کر محبت کی بازی جیتنا چاہتی تھی۔

میں نے کہا "تم جیت گئیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں، جب تک اس ملک میں ہوں، تم بھی یہاں رہو گی۔ تمھیں ادارے میں واپس نہیں جانے دوں گا۔ اب یہ تمھاری تقدیر ہے کہ ہم کب ملیں گے اور کب ایک ساتھ کسی مہم میں شریک ہوں گے۔ فی الحال مجھ پر بھروسا کرو اور دی کلر کا سر ریڈ پاور کے آدمیوں کے حوالے کر دو۔"

میں جانتا تھا، اب اس کا سر تن سے جدا کرنا اور اسے ماسک مین تک پہنچانا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ اس وقت مجھے ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے میں نے ریڈ پاور کے باس سے کہہ دیا کہ پومی اور تمھارے آدمی دی کلر کا سر لا رہے ہیں۔

وہ اسی سُرنگ کے راستے سے گزر رہے ہیں پھر ریسٹ ہاؤس میں پہنچیں گے، تم ان کی حفاظت کا انتظام کرو اور وہ مطلوبہ سرما سک مین تک فوراً پہنچانے کی کوشش کرو۔

میں نے لومی اور ریڈ پادر کے پاس دونوں سے ہی رابطہ ختم کر دیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ جو سر اتنی آسانی سے حاصل ہونے والا تھا، وہ دردِ سر بننے والا ہے۔ مجھے شیبا کی خبر لینا تھی۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا، وہ ہوش میں آچکی تھی۔

وہ ایک آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی، آنکھیں کھول کر اپنے آس پاس دیکھ رہی تھی۔ اس کے ذریعے میں سمجھ رہا تھا، وہ ایک بہت ہی خوبصورت سی خواب گاہ میں تھی۔ شاہانہ طرز کے پلنگ کے اطراف چند کنیزیں ادب سے ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑی تھیں۔ اس کے آنکھ کھولنے پر ایک کنیز دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے پاس گئی تھی اور ایک بٹن کو دبانے لگی تھی۔ شیبا نے فوراً ہی بستر پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا "میں کہاں ہوں۔ تم سب کون ہو؟"

جلد ہی پتا چل گیا کہ وہاں جتنی کنیزیں تھیں، سب گونگی تھیں یا انھیں گونگی بن کر رہنے کا سختی سے حکم دیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک گونگی سوئچ بورڈ کا بٹن دبا رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ہی خوابگاہ کا دروازہ کھلا اور چار افراد نظر آئے۔ جن میں ایک کمانڈو ایکس تھا۔ شیبا ان سب کو اجنبی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اغوا کرنے والے کو بھی پہچان نہیں سکتی تھی۔ کمانڈو ایکس نے پیچھے سے سر پر ضرب لگائی تھی۔ اس لیے بے ہوش ہونے سے پہلے وہ اسے دیکھ نہیں سکی تھی۔

اس نے قریب آکر مسکراتے ہوئے کہا "میں تمھارا دوست، محافظ اور وفادار ہوں۔ مجھے کمانڈو ایکس کہتے ہیں۔ اس دنیا کا کوئی بھی شخص، جو اپنے وطن سے دور چلا جائے، وہ دور رہ کر بھی اپنے رشتے داروں، اپنی قوم اور اپنی زمین کی طرف واپس آتا ہے، اسی طرح تمھارے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔"

پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا۔

ہم سب تمھارے لیے اجنبی ہیں مگر یہ ملک، یہاں کی زمین، یہاں کے شہر، یہاں کے لوگ، یہاں کے رشتے دار سب تمھارے ہیں۔ جب تم یہاں سے نکلو گی تو ہر جگہ، ہر قدم پر ہر سانس میں تمھیں اپنے پیارے وطن کی خوشبو ملتی رہے گی۔"

اس نے پوچھا "میں کہاں ہوں؟"

"تم اپنے ملک، اپنے شہر میں ہو۔"

وہ حیرانی سے بولی "کیا میں تل ابیب میں ہوں؟"

"ہاں اور اپنی ماں کے پاس ہو۔ وہ دیکھو، تمھاری ماما تشریف لا رہی ہوں۔"

کمانڈو ایکس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ شیبا نے اُدھر دیکھا۔ کھلے ہوئے دروازے سے اس کی ماما موریا آ رہی تھی اور مسکراتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے دونوں بانہیں پھیلائے ہوئے تھی۔ شیبا فوراً ہی بستر سے اتر کر دوڑتی ہوئی گئی اور ماں سے لپٹ گئی۔

وہ نہایت ہی خوشی کا موقع تھا۔ بچھڑی ہوئی ماں بیٹی مل رہی تھیں اور خوشی کے مارے رو رہی تھیں۔ وہ روتے روتے، مسکراتے مسکراتے کہہ رہی تھی "کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں یا سچ مچ اپنی ماما کے سینے سے لگی ہوئی ہوں؟"

"تم اپنے وطن میں، اپنے شہر میں اور اپنی ماں کی آغوش میں ہو۔"

اگرچہ کمانڈو ایکس نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اسرائیل میں ہے لیکن اسے سن کر بھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ بے یقینی کا اظہار کرنا چاہتی تھی مگر ماں کو دیکھ کر بھول گئی تھی پھر ماما کے گلے سے لگتے ہی کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ اب جو ماما نے کہا کہ وہ اپنے ملک، اپنے شہر اور اپنی ماں کی آغوش میں ہے تو اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ یکبارگی اس سے الگ ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی "کیا، میں باباصاحب کے ادارے میں نہیں ہوں؟"

ماں نے کہا "اس ادارے کو بھول جاؤ، سمجھ لو کہ تم نے خواب دیکھا تھا۔ اب آنکھ کھل گئی ہے، تم اپنے لوگوں میں ہو۔"

وہ اپنے سر کے پچھلے حصے کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ "میں سمجھ گئی، میرے سر کی تکلیف بتا رہی ہے، مجھے بے ہوش کرنے کے بعد اغوا کیا گیا ہے۔"

ماما نے کہا "فرہاد کا طلسم توڑنے اور شیخ الفارس کی قید سے نکالنے کا یہی ایک راستہ تھا۔"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی "مگر میری مرضی کے خلاف وہاں سے کیوں لایا گیا ہے؟"

"قوم اور ملک کے معاملات میں کسی بھی فرد کی اپنی مرضی نہیں چلتی۔ ملک کا ہر فرد اپنے ذاتی اور گھریلو معاملات میں آزاد ہوتا ہے لیکن اپنی قوم کے وقار اور ملک کی سلامتی کا مسئلہ درپیش ہو تو پھر اس کی ذاتی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے وطن کی ترقی اور سلامتی کے لیے وقف ہو جاتا ہے۔ تمھیں بھی یہاں کے لیے وقف ہو جانا چاہیے۔"

وہ غصے سے پیچھے ہٹ کر بولی "یہاں سے دور رہ کر بھی ملک کے لیے کام کیا جا سکتا ہے، کیا میں نے باباصاحب

کے ادارے میں رہ کر اپنے ملک کو، اپنی قوم کو نقصان پہنچایا ہے؟"

"نقصان نہیں پہنچایا تو فائدہ بھی نہیں پہنچایا ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں، تمھاری صلاحیتوں سے ہم سب کو فائدہ پہنچے۔"

اس نے کمانڈو ایکس اور تیسرے تین افراد کو دیکھتے ہوئے کہا "میں نہیں جانتی تم سب کون ہو۔ اتنا سمجھ گئی ہوں، میرے ہم مذہب، ہم وطن ہو۔ میں ایک عقل کی بات سمجھاتی ہوں۔ میری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا ہے تو مجھے میری مرضی کے مطابق وہیں پہنچا دو جہاں سے لائے ہو۔ میں وعدہ کرتی ہوں، میرے ملک کو، میرے مذہب کو، میری قوم کو میری صلاحیتوں سے بڑے فائدے پہنچیں گے، نقصان کبھی نہیں پہنچے گا۔ اگر زبردستی کام لینا چاہو گے، مجھ پر ظلم کرو گے تو فرہاد تم لوگوں کو نہیں چھوڑے گا۔"

کمانڈو ایکس نے کہا "ساری خرابی کی جڑ یہی ہے کہ تم فرہاد کی حمایت کرتی ہو۔ جہاں تک ہمارا اندازہ ہے، تم فرہاد سے محبت کرنے لگی ہو۔ وہ مسلمان ہے اور تم یہودی، کیا تمھیں اس میں کوئی بے غیرتی نظر نہیں آتی؟"

"پہلے نظر آتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ میری ہی قوم اور میرے ہی مذہب کا پیشوا میری ماں کو قتل کرانا چاہتا ہے، میرے باپ کو قتل کرا چکا ہے اور کبھی مجھ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا تو مجھے بھی ہلاک کرنے سے باز نہیں آئے گا تو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ دشمن اور شیطان ہر مذہب اور ہر قوم میں ہوتے ہیں، مسلمانوں میں بھی ہیں لیکن مجھے وہاں ایک ایسا فرشتہ ملا جس نے میری جان بچائی۔ مجھے زندگی کا ایسا راستہ دکھایا، جہاں میں ایک صحت مند زندگی گزار رہی ہوں۔"

"تمھارے منہ میں فرہاد کی زبان بول رہی ہے۔"

"نہ تو فرہاد میرے دماغ میں ہے اور نہ ہی میں اس کی حمایت کر رہی ہوں۔ میں ایک عرصے تک باباصاحب کے ادارے میں رہتی آئی ہوں، وہاں شیخ صاحب نے مجھے میری قوم کے خلاف اور میرے مذہب کے خلاف کام کرنے کے لیے نہیں کہا، کبھی ہماری برائی نہیں کی۔ میں تو غیر یہودی ہوں، فرہاد چاہتا تو وہ ہمارے خلاف بہت کچھ کر سکتا تھا۔ باباصاحب کے ادارے کا کوئی فرد اسرائیل کا رُخ نہیں کرتا۔ ہاں جب انھیں چھیڑا جاتا ہے تو وہ جوابی کارروائی کرتے ہیں اور مسٹر کمانڈو ایکس، تم لوگوں نے پھر فرہاد اور باباصاحب کے ادارے والوں کو چھیڑا ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ مجھے بحفاظت وہاں پہنچا دو، ہم سب دوست بن کر رہیں گے۔"

"دوستی قائم رہے گی۔ اُدھر فرہاد کی ٹیلی پیتھی ہو گی، اِدھر تمھاری۔ دونوں طرف طاقت کا توازن رہے گا۔ رہ گئی یہ بات کہ تم فرہاد سے کیوں متاثر ہو تو یہ جوانی کی عمر ایسی ہی ہوتی ہے، لڑکیاں شہ زور اور خوبرو مردوں پر جان دیتی ہیں، یہاں بھی ایسے جوانوں کی کمی نہیں ہے۔ ابھی تم یہاں رہ کر دیکھتی جاؤ گی، ہم تمھاری منہ زور جوانی کے دریا کو دوسری طرف موڑ دیں گے۔"

شیبا نے گھور کر پوچھا "تمھارے ارادے کیا ہیں؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "میں سب کے سامنے نہیں کہہ سکتا۔ تم خیال خوانی کی پرواز کر کے میرے دماغ میں پہنچ جاؤ، تمھیں معلوم ہو جائے گا۔"

وہ پھر گھورتے ہوئے کمانڈو ایکس کے سر کو دیکھنے لگی۔ اس نے کہا "لیکن ایک بات بتا دوں۔ میں دوست ہوں، محافظ ہوں، تمھارا تابعدار ہوں مگر اتنی دوستی نہیں کرتا کہ بغیر اجازت اپنے قریب آنے دوں۔ جب بھی میرے دماغ میں آنا چاہو تو پہلے اجازت حاصل کر لیا کرو۔"

"اس کا مطلب ہے، تم دماغ کے دروازے بند کر لیا کرتے ہو۔"

وہ مسکرانے لگا۔ شیبا نے اس کے سر کو غور سے دیکھتے ہوئے خیال خوانی کی پرواز کرنا چاہی مگر سر دُکھنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔ کمانڈو ایکس نے کہا "مجھے افسوس ہے، میرا ہاتھ کچھ بھاری پڑ گیا تھا۔ تمھارے سر میں یقیناً شدید تکلیف ہو گی۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ابھی خیال خوانی کرو۔ پہلے اچھی طرح آرام کرو۔ دوائیں کھاؤ، صحت یاب ہو جاؤ۔ اس کے بعد میرے دماغ کی تنہائی میں چلی آنا۔"

اس نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ اسرائیلی حکومت کے اعلیٰ افسران ہیں۔ مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمھیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ تمھیں بہت کچھ سمجھانا چاہتے ہیں لیکن اپنی آواز تمھیں اور فرہاد کو سنا نہیں سکتے۔ جب تم دوست بن جاؤ گی اور ہم تم پر اندھا اعتماد کرنے لگیں گے تو سب کی آوازیں سن سکو گی اور فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے اپنے ان اعلیٰ افسران کو محفوظ رکھ سکو گی۔ ابھی ہم جا رہے ہیں، تم اپنی ماما سے باتیں کرو۔"

وہ جانے لگا، پھر اس نے دروازے کے پاس رک کر کہا "شیبا! آج رات تمھاری آمد کے سلسلے میں جشن منایا جائے گا۔ ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا جا رہا ہے، وہاں تم دیکھو

گی کہ تمھارے چاہنے والے کتنے ہیں۔ یہاں کی کنیزیں آج رات تمھیں پارٹی کے لیے تیار کریں گی۔"

وہ چاروں چلے گئے۔ ماما نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! تمھیں تکلیف ہے۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔"

وہ اپنی ماما کا ہاتھ تھام کر پلنگ کی طرف آئی پھر وہاں بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ سے مل کر مجھے جتنی روحانی مسرت ہو رہی ہے۔ اتنی ہی دلی اور دماغی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ آپ نے مجھے یہاں بلانے کے لیے ان محبت کرنے والوں سے جدا کر دیا جو میرے لیے بے لوث کام کرتے تھے، میری صحت، میری سلامتی کا خیال رکھتے تھے۔"

"یہاں بھی تمھیں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ لوگ تم سے اتنی محبت کریں گے کہ تم سب کو بھول جاؤ گی۔"

"ماما، میں تم سے محبت کرتی ہوں، کیا میں نے بابا صاحب کے ادارے میں جا کر وہاں کوئی دوسری محبت کرنے والی ماں بنائی تھی؟"

"نہیں بیٹی، ممتا نچھاور کرنے والی ایک ہی ماں ہوتی ہے۔"

"اسی طرح دل نچھاور کرنے والا ایک ہی آئیڈیل ہوتا ہے۔ آپ سب دعویٰ کر رہے ہیں کہ میری محبت کا رُخ بدل جائے گا۔ یہاں میرے ایک نہیں سیکڑوں آئیڈیل ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے، میں یہاں محبت کی دکان سجاؤں گی اور سیکڑوں دلوں کا سودا کروں گی۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ یہاں تمھارے سامنے بے شمار خوبرو جوان آتے جاتے رہیں گے۔ کسی نہ کسی پر تمھارا دل آئے گا اور جس پر دل آئے گا وہ فرہاد سے ہزار ہا درجے بہتر ہوگا۔"

شیبا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "پھر تو میرا دل کمانڈو ایکس پر آنا چاہیے۔ خوبرو ہے۔ صحت مند ہے، قد آور ہے، اتنا دلیر ہے کہ بابا صاحب کے ادارے میں گھس کر وہاں سے مجھے لے آیا۔"

"بے شک، وہ فرہاد سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ اس سے برتر ہے۔ جب وہ تمھیں لا رہا تھا تو فرہاد خیال خوانی کے ذریعے موجود تھا لیکن وہ کمانڈو ایکس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

میں نے چپکے سے کہا۔ "وہاں تمھاری زندگی اور موت کا سوال تھا۔ کمانڈو ایکس نے کہہ دیا تھا اگر شیبا اسے حاصل نہ ہوئی تو ہمیں بھی نہیں ہوگی۔ وہ تمھیں گولی مار دے گا۔ اس نے تمھاری کنپٹی سے ریوالور لگا رکھا تھا۔ کیا میں تمھاری جان جانے دیتا!"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ تم نے جو کچھ بھی کیا، میری سلامتی کے لیے کیا اور مجھے یقین ہے تم مجھے یہاں سے نکال لے جاؤ گے۔"

کمانڈو ایکس پھر آگیا۔ اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے، میں ماں بیٹی کی تنہائی میں مخل ہو رہا ہوں لیکن علاج بھی ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب تشریف لائے ہیں۔"

ایک ڈاکٹر کمرے میں آیا۔ اس کا اسسٹنٹ ایک بڑا سا بیگ اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ سب پلنگ کے قریب آگئے۔ ڈاکٹر نے قریب آ کر شیبا کے سر کے پچھلے حصے کو دیکھا۔ پہلے مرہم پٹی کی جا چکی تھی۔ دوبارہ بھی کی گئی۔ کھانے کے لیے کچھ دوائیں دی گئیں۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ زخم جلد ہی بھر جائیں گے۔"

کمانڈو ایکس نے کہا۔ "آج مس شیبا ایک اہم تقریب میں شریک ہونے والی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، دو گھنٹے بعد ایک اور انجکشن دوں گا۔ اس کے بعد سر میں تکلیف کا احساس نہیں رہے گا۔"

شیبا نے کہا۔ "ڈاکٹر! تکلیف اب بھی نہیں ہے، یہ انجکشن اثر دکھا رہا ہے۔ لیکن میں خیال خوانی کے قابل نہیں ہوں۔ آخر میرا دماغ اتنا کمزور کیسے ہو گیا ہے؟"

اس نے پیار سے تھپکتے ہوئے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ ایسا ہوتا ہے۔ آج کی پارٹی اٹینڈ کر لو۔ کل صبح تک خیال خوانی کے قابل نہ ہوئیں تو میں دوائیں تبدیل کر دوں گا۔"

وہ اپنے اسسٹنٹ کے ساتھ وہاں سے جانے لگا۔ اسی وقت اس کی سوچ نے کہا۔ "میں خیال خوانی کر سکتی ہوں، میں اپنی ماما کے دماغ میں پہنچ سکتی ہوں۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "شیبا! ٹھیک وقت پر آئی ہو۔ تمھاری سوچ کی لہروں کو آتے جاتے رہنا چاہیے۔"

خواب گاہ کے بستر پر بیٹھی ہوئی شیبا گم صم تھی۔ میں نے اسے سوچ کے ذریعے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی یہ ظاہر نہ کرو کہ تم خیال خوانی کر سکتی ہو۔"

اس نے پوچھا۔ "چھپانے سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"دو فائدے ہیں۔ انھیں پوری طرح یقین ہو جائے کہ تم خیال خوانی کے قابل نہیں رہی ہو تو شاید وہ تمھیں بے کار سی چیز سمجھ کر بھلا دیں اور وہاں سے جانے کی اجازت بھی دے دیں۔"

"یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اگر میں ناکارہ ثابت ہوئی تب

بھی وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ جس طرح لوگ بے کار سی چیز کو بھی اپنے گھر کے اسٹور روم میں رکھ لیتے ہیں، اسی طرح وہ مجھے رکھ چھوڑیں گے۔"

"بہرحال تم یہ دیکھ سکو گی کہ آج جو تمھاری قدر کی جا رہی ہے کیا اسی طرح کل بھی تمھیں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور میں نہیں چاہتا، تم خیال خوانی کا مظاہرہ کرو اور وہ تمھاری صلاحیت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔"

"فرہاد! ایسا نہ کہو۔ یہ میرے لوگ ہیں، میرا ملک ہے۔ میری قوم ہے۔ میں انھیں اپنی صلاحیتوں سے وہ فائدہ پہنچانا چاہتی ہوں جس سے تم لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔"

"ان کی پابندیوں میں رہ کر کام کرو گی تو ایک دن پچھتاؤ گی۔ میری طرح آزاد رہنا سیکھو۔ میں بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھتا ہوں۔ شیخ صاحب کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس کے باوجود ادارے میں نہیں رہتا، آزادی سے گھومتا پھرتا ہوں۔ تم بھی یہی آزادی اختیار کر دو۔"

اس نے تائید کی۔ "درست کہتے ہو، میرا دل بھی یہی چاہتا ہے تمھاری طرح آزاد رہوں۔ اپنی مرضی سے کسی کے کام آؤں دل نہ چاہے تو اپنی راہ چلتی رہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں تمھاری ہی طرح سوچتی ہوں۔"

"جو عورت اپنے مرد کی طرح سوچتی ہے، اس کا مرد بھی ہم مزاج ہوتا جاتا ہے۔ شاید اسی لیے میں تمھاری طرح سوچنے لگا ہوں۔"

"بھلا تم کیسے میری طرح سوچتے ہو؟"

"ایسے کہ تمھارا ملک، تمھاری قوم اور تمھارے رشتے دار سب میرے اپنے ہیں۔ اگر اسرائیلی حکام تم سے کوئی ایسا کام لینا چاہیں جس سے تمھارے ملک کو فائدہ پہنچتا ہو اور اس سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو ہم دونوں ان کے کام آئیں گے۔"

وہ سن رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی، پھر کہنے لگی "میں نے تمھیں محبت سے جیت کر ساری دنیا جیت لی ہے۔"

"اب آرام کرو، میں رات کو کسی وقت آؤں گا۔"

وہ آرام سے بستر پر دائیں کروٹ لیٹ گئی۔ میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "کون ہے؟"

جواب میں پھر دستک سنائی دی۔ آنے والی اپنی آواز نہیں سنانا چاہتی تھی۔ میں نے پھر شرارت سے پوچھا۔ "کون ہے؟"

دوسری طرف سے ترکی زبان میں کچھ کہا گیا۔ وہ آواز، وہ لہجہ سنتے ہی میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں نے فوراً ہی دروازے کو کھول دیا۔ جس کے لیے دل دھڑکا تھا وہ سامنے کھڑی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سونیا یوں اچانک میرے سامنے چلی آئے گی۔ اس نے ہاتھ میں کاغذ کی ایک پرچی پکڑی ہوئی تھی۔ اسے میری طرف بڑھا دیا۔ انگریزی زبان میں لکھا تھا۔ "خبردار! اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ میرے دماغ میں کبھی نہ آنا۔"

میں نے پڑھنے کے بعد اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ اسے اندر لے آیا۔ آہستگی سے پوچھا۔ "یہ کیا تُک ہے۔ تم مجھے دماغ میں آنے کیوں نہیں دیتیں؟"

اس نے ترکی زبان میں جو کچھ کہا اسے اشارے سے بھی ادا کرتی گئی۔ اشاروں کی زبان مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ مگر میں نے سمجھ لیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں تمھارے سامنے آگئی ہوں۔ دماغ میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے پھر کلمے کی انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "اچھا تمھاری خوشی میری خوشی ہے۔ میں زبان کا دھنی ہوں۔ جب وعدہ کیا ہے تو خیال خوانی نہیں کروں گا مگر تم ہوا کی کھوپڑی۔ پتا نہیں، میری شیبا بیٹی سے چھپ کر کیا چکر چلا رہی ہو۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا پھر پاس آ کر کہنے لگی۔ "میں بدلے ہوئے لہجے میں انگریزی بولوں تو؟"

"کم از کم گونگا پن ختم ہو جائے گا۔"

"اوں ہوں، وعدہ کرو! بدلے ہوئے لہجے کو بھی گرفت میں نہیں لو گے اور شیلی پیتھی کا مظاہرہ نہیں کرو گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔ خاموشی توڑ دو۔ بچھڑنے کے بعد ملی ہو جی بھر کے چہکتی رہو۔"

وہ ہنستے ہوئے آہستگی سے بولی "میں نہیں چاہتی، میری آواز باہر جائے۔ اسی لیے گونگی رہنا چاہتی ہوں اس کم بخت لیڈی سیکریٹری نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔ میں یہاں میک اپ میں رہتی ہوں۔"

"وہ اچانک آ جائے تو؟"

"مجھے میک اپ میں چند سیکنڈ لگیں گے اور صورت بدل جائے گی۔ میں ریڈی میڈ میک اپ ہمیشہ اپنے پرس میں رکھتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ میں بھی چپ رہا۔ ہم اپنی آواز باہر تک پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے خاموشی اور تنہائی میں محسوس کیا جیسے میرے پاس سونیا نہیں ہے۔ اس کی ادائیں مختلف تھیں اور لہجہ تو اس نے بدل ہی لیا تھا۔ یوں لگتا تھا، ایک نئی عورت ایک نئے سراپے کے ساتھ میرے پاس ہے مگر اپنے اوپر سونیا کا خول چڑھا رکھا ہے۔

میں نے اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ وہ... تکلیف سے کراہتے ہوئے بولی "کیا کر رہے ہو؟"

میں نے اسے اپنے چہرے سے ذرا دور رکھ کر گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "تم کون ہو؟"

"تم سمجھتے ہو میں کوئی اور ہوں؟"

"کوئی اور نہیں ہو تو سونیا کی اداؤں کے ساتھ میرے پاس رہو۔"

"تم ہمیشہ تبدیلی چاہتے ہو۔ اگرچہ اپنی ساتھیوں کو لیے جلد چاہتے ہو۔ اس کے باوجود جگہ بھی بدلتے ہو، ساتھی بھی بدلتے ہو۔ تم ایک موڈ میں، ایک ماحول میں، ایک ہی ساتھی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ چونکہ تم تبدیلی چاہتے ہو اس لیے میں انداز بدل کر آئی ہوں۔"

میں نے اس کے قریب جھک کر سرگوشی میں کہا "مگر جو ادائیں بے اختیار ہوتی ہیں، انھیں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔"

"میرے لیے کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ تم خوامخواہ بحث نہ کرو۔"

میں اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس نے تنبیہ کے انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا "دیکھو، تم میرے دماغ میں پہنچنا چاہتے ہو۔ یہ بُری بات ہے۔"

"میں خیال خوانی نہیں کر رہا ہوں۔ تمھارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"جب تمھیں اپنا انداز، اپنی ادائیں، اپنی آواز اور اپنا لہجہ بدلنا ہی تھا تو اصلی صورت میں کیوں آئیں؟"

"تم میرے لیے پریشان تھے۔ میری خیریت معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے یہی صورت لے کر آئی ہوں۔ باقی سب مختلف ہے۔ اب تمھارے سامنے اپنی سونیا بھی ہے اور کوئی ایسی پرائی عورت بھی، جو تمھارے لیے نئی نئی سی ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لو کہ مرد کو اپنی عورت پرانی اور دوسری عورت نئی لگتی ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "مانتا ہوں، تم سونیا ہو۔ ایسی سچی اور کھری باتیں تم ہی کر سکتی ہو۔ اب کام کی باتیں کرو۔ تم نے لیڈی روزینہ کے متعلق کیا معلومات حاصل کی ہیں اور یہاں کیا کرتی پھر رہی ہو؟"

"روزینہ بہت گہری عورت ہے۔ یہاں چند خاص عورتیں ایسی ہیں جو یہاں کی نوجوان لڑکیوں کو اپنے کنٹرول میں رکھتی ہیں، ان کی نگرانی کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک مادام مریم ہے۔ اس کا تعلق ریڈ پاور کے باس سے تھا۔ وہ یہاں سے چلی گئی۔ اس کی جگہ میں آ گئی۔ کل رات سے یہاں ہوں۔ اتنی جلدی لیڈی روزینہ کے متعلق مکمل معلومات حاصل نہیں کر سکتی۔"

"کیا ماسٹر کی سے اس کا تعلق ہے؟"

"ماسٹر کی یہیں کسی قریبی علاقے میں موجود ہے۔ وہ ہم دونوں کو ٹریپ کرنے کے لیے طرح طرح کے جال بچھا رہا ہے۔ یہاں کے جتنے غنڈے، بدمعاش اور چھوٹی بڑی تنظیم کے سربراہ ہیں، سب کو خرید رہا ہے۔ اسی طرح اس نے لیڈی روزینہ سے بھی سودا کیا ہے۔ اگر وہ تمھیں اس کے حوالے کر دے تو وہ دس لاکھ امریکی ڈالر نقد، پانچ لاکھ کے ہیرے جواہرات اور پانچ لاکھ ڈالر کا جدید خودکار اسلحہ فراہم کرے گا۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ جب کہ ہم دونوں کے سروں کی قیمت کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ کسی بھی بڑی خطرناک تنظیم کا سربراہ ہمارے لیے اپنا گھر پھونک سکتا ہے۔"

"لیڈی روزینہ اپنے فارم تک محدود ہے۔ یہاں آزاد اور خودمختار ملکہ کی حیثیت سے خوش ہے۔ چند مردوں اور عورتوں پر حکمرانی کرتی ہے۔ یہی اس کے لیے باعث تسکین ہے۔ ماسٹر کی اس کی محدود خوشیوں کا اندازہ لگاتے ہوئے صرف بیس لاکھ ڈالر خرچ کر رہا ہے۔"

"کیا وہ لیڈی سیکریٹری ماسٹر کی سے تعلق رکھتی ہے؟"

"ہاں، اس کی خاص ایجنٹ ہے۔ اسی کے ذریعے دونوں کے درمیان رابطہ قائم ہوتا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے، آج رات روزینہ ماسٹر کی سے کہیں ملاقات کرے گی۔"

"یعنی آج کی رات بہت اہم ہے۔ اگر ہم کسی طرح لیڈی روزینہ کا تعاقب کریں تو ماسٹر کی تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"میں یہی کہنے آئی ہوں۔ آج رات جاگتے رہنا۔ تمھاری... خواب گاہ کے پچھلے دروازے پر کوئی آئے گی۔ تم اس کے ساتھ یہاں سے نکل جانا۔"

"تم نہیں آؤ گی؟"

"میں دوسری جگہ مصروف رہوں گی۔ ابھی یہاں سے جاتے ہی مادام مریم کا یہ بھیس بھی اتار دوں گی۔"

"تم کہاں رہو گی، کس روپ میں ملاقات کرو گی؟"

"میری فکر نہ کرو، کہیں نہ کہیں ملاقات ہو جائے گی۔"

"ابھی لیڈی روزینہ کہاں ہے؟"

"وہ سو رہی ہے۔ وہ روزانہ دوپہر تین بجے سے رات کے آٹھ بجے تک سوتی ہے۔ پھر صبح تک جاگتی ہے۔"

"یہ سونے جاگنے کا کون سا وقت ہے؟"

"اس کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ چونکہ اندھیرے میں دیکھ سکتی ہے اس لیے صبح تک بیدار رہ کر اپنے تمام اہم کام نمٹانے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی لیے اس نے رات ہی کو ماسٹر کی سے ملاقات کا وقت مقرر کیا ہے؟"

"کیا وہ مقررہ وقت تمھیں معلوم ہے؟"

"معلوم ہو جائے گا۔ جب بھی پچھلے دروازے پر کوئی تین بار ہولے ہولے دستک دے، دروازہ کھول کر اس کے ساتھ نکل جانا۔"

دروازے پر دستک کی بات ہوتے ہی دستک سنائی دی۔ سونیا ایک دم سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر دھیمی سرگوشی میں بولی "شاید لیڈی سیکریٹری آ گئی ہے۔ میں باتھ روم میں جا رہی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔ دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اپنے کمرے کے دروازے کو کھولا۔ وہاں وہی سیکریٹری کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ میں نے ناگواری سے کہا "نظریں نیچی کر دیا دیکھنے کا انداز بدل لو۔ میں یہاں قیدی نہیں مہمان ہوں۔"

وہ فوراً ہی دیکھنے کا انداز تبدیل کرتے ہوئے بولی "کیا مادام مریم آئی ہے؟"

"میں کسی مادام کو نہیں جانتا۔ یہاں تو بات کرنے والی صرف تمھی ایک ہو۔ باقی اجنبی زبان بولتی ہیں۔"

اس نے کمرے میں آ کر چاروں طرف دیکھا۔ باتھ روم کے دروازے پر بھی نظر ڈالی۔ میں نے پوچھا "کیا یہاں ایسی کوئی عورت ہے جو مجھ سے تنہائی میں مل سکے اور میری زبان میں گفتگو کر سکے؟"

"وہی ایک مریم ہے۔ اسی لیے پوچھنے آئی ہوں۔"

وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر وہاں بھی دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن میں اس کی سوچ بدلتا جا رہا تھا۔ آخر وہ پلٹ کر واپس چلی گئی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ باتھ روم کے دروازے پر آ کر دستک دیتے ہوئے کہا "باہر آ سکتی ہو۔"

دروازہ کھلا تو میں چونک گیا۔ سونیا کی جگہ کوئی دوسری عورت نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا تھا۔ ناک پھیل گئی تھی۔ اس نے ریڈی میڈ میک اپ استعمال کیا تھا۔ ہلکی سی تبدیلی کے باعث چہرہ کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ چلتی ہوئی خواب گاہ کے پچھلے دروازے تک آئی۔ میں نے اسے محبت سے رخصت کرنے کے بعد دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر گہری سانس لیتے ہوئے دروازے سے لگ کر سوچنے لگا "کیا ابھی میرے پاس سونیا آئی تھی؟"

اس نے میرے ساتھ جتنا وقت گزارا تھا، میں نے اس وقت کے ایک ایک لمحے کا حساب کیا۔ اس کی ایک ایک ادا کو یاد کیا۔ میرا دل کہتا تھا، سونیا نہیں تھی۔ کوئی دوسری تھی، بالکل نئی نویلی تھی۔

وہ تھی یا نہیں تھی مگر کوئی تو تھی اور جو کوئی بھی تھی، اس نے مجھے ایک خوبصورت سی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ رہ رہ کر یاد آتی جا رہی تھی۔ شاید اسی لیے اس نے کہا تھا "عورت وہی ہے جو نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی مرد کو یاد آتی رہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی عورت نہ لگے۔"

◈

شیبا نے دو گھنٹے تک آرام کرنے کے بعد غسل کیا تھا پھر اپنے حسن کے شایان شان عمدہ سا لباس پہن کر خوابگاہ سے نکل گئی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی ماما اور دو لیڈی باڈی گارڈز تھیں۔ وہ اس کوٹھی کو دیکھنا چاہتی تھی جس میں قیام کر رہی تھی۔ وہ کوٹھی بہت ہی وسیع و عریض تھی۔ ہر کمرہ خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم بھی قابل دید تھا۔ ہر کمرے میں اس کی تمام ضرورتوں کا سامان موجود تھا۔

اس رہائش گاہ کے مطابق وہاں کی کنیزیں بھی خوبصورت اور سلیقہ شعار تھیں۔ ان میں سے کوئی زلفیں سنوارنے والی تھی، کوئی سولہ سنگھار کرانے والی، کوئی ناخن کاٹنے والی، کوئی غسل کرانے والی اور کوئی بہترین لباس زیب تن کرانے والی تھی۔ وہاں کتنی ہی ڈیزائنر عورتیں تھیں جو اس کے لیے لباس اور اس کے حسن کی آرائش کے متعلق طرح طرح کے مشورے دینے کے لیے موجود تھیں۔ وہاں ایسی عورتیں بھی تھیں جو اسے یوگا کی مشقیں کرا سکتی تھیں، تاکہ جسمانی حسن بڑھاپے تک سلامت رہے اور ایسی مسلح عورتیں بھی تھیں جن کا نشانہ کبھی چوکتا نہیں تھا اور جو خالی ہاتھ رہ کر بھی خطرناک دشمنوں سے ٹکرا سکتی تھیں۔ ابھی اس کے ساتھ دو مسلح باڈی گارڈز فوجی وردی میں تھیں۔ ان میں سے ایک آگے چل رہی تھی۔ دوسری پیچھے تھی۔ ان کے درمیان شیبا اپنی ماما کے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ رہائش گاہ کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ وہ ڈرائنگ روم شاہانہ انداز سے سجا ہوا تھا۔ قیمتی صوفوں پر کئی افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ شیبا کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں کمانڈر وائیکس موجود تھا۔

اس نے استقبالیہ انداز میں آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "شیبا! یہاں آؤ۔ میں ان اہم افراد سے تعارف کراتا ہوں۔"

ان افراد میں کسی کا تعلق فوج سے تھا، کسی کا وزارتِ خارجہ سے تھا، کسی کا وزارتِ داخلہ سے تھا۔ تمام افرادِ حکومت کے اہم شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ کمانڈر وائیکس نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ حضرات بہت اہم ہیں اور ہم جانتے ہیں، کبھی تمھیں غصہ آیا یا کبھی فرہاد نے تمھیں ٹریپ کیا اور اپنے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی تو تمھارے ذریعے ان سب کے دماغوں میں پہنچے گا اور ہمیں نقصان پہنچائے گا لیکن یہ حضرات اپنے اپنے شعبوں کی فرسٹ لائن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے لاسٹ لائن موجود ہے۔ ہماری تمام باتیں ان کے کانوں تک پہنچتی جا رہی ہیں۔"

کمانڈر وائیکس نے اسے ایک صوفے پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ آرام سے بیٹھ گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "یہ تمام حضرات تم سے اہم معاملات میں گفتگو کریں گے۔ اپنے منصوبے پیش کریں گے۔ اس پر تم سے بحث و مباحثہ ہو گا۔ اگر تمھیں اپنے ملک اور قوم سے محبت ہو گی تو ان منصوبوں پر عمل کرو گی۔ نہیں کرو گی تب بھی ہماری حکومت کے مختلف اہم شعبوں کے افسران کو ٹیلی پیتھی سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ وہ ہمیشہ لاسٹ لائن میں رہیں گے جو کہ پردۂ راز میں ہے۔"

اس کی ماما نے قریب آ کر کہا۔ "بیٹی! یہ سرکاری معاملات ہیں۔ ان سے میرا تعلق نہیں ہے۔ تم سوچ سمجھ کر باتیں کرو۔ یہ سب تمھارے دوست ہیں۔ مہربان ہیں اور تمھارے پسینے کی جگہ اپنا خون بہا دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر ماضی میں اپنے کسی ایک شخص سے تمھیں تکلیف پہنچی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب ہی ایسے ہوتے ہیں۔ تمھیں جتنی بھی محبت اور وفاداریاں ملیں گی وہ اپنوں سے ملیں گی۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔"

ماما نے بڑی مامتا سے کہا۔ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ پھر دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔ کمانڈر وائیکس نے دونوں زنانہ باڈی گارڈز کو اشارہ کیا۔ وہ بھی چلی گئیں۔ ایک شخص نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "مس شیبا! سب سے پہلے ہماری مبارک باد قبول کرو۔ تم اپنے وطن واپس آ گئی ہو۔ تمھاری واپسی ہمارے لیے کتنی مسرتیں لائی ہے اس کا ہم لفظوں میں اظہار نہیں کر سکتے۔ ہم تمھارے جس طرح کام آتے رہیں گے یہ آنے والا وقت بتائے گا۔"

دوسرے شخص نے کہا۔ "ہم مانتے ہیں، بابا صاحب کے ادارے میں تمھیں بڑی محبتیں ملی ہیں لیکن یہ تو سوچو، وہاں تمھیں اتنی محبت اور اپنائیت کیوں ملی؟ غور کرو تو پتا چلے گا۔ محض تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت کی وجہ سے۔ ورنہ تمھاری جیسی حسین ترین لڑکیاں اسرائیل میں بے شمار ہیں۔ ان میں سے کوئی لڑکی وہاں جائے تو اسے کبھی وہ محبت اور اپنائیت نہیں ملے گی۔ میں مختصر الفاظ میں سمجھانا چاہتا ہوں۔ اپنوں سے جو محبت ملتی ہے وہ صلاحیتوں کے بغیر بھی ملتی ہے۔ جب تم ٹیلی پیتھی نہیں جانتی تھیں تب بھی تمھیں ایک ہاسٹل میں بڑے پیار و محبت سے رکھا گیا تھا۔ اچھی طرح تمھاری نگرانی ہوتی تھی۔ یہاں کے متعلقہ افسران نے تمھاری پرورش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ذرا سوچو، انھوں نے ایسا کیوں کیا؟"

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ "مس شیبا! اس لیے کہ تم ہماری ہو۔ ہماری ہم مذہب، ہماری ہم قوم اور ہماری ہم وطن۔ ہم اپنے ہاں کے بچوں اور بچیوں کو اسی لیے سرکاری ہاسٹل میں جگہ دیتے ہیں اور ان کی صلاحیتوں کو ابھارتے ہیں تاکہ وہ باصلاحیت ہو کر وطن کے کام آئیں۔ ہماری کوششیں تمھارے ساتھ بارآور ہوئیں اور تمھیں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں حاصل ہو گئیں لیکن ہوا کیا؟ ہمارے ایک آدمی کی غلطی سے تم بدظن ہو گئیں۔ اور پرائے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ ہم ایک سوال کرتے ہیں، کیا ایک آدمی کی غلطی کی سزا پوری قوم کو دو گی؟"

"ایک شخص کی غلطی سے میں کبھی اپنی قوم سے نفرت نہیں کر سکتی۔ میں آج بھی اپنے وطن، اپنے مذہب کی ہوں اور ہمیشہ رہوں گی اور ہمیشہ اپنی قوم کے کام آؤں گی لیکن ربی اسفند یار جیسا ذمے دار شخص غلطی کرے تو دل ٹوٹ جاتا ہے اور آدمی بدظن بھی ہو جاتا ہے۔ جب اس کے مقابلے میں دوسری قوم سے، دوسرے مذہب والوں سے محبت اور اپنائیت ملے تو کیا مجھے ان کے گن نہیں گانے چاہئیں؟"

"یقیناً لیکن یہ تو سوچو، ایک ربی کی غلطی سے اور تمھاری نفرتوں سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے تمھیں اتنی محبتیں دیں کہ تم ان کی ہو گئیں۔ یہ سب سیاسی چالیں ہیں۔ آج تمھارے پاس.... ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں نہ ہوں تو وہ تمھیں کبھی نہیں پوچھیں گے۔"

"جب وہ نہیں پوچھیں گے تو میں ان سے بھی نفرت کروں گی جس طرح آج ربی اسفند یار سے کرتی ہوں لیکن یہ بعد کی باتیں ہیں۔ جب وہاں سے نفرت ملے گی تب دیکھا جائے گا۔ فی الحال آپ جو کہنا چاہتے ہیں وہ میں سننا چاہتی ہوں۔"

"سب سے پہلے ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، تمھارے سر کی تکلیف کیسی ہے؟"

"بہت آرام ہے۔"

"کیا تم ہماری فرمائش پر خیال خوانی کا مظاہرہ کرو گی؟"

وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا۔ "مظاہرہ کرو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔"

وہ سوچ کے ذریعے بولی۔ "مگر تم نے تو منع کیا تھا۔"

"یہ جو موضوع چھیڑ رہے ہیں، جس طرح باتوں میں الجھا کر اپنے مطلب کی بات کرنا چاہتے ہیں اور تمھیں قائل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے پیشِ نظر میں نے فیصلہ بدل دیا ہے۔ تمھیں ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔"

"کیا بہت دیر سے میرے پاس ہو؟"

"جب تم یہاں پہنچیں تو میں ان لوگوں کے دماغوں میں پہنچنے لگا۔ ان میں سے ہر ایک یہی سوچ رہا ہے کہ فرہاد کو تمھارے دل و دماغ سے نکال دینا چاہیے۔ میری تمھاری دوستی اسرائیلی حکمرانوں کے لیے مہنگی پڑے گی۔ وہ مجھ پر کبھی بھروسا نہیں کر سکتے۔"

"میں انھیں مجبور کر دوں گی تو بھروسا کریں گے۔"

"میں تم سے پہلے بارہا انھیں آزما چکا ہوں۔ پہلے تو میں نے ان کی دوستی قبول نہیں کی تھی۔ جب قبول کی تو ان کی طرف سے دھوکا ملا۔"

"کیا میرے کہنے پر تم ایک بار پھر ان پر بھروسا نہیں کرو گے؟"

"ضرور کروں گا۔ تم چاہو گی تو پھر دوستی کروں گا لیکن ایک بات یاد رکھو، یہ تمھاری چھوٹی سے چھوٹی، بڑی سے بڑی خواہش پوری کر سکتے ہیں، تمھارے ہر حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں لیکن یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ فرہاد تمھارا آئیڈیل ہے۔"

وہاں بیٹھے ہوئے تمام افراد اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ "مس شیبا! تم بہت دیر سے خاموش ہو۔"

وہ بولی۔ "آپ لوگوں نے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کرنے کی فرمائش کی تھی۔ میں اب تک جتنی آوازیں سن چکی ہوں ان کے دماغوں میں پہنچ کر ان کے خیالات پڑھتی رہی ہوں۔ یہاں ہر ایک کے خیالات ایک جیسے ہیں۔ آج جو موضوع میرے سامنے چھیڑا جا رہا ہے، اس کے نتیجے میں مجھے قائل کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ فرہاد کا ساتھ چھوڑ دوں۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

وہ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کچھ لوگ اپنی جگہ پہلو بدل رہے تھے۔ کچھ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ پھر ایک نے کہا۔ "تم واقعی دماغوں میں پہنچ کر ہمارے کچھ کہنے سے پہلے ہی سب کچھ سمجھ لیتی ہو۔"

"آپ لوگوں کو یقین آ گیا ہو تو براہِ مہربانی اب خیال خوانی کی فرمائش نہ کرنا۔ میں کوئی فرمائشی پروگرام نہیں ہوں۔"

ایک نے کہا۔ "ہم جو تمھیں سمجھانا چاہتے ہیں، تم نے اس کا خلاصہ معلوم کیا۔ تم ذرا سی دیر کے لیے ہمارے دماغوں میں آئی تھیں لیکن پوری تفصیل معلوم نہیں کر سکتی تھیں۔ ہم تمھیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

دوسرے شخص نے ہاتھ اٹھا کر کہنے والے کو روکتے ہوئے کہا۔ "پلیز! مجھے سمجھانے دو۔"

اس نے شیبا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بے بی! اگرچہ تم نے ایک غیر معمولی صلاحیت حاصل کی ہے، پھر بھی ہمارے لیے ایک ننھی سی بچی ہو۔ ہماری اولاد جیسی ہو۔ اگر تم غلطی کرو گی تو ہم بزرگ ہیں، تمھیں اس راستے پر سے صحیح راستے پر لانے کی کوشش کریں گے۔ تم نے تاریخ پڑھی ہے۔ تم نے مذہبی کتابیں پڑھی ہیں۔ ان کتابوں پر غور کرو، تمھیں پتا چلے گا کہ مسلمان کبھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔"

وہ بولی۔ "کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ہماری قوم یہود کی بے شمار غلطیوں سے ہم پر عذاب نازل ہوتے رہے۔ کیا ہم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں نہیں ماری ہیں۔ کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بھائی بھائی کا قتل کر دیتا ہے۔ کیا ہم ان کتابوں کی روشنی میں اپنے خون کے رشتوں پر بھروسا کرنا چھوڑ دیں۔ میرے محترم بزرگ، کتابیں ماضی کی عبرت ناک داستانیں سناتی ہیں تاکہ ہم آئندہ اپنے اعمال درست کر لیں۔ اگر ماضی میں ہم نے ایک دوسرے پر بھروسا نہیں کیا تو مستقبل میں کر سکتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے عمل کی

بات ہے۔ آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں جو میرے عملی تجربے کے خلاف ہیں۔ میں اس ادارے سے ابھی آئی ہوں۔ پھر میں کیسے سمجھ لوں کہ مسلمان، یہودیوں کے دوست نہیں ہو سکتے؟"

ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا: "بیٹی! تمھارے منہ میں فرہاد کی زبان بول رہی ہے۔"

دوسرے شخص نے کہا: "شاید فرہاد تمھارے دماغ میں رہ کر تمھاری زبان سے بول رہا ہے۔"

"فرہاد میرے دماغ میں ہے مگر میں قسم کھا کر کہتی ہوں، جو کچھ کہہ رہی ہوں، وہ میرے دل کی آواز ہے۔"

"چلو، یہ تو معلوم ہوا کہ فرہاد ہمارے درمیان موجود ہے۔ ہم تمھارے ذریعے اس سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ ہم سے اسی طرح دوستی نبھائے گا جیسے تم ہماری بن کر رہوگی۔"

میں نے ان میں سے ایک شخص کے دماغ کو استعمال کیا، پھر اس کے ذریعے کہا: "میں فرہاد بول رہا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ شیبا کی خوشی اور اس کی محبت کا جواب محبت سے دینے کے لیے میں ہر وہ کام کروں گا جو شیبا کہے گی۔ لیکن اس یقین کے ساتھ کہ شیبا ایسی کوئی بات نہیں کہے گی جس سے ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان پہنچے۔ کیوں شیبا، میں درست کہتا ہوں؟"

شیبا نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "میں بھی یقین دلاتی ہوں۔ میں اور فرہاد یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان محبت کا پُل بن کر رہیں گے لیکن کسی سیاسی معاملے میں ملوث نہیں ہوں گے۔"

ایک افسر نے کہا: "ہمارے درمیان کن معاملات پر سمجھوتا ہوگا، یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی ہم فرہاد سے پوچھنا چاہتے ہیں کیا وہ ہماری دعوت پر اسرائیل آنا پسند کرے گا۔"

"فرہاد کے بجائے میں جواب دیتی ہوں۔ کیا فرہاد کی دعوت پر آپ مجھے بابا صاحب کے ادارے میں جانے کی اجازت دیں گے؟"

ایک افسر نے جھنجلا کر کہا: "کیا الٹا سوال کر رہی ہو؟"

"میرے اسی سوال کے جواب میں آپ کے سوال کا جواب موجود ہے۔"

ایک اور افسر نے کہا: "تم نادان ہو، سیاست کو نہیں سمجھتی ہو۔ ہم نے بڑی مشکلوں سے تمھیں حاصل کیا ہے اور اپنے وطن لے کر آئے ہیں۔ اب کوئی ایسا خطرہ مول نہیں لیں گے کہ کسی کی دعوت پر تمھیں باہر جانے دیں۔"

دوسرے نے کہا: "اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمھیں یہاں قید کیا گیا ہے، ہم تمھاری بھلائی چاہتے ہیں۔ تم ذرا صبر کرو، ہم تمھیں بہت جلد دوست اور دشمن کا اصلی چہرہ دکھا دیں گے۔"

وہ بولی: "یعنی آپ یہ ثابت کریں گے کہ فرہاد میرا دشمن ہے؟"

"یہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا۔"

وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر بولی: "جب وقت آئے تو کسی میٹنگ میں بلا لینا۔ آج کی میٹنگ کا موضوع تھا کہ مجھے فرہاد سے متنفر اور علیحدہ کر دیا جائے اور یہ میٹنگ ناکام ہوئی ہے۔ لہٰذا میں جا رہی ہوں۔"

ایک آفیسر نے فوراً ہی اُچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا: "تم نہیں جا سکتیں۔ یہ آدابِ محفل کے خلاف ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے اسے ایک زوردار دماغی جھٹکا پہنچایا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی، وہ لڑکھڑا کر پیچھے صوفے پر گر پڑا۔ سب لوگ پریشان ہو کر اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ گئے تھے۔ کمانڈو ایکس دوڑتا ہوا اس شخص کے پاس گیا پھر اسے سنبھالتے ہوئے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

شیبا نے کہا: "میں بتاتی ہوں۔ اس نے میرا راستہ روکنے کی حماقت کی تھی۔ میں نے ایک نمونہ پیش کیا ہے۔ مجھے یقین ہے اب کوئی ایسی حماقت نہیں کرے گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور شانِ بے نیازی سے چلتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ باہر دو زنانہ باڈی گارڈز کھڑی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی اٹینشن ہو گئیں۔ وہ ان کے درمیان چلتے ہوئے جانے لگی۔ کمانڈو ایکس تیزی سے دروازے کے باہر آیا تھا پھر اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے سانس روک کر کہا: "نہیں، میں اپنے دماغ میں آنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

شیبا چلتے چلتے رُک گئی۔ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کے دماغ میں جانا چاہتا تھا، اس نے انکار کر دیا۔

شیبا نے کہا: "بے شک تم اپنے دماغ میں آنے کی اجازت نہ دو مگر یاد رکھو، یوگا کی صلاحیتیں تمھارے لوگوں کو محفوظ نہیں رکھ سکیں گی۔ مجھے چیلنج کروگے تو اُس لاسٹ لائن تک پہنچ کر دکھاؤں گی جو پردۂ راز میں ہے۔"

وہ پلٹ کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ میں نے شیبا سے کہا: "تم جاؤ، میں اسے دیکھتا ہوں۔"

میں ان افسران میں سے ایک کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے دیکھا، کمانڈو ایکس غصے سے چلتا ہوا کمرے کے اندر آیا۔ پھر اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "آپ لوگ اسکرین پر دیکھ رہے ہیں، آوازیں بھی سُن رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا، شیبا کا رویہ کیسا تھا۔ ابھی اس نے ڈرائنگ روم سے باہر جاتے جاتے چیلنج کیا ہے۔ اگر اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہوا اور اسے غصہ دلایا گیا تو وہ لاسٹ لائن تک پہنچ کر دکھائے گی۔"

وہاں بیٹھے ہوئے اعلیٰ افسران بھی بے اختیار چھت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے اس طرح دیکھنے سے لاسٹ لائن کے چھپے ہوئے اعلیٰ افسران نظر نہیں آ سکتے تھے۔ وہ تو وہاں سے نہ جانے کتنی دور کسی عمارت کے کسی کمرے میں بیٹھے ہوئے ان سب کو دیکھ رہے تھے اور ان کی باتیں سُن رہے تھے۔ انھوں نے کمانڈو ایکس کی باتیں بھی سنی ہوں گی لیکن اس کا جواب دینا ضروری نہیں تھا۔ انھیں گونگے بن کر رہنا تھا۔

کمانڈو ایکس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افسران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "فرہاد! تم کسی کے اندر موجود ہو۔ میں تم سے پوچھتا ہوں، تم کیسے ہیرو ہو جو چُھپ کر رہتے ہو، عورتوں کی طرح زندگی گزارتے ہو۔ ارے مرد کے بچے ہو تو ایک بار سامنے آ جاؤ۔ میں تمھیں بتاؤں گا کہ مرد کے بازو کیسے ہوتے ہیں۔"

وہ اپنے بازو کی اُبھری ہوئی مچھلیاں دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تمام افسران اسے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ایک کی زبان سے کہا: "تم جس شعبے سے تعلق رکھتے ہو، وہاں بھی تمھیں چُھپ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ مجھے چھپنے کا طعنہ نہ دو۔ تم کمانڈوز میں سے ایک ہو۔ دشمنوں کی سرحدوں میں جا کر وہاں کے راز چُرا کر لاتے ہو اور وہاں تخریبی کارروائیاں کرتے ہو مگر کُھل کر سامنے نہیں آتے۔"

اس نے کہا: "یہ جھوٹ ہے۔ ہم جب بھی سرحد پار جاتے ہیں تو دشمنوں سے سامنا کرتے ہیں۔ جو میرے سامنے آتا ہے میں اس کی ہڈیاں توڑ دیتا ہوں۔ آج تک کوئی ان ہاتھوں سے زندہ بچ کر نہیں گیا۔"

"میرا ریکارڈ دیکھ لو۔ اوّل تو میں چُھپ کر رہتا ہوں لیکن جس بدنصیب دشمن سے سامنا ہو جاتا ہے وہ میرے سامنے آخری سانس پوری کر لیتا ہے۔"

میں جس افسر کی زبان سے کہہ رہا تھا، وہ اس افسر کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا: "مسٹر، میں تمھارے دماغ میں ہوں اور یہ کمانڈو ایکس تمھیں یوں گھور کر دیکھ رہا ہے جیسے تم فرہاد بن گئے ہو اور اسے چیلنج کر رہے ہو۔ اب تمھاری خیر نہیں ہے۔"

اس افسر نے غصے سے اٹھ کر کہا: "کمانڈو ایکس! تم ہوش میں تو ہو، مجھے کیوں غصہ دکھا رہے ہو؟"

میں دوسرے افسر کے دماغ میں پہنچ کر ہنستے ہوئے بولا: "اب میں یہاں ہوں اور یہ افسر بھی تھوڑی دیر میں تمھیں غصہ دکھائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ باری باری یہ افسران غصے میں آئیں گے اور جوتوں سے تمھاری پٹائی کریں گے۔ میں مانتا ہوں، تم ان سب پر بھاری پڑوگے۔ میں اس طرح تم سے انتقام نہیں لوں گا۔ تم سے پہلے کتنے ہی شہ زور دشمنوں نے مجھے چیلنج کیا کہ میں سامنے آ کر مقابلہ کروں لیکن جانتے ہو کیا ہوا۔ میں نے اپنی معمولی ساتھیوں کو ان کے مقابلے پر بھیجا اور انھیں شرمناک شکست دی۔"

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا: "میں ان دشمنوں میں سے نہیں ہوں، تمھارا جو بھی ساتھی آئے گا اسے کچل کر رکھ دوں گا۔"

"آئے گا نہیں آئے گی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ فرہاد کی فوج میں صرف عورتیں ہیں۔ آج تک جتنے بھی للکارنے والے آئے، انھوں نے میری عورتوں سے ہی شکست کھائی۔ تمھارے نصیب میں بھی ایک عورت سے شکست کھانا لکھا ہے۔ پہلے اس سے ہاتھ پاؤں تڑوا لو۔ پھر مجھے مقابلے پر آنے کے لیے آواز دینا۔"

کمانڈو ایکس نے انگلی دکھاتے ہوئے کہا: "اس کا مطلب ہے، تم نے اپنی عورتوں کی فوج اسرائیل بھیج دی ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک بھرائی ہوئی آواز ڈرائنگ روم میں گونجنے لگی، کوئی کہہ رہا تھا: "کمانڈو ایکس! میں تمھارا افسر کمانڈو وائی تم سے مخاطب ہوں۔ کیا یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے

کہ فرہاد سے جو بھی گفتگو کرتا ہے وہ اس سے مقابلہ کرنے سے پہلے ہی غصے میں آجاتا ہے۔ کیا غصہ کمزوری کی علامت نہیں ہے؟"

کمانڈو ایکس یک بیک نرم پڑ گیا۔ اٹینشن ہو کر کھڑا ہو گیا تھا پھر اس نے سر جھکا کر کہا "مجھے افسوس ہے آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

کمانڈو وائی کی آواز سنائی دی "کوئی بات نہیں، غلطی کا احساس کرنا دانشمندی ہے اور مسٹر فرہاد، میں مانتا ہوں، تم اپنے دشمنوں کو ذلیل کرنے کے لیے مقابلے پر عورتوں کو بھیجتے ہو۔ مجھے یقین ہے، یہاں تمھاری عورتوں میں سے سونیا، اعلیٰ بی بی یا پومی ضرور آئیں گی۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم انتظار کر رہے ہو اور پہنچنے والیاں بہت پہلے ہی پہنچ چکی ہیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ہم نے سرحدوں پر سخت پہرہ لگایا ہے۔ ہر شہر، ہر قصبے میں بڑی سختی سے چیکنگ ہوتی ہے۔ کوئی اجنبی عورت یہاں نہیں آسکتی۔"

"تم نے سختی سے چیکنگ کرنے اور ہر جگہ کی ناکا بندی کرنے میں دیر کر دی ہے۔ بابا فرید واسطی مرحوم کے ادارے کے سربراہ جناب شیخ الفارس کوئی معمولی ذہانت کے آدمی نہیں ہیں۔ انھوں نے بہت پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ شیبا ہمارے ادارے میں ہے، یہ بات بڑھے گی۔ تم لوگ اسے حاصل کرنے کے لیے سازشیں کرو گے، چالیں چلو گے۔ اس سے پہلے ہی ہمارے شیخ صاحب نے میری چند عورتوں کو اسرائیل روانہ کر دیا تھا۔ وہ کس بھیس میں گئی ہیں اور وہاں کس طرح کام کر رہی ہیں، یہ تمھیں معلوم نہیں ہوگا۔"

کمانڈو وائی نے کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہمارے پاس اپ ٹو ڈیٹ معلومات ہیں۔ تمھاری عورتوں میں سے کوئی یہاں نہیں ہے۔ اعلیٰ بی بی، بابا صاحب کے ادارے میں آرام کر رہی ہے، سونیا اور پومی شمالی امریکا میں ہیں۔ باقی جو قابلِ ذکر عورتیں تھیں وہ مر چکی ہیں۔ اب تمھارے پاس کون رہ گئی ہے؟"

"ابھی اور ہیں۔ ان اور میں سے ایک ناگہانی بلا ہے۔ جب بھی دہشت گردی کا ذکر آتا ہے، اس کا نام ضرور آتا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

کمانڈو وائی کی آواز اس ڈرائنگ روم میں گونجنے لگی "کون ہے وہ؟ بتاؤ، کون ہے وہ؟ تم نہیں بتاؤ گے تو ہم اسے چند گھنٹوں میں ڈھونڈ نکالیں گے۔ یقیناً تمھاری وہ ساتھی شیبا سے قریب رہنے کے لیے اسی رہائش گاہ میں کہیں موجود ہوگی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمھاری شطرنجی چالوں کو اُلٹ کر رکھ دوں گا۔"

وہ بے اختیار بولتا جا رہا تھا۔ جوش اور جذبے سے بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ اچانک کمانڈو ایکس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز سے کہا "سر! آپ نے درست کہا تھا۔ فرہاد سے جو گفتگو کرتا ہے، وہ مقابلے سے پہلے ہی غصے میں آجاتا ہے۔ مجھے امید ہے آپ بھی اپنی غلطی کا احساس کریں گے۔"

اس کی بات سنتے ہی خاموشی چھا گئی۔ یقیناً کمانڈو وائی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

◈

میں نے پومی کو سرنگ میں چھوڑا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دی کلر کو لے جا رہی تھی۔ میں نے سوچا تھا اس کا سر حاصل کرنا آسان ہو گیا۔ میں پھر کسی وقت پومی سے رابطہ قائم کر کے خیریت معلوم کروں گا۔

مگر وہاں ایسی بات ہو گئی جس کی ہم توقع نہیں کر سکتے تھے۔ دی کلر ان مسلح ساتھیوں کے کاندھوں پر پڑا ہوا تھا۔ انھوں نے اس کے منہ سے ایک فیڈر لگا رکھا تھا۔ اسے آرام سے لے جا رہے تھے۔ وہ ننھا سا بچہ بن گیا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی خطرہ پیش نہیں آسکتا تھا۔ کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول کرنے والا ہمارے ہاتھوں قلعے میں مارا گیا تھا۔ اس کے باوجود اچانک ہی اس کی غراہٹ..... سنائی دی۔

وہ جو بچے کی طرح منمنا رہا تھا، غراہٹ سن کر اسے لے جانے والوں کے قدم سست پڑ گئے۔ وہ سمجھنا چاہتے تھے، دی کلر میں یہ تبدیلی کیسے آگئی ہے؟ ان کے سمجھنے سے پہلے ہی، دی کلر کے دونوں ہاتھ ان دو مسلح ساتھیوں کی گردن تک پہنچے جو اسے اٹھانے والوں میں سب سے آگے تھے۔ وہ دودھ پینے والا دیو قامت بچہ سچ مچ دیو بن گیا تھا۔ وہ اس کے بازو سے گردن چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے، دوسرے ساتھیوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا "ارے یہ تو اب بچہ نہیں رہا۔"

سب نے اسے چھوڑ دیا لیکن اس نے دونوں کی گردن نہیں چھوڑی۔ وہاں مسلح افراد میں خالی ہاتھ لڑنے والے ایک سے بڑھ کر ایک فائٹر تھے۔ انھوں نے اس پر پے در پے حملے کیے۔ وہ مضبوط ہڈیوں کے ستونوں پر کھڑا ہوا مضبوط قلعے کے مانند تھا۔ اس پر بیرونی حملوں کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اندرونی حملے کے لیے ٹیلی پیتھی کی ضرورت تھی۔ میں وہاں موجود ہوتا تب بھی اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا کیوں کہ اب کمپیوٹر کے ذریعے کنٹرول کرنے والا کوئی دوسرا تھا۔

ہاں، اگر میں موجود ہوتا تو وہاں سے سپر ماسٹر کے پاس پہنچتا۔ پھر اس کے وسیلے معلومات حاصل کرتا کہ دی کلر کو اب کون کنٹرول کر رہا ہے اور میں اس کنٹرول کرنے والے تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔ میں نے اور پومی نے اس پہلو پر توجہ نہیں دی تھی کہ جو تیس برس کا بچہ بنا ہوا ہے وہ کسی وقت بھی خطرناک بن سکتا ہے، کوئی دوسرا اسے کمپیوٹر کے ذریعے ہینڈل کر سکتا ہے۔ اب جو ہینڈل کر رہا تھا، وہ یقیناً کوئی زبردست فائٹر تھا۔ لڑنے کے انداز کو خوب سمجھتا تھا۔ اسی لیے دی کلر اس کے وسیلے دونوں پاؤں جمائے کھڑا تھا اور مسلح افراد کی پٹائی کر رہا تھا۔ وہ سرنگ میں اِدھر سے اُدھر اسے گھیر رہے تھے۔ پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے اور ناکام ہو رہے تھے بلکہ مار کھا کر پلٹ رہے تھے۔

ایک مسلح ساتھی نے کہا "مس پومی! ہمیں اجازت دو۔ ہم اسے گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔"

اس کی بات سن کر دی کلر نے قہقہہ لگایا۔ پھر دور کھڑی ہوئی پومی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمھیں اپنے آپ پر بڑا ناز تھا۔ تمھاری بڑی وڈیو فلمیں دیکھی ہیں۔ خوب لڑتی ہو لیکن کسی وڈیو فلم میں ہتھیاروں سے لڑتے نہیں دیکھا۔ کیا مجھ پر گولیاں چلاؤ گی؟"

وہ طنزیہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ پومی نے تمام ساتھیوں سے کہا "تم سب ایک طرف ہٹ جاؤ، کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔"

دی کلر نے کہا "تم واقعی دلیر لڑکی ہو۔ میرے مقابلے پر تنہا آرہی ہو۔"

پومی نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "میں تمھارے ذریعے اس شخص سے مخاطب ہوں جو کمپیوٹر کے ذریعے تمھاری زبان سے بول رہا ہے۔ وہ اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ وہ، ہمیں تمھارے ساتھ لڑائی میں الجھاتا رہے گا، اور اس وقت تک تمھاری حفاظت کے لیے یہاں پوری فوج چلی آئے گی۔ میں صرف دو منٹ کے اندر ہار جیت کا فیصلہ کروں گی۔ آؤ اور مجھے پکڑ لو۔"

وہ ایک طرف بڑھنا چاہتی تھی، دی کلر نے ہنستے ہوئے کہا "میں کیوں پکڑوں؟ مجھے تم سے دشمنی نہیں ہے۔ دشمنی تم کر رہی ہو۔ میرا سر کاٹ کر لے جانا چاہتی ہو۔ اس لیے آگے بڑھو اور حملہ کرو۔"

پومی نے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، تم میرا پیچھا کرو اور نہیں کرو گے تو اپنے تمام ساتھیوں کو حکم دیتی ہوں، وہ تین تک گنتے رہیں۔ تین کے بعد تمھیں گولیوں سے چھلنی کر دیں۔"

"تم تو بہت دلیر ہو۔ یہ بزدلوں جیسا حکم کیوں دے رہی ہو؟"

"بار بار میری دلیری کا قصیدہ نہ پڑھو۔ میں اتنی نادان نہیں ہوں کہ تمھاری چالوں میں آجاؤں۔"

پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں سے جیسے ہی دوڑنا شروع کروں، تم لوگ تین تک گنو۔ اگر یہ میرا پیچھا نہ کرے تو اسے گولیوں سے بھون ڈالنا۔"

پھر اس نے دی کلر کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ بھی دلیری کا ایک نمونہ ہے، میں اپنے مسلح ساتھیوں کے ہوتے ہوئے تمھیں مقابلے کی دعوت دے رہی ہوں۔ دوڑو اور مجھے پکڑ کر ہلاک کر دو۔ کم آن۔"

یہ کہتے ہی اس نے پلٹ کر دوڑ لگائی۔ اس کے ساتھیوں نے گنا "ایک..."

دوسرے ساتھی نے کہا "دو..."

تیسرے کے کہنے سے پہلے ہی دی کلر نے مجبور ہو کر دوڑ لگائی۔ اس کے دماغ کے پیچھے جو بھی تھا، بہت چالاک تھا۔ یقیناً چاہتا ہوگا کسی طرح لپک کر پومی کو پکڑ لے اور اسے اپنے سامنے ڈھال بنا کر وہاں سے نکل جائے۔ اس مقصد کے لیے دوڑنا ہی پڑا۔

سرنگ کا وہ حصہ قریب ہی تھا جہاں چھت میں نوکیلی میخیں لگی ہوئی تھیں اور جہاں پومی کے دو مسلح ساتھی چھت تلے دب کر اس کی میخوں میں الجھ کر اوپر چلے گئے تھے۔ وہ دی کلر کے آگے دوڑتی ہوئی اس کل تک پہنچ گئی تھی، اسے دائیں طرف گھمانے کے بعد دس سیکنڈ کی مہلت ملتی تھی۔ دس سیکنڈ میں اس چھت کے نیچے سے گزرنا ہوتا، اگر ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہوتی تو وہ چھت ایک دھماکے سے اوپر آپڑتی۔

کل کے قریب پہنچتے ہی پومی نے پلٹ کر دیکھا۔ دی کلر اس سے دس گز کے فاصلے پر تھا۔ اس نے فوراً ہی کل کو دائیں طرف گھمایا پھر تیزی سے دوڑتی ہوئی چھت کے نیچے سے گزرنے لگی۔ وہ بھی تیزی سے دوڑتا ہوا آرہا تھا لیکن جیسے ہی چھت کے قریب پہنچا، وہ ایک دھماکے سے نیچے آگئی۔ وہ آگے بڑھتے بڑھتے فوراً رک گیا۔

چند سیکنڈ کے بعد چھت اوپر اپنی جگہ آکر رک گئی۔ اب دوسری طرف پومی نظر آرہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے مسکرا رہی تھی۔ پھر اس نے کہا "آجاؤ، تم نے وڈیو فلموں میں کچھ نہیں دیکھا، اب میرے لڑنے کا انداز دیکھو گے مگر کسی کو بتانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

وہ اس کی باتیں سن رہا تھا اور آہستہ آہستہ اس کل کی طرف

بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ کل کی طرف گیا۔ اس نے اسے دائیں طرف گھمایا۔ پھر تیزی سے دوڑ لگائی۔ چھت کے نیچے سے گزرنے لگا۔ وہ کل چھت کے ادھر بھی تھی اور اُدھر بھی۔ پومی دوسری کل کی طرف پہنچ گئی تھی۔ اس نے اس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فوراً چھلانگ لگاؤ۔ ورنہ میں اسے گھما رہی ہوں۔ تمھیں دس سیکنڈ کی بھی مہلت نہیں دوں گی۔"

دی کلر کے پیچھے کام کرنے والا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسی چال چلے گی۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "یہ دھوکا ہے۔ فریب ہے، مکاری ہے۔"

"فوراً چھلانگ لگاؤ ورنہ چھت اوپر آرہی ہے۔"

اسے مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ چھلانگ لگانے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر غوطہ لگاتا ہے۔ اس نے بڑی کامیابی سے چھلانگ لگائی تھی لیکن اسی لمحے پومی نے کل کو دائیں سے بائیں گھما دیا۔ ایک دھماکا سنائی دیا۔ اس کی آخری چیخ سرنگ میں گونجتی ہوئی دور تک گئی۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ چھت اس پر اس طرح گری تھی کہ صرف سر اور دونوں ہاتھ جو آگے بڑھے تھے، وہ باہر آگئے تھے۔ باقی جسم کا حصہ چھت تلے دب گیا تھا۔ چند سیکنڈ میں ہی وہ پھر اوپر اٹھی تو وہ لٹکتا ہوا اوپر جانے لگا۔ پومی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "یہاں ٹولیاں بنا کر آؤ اور اس کی گردن اتار لو۔ میرا کام ختم ہوچکا ہے۔"

جب میں خیال خوانی کے ذریعے پومی کے پاس پہنچا تو وہ ریڈ پاور کے باس کی پناہ میں پہنچ چکی تھی۔ وہاں آرام کر رہی تھی، باس ایک خفیہ کمرے میں تھا۔ اس کے ساتھ ایک فوٹو گرافر، ایک سائنسداں اور ایک ڈاکٹر تھا۔ دی کلر کا کٹا ہوا سر اوپر سے کھول دیا گیا تھا اور مختلف زاویوں سے تصاویر لی جا رہی تھیں۔ میں نے باس کو مخاطب کیا۔ اس نے خوش ہوکر کہا۔ "جناب فرہاد صاحب! آپ نے واقعی دوستی کا ثبوت دیا ہے، جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا کردیا۔"

"سب سے پہلے پومی کا میک اپ تبدیل کردو۔ میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔"

میں نے پومی کو مخاطب کیا۔ "میں سوچ کے ذریعے تمھارے کارنامے معلوم کرچکا ہوں۔ اب تم لیوجین کے روپ میں نہیں رہ سکتیں کیونکہ جب تک دی کلر سے مقابلہ کرتی رہیں، دوسری طرف تمھیں ٹی وی اسکرین کے ذریعے دیکھا جاتا رہا۔ دی کلر کی آنکھیں ٹی وی کیمرے کا کام کرتی ہیں۔ اس کے سامنے جو بھی آتا ہے، اس کی تصاویر اور اس کی آوازیں دوسری طرف نشر ہوتی ہیں۔"

"میں اپنا روپ بدل لوں گی مگر تم وعدہ پورا کرو۔"

"تم اسی ملک میں ہو، مجھے لیڈی روزینہ کے فارم سے نکلنے دو۔ پھر کہیں نہ کہیں ضرور ملیں گے۔"

میں نے ماسک مین کے پاس پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ کہنے لگا۔ "آپ واقعی زبان کے دھنی ہیں، جو کہا تھا اسے کر دکھایا۔"

میں نے کہا۔ "دی کلر کا سر میری طرف سے دوستی کا پہلا تحفہ ہے۔ قبول کریں۔"

"جناب! میں آپ کے لیے ابھی تک کچھ نہیں کرسکا۔ حکم دیجیے۔"

"آپ میرے لیے بہت کچھ کر رہے ہیں، اس ملک میں قدم قدم پر ہمارے لیے آسانیاں فراہم کر رہے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "آپ لیڈی روزینہ کے فارم میں کب تک رہیں گے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا، کب تک قیام کرنا ہوگا۔ ویسے ایک اہم بات ہے۔ آج رات لیڈی روزینہ شاید ماسٹر کی سے ملاقات کرے گی۔ میں اس کا تعاقب کروں گا۔ نیویارک میں آپ کا باس بہت ہوشیار اور تیز طرار ہے، وہ بڑی مستعدی سے ہمارے کام آتا ہے۔ اس کے ذریعے آج ماسٹر کی کو ٹریپ کرسکوں گا۔ ہوسکتا ہے، صبح تک آپ کو یہ دوسری خوشخبری مل جائے۔"

وہ رہ رہ کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ میں اس کے پاس سے سپر ماسٹر کے دماغ میں چلا آیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ کبھی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ کبھی اٹھ کر ٹہل رہا تھا۔ شیشے کا ایک نازک سا جام اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ شراب ڈال رہا تھا۔ اور پی رہا تھا۔ پینے کے ساتھ بڑبڑاتا جا رہا تھا، جو شخص بڑے بڑے فرائع کا مالک ہو، اس کے ہاتھوں میں فرعون کی سی طاقت اور مکمل اقتدار ہو اور وہ پُراسرار بن کر قدم قدم پر کامیابی حاصل کرتا جا رہا ہو، ایسی صورت میں اچانک ناکام ہوجائے اور بہت بڑا نقصان پہنچے تو اس کی ذہنی حالت ایسی ہی ہوجاتی ہے۔ وہ پاگلوں کی طرح تنہائی میں بڑبڑاتا ہے۔ اس نے کروڑوں روپے خرچ کیے تھے۔ جاپانی ڈاکٹروں کو اس تجربے کے لیے آمادہ کیا تھا اور ان کا یہ تجربہ کامیاب رہا تھا۔ انھوں نے ایک ایسے انسان کی تخلیق کی تھی جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ تھا لیکن اس میں انھوں نے ترمیم و اضافہ کیا تھا۔ اس کی دماغی اور جسمانی قوتوں کو بڑھایا تھا، اسے اپنے طور پر ناقابل شکست بنانے کی کوشش کی تھی اور اس ناقابل شکست کو ایک لڑکی نے شکستہ کردیا تھا۔

فی الحال اسے دو اہم باتیں الجھا رہی تھیں۔ ایک تو دی کلر کا راز فاش ہوگیا تھا۔ اس کے بچگانہ دماغ کے ساتھ کمپیوٹر سسٹم

کی جو تکنیک اختیار کی گئی تھی، وہ تکنیک اور تمام فارمولا اس کے دشمن ماسک مین تک پہنچ گیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ پریشان کر رہی تھی کہ پومی کو سرنگ کا راستہ کیسے معلوم ہوا؟ اس قلعے کا سب سے بڑا اور اہم شخص مسٹر نو کو بھی وہ راستہ نہیں جانتا تھا۔ اب رہ رہ کر یہی خیال دماغ میں آرہا تھا کہ نو کو نہ بتانے کے باوجود شاید اس نے کسی طرح اس راستے کو دریافت کرلیا ہو اور اس نے سپر ماسٹر سے چھپایا ہو۔ پھر جب مسٹر نو کو آخری سانسیں لے رہا تھا تو فرہاد نے اس کے دماغ سے اس خفیہ راستے کو معلوم کیا ہو اور پومی کو وہاں پہنچا دیا ہو۔ سپر ماسٹر اس سے آگے کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ بڑا پُراسرار بنا ہوا تھا، میرے دماغ میں پہنچنے کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اس نے ڈرائیور باڈی گارڈ کو بلایا۔ پھر پوچھا۔ "رپورٹ دو۔ کیا ہو رہا ہے؟"

"میں نے آپ کی طرف سے حکم جاری کردیا ہے کہ تمام بندرگاہوں اور ائرپورٹ وغیرہ کی سختی سے ناکہ بندی کی جائے، ہر شخص، ہر چیز کی تلاشی لیں۔ وہ دی کلر کا سر یہاں سے نہیں لے جا سکیں گے۔ اگر دماغ سے کمپیوٹر نکال کر لے جانا چاہیں گے تو ان کے ڈاکٹر اور سائنسداں پوری طرح سمجھ نہیں پائیں گے۔"

سپر ماسٹر نے جھنجلا کر کہا۔ "دشمن نادان نہیں ہیں۔ انھوں نے یہیں اپنے ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کو جمع کر رکھا ہوگا۔ میں یقین سے کہتا ہوں، وہ لوگ ابھی اس سر کے اطراف بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کی اسٹڈی کر رہے ہیں۔ میں حکم دیتا ہوں، اچانک ہی ریڈ پاور کے سفارت خانے اور باس کی رہائش گاہ پر چھاپے مارے جائیں۔ ہمیں دی کلر کا سر وہیں مل سکتا ہے۔"

وہ جانے لگا۔ سپر ماسٹر نے کہا۔ "اور سنو! سراغرسانوں کی ایک ٹیم اس قلعے میں جائے اور یہ سراغ لگائے کہ سرنگ کا خفیہ راستہ کون جانتا ہے۔ فرہاد نے کس کے دماغ میں پہنچ کر یہ معلومات حاصل کی ہیں؟"

ڈرائیور باڈی گارڈ وہاں سے جانے لگا۔ پھر ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر رک گیا۔ ٹیلی فون کے ساتھ لگا ہوا ایک ٹیپ ریکارڈر آن ہوگیا تھا۔ اس ریکارڈر سے آواز آرہی تھی۔ "پیغام ریکارڈ کراؤ تمھاری آواز سنی جا رہی ہے۔"

دوسری طرف سے کسی نے ٹیلیفون کے ذریعے کہا۔ "میں سی، آئی، بی کا ڈائرکٹر جنرل بول رہا ہوں۔ سپر ماسٹر کے لیے ایک چونکا دینے والی خبر ہے۔"

سپر ماسٹر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ٹیلیفون اور ریکارڈر کے قریب جانے لگا۔ وہاں سے آواز آرہی تھی۔ "اور وہ خبر یہ ہے کہ ٹیلی پیتھی جاننے والی شیبا بابا صاحب کے ادارے سے اغوا کرلی گئی ہے، اسرائیل کے شہر تل ابیب پہنچا دی گئی ہے۔ وہاں کے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فرائض انجام دینے والے اعلیٰ افسران میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ سب گونگے بنے ہوتے ہیں، خبر ملی ہے کہ نیشنل آڈیٹوریم میں اس کی آمد پر جشن منایا جائے گا۔ لاسٹ لائن پر فرائض انجام دینے والے اعلیٰ افسران اس جشن میں شریک نہیں ہوں گے۔ سب ہی شیبا کی ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

اس ریکارڈر سے آواز ابھر رہی تھی۔ سپر ماسٹر توجہ سے سن رہا تھا۔ سی آئی بی کا ڈائرکٹر جنرل کہہ رہا تھا۔ "شیبا کی آمد اسرائیلی حکام کے لیے جہاں بہت بڑے فائدے کی بات ہے وہاں نقصانات کے اندیشے بھی ہیں۔ وہ فرہاد اور شیبا کے جذباتی رشتے کو توڑنا چاہتے ہیں۔ جب تک وہ کامیاب نہیں ہوں گے، شیبا پر اعتماد نہیں کریں گے۔"

سپر ماسٹر سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ اگر شیبا وہاں پہنچ گئی ہے تو یقیناً بابا صاحب کے ادارے سے ضرور ایسے جانباز تل ابیب پہنچیں گے جو ہر صورت سے اسے واپس لانے کی کوشش کریں گے۔ شیبا فرہاد کے بعد سب سے اہم مہرہ ہے ہوسکتا ہے، فرہاد خود وہاں پہنچے اور اگر وہ نہ گیا تو سونیا ضرور جائے گی۔

ڈائرکٹر جنرل کا پیغام ختم ہوگیا تھا۔ وہ خودکار ٹیپ ریکارڈر خود ہی آف ہوگیا تھا۔ سپر ماسٹر نے ڈرائیور باڈی گارڈ سے کہا۔ "میرا یہ حکم سیکرٹ سروس والوں تک پہنچاؤ۔ ہمارے سراغرساں جو تل ابیب میں موجود ہیں، وہاں ان کی ٹیم میں مزید ذہین اور تیز طرار افراد کا اضافہ کیا جائے۔ اگر ہم شیبا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو ہمیں ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

سپر ماسٹر کے دماغ میں چھپ رہنے کے یہی فائدے حاصل ہو رہے تھے کہ میں کھلی کتاب کی طرح اس کے آئندہ منصوبوں کو پڑھتا اور سمجھتا جا رہا تھا۔ ڈرائیور باڈی گارڈ اس کا ڈرائیور بھی تھا اور پرسنل سیکریٹری بھی، وہ ٹیلی پرنٹر کے ذریعے اس کے تمام احکامات متعلقہ شعبوں تک پہنچاتا تھا۔ سپر ماسٹر کہہ رہا تھا۔ "سی آئی بی کے ڈائرکٹر جنرل کو بتادو، اس کا پیغام سن لیا گیا ہے۔ اس سے پوچھو نیویارک کے سراغرساں کیا کر رہے ہیں۔ سونیا اور فرہاد اب تک ہاتھ نہیں آئے۔ ماسٹر کی ہاتھ آتے آتے نکل گیا۔ کیا ہم یہ منحوس خبر بھی سنیں گے کہ فرہاد ہم سے پہلے ماسٹر کی تک پہنچ گیا ہے؟"

وہ بولتے بولتے رک گیا، سر اٹھا کر سوچنے لگا پھر اس نے ڈرائیور باڈی گارڈ سے کہا "یہ بات سیکرٹ سروس والوں کے چیف سیکرٹری تک پہنچاؤ۔ اس سے کہو، ہم نے دو کلر کی صورت میں جو نقصان پومی کے ہاتھوں اٹھایا ہے اس کی تلافی ممکن ہے۔ ہم اسرائیل سے شیبا کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم ٹیلی پیتھی جاننے والی کو حاصل کرنے کے لیے ہم اپنی آخری ذہانت، آخری سیاست اور آخری ڈالر تک خرچ کر دیں گے مگر اسے ضرور حاصل کریں گے۔"

ڈرائیور باڈی گارڈ وہاں سے چلا گیا۔ ابھی سپر ماسٹر پریشان تھا۔ طرح طرح کی ترکیبیں سوچ رہا تھا، منصوبے بنا رہا تھا، میں ان منصوبوں کو بعد میں آ کر سمجھ سکتا تھا۔ اس لیے ماسک مین کے پاس پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔ اس نے چونک کر پوچھا "جناب فرہاد صاحب، یہ کیا ہو گیا؟"

میں نے پوچھا "کیا ہو گیا؟"

"آپ کے ادارے سے شیبا اغوا کر لی گئی اور آپ نے ہمیں بتایا تک نہیں کچھ دیر پہلے ہمارے ایک سراغ رساں نے یہ اطلاع پہنچائی ہے۔"

"ہاں، درست ہے اور آپ کے جاسوس بہت ہی سست ہیں۔ اسے اغوا ہوئے دس گھنٹے گزر چکے ہیں۔"

"میں اس بات کا سختی سے نوٹس لے رہا ہوں کہ مجھے یہ اطلاع اتنی دیر سے کیوں ملی؟ بہر حال آپ سے وعدہ کرتا ہوں چوبیس گھنٹے کے اندر شیبا کو وہاں سے نکال کر بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دوں گا۔"

میں نے پوچھا "آپ شیبا کو اپنے پاس رکھنا نہیں چاہیں گے۔ اس کے پاس ٹیلی پیتھی کی طاقت ہے؟"

"جناب! میرا دل بہت چاہتا ہے، یہ قوت میرے اپنے ملک میں آ جائے لیکن آپ کی دوستی عزیز ہے۔ آپ میرے بن کر رہیں گے تو شیبا بھی میرا ساتھ دیتی رہے گی۔"

"میں یہ بتانے آیا ہوں، سپر ماسٹر، شیبا کو حاصل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ مجھے اسرائیل میں ہر لمحہ آپ کے آدمیوں کی ضرورت پڑے گی۔ وہاں جو آپ کے اہم افراد ہیں، ان کی آوازوں کا کیسٹ تیار رکھیے، میں کسی وقت آپ سے یا یہاں کے باس سے سن لوں گا۔"

"ان کی آواز کے کیسٹ میرے پاس ہیں۔ آپ جب چاہیں سن سکتے ہیں۔"

میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اب مجھے شیبا کے پاس جانا تھا۔ اسرائیل میں رات کے دس بجنے والے تھے۔ ادھر مجھے دماغی پر حاضر رہنا تھا کسی وقت بھی پچھلے دروازے پر دستک ہو سکتی تھی۔ مجھے کسی لڑکی کے ساتھ لیڈی روزنیہ کے تعاقب میں جانا تھا۔ آج ماسٹر کی سے پہلی ملاقات ہوتی اور شاید فیصلہ کن ملاقات ہوتی۔

میں شیبا کے پاس آ گیا۔ وہ ایک قیمتی ایئر کنڈیشنڈ کار میں بیٹھی ہوئی تھی، وہ کار نیشنل آڈیٹوریم کے اس مخصوص گیٹ کے پاس آ کر رک گئی جہاں اس کا استقبال کرنے کے لیے تل ابیب کی اہم شخصیتوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ ایک باوردی ملازم نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا، وہ باہر آئی کتنے ہی لوگ اسے دیکھ کر خوشی سے مسکرانے لگے۔ وہ سب دو قطاروں میں کھڑے ہوئے تھے ان قطاروں کے درمیان شیبا کے گزرنے کے لیے راستہ بنایا گیا تھا، اس پر پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ دو ننھے خوب صورت سے پیارے پیارے بچوں نے اسے گلدستے پیش کیے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ایک قومی نغمہ گونج رہا تھا جس کے معنی تھے کہ اس قوم کی بیٹیاں مملکت اسرائیل کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتی ہیں۔

یعنی اس قومی نغمے کے ذریعے شیبا کے ملی جذبات کو ابھارا جا رہا تھا۔ ایک اعلیٰ افسر اس کے ساتھ چلتا ہوا ان اہم شخصیتوں سے متعارف کراتا جا رہا تھا۔ میں ان کی آوازیں سن رہا تھا اور ذرا ذرا سی دیر کے لیے ان کے دماغوں میں رہ کر اصلیت معلوم کرتا جا رہا تھا۔ وہ ان کے ساتھ آڈیٹوریم کے اسٹیج پر آئی۔ اس کا خیال تھا، اسے اتنے لوگ دیکھنے آئیں گے کہ ہال کھچا کھچ بھرا ہو گا مگر لوگ برائے نام تھے۔ ان میں عورتوں کی تعداد کم تھی اور جوان لڑکیاں خال خال نظر آ رہی تھیں۔

اسٹیج پر ایک شخص بڑی تفصیل سے شیبا کے حالات زندگی بیان کر رہا تھا۔ میں نے کہا "جہاں تم کار سے اتری تھیں وہاں استقبال کے لیے یہاں کی اہم شخصیتوں کو مدعو کیا گیا تھا مگر وہ شخصیتیں موجود نہیں تھیں۔ ان میں سے کوئی سیاسی لیڈر تھا، کوئی بہت بڑا بزنس مین اور سرمایہ دار تھا اور چند ایسے یہودی سفیر تھے جو مختلف ممالک سے چھٹیوں پر آئے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے کوئی تمھارے سامنے نہیں آیا۔"

شیبا نے وہاں کے منتظم اعلیٰ سے پوچھا "جن لوگوں کو میرا استقبال کرنے کے لیے یہاں ہونا چاہیے تھا وہ کہاں ہیں؟"

منتظم اعلیٰ نے جھجکتے ہوئے کہا "مس صاحبہ! یہاں سبھی موجود ہیں۔"

"ہر گز نہیں۔ مجھ سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی، جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا، وہ نہیں آئے اور کیا میرے استقبال کے لیے یہی چند افراد ہیں جو ہال میں نظر آ رہے ہیں؟"

شیبا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تقریر کرنے والے شخص کو

مخاطب کیا اور کہا "اپنی بکواس بند کرو۔ میری زندگی کے حالات بیان کرنا ضروری نہیں ہیں۔ میں پوچھتی ہوں، یہاں مجھے کیوں بلایا گیا ہے کیا میری آمد پر اسی طرح جشن منایا جا رہا ہے؟"

منتظم اعلیٰ نے بڑی عاجزی سے کہا "مس صاحبہ! یقیناً آپ کا علم ایسا ہے کہ حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ ہم نے جن لوگوں کو مدعو کیا تھا، ان میں سے کسی کے سر میں اور کسی کے پیٹ میں درد ہے، کسی کے ہاں اچانک شادی کی رسم ہونے والی ہے، کسی کے ہاں موت ہو گئی ہے، اسی طرح کچھ لوگ نہیں آ سکے۔"

شیبا نے غصے سے کہا "تم کچھ لوگوں کی باتیں کرتے ہو، یہاں کوئی نہیں آیا، صرف ایسے لوگ ہیں جنھیں میری ٹیلی پیتھی سے کوئی خوف نہیں ہے۔ یہ جو میرے سامنے ہال میں نظر آ رہے ہیں، یہ سچے اور کھرے لوگ ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ میں ان کے دماغوں میں پہنچ کر ان کے بارے میں اصلیت معلوم کرنا چاہوں گی تو ان کا ظاہر و باطن ایک ہو گا۔ مجھے ان کی آمد پر خوشی ہو رہی ہے مگر جو لوگ نہیں آئے، میں انھیں ابھی بلا کر رہوں گی۔"

اس نے منتظم اعلیٰ سے کہا "آپ یہاں سے جائیں اور ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر ان کے نمبر ڈائل کریں پھر ان سے سوال کریں کہ انھوں نے یہاں آنا کیوں ضروری نہیں سمجھا؟"

جو اہم لوگ نہیں آئے تھے، ان سے منتظم اعلیٰ متاثر تھا۔ ان سے سوالات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میں اسے جبراً پلٹا کر اُدھر لے گیا جہاں ٹیلی فون تھا پھر اس نے ریسیور کو اٹھایا۔ اس کے دماغ سے ایک نمبر معلوم کیا اور اسے ڈائل کرانے لگا۔ وہ اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ میری مرضی کے مطابق عمل کرتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف گھنٹی بجی، وہاں سے کسی کی آواز سنائی دی۔ ادھر اس نے کہا "میں منتظم اعلیٰ بول رہا ہوں۔ مس شیبا سخت ناراض ہیں۔ وہ پوچھ رہی ہیں، آپ یہاں کیوں نہیں آئے؟"

"میں نے پہلے ہی معذرت چاہی تھی، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

منتظم اعلیٰ نے ریسیور رکھ دیا۔ میں دوسری طرف بولنے والے کے پاس پہنچ گیا، وہ بہت بڑا بزنس مین تھا، اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی رہا تھا اور کاروباری گفتگو کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں پتا چل گیا، وہ شیبا کا سامنا کرنے سے محض اس لیے کترا رہا تھا کہ وہ دماغ میں پہنچ کر انکم ٹیکس کی چوری اور چور بازاری کے سلسلے میں سارا بھید کھول دے گی۔

اس کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا۔ اچانک ہی وہ ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گر پڑا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دماغ میں آواز آئی "میں شیبا بول رہی ہوں، پندرہ منٹ کے اندر نیشنل آڈیٹوریم میں پہنچ جاؤ۔ ورنہ جانتے ہو، کیا ہو گا؟"

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کے دماغ پر قابض ہو گیا، اس نے شراب کی بوتل کو اس کی گردن سے پکڑ لیا۔ پھر اسے میز پر زور سے مارا۔ بوتل ٹوٹ کر آدھی رہ گئی۔ شراب دور تک بکھر گئی۔ اس کے کاروباری دوست فوراً ہی کھڑے ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے ٹوٹی ہوئی بوتل ان کی طرف دکھاتے ہوئے کہا "مجھ پر شیبا کی طرف سے بے خودی کا مرض طاری ہو گیا ہے، میں اپنے آپ میں نہیں ہوں۔ اس ٹوٹی ہوئی بوتل سے کسی کو بھی ہلاک کر سکتا ہوں۔"

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ سے وہ ٹوٹی ہوئی بوتل چھوٹ گئی، میں نے کہا "تم دیکھ چکے ہو، تم پر بے خودی کا مرض کیسے طاری ہو گیا تھا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو کوئی ٹوٹی ہوئی بوتل سے اپنے ایک ایک ساتھی کو ہلاک کرو گے اور ایک باعزت بزنس مین کے بجائے قاتل کہلاؤ گے۔ پھر یہ قانون سمجھے گا کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہیے۔"

اس نے خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "مس شیبا! مجھے معاف کر دو۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

"میں انتظار کر رہی ہوں۔"

میں پھر منتظم اعلیٰ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے دوسرے نمبر ڈائل کرائے۔ پھر دوسری طرف کی آواز سن کر ایک خاتون کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پورے ملک میں ایک نہایت ہی شریف، عزت دار اور عوام کی خدمت گار کہلاتی تھی۔ اسے بڑے بڑے بزنس مین ہزاروں، لاکھوں ڈالر چندے کے طور پر دیتے تھے تاکہ وہ ضرورت مندوں کے کام آتی رہے۔

اس وقت وہ ایک بہت بڑے بزنس مین کے پاس بیٹھی اس سے پوچھ رہی تھی "تم مجھے چندے آفتاب چندے ماہتاب کہتے ہو کیا اسی لیے ہزاروں ڈالر چندے کے طور پر دیتے ہو؟"

میں نے اس کے دماغ میں کہا "میں بھی تمھیں چندہ دینا چاہتی ہوں۔ سیدھی نیشنل آڈیٹوریم میں چلی آؤ۔"

وہ ایک دم سے گھبرا کر اپنے سر کو تھام کر چھت کی طرف تکنے لگی۔ اس کے دماغ میں آواز گونج رہی تھی "میں شیبا بول رہی ہوں، شیبا بول رہی ہوں، اٹھو اور نہیں اٹھو گی تو دیکھو، میں کس طرح اٹھا رہی ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی پھر اس نے بستر پر سے چھلانگ لگائی اور فرش پر آگئی۔ اپنے لباس کی طرف جانا چاہتی تھی۔ اس کے دماغ میں آواز آئی "ہرگز نہیں، تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گی۔ جیسی ہو، ویسی ہی چلی آؤ۔"

وہ اس طرح آنا نہیں چاہتی تھی لیکن دماغ قابو میں نہیں رہا تھا۔ وہ بے اختیار پلٹ گئی۔ دروازہ کھولتے ہوئے وہاں سے بھاگتے ہوئے باہر آگئی۔ اس کی کار پورچ میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے وہاں پہنچ کر اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ اسے اسٹارٹ کیا، پھر ڈرائیو کرنے لگی۔

دماغ میں وہی آواز گونج رہی تھی "میں شیبا بول رہی ہوں اور وارننگ دے رہی ہوں، اگر تم نے اپنا راستہ بدلا اور پندرہ منٹ کے اندر آڈیٹوریم میں نہ پہنچیں تو اچانک ایکسیڈنٹ ہوگا اور تم کار سے نکل نہیں پاؤ گی۔ اسی میں فنا ہو جاؤ گی۔"

وہ گھبرا کر چیخنے لگی "میں آ رہی ہوں۔ میں آ رہی ہوں۔"

اور وہ آ رہی تھی۔ تیزی سے ڈرائیو کرتی جا رہی تھی۔ میں اس کے بعد بھی یکے بعد دیگرے ان لوگوں کو ٹریپ کرتا جا رہا تھا جو ٹیلی پیتھی سے بچ کر رہنا چاہتے تھے۔ ادھر شیبا نے آڈیٹوریم میں بیٹھنے والوں سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان سے اچھی اچھی باتیں کر رہی تھی اور یقین دلا رہی تھی "آدھے گھنٹے کے اندر وہ تمام افراد یہاں پہنچ جائیں گے جو اپنی کمزوریوں کو، اپنی ذلالت کو چھپانے کے لیے مجھ سے کترانا چاہتے ہیں۔"

پھر یکے بعد دیگرے وہ تمام افراد آڈیٹوریم میں پہنچنے لگے۔ وہ جس حالت میں پہنچ رہے تھے، وہ حالت قابلِ دید تھی۔ سب سے پہلے بزنس مین پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل تھی۔ اس نے پتلون اور قمیص پہن رکھی تھی مگر پاؤں ننگے تھے۔ اسی طرح بھاگتا چلا آیا تھا۔ شیبا نے کہا "تمھیں میرے استقبال کے لیے بلایا گیا تھا، تم نہیں آئے۔ میری توہین کرنے والے، اب تمھاری توہین ہوگی۔ تم اپنا کچا چٹھا اپنی زبان سے بیان کرو تاکہ یہاں تمام حاضرین سن سکیں۔"

وہ گڑگڑانے لگا "مجھے معاف کر دو۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔"

اس نے ڈانٹ کر کہا "جو کہہ رہی ہوں وہی کرو۔ میرے سامنے نہ آ کر جو بات چھپانا چاہتے تھے، اب حاضرین کے سامنے اسے بیان کرو۔"

میں نے اس کے دماغ میں کہا "جو بات اب تمھارے دماغ میں کہی جا رہی ہے اسے میں تمام لوگوں کے سامنے نہیں کہنا چاہتی۔ تم بے اختیار اس ٹوٹی ہوئی بوتل سے اپنے سامنے والوں پر حملہ کرو گے۔ یقین نہ ہو تو ٹیلی پیتھی کے عمل سے بچنے کی کوشش کرو۔ اس سے پہلے تم ایک نمونہ دیکھ چکے ہو۔"

اس نے گھبرا کر چیختے ہوئے کہا "نہیں نہیں، میں کسی کو قتل نہیں کروں گا۔" اس نے اپنے ہاتھ کی ٹوٹی ہوئی بوتل ایک طرف پھینک دی۔ پھر چیخ چیخ کر کہنے لگا "میں چور بازاری کرتا ہوں میں انکم ٹیکس کی ادائیگی نہیں کرتا ہوں۔ میں ایک طرف حکومت کو دھوکا دیتا ہوں۔ دوسری طرف اسی حکومت سے طرح طرح کی مراعات حاصل کرتا ہوں۔"

وہ بولتا جا رہا تھا۔ اپنے کرتوت بیان کرتا جا رہا تھا۔ اسی وقت وہ سماجی کارکن کہلانے والی خاتون دوڑتی ہوئی اس ہال میں چلی آئی۔ سب اسے دیکھ کر حیرانی سے کھڑے ہو گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اس ملک کی اتنی عظیم خاتون، جو بڑے بڑے حکام سے بلا روک ٹوک ملاقات کرتی ہے۔ جسے بڑے بڑے سرمایہ دار ہزاروں، لاکھوں ڈالر چندے کے طور پر دیتے ہیں اور جس کی بے لوث خدمت گزاری کا چرچا سارے ملک میں ہوتا ہے، وہ اس خستہ حالت میں دوڑتی ہوئی، اس مجمع میں پہنچ گئی تھی۔ وہ جیسے ہوش میں نہیں تھی۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سیدھی دوڑتی ہوئی آئی اور شیبا کے قدموں میں گر پڑی۔ شیبا پیچھے ہٹ گئی۔ وہ گڑگڑا کر کہہ رہی تھی "مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔"

اس نے کہا "معافی مجھ سے نہ مانگو۔ یہاں جو شریف خواتین اور مرد مجھ سے ملاقات کرنے آئے ہیں، ان کے سامنے اپنا اصل دھندا بیان کرو۔"

وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ آڈیٹوریم میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف منہ کر کے سر جھکاتے ہوئے بولی "میں وہ نہیں ہوں جو نظر آتی ہوں۔ میں بدکار لوگوں کے پاس خوبصورت لڑکیاں پہنچاتی ہوں۔ ان لڑکیوں کے ذریعے ان کی کمزوریاں معلوم کرتی ہوں، ان کمزوریوں کے ذریعے سرمایہ داروں کو بلیک میل کرتی ہوں۔ یہ جو سرمایہ دار ہزاروں، لاکھوں ڈالر مجھے چندے کے طور پر دیتے ہیں تو یہ محض دکھاوا ہے۔ دراصل وہ میری بلیک میلنگ سے مجبور ہو کر اتنی رقمیں دیتے ہیں۔ میں یہاں کے حکام کی کمزوریوں سے بھی واقف ہوں۔ اگر اجازت ہو تو میں ان حکام کی کمزوریاں بیان کروں۔"

شیبا نے کہا "یہ میں بھی بیان کر سکتی ہوں لیکن اس میں میرے ملک کی اور میری موجودہ حکومت کی بدنامی ہے۔ میں ان حکام کو خود ہی بے نقاب کروں گی اور انھیں ان کے موجودہ عہدوں سے اتنا نیچے گرا دوں گی کہ وہ عوام کی نظروں سے بھی ہمیشہ کے لیے گر جائیں گے۔"

اس کی باتوں کے دوران ایک اور شخص دوڑتا ہوا ہال میں

داخل ہوا۔ وہ انٹیلی جنس کا ایک مانا ہوا سراغرساں تھا۔ اس نے بڑی عاجزی اور التجا آمیز نظروں سے شیبا کو دیکھا۔ میں نے اس کے دماغ میں کہا "تم میرے دشمن ہو۔ میں تمھیں کبھی معاف نہیں کروں گی لہٰذا اس سے پہلے کہ میں تمھیں دماغی جھٹکے پہنچاؤں، بولنا شروع کر دو۔"

وہ مجبور ہو کر کہنے لگا "میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دو۔ مجھے گولی مار دو۔ میں اعتراف کرتا ہوں، اپنے ملک کی انٹیلی جنس میں رہ کر ایک ذہین سراغرساں کی حیثیت سے نام کمانے کے باوجود میں سپر ماسٹر کا آدمی ہوں۔ درپردہ اس کے لیے جاسوسی کرتا ہوں اور یہاں کی اہم خبریں وہاں تک پہنچاتا ہوں۔ میں نے یہ اطلاع بھی پہنچا دی ہے کہ مس شیبا یہاں اغوا کر کے لائی گئی ہیں۔ آج رات دس بجے نیشنل آڈیٹوریم میں ان کی آمد پر ایک شاندار استقبالیہ دیا جائے گا۔ ایسے وقت میں شیبا کو اغوا کر کے کسی طرح بھی سپر ماسٹر کے ملک میں پہنچایا جا سکتا ہے۔"

چاروں طرف سے 'شیم، شیم، لعنت لعنت' کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ اسی وقت فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ کہیں سے گولی چلائی گئی تھی۔ وہ گولی اسی سراغرساں کو لگی، وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ دوسری بار فائر کی آواز سنائی دی۔ اس آواز سے پہلے شیبا کی لیڈی باڈی گارڈ نے اسے دھکا دے کر گرا دیا تھا، اگرچہ شیبا کو چوٹ پہنچی تھی مگر وہ بال بال بچ گئی تھی ورنہ دوسری گولی اس کے لیے تھی۔ اچانک اسٹیج کی بتیاں بجھ گئی تھیں۔ میں نے شیبا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ تاریکی میں تھی اور وہی لیڈی باڈی گارڈ اسے اپنے کاندھے پر اٹھائے ایک طرف دوڑتی جا رہی تھی۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں نے چونک کر اپنی خواب گاہ کے پچھلے دروازے کو دیکھا۔ وہاں مخصوص انداز میں دستک سنائی دے رہی تھی۔ میں نے دبے قدموں وہاں جا کر دروازے کو آہستگی سے کھولا۔ نیم تاریکی میں ایک عورت دکھائی دی۔ اس نے خود کو چادر میں چھپا رکھا تھا۔ میں نے آہستگی سے کہا "ابھی آ رہا ہوں۔"

میں جوتے وغیرہ پہننے کے لیے کمرے میں آیا۔ اسی دوران خیال خوانی کے ذریعے شیبا کی خبر لی۔ اس وقت تک وہ اپنی کار میں پہنچ گئی تھی۔ کمانڈو ایکس بھی موجود تھا۔ مجھے اس کی طرف سے فکر نہیں تھی۔ جس کار کے اندر پہنچ گئی تھی، وہ بلٹ پروف تھی۔ کمانڈو ایکس ڈرائیو کرتا ہوا اسے رہائش گاہ کی طرف لے جا رہا تھا، اس کے آس پاس دونوں لیڈی باڈی گارڈز اس کی حفاظت کے لیے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا "فکر نہ کرو۔ تم آرام سے اپنی رہائش گاہ تک پہنچ جاؤ گی۔ میں تمھاری خبر لیتا رہوں گا۔ ابھی میرا دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری ہے۔"

میں پھر حاضر ہوگیا۔ میں نے جوتے وغیرہ پہن لیے تھے۔ وہاں سے دبے قدموں چلتا ہوا پچھلے دروازے کی طرف آیا۔ پھر میں نے باہر نکل کر دروازے کو بند کر دیا۔ میں نہیں جانتا تھا، باہر میرے پاس چادر میں لپٹی ہوئی کون تھی۔ اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ہاتھ تھام لیا۔ اس کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی مگر ہاتھ کی نرمی اور گرمی سمجھا رہی تھی، کوئی دوشیزہ ہے۔ میں نے سرگوشی میں پوچھا "کیا آس پاس مسلح عورتیں نہیں ہیں؟"

اس نے جواب میں میرے ہاتھ کو اپنی طرف کھینچا، پھر ایک طرف لے کر چلنے لگی گویا وہ بیساکھی تھی اور میں اس کے ذریعے نامعلوم راستے پر چل رہا تھا۔ راستے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پاؤں تلے کوئی پختہ سڑک تھی۔ پہلے تو ہم رہائش گاہ کے بائیں باغ سے گزرتے رہے۔ پھر احاطے کو پار کرنے کے بعد اونچے نیچے راستوں سے گزرنا پڑا۔ کہیں میں ٹھوکر کھاتے کھاتے بچا۔ کہیں جان بوجھ کر ٹھوکر کھائی تاکہ اس کا سہارا ملے تو کچھ اور سمجھنے کا موقع ملے۔

کچھ دور جانے کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اس رہائش گاہ کی چند روشن کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہمارے ایک طرف لیڈی روزینہ کا فارم تھا۔ دوسری طرف اونچی پہاڑی تھی۔ ہم اس کے دامن میں سے اونچے نیچے راستے سے گزرتے جا رہے تھے۔ ہمیں کبھی کبھی اونچے پتھروں پر چڑھ کر دوسری طرف اترنا پڑتا تھا۔ کبھی چٹانوں کے سائے سے گزرنا پڑتا تھا۔ آخر بہت دور جانے کے بعد وہ رک گئی۔ میں نے پاس والی چٹان پر بیٹھ کر پوچھا "رکنے کی کیا ضرورت تھی۔ ابھی اور ٹھوکریں کھلاتی جاؤ۔ میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ تم میری زبان نہیں سمجھ رہی ہو۔"

میں نے چپ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ہمارے آس پاس اندھیرا تھا۔ میرے پاس لیڈی روزینہ کی آنکھیں نہیں تھیں، نہ ہی اینٹی ڈارک لینس تھا کہ پہن کر اس کی صورت دیکھ لیتا۔ شاید روشنی ہوتی تب بھی وہ نظر نہ آتی کیونکہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس طرح چادر میں اسے دیکھ کر اچانک ہی حدیقہ یاد آگئی۔

وہ میری زندگی کی پہلی اور آخری لڑکی تھی جو اسرار کے پردوں میں آئی تھی اور پردے ہی پردے میں ایسی رخصت ہوئی تھی کہ پھر ملاقات نہ ہو سکی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہوگی کس حال میں ہوگی؟

میں نے اس کا تصور کرتے ہوئے اپنے سامنے والی کا ہاتھ تھام لیا ـــــ جواباً وہ دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھ کو تھام کر انگلیوں کی اشاراتی زبان سے سمجھانے لگی۔ میں سمجھ رہا تھا، ابھی ہمیں اس پہاڑی پر کچھ بلندی تک چڑھنا ہے۔

میں نے اپنی زبان سے کہا "میں کیسے چڑھ سکتا ہوں یہاں تاریکی ہے۔ تم کس طرح راستہ سمجھ لیتی ہو؟"

اس نے پھر اشاراتی زبان سے کہا "میں نے آنکھوں پر اینٹی ڈارک لینس پہن رکھا ہے۔ اسی لیے چادر اوڑھ رکھی ہے تاکہ دور سے کسی مسلح عورت کو میری چمکتی ہوئی آنکھیں نظر نہ آئیں۔"

"میرے لیے بھی ایک اینٹی ڈارک آئی لینس لانا چاہیے تھا۔ میں اسے آنکھوں پر چڑھا کر تمھاری چادر میں چھپ جاتا تاہم دونوں اسی طرح اپنے سروں کو چادر میں چھپائے اس پہاڑی پر چڑھ جاتے۔"

اس نے جواب میں میرے ایک ہاتھ پر کچھ رکھا۔ میں نے دیکھا، وہ اینٹی ڈارک گاگلز تھا۔ اس کے شیشے اندھیرے میں چمک رہے تھے۔ میں نے اُسے پہن لیا۔ اس دوران اس لڑکی نے میرے سر پر چادر ڈال دی۔ اب کوئی دور سے دیکھتا تو میری چمکتی ہوئی آنکھیں نظر نہ آتیں۔

مجھے صاف طور پر نظر آرہا تھا۔ سب سے پہلے تو میں نے اس نظر سے فائدہ اُٹھا کر اُسے دیکھا جو میرے بالکل قریب تھی۔ اچھی تھی۔ رنگ و روپ میں پھول تھی، پتھر نہیں تھی۔ وہ آگے بڑھنے لگی تو میں پیچھے رہ گیا۔ چادر آگے پیچھے ہوگئی۔ میں جب آگے بڑھتا ہوا اس کے برابر ہوا تو وہ چند قدم چلنے کے بعد پیچھے ہوگئی۔ میری طرح قدم نہیں بڑھا سکتی تھی۔ ہم اونچائی پر چڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا "اگر راستہ ہموار ہوتا تو آگے پیچھے ہوجاتے۔ اس بلندی پر چڑھنے کے لیے ہمیں ایک ساتھ قدم اُٹھانا ہوگا۔ ایک ساتھ آگے بڑھنا ہوگا اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔ اس طرح..."

میں نے اس کے بازو میں ہاتھ ڈالا۔ وہ قریب آگئی پھر اسے بھی میرا سہارا لینا پڑا۔ پہلے وہ میری بیساکھی تھی۔ اب میں اسے سہارا دے کر بلندی کی طرف چڑھتا جارہا تھا۔

ہمیں زیادہ اوپر نہیں جانا پڑا۔ تقریباً پچیس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر وہ رک گئی۔ ہانپنے لگی۔ بارش میں بھیگی ہوئی چڑیا۔ سہمی ہوئی کبوتری اور تھکی ہوئی عورت بہت پیاری لگتی ہے۔ وہ وہاں ایک جگہ بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اگرچہ ہم زیادہ بلندی پر نہیں تھے۔ آسمان ہم سے دور تھا تاہم ٹمٹماتے ہوئے ستارے آس پاس نظر آرہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا، میری رہنمائی کرنے والی مجھے ستاروں کی دنیا میں لے آئی ہے۔ اس کی آنکھوں پر اینٹی ڈارک گاگلز تھے۔ ان میں بھی ستارے چمک رہے تھے۔

ایسے گاگلز دو طرح کے ہوتے ہیں۔ انھیں پہننے کے بعد ہر چیز تاریکی میں نیلی نیلی سی نظر آتی ہے یا پھر ہر شے سرخ دکھائی دیتی ہے۔ وہ بھی سرخ نظر آرہی تھی۔ جیسے ایک لپکتے ہوئے شعلے کو تراش کر ہانپتا کانپتا مجسمہ بنا کر میرے سامنے پہنچا دیا گیا ہو۔

وہ گاگلز کے پیچھے مجھے دیکھ رہی ہوگی۔ اس کے لب خاموش تھے۔ ساز خاموش ہی رہتا ہے۔ کوئی چھیڑے تو بولتا ہے اور سُر میں بولتا ہے۔ آخر وہ بھی بولنے لگی مگر اس کی زبان سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں نے کہا "زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم (میرے یار کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی نہیں جانتا)۔"

اس بات پر وہ انگلیوں کے اشارے سے اپنی بات سمجھانے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی "یہاں سے دو قدم آگے بڑھو۔ ایک چھوٹا سا غار دکھائی دے گا۔ ہمیں اس کے اندر جانا ہے۔ ماسٹر کی وہیں لیڈی روزینہ سے ملنے آئے گا۔ ان کے آنے سے پہلے ہمیں وہاں چھپ کر رہنا ہوگا۔"

"تم میری باتوں کا جواب دیتی آرہی ہو۔ اس کا مطلب ہے میری زبان سمجھتی ہو مگر بولنا نہیں چاہتیں۔"

وہ کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے دو چار قدم کے فاصلے پر ہی ایک گڑھا دیکھا۔ بظاہر تو وہ ایک خندق سی دکھائی دیتی تھی مگر وہ غار کا دہانہ تھا۔ اس کے اندر نہ جانے کتنی دور تک راستہ گیا ہوگا۔ وہاں ایسی کوئی جگہ ہوگی جہاں ماسٹر کی اور لیڈی روزینہ نے ملاقات کرنا مناسب سمجھا ہوگا ورنہ لیڈی روزینہ اسے اپنی رہائش گاہ میں بھی ملاقات کے لیے بلا سکتی تھی۔ میں نے ساتھی سے پوچھا "لیڈی نے اتنی دور ملاقات کرنا کیوں مناسب سمجھا۔ وہ آرام سے اپنی رہائش گاہ میں ماسٹر کی کو بلا سکتی تھی؟"

وہ اپنی زبان میں کہنے لگی "لیڈی روزینہ کسی بھی غیر مرد کو رہائش گاہ میں نہیں بلاتی۔ صرف وہی شخص وہاں داخل ہوسکتا ہے جو آئندہ اس کا شوہر بننے والا ہو۔"

ہم نے غار کے دہانے میں قدم رکھا، اینٹی ڈارک گاگلز کا یہ بڑا فائدہ ہے ایسی تاریکی میں ٹارچ وغیرہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ہر چیز دکھائی دیتی ہے۔ اب راستہ ہموار تھا۔ اس کے باوجود اس نے میرے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔

غار کے اندر چھوٹے بڑے پتھر تھے۔ ٹیڑھی میڑھی چٹانوں سے بنی ہوئی دیواریں تھیں۔ سر اُٹھا کر دیکھنے سے اس کی چھت پر ایسی نوکیلی چٹانیں بھی نظر آتی تھیں جیسے وہ اب تب میں سر پر گر پڑیں گی۔ ہم جس سرنگ نما راستے سے گزر رہے تھے، اس راستے پر اونچے اونچے پتھر تھے۔ ہمیں کبھی ان پتھروں پر چڑھ کر دوسری طرف جانا پڑتا تھا اور کبھی ان پتھروں اور دیواروں کے درمیانی شگاف سے گزرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ راستہ دشوار گزار تھا تاہم اپنے آپ کو چھپائے رکھنے کے لیے ایسی جگہیں تھیں جہاں ہمیں کوئی ڈھونڈ نہیں سکتا تھا۔

ہم اس غار میں تقریباً سو گز کے فاصلے تک چلتے گئے پھر ایک کشادہ سی جگہ آئی۔ جیسے پتھروں کو تراش کر ایک چھوٹا سا ہال بنا دیا گیا ہو۔ اس ہال میں بھی مختلف جگہ بڑے بڑے اونچے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ ٹیڑھی میڑھی چٹانوں میں چھپنے کی جگہ تھی۔ میں نے کہا "شاید وہ اسی جگہ ملاقات کریں گے۔"

ساتھی نے تائید میں سر ہلایا مگر میرا ہاتھ تھام کر آگے بڑھتی گئی۔ ہم ایک بڑے شگاف سے گزر کر اس ہال نما جگہ سے آگے بڑھ گئے۔ وہ میرا ہاتھ چھوڑ کر ایک چٹان پر چڑھنے لگی۔ اس کے بعد میں اس چٹان پر آگیا لیکن یہ پہلی چڑھائی نہیں تھی۔ ہم مختلف پتھروں اور چٹانوں پر چڑھتے چلے گئے۔ جب ایک جگہ پہنچ کر رکے تو مجھے وہی ہال نما مقام نظر آیا جہاں سے ہم گزر کر آئے تھے اور جہاں ماسٹر کی، لیڈی روزینہ سے ملنے والا تھا۔ گویا ہم اس ہال کی چھت پر ایسی جگہ پہنچ گئے تھے جہاں آرام سے بیٹھ کر یا لیٹ کر انھیں دیکھ سکتے تھے اور ان کی باتیں سن سکتے تھے مگر انھیں نظر نہیں آسکتے تھے۔

وہاں پہنچ کر میری رہنما ساتھی نے اپنے شانے سے ایک بیگ کو اتارا۔ اُسے ایک طرف رکھ دیا۔ پھر ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ غار میں پہنچنے کے بعد ہم نے چادر اتار دی تھی۔ اس کا سراپا میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں پاس آکر بیٹھ گیا۔ سردی شباب پر تھی۔ ہم نے موسم کی مناسبت سے گرم لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر فر کی ٹوپیاں تھیں جو کانوں کو ڈھانپ رہی تھیں۔ پاؤں میں گرم موزے اور بے آواز چرمی جوتے تھے۔ میں نے پوچھا "وہ کب تک آئیں گے؟"

اس نے اشاروں کی زبان سے کہا "میں نہیں جانتی۔ مادام نے مجھ سے کہا تھا، میں رات کے نو بجے تمھیں یہاں لاکر چھپا دوں۔ وہ ایک گھنٹے بعد بھی آسکتے ہیں اور آدھی رات کے بعد بھی پہنچ سکتے ہیں۔ ان کا انتظار تکلیف دہ ہوگا مگر انتظار کرنا ہی پڑے گا۔"

"جہاں تمھاری جیسی رہنما ساتھی ہو وہاں انتظار کی طوالت کا پتا ہی نہیں چلتا۔ ساری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی ہے۔"

اس نے انگلیوں کے اشاروں سے کہا "اگر تم زبان سے نہ بولو صرف اشاروں میں گفتگو کرو تو بہتر ہوگا۔ وہ کسی وقت بھی پہنچ سکتے ہیں۔ یوں تمھاری آواز ان کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے۔"

"تمھارا حکم سر آنکھوں پر۔ لو، زبان بند کرلی۔ ہونٹ سی لیے۔ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔"

میں چپ ہوگیا۔ وہ پہلے ہی گونگی بنی ہوئی تھی ہم دونوں بڑی خاموشی سے پہاڑ جیسے وقت کو کاٹنے لگے۔ وقت پہاڑ بن جائے تو اسے محبت سے، شناسائی سے، رازداری سے دھیرے دھیرے کاٹا جاتا ہے۔

پھر بہت سارا وقت گزر گیا۔ رات خاموش رہی۔ غار میں سناٹا رہا۔ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی نہیں دی۔ شکار کے پھنسنے کا انتظار کرنا بڑا ہی صبر آزما ہوتا ہے۔ ایسی صبر آزمائی کو مچھلی کا شکار کرنے والے ہی سمجھتے ہیں کہ کس طرح پانی میں لاسہ ڈال کر صبح سے شام ہوجاتی ہے۔ بعض اوقات پھر بھی مچھلی نہیں پھنستی۔

لیکن سونیا دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔ اس نے لیڈی روزینہ کا مکمل پروگرام معلوم کیا ہوگا۔ تبھی مجھے اس لڑکی کے ساتھ یہاں تک پہنچایا تھا۔ وہ خود کہاں تھی، یہ میں نہیں جانتا تھا۔ بس اتنا جانتا تھا کہ اس کی پلاننگ کے مطابق مچھلی نہیں مگر مچھ پھنسنے والا ہے۔

◈

شیبا کو میں نے اس مقام پر چھوڑا تھا جب وہ انجانے دشمنوں کی گولیوں کی زد میں تھی۔ ایک لیڈی باڈی گارڈ نے اسے اپنے کاندھے پر اُٹھا کر وہاں سے بھاگتے ہوئے اس کی جان بچائی تھی اور اسے بلٹ پروف کار کے اندر پہنچا دیا تھا۔

یہ سمجھنے کے لیے زیادہ ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ کس نے اس پر گولی چلائی۔ یہ فائرنگ اس وقت شروع ہوئی جب اسرائیلی انٹیلی جنس کا ایک جاسوس بہت بُری حالت میں نیشنل آڈیٹوریم کے اسٹیج پر آیا تھا۔ اپنی غلطی کی معافی چاہی تھی۔ اسے شیبا کے استقبال کے لیے آنا چاہیے تھا لیکن وہ محض اسی ڈر سے نہیں آرہا تھا۔ اس کا راز فاش ہوجاتا۔ آخر وہی ہوا۔ ٹیلی پیتھی نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ اسے اسٹیج پر آکر اعتراف کرنا پڑا کہ بظاہر وہ اسرائیلی انٹیلی جنس کا ایک یہودی ذہین سراغرساں ہے لیکن سُپر ماسٹر کے لیے کام کرتا ہے اور اس نے یہ اطلاع پُراسرار سُپر ماسٹر تک پہنچا دی ہے کہ شیبا کو اغوا کرکے تل ابیب پہنچا دیا گیا ہے۔

نیشنل آڈیٹوریم میں یقیناً سُپر ماسٹر کے دوسرے آدمی چھپے ہوئے تھے۔ وہ بھلا یہ کیسے برداشت کرتے کہ ان کا بھید کھل جائے لہٰذا انھوں نے فائرنگ شروع کردی۔ اس طرح فائرنگ کے ذریعے وہ لوگوں میں کھلبلی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ پہلی ہی فائرنگ پر وہ یہودی جاسوس چکرا کر گرا تو بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اسٹیج کی لائٹ آف ہوگئی تھی۔ وہ اسی ہلچل، اسی ہنگامے میں شیبا کو اغوا کرنا چاہتے ہوں گے مگر انھیں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ بحفاظت، بخیریت اپنی رہائش گاہ میں پہنچ گئی تھی۔

تل ابیب میں رات کے تین بج چکے تھے۔ میں نے سوچا۔

شاید وہ سو رہی ہو گی۔ اس کے دماغ میں جاؤں گا۔ اگر خوابیدہ ہوئی تو چپ چاپ چلا آؤں گا مگر وہ جاگ رہی تھی۔ بے چین سی تھی حالانکہ شاہانہ طرز کا بستر تھا۔ خوبصورت سی سجی ہوئی خواب گاہ تھی۔ کنیزیں سلانے کے لیے موجود تھیں۔ موسیقی کا ایسا انتظام تھا کہ وہ جس طرز کے گانے سن کر سونا چاہتی'.... وہ سب مہیا کر دیے جاتے۔ پھر بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

اس کی سوچ نے بتایا۔ وہ جگہ اجنبی سی لگ رہی ہے اور اجنبی ماحول میں نیند نہیں آتی۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: "سونے کی کوشش کرو۔ رات بھر جاگنا مناسب نہیں ہے۔"

"میں بہت کوشش کر چکی ہوں۔ اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سونا نہیں چاہتی۔"

"وہ کیوں؟"

"ہدایات دینے کے بعد گہری نیند آجاتی ہے' میں نے فیصلہ کر لیا ہے' جب تک تمہارے پاس نہیں آجاؤں گی' سکون سے نیند پوری نہیں کروں گی۔"

"شیبا' یہ سب مقدر کے کھیل ہیں۔ تم میرے پاس آنا چاہتی تھیں۔ اچانک ایسے حالات پیش آ گئے۔ تم کسی نادان بچی کی طرح یوں فیصلے نہ کرو۔ چلو' بستر پر لیٹ جاؤ میں تمہیں ٹیلی پیتھی کے ہاتھوں سے تھپک تھپک کر سلا دوں گا۔"

میرے سمجھانے منانے پر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ پھر میں اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے تھپکنا ہی چاہتا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ میں چونک گیا۔ اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھل رہا تھا اور لیڈی باڈی گارڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: "کمانڈو ایکس! اس وقت مس شیبا کے کمرے میں جانا مناسب نہیں ہے۔"

شیبا نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ کھل چکا تھا۔ وہاں کمانڈو ایکس کھڑا ہوا لیڈی باڈی گارڈ سے کہہ رہا تھا: "یو شٹ اپ' تمہاری جو ڈیوٹی ہے' اسے انجام دو۔ میں دروازے کو اندر سے بند کر رہا ہوں۔"

لیڈی باڈی گارڈ نے کہا: "تم بھول رہے ہو۔ مس شیبا کو یہاں پہنچانے سے پہلے یہ طے کیا گیا تھا کہ ان کی خواب گاہ کے دروازوں میں اندر سے چٹخنی نہیں لگائی جائے گی ورنہ مس شیبا اسے اندر سے بند کر کے ٹیلی پیتھی کے ذریعے باہر والوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔"

کمانڈو ایکس نے چونک کر اس دروازے کو دیکھا۔ واقعی اندر سے چٹخنی لگی ہوئی نہیں تھی۔ اس نے ناگواری سے کہا: "ٹھیک ہے۔ تم باہر جاؤ اور اس دروازے کو لاک کر دو۔ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دینا۔ جب تک میں نہیں کہوں گا' یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے دروازے کو بند کر دیا۔

شیبا نے بستر سے اترتے ہوئے پوچھا: "یہ کیا حرکت ہے؟ تم میری اجازت کے بغیر یہاں کیوں آئے ہو۔ دروازہ کیوں بند کیا ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا: "رات ہے' تنہائی ہے' کوئی مداخلت کرنے والا نہیں ہے۔ کوئی تمہیں اپنی طرف متوجہ بھی نہیں کرے گا لہٰذا مجھے غور سے دیکھ سکتی ہو۔ اچھی طرح پرکھ سکتی ہو۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولا: "مجھے اچھی طرح دیکھو۔ کیا میں فرہاد سے کسی طرح کم ہوں۔ میرے مردانہ حسن پر ہزاروں لڑکیاں مرتی ہیں مگر میں کسی کو لفٹ نہیں دیتا۔"

وہ ذرا فاصلے پر آکر رک گیا۔ پھر شیبا کے چاروں طرف پروانے کی طرح گھومنے لگا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں نے سوچ رکھا تھا' کسی ایسی لڑکی سے شادی کروں گا جو میری ہم پلہ ہو۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے' کوئی عورت مجھ جیسے شہ زور کی برابری نہیں کر سکتی مگر علم و ہنر میں' دوسری صلاحیتوں میں مجھ سے بڑھ کر ہو سکتی ہے اور تمہارے پاس ٹیلی پیتھی کا علم ایسا ہے جس نے تمہیں میرے برابر کر دیا ہے۔"

شیبا نے حقارت سے کہا: "اونہہ' میری برابری کرتے آئے ہو۔ کیا حرام موت مرنا چاہتے ہو؟"

اس نے قہقہہ لگایا۔ پھر کہا: "مانتا ہوں' تمہارا علم اس دنیا کا سب سے خطرناک ہتھیار ہے لیکن میرے لیے بے اثر ہو گا۔ تم کبھی میرے دماغ میں نہ پہنچ سکو گی' نہ نقصان پہنچا سکو گی۔"

اس نے چاروں طرف گھومتے ہوئے سامنے آکر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "خبردار' مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔"

"چھڑا کر دیکھ لو۔ میری گرفت بہت ہلکی ہے۔ پھر بھی یہ پھول جیسے ہاتھ نکل نہیں سکیں گے۔"

اس نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اچانک اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ اس نے سانس روک لی۔ پھر کہا: "دماغ میں آنا چاہتی ہو۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' میری اجازت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔"

میں پریشان ہو گیا۔ اس کا دماغ میرے ہاتھ نہیں آ رہا تھا اور شیبا جسمانی طور پر نازک سی تھی۔ وہ لڑنا نہیں جانتی تھی۔ لڑنا تو دور کی بات ہے' اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ چیخنے لگی۔ "فرہاد' مجھے بچاؤ' اس درندے سے بچاؤ۔"

وہ ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا: "میں آج تمہیں اتنی محبت

دوں گا' اتنی مسرتیں دوں گا کہ تم فرہاد کو بھول جاؤ گی۔"

میں بعض حالات میں کس قدر بے بس ہو جاتا ہوں' یہ اس وقت پتا چل رہا تھا۔ میں جسمانی طور پر اتنی دور نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دماغی طور پر شیبا کے کام نہیں آ سکتا تھا۔ کمرہ بند تھا۔ بھلا اس کی مدد کون کر سکتا تھا جب کہ.... کمانڈو ایکس اس کی خواب گاہ میں تھا۔ اس کی موجودگی بتا رہی تھی کہ شیبا کے دماغ سے فرہاد کو مٹانے کے لیے یہ چال چلی جا رہی ہے اور اس منصوبے میں کمانڈو ایکس کے بڑے بھی شامل ہیں۔ اسی لیے اسے چھوٹ دی گئی ہے۔

وہ شیبا کو دونوں بازوؤں میں اٹھائے پلنگ کے پاس آیا۔ پھر اسے بستر کے ملائم گدے پر پھینک دیا۔ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ چیخ چیخ کر فرہاد سے مدد طلب کرو' جب وہ تمہارے کام نہ آئے تو سمجھ لو' وہ ناکارہ ہے۔ مرد اسے کہتے ہیں جو ایسے نازک وقت پر عورت کے کام آئے۔"

شیبا میری ہدایت کے مطابق اچانک ہی ہنسنے لگی۔ بستر پر لوٹ کر ذرا دور گئی۔ پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی: "ابھی ابھی فرہاد نے ثابت کر دیا ہے' وہ ناکارہ نہیں ہے۔ وہ کام آ رہا ہے' اب تم کسی کام کے نہیں رہو گے۔"

وہ فاتحانہ انداز میں اس کے قریب آنا چاہتا تھا مگر یہ باتیں سن کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ شیبا کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا: "کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ فرہاد یہاں آئے گا اور میرے ہاتھوں بے موت مرے گا؟"

"کوئی ضروری نہیں ہے' وہ خود پہنچے۔ اس نے میری حفاظت کے انتظامات پہلے ہی کر دیے ہیں۔"

وہ بستر سے اتر گئی۔ پلنگ کے دوسری طرف سے چلتے ہوئے ادھر سے گھوم کر کمانڈو ایکس کے پاس آتے ہوئے بولی: "میں خود قریب آ رہی ہوں لیکن تم مجھے ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔"

وہ قریب آ گئی۔ کمانڈو ایکس نے ہاتھ بڑھایا۔ اسی لمحے اس کا ہاتھ کسی کی گرفت میں آیا۔ ایک جھٹکا سا لگا۔ کسی نے جوڈو کا داؤ استعمال کیا تھا۔ وہ الٹ کر قلابازی کھاتا ہوا دور جا کر فرش پر چاروں شانے چت ہو گیا۔

کوئی اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا' یہ بات وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس نے یکبارگی الٹی قلابازی کھائی اور فرش پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو شیبا کے پاس وہی لیڈی باڈی گارڈ کھڑی ہوئی تھی۔ کمانڈو ایکس نے غصے اور حیرانی سے اس کی طرف انگلی اٹھا کر پوچھا: "تم؟ کیا تم نے میرے ساتھ یہ گستاخی کی ہے؟"

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی: "گستاخی نہیں' حجامت کی ہے۔ تم یہ بھول گئے تھے کہ میں شیبا کی باڈی گارڈ ہوں۔"

کمانڈو ایکس بڑی پھرتی سے پینترے بدلتا ہوا آیا۔ پھر لیڈی باڈی گارڈ پر حملہ کیا۔ یقیناً اس کا حملہ کامیاب ہوتا لیکن وہ باڈی گارڈ پینترے بدل کر دور نکل گئی تھی۔ پھر اس نے کہا: "کمانڈو ایکس! مجھے بابا صاحب کے ادارے میں جو پہلا سبق سکھایا گیا ہے وہ یہ کہ لڑتے وقت کبھی غصے' جوش اور جذبات میں نہیں آنا چاہیے۔ دوسری بات جو سکھائی گئی وہ یہ کہ کسی شہ زور کے ہاتھ نہیں آنا چاہیے۔ دور ہی دور سے تاک کر حملے کرنے چاہئیں۔"

کمانڈو ایکس' بابا صاحب کے ادارے کا حوالہ سنتے ہی ٹھٹک گیا تھا۔ اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا: "تم کون ہو؟"

"میں ایک چیلنج ہوں۔ جب تک یہاں موجود ہوں' تم شیبا کو ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔"

وہ پینترا بدلتے ہوئے بولا: "شاید تمہیں میری قوت کا اندازہ نہیں ہے۔ ابھی تمہارا چیلنج خاک میں مل جائے گا۔ لیکن تم نے بابا صاحب کے ادارے کا حوالہ دیا ہے۔ بتاؤ' کون ہو تم؟"

وہ جواباً پینترے بدلتے ہوئے بولی: "تمہاری دنیا کے دہشت گرد مجھے ناگہانی بلا کہتے ہیں۔ ویسے میرا نام آمنہ ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے گھوم کر اس کے منہ پر ایک لات رسید کی۔ پھر کہا: "اور جس کے دن پورے ہو جاتے ہیں' وہی آمنہ کا سامنا کرتا ہے۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ اچانک ٹوٹ گیا۔ رہنمائی کرنے والی لڑکی نے میرے بازو کو ہولے سے جھنجوڑا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ انگلیوں کی اشارتی زبان سے کہہ رہی تھی۔ "سنبھل جاؤ۔ ماسٹر کی آ رہا ہے۔"

میں نے چونک کر اپنی ساتھی کو دیکھا۔ خیال خوانی کے بعد کوئی چونکا دے تو یوں لگتا ہے جیسے ابھی آنکھ کھلی ہو۔ کچھ سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے ذرا مہلت درکار ہوتی ہے۔ ویسے سنبھلنے میں دیر نہیں لگی۔ پلک جھپکنے سے پہلے میں شیبا اور آمنہ کے پاس تھا۔ آمنہ کو کانڈوائنس سے دو دو ہاتھ کرتے دیکھ رہا تھا اور پلک جھپکنے کے بعد دماغی طور پر حاضر ہو گیا تھا۔ میری ساتھی نے پھر اشاروں کی زبان سے کہا۔ "ماسٹرکی آ رہا ہے۔"

میں نے بھی سرگوشی میں کہا "لیٹ جاؤ۔ ورنہ وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ ہم دونوں ہی اس چٹان پر لیٹ گئے۔ وہ چٹان ایسی تھی جیسے کسی عمارت کی ٹیرس کا کچھ حصہ باہر کی طرف نکلا ہوا ہو۔ ہم اس غار کے اندر تھے اور وہ قدرتی ٹیرس ہمارے بڑے کام آ رہی تھی۔ ہم اوندھے لیٹ کر آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اس کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ نیچے غار میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن قدموں کی دبی دبی آواز سنائی دے رہی تھی۔

سونیا کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ یقیناً ماسٹرکی آ رہا ہوگا۔ اس کے چیلنج کے مطابق ہماری ٹیلی پیتھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ اس نے دعویٰ کیا تھا، میرے ہاتھ پاؤں توڑ کر مجھے معذور بنا کر دنیا والوں کے سامنے میرا عبرت ناک انجام پیش کرے گا۔ ایسے دعوے کرنے والا یقیناً ہاتھ پاؤں کا مضبوط ہوگا۔ یوں بھی یوگا میں مہارت حاصل کرنے والے جسمانی اور دماغی طور پر صحت مند اور طاقت ور ہوتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کس طرح ہمارے قابو میں آ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یقیناً سونیا نے بھی کچھ سوچ رکھا ہوگا۔

میں نے لیٹے ہی لیٹے سر آگے بڑھا کر دیکھا نیچے غار کے ہال نما حصے میں دو مسلح عورتیں نظر آئیں۔ لیڈی روزینہ کے فارم کی عورتیں فوجی طرز کا مخصوص لباس پہنتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ مخصوص وردی میں تھیں ان کے شانوں پر اسٹین گنیں لٹک رہی تھیں۔ ان کے بعد اور مسلح عورتیں آنے لگیں۔ ان میں سے ایک پارٹی لیڈر تھی۔ وہ آنے والی مسلح عورتوں کو ان کی ڈیوٹی کی جگہ بتاتی جا رہی تھی۔ کچھ عورتیں اس کی ہدایت کے مطابق مختلف چٹانوں پر جا کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ کچھ بڑے بڑے پتھروں کے پیچھے جا کر چھپ گئی تھیں۔ اس غار میں تاریکی تھی۔ مسلح عورتیں ہماری طرح اینٹی ڈارک گاگلز پہنے ہوئے تھیں۔

وہ جو میرے ساتھ چٹان پر اُلٹی لیٹی ہوئی تھی، تھکے ہوئے انداز میں کروٹ لے کر چاروں شانے چت ہو گئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ انگلیوں کے اشارے سے کہہ رہی تھی "ابھی دیر ہے۔ یہ تمام مسلح عورتیں لیڈی روزینہ کے لیے احتیاطی تدابیر کر رہی ہیں۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ روزینہ ان کی باس تھی۔ ماسٹرکی سے اگرچہ دوستانہ تھا۔ تاہم حفاظتی تدابیر لازمی تھیں۔ ان کے آنے تک میری سوچ کی لہروں نے پرواز کی۔ میں پھر شیبا اور آمنہ کے پاس پہنچ گیا۔

آمنہ کون ہے؟ میری داستان پڑھنے والے یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کے باوجود جب پرانے کردار سامنے آتے ہیں، میں ان کا تعارف بار بار کراتا ہوں کیونکہ اس داستان کو پڑھنے والوں میں ہر ماہ نئے قارئین کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ نئے قارئین چاہتے ہیں کہ پڑھتے وقت ہر کردار کو اس کے واقعاتی تسلسل کے ساتھ سمجھتے جائیں۔

آمنہ کی زندگی بھی عجیب تھی۔ وہ ایک بے حد حسین دوشیزہ تھی لیکن خود کو بابر جلال کی بیوہ سمجھتی تھی۔ اس نے بابر کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔ اس کی خاطر وہ نگر نگر گھومتی رہی تھی۔ آگ اور خون کے دریاؤں سے گزرتی رہی تھی۔ اس کی خاطر اس نے دہشت گردوں کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ وہاں رہ کر وہ آگ سے شعلہ بن گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی سا ہتھیار ہو، وہ سچا نشانہ لگاتی تھی۔ ہتھیار نہ ہو تب بھی مقابل آنے والوں کے چھکے چھڑا دیتی تھی۔ دشمنوں کی سرحدوں میں گھس کر بڑی بڑی تنظیموں اور سرکاری اداروں کے راز چرا لانا اس کے لیے بڑی بات نہیں تھی۔ وہ خطرات سے جان بوجھ کر کھیلتی تھی، اسے اپنی زندگی بوجھ لگتی تھی۔ اس کا محبوب بابر جلال اس دنیا میں نہیں رہا تھا اس لیے وہ بھی نہیں رہنا چاہتی تھی.... لیکن کوئی کارنامہ کرتے ہوئے جان دینا چاہتی تھی۔ شاید اسی لیے بڑی بے باکی اور بے خوفی سے خطرناک مہم سر کر لیتی تھی۔

وہ بابر جلال سے آخری بار اپنی شادی کے دن ملی تھی۔ وہ ایک دن کی دلہن تھی۔ ایک رات کی نہیں تھی کیونکہ اسے سہاگ رات گزارنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس سے پہلے ہی دشمنوں نے بابر کو اغوا کر لیا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے اسے اغوا کیا جاتا تو دشمن ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔ وہ موت بن کر ان پر جھپٹ پڑتی۔ اس نے اپنے گمشدہ شوہر کو تلاش کرنا شروع کیا۔ بعد میں پتا چلا، ماسٹرکی کے آدمیوں نے ایسا کیا ہے۔ پھر تو وہ ماسٹرکی کے لیے دردِ سر بن گئی تھی۔

وہ وقتاً فوقتاً ماسٹرکی کے سنڈیکیٹ سے تعلق رکھنے والے افراد کا سامنا کرتی تھی۔ پھر انھیں بڑی اذیتیں دے کر مار ڈالتی

تھی۔ پہلے تو اُن سے بابر کا پتا دریافت کرتی تھی۔ پتا نہ ملنے پر ان کی لاش کے ساتھ ایک پرچی لکھ کر لگا دیتی تھی۔ وہ پرچی ماسٹرکی کے لیے چیلنج ہوتی تھی۔ اس پر لکھا ہوتا تھا "بابر کو واپس کر دو۔ ورنہ تمھاری سنڈیکیٹ کا ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہے گا۔"

اس نے اپنے محبوب کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی کوششیں کیں۔ وہ بے چاری نہیں جانتی تھی کہ اس کا محبوب اور ایک دن کا شوہر انتہائی اذیتیں برداشت کرنے کے بعد مر چکا ہے۔ پھر میں بابر جلال کے روپ میں اس کے سامنے آیا۔ ڈاکٹر شیفرڈ نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے مجھے سر سے پاؤں تک مکمل بابر جلال بنا دیا تھا۔ صرف آواز مختلف تھی جس کی وجہ سے وہ الجھتی رہتی تھی۔ میں نے بھی اسے یہ تاثر نہیں دیا کہ وہ مجھے بابر ہی سمجھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ جو اپنے محبوب کو اتنی دیوانگی سے چاہتی ہے، میں اسے دھوکا دوں، اس کے محبوب کا روپ اختیار کر کے اس کی محبت سے کھیلوں اور اس کی سچی محبت پر ایک بدنما داغ بن جاؤں۔

ویسے وہ خود پر ظلم کر رہی تھی۔ اتنی حسین تھی کہ کوئی بھی اُسے ہمیشہ کے لیے اپنا سکتا تھا۔ وہ آگ اور بارود سے کھیلنے والی عورت تھی مگر اُسے چاہنے والا تمام عمر اس پر شاعری کر سکتا تھا۔ کوئی اسے اپنانے والا میوہ کھانے کا عادی ہو تو اس کی آنکھوں کو بادامی کہتا۔ شراب پینے والا ہو تو اسے میخانہ کہتا۔ دودھ پینے والے بڑی بڑی کٹورا سی آنکھیں سمجھتے۔ شکار کرنے والے خوبصورت ہرنی کی آنکھوں سے تشبیہ دیتے۔ وہ آنکھیں غضب ناک بھی تھیں اور حیا پرور بھی۔ میں کئی بار ان آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھٹکتے بھٹکتے رہ گیا۔ آخری بار اس سے ایک اسپتال میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں زخموں سے چُور تھا اور اسے معلوم ہو چکا تھا کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ حقیقت معلوم ہونے پر اسے بڑا دکھ ہوا تھا۔ وہ مجھے بابر کی جگہ نہیں دیتی تھی لیکن بابر کی تصویر سمجھ کر میری قدر کرتی تھی۔ مجھے ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی تھی۔ جب وہ آخری بار میرے پاس آئی تو میں نے محبت اور ہمدردی سے کہا "آمنہ! میرے پاس آؤ، اتنی اداس کیوں ہو؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے بستر کے پاس آئی تھی۔ مجھے ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے اپنے بابر کو ڈھونڈ رہی ہو۔ میں نے اسے سمجھا دیا "میں تمھیں ساری حقیقت بتا چکا ہوں۔ تم نے کہا تھا، میں بابر نہ سہی، اس کی زندہ تصویر ہوں۔ جب اپنے اس دنیا سے اُٹھ جاتے ہیں تو تسلی کے لیے ان کی تصویروں کو دیوار پر آویزاں کیا جاتا ہے۔ ان کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔۔۔ میں بھی آج ایک تصویر کی طرح تمھارے سامنے ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر کہہ رہی تھی "اگر تم کوئی اور ہوتے۔ فرہاد علی تیمور نہ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

میں نے پوچھا تھا "میرے فرہاد ہونے پر تمھیں کیا اعتراض ہے؟"

اس نے سرد آہ بھر کر کہا تھا "تم بہت مہنگے ہو۔ بہت ریزرو رہتے ہو۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں، کوئی تم سے ملنا چاہے تو اسے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑنا پڑتا ہے۔ تم کوئی اور ہوتے تو میں ہر قیمت پر تمھیں حاصل کر لیتی اور اپنے ساتھ رکھتی۔ خدا گواہ ہے کہ ساتھ ضرور رکھتی مگر تمھیں بابر کا مقام کبھی نہ دیتی۔"

ایسا کہتے وقت وہ میرے چہرے پر جھک گئی تھی۔ مجھے خوب غور سے دیکھ رہی تھی۔ میرے چہرے کا ایک ایک نقش بابر کے نقوش کا پرتو تھا۔ میں نے کہا "میں تمھاری صلاحیتوں کو ضائع نہیں ہونے دوں گا۔ تم کہیں بھٹکنے کے لیے نہیں جاؤ گی۔ ہمارے ساتھ رہو گی۔ اعلیٰ بی بی تمھیں بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں پہنچائے گی۔ وہاں کے امتحانات پاس کرنے کے بعد تم ہماری ٹیم میں شامل ہو جاؤ گی۔ بولو، ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟"

اس نے پھر ایک گہری سانس لے کر کہا تھا۔

"اے شمع تیری عمرِ طبعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے"

اور میں رونا نہیں جانتی۔ ہنستے ہنستے پہاڑ جیسی زندگی گزار دوں گی۔ اس سے زیادہ مناسب اور کیا ہو سکتا ہے کہ مجھے بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں جگہ مل جائے اور میں تم لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔"

وہ دن ہے اور آج کا دن، آمنہ ہمارے ساتھ رہی تھی۔ وہ تین ماہ تک ادارے میں رہ کر انسانی نفسیات کی اسٹڈی کرتی رہی۔ شیخ الفارس نے اسے بتایا کہ دشمن کے نفسیاتی عمل اور ردِعمل کو، اس کے جذبات اور اس کے احساسات کو کس طرح سمجھنا چاہیے اور کس طرح اپنی مرضی کے مطابق اسے عمل اور ردِعمل پر مجبور کرنا چاہیے۔

اسے نشانہ بازی کی مشق کرانے اور خالی ہاتھ مقابلہ کرنے کے طور طریقے سکھانے کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو دہشت گردوں میں رہ کر بندوق سے نکلی ہوئی اندھی گولی بن گئی تھی۔ تین ماہ کے بعد اسے بہت ہی خفیہ طریقے سے اسرائیل پہنچا دیا گیا۔ جناب شیخ الفارس نے پہلے ہی آنے والے وقت کو بھانپ لیا تھا۔ شیبا جس دن ہمارے ادارے میں پہنچی، اسی دن سے انھوں نے سوچنا شروع کیا کہ حکومتِ اسرائیل کی طرف سے بڑا سخت ردِعمل ہوگا اور بڑی

سازشیں ہوں گی۔ باباصاحب کے ادارے سے کامیاب ہونے والے دنیا کے ہر ملک، ہر شہر میں پہنچتے تھے اور نمایاں مقام حاصل کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے کچھ افراد ایسے تھے جو تل ابیب میں پہلے سے موجود تھے۔ وہاں کی ایک سیکیورٹی فورس عورتوں کے لیے مخصوص تھی۔ اس فوج میں ایسی عورتوں کو بھرتی کیا جاتا تھا جو لاوارث ہوتی تھیں یا اس بات کی قسم کھاتی تھیں کہ سیکیورٹی فورس میں داخل ہونے کے بعد وہ اپنے عزیزو رشتے داروں سے، دوست احباب سے کبھی کوئی تعلق نہیں رکھیں گی۔ نہ ہی کسی قسم کا رابطہ ان سے قائم ہوگا اور نہ وہ زندگی کے کسی حصے میں ان سے ملنے کی خواہش کریں گی۔

ایسی لڑکیوں کو ٹریننگ کے دوران ایک بہت بڑے قلعہ نما ہاسٹل میں رکھا جاتا تھا جہاں صرف فوج کے چند اعلیٰ افسران ہی جاسکتے تھے۔ ان احتیاطی تدابیر کا مقصد یہ تھا کہ یہ لڑکیاں نہ تو کسی سے تعلق رکھیں گی، نہ کسی سے جذباتی رشتہ ہوگا اور نہ ہی کسی معاملے میں وہ کمزور پڑ کر ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں گی۔

ہر ملک، ہر ادارہ اپنے تحفظ کے لیے بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے۔ اس کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی کمزوری رہ جاتی ہے۔ آمنہ سے پہلے دو اور لڑکیاں اس سیکیورٹی فورس میں پہنچ گئی تھیں اور احتیاطی تدابیر کرنے والوں کو شبہ تک نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد آمنہ وہاں گئی۔ سیکیورٹی فورس کی لڑکیاں صرف اپنی ڈیوٹی سے تعلق رکھتی تھیں۔ اگر ان کا کوئی سماجی یا اور کوئی رشتہ ہوتا تو وہ کہیں نہ کہیں کسی شبے میں پکڑی جاسکتی تھیں۔ کوئی رشتے دار انھیں پہچان سکتا تھا۔ کوئی دوست ان پر شبہ کرسکتا تھا۔ آمنہ اور وہاں کی دو لڑکیوں نے اس سیکیورٹی فورس کی تین لڑکیوں کی جگہ لی تھی اور یہ مختلف اوقات میں ہوا تھا۔ وہ صرف چہرے کے ذریعے پہچانی جاسکتی تھیں لیکن میک اپ کے جدید لوازمات نے اصلی اور نقلی چہروں کی پہچان بھی ختم کردی تھی۔

آمنہ اس لیڈی فورس کی جس لڑکی کے روپ میں تھی، اس کا نام روشنا تھا۔ میں آمنہ کے پاس سے اس وقت آیا تھا جب اس نے بڑی عمدگی سے گھوم کر ایک لات کمانڈو ایکس کے منہ پہ ماری تھی اور کہا تھا "جو زندگی سے بیزار ہو جاتے ہیں وہی آمنہ کا سامنا کرتے ہیں۔"

اس کے بعد میں تھوڑی دیر کے لیے غیر حاضر ہو گیا تھا۔ اب واپس اسی مقام پہ آکر یہ واقعہ ترتیب سے بیان کر رہا ہوں۔

کمانڈو ایکس کے منہ پہ ایک کِک پڑنے کے بعد وہ ذرا پیچھے چلا گیا تھا۔ پھر اس نے بے یقینی سے آمنہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا "تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم ہماری لیڈی سیکیورٹی فورس کی روشنا نہیں ہو؟"

آمنہ نے پوچھا "کیا تمھیں ایک اور لات پڑنے کے بعد یقین آئے گا؟"

کمانڈو ایکس نے گھوم کر ڈبل کِک ماری۔ وہ پہلی لات کھا کر پیچھے گئی مگر دوسری لات سے بچ گئی۔ اس نے تنبیہ کے انداز میں ایک انگلی دکھاتے ہوئے کہا "یہ نہ سمجھنا کہ میرے ایک حملے سے بچ گئی ہو تو اس کے بعد بھی بچ جاؤ گی۔ میں اب تک تمھیں لیڈی سیکیورٹی فورس کی ایک باڈی گارڈ سمجھ رہا تھا۔ اگر تم واقعی آمنہ ہو تو پھر دیکھو کہ میں کیسے سامنا کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے بجلی کی سی پھرتی دکھائی۔ چشم زدن میں اس کے قریب پہنچ کر دو چار ہاتھ دکھائے۔ اس کے حملوں کے دوران آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی۔ شیبا حیرانی سے سوچ رہی تھی، یہ آمنہ کمانڈو ایکس کے مقابلے پر کتنی دیر جم کر کھڑی رہ سکتی ہے۔ وہ مار کھاتی رہی اور اپنا بچاؤ بھی کرتی رہی۔ کئی سیکنڈ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہ کامیاب حملے کرتا رہا اور یہ اپنے بچاؤ میں ناکام ہوتی رہی۔ آخر وہ کمانڈو فورس کا جانباز تھا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکا تھا۔ دشمن کی لاشوں پر سے گزر کر کامیاب واپس آتا تھا۔ پھر اس کے سامنے آمنہ کیا حیثیت رکھتی تھی۔

لیکن جنگ کے میدان میں کب پانسہ پلٹ جاتا ہے، یہ دو لڑنے والے نہیں جانتے۔ خواہ ان میں کوئی زیادہ شہ زور ہو اور کوئی زیادہ کمزور ہو۔ کبھی کبھی زیادہ کمزور کے ہاتھ میدان آجاتا ہے۔ اچانک کمانڈو ایکس کا حملہ کرنے والا ایک ہاتھ آمنہ کے ہاتھ میں آیا تو اس کی گرفت سے نہ نکل سکا۔ اس نے دوسرا ہاتھ چلایا تو وہ ہاتھ بھی اس کی گرفت میں آگیا۔ پھر آمنہ نے ایسا داؤ استعمال کیا جو فوراً ہی کمانڈو ایکس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ جب وہ اس پر سے ہوتا ہوا دور جاکر گرا تب آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے کیونکہ وہ ایک سینٹر ٹیبل پر گرا تھا اور وہ ٹیبل ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی اور وہ ان کے درمیان پھنس گیا تھا۔ آمنہ اچھل کر اس کے سرہانے آکر کھڑی ہوئی پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی "میں اتنی دیر سے مار کھا رہی تھی صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ تمھارے حملوں کا انداز کیا ہے۔"

وہ ٹوٹی ہوئی میز کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ وہیں سے لیٹے ہی لیٹے اُٹھ کر اسے کِک مارنا چاہتا تھا۔ آمنہ نے اس کی ٹانگ کو پکڑ کر ایک طرف جھٹکا دیا۔ وہ دوسری طرف اوندھے منہ فرش پر گرا لیکن بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے آمنہ کو فوراً ہی دور ہٹاتے ہوئے کہا "میں فرہاد علی تیمور تم سے مخاطب ہوں۔"

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ بہت عرصے بعد اپنے دماغ میں میری آواز سن رہی تھی۔ میں نے کہا "میں جانتا ہوں، تم اچھی فائٹر ہو۔ کمانڈو لڑتے لڑتے تھک جائے گا۔ ہانپنے لگے گا۔ پھر بھی تم میدان نہیں چھوڑو گی لیکن مصلحت سے کام لو۔ اس کے دماغ کو کمزور کرو۔ تاکہ مجھے وہاں جگہ مل سکے۔"

اس وقت تک بہت سے مسلح افراد وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان کے پاس ریوالور، رائفلیں اور اسٹین گنیں تھیں۔ انھوں نے آمنہ کو نشانے پر رکھتے ہوئے پوچھا "روشنا! دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور بتاؤ، کمانڈو سے الجھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

کمانڈو ایکس نے جھنجلا کر مسلح افراد کو دیکھا۔ پھر کہا "چلے جاؤ۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ میرا معاملہ ہے۔ اس لڑکی نے مجھے چیلنج کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد آنا اور ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں سمیت اسے لے جانا۔"

آمنہ نے ٹوٹی ہوئی ٹیبل کے ایک حصے کے نیچے پاؤں لے جاکر اسے کمانڈو ایکس کی طرف اچھالا۔ وہ حصہ اس کی طرف گیا مگر اس نے کراٹے کا ایک ہاتھ مار کر اس ٹوٹے ہوئے حصے کے بھی ٹکڑے کر دیے۔ آمنہ نے دوسرا ٹکڑا اس کی طرف اچھالا۔ یقیناً وہ اسی طرح اس کے بھی ٹکڑے کرنے والا تھا۔ اتنی سی دیر میں آمنہ نے نیچے گرے ہوئے پیتل کے گلدان کو اٹھا کر اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ پھر اس کے سر پر ایک بھرپور ضرب لگائی۔ وہ اپنے کراٹے کے فن کا مظاہرہ کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس حملے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس ناگہانی حملے سے چکرا گیا۔ سنبھلنے سے پہلے ہی گلدان اس کے سر پر پڑا۔ آمنہ کا اب یہی مقصد رہ گیا تھا کہ کسی طرح اس کے دماغ کو کمزور کرے۔ وہ سمجھتی تھی، بار بار ایک ہی طرز کا حملہ کامیاب نہیں ہوگا۔ وہ اپنا بچاؤ کرے گا۔ اس نے تیسری بار گلدان سے ضرب نہیں لگائی۔ ذرا پیچھے ہٹ کر گلدان کو اس کی طرف اچھالا۔ وہ اسے کیچ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اگر نہ کرتا تو گلدان منہ پر آکر پڑتا۔ جتنی دیر میں وہ اس گلدان کو کیچ کرتا اتنی دیر میں اس نے ٹوٹی ہوئی میز کے پائے کو اٹھا کر اس کے منہ پر جڑ دیا۔ ایک کرخت آواز کے ساتھ پہلی بار کمانڈو ایکس کے حلق سے چیخ نکلی۔ میز کا پایہ اس کے منہ پر ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ پیچھے فرش پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی آمنہ نے چھلانگ لگائی۔ فرش پر پہنچ کر اس کی گردن کو دونوں ٹانگوں کے درمیان پھنسا لیا۔ اس نے کراٹے کا ایک ہاتھ اس کی ٹانگوں پر رسید کیا۔ پھر دوسرا ہاتھ بھی مارنا چاہتا تھا لیکن تڑپ کر رہ گیا۔ کیونکہ گردن پر ٹانگوں کی گرفت سخت ہوگئی تھی۔ اس کی سانس رکنے لگی تھی۔ عین اسی وقت میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

ایک تو سر پر گلدان کی چوٹیں لگی تھیں پھر منہ پر میز کا پایہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ پہلے ہی زخمی تھا اوپر سے دونوں ٹانگوں کے درمیان اس کی سانس رک رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو کمانڈو ایکس! کیا مجھے اپنے اندر آنے سے روک سکتے ہو؟"

اس نے یکبارگی سانس روکی۔ میں چند ساعت کے لیے دماغ سے نکلا۔ آمنہ کے دماغ میں پہنچ کر اس کی دونوں ٹانگوں کی گرفت کو اور مضبوط کیا۔ پھر واپس اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس بار وہ سانس نہ روک سکا۔ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے یکبارگی دماغ کو جھٹکا پہنچایا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ میں نے دوسرا جھٹکا پہنچایا۔ وہ تڑپ کر اور زیادہ چیخنے لگا۔ اس کے دماغ میں جیسے زلزلہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی چیخیں سن کر پھر مسلح افراد کمرے میں آگئے۔ انھوں نے آمنہ کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا "اسے چھوڑ دو۔ ورنہ ہم گولی مار دیں گے۔"

میں نے آمنہ سے کہا "تم الگ ہو جاؤ۔ یہ میرے قابو میں ہے۔"

اس نے گردن چھوڑ دی۔ فرش پر لڑھکتی ہوئی ذرا دور گئی۔ پھر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے دشمن کو اتنے دماغی جھٹکے پہنچائے تھے کہ وہ کم از کم گھنٹے بھر تک نارمل نہیں رہ سکتا تھا اور نہ ہی یوگا کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ اس نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے حکم دیا "اسے گرفتار کرلو، یہ دشمن کی آلۂ کار ہے۔"

مسلح افراد نے آمنہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تبھی اس نے کہا۔ "رک جاؤ۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ دشمن کی آلۂ کار نہیں، میری محافظ ہے۔"

کمانڈو ایکس نے کہا "تمھاری حفاظت کی ذمے داری ہم پر ہے۔"

"تم نے کتنی حفاظت کی، یہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ اب میں کسی پر اعتماد نہیں کرسکتی۔ آمنہ میرے پاس چوبیس گھنٹے رہے گی۔"

وہ اب بھی تکلیف میں مبتلا تھا۔ دماغ میں زلزلہ پیدا ہو جائے تو پورا جسم پھوڑا بن کر دکھنے لگتا ہے۔ اس کے باوجود وہ تلخی سے مسکراتے ہوئے بولا "یہ تمھارے ادارے سے تعلق رکھنے والی چند سانسوں کی مہمان ہے۔ باہر جاتے ہی اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے پھر اس کے دماغ میں زلزلے والی کیفیت پیدا کی۔ وہ اِدھر سے اُدھر گرنے لگا۔ اٹھ کر سنبھلنے کی کوشش کرتا تھا پھر دماغی جھٹکے کھا کر اچھل پڑتا تھا جیسے کوئی اچھال

رہا ہو اور گرا رہا ہو۔ وہ تڑپ تڑپ کر کہہ رہا تھا "مجھے چھوڑ دو۔ میرے دماغ سے چلے جاؤ۔ یہ کوئی جواں مردی نہیں ہے۔ اگر مرد ہو تو سامنے آ کر ملاقات کرو۔"

"تم کتنے مرد ہو، یہ میں نے آمنہ سے مقابلہ کرتے وقت دیکھ لیا ہے۔"

یہ خبر اعلیٰ حکام تک پہنچ گئی تھی کہ شیبا کی ایک لیڈی باڈی گارڈ، بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھتی ہے۔ جب کمانڈو ایکس نے مس شیبا سے زیادتی کی تو وہ لیڈی باڈی گارڈ آمنہ کے نام سے ظاہر ہو گئی ہے۔

کمانڈو ایکس کی سوچ کہہ رہی تھی "یہ خبر ہماری لاسٹ لائن تک بھی پہنچ چکی ہے مگر ابھی تک کمانڈو وائی نے نہ تو مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے اور نہ ہی مجھے ٹیلی پیتھی سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی طریقۂ کار اختیار کر رہا ہے۔"

اس نے آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ کے ایک بٹن کو دبایا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اس بٹن کو دباتے ہی وہ اسپیکر آن ہو جاتا ہے جس کے ذریعے لاسٹ لائن سے رابطہ قائم کر سکتا ہے پھر اس نے یہی کیا۔ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا "میں کمانڈو وائی سے مخاطب ہوں۔ شاید میرا آخری وقت آ چکا ہے۔ میں ٹیلی پیتھی کا شکار ہو کر نہیں مرنا چاہتا۔ مجھے گولی مار دی جائے لیکن اس لیڈی باڈی گارڈ کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ شیبا کو فرہاد علی تیمور کی تمام ساتھیوں سے دور رکھنے کے لیے ہمیں بڑے سے بڑا نقصان برداشت کرنا ہو گا۔"

شیبا نے ناگواری سے کہا "تم مجھے فرہاد اور اس کی ساتھیوں سے دور رکھ سکتے ہو لیکن اس طرح ٹیلی پیتھی کا خطرہ کبھی دور نہیں ہو گا۔ فرہاد نہیں ہو گا تو میں یہی ہتھیار تم لوگوں پر استعمال کروں گی۔ اس لیے کہ تم میں سے کسی پر مجھے اعتماد نہیں رہا۔"

کمانڈو وائی کی آواز سنائی دی "مس شیبا! ہمیں افسوس ہے۔ کمانڈو ایکس نے تمہارے ساتھ جو کیا اس کی سزا اسے ملے گی اور وہ سزا موت ہو گی۔ تم خود اس سے انتقام لے سکتی ہو۔ اس کے دماغ کا دروازہ ٹیلی پیتھی کے لیے کھل چکا ہے۔ یہ تمہارے سامنے بے بس اور مجبور رہے گا۔"

میں نے شیبا کی زبان سے کہا "کمانڈو وائی! یہ پہلا دروازہ کھلا ہے۔ اس کے بعد تم سب بے نقاب ہوتے جاؤ گے، اپنے طور پر جو حفاظتی تدابیر کر سکتے ہو کرتے رہو۔ تم لوگوں نے مجھے فرہاد سے دور رکھنے کے لیے بڑی گھناؤنی چال چلی۔ تم نے سوچا تھا، میرے جذبات کمانڈو ایکس سے وابستہ ہو جائیں گے۔ میں فرہاد کو بھول جاؤں گی۔ یہ تم سب کی بھول ہے۔ محبت اس جہان سے دوسرے جہان پہنچ جاتی ہے۔ دنیا بدل دیتی ہے مگر محبوب نہیں بدلتی۔"

پھر میں نے آمنہ کی زبان سے کہا "کمانڈو وائی! تم نے مجھے طعنہ دیا تھا کہ میری فوج میں صرف عورتیں ہیں اور میں نے جواباً کہا تھا کہ دشمنوں کو اپنے ہاتھوں سے شکست دینا کمال نہیں ہے، بات تو تب ہے کہ عورتوں کے ذریعے شکست دی جائے اور ان کے سر شرم سے جھکا دیے جائیں۔ میری زندگی میں آنے والے بے شمار دشمنوں میں سے بہت کم ایسے ہیں جنھوں نے براہِ راست میرے ہاتھوں شکست کھائی ہو ورنہ میری ساتھی عورتوں نے انھیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اس کا ایک نمونہ ابھی تمہارے سامنے پیش ہو چکا ہے۔ کمانڈو ایکس کے بعد تمہاری باری ہے۔ میری ساتھی عورتوں سے جتنی دور رہ سکتے ہو اور انھیں کسی طرح چھیڑے بغیر اپنا بچاؤ کر سکتے ہو تو کرتے رہو ورنہ آنے والا کوئی بھی لمحہ تمہارے دماغ کے دروازے ہمارے لیے کھول دے گا جیسے آمنہ میرے لیے ایک دروازہ کھول چکی ہے۔"

شیبا نے کہا "میں لاسٹ لائن کے تمام افسران کو مخاطب کر رہی ہوں۔ میری بات توجہ سے سنی جائے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں ایک یہودی ہونے کے ناتے اپنی قوم اور اپنے ملک کے کام آتی رہوں تو میرے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔ میرا پہلا حکم یہ ہے کہ آمنہ پر کوئی آنچ نہ آئے اور یہ میرے ساتھ میری محافظ بن کر رہا کرے۔"

وہ شیبا کو ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ ابھی اس سے بڑے بڑے کام لینے تھے۔ اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں سے ہر ممکن فائدے حاصل کرنے تھے۔ کمانڈو وائی کی آواز سنائی دی "مس شیبا! تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔ ہم تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتے۔"

"یہ بکواس ہے۔ میری خوشی منظور تھی تو کمانڈو ایکس کو با میں کیوں بھیجا گیا تھا؟"

"یقین کرو، ہم کمانڈو ایکس کی نیت سے واقف نہیں تھے۔ اس نے یہ شرارت کی۔ اس کی سزا ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھی مل ہم سے بھی ملے گی۔"

میں نے آمنہ کے ذریعے کہا "شیبا سیاسی چالوں کو ا طرح نہیں سمجھتی لیکن میں نادان نہیں ہوں۔ اتنا جانتا ہوں کہ ملک کے کمانڈوز حکم کے غلام ہوتے ہیں۔ افسرانِ بالا کے کے بغیر اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے۔ کمانڈو ا نے وہی کیا جو تم لوگوں کی پلاننگ تھی لہٰذا اپنی اس غلطی کو ا اس گھناؤنے جرم کو تسلیم کرو۔"

"مسٹر فرہاد! تم شیبا کو ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہو۔ ہم کہا کرتے ہیں، اس کمرے میں جو کچھ ہوا، اس کے ذمے دا

نہیں ہیں۔ ہم نے آئندہ شیبا کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے فیصلہ کیا ہے کہ کوئی شخص مس شیبا کے قریب نہیں جائے گا۔"

شیبا نے کہا "صرف قریب آنے کی بات نہیں ہے میری اجازت کے بغیر کوئی شخص میرے سامنے نہیں آئے گا۔"

"تم جو چاہو گی وہی ہو گا۔"

پھر اس نے مسلح افراد کو حکم دیا "لیڈی آمنہ کو چھوڑ دیا جائے یہ مس شیبا کے ساتھ رہا کریں گی۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

پھر اس نے حکم دیا کہ وہ کمانڈو ایکس کو حراست میں لے کر اس خواب گاہ سے باہر چلے جائیں۔ شیبا نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ کمانڈو ایکس کو گولی نہ ماری جائے۔ اسے زندہ رکھا جائے۔"

کمانڈو وائی کی آواز سنائی دی "مس شیبا! آپ ایسا حکم نہ دیں جس کی تعمیل ممکن نہ ہو یا جس سے آپ کے ملک کو نقصان پہنچتا ہو۔"

شیبا نے حیرانی سے پوچھا "کمانڈو ایکس کے زندہ رہنے سے ملک کو کیسے نقصان پہنچ سکتا ہے؟"

"اب فرہاد علی تیمور جب چاہے گا اس کے دماغ میں پہنچ کر خفیہ معلومات حاصل کرے گا۔ ہم اسے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھ سکتے۔ یہ تمہارے ملک کے مفاد میں ہے۔ پلیز! اس کی سزائے موت کو بدلنے کا حکم نہ دو۔"

میں نے شیبا سے کہا "اس کمبخت کو مرنے دو۔ میں دوسرے ذرائع سے معلومات حاصل کرتا رہوں گا۔"

وہ خاموش رہی۔ مسلح افراد، کمانڈو ایکس کو حراست میں لے کر چلے گئے۔ خواب گاہ میں صرف شیبا اور آمنہ رہ گئیں۔ کمانڈو وائی نے کہا "مس شیبا! میں آپ سے دست بستہ عرض کرتا ہوں، آپ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ ہم آپ کی عزت آبرو کے دشمن ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ تم ہماری قوم کی بیٹی ہو۔ تمہاری عزت ہماری عزت ہے۔ ہم بے غیرت نہیں ہیں۔ تمہارے کمرے میں کمانڈو ایکس خود اپنی مرضی سے یا شیطان کے بہکانے سے آیا تھا۔"

شیبا آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آمنہ کے پاس گئی پھر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا "کمانڈو وائی! کیا تم نے آمنہ کو نہیں دیکھا۔ میں ایک عورت ہو کر یہ تسلیم کرتی ہوں کہ یہ مجھ سے بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ پُرکشش ہے۔ پھر کمانڈو ایکس اس کی طرف کیوں نہیں آیا؟ مجھے برباد کیوں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے نادان نہ سمجھو اور اپنی معذرت اپنے پاس رکھو۔ میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

پھر اس نے سوچ کے ذریعے پوچھا "فرہاد! کیا تم میرے پاس ہو؟"

"ہاں، بولو۔"

"اب تمہیں سوچنا ہے کہ یہ لوگ آمنہ کو کب تک برداشت کر سکتے ہیں؟"

"جب تک تم چاہو گی، وہ برداشت کرنے پر مجبور رہیں گے، وہ تمہیں ناراض نہیں ہونے دیں گے۔"

"یہ کوئی ایسی چال چل سکتے ہیں جس کی ہم توقع نہ کرتے ہوں۔"

"یہ ممکن ہے سوچی سمجھی چالوں کے مطابق آمنہ کو کھانے پینے کی چیزوں میں ایسی ضرر رساں دوا ملا کر دے سکتے ہیں جو اسے دماغی یا جسمانی طور پر کمزور بنا دے۔ اگر جسمانی طور پر کمزور ہو گی تو بیمار رہے گی۔ اسپتال میں زیرِ علاج رہے گی۔ اس طرح وہ اسے عارضی طور پر تم سے دور کر دیں گے، اگر دماغی طور پر کمزور رہو گی تو ہپناٹزم کے ذریعے اسے معمولہ بنایا جائے گا اور اس کے دماغ میں ایسی باتیں نقش کر دی جائیں گی جو ہمارے خلاف ہوں گی۔"

میری ہدایت پر شیبا یہی باتیں بلند آواز سے کہنے لگی تاکہ کمانڈو وائی سُن سکے۔ آمنہ نے کہا "شیبا! میری فکر نہ کرو۔ میں محتاط رہوں گی۔ مجھ پر تنویمی عمل آزمایا گیا تو یہ بات فرہاد سے چھپی نہیں رہے گی۔ اس کے بعد تم دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والے جیسی جوابی کارروائی کرو گے، اس کا اندازہ لاسٹ لائن کے کمانڈو وائی کو اچھی طرح ہونا چاہیے۔"

مجھے اپنی ساتھی کی طرف سے اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ میں نے شیبا اور آمنہ کے دماغ میں باری باری پہنچ کر کہا "تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں۔ محتاط رہنا۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اس غار کے ہال نما حصے میں گہری خاموشی تھی حالانکہ لیڈی روزینہ کی محافظ عورتیں ہر جگہ موجود تھیں مگر پتھر کے مجسمے کی طرح اپنی اپنی جگہ ساکت تھیں۔ پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک قد آور شخص چھ مسلح باڈی گارڈز کے درمیان اس ہال نما حصے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کے تمام مسلح گارڈز مرد تھے۔ ہال کے وسط میں ایک عورت اسٹین گن لیے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "اگر تم ماسٹر کی ہو تو میں لیڈی روزینہ کی طرف سے خوش آمدید کہتی ہوں۔"

آنے والا قد آور شخص رک گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھنے کے بعد پوچھا "لیڈی صاحبہ کہاں ہیں؟"

"وہ پہنچنے ہی والی ہیں۔ آپ تشریف رکھیں۔"

وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک عمدہ سا سوٹ پہن رکھا تھا۔ مسلح عورت نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا یہ سچ ہے کہ تم اپنے جسم کے ہر لباس کو

وقت آنے پر ہتھیار کی طرح استعمال کرتے ہو؟"
اس نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر پوچھا" مجھے تمھارے کسی سوال کا جواب کیوں دینا چاہیے؟"
" میں لیڈی روزینہ کی خاص باڈی گارڈ ہوں۔ اس کی آمد سے پہلے مطمئن ہونا چاہتی ہوں۔ ملاقات کرنے والے کے پاس کوئی چھپا ہوا ہتھیار نہیں ہونا چاہیے اور جیسا کہ ہم نے سُنا ہے، تمھارا لباس بھی ایک ہتھیار ہوتا ہے۔"
" میں نے بھی سُنا ہے کہ لیڈی روزینہ بہت محتاط رہتی ہے کیا میں یہ نہیں جانتا کہ میری آمد سے پہلے کتنی ہی مسلح عورتیں یہاں چھپی ہوئی ہیں۔ جتنی نظر آ رہی ہیں ان کے علاوہ بھی۔"
وہ بات ادھوری چھوڑ کر پتھر سے اتر گیا چاروں طرف گھومتے ہوئے اور دیکھتے ہوئے بولا" بہت سی مسلح عورتیں نظر نہیں آ رہی ہیں لیکن مجھے چاروں طرف سے گھیرے جانے کا پورا یقین ہے۔"
ماسٹر کی! ہمارے درمیان بے اعتمادی نہیں ہونا چاہیے۔"
وہ ہنستے ہوئے بولا" خطرناک تنظیموں کے افراد ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے۔ پھر میں تو ایک بہت بڑی تنظیم کا سربراہ ہوں۔ اعتماد کا لفظ ہماری لغت میں نہیں ہوتا۔"
اس نے اپنی رسٹ واچ میں دیکھتے ہوئے کہا" تمھاری لیڈی کو وقت کی پابندی کرنا چاہیے۔ میں وقت کی قدر کرنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔"
" ہماری لیڈی تم سے قدر کروانا نہیں چاہتی کیونکہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی شخص کو پسند کرتی ہے۔ میں تمھیں یہ خوشخبری سُنا دوں کہ وہ مائیکل گارسن سے شادی کرنے والی ہے۔"
اسی وقت ہلکی ہلکی سی موسیقی سُنائی دینے لگی۔ میری ساتھی نے اشاروں کی زبان سے بتایا" جس طرح ہر ملک کا ایک قومی ترانہ ہوتا ہے، اسی طرح لیڈی روزینہ نے اپنے فارم کے لیے ایک نغمے کی موسیقی کو اپنے لیے مخصوص کیا ہے اور اب اس کا مطلب یہ ہے کہ لیڈی صاحبہ تشریف لا رہی ہیں۔"
وہ آ رہی تھی۔ آنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی بہت بڑی ریاست کی ملکہ ہو۔ اس نے خوبصورت سا ریشمی لباس زیب تن کیا تھا۔ غار میں روشنی نہیں تھی مگر وہ چاند کی طرح نمودار ہوئی تھی۔ ہم سب نے اپنی آنکھوں پر اینٹی ڈارک گاگلز پہنے ہوئے تھے۔ اس لیے ایک دوسرے کو بہ آسانی دیکھ رہے تھے بلکہ وضاحت سے دیکھ رہے تھے۔
لیڈی روزینہ کے ساتھ کئی مسلح عورتیں آئی تھیں۔ ان میں وہ لیڈی سیکریٹری بھی تھی جو ہم انگریزی بولنے والوں کے سامنے اپنی لیڈی کی زبان کا ترجمہ پیش کرتی تھی۔ میں نے اس سیکریٹری کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ چور نظروں سے ماسٹر کی کو دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اسی کی خاص آلۂ کار تھی۔ بظاہر لیڈی روزینہ کی ملازمہ بنی ہوئی تھی۔
ماسٹر کی نے لیڈی روزینہ کو دیکھتے ہی سر جھکایا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا" ہماری دوستی اس حد تک قابلِ اعتماد ہو گئی ہے کہ ہم پہلی بار ایک دوسرے سے روبرو ملاقات کر رہے ہیں۔"
لیڈی کے ساتھ آنے والیاں کچھ فولڈنگ چیئر اٹھائے ہوئے تھیں۔ وہ ہال کے ایک حصے میں انھیں بچھانے لگیں۔ لیڈی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ماسٹر کی ایک کرسی کو کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے بولا" اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو سپاہی آدمی ہوں۔ پتھروں پر بیٹھ کر کرسی کا لطف اُٹھاتا ہوں۔"
لیڈی روزینہ خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ اس کی باتوں کو بھی توجہ سے سُن رہی تھی۔ وہ مسکرا کر بولا" کیا میں تمھیں پسند آ رہا ہوں۔ ارے ہاں! ابھی مجھے یہ خوشخبری ملی ہے کہ تم مائیکل گارسن سے شادی کرنے والی ہو۔ میں تمھیں پیشگی مبارک باد دیتا ہوں۔"
وہ خاموش تھی۔ چپ چاپ اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ اس نے ذرا حیرانی سے پوچھا" کیا بات ہے۔ کیا زبان نہیں کھولو گی۔ چپ چاپ دیکھتی رہو گی؟"
تب لیڈی روزینہ کے لب کھلے۔ اس نے ترکی زبان میں کہا" مجھے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنا ہو گی۔"
میں اس کی باتوں کا ترجمہ سیکریٹری کے ذریعے سمجھ رہا تھا اور وہ ماسٹر کی کو انگریزی زبان میں سمجھا رہی تھی۔ ماسٹر کی نے پوچھا" تم کس فیصلے پر نظرِ ثانی کرنا چاہتی ہو؟"
لیڈی روزینہ نے اس کی زبان کا ترجمہ ترکی زبان میں سُننے کے بعد کہا" مجھے مائیکل گارسن سے شادی کرنا چاہیے یا تم سے!"
وہ ہنستے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ پھر اسی طرح قہقہہ لگاتے ہوئے ایک طرف گیا۔ وہاں سے پلٹ کر بولا" نہیں نہیں لیڈی روزینہ! میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں تمھارے شوہروں کی مردہ البم میں اپنی تصویر کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔"
لیڈی نے شاہانہ انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر دونوں ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر رکھتے ہوئے کہا" مگر میں جو فیصلہ کر لیتی ہوں، اسے میں ہی بدل سکتی ہوں کوئی دوسرا بدلنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"
ماسٹر کی نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا" تم موضوع بدل رہی ہو۔ ہم کسی دوسرے مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں۔"
" میں اپنے مقصد کے پیشِ نظر ہی یہ فیصلہ بدل رہی ہوں

مجھے اچھی طرح سوچنا سمجھنا ہو گا تم دونوں میں سے کون فرہاد علی تیمور ہے۔"
وہ چونک کر بولا" کیا مطلب، تم مجھے فرہاد سمجھ رہی ہو۔"
" تمھارا اور مائیکل گارسن کا قد ایک ہے۔ جسامت ایک جیسی ہے۔ میں بہت دیر سے تمھیں دیکھ رہی ہوں۔ یہاں سے اُٹھ کر وہاں تک گئے ہو چلنے کا انداز بھی وہی ہے اور بولنے کا اسٹائل بھی مختلف نہیں ہے۔"
" تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں فرہاد ہو سکتا ہوں؟"
" ابھی جو شبہ ہے، وہ یقین میں بدل سکتا ہے۔"
" لیڈی روزینہ! مجھے یہ کہنے دو کہ تمھارا دماغ چل گیا ہے۔ میں یہاں فرہاد کا سودا کرنے آیا ہوں اور تم مجھے ہی فرہاد کہہ رہی ہو۔"
" میں نے سُنا ہے اور اس کا ریکارڈ بھی پڑھا ہے۔ وہ اکثر ایسی چالیں چلتا ہے۔ کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا کہ ماسٹر کی بن کر آئے اور خود مائیکل گارسن کا سودا اس طرح کرے جیسے وہ فرہاد کو خریدنے آیا ہو۔"
وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا" میں ماسٹر کی ہوں۔"
لیڈی روزینہ نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا" میں بھی یقین سے کہتی ہوں، وہ مائیکل گارسن ہے اس کے خون کا اور جسمانی کھال کا طبی معائنہ ہو چکا ہے۔"
" یہ فراڈ بھی ہو سکتا ہے۔"
وہ ناگواری سے بولی" کیا تم مجھے فراڈ کہہ رہے ہو؟"
" میں تمھیں نہیں، تمھارے کارندوں کو ایسا کہہ سکتا ہوں، وہ فرشتے نہیں ہیں۔ فرہاد کے ہاتھوں بک سکتے ہیں یا ٹیلی پیتھی کے آگے مجبور ہو سکتے ہیں۔"
" میری تمام کام کرنے والیاں وفادار ہیں۔ وہ زیادہ رقم کے لالچ میں بک نہیں سکتیں۔ فرہاد ان کے دماغوں میں پہنچ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ ہماری زبان نہیں جانتا اور ہم میں سے کوئی عورت اس کی زبان نہیں بولتی ہے۔"
" یہ تمھاری خوش فہمی ہے اور فرہاد ہمیشہ اپنے مخالفین کی خوش فہمیوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔"
وہ اپنی کرسی پر سے اُٹھتے ہوئے بولی" تم ضد کر رہے ہو کہ مائیکل گارسن ہی فرہاد ہے اور میں تمھیں دیکھ دیکھ کر تم پر شبہ کرنے پر مجبور ہوں۔"
" یہ تم نہیں، تمھارا دل کہہ رہا ہے۔ یہ دل مجھ پر آ گیا ہے۔ تم ایک نفسیاتی مریضہ ہو تم پر ہوس غالب آ گئی ہے۔ اب کام کی باتیں نہیں کر سکو گی۔"
" میں کام کی باتیں خوب سمجھتی ہوں۔ تم ہر قیمت پر فرہاد کو حاصل کرنے آئے ہو۔"

"لیڈی روزینہ! تمھارا جو پیغام مجھے ملا، اس میں تم نے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ مائیکل گارسن فرہاد نہیں ہے۔ اس کے طبی معائنے کی رپورٹ بھی پیش کی لیکن میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔ وہ تمھارے آدمیوں کے ہاتھ آنے سے پہلے ایک ٹرک کے نیچے خفیہ خلانے میں چھپا ہوا تھا اور نیویارک کی حدود سے نکلنا چاہتا تھا۔ جانتی ہو، کیوں؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے لیڈی روزینہ کی طرف دیکھا پھر خود ہی جواباً کہنا شروع کیا۔ "اس لیے کہ سپر ماسٹر کو اس کی تلاش ہے۔ نیویارک سے نکلنے کے تمام راستوں کی ناکا بندی کر دی گئی ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ اور سونیا نیویارک میں ہیں۔ وہاں سے باہر نہیں نکل سکیں گے فرہاد نے باہر نکلنے کے لیے یہی راستہ اختیار کیا۔ ایک ٹرک کے خفیہ خانے میں سفر کرتا ہوا جا رہا تھا۔ بھلا مائیکل گارسن کو اس طرح سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس نے مجھے بتایا ہے کچھ لوگ اسے فرہاد کی جگہ استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اسے چھپا کر دوسری جگہ لے جا رہے تھے۔"

"اور وہ مائیکل اتنا اہم ہو گیا کہ دوست اور دشمن اس کے پیچھے پڑ گئے۔ ہیلی کاپٹر کے ذریعے اس ٹرک پر ایسی فائرنگ اور بمباری کی گئی جیسے ایک ملک دوسرے ملک کی سرحد پر حملے کر رہا ہو۔ یہ اہمیت صرف فرہاد کو حاصل ہے۔"

"تمھارے دلائل سے میڈیکل رپورٹ نہیں بدلے گی۔"

"اگر میرے سامنے اس کے خون اور چہرے کی کھال کا تجزیہ کیا جائے تو رپورٹ بدل جائے گی۔ میں دعوے سے کہتا ہوں۔"

لیڈی روزینہ بڑے ہی شاہانہ انداز میں چلتے ہوئے اس غار کے ایک پتھر کے پاس گئی۔ پھر ایک ہاتھ پتھر پر رکھتے ہوئے بولی۔ "ماسٹر کی! سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے بھی میڈیکل رپورٹ پر بھروسا نہیں ہے۔ جانے کیوں میرا دل اس پر آگیا ہے اور میں دل سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مائیکل نہ ہو۔ فرہاد ہو۔ میں نے اس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے اور بہت کچھ پڑھا ہے۔ اب اس کی بیوی بن کر اسے پڑھنا اور سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"یعنی تمھیں یقین کی حد تک شبہ ہے کہ وہ فرہاد ہے۔"

"ہاں مگر تمھیں دیکھ کر یقین متزلزل ہو چکا ہے۔ تم بالکل ویسے ہی ہو۔ میں یقین کرنا چاہتی ہوں کہ مجھے اس معاملے میں کسی طرح کا دھوکا نہیں ہو گا۔ میں فرہاد سمجھ کر مائیکل کے پاس جاؤں اور بعد میں پتا چلے فرہاد تم تھے میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ پھر زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

"تمھیں کیسے یقین آئے گا کہ میں وہ نہیں ہوں، جو سمجھ رہی ہو؟"

"یہ کوئی مشکل تو نہیں ہے۔ میں تمھارے خون کا اور چہرے کی کھال کا طبی معائنہ کراؤں گی۔"

ماسٹر کی ایک قدم پیچھے ہٹ کر غصے سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم پاگل ہو یہیں، پاگل کے سر میں بھی برائے نام دماغ ہوتا ہے۔ تم دماغ سے بالکل خالی ہو، میں تمھیں وارننگ دے سکتا ہوں مگر دوستانہ انداز میں سمجھاتا ہوں۔ فرہاد کو میرے حوالے کر دو۔ یہ سوچنا تمھارا کام نہیں ہے کہ وہ فرہاد ہے یا مائیکل میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر وہ مائیکل ہوا تب بھی اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر اسے اپاہج بنا ڈالوں گا۔"

"تم میرے علاقے میں آکر مجھے وارننگ دینے کی دھمکی دے رہے ہو۔ کیا تمھیں یقین ہے کہ یہاں سے زندہ سلامت جا سکو گے؟"

"میں نادان نہیں ہوں میرے مسلح جوانوں نے تمھارے فارم کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ تقریباً چار سو جوان ہیں۔ ان کے پاس صرف چھوٹے ہتھیار ہی نہیں مشین گنیں بھی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمھارا فارم اور تمھاری خوبصورت سی رہائش گاہ کھنڈر بن جائے گی۔"

لیڈی روزینہ نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ پھر بڑے اعتماد اور اطمینان سے کہا۔ "میری رہائش گاہ کو کھنڈر ہو جانے دو۔ میں اپنے فارم کی تباہی کا منظر بھی دیکھ لوں گی۔ یہ دولت کے کھیل ہیں۔ میں دوبارہ اس فارم اور رہائش گاہ کی تعمیر کر سکتی ہوں دھمکی دینا چاہتے ہو تو مجھے دو۔ میرا کیا نقصان ہو گا۔ میں تو تمھارے سامنے ہوں۔ میں مروں گی تو تم بھی مرو گے۔"

ماسٹر کی نے برا سا منہ بنا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بولی۔ "سوال تمھاری زندگی کا ہے۔ کیا یہاں سے زندہ واپس جا سکو گے؟"

وہ چاروں طرف گھوم کر مسلح عورتوں کو دیکھنے لگا۔ چونکہ لیڈی روزینہ نے چیلنج کیا تھا۔ اس لیے پتھروں کے پیچھے چھپی ہوئی مسلح عورتیں بھی نمودار ہونے لگیں۔ لیڈی روزینہ نے کہا۔ "اس غار کے اندر صرف میرے حکم کی تعمیل کرنے والی عورتیں ہیں۔ تمھارے یہ چھ آدمی دیکھتے ہی دیکھتے فنا ہو جائیں گے مانا کہ باہر تمھارے آدمیوں نے محاصرہ کر رکھا ہے۔ جب میں نکلنا چاہوں گی تب ان سے خطرہ پیش آئے گا۔ ابھی تم اپنی خیر مناؤ۔"

ماسٹر کی نے پریشان ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھا۔ پھر شکست خوردہ انداز میں کہا۔ "یہ میں بھول ہی گیا تھا کہ باہر سے محاصرہ کراؤں گا تو اندر جان پر بن آئے گی۔ مجھے دوستی اور صلح کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔"

لیڈی روزینہ نے کہا۔ "ماسٹر کی اور اتنی آسانی سے شکست تسلیم کر رہا ہے۔ آخر بات کیا ہے؟"

"مجھ پر شبہ نہ کرو۔ میں نے اپنی غلطی کا احساس کر لیا ہے، مجھے صرف چھ باڈی گارڈز کے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں ماسٹر کی ضرور ہوں مگر بے وقوف نہیں ہوں۔ حالات کے مطابق قدم اٹھاتا ہوں۔ یہی میری کامیابی اور برتری کا راز ہے۔ فی الحال میری سلامتی اسی میں ہے کہ تمھاری برتری تسلیم کر لوں۔"

لیڈی روزینہ اسے تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اتنے افراد کے درمیان صرف وہی ایک ایسی تھی جس نے اینٹی ڈارک گاگلز نہیں پہنے تھے۔ اسے ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تاریکی میں زندگی گزارنے کی عادی تھی۔ روشنی میں دیکھ نہیں سکتی تھی۔ تاریکی میں سب کچھ دیکھ لیتی تھی۔ ماسٹر کی نے کہا۔ "لیڈی روزینہ! تمھارے حسن کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ میں شاعر نہیں، سپاہی ہوں۔ پھر بھی یہ ضرور کہوں گا، تمھاری آنکھیں بے حد خوبصورت ہیں۔ مجھے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ میں اپنے تمام باڈی گارڈز کو حکم دیتا ہوں، وہ اپنے ہتھیار تمھارے قدموں میں لا کر ڈال دیں۔"

اس کا حکم سنتے ہی تمام مسلح باڈی گارڈز اپنے جسموں سے ہتھیار اتارنے لگے۔ پھر سب نے اپنی اسٹین گنیں، ریوالور اور چاقو اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ لیے۔ سر کو جھکا لیا۔ کمر کی طرف سے بھی جھک گئے، پھر ایک ایک کر کے آگے بڑھتے ہوئے لیڈی روزینہ کے پاس آئے اور اس کے قدموں کے پاس ہتھیار ڈال کر الٹے قدموں واپس آ گئے۔

اس دوران تمام مسلح عورتیں محتاط کھڑی ہوئی تھیں۔ سب نے ان باڈی گارڈز کو نشانے پر رکھا ہوا تھا۔ تاکہ وہ کوئی چال چلیں یا قریب آکر لیڈی روزینہ کو نقصان پہنچانا چاہیں تو انھیں گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے لیکن ایسا نہیں ہوا وہ بڑی تابعداری سے ہتھیار رکھ کر اپنی جگہ واپس چلے گئے تھے۔ لیڈی روزینہ کی خاص باڈی گارڈ نے ماسٹر کی کو نشانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں پہلے ہی تم سے دریافت کر چکی ہوں اور تم نے اعتراف بھی کیا ہے کہ تمھارا لباس ایک خاص قسم کا ہتھیار ہوتا ہے۔ جب ہتھیار ڈال رہے ہو تو یہ لباس بھی اتار کر پھینک دو۔"

"اب میں بھی اعتراف کرتا ہوں، میں نے اندر ایک بلٹ پروف لباس پہن رکھا ہے اور جو اتنے عمدہ سوٹ کے ساتھ سیاہ بو دیکھ رہی ہو، اسے میں ایک چٹکی میں پکڑ لوں اور ہولے سے کھینچ دوں تو۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی لیکن سیاہ بو کے ایک حصے کو ایک چٹکی سے تھام رکھا تھا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ "میرے یہ باڈی گارڈز بڑے بدمعاش ہیں۔ ان میں سے ایک نے ہتھیار ڈالتے وقت ایک دستی بم بھی وہاں رکھ دیا ہے۔ یہ سیاہ بو ایک ریموٹ بلاسٹر ہے۔ میں اسے ذرا سا کھینچ دوں تو ایک دھماکے سے بم پھٹے گا اور لیڈی صاحبہ کے چیتھڑے فضا میں اڑتے ہوئے

دکھائی دیں گے۔"

سب نے چونک کر لیڈی روزینہ کے قدموں کی طرف دیکھا' وہاں ایک دستی بم رکھا ہوا تھا۔ ماسٹر کی نے کہا۔" ذرا سی حرکت کرو گی تو اس سے پہلے ہی دھماکا ہو گا۔ یقین نہ ہو تو زندگی کو داؤ پر لگاؤ اور اس ریموٹ بلاسٹر کو آزماؤ۔"

تمام مسلح عورتیں سکتے میں رہ گئی تھیں۔ لیڈی روزینہ بارود کے ڈھیر میں چپ چاپ کھڑی ہوئی تھی۔ ماسٹر کی کو گھور کر دیکھ رہی تھی۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔" ماسٹر کی کا مطلب ہے ہر تالے کی چابی جب کسی مشکل سچویشن میں لوگوں کے ذہنوں کو تالے لگ جاتے ہیں' وہاں میں اپنی ذہانت کی چابی سے ایسے مشکل تالے کھولتا ہوں۔"

لیڈی روزینہ بڑے ہی باوقار انداز میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے ذرا سی گھبراہٹ یا بدحواسی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ ماسٹر کی کے باڈی گارڈ اپنے آقا کے اشارے پر آگے بڑھے اور لیڈی روزینہ کے قدموں سے ہتھیار اٹھانے لگے۔ صرف اس دستی بم کو چھوڑ دیا اور اپنی جگہ واپس آ گئے۔ ماسٹر کی نے کہا۔" جنگ کے میدان میں پانسا اسی طرح پلٹ جاتا ہے۔ پہلے میرے آدمیوں نے ہتھیار ڈالے تھے۔ اب تم اپنی عورتوں کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دو۔"

اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیڈی روزینہ کو اس کی بات مان کر ہتھیار ڈالنے کا حکم دینا ہی تھا۔ میری ساتھی نے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ریوالور مجھے دے رہی تھی۔ میں نے ریوالور کو لے کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے کہنے لگی۔" ماسٹر کی پر فائر کرو۔"

اس پر فائر کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ایک ہی گولی میں کام تمام ہو جاتا لیکن اس نے بہت بڑا چیلنج کیا تھا۔ میرا بہت زبردست دشمن تھا۔ اسے یوں ایک جھٹکے سے ختم کر دینا انصاف نہ ہوتا پھر یہ کہ اس نے سیاہ بو کو ابھی تک چٹکی میں تھام رکھا تھا۔ میری گولی اسے لگتی تو اس کے ہاتھ کو بھی جھٹکا پہنچتا۔ سیاہ بو کھینچی جاتی اور وہ دستی بم ایک دھماکے سے لیڈی روزینہ کے پرخچے اڑا دیتا۔

میں نے ریوالور ہاتھ میں لے کر ان کی طرف دیکھا۔ لیڈی روزینہ بڑے ہی ٹھوس اور پُراعتماد لہجے میں کہہ رہی تھی۔" ماسٹر کی' تم اپنی سیاہ بو کو کھینچنا چاہتے ہو۔ اتنی زحمت کیوں اٹھاؤ گے۔ میری باڈی گارڈ کا نشانہ دیکھو۔"

اس نے باڈی گارڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" میرے قدموں کے پاس جو مصیبت رکھی ہوئی ہے' اس کا نشانہ لو اور گولی چلا دو۔"

ماسٹر کی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لیڈی روزینہ خود اپنی موت کا حکم دے گی اور وہ بھی اپنی ہی باڈی گارڈ کو دستی بم پر گولی چلانے پر مجبور کرے گی۔ ادھر اس کی خاص باڈی گارڈ بھی تذبذب میں پڑ گئی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اپنی لیڈی کو دیکھا پھر ہچکچاتے ہوئے بولی۔" آپ کیا فرما رہی ہیں۔ میں اس کا نشانہ کیسے لے سکتی ہوں۔ گستاخی کی معافی چاہتی ہوں۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کی موت کا سبب بنوں!"

لیڈی روزینہ نے غرا کر کہا۔" میں جو کہہ رہی ہوں تم اس پر عمل کرو۔"

اس کے بعد اس نے سخت لہجے میں کہا۔" گیٹ ریڈی۔"

خاص باڈی گارڈ نے فوراً ہی ریوالور نکال کر دستی بم کا نشانہ لیا۔ لیڈی روزینہ نے کہا۔" فائر۔"

یہ کہتے ہی اس نے یکبارگی دستی بم کو ٹھوکر ماری تب پتا چلا وہ کیا چال چل رہی تھی۔ باڈی گارڈ نے اس دستی بم کا نشانہ لیا تھا لیکن وہ تو ٹھوکر کھا کر ماسٹر کی کی طرف جا رہا تھا اسی وقت اس نے گولی چلا دی۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ وہ بم ایک دھماکے سے پھٹا اور ایسے وقت بلاسٹ ہوا جب ماسٹر کی کے قریب پہنچ رہا تھا مگر وہ بھی غافل نہیں تھا۔ جیسے ہی لیڈی روزینہ نے اسے ٹھوکر ماری تھی' وہ الٹی قلا بازی کھاتا ہوا' فضا میں اچھلتا ہوا دور ایک پتھر کے پیچھے چلا گیا تھا۔

بڑا ہی لرزہ خیز دھماکا تھا۔ غار کے اندر دور تک آواز گونجتی گئی تھی۔ کتنی ہی عورتوں کی چیخیں سنائی دیں۔ ان میں مردوں کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ ماسٹر کی تو کسی طرح بچ نکلا تھا مگر اس بم کی زد میں اس کے باڈی گارڈز آ گئے تھے۔ پھر مسلح عورتوں نے تڑاتڑ فائرنگ شروع کر دی تھی۔ وہ اندھی فائرنگ تھی کیونکہ دھوئیں میں کوئی کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ اینٹی ڈارک گاگلز بھی تھوڑی دیر کے لیے کام نہیں آ رہے تھے۔

میں نے رہنمائی کرنے والی ساتھی سے کہا۔" یہ ریوالور رکھو اور یہاں سے نکل پڑو۔"

اس نے میرے بازو کو تھام لیا۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی اور مجھے بھی روکنا چاہتی تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے بازو کو چھڑایا۔ پھر اس چٹان پر سے سرکتا ہوا آخری سرے پر پہنچا۔ وہاں سے چھلانگ لگا کر ایک پتھر پر آیا۔ غار کے اس حصے میں دھواں نہیں تھا۔ میں صاف طور پر راستے کو دیکھتا ہوا ادھر جانے لگا جہاں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ رہ رہ کر فائرنگ کی آواز بھی گونجنے لگتی تھی شاید دوسری طرف دھواں چھٹنے لگا تھا۔ مجھے لیڈی روزینہ کی خاص باڈی گارڈ کی آواز سنائی دی۔ وہ حکم دے رہی تھی۔" چاروں طرف پھیل جاؤ' ماسٹر کی بھاگنے نہ پائے۔ اسے تلاش کرو۔"

میں ایک پتھر کی آڑ میں رک گیا۔ خیال خوانی کی پرواز کی اور اس خاص باڈی گارڈ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کے ذریعے اس ہال نما غار کے حصے کو دیکھنے لگا۔ وہاں دور تک لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ کچھ مسلح عورتیں ماری گئی تھیں لیکن ماسٹر کی کے تمام باڈی گارڈز ختم ہو چکے تھے۔ صرف وہی زندہ رہ گیا تھا مگر نہ جانے کہاں تھا' کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ غار آنکھ مچولی کھیلنے کے لیے نہایت مناسب تھا۔ چھپنے والا کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ جگہ جگہ چھوٹے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ ٹیڑھی میڑھی چٹانیں تھیں۔ کچھ چٹانیں ایسی بھی تھیں جن کے سامنے پہنچ کر پتا چلتا تھا کہ آگے جانے کا راستہ نہیں ہے مگر راستہ تلاش کرو تو مل جاتا تھا۔

لیڈی باڈی گارڈ کی سوچ سے پتا چلا۔ اس کی مالکہ لیڈی روزینہ بھی نظر نہیں آ رہی ہے۔ میں نے لیڈی سیکریٹری کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ ایک طرف لیڈی روزینہ کو تلاش کر رہی تھی۔ دوسری طرف ماسٹر کی کے لیے فکر مند تھی۔ اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ کسی طرح اسے غار سے نکال کر لے جانے کا ارادہ تھا مگر وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ دو عورتیں ایسی تھیں جن کے دماغوں میں پہنچ کر میں دوسروں کو دیکھ سکتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی مسلح عورت نظر آتی تھی۔ میں تھوڑی دیر تک ان کی مصروفیات کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ ماسٹر کی اس تاریکی میں کہاں جا سکتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر بھی وہی چشمہ تھا۔ وہ اندھیرے میں دیکھ سکتا تھا مگر غار کے دہانے تک نہیں جا سکتا تھا۔ وہ سمجھ رہا ہو گا کہ مسلح عورتوں نے راستے کی ناکا بندی کر دی ہو گی۔

میں تیزی سے سوچ رہا تھا۔ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ وہ کسی طرف سے بھی موت بن کر جھپٹ سکتا تھا۔ عقل کہہ رہی تھی۔ وہ ان حالات میں کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ دانشمندی سے کام لے گا' لیڈی روزینہ کو تلاش کرے گا۔ پھر اسے قابو میں کرنے کے بعد فرار کا راستہ آسانی سے بنا سکے گا۔

میں سوچتے سوچتے چونک گیا۔ ایک آہٹ سی سنائی دی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی' پتھر ہی پتھر اور چٹانیں ہی چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ چلنے پھرنے کے لیے درمیان میں تھوڑی تھوڑی سی جگہ تھی۔ دوسری بار پھر ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ میں نے گھوم کر اس پتھر کے دوسری طرف دیکھا جس کی آڑ میں وہ کھڑا ہوا تھا۔ پتھر کی اونچائی میری گردن تک تھی۔ میں نے اس کے دوسری طرف اسے دیکھ لیا۔

وہ پتھر کے دوسری طرف کچھ فاصلے پر تھا۔ دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اندھے کی طرح راستہ ٹٹول رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر اینٹی ڈارک گاگلز نہیں تھا۔ یعنی دوڑنے' بھاگنے یا دستی بم کے سامنے سے الٹی قلابازی کھانے کے دوران اس کی آنکھ سے چشمہ گر پڑا تھا۔ میں نے ایک ذرا دیر کے لیے اپنی آنکھ سے چشمے کو اتار کر دیکھا تو گھپ اندھیرا دکھائی دیا۔ اتنی گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اس طرح سمجھ میں آیا کہ ماسٹر کی بے چارہ کس حالت میں ہو گا۔ وہ تو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھا ہو گیا تھا۔

میں نے پہلی بار اسے بے چارہ کہا۔ جب کوئی شہ زور اور ناقابل شکست سمجھا جانے والا اس طرح بے بس ہو جائے کہ سارے اختیارات' ساری طاقتیں رکھنے کے باوجود کچھ نہ کر سکے تو پھر بے چارہ ہی کہلاتا ہے۔ میں نے چشمے کو پھر آنکھوں سے لگا لیا۔ اب وہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے دھیمی آواز میں اسے مخاطب کیا۔" ہیلو ماسٹر کی۔"

آواز دھیمی تھی مگر اس غار میں سرسراتی ہوئی' ذرا گونجتی ہوئی اس کے کانوں تک پہنچی۔ وہ ہڑبڑا کر دونوں ہاتھوں سے راستہ ٹٹولتا ہوا ایک طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ ایک چٹان سے ٹکرائے۔ وہ اس چٹان سے لگ کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے اپنے آپ کو اچھی طرح چھپا رہا ہو۔ میں نے کہا۔" تم نظر آ رہے ہو ماسٹر کی۔"

وہ پھر گڑبڑا گیا۔ وہاں سے گھوم کر دونوں ہاتھوں سے راستہ ٹٹولتے ہوئے دوسری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے پوچھا۔" کیا تم میری آواز پہچان رہے ہو؟"

وہ دوسرے پتھر کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کے پیچھے چھپنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔" بے کار کوشش کر رہے ہو' اس کے پیچھے چھپو گے تو میں دوسری طرف سے آ کر تمہیں دیکھ لوں گا۔"

وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ میں نے کہا۔" تم مجھے بے بس اور مجبور کرنا چاہتے تھے۔ میرے ہاتھ پاؤں توڑ کر معذور بنا کر دنیا والوں کے سامنے میرا عبرت ناک انجام پیش کرنا چاہتے تھے۔ اب دیکھو قدرت نے تمہیں کس طرح معذور بنا دیا ہے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں مگر تم اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ تمہاری آنکھیں ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے۔"

ایسے ہی وقت اس نے مجھے دیکھ لیا۔ اینٹی ڈارک گاگلز کے شیشے اندھیرے میں چمکتے ہیں۔ اس نے صرف میرے چشمے کو دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مسکرانے لگا۔ ایک ہارے ہوئے سپاہی کو جیت کے امکانات نظر آتے ہیں تو چہرے پر ایسی ہی مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جیب میں ڈال لیے۔ میری سمجھ میں آیا کوئی ہتھیار نکال کر میری طرف فائر کرے

گا لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ واقعی اس کا لباس ایک ہتھیار تھا۔ اس نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر جانے کیا حرکت کی؟ اس کی کمر کے بیلٹ سے تڑاتڑ فائرنگ ہونے لگی وہاں سے نکلنے والے ننھے ننھے بلٹ میری طرف آرہے تھے۔

میں عین اس کے سامنے تھا مگر اس کی فائرنگ سے محفوظ تھا۔ جتنے بلٹ میری طرف آرہے تھے، وہ پتھر سے ٹکرا رہے تھے۔ میں جس پتھر کے پیچھے کھڑا ہوا تھا، اس کی اونچائی میری گردن تک تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا "کوئی اور ہتھیار ہو تو اسے بھی آزما لو۔ ارے احمق! تم جس چشمے کو دیکھ رہے ہو وہ ایک پتھر پر رکھا ہوا ہے۔ یہ میری آنکھوں پر نہیں ہے۔ اگر اسے حاصل کرنا چاہو تو آگے بڑھو اور یہاں تک پہنچنے کی کوشش کرو۔"

اس نے اپنی ایک آستین میں ہاتھ ڈال کر ایک ننھی سی پینسل گن نکال لی۔ اس چشمے کا نشانہ لگانے لگا۔ میں نے کہا "عقل سے کام لو۔ یہ چشمہ تمھاری فائرنگ کی زد میں آگیا تو شیشے ٹوٹ جائیں گے۔ یہ نہ میرے کام آسکے گا نہ تمھارے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس گہری تاریکی میں چشمے کی بڑی اہمیت تھی۔ اگر فائرنگ سے ضائع ہو جاتا تو وہ اندھیرے میں بھٹکتا رہتا۔ وہ پینسل گن ہاتھ میں لیے محتاط انداز میں قدم بڑھاتے ہوئے، ایک ہاتھ سے راستہ ٹٹولتے ہوئے پتھر کی طرف بڑھنے لگا پھر رُک گیا۔ بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کسی عورت نے ترکی زبان میں کچھ کہا۔ پھر لیڈی گارڈ کی آواز سنائی دی "فائرنگ کی آواز اسی طرف سے آئی تھی۔ تم چاروں اُدھر جاؤ اور تم سب میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اسے تلاش کرنے کے لیے ہماری طرف آرہی تھیں میں نے ماسٹر کی کے دماغ میں چھلانگ لگائی، مجھے جگہ ملی مگر اس نے سانس روک لی۔ میں نے پھر اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس بار اس نے دماغ کے دروازے کھولتے ہوئے کہا "میں تمھیں اپنے اندر آنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

"پھر میں تمھارے کام نہیں آسکوں گا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "تم اور میرے کام آؤ گے؟"

"میں تمھیں زندہ رکھنا چاہتا ہوں، جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ اپنے بائیں ہاتھ کی طرف راستہ ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھتے رہو۔ تمھیں ایک چٹان ملے گی۔ اس پر چڑھ جانا۔ میں تمھاری رہنمائی کرتا رہوں گا، تمھیں ایسی جگہ چھپا دوں گا کہ وہ عورتیں تمھیں تلاش نہیں کرسکیں گی۔"

وہ فوراً ہی میری ہدایات پر عمل کرنے لگا۔ آگے بڑھ کر راستہ ٹٹولتا ہوا ایک چٹان کے پاس پہنچا پھر اس پر چڑھ گیا۔ میں نے کہا "چٹان پر رینگتے ہوئے آگے چلے جاؤ۔"

وہ یہی کرنے لگا۔ جب تھوڑی دور تک گیا تو میں نے کہا "بس یہاں دبک کر بیٹھے رہو۔ تم چاروں طرف سے پتھر اور چٹانوں میں چھپے ہوئے ہو، کوئی تمھیں دیکھ نہیں سکے گی۔"

وہ ڈھونڈنے والیاں وہاں پہنچ گئی تھیں۔ میں بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر تیزی سے چلتا ہوا اس چٹان کے پاس آیا جہاں اپنی رہنما ساتھی کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار چکا تھا۔ میں ایک پتھر پر چڑھ کر اس پر پہنچ گیا۔ لیڈی باڈی گارڈ مسلح عورتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئی تھی جہاں تھوڑی دیر پہلے ماسٹر کی موجود تھا۔ وہ سب اسے تلاش کر رہی تھیں اور تلاش کرتی ہوئی ایک طرف بڑھتی جارہی تھیں۔ میں انھیں چٹان پر سے نہیں دیکھ سکتا تھا مگر لیڈی باڈی گارڈ کے دماغ میں رہ کر معلومات حاصل کرسکتا تھا وہ ان عورتوں کے ساتھ اسے تلاش کرتی ہوئی دور نکل گئی تھی۔ وہاں پھر وہی پہلے جیسا سناٹا چھا گیا تھا۔

میں چٹان سے اتر کر پھر اسی پتھر کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے دوسری طرف ذرا کھلی جگہ تھی جہاں ماسٹر کی بھٹکتا رہا تھا۔ میں نے وہاں پہنچ کر اینٹی ڈارک گاگلز کو آنکھوں سے اتارا اور اسے جیب میں رکھ لیا۔ اب میں گھپ اندھیرے میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے پوچھا "کیا وہ مسلح عورتیں چلی گئی ہیں؟"

"ہاں، اب چوہے کے بل سے نکل آؤ۔"

وہ رینگتا ہوا آنے لگا۔ میں نے کہا "مجھے تمھاری حالت پر شرم آرہی ہے۔ تم ایسی تنظیم کے سربراہ ہو جس سے بڑے بڑے ملک خوف زدہ رہتے ہیں اور تم سے سمجھوتا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ تم ہر طرح شہ زور ہو۔ میں تم جیسے شہ زوروں سے پوچھتا ہوں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے طاقت حاصل ہوتی ہے تو مغرور کیوں ہو جاتے ہو۔ اُس وقت کو کیوں بھول جاتے ہو جب قدرت ایک ہی جھٹکے میں تمھیں مجبور اور بے بس بنا دیتی ہے۔ تم اپنے ہاتھ پاؤں استعمال نہیں کرسکتے۔ آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ دماغ سے سوچ کر بھی بچاؤ کی تدبیر نہیں کرسکتے۔ پھر تم کیا ہو؟ اس قدرت کے آگے ایک بے بس اور حقیر سے کیڑے ہو۔ کوئی بھی اس تاریکی میں تمھیں پیروں سے مسل سکتا ہے۔"

اس نے کہا "فرہاد! کچھ نصیحتیں اپنے لیے بھی رکھ چھوڑو۔ اگر میرے پاس بھی اینٹی ڈارک گاگلز ہوتا تو میں تمھیں اتنی باتیں کرنے کا موقع نہ دیتا۔"

میں نے جواباً کہا "میں تمھیں اینٹی ڈارک گاگلز کہیں سے لاکر دے نہیں سکتا۔ میرے پاس جو تھا اسے میں نے پھینک دیا

ہے۔ تمھاری طرح اس تاریکی میں اندھا بن گیا ہوں۔"

اس نے کہا "میں اس چٹان کے سرے تک پہنچ چکا ہوں۔ مجھے بتاؤ، اب کہاں جانا ہوگا؟"

"میں کہہ چکا ہوں، میری آنکھوں پر چشمہ نہیں ہے میں نے اسے کہیں پھینک دیا ہے۔ پھر تمھاری رہنمائی کیسے کرسکتا ہوں؟"

وہ اندازے کے مطابق اس چٹان سے اترتا ہوا ایک پتھر پر پہنچا۔ پھر اس پتھر سے اتر کر اسی جگہ آگیا جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے دماغ کے دروازے بند کرلیے تھے۔ میں نے کہا "کوئی بات نہیں، اب میں زبان سے گفتگو کر رہا ہوں اور تم میری آواز اپنے بہت قریب سن رہے ہو۔"

"یہ تمھاری کوئی چال ہوگی۔ تم مجھے کسی طرح دیکھ رہے ہو اور اس چمکتے ہوئے شیشے کو مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

"یہ تم نہیں بول رہے ہو۔ میری دہشت بول رہی ہے۔ اگر میری آنکھوں پر وہ اینٹی ڈارک گاگلز ہوگا اور میں اسے چھپانے کے لیے ہاتھ رکھوں گا یا اوپر سے پٹی باندھ لوں گا تو مجھے کیا خاک نظر آئے گا۔ ذرا عقل کی باتیں کرو اور میرے اس حملے سے بچو۔"

میں نے اسے بچنے کے لیے تو کہہ دیا لیکن حملہ کیسے کروں گا یہ خود نہیں جانتا تھا۔ مجھے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے اندازے سے ایک طرف بڑھتے ہوئے ایک جگہ زور سے زمین پر پاؤں مارا پھر فوراً ہی پینترا بدل کر اپنی جگہ بدل دی۔ اسی وقت اس کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے اس نے آواز کی سمت حملہ کیا ہو۔ میں نے پھر پینترا بدل کر اسی جگہ پہنچتے ہوئے ایک ہاتھ گھمایا، اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ میرا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا۔ میں نے اندازے سے دوسرا ہاتھ چلایا تاکہ اس کے پیٹ پر گھونسا ماروں لیکن وہ نہیں ملا۔ میں فوراً ہی پینترا بدل کر دوسری جگہ پہنچ گیا۔

میرے چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ گہری تاریکی تھی۔ نہ کچھ دکھائی دیتا تھا۔ نہ کچھ سنائی دیتا تھا۔ وہ بھی اپنی جگہ دم سادھے ہوئے تھا۔ میں نے آہستگی سے ایک پاؤں بڑھایا۔ اسے چپ چاپ زمین پر رکھا۔ پھر اسی طرح دوسرا پاؤں بڑھا کر ذرا آگے بڑھ گیا۔ مجھے ایک تدبیر سوجھی۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی، اچانک اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا۔ اس نے فوراً ہی سانس روک کر کہا "میں تمھیں نہیں آنے دوں گا۔"

بس اتنا ہی کافی تھا۔ آواز ٹھیک سامنے مجھے اپنے سامنے سنائی دی تھی۔ میں نے ایک کراٹے کا ہاتھ رسید کیا۔ وہ ہاتھ اس کی ناک پر لگا تھا۔ میں نے اندازہ کیا، میرے ایک ہاتھ نے اسے کتنی دور لڑکھڑانے پر مجبور کیا ہوگا۔ اسی اندازے کے مطابق میں نے دوسرا حملہ کیا اور کامیاب رہا۔ پھر تیسرا حملہ کرتے ہی میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ میری ٹھوڑی سے نیچے حلق پر آیا۔ میں نے اس ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ کر ایک طرف ہٹایا۔ اس طرح ہم دونوں پنجہ آزمائی کرنے لگے۔

یہ اپنے طرز کی انوکھی جنگ تھی۔ دو آنکھوں والے اندھے بن کر ایک دوسرے کے مقابلے پر برتری حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے درمیان براہِ راست زور آزمائی ہو رہی تھی۔ میں مانتا ہوں، وہ بہت ہی شہ زور تھا۔ ایک خطرناک فائٹر تھا۔ نہ جانے اب تک کتنے شہ زوروں کو موت کی نیند سلا چکا ہوگا۔ اس نے زور آزمائی کرتے ہوئے کہا "ابھی میرے دماغ میں فرہاد آیا تھا مگر تم فرہاد نہیں ہوسکتے۔"

میں نے پوچھا "یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"وہ صرف ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ جسمانی طور پر کمزور اور بزدل ہے۔ عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھا رہتا ہے اور مقابلے پر تم جیسے شہ زوروں کو بھیجتا رہتا ہے۔ بتاؤ تم کون ہو۔ اس کے لیے کب سے کام کر رہے ہو؟"

"جب سے فرہاد پیدا ہوا ہے، میں اس کے لیے کام کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ رہتا ہوں کیونکہ میں اس کا ہمزاد ہوں۔"

باتوں کے دوران یہ تو پتا چل گیا تھا کہ اس کا سر مجھ سے کتنے فاصلے پر ہے۔ میں نے اچانک ہی سر سے ایک ٹکر ماری۔ اسے تکلیف کا احساس ہوا مگر اس نے بھی جواباً ایک ٹکر ماری۔ میں بھی تکلیف میں مبتلا ہوا۔ لڑنے والے پہلے مار کھانا اور تکلیفیں برداشت کرنا سیکھتے ہیں اور زندگی نے مجھے بہت کچھ سکھایا تھا۔

ہم دو طرح سے زور آزمائی دکھا رہے تھے۔ ایک طرف تو پنجے لڑا رہے تھے۔ دوسری طرف سر سے ٹکریں مار رہے تھے۔ چند ٹکروں کے بعد ہی میں نے اپنی پیشانی پر سے گرم گرم لہو کو بہتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ میری ناک پر سے اور میری آنکھوں کے کنارے سے بہتا ہوا، گالوں پر سے گزرتا ہوا ہونٹوں تک پہنچ رہا تھا۔ اس کا کچھ حصہ میرے ہونٹوں کے اندر بھی پہنچا۔ میں نے اپنے لہو کا مزہ خود ہی چکھا۔ شاید وہ بھی چکھ رہا ہوگا۔ میں نے اسے پوری قوت سے دھکیلنا شروع کیا تو وہ ایک چٹان سے جا کر لگ گیا۔ ابھی تک ہمارے پنجے ایک دوسرے سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم کبھی ایک دوسرے کو لاتیں مار رہے تھے اور کبھی سر ٹکرا رہے تھے۔ یہ میری خوش نصیبی تھی یا اس کی بدنصیبی کہ اب اسے دو طرف سے چوٹ پہنچ رہی تھی۔ ادھر میں اس کے سر پر ٹکر مارتا تو اس کا سر پیچھے چٹان پر جا کر لگتا۔ اس نے پوری قوت سے کام لے کر مجھے پرے دھکیلنا چاہا تاکہ دوسری جگہ بنا سکے مگر میں نے اسے وہاں

سے ہٹنے کا موقع نہیں دیا۔ ان حالات میں کوئی بھی یوگا کا ماہر سانس نہیں روک سکتا۔ اسے مسلسل سانس لیتے ہوئے اپنی زور آزمائی کو قائم رکھنا پڑتا ہے۔ میں بڑی آسانی سے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا "کمبخت کسی پہلوان کی اولاد ہے۔ مجھے اس چٹان سے ہٹنے کا موقع نہیں دے رہا ہے۔ اب مجھے پوری طرح سانس روک کر قوت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔"

اس نے یہی کیا۔ یکبارگی سانس روکی۔ پھر پوری جسمانی قوت سے مجھے دھکیلنا شروع کیا۔ واقعی وہ بے پناہ قوت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ پھر اسی طرح ہٹتے ہوئے یکبارگی نیچے گرا اور اسے ٹانگوں پر رکھ کر دوسری طرف اچھال دیا۔ اس طرح ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ ہماری پنجہ آزمائی ختم ہو گئی۔ میں فوراً ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری طرف وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا اور اندھیرے میں گھور گھور کر مجھے دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس بری طرح ہانپ رہا تھا کہ بار بار سانس روک نہیں سکتا تھا اور نہ ہی میرے آنے کا راستہ روکنا اس کے بس میں تھا۔ وہ یکبارگی غصے سے چیخ کر بولا "چلے جاؤ، میرے دماغ سے چلے جاؤ۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا "کیوں عورتوں کی طرح چیخ رہے ہو۔ تمھیں تو اپنی یوگا کی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ مجھے دماغ سے نکال دو۔ نہیں نکالو گے تو اس کا انجام دیکھ لو۔"

یہ کہتے ہی میں نے اچھل کر اس کے سینے پر لات ماری وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک پتھر سے ٹکرایا۔ وہاں سے ہٹ کر دونوں ہاتھوں سے ٹٹولتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا تھا۔ میں نے ایک بھرپور گھونسا اس کی ناک پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ پھر چیختے ہوئے بولا "یہ بزدلی ہے۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے دیکھ رہے ہو اور میرے پاس دیکھنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ مقابلہ کرنا ہے تو برابر کی سطح پر کرو۔"

"مجھے بزدل کہہ رہے ہو۔ میں تمھیں مارنا چاہتا تو اینٹی ڈارک گاگلز پہن کر بہت پہلے ہی تمھیں ختم کر چکا ہوتا لیکن میں نے اسے جیب میں رکھ لیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا، ماسٹر کی کے نام سے مشہور ہونے والا شہ زور، چیونٹی کی موت مرے۔ میں نے انصاف سے کام لیا۔ تمھاری طرح اندھا بن کر تم سے مقابلہ کیا تاکہ تمھارے دل میں یہ حسرت نہ رہے کہ فرہاد نے مقابلہ نہیں کیا۔ تم سمجھ رہے تھے، میں عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ کر صرف خیال خوانی کرتا ہوں لیکن میں نے تمھیں زندہ کیوں رکھا ہے، جانتے ہو؟"

وہ چپ ہو کر میرے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ میں نے کہا "اس لیے زندہ چھوڑ رہا ہوں کہ تم جیسے مغرور شہ زوروں کو میری ساتھی عورتیں ہی ماریں گی، تمھاری موت سونیا، لومی، شیبا یا آمنہ کے ہاتھوں سے لکھی ہے۔"

میں نے اینٹی ڈارک گاگلز اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "کیا اس کے چمکتے ہوئے شیشے نظر آ رہے ہیں؟"

اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ چشمہ لے لیا۔ فوراً ہی آنکھوں پر چڑھا لیا۔ پھر مجھے دیکھتے ہوئے بولا "میں مانتا ہوں، تم دشمن ہو مگر کم ظرف نہیں ہو۔ تم اپنے مقابلے پر آنے والوں کو لڑنے اور بچاؤ کرنے کا پورا موقع فراہم کرتے ہو۔ اب رہی یہ بات کہ تمھاری کوئی ساتھی عورت مجھے شکست دے گی اور مجھے ہلاک کرے گی تو یہ صرف تمھاری خام خیالی ہے۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کوئی شخص طاقتور اور شہ زور کیسے ہوتا ہے۔ اگر تم تنہا کسی شخص کو کسی کے مقابلے پر بھیجو تو وہ دو چار یا دس پر بھاری پڑے گا مگر کوئی اس سے سوا سیر بھی ہو گا جو اس شہ زور کو شکست دے گا یعنی تنہا آدمی ہر اعتبار سے طاقتور، شہ زور اور خود مختار نہیں ہوتا۔ ایک ملک کا سربراہ اس لیے طاقتور کہلاتا ہے کہ اس کے پاس فوجی قوت ہوتی ہے۔ اس کے پاس جدید ترین ہتھیار ہوتے ہیں۔ وہ نت نئی سائنسی ایجادات سے اپنی قوتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح میرے پاس جان پر کھیل جانے والوں کی ایک فوج ہے جو میرے غلام ہیں۔ پھر میں نت نئی سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔ میرے پاس ذہانت ہے۔ میں بڑے بڑے ممالک کو ان کی کمزوریوں کے ذریعے بلیک میل کرتا ہوں۔ اس طرح ایک طاقتور ماسٹر کی کہلاتا ہوں۔"

وہ ایک طرف بڑھتے ہوئے ایک بڑے سے پتھر کے پاس گیا پھر اس سے ٹیک لگا کر بولا "آج میں نے زندگی میں پہلی بار بہت بڑی بھول کی جو تم سے مقابلہ کیا۔ ویسے اچھا ہی کیا۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ میں تنہا شہ زور نہیں ہوں جو اپنی تمام تر قوتوں کو کام میں لا کر تمھیں ایک چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "ابھی تم میرے بس میں ہو اور اس طرح دھمکی دے رہے ہو جیسے میری اجازت کے بغیر جان بچا کر یہاں سے نکل سکو گے۔"

"میں چیلنج اس لیے کر رہا ہوں کہ اپنی جان کی امان پا چکا ہوں ابھی تم نے کہا ہے کہ مجھے اپنے ہاتھوں سے نہیں مارو گے۔ تمھاری کوئی عورت میرے مقابلے پر آئے گی۔ پھر مجھے تم سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

اسی وقت مجھے ایک عورت کی آواز سنائی دی "ہینڈز اپ! خبردار! ذرا بھی حرکت نہ کرنا۔"

میں نے نظریں اٹھا کر ادھر دیکھا۔ تاریکی میں صرف اینٹی ڈارک

گاگلز چمکتا ہوا نظر آیا لیکن آواز نے بتا دیا، وہ لیڈی سیکریٹری ہے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی ماسٹر کی کے پاس پہنچی۔ پھر کہا "باس! حکم دیجیے، میں اسے گولی مار دوں۔"

ماسٹر کی نے اس سے ریوالور لے لیا۔ پھر مجھے نشانے پر رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا "فرہاد! وہ وقت کب آئے گا جب تمھاری کوئی عورت میرے مقابلے پر آئے گی لیکن تمھارا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

میں نے انجان بن کر پوچھا "تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں سمجھ نہیں سکا۔ مجھے کچھ نظر بھی نہیں آ رہا ہے۔"

"بے وقوف میرے ہاتھ میں ریوالور ہے اور میں تمھیں گولی مارنے والا ہوں۔"

"میں تاریکی میں ایک اندھے کی طرح مرنا نہیں چاہتا۔ کیا میرا چشمہ مجھے واپس کر سکتے ہو؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "مجھے نادان سمجھتے ہو۔ چشمہ تمھیں دوں گا تو مجھے تاریکی میں خاک نظر آئے گا۔ میں تم پر گولی کیسے چلا سکوں گا۔"

میں نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا "پھر گولی نہ چلاؤ۔ ریوالور مجھے دے دو۔"

میں دوسرے ہی لمحے اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے ریوالور کو میری طرف اچھالا۔ میں نے اسے کیچ کرنا چاہا لیکن تاریکی میں نظر نہیں آیا۔ وہ میرے قدموں کے پاس آ کر گرا۔ میں نے جھک کر اسے ٹٹولتے ہوئے اٹھا لیا۔ اس دوران اس کے دماغ پر قابض رہا تھا۔ وہ میری مرضی کے مطابق چلتا ہوا میرے پاس آیا۔ پھر آنکھوں پر سے چشمہ اتار کر مجھے دے دیا۔ اس کے بعد وہاں سے چلتا ہوا لیڈی سیکریٹری کے پاس جانے لگا۔ وہ حیرانی سے چیخ کر بولی "اوہ باس! یہ کیا کر رہے ہو۔ پہلے تم نے ریوالور اسے دے دیا۔ اس تاریکی میں چشمہ ضروری ہے۔ وہ بھی اسے تھما دیا ہے۔"

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ گڑبڑا کر اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "ماسٹر کی! ہر تالے کی چابی! تم اندھیری قبر میں ہو۔ تمھیں کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس کا بھی تجربہ کر لو کہ انسان جیتے جی کس طرح قبر کی تاریکی میں پہنچ جاتا ہے۔"

لیڈی سیکریٹری نے فوراً ہی اپنا اینٹی ڈارک گاگلز اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے اسے پہن کر میری طرف دیکھا پھر ایک دم سے بوکھلا گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ ریوالور اب میرے ہاتھ میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے کہا "یہ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ تم میری کسی عورت کے ہاتھوں مرو۔ میں نے جو کہا، وہ پتھر کی لکیر نہیں ہو سکتی۔ تم ابھی اور اسی وقت میرے ہاتھوں سے بھی مر سکتے ہو۔"

اس نے جلدی سے لیڈی سیکریٹری کو کھینچ کر اپنے آگے کر لیا۔ اسے ڈھال بناتے ہوئے بولا "نہیں، تم مجھے ہلاک نہیں کر سکتے۔ تم زبان کے دھنی ہو۔ تم فرہاد علی تیمور ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں، تم جو کہتے ہو اس پر عمل کرتے ہو۔ تم مجھے نہیں مارو گے۔ یہ برابر کا مقابلہ نہیں ہے۔"

"بہت خوب، جب تمھارے ہاتھ میں ہتھیار ہو تو برابر کا مقابلہ نہیں دیکھتے۔ پہلی فرصت میں بازی جیت لینا چاہتے ہو۔ چلو کیا یاد کرو گے۔ میں پھر تمھاری جان بخش رہا ہوں۔ جتنی جلد ہو سکے، اپنی اس سیکریٹری کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے میرے ریوالور کی طرف دیکھا۔ میں نے کہا "تم سوچ رہے ہو، میں پیچھے سے فائر کروں گا۔ ایسے تو یہ ریوالور اپنے پاس رکھو۔"

میں نے پھر ریوالور اس کی طرف اچھال دیا۔ اس نے فوراً ہی اسے کیچ کرتے ہوئے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "اسے میرے خلاف استعمال کرنے کی حماقت نہ کرنا۔"

اس نے فوراً ہی لیڈی سیکریٹری کے بازو کو تھام کر اسے ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا "چلو، مجھے یہاں سے نکالو۔ مجھے راستہ بتاؤ۔"

سیکریٹری نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک پنسل ٹارچ نکالی۔ پھر اس کی روشنی میں چلتے ہوئے اس کی رہنمائی کرنے لگی۔ میں ایک پتھر پر اچھل کر بیٹھ گیا۔ خیال خوانی کے ذریعے انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ مجھے ماسٹر کی سے مقابلہ کر کے بڑی مایوسی ہو رہی تھی۔ ہماری دنیا میں اکثر یہی ہوتا ہے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی بہت بڑا شہ زور آ جائے اور اس کے سامنے آپ خود کو کمزور محسوس کریں تو اس بات کا تجزیہ ضرور کریں کہ ہمارے سامنے والا اتنا طاقتور اور اتنا بااختیار کیوں ہے، کیسے ہے؟ تب پتا چلے گا کہ ایک غنڈہ اپنی ذات میں پہلوان نہیں ہوتا۔ وہ چند بدمعاشوں کی ایک ٹولی بنا کر گویا ایک چھوٹی سی فوج بنا لیتا ہے۔ پھر تھانے والوں کو بھتا دے کر قانون کو کمزور بنا دیتا ہے۔ اس طرح شریف اور پُرامن شہریوں کے سامنے ایک طاقتور اور ناقابلِ شکست انسان بن جاتا ہے۔

ماسٹر کی جیسے لوگ بھی ایسے ہی طریقۂ کار کے مطابق شہ زور اور ناقابلِ شکست کہلانے لگتے ہیں۔ ماسٹر کی کے پاس ذہانت تھی۔ جسمانی قوت تھی۔ اس کے پاس جان پر کھیل جانے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ ایسے چور، بدمعاش اور جاسوس قسم کے لوگ تھے جو بڑے بڑے ملکوں میں رہتے تھے

اور اعلیٰ عہدے داروں سے دوستی کرتے تھے۔ ان میں ماسٹر کی سے تعلق رکھنے والی حسین ترین عورتیں بھی تھیں جو مختلف ممالک کے اہم راز چرا کر لاتی تھیں۔ ان کے ذریعے ان ممالک کو بلیک میل کیا جاتا تھا۔ ان ہتھکنڈوں پر عمل کرتے ہوئے ماسٹر کی بین الاقوامی سطح پر ایک بہت بڑا مجرم بن گیا تھا۔ پھر دہشت گردی کے رجحان نے اس کی طاقت کو اور بڑھا دیا تھا کوئی بھی بڑا ملک اسے پہلی فرصت میں گولی مار دینا چاہتا تھا لیکن اسے خوش بھی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ ہر بڑے ملک کے گلے میں ہڈی کی طرح پھنسا ہوا تھا۔ نہ کوئی اُسے نگل سکتا تھا نہ اگل سکتا تھا۔

مجھ سے تنہا مقابلے کے دوران وہ شکست کھا چکا تھا۔ لیکن میں جانتا تھا' مجھ سے دور جانے کے بعد پھر ایک طاقتور انسان بن جائے گا اور اپنے تمام تر اختیارات کو بروئے کار لاکر مجھے اپنے چیلنج کے مطابق معذور بنانے کی کوشش کرے گا اور فاتحانہ انداز میں دنیا والوں کے سامنے میرا عبرت ناک انجام پیش کرے گا۔ یہ اس کا خواب تھا۔ اس کا ارادہ تھا۔ اس کا عزم تھا اور میں نے بھی اپنا ایک ارادہ ظاہر کر دیا تھا کہ اس کی موت میری کسی ساتھی عورت کے ہاتھوں سے ہوگی۔

وہ لیڈی سیکریٹری اسے دوسرے راستے سے غار کے باہر لے آئی۔ اس نے کھلی فضا میں پہنچ کر چاروں طرف تاریکی میں دیکھا۔ پھر اس نے سیکریٹری کو دیکھتے ہوئے پوچھا "تم نے غار میں کیا دیکھا؟"

سیکریٹری اس کے سوال کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ اس نے پوچھا "آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ تم نے فرہاد کو دیکھا؟"

"ہاں' مجھے پہلے ہی شبہ تھا' وہ فرہاد ہے مگر اس نے جانے کس طرح میڈیکل رپورٹ میں تبدیلی کرا دی تھی۔"

"میں اتنی تفصیل نہیں پوچھ رہا ہوں۔ کیا تم نے یہ دیکھا کہ میں فرہاد کے سامنے بے بس ہو گیا تھا؟"

"ہاں' مجھے اس بات کا افسوس ہے۔"

"کیا تم نے دیکھا کہ وہ میری جان لے سکتا تھا لیکن اس نے مجھے زندگی خیرات کر دی۔"

"ہاں' میں نے یہ بھی دیکھا۔ مجھے اس پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔"

"میں تمھیں غصہ کرنے کے لیے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ چونک کر بولی "آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

اچانک ہی ماسٹر کی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ پھر کہا "میں شریفوں کی دنیا میں عزت دار ہوں۔ مجرموں کی دنیا میں خطرناک ہوں۔ میرے نام سے بڑے بڑے مجرم سہم جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ممالک میری خوشامدیں کرتے ہیں۔ اگر انھیں معلوم ہو گیا کہ میں فرہاد سے شکست کھا چکا ہوں اور اس نے یہ زندگی خیرات کی ہے تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

وہ لرزتے ہوئے بولی "میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ اپنی زبان بند رکھوں گی۔"

"میں جانتا ہوں' تم بہت وفادار ہو۔ تم نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ کیا تم میری خاطر اپنی جان قربان نہیں کر سکتیں؟"

"کبھی جان دینے کا وقت آیا تو یہ بھی کر دکھاؤں گی۔"

"یہی وقت ہے۔ ابھی جان دے دو۔ میرے کام آؤ۔ میری اس بے عزتی کو ہمیشہ کے لیے اپنی موت کی گود میں چھپا لو۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنے ہاتھوں کی گرفت سخت کر دی۔ اس کی گردن دباتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ لیڈی سیکریٹری کے دیدے پھیل گئے۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گئی۔ جرائم کی دنیا میں راز داری شرطِ اوّل ہے اور خدمت گزاری شرطِ دوم۔ اگر ایک آلۂ کار اپنی تنظیم کے سربراہ کی برسوں سے خدمت کرتا آیا ہو۔ اس کے پسینے کی جگہ خون بہاتا آیا ہو۔ اس کے ایک اشارے پر جان کی بازی لگا کر خدمت گزاری کی مثالیں پیش کرتا رہا ہو۔ پھر بھی کسی موقع پر اس کے ذریعے راز داری مشکل ہو جائے اور اس کے ذریعے راز فاش ہونے کا خطرہ ہو تو اس کی تمام خدمت گزاریوں کو بھلا کر اسے گولی مار دی جاتی ہے۔

وہ لیڈی سیکریٹری اپنی تمام عمر کی خدمت گزاریوں کے باوجود اپنے ہی سربراہ کے ہاتھوں بے موت مر گئی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے سرد پڑ چکی ہے تو اس نے بے جان جسم کو اس چٹان پر چھوڑ دیا۔ پیچھے ہٹ کر اس پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے بعد اُدھر دیکھا جہاں وہ غار کے اندرونی حصے سے نکل کر آیا تھا۔ اس کے دماغ نے کہا "یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے ورنہ فرہاد آ سکتا ہے یا لیڈی روزینہ کی مسلح عورتیں اِدھر کا رُخ کر سکتی ہیں۔"

وہ تیزی سے پلٹ کر جانے لگا۔ کچھ دور نکل کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پھر چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال کر رابطہ قائم کرنے لگا۔ اس کی سوچ سے پتا چلا۔ اس کے تقریباً چار سو افراد لیڈی روزینہ کے فارم کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ان کے پاس چھوٹے بڑے ہتھیاروں کے علاوہ مشین گنیں بھی تھیں۔ گویا ایک چھوٹی سی فوج نے بڑی کامیابی سے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ وہ اس فوج کے کمانڈر سے رابطہ قائم کر کے کہنا چاہتا تھا کہ فائر کھول دیا جائے اور اس فارم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

جیسے ہی اس نے کوڈ ورڈز استعمال کر کے کمانڈر کو مخاطب کیا' میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق کہنے لگا "میں ماسٹر کی حکم دے رہا ہوں' محاصرہ ختم کر دیا جائے' لیڈی روزینہ سے سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ تم نے جہاں کیمپ بنایا ہے' ٹھیک اس کے سامنے والی پہاڑی کے اوپر میں انتظار کر رہا ہوں۔ میرے لیے ایک ہیلی کاپٹر روانہ کر دو۔"

دوسری طرف سے کہا گیا "ابھی آپ کے احکامات کی تعمیل ہو جائے گی۔"

اِدھر ماسٹر کی نے رابطہ ختم کیا' اُدھر میں اس کمانڈر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ لیڈی روزینہ کے فارم کو گھیرنے کے بعد چاروں طرف محاذ بنائے گئے تھے۔ کمانڈر نے ہر محاذ کے گن مین کو مخاطب کیا۔ ہر محاذ میں چار بھاری قسم کی مشین گنیں تھیں' ان مشین گنوں کو چلانے والا گن مین کہلاتا تھا۔ کمانڈر نے حکم دیا کہ محاصرہ ختم کر دیا جائے اور اپنے جانبازوں کو لے کر کیمپ زیرو میں پہنچا جائے' انھیں واپس لے جانے کے لیے ہیلی کاپٹرز پہنچنے والے ہیں۔

اس نے جس گن مین سے بھی رابطہ قائم کیا' میں اس گن مین کی آواز سنتا گیا اور ان کے لب و لہجے کو یاد رکھتا گیا۔ ان ضروری معاملات سے نمٹ کر میں پھر کمانڈر کے دماغ میں آیا۔ اس وقت ماسٹر کی نے دوبارہ اس سے رابطہ قائم کیا تھا اور اس سے پوچھ رہا تھا "تھوڑی دیر پہلے میں نے تمھیں کیا احکامات جاری کیے تھے؟"

کمانڈر نے تعجب سے پوچھا "کیا بات ہے۔ تم نے احکامات نازل کیے اور چند منٹوں میں بھول گئے۔ تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"میں کچھ پریشان ہوں۔ مجھ سے سوال جواب نہ کرو۔ بتاؤ میں نے کیا احکامات دیے تھے؟"

"تم نے کہا تھا' لیڈی روزینہ سے سمجھوتہ ہو گیا ہے لہٰذا محاصرہ ختم کر دیا جائے۔ تمھارے حکم کے مطابق ہمارے جانباز وہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔"

وہ چیخ کر بولا "اوہ نو' میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا تھا' تم نے سننے میں غلطی کی ہے۔"

"پلیز مجھے الزام نہ دو۔ تم نے جو کہا' اس پر عمل کیا گیا ہے۔"

"میں پھر کہتا ہوں' محاصرہ ختم نہ کیا جائے۔ انھیں حکم دو' لیڈی روزینہ کی رہائش گاہ پر فائرنگ شروع کر دیں' جو بھی مقابلے پر آئے اسے بھون کر رکھ دیں۔"

"ماسٹر کی! میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ تم ٹیلی پیتھی کے زیرِ اثر ہو۔ کیا فرہاد سے سامنا ہوا تھا؟"

وہ غصے سے بولا "یو نان سنس' فرہاد کی کیا مجال ہے کہ مجھ سے سامنا کر سکے۔ جس دن وہ میرے سامنے آئے گا' میں اپنے چیلنج کے مطابق معذور بنا دوں گا۔ میں جو کہہ رہا ہوں' فوراً اس پر عمل کرو ورنہ ہمارے آدمی محاصرہ ختم کر کے چلے جائیں گے۔"

اس سے پہلے کہ کمانڈر اس کے احکامات کے مطابق پھر تبدیلیاں لاتا اور انھیں فائرنگ کا حکم دیتا' میں ایک گن مین کے پاس پہنچ گیا۔ وہ لوگ وہاں سے کوچ کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے اس کی مشین گن کا رُخ اپنے ہی آدمیوں کی طرف موڑ دیا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی تڑاتڑ فائرنگ کی آواز کے ساتھ ان جانبازوں کی چیخیں بھی رات کے سناٹے میں دور تک گونجنے لگیں۔ وہ مرتے مرتے چیخ رہے تھے۔ بڑبڑا رہے تھے۔ پوچھ رہے تھے "یہ کیا حرکت ہے۔ اپنے ہی لوگوں پر کیوں فائرنگ کی جا رہی ہے؟"

ان بڑبڑانے والوں میں سے ایک نے گن مین کو گولی کا نشانہ بنایا۔ وہ اپنا سینہ تھام کر مشین گن کے پاس گر پڑا' جس نے فائر کیا تھا' اس بڑبڑانے والے کے دماغ کا دروازہ کھل گیا تھا۔ میں اسے دوڑاتا ہوا مشین گن کے پاس لے گیا۔ پھر وہ گن مین کی جگہ اپنے آدمیوں کو گولیوں سے چھلنی کرنے لگا۔

میں اسے چھوڑ کر دوسرے محاذ کے گن مین کے پاس گیا۔ وہ لوگ فائرنگ کی اور اپنے لوگوں کے چیخنے کی آوازیں سن کر سوچ میں پڑ گئے تھے کہ معاملہ کیا ہے؟ میں نے ان کے ساتھ

بھی یہی سلوک کیا۔ وہاں کے گن مین نے بھی اپنے آدمیوں پر فائرنگ شروع کردی۔ میں یکے بعد دیگرے ہر محاذ پر پہنچتا گیا اور وہاں کی مشین گنوں کو ان کے ہی خلاف استعمال کرتا گیا۔

لیڈی روزینہ کے مسلح آدمی اناڑی نہیں تھے۔ وہ بھی تربیت یافتہ تھے۔ جب انھوں نے اپنے فارم کے اطراف فائرنگ کی آواز سنی تو جوابی فائرنگ شروع کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرہ کرنے والے دوطرفہ فائرنگ کے درمیان گھر گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ کمانڈر اپنے کیمپ میں بیٹھا ٹرانسمیٹر کے سامنے چیخ چیخ کر ہر محاذ کے گن مین کو مخاطب کر رہا تھا مگر دوسری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔

اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے پھر ماسٹر کی سے رابطہ قائم کیا "آخر بات کیا ہے۔ میرے کسی بھی گن مین سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا ہے۔ کوئی مجھے جواب نہیں دے رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہمارے آدمی مرتے جارہے ہیں۔"

فائرنگ کی آواز ماسٹر کی تک پہنچ رہی تھی۔ پھر ایک دم سے خاموشی چھاگئی۔ اس نے سر اٹھا کر دور تک دیکھا۔ چونکہ وہ پہاڑ کی بلندی پر تھا اس لیے فارم نظر آرہا تھا۔ چاندنی رات تھی، لڑنے والے دوست اور دشمن واضح طور پر نظر نہیں آرہے تھے لیکن فائرنگ کے دوران شعلوں کی لپک دکھائی دیتی تھی۔ وہ شعلے بھی بجھ گئے تھے، فائرنگ یکایک بند ہوگئی تھی۔ اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے کمانڈر سے کہا "اب گن مین کو مخاطب کرو۔ بات کیا ہے۔ فائرنگ کیوں رک گئی ہے؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "کیا خاک مخاطب کروں۔ وہاں جواب دینے والا کوئی نہیں رہا جو زندہ بچ گئے ہوں گے وہ میدان چھوڑ چکے ہوں گے۔"

ماسٹر کی سر تھام کر بولا "اوہ گاڈ، یہ کیا ہوگیا؟"

کمانڈر نے پوچھا "آخر معاملہ کیا ہے۔ ہمارے آدمی شکست کھا کر بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے۔ پھر کیسے بھاگ گئے۔ ہمارے پاس بھاری مشین گنیں تھیں اور ہماری معلومات کے مطابق لیڈی روزینہ کے آدمیوں کے پاس صرف رائفلیں اور اسٹین گنیں ہیں۔ پھر وہ کیسے ثابت قدم رہے؟"

ماسٹر کی نے جھنجلا کر کہا "اس فوج کے کمانڈر تم ہو، تمھیں ہی شکست کے اسباب معلوم ہونے چاہئیں لیکن جواب مجھ سے طلب کر رہے ہو۔"

"ماسٹر کی! تم ہی اس معاملے میں جوابدہ ہو۔ تم کچھ چھپا رہے ہو۔ میں ہیڈکوارٹر کو اپنی شرمناک شکست کی اطلاع دے رہا ہوں۔"

وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں نے ماسٹر کی کے پاس آکر دیکھا۔ وہ بھی اسی وقت ہیڈکوارٹر سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ میں اُسے شکست دینے کے بعد اس کے دماغ پر قبضہ جاتے کے بعد اس کے حال پر چھوڑ سکتا تھا۔ بعد میں معلومات فراہم کرسکتا تھا مگر پہلے ہی اس کے دماغ نے بتادیا تھا کہ اس کے پیچھے بہت سے اہم افراد ہیں۔ جن کے سامنے وہ جوابدہ ہے۔

ماسٹر کی اگر کسی کے سامنے جوابدہ ہے تو اس کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ میں صرف اسی ماسٹر کی تک پہنچ سکا ہوں جس نے مجھے معذور بنادینے کے سلسلے میں چیلنج کیا تھا۔ ورنہ وہ جس تنظیم سے تعلق رکھتا تھا اس کے اہم افراد ماسٹر کی سے بھی زیادہ اہم ہوں گے۔ شاید اسی لیے وہ تنظیم ماسٹر کی سنڈیکیٹ کہلاتی تھی۔ سنڈیکیٹ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کا سرغنہ کوئی ایک نہ ہو۔ کئی اہم افراد مل کر اس تنظیم کو چلاتے ہوں۔

میں کمانڈر کے دماغ میں تھا۔ اس نے کسی سے رابطہ قائم کرلیا تھا۔ دوسری طرف سے کہا جارہا تھا۔ انتظار کرو۔

جس نے انتظار کرنے کے لیے کہا، میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک ایسے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جو ٹیلیفون ایکسچینج کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہ ایک ٹرانسمیٹر کے سامنے تھا۔ اس نے ٹرانسمیٹر کو آف کرنے کے بعد ٹیلیفون لائن کے ایک بٹن کو دبایا۔ دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر کسی کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی "ہاں، بکواس کرو۔"

بکواس کرنے والے نے کہا "یور آنر، کمانڈر ڈزیرد فوراً آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میرا پرسنل ٹرانسمیٹر آن کرو۔"

میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ پھر بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اسی وقت اس نے سانس روکی، دوسرے ہی لمحے سانس چھوڑتے ہوئے، مسکراتے ہوئے بولا "اخاہ فرہاد! خوش آمدید۔ بھئی میں تو پرسنل ٹرانسمیٹر آن کرنے کے لیے کہہ رہا تھا اور تم آن ہونے سے پہلے ہی دماغ میں آن ہوجاتے ہو۔ بائی دی وے، کیا ماسٹر کی تمھارے پھیر میں آگیا ہے؟"

"مجھے مایوسی ہوئی ہے کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔"

اس نے پلنگ پر سے اٹھتے ہوئے کہا "فرہاد! میرے بچے تمھیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تم نے بے شک پہاڑ کھودا، چوہا نہیں نکلا۔ اس چوہے کے پیچھے بھاگتے ہوئے مجھ تک آپہنچے ہو۔ میں کیا ہوں، یہ تمھیں رفتہ رفتہ معلوم ہوگا۔"

اس کے بولنے کے دوران میں نے اس کا نام معلوم کر جیسے ہی وہ خاموش ہوا، میں نے کہا "اچھا تو تم بھگوان ہیرا سوامی ہو"

"بہت خوب، یہ ٹیلی پیتھی کسی کمپیوٹر سے کم نہیں ہے۔ ہم جتنا بولتے ہیں تم اس سے زیادہ معلوم کرلیتے ہو۔"

"میں چاہوں گا کہ مجھے معلومات حاصل کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ تم خود ہی اپنے متعلق اُگلتے جاؤ۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ فی الحال اس جگہ کو دیکھو جہاں میں ہوں۔"

وہ جہاں تھا وہاں چاروں طرف آئینے کی دیواریں تھیں۔ یعنی ٹھوس دیواریں نظر نہیں آتی تھیں۔ صرف آئینے ہی آئینے تھے۔ اس کمرے کے وسط میں کھڑا ہوا بھگوان ہیرا سوامی آئینہ در آئینہ دکھائی دے رہا تھا۔ جدھر نظر اٹھا کے دیکھو، دور تک وہی جلوہ نما تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا "اس دھرتی کے لوگ کہتے ہیں، بھگوان کو جہاں ڈھونڈو گے وہاں پاؤ گے اور میرا نام بھگوان، ہیرا سوامی ہے۔"

خود کو بھگوان کہنے والا قدآور تھا۔ صحت اچھی تھی چہرے پر گھنی داڑھی تھی جو سینے پر پہنچ رہی تھی۔ اس نے بہت ہی قیمتی سلیپنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔ جن کے پاس دولت کی فراوانی ہوتی ہے، وہ سوتے وقت بھی ایسا لباس پہنتے ہیں جس کی قیمت کا حساب لگایا جائے تو اس رقم سے کسی غریب ملک میں ایک چھوٹی سی انڈسٹری قائم ہوسکتی ہے۔

میری اس بات میں مبالغہ نہیں ہے۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی۔ اس کے قیمتی لباس سے لے کر معمولی لباس تک کے لیے ایک ٹیکسٹائل مل خاص طور پر اس کی فرمائش کے مطابق کپڑے تیار کرتی تھی۔ اس وقت جو لباس اس نے پہن رکھا تھا، وہ پچیس ہزار ڈالر میں تیار ہوا تھا۔ اس کے ہر لباس میں ہیروں کے بٹن ٹانکے جاتے تھے۔

وہ تھوڑی دیر پہلے جس پلنگ پر لیٹا ہوا تھا، وہ سونے کا تھا۔ پلنگ تو سونے کے لیے ہی ہوتا ہے مگر وہ اصلی سونے کا تھا اور اس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کی خواب گاہ میں ٹیلی وژن، ریڈیو، کیسٹ ریکارڈر، ریکارڈ پلیئر، فانوس اور دیگر جتنی بھی ضرورت کی اور آرائش کی چیزیں تھیں، وہ سب اسپیشل تھیں، مختلف کمپنیاں اس کے لیے خاص طور پر یہ چیزیں تیار کرتی تھیں۔ اس کا حکم تھا کہ جو چیزیں اس کے بیڈروم میں ہوں وہ دنیا کے کسی بازار میں پائی نہ جاسکیں اس خبطی کے حکم کی تعمیل ہوتی تھی۔ کمپنی والوں کو اتنی قیمت مل جاتی تھی کہ وہ اس مال کو بازار میں نہیں پہنچاتے تھے، اگر پہنچا بھی دیتے تو وہ مال بالکل مختلف ہوتا۔ کیونکہ اس کے بیڈروم میں جتنے بھی ریڈیو، ٹی وی وغیرہ تھے ان میں ہیرے کے بٹن لگائے جاتے تھے۔ ہیرے اس کی ایسی کمزوری تھے کہ اس نے اپنے نام میں بھی ہیرا ٹانک رکھا تھا اور خود کو بھگوان ہیرا سوامی کہتا تھا۔

اس کی خواب گاہ کی ہر شے میں اس قدر ہیرے جڑے ہوئے تھے کہ آئینے کی دیواروں سے منعکس ہوتے تھے۔ ہر چہار طرف آئینوں سے نور کی کرنیں پھوٹتی رہتی تھیں۔ بناؤ سنگھار عورت پر سجتا ہے۔ ہیرے جواہرات اسی کو بھلے لگتے ہیں لیکن وہاں اس کے برعکس تھا۔ وہاں اس کی جتنی کنیزیں تھیں وہ سب اگرچہ بے حد حسین تھیں۔ ان کے بدن بھی ہیروں کی طرح دمکتے ہوئے سے تھے مگر بدن پر ہیرے جواہرات نہیں ہوتے تھے۔ سونے چاندی کا زیور بھی نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ قیمتی لباس پہنتی تھیں۔ صرف گیروے رنگ کی سوتی ساریاں پہن کر رہتی تھیں۔ زلفیں بکھری رہتی تھیں۔ .... اور وہ کسی زیور اور کسی آرائش کے بغیر بے پناہ حسین لگتی تھیں۔

میں نے کہا "میں تمھارے ذریعے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ دنیا کی سب سے مہنگی خواب گاہ ہے۔"

اس نے کہا "یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ خوابگاہ کا صرف وہ حصہ ہے جہاں میں آرام سے سوتا ہوں۔ یہ خوابگاہ ایک بہت بڑی دنیا ہے۔ کتاب کے ورق کی طرح کھلتی چلی جاتی ہے۔ میں ابھی دکھاتا ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر پلنگ کے سرہانے پہنچ کر ایک بٹن کو دبایا۔ پھر کہا "میں غم غلط کرنا چاہتا ہوں۔ ایک نادیدہ مہمان میرے ساتھ ہے۔"

پھر اس نے بٹن آف کرنے کے بعد مجھ سے کہا "میں نے ماسٹر کی کو نیک مشورہ دیا تھا کہ وہ تمھیں چیلنج نہ کرے۔ آخر ایک انسان دوسرے انسان کو چیلنج کرکے، اسے مقابلے کے لیے للکار کے کیا حاصل کرلیتا ہے؟ یا جیت اس کے حصے میں آتی ہے یا ہار مقدر بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس محبت اور دوستی کا راستہ اختیار کریں تو مقدر میں صرف جیت ہی جیت ہوتی ہے۔"

وہ بولتا ہوا آئینے کی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "کھل جا سم سم۔"

پہلے تو میری سمجھ میں یہی آیا کہ وہ الف لیلوی الفاظ استعمال کرکے تصورات کی دنیا میں پہنچانا چاہتا ہے لیکن ایسا کہتے ہی وہ آئینے کی دیوار ایک طرف ہٹنے لگی۔ اس کے پیچھے مجھے ایک سوئمنگ پول نظر آیا۔ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ نگر نگر گھومتا رہا ہوں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں کے سوئمنگ پول میں غسل کرتا رہا ہوں۔ مگر میں نے اتنا خوبصورت اور اتنا آرائشی سوئمنگ پول کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ اس

نے اس پول کی تیاری میں دو لاکھ ڈالر خرچ کیے ہیں۔ اس میں جو پانی ہوتا تھا، وہ خود بخود مصفّا ہوتا رہتا تھا۔ مچھلیوں سے شوق رکھنے والے لوگ طرح طرح کی رنگ برنگی مچھلیاں خرید کر فش ایکیوریم میں رکھتے ہیں۔ اس نے دنیا کی حسین ترین لڑکیوں کو خرید رکھا تھا جو مختصر سے پیراکی کے لباس میں تیر رہی تھیں۔ وہاں مختلف رنگا رنگ روشنیوں کا ایسا انتظام تھا کہ پول کے پانی کا رنگ بدلتا رہتا تھا اور اس میں تیرنے والی لڑکیاں جل پریاں لگتی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ میرا حمام ہے۔ میں بچپن ہی سے پانی سے ڈرتا آیا ہوں۔ اس لیے تنہا غسل نہیں کرتا۔ یہ پریاں مجھے غسل کراتی ہیں۔"

پھر اس نے ایک چٹکی بجاتے ہوئے کہا "بند ہو جا سم سم۔"

اور... وہ آئینے کی دیوار سرکتی ہوئی برابر ہو گئی۔ سوئمنگ پول نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ ایک طرف چلتا ہوا گیا۔ پھر آئینے کی دوسری دیوار کے سامنے کھڑے ہو کر بولا "کھل جا سم سم۔"

آئینے کی وہ دیوار بھی سرکتی ہوئی ایک طرف گئی۔ نیا منظر سامنے آ گیا۔ میں اس کے دماغ میں بیٹھا کسی اندر سبھا میں پہنچ گیا تھا۔ رنگا رنگ لباس والی لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ ان کا رقص، ان کا حسن اور ان کی ادائیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ صرف ان کے لباس ہی رنگین نہیں تھے، رنگا رنگ روشنیوں کے دن طلوع ہو رہے تھے اور سب رنگ راتیں جوان ہو رہی تھیں۔ حسن سے بھرپور اور شباب سے چور چور اپسرائیں اِدھر سے آتی تھیں۔ بجلی کی طرح چمکتی تھیں اور اُدھر ہو جاتی تھیں۔ نگاہیں ایک جگہ ٹھہر نہیں پاتی تھیں۔ ایک بجلی کی جگہ دوسری بجلی چمکنے لگتی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا "ہیرا سوامی۔"

"مجھے بھگوان ہیرا سوامی کہو۔"

"کوئی ذرا سی عقل رکھتا ہو، وہ بھی تمہیں بھگوان نہیں کہے گا۔ میں یہ خوابگاہ دیکھ کر مان گیا کہ تم بلا کے عیاش ہو۔"

"مجھے گالی نہ دو۔ میں خوش ذوق ہوں۔ حسن نظر رکھتا ہوں۔ جو کوئی نہ رکھتا ہو، ایسا جگر رکھتا ہوں۔"

اس کے چٹکی بجاتے ہی وہ آئینے کی دیوار برابر ہو گئی۔ وہ دوسری طرف بڑھتے ہوئے بولا "بائی دی وے، فرہاد! حسن نظر کے معاملے میں تمہارا ریکارڈ بھی کچھ اچھا نہیں رہا ہے۔"

"کیا اسی لیے طلسم ہوشربا میں گم کرنا چاہتے ہو؟ اپنی حقیقت نہیں بتاؤ گے؟"

"دیکھنا چاہتے ہو تو حقیقت ضرور دیکھو۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر پھر کہا "کھل جا سم سم۔"

اس کے سامنے والی آئینے کی دیوار سرکنے لگی۔ ایک ایسا آڈیٹوریم نظر آیا جسے میں پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا۔ مجھے فوراً ہی یاد آ گیا۔ میں نے ریحانہ اور کرم داد وغیرہ کے ذریعے اس آڈیٹوریم کو دیکھا تھا۔ اس ہال کے وسط میں ایک گول اسٹیج نما چبوترہ تھا۔ اس چبوترے پر چھ ریوالونگ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

بھگوان ہیرا سوامی نے اُدھر دیکھتے ہوئے آواز دی۔ "اے کرسی، تو کون ہے؟"

اس کا سوال سنتے ہی ایک ریوالونگ چیئر گھوم گئی۔ اس کا رخ بھگوان ہیرا سوامی کی طرف ہو گیا۔ پھر کرسی سے ایک مردانہ بھاری بھرکم سی آواز سنائی دی "میں ماسٹر کی ہوں۔ مگر سابقہ ماسٹر کی کی مانند نادان نہیں ہوں۔ میں کسی کو چیلنج نہیں کرتا۔ جو کرنا ہوتا ہے وہ کر گزرتا ہوں۔"

بھگوان ہیرا سوامی نے دوسری طرف کرسی کی طرف انگلی اٹھا کر پوچھا "تو کون ہے؟"

وہ کرسی بھی گھومتے ہوئے اپنا رخ بھگوان ہیرا سوامی کی طرف کرتے ہوئے گویا ہوئی "میں ہوں ماسٹر کی۔"

اسی طرح تیسری کرسی نے بھی گھوم کر اسی طرح مردانہ آواز میں کہا "میں ہوں ماسٹر کی۔" چوتھی نے، پانچویں نے، چھٹی نے، سبھی نے باری باری گھوم کر، مردانہ بھاری بھرکم آواز میں کہا "میں ہوں ماسٹر کی، میں ہوں ماسٹر کی، میں ہوں ماسٹر کی۔"

"ہیرا سوامی! میں سمجھ گیا۔ ماسٹر کی سنڈیکیٹ میں سات عدد ماسٹر کی تھے۔ جن میں سے ایک میرے ہتھے چڑھ گیا اب چھ رہ گئے ہیں۔"

"کیا ایک ہی دن میں ساری معلومات حاصل کر لو گے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اب یہاں سے جاؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ کمبخت بڑا ہی کمینہ تھا۔ رخصتی انداز اختیار کیے بغیر دماغ سے یوں نکال دیا جیسے کچرا باہر پھینک رہا ہو۔

میں نے اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔ مجھے اپنی حالت پر ہنسی آ گئی۔ اس نے اپنے دماغ کے دروازے یوں بند کر دیے تھے جیسے میں کچھ مانگنے آیا ہوں اور وہ بند دروازے کے پیچھے کہہ رہا ہو "جاؤ بابا معاف کرو۔"

اس کی باتوں سے اور اس کے انداز سے پتا چل گیا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ اسے اپنے ہیرے جواہرات کے ذخیروں پر بڑا ناز تھا۔ ہو سکتا تھا اس کے پاس قارون سے زیادہ خزانہ ہو۔ ہماری دنیا میں ایسے بے شمار دولت مند ہیں مگر کوئی مجھ سے ٹکرانے کی حماقت یا زحمت نہیں کرتا۔ اس کے پاس جتنی بھی دولت تھی، وہ سب چور راستوں سے آئی تھی اور جو چور راستوں سے دولت مند بنتے ہیں، وہ ایسے ہی جرائم پیشہ افراد کی تنظیم یا سنڈیکیٹ قائم کرتے ہیں۔ مجھ سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ میں کہیں ان کے معاملے میں مداخلت کر کے ان چور راستوں تک نہ پہنچ جاؤں۔

اس نے اعتراف کیا تھا کہ پہلے ماسٹر کی نے مجھے چیلنج کر کے سخت نادانی کی تھی۔ مجھ سے محبت اور دوستی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ شاید اس نے دوستی کرنے کے لیے ہی مجھے اتنی دیر تک اپنے دماغ میں رہنے دیا تھا لیکن وہ اپنے اہم رازوں تک پہنچنے کا موقع کبھی نہ دیتا۔ میں نے تھوڑی دیر تک سوچا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے دوسرے ماسٹر کی کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی اور پہنچ گیا۔ اس نے مجھے محسوس کرتے ہی کہا۔ "میں سمجھ رہا تھا، بھگوان ہیرا سوامی کے در سے نکل کر میرے دروازے پر آؤ گے۔"

"میں یقین کرنا چاہتا ہوں۔ تم ماسٹر کی نمبر دو ہو۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "ہم میں سے کسی بھی ماسٹر کی کا نمبر نہیں ہے۔ ہم اس سنڈیکیٹ کے مختلف شعبوں کے افراد ہیں۔ جب تک کوئی ایک ماسٹر کی ہوتا ہے، ہم میں سے کسی کا کوئی عہدہ نہیں ہوتا۔ ہم اپنی ذمے داریاں پوری کرتے رہتے ہیں۔ اب وہ سابقہ ماسٹر کی تمہاری ٹیلی پیتھی کی زد میں آ گیا ہے۔ اس کے بعد ہمارے بورڈ کے اہم اجلاس میں فیصلہ ہو گا کہ ہم چھ میں سے کون ماسٹر کی بن سکتا ہے۔ جب تک فیصلہ نہ ہو، میں ماسٹر کی کی جگہ کام کر رہا ہوں۔"

"جو ماسٹر کی میرے زیرِ اثر آ چکا ہے، اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

"اس سنڈیکیٹ کے تمام اہم افراد ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بُرے وقت میں کام آتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی مسلسل بیمار رہے، یا بوڑھا ہو جائے یا کسی وجہ سے سنڈیکیٹ کا کام سنبھالنے کے قابل نہ رہے تو ہم اسے ریٹائر کر دیتے ہیں۔ وہ دنیا کے جس حصے میں، جس ملک اور شہر میں رہنا چاہے، وہاں اس کی مستقل رہائش کا انتظام کر دیتے ہیں اور یہ بڑی رازداری سے ہوتا ہے تاکہ کوئی دشمن اسے ہماری سنڈیکیٹ کے ایک اہم شخص کی حیثیت سے پہچان نہ سکے اور ہمارے اہم رازوں کو اس سے حاصل نہ کر سکے۔"

"اچھا تو ماسٹر کی بھی ریٹائر کر دیا جائے گا اور اس کی پسند کے مطابق کسی ایسی جگہ رہائش کا انتظام کیا جائے گا جہاں کوئی اسے پہچان نہ سکے۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں مسٹر فرہاد، اسے ہمیشہ کے لیے زندگی سے ریٹائر کر دیا جائے گا کیونکہ تم اس کے دماغ میں پہنچ چکے ہو۔ وہ دنیا کے کسی حصے میں چھپ کر نہیں رہ سکے گا۔ تم جب چاہو گے، اس کے دماغ میں پہنچ کر تھوڑی تھوڑی معلومات حاصل کرتے رہو گے۔"

"میں ابھی ایسا کر سکتا ہوں۔"

"بیشک کر سکتے تھے لیکن گھنٹے بھر سے تمہیں بھگوان ہیرا سوامی نے اپنے ساتھ باتوں میں الجھائے رکھا۔ اس کے بعد میں الجھا رہا ہوں۔ اتنی دیر میں وہ اپنی موت کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔"

یہ سنتے ہی میں نے اس کی طرف خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ وہ ایک ہیلی کاپٹر سے رسّی کی سیڑھی پر لٹک رہا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "میں قسم کھا کر کہتا ہوں، فرہاد مجھے ٹریپ نہیں کر سکتا۔ وہ کبھی میرے دماغ میں نہیں آ سکتا۔ تم لوگ مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔ میں نے اپنے سنڈیکیٹ کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ میں کہتا ہوں، شبہے کی بنا پر موت کے منہ میں نہ دھکیلو۔ بعد میں پچھتاؤ گے۔ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ قابل لوگ ضرور ہیں لیکن جب میری بے گناہی ثابت ہو گی تو پتا چلے گا کہ مجھ جیسا قابل آدمی دوسرا نہیں مل سکے گا۔"

میں نے کہا "تم چیخو گے، چلّاؤ گے۔ اس کا جواب تمہیں نہیں ملے گا جس سنڈیکیٹ کے لیے تم جان دیتے رہے، اس کے تمام اہم افراد اور تمہارا وہ بھگوان جسے ہیرا سوامی کہتے ہو، ان سب کو تمہارے ناکارہ ہونے کا یقین ہو چکا ہے۔ وہ جانتے ہیں، میں تمہارے دماغ میں پہنچنے لگا ہوں۔"

"نہیں، ہرگز نہیں، تم میرے دماغ میں نہیں آ سکتے۔ نکل جاؤ یہاں سے، میں انہیں یقین دلاؤں گا۔ تم چلے جاؤ۔ فار گاڈ سیک، چلے جاؤ۔"

میں اس کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔ وہ سیڑھی سے لٹکتا ہوا نیچے ایک ارینا کو دیکھ رہا تھا۔ ارینا اس جگہ کو کہتے ہیں جو اسٹیڈیم کی مانند ہوتی ہے۔ چاروں طرف تماشائی بیٹھتے ہیں۔ درمیان کے میدانی حصے میں بل فائٹنگ ہوتی ہے۔ یا پہلوان قسم کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہر طرح کے ہتھیار استعمال کرتے ہوئے خونریز جنگ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہاں جیتنے کی شرط یہی

ہوتی ہے کہ وہ اپنے مقابل کو جان سے مار ڈالیں۔

ماسٹر کی سیڑھیوں سے لٹکتا ہوا جس ارینا کو دیکھ رہا تھا، وہاں کسی بدترین دشمن کو سزا دی جاتی تھی۔ وہاں درمیانی حصے میں لوہے کا دائرہ نما کٹہرا تھا۔ اس کٹہرے کے اندر ایک زہریلا سانپ رینگ رہا تھا۔ اسے باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ کیونکہ دائرہ نما کٹہرے کے نچلے حصے میں آگ روشن تھی۔ سانپ جدھر جاتا تھا، وہاں سے آگ کی حرارت پاتے ہی پلٹ جاتا تھا۔ پھر درمیانی حصے میں آجاتا تھا۔

اس کٹہرے کے باہر ایک اور بڑا کٹہرا تھا جس میں خونخوار کتے تھے۔ وہ منہ اٹھا کر سیڑھی سے لٹکنے والے ماسٹر کی کو دیکھ کر بھونکتے جا رہے تھے۔ آسمان سے اترنے والی خوراک کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر کی پرواز نیچی ہوتی جا رہی تھی۔ ماسٹر کی دہشت زدہ تھا۔ اپنے پاؤں ایسے چلا رہا تھا جیسے اس سیڑھی سے جھولتا ہوا کٹہرے کے اندر جانے کے بجائے باہر جا کر گرنا چاہتا ہو۔

وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ سانپ کا کٹہرا پچاس فٹ کے دائرے میں تھا۔ اس کے بعد خونخوار کتوں کا کٹہرا تقریباً سو فٹ کے دائرے میں تھا۔ اس حساب سے ماسٹر کی کو رسیوں پر جھولتے ہوئے پچھتر فٹ کے فاصلے سے باہر گرنا تھا، ہیلی کاپٹر کی پرواز بہت نیچی ہو گئی تھی۔ وہ اتنی دور جھول کر نہیں جا سکتا تھا۔

جنھوں نے اسے ہیلی کاپٹر سے نیچے لٹکایا تھا، ان کی کوشش یہی تھی کہ وہ درمیانی کٹہرے پر اپنی پرواز کو قائم رکھیں اور اسے سانپ کے پاس ہی گرنے پر مجبور کر دیں۔ اس کی جدوجہد کے دوران میں دماغ کی تہ میں پہنچ کر اہم معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن ناکام ہو رہا تھا۔ جب کوئی انسان غصے میں، جوش میں، جذبے میں ہو اور ہر طرح سے اس پر ذہنی دباؤ پڑ رہا ہو تو اس کے دماغ کی گہرائیوں تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لاشعور میں چھپی ہوئی باتیں، اس کے چور خیالات سب گم ہو گئے تھے کیونکہ موت کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں ایسی سنسناہٹ تھی کہ وہ اپنے بچاؤ کی ترکیب سوچنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

میں نے کہا "تم سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہے ہو۔ اگر میرے کام آنے کا وعدہ کرو تو جان بچا سکتا ہوں۔"

"میں تمھارے کام آؤں گا۔ تم جو کہو گے وہ کروں گا۔ فار گاڈ سیک، ابھی میری جان بچاؤ۔"

"ابھی تمھیں سانپ کے کٹہرے میں گرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا لیکن اس کے بعد تمھیں بچا سکتا ہوں۔"

وہ غصے سے چیخ کر بولا "مجھے بیوقوف بناتے ہو، جب میں سانپ کے پاس پہنچ ہی جاؤں گا تو مجھے کیسے بچا سکو گے۔ کیا جانور کو بھی ٹیلی پیتھی کے ذریعے تسخیر کر لو گے؟"

ایسا کہتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا۔ وہ جس رسی کی سیڑھی سے لٹکا ہوا تھا، اس کا ایک سرا کاٹ دیا گیا تھا۔ اسے دھمکی دی گئی تھی کہ وہ اوپر چڑھتا ہوا ہیلی کاپٹر تک پہنچنے کی کوشش کرے گا تو دوسری رسی بھی کاٹ دی جائے گی لیکن اب دوسری رسی کے بھی کٹنے کا وقت آگیا تھا۔ ہیلی کاپٹر پرواز کرتے ہوئے نیچے آگیا تھا۔ وہ سانپ کے کٹہرے کے اندر پہنچ کر لٹکنے لگا تھا۔ ادھر سے ادھر جھولتا ہوا کٹہرے کی آہنی سلاخوں پر لاتیں مار رہا تھا۔ کبھی اس سلاخ کے پاس جاتا تھا۔ پھر لات مار کر دوسری طرف والی سلاخ تک پہنچ جاتا تھا۔ ہیلی کاپٹر کے کھلے ہوئے دروازے پر ایک شخص جھکا ہوا تھا اور ہاتھ بڑھا کر رسی کو کاٹ رہا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک دم سے گھبرا گیا۔ وہ رسی کی سیڑھی پہلے ہی آدھی کٹی ہوئی تھی۔ اب اور کٹنے والی تھی۔ وہ اسے پکڑ کر اوپر جانا چاہتا تھا۔ میں نے کہا "رک جاؤ، اوپر پہنچنے سے پہلے ہی رسی کٹ جائے گی۔"

وہ جھنجلا کر بولا "تم چاہتے ہو، میں زندہ رہنے کی کوشش نہ کروں۔"

"میں چاہتا ہوں، تم کسی طرح زندہ رہ سکو۔ اسی طرح رسی سے لٹکتے ہوئے ایک سلاخ تک پہنچو پھر اسے پکڑ کر وہیں رک جاؤ۔"

ابھی اس کے مقدر میں چند سانسیں باقی تھیں۔ اس نے میری بات مان لی۔ رسی سے لٹکتا ہوا کٹہرے کے ایک طرف گیا۔ پھر وہاں کی دو سلاخوں کو پکڑ کر وہیں رہ گیا۔ اگر ذرا سی بھی دیر کرتا تو نیچے گر پڑتا کیونکہ اوپر سے کاٹی ہوئی رسی سانپ کے قریب آکر گری تھی۔ کٹہرے کے دوسری طرف کتے بھونک رہے تھے۔ اچھل اچھل کر ماسٹر کی تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ان خونخوار شکاری کتوں کی چھلانگیں قابلِ دید تھیں۔ اپنے شکار تک پہنچنے کے لیے چھ چھ، سات سات فٹ کی اونچائی تک پہنچ رہے تھے جبکہ ماسٹر کی ان سے دس فٹ کی بلندی پر سلاخوں سے لپٹا کھڑا تھا۔ پاؤں ٹیک کر کھڑے رہنے کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ وہ اپنے دونوں بازوؤں کی قوت سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن کب تک اس حالت میں رہ سکتا تھا۔ جب

بازو دُکھنے لگتے، پورے جسم کا بوجھ سنبھال نہ پاتے تو اسے نیچے گرنا ہی تھا۔

نیچے سانپ اِدھر سے اُدھر دوڑ رہا تھا۔ اسے کہیں سے باہر جانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ کٹہرے کے دوسری طرف خونخوار کتے تھے، اگر وہ سلاخوں کی بلندی تک پہنچ کر دوسری طرف کودنا چاہتا تو کتے اس طرح بھنبھوڑتے کہ آخر میں اس کی ہڈیاں ہی رہ جاتیں۔

ایک بار اس کے بازو ذرا کمزور پڑے تو وہ سلاخوں پر پھسلتا ہوا ایک فٹ نیچے گیا۔ نیچے سے کتوں نے اس کی طرف چھلانگ ماری۔ وہ ایک دم سے چیختا ہوا جلدی جلدی سلاخوں کو پکڑتا ہوا اوپر جانے لگا۔ ایسے ہی وقت میں نے پوچھا "اپنے سنڈیکیٹ کی کمزوریاں بتاؤ؟"

ایک تو اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ نیچے سے خونخوار کتے قریب پہنچنا چاہتے تھے۔ جان بچانے کا راستہ نہیں تھا۔ وہ کتنا اوپر چڑھ سکتا تھا۔ دوسری طرف پہنچنے پر کتوں سے واسطہ پڑتا۔ ایسے میں میں نے سنڈیکیٹ کی کمزوریاں پوچھیں تو وہ غصے سے گالیاں دینے لگا۔ کہنے لگا "بچاؤ، پہلے مجھے بچاؤ۔"

"گالیاں بھی دیتے ہو اور ہمدردی کی توقع بھی رکھتے ہو۔"

"مجھے معاف کر دو۔ میں غصے میں جانے کیا بک رہا ہوں مجھے یہاں سے نکالو۔ میں زندگی بھر تمھارا غلام بن کر رہوں گا۔"

"سمجھ لو تمھیں غلام بنانے کے لیے انٹرویو لے رہا ہوں۔ اس انٹرویو کا پہلا سوال وہی ہے۔ جواب دو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ میں تمھیں کیا بتاؤں، میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔"

"جس کا دماغ کام نہ کرے، وہ میرا غلام کیسے بن سکتا ہے، مجھے افسوس ہے۔ میں جا رہا ہوں۔"

وہ چیخنے لگا "نہیں نہیں، تم نہیں جا سکتے۔ فار گاڈ سیک، میں سوچتا ہوں۔ سوچ کر بتاتا ہوں۔"

"جتنی جلدی بتاؤ گے اتنی ہی جلدی نجات پاؤ گے۔"

"ماسٹر کی سنڈیکیٹ میں ہم سات پارٹنر ہیں۔ مجھے کسی طرح بچا لو۔ میں اس سنڈیکیٹ میں واپس نہیں جاؤں گا۔"

"باقی چھ پارٹنروں تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔"

"بہت مشکل ہے۔ وہ شاید ہی تمھارے ہاتھ آسکیں، ہاں اگر کسی نے میری طرح تمھارے سامنے آنے اور تم سے ٹکرانے کی کوشش کی تو تم اس کے دماغ تک پہنچ سکو گے۔"

"انسان کتنا ہی سنجیدہ، بُردبار اور معاملہ فہم ہو اس کی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔ اپنے پارٹنروں کی کمزوریاں بتاؤ؟"

"ہم تمام پارٹنر ایک دوسرے کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے ہیں۔ پھر کمزوریاں کیسے جان سکتے ہیں۔ البتہ ہم سب کی کمزوریاں بھگوان ہیرا سوامی کے ہاتھ میں ہیں۔ ہم نے ایسے ایسے بھیانک جرم کیے ہیں جن کے آشکار ہونے کے بعد کسی بھی ملک کی عدالت ہمیں سزائے موت دے سکتی ہے یا ہمارے بے نقاب ہونے پر کوئی بھی دشمن ہمیں گولی مار سکتا ہے۔"

"بھگوان ہیرا سوامی تک پہنچنے کا راستہ بتاؤ۔"

"اس کے پاس پہنچنا آسان ہے مگر اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکو گے۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ تم راستہ بتاؤ۔"

"نیویارک سینٹرل انٹیلی جنس بیورو میں بھگوان ہیرا سوامی کا ریکارڈ موجود ہے۔ اسے پڑھ لو معلوم ہو جائے گا۔ اس کے ریکارڈ میں ہم سات پارٹنروں کا ذکر نہیں ملے گا۔"

میں نے پوچھا "تمھارے دھندے کیا ہیں؟"

وہ چیختے ہوئے بولا "تم اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہو، مجھے یہاں لٹکا رکھا ہے، پلیز، مجھے نجات دلاؤ۔"

"چیخنے چلانے سے نجات نہیں ملے گی۔ میرے سوال کا جواب دو۔"

"کیا جواب دوں۔ ہم ساتوں پارٹنر جرائم کی دنیا میں بڑے لمبے ہاتھ رکھتے ہیں۔ ہم میں سے ایک پارٹنر منشیات کے پھیلاؤ میں ماہر ہے۔ اس کے بڑے مستحکم ذرائع ہیں۔ وہ نہ کبھی بے نقاب ہوتا ہے، نہ کسی کی گرفت میں آتا ہے۔ دوسرا پارٹنر بڑے بڑے ممالک سے جدید ترین ہتھیار حاصل کرنے، پھر ان ہتھیاروں کو مطلوبہ مقامات تک پہنچانے والا وہ خفیہ ہاتھ ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ تیسرا پارٹنر ہیرے جواہرات کا بہت بڑا اسمگلر ہے۔ ان باتوں سے اندازہ کر سکتے ہو کہ اپنی اپنی جگہ ہر پارٹنر بڑے مستحکم ذرائع کا مالک ہے۔ خواہ چھوٹا ملک ہو یا بڑا ملک ہو، وہاں کے حکمران یا اعلیٰ عہدے دار ہماری مٹھی میں ہوتے ہیں۔"

وہ اپنی دونوں مٹھیوں سے دو آہنی سلاخوں کو جکڑے ہوئے تھا، چیخ کر کہنے لگا "میرے ہاتھ کمزور پڑنے لگے ہیں۔ مجھے بچاؤ، مجھے یہاں سے نکالو۔"

میں نے اس کی چیخ و پکار کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تمھارا انجام دیکھنے کے بعد تمھارے دوسرے پارٹنر میرے خلاف سازش کرنے کی جرأت کریں گے؟"

"وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمہیں جان سے مار ڈالیں مگر تمہارا تعاقب کرتے رہیں گے۔ تمہارے خلاف سازشوں کے جال بچھاتے رہیں گے تاکہ تمام بڑے ممالک جو تمہارے دشمن ہیں، ان کی توجہ تمہاری ہی طرف رہے اور وہ ماسٹر کی سنڈیکیٹ کے اصل ہتھکنڈوں کو کبھی نہ سمجھ سکیں۔"

ایسا کہتے ہوئے وہ سلاخوں کو اسی طرح تھامے ہوئے اوپر چڑھنے لگا۔ پھر اس نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔ "تم کب تک سوالات کرتے رہو گے۔ میں نے تمہارے سب سے اہم سوال کا جواب دے دیا۔ نیویارک سی آئی بی کے دفتر تک کسی طرح رسائی حاصل کرو۔ پھر بھگوان ہیرا سوامی کی فائل کو پڑھو۔ تمہارے لیے بہت سے راستے کھل جائیں گے۔ اب تو مجھے یہاں سے نکالو۔"

وہ اوپر چڑھتا ہوا کٹہرے کے سب سے اوپری حصے پر پہنچ کر ایک پاؤں اِدھر اور دوسرا پاؤں اُدھر رکھ کر بیٹھ گیا تھا جیسے گھڑسواری کر رہا ہو۔ اب اطمینان ہو گیا تھا کہ اس کے بازو کمزور نہیں پڑیں گے۔ وہ نیچے نہیں گرے گا۔ ان کٹہروں سے دور چاروں طرف تماشائیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ وہاں صرف بیس پچیس افراد نظر آ رہے تھے۔ میں نے ان میں سے کسی کی آواز نہیں سنی تھی، کسی کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا جب ماسٹر کی کٹہرے کے سب سے اوپری حصے پر آ کر بیٹھ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تب میں نے اس کے ذریعے معلوم کیا، وہاں کچھ لوگ موجود ہیں۔

اس نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر چیختے ہوئے کہا۔ "تم تماشا دیکھ رہے ہو۔ میں تمہارا باس ہوں۔ تم سب مجھے جھک جھک کر سلام کرتے تھے، جیسے جھک کر قدموں میں جان دے دو گے۔ آج میری جان جا رہی ہے۔ تم میں سے کوئی مجھے بچا نہیں سکتا؟"

وہ خاموش تھے۔ میں نے دیکھا، دور ایک شخص بیٹھا ہوا ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ یقیناً وہ بھگوان ہیرا سوامی یا ان چھ پارٹنروں سے رابطہ قائم کر رہا ہو گا۔ ٹرانسمیٹر سامنے رکھ کر کمنٹری کر رہا ہو گا کہ ماسٹر کی کس طرح سلاخوں سے لٹکتا رہا اور ایک طرف سانپ سے اور دوسری طرف خونخوار کتوں سے بچتا ہوا اب کٹہرے کے سب سے اوپری حصے پر جا کر بیٹھ گیا ہے۔

میں نے نئے ماسٹر کی کو مخاطب کیا۔ اس نے دماغ کے دروازے کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اس پٹے ہوئے مہرے سے کچھ حاصل ہوا؟"

"تم نے بڑا نفسیاتی حربہ استعمال کیا۔ مجھے ادھر الجھا دیا اور اسے کٹہرے میں پہنچا دیا۔ جب میں وہاں پہنچ کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا تو وہ بُری طرح دہشت میں مبتلا تھا۔ اس کے دماغ میں طوفانی سنسناہٹ تھی۔ میں کچھ معلوم نہ کر سکا۔ اسے وہاں سے نکال کر لے جانے کا وعدہ کیا۔ پھر بھی وہ دہشت زدہ ہے۔ اب تک میرے مطلب کی بات معلوم نہیں ہو سکی۔"

"فرہاد! ہم اتنے نادان نہیں ہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ تم نے یقیناً بڑی حد تک معلومات حاصل کی ہیں۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اتنی دیر تک اپنی زندگی کے لیے جدوجہد کرتا رہے گا۔"

وہ سوچ کے ذریعے مجھ سے گفتگو کر رہا تھا اور سامنے رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر کے ذریعے سابقہ ماسٹر کی کے متعلق کمنٹری سُن رہا تھا۔ وہاں سے آواز آ رہی تھی۔ "بھگوان ہیرا سوامی کا حکم ہے کہ اسے زیادہ دیر زندہ نہ رکھا جائے ہمارے لیے خطرہ بن جائے گا۔ لہٰذا اسے گولی ماری جا رہی ہے"

میں نے فوراً ہی سابقہ ماسٹر کی کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ گولی اس کے بازو میں آ کر لگی تھی۔ وہ ایک دم سے تڑپ گیا بے حال ہو کر نیچے گرنا ہی چاہتا تھا۔ پھر دوسرے بازو سے کٹہرے کو تھام کر سنبھل گیا۔ بازو میں پیوست ہونے والی گولی انگارے کی طرح دہک رہی تھی۔ وہ ایسے جُھک گیا تھا جیسے کوئی گھڑسوار نڈھال ہو کر سامنے کی طرف ڈھلک جاتا ہے۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے زہریلا سانپ اور بھونکتے ہوئے کتے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے زمین کی سطح سے اٹھ کر اس کے پاس چلے آ رہے ہوں لیکن ایسی بات نہیں تھی وہ خود ان کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے بڑے کرب سے بڑی التجا سے کہا۔ "فرہاد! بچا لو۔"

"میں فرہاد ہوں، جادوگر نہیں ہوں۔ ٹھیک ایسا ہی وقت مرجانہ پر آ پڑا تھا۔ میرا بھائی سجاد علی بھی کوما سے نکلنے کے باوجود ایڑیاں رگڑتا ہوا مر گیا۔ میں انہیں اس دنیا سے رخصت ہوتے دیکھ رہا تھا مگر دشمنوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ اپنے جاں نثار ساتھیوں کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ان محبت کرنے والی ہستیوں کی قسم کھائی تھی کہ دشمن پر ترس نہیں آئے گا۔ تم بڑے کرب سے، بڑے

درد سے اپنی جان کی امان چاہتے ہو۔ کوئی دوسرا ہو تو وہ تمہاری التجا پر تڑپ جائے۔ مگر مجھے اپنے پیاروں کی بےبسی اور مجبوریاں یاد آ رہی ہیں۔ انہوں نے صبر اور خاموشی سے جان دے دی۔ تم بھی خاموشی سے مرنے کا حوصلہ کرو یا پھر چیختے رہو۔"

اسی وقت وہ کٹہرے کے اوپری حصے پر سے ڈھلک گیا۔ سلاخوں پر سے ہوتا ہوا کتوں کی بھیڑ میں پہنچ گیا۔ اس کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں وہاں سے واپس آ گیا۔ اس غار میں گہری تاریکی تھی۔ میں ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھوں پر اینٹی ڈارک گاگلز تھا۔ میں نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی، دور تک سناٹا اور ویرانی تھی۔ میں پتھر سے اتر گیا۔ ایک طرف جانے لگا۔ وہاں کسی کی موجودگی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے پھر نئے ماسٹر کی کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے کہا۔ "اب کیا لینے آئے ہو۔ اس کا قصہ تمام ہو چکا ہے۔"

"جو اہم معلومات حاصل کر چکا ہوں، اس کے متعلق بتانا چاہتا ہوں۔"

وہ ذرا چونک گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "چند سیکنڈ کے بعد آنا۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ میں دماغی طور پر حاضر ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ کچھ دور جانے کے بعد چٹان کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے کہا۔ "ہاں، میں سن رہا ہوں۔ تم نے کیا معلومات حاصل کی ہیں؟"

"جب میں بھگوان ہیرا سوامی کے دماغ میں تھا تو اس کے ذریعے چھ ریوالونگ کرسیاں دیکھی تھیں۔ وہ چھ کرسیاں باری باری گھوم کر کہہ رہی تھیں کہ وہ ماسٹر کی ہیں حالانکہ ماسٹر کی ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے۔"

"تم درست کہہ رہے ہو لیکن یہ تو کوئی معلومات نہ ہوئی۔"

"آگے سنتے جاؤ۔ ابھی تم چھ پارٹنروں میں سے کوئی بھی ماسٹر کی نہیں ہے البتہ تم اس کے قائم مقام ہو۔ تم سوچ رہے ہو کہ میں نے پھر بھی کوئی اہم معلومات حاصل نہیں کی۔"

"کیا تم کوئی چونکا دینے والی بات کرنا چاہتے ہو؟"

"بیشک، ابھی چونک جاؤ گے۔ پہلے ایک سوال کا جواب دو۔ میں خیال خوانی کے ذریعے تمہارے دماغ میں بات کر رہا ہوں۔ تم میری باتوں کا جواب سوچ کے ذریعے دے سکتے ہو مگر جواباً زبان سے بولتے ہو۔ یعنی تم محض ایک آلۂ کار ہو اور میری باتیں باقی چھ پارٹنروں تک پہنچا رہے ہو۔"

وہ ذرا گڑبڑا گیا۔ جس کرسی پر بیٹھا تھا، اس پر سیدھا ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "سیدھی بات سننا چاہتے ہو تو سنو۔ جو قائم مقام ماسٹر کی ہے، وہ تمہارے آس پاس یا تمہارے پیچھے کہیں بیٹھا ہوا تمہاری زبان سے وہ ساری باتیں سن رہا ہے جو ہمارے درمیان ہو رہی ہیں۔"

میں نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا۔ "جب وہ ماسٹر کی بازو پر گولی لگنے کے بعد نیچے جھولنے لگا تھا، اسی وقت میں اس کے دماغ کے تہ خانے میں پہنچ گیا تھا اور یہ معلومات حاصل کی تھیں۔"

میں پھر چند ساعتوں کے لیے چپ رہا۔ کوئی دوسرا وقت ہوتا تو وہ دماغ کے دروازے بند کر لیتا لیکن ان میں کھلبلی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ میری پوری باتیں سننے پر مجبور تھے۔ میں نے کہا۔ "اور وضاحت سے سنو۔ ماسٹر کی سنڈیکیٹ میں چھ اہم افراد رہ گئے ہیں۔ ان چھ میں سے کوئی ایک ماسٹر کی کا رول ادا کرے گا لیکن اس سلسلے میں جو بات دنیا والوں سے اور خصوصاً مجھ سے چھپائی جا رہی ہے، وہ یہ کہ یہ تمام چھ پارٹنرز یوگا کے ماہر نہیں ہیں۔ یہ میری ٹیلی پیتھی کا راستہ کبھی نہیں روک سکیں گے۔"

میں پھر چپ ہو گیا۔ یقیناً وہ راز فاش ہونے پر تلملا رہے ہوں گے۔ میں نے کہا۔ "جب وہ چھ ریوالونگ کرسیاں گھوم گھوم کر خود کو ماسٹر کی کہہ رہی تھیں تو یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ چھ مختلف افراد ماسٹر کی کی حیثیت سے خود کو متعارف کرا رہے ہیں لیکن یہ بات نہیں تھی۔ ہر کرسی کے ہلنے پر ایک ہی شخص بار بار ماسٹر کی یوں کہہ رہا تھا جیسے چھ مختلف افراد کہہ رہے ہوں اور وہ بار بار کہنے والا شخص یوگا کا ماہر ہے اور میں ابھی اسی کے دماغ میں موجود ہوں۔"

وہ میری باتوں کو اپنی زبان کے ذریعے ادا کرتا جا رہا تھا تاکہ دوسرے چھ پارٹنرز سنتے رہیں۔ میں نے کہا۔ "مجھے یہ راز فاش نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چپ چاپ ماسٹر سنڈیکیٹ کے چھ اہم افراد تک پہنچنا چاہیے تھا۔ ویسے میں یہ انکشاف کرتا یا نہ کرتا، مجھے تم لوگوں تک پہنچنا ہی ہے۔ میری زندگی میں بڑے زبردست نادیدہ دشمن آئے۔ انہوں نے مجھے چیلنج کیا کہ انہیں پردۂ راز سے نکال نہیں سکتا۔ کبھی بے نقاب نہیں کر سکتا اور یہ تو دنیا دیکھ رہی ہے کہ انہیں کس طرح بے نقاب کرتا آ رہا ہوں۔ اب چھ پارٹنروں کی باری ہے۔ میں دیر سویر ضرور پہنچوں گا۔ لیکن جب تک نہیں پہنچوں گا، ان کی نیندیں اڑتی رہیں گی۔"

یہ کہتے ہی میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔ مجھے کچھ آہٹ سی سنائی دے رہی تھی۔ میں دور دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ وہ غار ابھی تک ویران نظر آرہا تھا مگر ضرور کوئی موجود تھا۔ میں نے چٹان کی آڑ میں پہنچ کر ذرا بلند آواز سے کہا۔ "جو کوئی بھی ہے مجھے دشمن نہ سمجھے۔ میں مائیکل گارسن ہوں۔"

دور ایک پتھر کے پیچھے ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ پھر کوئی لڑکی ترکی زبان بولتے ہوئے اس کے پیچھے سے نکل آئی۔ وہ وہی رہنما ساتھی تھی جو مجھے اس غار تک لے کر آئی تھی۔ وہ پھر میری رہنما بن گئی۔ میں اس کے ساتھ پیچیدہ راستوں سے گزرتا ہوا باہر آگیا۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے مگر اندھیرا باقی تھا۔ فضا میں کُہر کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ اس دھندلکے میں ذرا دور لیڈی روزینہ کی رہائش گاہ دکھائی دے رہی تھی۔

میں اس کے ساتھ چلتا ہوا اپنے بیڈروم کے پچھلے دروازے پر آیا۔ وہ رہائش گاہ کے قریب پہنچ کر مجھ سے رخصت ہوگئی تھی۔ میں تنہا دروازے تک آیا۔ پھر اسے کھول کر جیسے ہی اندر پہنچا تو ٹھٹک گیا۔ خوابگاہ کی تاریکی میں لیڈی روزینہ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

مجھے رس بھری آواز سنائی دی۔ وہ اپنی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کے بعد ہی میرے دائیں طرف ذرا فاصلے پر کسی کی آواز آئی۔ میں نے اُدھر گھوم کر دیکھا۔ وہاں بھی اینٹی ڈارک گاگلز کی چمک دکھائی دی۔ وہ لیڈی روزینہ کی خاص باڈی گارڈ تھی۔ اس کی زبان کا انگریزی میں ترجمہ پیش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی "لیڈی صاحبہ کا حکم ہے، سوئچ آن نہ کیا جائے۔"

میں نے اپنی آنکھوں پر اینٹی ڈارک گاگلز چڑھالیے۔ اب مجھے کمرہ صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ لیڈی کے علاوہ وہاں اور چار مسلح عورتیں تھیں۔ ان سب کی اسٹین گنوں کا رخ میری طرف تھا۔ اس کی پرسنل باڈی گارڈ نے پوچھا۔ "تم کس کی اجازت سے باہر گئے تھے؟"

میں نے جواب دیا "کوئی روکنے والا ہوتا تو اجازت طلب کرتا۔ پچھلا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ کھلی فضا اچھی لگ رہی تھی۔ اس لیے ذرا گھوم پھر کر آرہا ہوں۔"

"جھوٹ کہتے ہو۔ تم اس غار میں گئے تھے۔"

"کس غار کی بات کر رہی ہو؟"

"تم ہمیں بالکل ہی نادان سمجھتے ہو۔ یہاں اتنی زبردست فائرنگ ہوتی رہی اور تم سیر و تفریح کرتے رہے۔ کیا ہم اس بات کو مان لیں؟"

"بیشک زبردست فائرنگ ہورہی تھی لیکن اِدھر ایک گولی بھی نہیں آئی۔ میری سمجھ میں آیا کہ لیڈی روزینہ کے فوجی رات کو نشانہ بازی کی مشقیں کر رہے ہیں۔ کوئی خطرہ نہیں ہے لہٰذا میں تفریح کرتا رہا۔"

وہ میری باتوں کا ترجمہ اپنی لیڈی کو سناتی رہی۔ میں نے جماہی لینے کے بعد کہا "نیند آرہی ہے۔"

لیڈی روزینہ نے کہا "جو بے تحاشا فائرنگ کو چاند ماری سمجھ رہا ہو، وہ یقیناً فرہاد ہی ہوسکتا ہے۔ اس سے پوچھو، یہ کب تک مائیکل کے خول میں چھپا رہے گا۔ کیا میں دوبارہ اس کا طبی معائنہ کراؤں؟"

میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری پرسنل باڈی گارڈ کے ذریعے تمہاری باتوں کا ترجمہ سمجھ رہا ہوں۔"

جب اس باڈی گارڈ نے اپنی لیڈی کو میری بات سنائی تو وہ خوش ہوکر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی "پچھلے دروازے کو باہر سے بند کیا جائے۔ دونوں دروازوں کے باہر مسلح گارڈز کا پہرہ ہونا چاہیے۔ فی الحال تم سب جاؤ۔"

وہ دروازے سے باہر گئیں۔ پھر اسے بند کر دیا۔ بند کمرے کی خاموشی اور تنہائی میں وہ حسنِ مجسم میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ اندھیرا تھا مگر اندھیرا نہیں تھا کیونکہ مطلب کی چیز نظر آتی ہو تو اندھیرا مہربان سا لگتا ہے۔

وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی۔ اس کی چال میں شاہانہ وقار بھی تھا۔ نزاکت بھی تھی اور اداؤں کا حسن بھی تھا۔ وہ قریب آکر میرے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے بولنے لگی۔ خدا جانے کیا بول رہی تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ میں نے بھی جاپانی زبان شروع کر دی۔ وہ بولتے بولتے قریب تر ہورہی تھی۔ چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ تعجب سے مجھے دیکھنے لگی۔

پھر اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے بھی جواباً وہی جاپانی زبان استعمال کی۔ اس نے پاؤں پٹخ کر پھر کچھ کہا۔ میں نے انگریزی زبان میں پوچھا "کیا تمہیں اس بات پر غصہ آرہا ہے کہ میں انگریزی کے بجائے ایسی اجنبی زبان بول رہا ہوں جو تمہارے پلے نہیں پڑ رہی ہے؟"

وہ چپ چاپ مجھے دیکھتے ہوئے میری بات سن رہی تھی۔ میں نے کہا "لیڈی روزینہ! تم انگریزی زبان اچھی طرح سمجھتی ہو۔ اسی لیے تمہیں حیرانی نہیں ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور تمہیں غصہ بھی نہیں آرہا ہے۔"

وہ فوراً ہی دوسری طرف گھوم گئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے دروازے کے پاس گئی۔ پھر دستک دیتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ اس کی پرسنل باڈی گارڈ اندر آئی۔ اپنی مالکہ کی باتیں سننے کے بعد مجھ سے پوچھا "ابھی تم کس زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ تمہارے انداز سے پتا چل رہا تھا، تم کوئی الٹی سیدھی زبان بول کر لیڈی صاحبہ کا مذاق اڑا رہے تھے۔"

"تمہاری لیڈی کو میرے ساتھ تنہائی میں رہنے کا شوق ہوا مگر یہ بھول گئیں کہ نہ میں ان کی زبان سمجھتا ہوں۔ نہ یہ میری زبان سمجھ پائیں گی۔ انھوں نے مجھ سے کچھ کہا۔ میں نے جاپانی زبان میں کہنا شروع کیا۔ اب میں کوئی بھی زبان بولوں، اس سے تمہاری لیڈی صاحبہ کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ صرف اپنی زبان جانتی ہیں۔ یہ کبھی اعتراف نہیں کریں گی کہ انگریزی زبان سمجھتی بھی ہیں اور بولتی بھی ہیں۔"

لیڈی روزینہ نے پوچھا "یہ مجھ سے جاپانی زبان میں کیا کہہ رہا تھا؟"

میں نے جواب دیا "میں لیڈی صاحبہ سے کہہ رہا تھا۔ صبح ہورہی ہے۔ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی ہورہی ہے۔ انھوں نے سوئچ آن کرنے سے روکا تھا لیکن دن کی روشنی کو نہیں روک سکتیں۔ انھیں تکلیف ہوگی۔ آنکھیں دُکھنے لگیں گی۔ لہٰذا انھیں اپنے تاریک کمرے میں جانا چاہیے۔"

وہ اپنی پرسنل باڈی گارڈ کے ذریعے میری باتوں کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر کہا "میں جا رہی ہوں۔ اس سے کہہ دو، اس کا ریکارڈ میں نے اچھی طرح پڑھا ہے۔ آج تک اسے کوئی زبردستی حاصل نہیں کرسکا۔ میں یہ ریکارڈ توڑ دوں گی۔ اس کی مرضی کے خلاف ہماری شادی ہوگی اور آنے والی رات میری سہاگ رات اور اس کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ پرسنل باڈی گارڈ نے کہا "تم نے اپنی قسمت کا فیصلہ سن لیا ہے۔ اب آرام کرو۔ باہر نکلنے کی حماقت نہ کرنا۔"

وہ بھی کمرے سے باہر گئی۔ پھر دروازہ بند ہوگیا۔ اس نے مجھے آرام کرنے کا نیک مشورہ دیا تھا۔ اب آنے والی رات میری زندگی کی آخری رات ہے یا نہیں، یہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔ لوگوں کے چیلنج کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے جوتے اتارے۔ بستر پر آکر آرام سے لیٹ گیا۔

ماسک مین کو مخاطب کیا۔ وہ ابھی نیند سے بیدار ہوا تھا۔ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "صبح سویرے خوشخبری سننے سے سارا دن اچھا گزرتا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا "تم نے وعدہ کیا تھا، ماسٹر کی کے متعلق کوئی خوشخبری سناؤ گے۔"

"وہ مر چکا ہے۔"

"کیا؟"

"ہاں، مگر مرنے کے بعد بھی زندہ ہے۔"

"پہیلیاں بُجھوا رہے ہو؟"

"جس طرح ایک شیطان کے مرنے کے بعد درجنوں شیطان پیدا ہوجاتے ہیں، اسی طرح ابھی آدھے درجن ماسٹر کی موجود ہیں۔"

میں نے ماسک مین کو بھگوان ہیرا سوامی اور ماسٹر کی سنڈیکیٹ کے چھ اہم افراد کے متعلق مختصر طور پر بتایا۔ اس نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "یہ اچھا ہوا کہ وہ چھ اہم افراد جو وقتاً فوقتاً ماسٹر کی بن کر تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے والے تھے، ان کی اصلیت معلوم ہوگئی۔ وہ یوگا کے ماہر نہیں ہیں۔ یہ بات انھیں بتا کر تم نے واقعی ان کی نیندیں اُڑا دی ہیں۔ ان پر اچھا نفسیاتی اثر ڈالا ہے۔ وہ اپنے تحفظ کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی حماقت کرتے رہیں گے۔"

میں نے کہا "ہر بڑا ملک اپنے ہاں تیار ہونے والے ہتھیاروں کو دوسرے ملکوں میں پہنچانا چاہتا ہے، جہاں پہنچا نہیں سکتا، وہاں خفیہ ایجنٹوں اور دہشت گردوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ آپ کا ملک بھی یہی کرتا ہے۔"

"کیا مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں آپ کو شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔ اپنی معلومات کے لیے پوچھ رہا ہوں۔ آپ کی فہرست میں ایسے خفیہ ایجنٹ اور دہشت گرد ہوں گے جو آپ کے ہاں تیار ہونے والے ہتھیاروں کو دوسرے ملکوں میں پھیلاتے ہیں۔ میں ان ایجنٹوں کے نام چاہتا ہوں۔ ماسٹر کی سنڈیکیٹ میں جو چھ افراد ہیں، ان میں ایک شخص ہتھیاروں کا خفیہ ایجنٹ ہے۔ ان ہتھیاروں کے ذریعے وہ کروڑوں ڈالر حاصل کرتا ہے۔"

"میں تمہاری بات سمجھ گیا۔ ایک گھنٹے کے اندر ایسے ایجنٹوں کی فہرست تمہیں پیش کرسکتا ہوں۔"

"اب تو میں سونے جا رہا ہوں۔ بیدار ہونے کے بعد آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں نے رابطہ ختم کرنے کے بعد ریڈ پاور کے باس کو

مخاطب کیا۔ پھر اس سے کہا "نیویارک کے سی آئی بی ڈیپارٹمنٹ میں بھگوان ہیرا سوامی کی ایک فائل ہے۔ میں اسے پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں، اس فائل کو چرایا جائے؟"

"چوری کی جائے یا اس کی نقل حاصل کی جائے۔ وہ ہر حال میں چاہیے۔ اسے آج ہی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ میں بعد میں رابطہ قائم کروں گا۔"

میں واپس آ گیا۔ خوابگاہ کے دونوں دروازے باہر سے بند تھے۔ باہر والے کسی بھی وقت کھول کر اندر آ سکتے تھے۔ جب مجھے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی تو میں بھی انھیں اندر آنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے دونوں دروازوں کو اندر سے بند کیا پھر آ کر آرام سے لیٹ گیا۔ اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ آنکھیں بند کیں۔ دماغ کو ہدایات دیں۔ پھر نیند کی غفلت بھری دنیا میں پہنچ گیا۔

شیبا اور آمنہ دشمنوں کے درمیان تھیں۔ مجھے ان کی خبر لینا چاہیے تھی مگر یہ اطمینان تھا کہ دشمن فی الحال کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ شیبا کو راضی رکھنے کی خاطر آمنہ کو بھی برداشت کریں گے۔ میرے سوتے رہنے کے دوران لیڈی روزینہ کی رہائش گاہ میں کیا ہوتا رہا، یہ ابھی بیان کر رہا ہوں۔

اس کی پرسنل باڈی گارڈ نے میرے کمرے سے جانے کے بعد اپنی لیڈی صاحبہ سے کہا "میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

روزینہ نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"آپ فرہاد کے سلسلے میں اتنا سخت فیصلہ نہ کریں تو بہتر ہے۔"

"تم اس کی حمایت کر رہی ہو؟"

"میں آپ کی حمایت میں بول رہی ہوں۔ آپ نے غار سے نکل کر آنے کے بعد اپنے فارم کے اطراف مسلح سپاہیوں سے رپورٹ لی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ ماسٹرکی کے آدمیوں کے پاس بھاری مشین گنیں تھیں لیکن انھوں نے وہ مشین گنیں اپنے ہی آدمیوں پر استعمال کیں۔ کیا یہ فرہاد کا کارنامہ نہیں ہے؟"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں، جتنا سوچتی ہوں، یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ ہم پر حملہ کرنے والے دشمنوں نے خود اپنے آدمیوں کو مار ڈالا، باقی جو بچے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ ٹیلی پیتھی کا کمال ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو یقیناً فرہاد اس غار میں موجود تھا اور ہماری باتیں سن رہا تھا۔"

"لیڈی صاحبہ! فرہاد غار میں تھا یا نہیں؟ اسے جانے دیں، ماسٹرکی کے آدمی پھر ہم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ فرہاد ہمارے سامنے ظاہر ہو گیا ہے۔ اُدھر ماسٹرکی بھی یقین سے کہہ رہا تھا، مائیکل کے پیچھے وہ چھپا ہوا ہے۔ دشمن اسے حاصل کرنے کے لیے ضرور حملہ کریں گے۔"

"وہ چار مشین گنیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ ہمارے قبضے میں ہیں۔ پھر ہمارے آدمی فارم کے اطراف چوکس رہیں گے۔ اس کے علاوہ ابھی اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کروں گی اور ماسٹرکی کے خلاف شکایت کر کے قانونی طور پر امداد حاصل کروں گی۔ یہاں کی انتظامیہ میری مٹھی میں ہے۔"

"یعنی آپ فرہاد کو اہمیت نہیں دے رہی ہیں۔"

"اسے کیوں اہمیت دوں؟ جبکہ میرے پاس بہتیرے ذرائع موجود ہیں۔"

"اسے بھی اپنا ایک ذریعہ بنا کر رکھا جا سکتا ہے۔"

"جسے میں پسند کر لیتی ہوں، اسے ذریعہ نہیں بناتی۔ خود اس کی نجات کا ذریعہ بن جاتی ہوں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو، میرا فیصلہ کبھی نہیں بدلتا۔ اب جاؤ۔ میں آرام کروں گی۔"

وہ سر جھکا کر آ گئی۔ لیڈی روزینہ نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ اس کی خوابگاہ کا دروازہ بڑا ہی مضبوط تھا۔ کوئی اسے توڑ کر اندر نہیں جا سکتا تھا۔ جب وہ سونے جاتی تو دروازوں اور کھڑکیوں پر بجلی کی نادیدہ لہریں دوڑتی رہتی تھیں۔ وہاں سے گزرنے کی کوشش کرنے والا آئندہ کبھی کوشش کرنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔

پرسنل گارڈ پچھلے چھ برسوں سے اس کی خدمت کر رہی تھی۔ اس نے وہاں رہ کر دیکھا تھا کہ اس کی مالکہ شادی کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرتی تھی جو کسی نہ کسی معاملے میں مشہور و معروف ہوتے تھے۔ وہ ان سے طرح طرح کے مقاصد پورے کرتی تھی اور جب کام نکل جاتا تو نکاح نامے پر دستخط کر کے اسے اپنی خوابگاہ میں لے جاتی تھی۔ اس کے ساتھ جانے والا پھر کبھی خوابگاہ سے باہر نہیں آتا تھا۔

وہاں ملازمت کرنے والی تمام عورتوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ خوابگاہ سے کوئی چور راستہ کہیں جاتا ہے یا وہاں تہ خانہ ہے جہاں وہ اپنے ایک رات کے دولہا کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیتی ہے۔

وہ پرسنل گارڈ مجھے تصور میں دیکھنے لگی۔ سوچنے لگی "کیا

فرہاد جس نے ساری دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے، ایک لیڈی روزینہ کے ہاتھوں اس کی خوابگاہ میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے گا؟ نہیں مجھے یقین نہیں آتا۔"

اس کی دوسری سوچ نے کہا "بڑے بڑے شہ زور جو میدان مار لیتے ہیں۔ بڑے بڑے ذہین افراد جو ذہانت کے ذریعے ایک سے ایک کارنامے انجام دیتے ہیں وہ ہمیشہ حسین عورت کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔"

وہ بڑے عزم سے بولی "میں فرہاد کو اس کے فریب میں نہیں آنے دوں گی۔ مجھے اس کے بچاؤ کا راستہ ڈھونڈنا چاہیے۔"

وہ میرے لیے بے چین ہو گئی تھی۔ پریشان ہو کر سوچ رہی تھی "کس طرح میری حفاظت کر سکتی ہے۔ مجھے یہاں سے نکال کر فرار ہونے کا موقع دے سکتی ہے۔ پھر اس نے سوچا۔ چار گھنٹے کے بعد ان پہرے داروں کی ڈیوٹی بدلے گی جو فرہاد کی خوابگاہ کے دروازے پر ہیں۔ ان کی جگہ میں اپنی رازدار لڑکیوں کو ڈیوٹی پر لاؤں گی۔ اس طرح اس کے پاس جا کر اس کے لیے کچھ کر سکوں گی۔"

اسے لیڈی روزینہ کی طرف سے اطمینان تھا۔ وہ روزانہ صبح سے دوپہر دو بجے تک نیند پوری کرتی تھی۔ کبھی کبھی تو تمام دن اپنے بیڈ روم سے نہیں نکلتی تھی۔ اندھیرا ہونے کے بعد رہائش گاہ کے دوسرے حصے میں نظر آتی تھی۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ وہ رات کو بھی خوابگاہ سے باہر نہیں آتی تھی۔ دن رات کمرے میں بند رہنا۔ کھانے کے لیے بھی نہ نکلنا حیرانی کی بات تھی۔ جہاں برقی رو دوڑتی رہتی تھی، اس دروازے کے پیچھے لیڈی روزینہ کی کچھ ایسی مصروفیات تھیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

جو راز آج سمجھ میں نہیں آتا اسے آنے والا کل سمجھا دیتا ہے۔ اب وہ آنے والا کل جب بھی آئے، اس کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ میرے سونے کے دوران تل ابیب میں کیا ہوتا رہا، وہ بعد میں معلوم ہوا مگر ابھی بیان کر رہا ہوں۔

آمنہ دشمنوں پر ظاہر ہو گئی تھی۔ مگر جان کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ شیبا نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ آمنہ بدستور اس کی باڈی گارڈ رہے گی۔ چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہا کرے گی۔ اگر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو اسرائیلی حکام اس کی ٹیلی پیتھی سے کبھی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ اس کی اس دھمکی نے خاطر خواہ اثر کیا تھا لیکن کسی وقت بھی پانسا پلٹ سکتا تھا۔ آئندہ کوئی ایسی بات ہو سکتی تھی جو ابھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایسا اکثر ہوتا ہے، جس بات کی ہم توقع نہیں کرتے وہی پیش آتی ہے۔ آمنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہو سکتا تھا۔

اسے ظاہر نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن وہ بھی مجبور تھی۔ کمانڈو ایکس کو چیلنج نہ کرتی تو شیبا کی عزت محفوظ نہ رہتی۔ بہرحال کمانڈو ایکس جو شہ زور تھا۔ بڑے طمطراق سے منظرِ عام پر آیا تھا اور بڑے ڈرامائی انداز میں شیبا کو اغوا کر کے تل ابیب لے گیا تھا۔ اس قدر اہم کارنامہ انجام دینے کے باوجود اسے گولی مار دی گئی تھی۔

اسے ختم کر دینے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے دماغ کا راستہ ٹیلی پیتھی کے لیے کھل گیا تھا۔ جب تک وہ زخمی رہتا، ہم اس کے دماغ میں پہنچ کر طرح طرح کی معلومات حاصل کرتے رہتے اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے، اس کے علاوہ وہ شیبا کو خوش کر رہے تھے۔ یہ تاثر دے رہے تھے کہ وہ کتنی اہم ہے۔ اس کی خاطر کمانڈو ایکس کی ایک غلطی معاف نہیں کی گئی اور سزائے موت دی گئی۔

شیبا کو ایک چھوٹے سے عالیشان محل میں رکھا گیا تھا۔ اس کی خوابگاہ کا دروازہ اندر سے بند نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کمانڈو ایکس کی مجرمانہ جرأت کے بعد اعتراض کیا۔ اس کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے انتظامات کیے جائیں ورنہ وہ اطمینان اور سکون سے سو نہیں سکے گی۔

دروازے کو اندر سے بند کرنے کے فوراً ہی انتظامات کر دیے گئے تھے۔ آمنہ نے اسے اندر سے بند کرنے کے بعد کہا "شیبا! تم آرام سے سو جاؤ۔ میں جاگتی رہوں گی۔"

وہ مسکراتے ہوئے پاس آ کر بولی "تم سچ مچ باڈی گارڈ نہیں ہو کہ میرے لیے جاگتی رہو۔"

"جناب شیخ صاحب نے میرے لیے یہی ڈیوٹی مقرر کی ہے۔"

"تمھارے سامنے کوئی ملکۂ عالیہ نہیں ہے کہ تم وردی پہن کر ڈیوٹی دو۔ میں صرف ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔ تم تو بے شمار صلاحیتوں کی مالک ہو۔ میں تمھیں باڈی گارڈ کے روپ میں برداشت نہیں کر سکتی۔ یہاں میری سہیلی بن کر چوبیس گھنٹے ساتھ رہو گی۔"

وہ اس کی وردی سے بیلٹ اور ہولسٹر الگ کرنے لگی۔ آمنہ نے ہنستے ہوئے پوچھا "کیا میری وردی اتارنا چاہتی ہو؟"

"تم خود اتارو۔ میں وارڈ روب سے نائٹ گاؤن لاتی ہوں۔ کل سے تم میری طرح لباس پہنو گی، میری طرح میک اپ

میں رہو گی۔ ہم عورتیں ہیں۔ ہمیں عورتوں کی طرح رہنا چاہیے۔ البتہ کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو بےشک مرد بن جایا کرنا۔“

اس نے ایک نائٹی نکال کر آمنہ کو پہننے کے لیے دی۔ پھر دروازہ کھول کر دیکھا۔ باہر کئی مسلح گارڈز کھڑی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔ ”لیڈی ٹیلر کو فوراً بلاؤ۔“

آمنہ نے پوچھا۔ ”کیا کر رہی ہو؟“

”تمھارے لیے جو بھی کروں، کم ہے۔ بے چارے کمانڈو اکیس نے مرتے مرتے تمھارے جیسی سہیلی دے دی۔“

لیڈی ٹیلر آگئی۔ شیبا نے کہا۔ ”آمنہ کا ناپ لو اور صبح ہونے تک اس کے چند جوڑے تیار کر دو۔ اس کا لباس میرے لباس سے کم تر نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد جتنے ملبوسات میرے لیے تیار ہوتے رہیں گے، اتنے ہی اس کے لیے بھی تیار کیے جائیں گے۔“

لیڈی ٹیلر اس کا ناپ لے کر چلی گئی۔ اس نے دروازے کو بند کیا۔ پھر آمنہ کے ساتھ آکر پلنگ پر لیٹ گئی۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ وہ چھ گھنٹے تک سوتی رہیں۔ دس بجے بیدار ہو گئیں۔ جب انھوں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو کتنی ہی کنیزیں ان کی خدمات کے لیے کھڑی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے ایک خوبصورت سی، اسمارٹ سی لڑکی نے آگے بڑھ کر شیبا سے کہا۔ ”یوں تو آپ اپنی مرضی سے کسی کو بھی اپنی خدمات کے لیے منتخب کر سکتی ہیں۔ فی الحال مجھے سرکاری طور پر آپ کی پرسنل سیکریٹری بنایا گیا ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گی، آزمائشی طور پر ہی سہی، مجھے خدمت کا موقع دیجیے۔“

شیبا نے اسے سر سے پاؤں تک مسکرا کر دیکھا۔ پھر کہا۔ ”تمھاری آواز، تمھارا لہجہ، تمھارا انداز بہت پیارا ہے۔ میں تمھیں پسند کرتی ہوں۔ نام کیا ہے؟“

”ربیکا ڈیوڈ!“

”ربیکا، پہلے ہم غسل کریں گے۔ اس کے بعد ناشتا کریں گے۔“

اس نے پوچھا۔ ”کیا آپ باتھ روم میں غسل کرنے سے پہلے پول میں تیرنا پسند کریں گی؟“

”صبح سویرے تیرنے سے اچھی خاصی جسمانی ورزش ہوتی ہے۔ ہم ضرور سوئمنگ پول جائیں گے۔“

وہ سوئمنگ پول اس عالیشان محل کے وسط میں تھا۔ ان کی خوابگاہ کے پچھلے دروازے کو کھولنے سے وہ پول نظر آتا تھا۔ وہ کنیزوں کے جھرمٹ میں وہاں گئیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک پول میں تیرتی رہیں۔ ان کے چاروں طرف کنیزوں کے علاوہ ناچنے گانے والی لڑکیاں بھی تھیں۔ وہ ہاتھوں میں رباب لیے اسے بجا رہی تھیں اور عبرانی زبان میں گا رہی تھیں۔ بڑا ہی خوبصورت اور رومانی ماحول تھا مگر وہ ماحول صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔ وہاں کسی مرد کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ آمنہ اور شیبا باری باری اپنی خوابگاہ کے باتھ میں آئیں۔ پھر غسل وغیرہ کے بعد لباس تبدیل کیا۔ کھانے کے لیے خاص کمرے میں چلی گئیں۔

وہاں ناشتے کے دوران ربیکا نے نوٹ بک کھولتے ہوئے کہا۔ ”آج صبح دس بجے چند سرکاری افسران آپ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ اب تو بارہ بجنے والے ہیں۔ کیا آپ انھیں ملاقات کا وقت دے سکتی ہیں؟“

”میں ایک بجے مل سکتی ہوں۔ صرف آدھے گھنٹے کے لیے۔“

ربیکا اس کی باتوں کو نوٹ کرنے لگی۔ ”ہم دو بجے تک آؤٹنگ کے لیے جائیں گے۔ میں آمنہ کو تل ابیب شہر دکھانا چاہتی ہوں۔“

”میں یہاں پچھلے دو ماہ سے ہوں۔ اس شہر کو اچھی طرح دیکھ چکی ہوں۔“

تم نے ڈیوٹی کے دوران ہاسٹل میں رہ کر بہت کم دیکھا ہے۔ میں ایسی ایسی جگہ لے جاؤں گی جہاں ہاسٹل کی لڑکیوں کو جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔“

ربیکا اس سے پوچھ رہی تھی۔ وہ کہاں لنچ کرنا پسند کرے گی۔ شام کو پانچ بجے دیگر سرکاری افسران سے ملاقات کرنا پسند کرے گی یا نہیں۔ پھر رات کے ڈنر کے متعلق کیا خیال ہے؟

وہ پوچھ رہی تھی اور شیبا کے جوابات نوٹ کرتی جا رہی تھی۔ ٹھیک ایک بجے وہ آمنہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ وہاں پہلے کی طرح سرکاری افسران بیٹھے ہوئے تھے۔ شیبا نے آمنہ کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا: ”آپ تمام حضرات سے پہلے ملاقات ہو چکی ہے۔ کیا کسی نئے مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں؟“

ایک اعلیٰ افسر نے کہا۔ ”مسئلہ تمھاری اور فرہاد کی دوستی کا ہے۔ اگرچہ دوستی اچھی چیز ہے۔ ہم بھی ایک بار نہیں، بار بار فرہاد کو دوست بنانے کی کوشش کر چکے ہیں۔ اگر تمھارے ذریعے اس مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہو گی۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے، ہم کس حد تک فرہاد پر اعتماد کر سکتے ہیں؟“

شیبا نے کہا۔ ”جس حد تک دوستی نبھاؤ گے، اس حد تک اعتماد کر سکتے ہو۔ یہ تو شیر و شکر ہونے والی بات ہے۔ دودھ میں جتنی چینی ملاؤ گے اتنا میٹھا ہو گا۔ کم ملاؤ گے، دودھ پھیکا ہو گا۔ بہت زیادہ ملاؤ گے کڑوا ہو جائے گا لہٰذا دوستی نہ کم ہونا چاہیے نہ بہت زیادہ۔ اعتدال کا راستہ اختیار کر کے بڑی حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔“

دوسرے آفیسر نے کہا: ”ہم بابا صاحب کے ادارے کے ذمے دار افراد سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ کسی ایسے نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہیں جہاں سے ہماری مستحکم دوستی کا آغاز ہو سکے۔“

”میں شیخ صاحب سے دماغی رابطہ قائم کر کے آپ کا دوستانہ پیغام پہنچا دوں گی۔“

ایک اور افسر نے کہا: ”ہم جناب شیخ صاحب کو دعوت دیتے ہیں، وہ اپنے وفد کے ساتھ یہاں آئیں اور ہمیں مہمان نوازی کا موقع دیں۔“

شیبا نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے۔ شیخ صاحب یہاں ضرور تشریف لائیں گے۔“

”ہمیں بھی یقین ہے، وہ آئیں گے۔ ہم دوستانہ ماحول میں اپنے مسائل طے کریں گے لیکن ایک مسئلہ پھر بھی رہ جائے گا۔“

شیبا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو افسر نے کہا۔ ”تمھاری اور فرہاد کی دوستی کا مسئلہ۔ تم ایک دوسرے کو چاہتے ہو لیکن صرف چاہنے سے تو محبت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ تم اس سے ملنا چاہو گی۔ وہ تمھارے لیے تڑپتا ہو گا لیکن یہ ملاقات کیسے ہو گی؟ کہاں ہو گی؟“

شیبا نے کہا۔ ”اس کا جواب آپ لوگوں نے دیا تھا۔ اگر میں فرہاد سے ملنے جاؤں گی تو یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ملے گی اور فرہاد کو بلایا جائے گا تو وہ آپ لوگوں کے جال میں پھنسنے کبھی نہیں آئے گا۔“

”شیبا! یہ نہ سمجھو کہ ہم نے تمھیں قید کر رکھا ہے۔ جب تم پوری ذمے داریوں کو سمجھتے ہوئے اپنے ملک اور قوم کے کام آتی رہو گی اور جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ کسی کے بہکانے میں آ کر ہمیں نقصان نہیں پہنچاؤ گی تو تمھیں کہیں جانے سے نہیں روکا جائے گا۔“

وہ اچانک قہقہے لگانے لگی۔ سب اس کا منہ تکنے لگے۔ اس نے جی بھر کر ہنسنے کے بعد کہا۔ ”یہ خام خیالی ہے کہ میں وہاں جا نہیں سکتی اور فرہاد یہاں آ نہیں سکتا۔ ہم جب چاہیں ہمارے پر لگ جائیں گے اور ہمیں پرواز کرتے ہوئے دیکھنے والے دیکھتے رہ جائیں گے۔“

ایک افسر نے مسکراتے ہوئے کہا: ”ہم جانتے ہیں، تم دونوں خیال خوانی کی پرواز کرتے ہو اور جب چاہتے ہو ایک دوسرے سے ملتے ہو مگر یہ ذہنی رابطہ ہوتا ہے، جسمانی نہیں ہوتا۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے۔ میں بہ نفسِ نفیس جب چاہوں فرہاد سے ملاقات کر سکتی ہوں۔“

”تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اسرائیلی سرحد پار کر کے فرہاد سے ملنے جا سکتی ہو؟“

”بیشک میں نے کہا نا، ہمارے راستے میں کوئی دیوار نہیں ہے۔“

”تمھاری یہ بات ہمارے سرحدی محافظوں کے لیے چیلنج ہے۔“

”اپنے سرحدی انتظامات پر اترانا سراسر نادانی ہے۔ آج دنیا کے کسی ملک کی سرحد محفوظ نہیں ہے۔ ہر ملک میں دہشت گرد گھسے چلے آتے ہیں۔ سخت سے سخت حفاظتی انتظامات کے باوجود ایک ملک میں دوسرے ملک کے سراغ رساں اور تخریب کار موجود رہتے ہیں۔ جب ایسے لوگ سرحدوں میں داخل ہو جاتے ہیں تو پھر ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے لیے کون سی بڑی بات ہے۔“

”بارڈر کراس کرنے پر یاد آیا۔ یہ آمنہ ہمارے ملک میں کیسے آگئی؟“

آمنہ نے کہا۔ ”میرا نام آمنہ بابر ہے۔ میرے محبوب شوہر کا نام ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے اور تمھیں بھی یہ نام لینا چاہیے۔“

”آمنہ بابر! تمھارے بارے میں چھان بین ہو رہی ہے۔ کیا تم خود ہی بتانا پسند کرو گی، یہاں کیسے آئی ہو؟“

”صرف یہاں کی سرحد پار کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ میں اس ہاسٹل میں پہنچ گئی جہاں سخت نگرانی میں لڑکیوں کو رکھا جاتا ہے۔“

”ہم حیران ہیں، تم نے وہاں رُشنا کی جگہ کیسے لی؟“

”سوچتے رہو گے، سوچتے رہو گے، ساری عمر گزر جائے گی۔ پھر بھی سمجھ نہیں پاؤ گے کیونکہ ہم ٹیلی پیتھی کی طلسمی چادر اوڑھ کر آتے ہیں۔“

شیبا نے کہا: ”کسی بھی ملک میں دو چار یا دس یوگا کے ماہر ہو سکتے ہیں۔ پوری قوم تو نہیں ہو سکتی۔ آپ یہ سوچنے میں وقت ضائع نہ کریں کہ فرہاد کی ساتھی عورتیں کس طرح طلسمی انداز میں کہیں بھی پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے ممالک جو سائنسی ترقی میں بہت آگے ہیں، انھیں کوئی ایسا آلہ ایجاد کرنا چاہیے جو ٹیلی پیتھی کی لہروں کو روک سکے۔ ایسے آلات فوج، پولیس اور سراغ رساں ایجنسیوں کے افراد کو دینے چاہئیں کیونکہ ہم ایسے ہی افراد کو دیکھتی ہوئی آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھا بنا دیتے ہیں۔ سننے والے کان رکھنے کے باوجود بہرا کر دیتے ہیں اور اپنا اُلّو سیدھا کر لیتے ہیں۔“

ایک بوڑھے افسر نے مسکراتے ہوئے کہا: ”میرا تجربہ کہتا ہے،

کوئی آلہ روک نہیں سکتا۔ صرف دوستی روک سکتی ہے۔ ہم دوست بن جائیں تو پھر دوستوں کو ہمارے ملک کی سرحدیں چھپ کر پار کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

دوسرے افسر نے کہا: "واہ کتنی عمدہ بات کہہ دی ہے آپ نے۔ یہی تو ہم چاہتے ہیں کہ شیخ صاحب تشریف لائیں۔ مس شیبا! کیا ابھی انھیں مخاطب کر سکتی ہیں؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: "ڈیڑھ بج چکا ہے۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں دے سکوں گی۔"

وہ سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے پوچھا۔ "کیا شام کو ملاقات کریں گی؟"

"میں نے پرسنل سیکریٹری کو پانچ بجے کا وقت لکھا دیا ہے۔"

کمانڈو والی کی آواز سنائی دی: "مس شیبا! اگر تم شیخ صاحب سے ابھی دماغی رابطہ قائم کر لو تو بہتر ہو گا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آنا چاہتے ہیں یا نہیں؟"

شیبا نے کہا: "سوری، اس میٹنگ کا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

وہ آمنہ کے ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر آئی۔ پھر جو پروگرام سیکریٹری کو لکھوایا تھا اسی کے مطابق تفریح کے لیے رہائش گاہ سے باہر آئی۔ ایک خوبصورت ایئر کنڈیشنڈ مرسیڈیز کھڑی ہوئی تھی۔ آگے پیچھے بھی کاریں تھیں جن میں باڈی گارڈز تھے۔ شیبا نے کہا: "میں آمنہ کے ساتھ صرف ایک گاڑی میں جاؤں گی۔ ہمارے آس پاس کوئی گاڑی نہیں ہو گی۔ ہمیں باڈی گارڈز کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہاں کھڑے ہوئے ایک افسر نے سمجھایا: "مس صاحبہ! آپ کی حفاظت کے لیے یہ نہایت ضروری ہے۔"

"میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔ پھر میرے ساتھ آمنہ ہے۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ آمنہ کے ساتھ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کی۔ پھر ڈرائیو کرتا ہوا رہائش گاہ کے احاطے سے باہر جانے لگا۔ وہاں کھڑے ہوئے افسران اور مسلح سپاہی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بہت مجبور تھے۔ اسے ناراض نہیں کر سکتے تھے۔ افسر نے فوراً ہی ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ اپنے اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم ہوتے ہی رپورٹ دینے لگا کہ شیبا آمنہ کے ساتھ گئی ہے اور کسی بھی مسلح باڈی گارڈز کو اپنے ساتھ لے جانا گوارا نہیں کیا ہے۔

میری نیند کے دوران یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ مجھے اپنے مقرر کردہ وقت کے مطابق ایک بجے تک سونا تھا مگر دس بجے آنکھ کھل گئی۔ میں جس کمرے میں سوتا ہوں وہاں کوئی غیر معمولی بات ہو تو اسی طرح آنکھ کھل جاتی ہے۔ میں فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے کمرے کا دروازہ کھل رہا تھا۔

مجھے وہی لڑکی نظر آئی جو پچھلی رات رہنما بن کر غار کے اندر لے گئی تھی۔ میں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ پھر کہا "آجاؤ۔ کل رات تمھیں کسی نے دیکھا تو نہیں تھا؟"

وہ عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی جیسے میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہو۔ اس نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر میرے قریب آ کر آہستگی سے بولی: "تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ کیا تم نے مجھے کہیں دیکھا تھا؟"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بالکل اجنبی کی طرح بول رہی تھی حالانکہ آدھی رات سے لے کر صبح پانچ بجے تک میرے ساتھ تھی۔ ہم نے ایسے خوبصورت لمحات گزارے تھے جو یادگار رہ جاتے ہیں۔ ایسے میں وہ اجنبی کیسے رہ سکتی تھی؟

میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اسے ذرا ٹٹولا تو حیران رہ گیا۔ یہ لڑکی رات والی وہ نہیں تھی اور وہ رات والی یہ لڑکی نہیں تھی۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ اس نے پچھلی رات کھانے کے بعد ایک پیالی کافی پی تھی۔ پھر پتا نہیں کیسے دماغ بوجھل ہو گیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ گئی تھی۔ اس کے بعد ہوش نہیں رہا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ پچھلی رات جس لڑکی نے میرے ساتھ وقت گزارا تھا اسی نے کوئی چکر چلایا ہو گا۔ کافی میں کوئی خواب آور دوا ملائی ہو گی۔ تب ہی یہ ساری رات سوتی رہ گئی تھی۔ آخر اس لڑکی نے ایسا کیوں کیا؟ وہ اپنی اصل شکل صورت میں مجھ سے مل سکتی تھی۔ میری رہنما بن کر غار میں لے جا سکتی تھی۔ میرے ساتھ جیسا تیسا وقت گزار سکتی تھی۔ پھر اس کا روپ بدلنے کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی؟

جواب سمجھ میں آ گیا۔ یہ مکاری سونیا کی تھی۔ اس نے کہا تھا مرد کو اپنی عورت پرانی لگتی ہے۔ دوسری عورت خواہ کتنی ہی کم تر ہو نئی نئی سی لگتی ہے۔ اس بنیادی نکتے کے مطابق وہ مجھے دو بار چکر دے گئی تھی۔ وہ دو بار میرے پاس آئی۔ میرے ساتھ اچھا خاصا وقت گزارا اور مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ میری عورت ہے اور اس میں کوئی پرانا پن ہے۔ وہ تو مجھے ہر لمحہ نئی نئی سی لگتی رہی اور میں نئے پن کے سحر میں کھویا رہا۔

اس نے بڑا ہی عجیب اور انوکھا انداز اختیار کیا تھا۔ وہ میری دسترس میں ہوتی تھی مگر نظر نہیں آتی تھی اور جو نظر آتی تھی وہ کوئی اور ہوتی تھی۔ جب وقت گزر جاتا تھا تو پتا چلتا تھا کوئی اور نہیں تھی۔ وہی تھی جو میری دسترس میں تھی۔

اس نے قسم دی تھی جب تک وہ اجازت نہ دے میں اس کے دماغ میں ایک ساعت کے لیے بھی جھانکنے کی کوشش نہ کروں۔ میں نے وعدہ کر لیا تھا اور اپنی زبان کا پابند تھا۔ اس طرح اسے موقع مل گیا تھا۔ وہ روپ بدل بدل کر آنکھ مچولی کھیلتی تھی۔ آواز بدل کر کانوں میں رس گھولتی تھی اور نت نئی اداؤں سے ایک نئی عورت بن جاتی تھی۔ اس طرح ثابت کرتی تھی کہ عورت کہیں سے خراب نہیں ہوتی۔ مرد کی نیت خراب ہوتی ہے۔

میرے سامنے کھڑی ہوئی لڑکی فوراً ہی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے میں لیڈی روزینہ کی پرسنل گارڈ آئی تھی۔ اس نے لڑکی پر ایک نظر ڈالی۔ پھر مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا: "جب سے تمھارے فرہاد ہونے کا انکشاف ہوا ہے تب سے یہ لڑکیاں کسی نہ کسی بہانے تمھارے قریب آ رہی ہیں۔"

وہ درست کہہ رہی تھی۔ کمرے میں اور دو چار مسلح لڑکیاں آ گئی تھیں۔ وہ مجھے ایسی دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں جیسے کسی مشہور و معروف فلمی ہیرو کو دیکھ رہی ہوں۔ پرسنل گارڈ نے کہا "یہ تو دو چار ہیں۔ اگر ہم پابندیاں اٹھا لیں تو تمھارے پاس لڑکیوں کا میلہ لگ جائے گا۔"

پھر انھیں دیکھتے ہوئے کہا: "چلو یہاں سے جاؤ، میں ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

لڑکیاں باہر چلی گئیں۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر میرے قریب آتے ہوئے بولی۔ "اگر میں یہ کہوں میرے دماغ میں نہ آؤ۔ صرف میرے چہرے سے اندازہ کرو کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں اور تم سے کیا چاہتی ہوں تو میری بات مان لوگے؟"

میں اسے سر سے پاؤں تک بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ یہ خیال تیزی سے دماغ میں گردش کر رہا تھا کہ یہ سونیا ہے پھر تنہائی میں میرے پاس آئی ہے۔ یہ پھر نئے اسرار کی طرح کھلے گی اور نئے موسم کی طرح کھلے گی۔ اسی لیے کمرے میں آتے ہی اپنے دماغ میں آنے سے منع کر رہی ہے۔

میں نے کہا: "میں دن رات خیال خوانی کرتے کرتے تنگ آ گیا ہوں۔ تم چہرے کے ذریعے اندازہ کرنے کے لیے کہہ رہی ہو۔ میرے پاس اتنی فرصت نہیں ہے۔ میں بیدار ہوتے ہی باتھ روم میں جاتا ہوں۔ سو سوری۔"

میں باتھ روم کی طرف جانے لگا۔ وہ فوراً ہی میرے سامنے آ گئی۔ میرا راستہ روک کر التجا آمیز لہجے میں بولی۔ "فرصت نہیں ہے تو میرے دماغ میں آ کر ہی معلوم کر لو میں زبان سے کہہ نہیں سکتی، مجھے شرم آتی ہے۔"

میں نے اسے انگلی دکھا کر تنبیہ کے انداز میں کہا: "تم مجھے دماغ میں آنے کی اجازت دے رہی ہو ورنہ میں زبان کا پابند رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تب پتا چلا یہ تو وہی پرسنل گارڈ ہے جسے میں پچھلی رات سے دیکھتا آیا ہوں۔ خواہ مخواہ سونیا ہونے کا شبہ کر رہا تھا۔ میں چند سیکنڈ تک اس کے چہرے کو تکتا رہا اور اس کے خیالات پڑھتا رہا۔ وہ شرم سے سر جھکائے ہوئے تھی۔ میں نے کہا۔ "تم کافی سمجھدار ہو۔ خوب سوچ سمجھ کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہتی ہو، ٹھیک ہے، میں اس سلسلے میں تمھاری مدد کروں گا۔ تم باہر جاؤ۔"

وہ اسی طرح سر جھکائے میری خوابگاہ کے پچھلے دروازے سے چلی گئی۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ میں غسل کرنے باتھ روم میں چلا آیا۔ اس کے دماغ میں بھی موجود رہا۔ اس رہائش گاہ سے دور فارم کے اطراف چھوٹے چھوٹے کوارٹرز بنے ہوئے تھے جہاں لیڈی روزینہ کے مسلح مرد فوجی رہا کرتے تھے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو ترکی زبان بول نہیں سکتے تھے۔ لیڈی روزینہ بھی مجبور تھی۔ اپنے فارم میں تمام ترک باشندوں کو نہیں رکھ سکتی تھی۔ امریکی باشندوں کو ملازم رکھنا ضروری تھا۔ انھی میں ایک جوان ایسا تھا جسے پرسنل گارڈ چاہتی تھی۔ دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ ملازمت کے تیس برس پورے ہو جائیں گے اور وہ ریٹائرڈ ہو جائے گی تو وہ جوان اس سے شادی کر کے اپنا گھر بسائے گا۔

وہ ایسے ہی وقت اس جوان سے ملتی تھی جب لیڈی روزینہ دن کے وقت اپنی نیند پوری کیا کرتی تھی۔ اس سے پہلے میں مادام مریم کا ذکر کر چکا ہوں۔ ایسی مادام قسم کی عورتیں اس فارم میں سپروائزر کہلاتی تھیں۔ وہاں کام کرنے والی درجنوں لڑکیاں ان لیڈیز سپروائزر کی نگرانی میں رہتی تھیں۔ جب روزینہ اپنی نیند پوری کرتی تو ایسے وقت ایسی تمام مادام قسم کی عورتیں ایک دوسرے کی رازدار بن جاتی تھیں کیونکہ سب ہی عورتیں تھیں۔ سبھی کے سینے میں دل تھا۔ یہ خود کسی نہ کسی سے عشق کرتی تھیں اور اپنے ماتحت رہنے والی نوجوان لڑکیوں کو بھی ان کے عاشقوں سے ملنے کی چھوٹ دیتی تھیں۔ اس طرح ان لڑکیوں سے اچھی خاصی رقمیں بھی وصول ہوتی رہتی تھیں۔

میں باتھ روم میں تھا مگر اس پرسنل گارڈ کو لیفٹ عاشق کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے مل کر الگ ہونا بھول گئے تھے جیسے پیاسے پانی سے بھرے ہوئے گلاس کو ہونٹوں سے لگانے کے بعد آخری گھونٹ تک الگ کرنا بھول جاتے ہیں۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ کچھ بولے گی تو جواباً وہ بھی کچھ بولے گا۔ پھر میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا لیکن اس کمبخت نے الگ ہوتے ہی اسے خوشخبری سنائی کہ فرہاد ان کے درمیان موجود ہے اور انھیں بتلائے گا کہ وہ ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں اور تمام عمر ایک دوسرے سے وفا کرتے رہیں گے یا نہیں؟

یہ سنتے ہی وہ جوان بوکھلا گیا۔ کہنے لگا "یہ، یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کل رات تم نے کہا تھا فرہاد یہاں نہیں ہے۔ مائیکل پر شبہ غلط تھا"۔

"ہاں یہ اس کی ٹیلی پیتھی کا کمال تھا۔ اس نے اپنے علم کے ذریعے میڈیکل رپورٹ میں تبدیلی کرا دی تھی۔ یہی مائیکل گارسن دراصل فرہاد ہے"۔

میں اتنی دیر میں اس عاشق کے خاص خیالات پڑھ چکا تھا۔ میں نے اس کی زبان سے کہا "یو شٹ اپ۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ تم نے یہ بات مجھ سے اب تک چھپائی کہ فرہاد یہاں موجود ہے۔ اب اچانک بتا رہی ہو۔ وہ تو اب تک میرے چور خیالات پڑھ چکا ہوگا"۔

پرسنل گارڈ نے حیرانی سے پوچھا "کیا تمھارے دماغ میں ایسے چور خیالات بھی ہیں جو مجھ سے چھپانے جا سکتے ہیں"۔

وہ میری مرضی کے مطابق کہنے لگا "ہاں، ہر انسان اندر سے تھوڑا بہت چور ہوتا ہے۔ میں سُپر ماسٹر کا ایک اہم آلہ کار ہوں۔ اس کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ لیڈی کے فارم میں مرد محافظ صرف آؤٹ ڈور میں رہتے ہیں اور انھیں رہائش گاہ کے قریب آنے کی اجازت نہیں دی جاتی تو تمھیں پھانسنا شروع کیا۔ تم میرے فریب میں آگئیں اور میں محبت کا ناٹک کھیلنے لگا۔ میں تم سے باتوں ہی باتوں میں اس رہائش گاہ کے اندرونی حالات معلوم کرتا رہتا تھا۔ میں کل سے بہت پریشان ہوں۔ جب سے تم نے بتایا کہ مائیکل گارسن پر فرہاد ہونے کا شبہ کیا جا رہا ہے تو مجھے اپنے ترقی کے مواقع صاف نظر آ رہے تھے۔ سپر ماسٹر مجھے منہ مانگی دولت دیتا۔ یہاں کے سرمایہ داروں میں میرا شمار ہونے لگتا۔ فرہاد کو گرفتار کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے لیکن اس کے متعلق معلومات فراہم کرنا بھی ایک بڑا کارنامہ ہوتا۔ اگر میں یہ نشاندہی کر دیتا کہ فرہاد اس فارم میں موجود ہے تو۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر کہنے لگا "مجھے دیر نہیں کرنا چاہیے۔ اب بھی وقت ہے۔ میں یہ کارنامہ انجام دے سکتا ہوں۔ میں ابھی سپر ماسٹر کو اطلاع دے سکتا ہوں"۔

یہ کہتے ہی اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پھر ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر نکال لیا۔ پرسنل گارڈ نے پوچھا "یہ کیا کر رہے ہو؟ کیا تم فرہاد کو اس کے دشمنوں کے حوالے کرنا چاہتے ہو؟"

وہ ٹرانسمیٹر کو آپریٹ کرنے لگا۔ پرسنل گارڈ نے فوراً ہی ریوالور نکال کر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے کہا "اسے میرے حوالے کر دو ورنہ گولی مار دوں گی"۔

اس نے حقارت سے کہا "فرہاد کو دیکھتے ہی مجھ سے محبت کا بخار اتر گیا ہے؟"

"تم مجھے باتوں میں لگا کر ٹرانسمیٹر کو آپریٹ کر رہے ہو۔ میں آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ اسے آف کرو اور میرے حوالے کر دو"۔

اس نے گھورتے ہوئے دیکھا پھر آف کر کے اسے بڑھایا۔ وہ بولی "میں ہاتھ بڑھا کر نہیں لوں گی۔ میں نے بھی کچھ تربیت حاصل کی ہے۔ اسے میرے قدموں کے پاس پھینک کر پیچھے ہٹ جاؤ"۔

اس نے یہی کیا۔ چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کو اس کے قدموں کی طرف پھینک دیا لیکن پھینکنے کے دوران اس کے ریوالور والے ہاتھ پر ایک لات ماری۔ وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ فضا میں اچھل گیا مگر نیچے آنے سے پہلے ہی جوان نے اسے کیچ کر لیا۔ پھر اپنی محبوبہ کو نشانے پر رکھتے ہوئے بولا "بے شک تم نے تربیت حاصل کی ہے۔ باقی جو حاصل کرنے کے لیے رہ گیا ہے وہ تمھارے ریوالور کی ایک گولی سکھا دے گی"۔

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اگرچہ وہ سخت جان تھی خطرناک ہتھیاروں سے کھیلتی تھی۔ لیڈی روزینہ کی باڈی گارڈ تھی۔ پھر بھی ایک عورت تھی۔ محبت میں ناکامی عورت کو رُلا دیتی ہے۔ وہ روتے ہوئے بولی "ایک محبت کرنے والا کسی نصیب والی کو ہی ملتا ہے۔ میری بدنصیبی کا یہی انجام ہونا چاہیے۔ یہ سینہ جو تمھارے لیے ڈھال بن سکتا تھا مشقِ ستم کے لیے حاضر ہے۔ گولی چلاؤ"۔

وہ آنسو بھری آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ اس کی انگلی ٹریگر پر گئی مگر پھر واپس آگئی۔ پھر اس نے ٹریگر پر انگلی رکھ کر گولی چلانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے ریوالور کو تھام لیا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی ٹریگر پر لانے کی کوشش کرنے لگا۔

اسے بار بار ناکامی ہو رہی تھی۔ آخر اس نے جھنجلا کر ریوالور اس کے قدموں میں پھینک دیا۔ پھر کہا "یہ کوئی ریوالور ہے، چلتا ہی نہیں ہے"۔

اس نے اپنا ریوالور نکال لیا۔ اسے نشانے پر رکھتے ہوئے گولی چلانے کی کوشش کی پھر ناکام رہا۔ بدنصیب محبوبہ اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ جھنجلا کر بولا "تم سمجھتی ہو مجھے ریوالور چلانا نہیں آتا۔ دراصل ان دونوں ریوالوروں میں کوئی خرابی ہے۔ اب اسے میں کنپٹی پر رکھ کر چلاؤں گا تب بھی نہیں چلے گا۔ یہ دیکھو"۔

اس نے ریوالور کو کنپٹی پر رکھ لیا۔ وہ تیزی سے قریب آئی۔ اس کے ہاتھ کو پکڑ کر بولی "کیا کر رہے ہو گولی چل جائے گی"۔

واہ ری عورت، بے وفائی کے زخم سہتی ہے مگر بے وفا کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے نہیں دیکھ سکتی۔ وہ میری مرضی کے مطابق عمل کر رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیڈی روزینہ سے کہنا۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلح عورتوں کی فوج بنا لے۔ پھر بھی محفوظ نہیں رہ سکے گی کیونکہ مسلح عورتوں کو ہتھیاروں سے شکست دینا ضروری نہیں ہے۔ وہ تو جذبات سے ماری جاتی ہیں"۔

وہ پھر کنپٹی سے ریوالور کی نال کو لگانے لگا۔ وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی "حماقت نہ کرو۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ تم سپر ماسٹر کے آدمی ہو مگر وعدہ کرو، فرہاد کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے"۔

"تم دیکھ رہی ہو کہ ہمارے دونوں ریوالور کام نہیں کر رہے ہیں۔ میں پھر اسے کنپٹی پر رکھ کر آزماتا ہوں۔ اگر یہ نہیں چلا تو میں فرہاد کے خلاف سازش نہیں کروں گا اور اگر چل گیا تو سمجھ لینا، میں جھوٹا اور فریبی تھا۔ عاشق نامراد تھا۔ اپنے ہی ریوالور کی گولی سے مر گیا"۔

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کو کنپٹی سے لگایا پھر ٹریگر کو دبا دیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ پرسنل گارڈ چیختی ہوئی دور ہٹ گئی۔ اس کا عاشق زمین پر یوں گرا تھا کہ اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ اتنے قریب سے چلنے والی گولی نے یکبارگی ٹھنڈا کر دیا تھا۔ دوسری مسلح عورتیں دوڑتے ہوئے ادھر آ رہی تھیں۔ پرسنل گارڈ نے زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھایا۔ اسے ہولسٹر میں رکھا۔ آنکھوں سے نکلنے والے آنسو چہرے کو بھگو رہے تھے۔ آنے والی مسلح عورتوں نے اسے دیکھا مگر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ جانتی تھیں کہ سنگدل باڈی گارڈ اپنی محبت کی لاش پر آنسو بہا رہی ہے۔

میں غسل سے فارغ ہو کر کمرے میں آگیا تھا اور لباس تبدیل کر چکا تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ اس نے میرے قریب آ کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا "میں چاہتی تھی، ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے محبوب کی اچھائیوں اور برائیوں کو سمجھ لوں۔ اب اس کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔

میں نے چونک کر کہا "اوہ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ مجھے تمھارے محبوب کے دماغ میں پہنچ کر اہم معلومات فراہم کرنا چاہیے۔ مجھے افسوس ہے۔ دراصل میں دوسرے معاملات میں الجھ گیا تھا۔ تم پھر اس سے ملو۔ اس سے باتیں کرو۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا"۔

اس نے سر اٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا اور کہا۔ "اب اس کے پاس کبھی نہیں پہنچ سکو گے"۔

"کیا مطلب؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "میں بدنصیب ہوں۔ میرا وہ نصیب کبھی آنکھیں نہیں کھولے گا۔ اس نے خودکشی کر لی ہے"۔

میں نے حیرانی سے پوچھا "خودکشی؟ لیکن کیوں؟"

وہ مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ بھول گئی تھی کہ خیال خوانی کے ذریعے اس کی سوچ پڑھ سکتا ہوں۔ اس وقت اس کی تمام تر سوچیں اپنے نامراد محبوب پر مرکوز تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی "کیا میں کہہ دوں کہ وہ بے وفا تھا۔ غدار تھا۔ مجھے آلۂ کار بنا کر میری معصومیت اور محبت سے کھیل کر یہاں کے راز معلوم کرنے آیا تھا۔ فرہاد کی حقیقت معلوم کر کے سپر ماسٹر کو اطلاع دینا چاہتا تھا"۔

وہ سوچ رہی تھی اور اس کی دوسری سوچ کہہ رہی تھی۔ "نہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتی۔ میں ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتی۔ یہ میری محبت کی توہین ہوگی۔ کیا ہوا کہ وہ بے وفا تھا لیکن اس کی بے وفائی اس کے ساتھ ختم ہو گئی۔ مجھے اپنی محبت کی شرم رکھنی ہے۔ اس طرح اس بے وفا کی شرم بھی رہ جائے گی"۔

اس نے پھر مجھے دیکھا لیکن دیر تک نظریں نہ ملا سکی۔ نظریں چراتے ہوئے بولی "وہ میری غلطی سے مارا گیا"۔

"کیسی غلطی؟"

"وہ میرا دیوانہ تھا۔ میرے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہہ رہا تھا۔ آج ہی شادی کرنی ہوگی اور میں کہہ چکی تھی۔ جب تک ملازمت کے تیس برس پورے نہیں ہوں گے، شادی نہیں کروں گی جب میں نے صاف انکار کیا تو اس کے دل کو صدمہ پہنچا۔ اس نے اپنا ریوالور نکالا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے خودکشی کر لی"۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو تھام کر وہاں سے جاتے ہوئے بولی "میں محبت کے قابل نہیں ہوں۔ میں محبت کے قابل نہیں ہوں"۔

وہ دوڑتے ہوئے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

ہماری دنیا میں کیسی کیسی محبت کرنے والی ہستیاں ہیں، انھی کے دم سے ابھی محبت باقی ہے ورنہ ہتھیار، دہشت گردی، جنگ، نفرت، منشیات اور دوسرے نفرت پھیلانے والے عناصر کی بہتات سے یہ دنیا جہنم بن جاتی لیکن ہمیں کہیں نہ کہیں سے، کسی نہ کسی رشتے سے تھوڑی سی محبت ضرور ملتی ہے۔ جیسے ازلی بیمار کو ایک خوراک دوا مل جاتی ہے یا انجکشن لگ جاتا ہے تو وہ زندگی کی حرارت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح ہماری بیمار دنیا میں محبت ایک عارضی دوا ہے جو ہمیں وقفے وقفے سے تھوڑا زندہ رکھتی ہے۔

میں ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ گیا۔ پھر باس کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: ”بھگوان ہیرا سوامی کی فائل کے متعلق بتاؤ؟“

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا: ”مجھے افسوس ہے۔ ہم کئی برسوں سے کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارا کوئی آدمی سی آئی بی ڈپارٹمنٹ میں چلا جائے لیکن نیویارک سینٹرل انٹیلی جنس بیورو کے مختلف شعبوں میں سخت انتظامات کیے گئے ہیں۔ کوئی اجنبی داخل نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ریکارڈ روم کی طرف جانے کے لیے ایسے کوریڈور سے گزرنا پڑتا ہے جہاں سے گزرنے والا ٹی وی اسکرین پر نظر آتا ہے اور فوراً ہی گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اگر وہاں سے کسی طرح بچ نکلے تو ریکارڈ روم کے دروازے سے لے کر پورے فرش تک نادیدہ الیکٹریکل الارم موجود ہے۔ فرش کے جس حصے میں بھی قدم رکھا جائے، خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔“

”تم ناکامی کا اعتراف کر رہے ہو؟“

”جناب! ہم بہت مجبور ہیں۔ ایسی جگہ صرف آپ کی ٹیلی پیتھی کام آ سکتی ہے۔ میں ٹیلیفون کے ذریعے سی آئی بی کے ڈائرکٹر جنرل سے گفتگو کر سکتا ہوں۔ آپ اس کے دماغ میں پہنچ کر وہاں کے مختلف شعبوں کے انچارج وغیرہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اور شخص کو اپنا آلہ کار بنا سکتے ہیں۔“

”کون ہے وہ شخص؟“

امریکن ڈیلی نیوز پیپر کا ایک صحافی ہے۔ آج کل وہ بھگوان ہیرا سوامی کے متعلق ایسے مضامین لکھ رہا ہے جس میں جھوٹ سچ کی آمیزش ہے۔ وہ چاہتا ہے، بھگوان ہیرا سوامی کے متعلق تمام حقائق سامنے لے آئے۔ جب وہ ناکام ہوتا ہے تو اس میں کچھ جھوٹ ملا دیتا ہے۔“

”تم اسی اخباری رپورٹر سے رابطہ قائم کرو۔ میں اسے آلہ کار بناؤں گا۔“

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔ باس نے پوچھا: ”کیا آپ ہی اخباری رپورٹر مسٹر کیری ڈان ہیں؟“

”جی ہاں، فرمائیے۔“

”میں آپ کے مضامین پڑھ رہا ہوں۔ بھگوان ہیرا سوامی کا کیس نہایت دلچسپ ہے۔ آخر آپ اتنی سچی معلومات کیسے حاصل کر لیتے ہیں؟“

”آپ کون ہیں اور یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟“

اس کے ساتھ ہی باس نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے کہا۔ ”اتنا ہی کافی ہے۔“

میں اخباری رپورٹر کیری ڈان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ہیلو ہیلو کہنے کے بعد ریسیور رکھ چکا تھا۔ سمجھ رہا تھا، رابطہ کسی وجہ سے منقطع ہو گیا ہے۔ فون کرنے والا شاید اسے پھر مخاطب کرے۔ میں نے اس کے دماغ میں بھگوان ہیرا سوامی کا نام لیا۔ اس کی سوچ ادھر گھوم گئی۔ وہ سوچنے لگا: ”جب سے میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں، میری شہرت میں اضافہ ہو گیا ہے مگر افسوس، میں رینی کو کھو کر یہ دولت اور شہرت حاصل کر رہا ہوں۔“

رینی اسی اخبار میں سچی کہانیوں کے عنوان سے ایک صفحہ لکھتی تھی جس اخبار میں کیری ڈان مضمون لکھتا تھا۔ وہ اب بھی اس اخبار سے منسلک تھی لیکن کیری سے ملاقات نہیں کرتی تھی۔ چھ ماہ پہلے اس کی بہترین دوست تھی۔ اسے یقین تھا کہ اتنی خوبصورت لڑکی جلد ہی لائف پارٹنر بن جائے گی مگر اس کی یہ ادھوری محبت شرمندۂ تکمیل نہ ہوئی۔ اس نے ایک دن رینی کو اخبار کے مالک کے ساتھ کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھا۔ اس کے بعد وہ اس سے دور اور اخبار کے مالک سے قریب ہوتی چلی گئی۔ ایک ہفتے بعد مالک نے اسے اپنی قیمتی کار دے دی۔ تین ہفتے کے بعد پتا چلا، وہ چھوٹے سے فلیٹ کو چھوڑ کر ایک علیحدہ بنگلے میں رہنے لگی ہے۔ مزید حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ اس بنگلے کی مالکہ بن گئی تھی۔

پہلے کیری ڈان یہ سمجھ نہیں سکا کہ اخبار کا مالک رینی پر اس قدر مہربان کیوں ہے جبکہ رینی سے زیادہ حسین ترین لڑکیاں تھیں پھر یہ کہ وہ شادی شدہ تھا۔ بچوں کا باپ تھا اور ایک اچھی گھریلو زندگی گزارتا تھا۔ اخبار میں رپورٹنگ کرنے والے کسی سراغ رساں سے کم نہیں ہوتے۔ کیری ڈان نے بھی سراغ رسانی شروع کی۔ اپنے مالک کے پیچھے پڑ گیا۔ تب پتا چلا، وہ مالک کے ساتھ بھگوان ہیرا سوامی کے آشرم میں جاتی ہے۔

وہ آشرم سبھی کے لیے کھلا رہتا تھا۔ وہاں کسی کے جانے پر پابندی نہیں تھی۔ امریکی لڑکیاں اور لڑکے سیکڑوں، ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے۔ اس آشرم میں ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جہاں بھگوان ہیرا سوامی محبت، امن اور انسانیت کا پرچار کرتا تھا۔ اس کی آواز، اس کے لہجے اور اس کے انداز میں ایسا جادو تھا کہ سننے والے سحر زدہ ہو جاتے تھے۔ انھیں سحر زدہ کرنے کے لیے بھارتی تاریخ کے حوالے سے بہت سے نمونے پیش کیے جاتے تھے۔ مثلاً ایک ایسا بڑا سا ہال تھا جہاں اجنتا اور الورا کی مورتیوں کے نمونے بنے ہوئے تھے۔ جوان عورتوں اور مردوں کی یہ مورتیاں محبت کی ابتدا سے لے کر ہوس کی تکمیل تک تمام مناظر پیش کرتی تھیں، نئی نسل کے جوان ان مورتیوں کو بڑی دلچسپی اور بڑے شوق سے دیکھتے تھے۔ وہاں ایک چھوٹے سے سینما ہال کی طرح ایسا کمرہ تھا جس کے اسکرین پر صدیوں پرانے راجاؤں، مہاراجاؤں، ان کی داسیوں کے تعلقات کے متعلق فلمیں دکھائی جاتی تھیں۔ مندروں اور دیو داسیوں کا ماحول بھی دکھایا جاتا تھا۔ یہ سب ایسا رومان پرور اور جذباتی ماحول ہوتا تھا کہ وہاں ایک بار آنے والا بار بار آنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس آشرم کی چار دیواری ایک مربع میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں ایک ایسا ہال بھی تھا جہاں ہندوستان کی قدیم تاریخ سے متعلق طرح طرح کے لٹریچر، کتابوں کی صورت میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ تمام کتابیں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں۔ پڑھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کتابوں میں دو باتیں سمجھائی گئی تھیں۔ ایک تو عبادت کے لیے لازمی ہے کہ انسان اپنی تمام توجہ ایک خالقِ حقیقی پر مرکوز کر دے اور محبت کرنے کے لیے بھی یہی لازم ہے کہ وہ صرف اپنے محبوب کا ہو اور ساری دنیا کو بھول جائے۔ اس نے محبوبِ حقیقی اور محبوبِ مجازی کا موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا کہ عبادت یا محبت میں گم ہو جانے کے لیے بھنگ پینا ضروری ہے۔ یہ ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ہے، شیو شنکر کے ماننے والے بھنگ کے نشے میں مست ہو کر رقص کرتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اب یہ بھنگ کیا ہوتا ہے، کیسے تیار ہوتا ہے، امریکی باشندے کچھ اس کے متعلق جانتے ہیں لیکن ہندوستانی جس طریقے پر بھنگ تیار کرتے ہیں، وہ ان کے لیے نئی اور انوکھی چیز تھی۔ انھوں نے بھنگ جیسے نشے میں دودھ ملائی، پستہ اور بادام جیسی مقوی غذائیں شامل کیں اور یہ ثابت کیا کہ یہ نشہ نہیں بلکہ ایسا ٹانک ہے جو جسمانی قوت میں اضافہ بھی کرتا ہے اور ایسی مستی والی بے خودی پیدا کرتا ہے، لہٰذا اس بے خودی میں عورت سے محبت بھی ہوتی ہے اور بھگوان کی عبادت بھی۔

ان کتابوں میں جو دوسری بات ثابت کی گئی، وہ یہ کہ بھگوان ہر دور میں کسی نہ کسی انسان کے روپ میں نمودار ہوتا ہے اور اس دنیا میں انسانوں کے درمیان موجود رہتا ہے۔ موجودہ دور میں بھگوان نے ہیرا سوامی کا روپ اختیار کیا ہے اسی لیے وہ بھگوان ہیرا سوامی کہلاتا ہے۔

کیری ڈان نے وہاں پہنچ کر پورے ایک میل کا چکر لگایا تھا۔ اور آشرم کی ہر جگہ کو دیکھا تھا۔ آشرم اُسے کہتے ہیں جہاں لاوارث یا بھٹکے ہوئے لوگ، یا دنیا کے ٹھکرائے ہوئے افراد پناہ لیتے ہیں۔ آشرم میں مفت رہنے، کھانے پینے کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے بھگوان ہیرا سوامی کے آشرم میں چھوٹے چھوٹے کاٹیج بنے ہوئے تھے۔ ان کاٹجوں میں ایئر کنڈیشنڈ کمرے اور اٹیچڈ باتھ روم تھے۔ وہاں ضرورتِ زندگی کا تمام سامان موجود ہوتا تھا۔ آشرم کی چار دیواری میں ایک چھوٹا سا میدان تھا جہاں بھگوان ہیرا سوامی ہیلی کاپٹر کے ذریعے آتا تھا، سیکڑوں لڑکیوں اور لڑکوں کو اپنا دیدار کراتا تھا۔ اپنے فلسفے کا پرچار کرتا تھا۔ پھر انھیں آشیرباد دے کر ہیلی کاپٹر سے واپس چلا جاتا تھا۔

کیری ڈان کی سمجھ میں نہیں آیا، چکر کیا ہے۔ اسے شبہ تھا، وہاں کوئی غیر قانونی دھندا ہوتا ہے۔ لیکن ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ نشہ کرنا، عورتوں اور مردوں کا آزادی سے ملنا کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ امریکی سوسائٹی میں ایسا ہوتا ہی ہے۔ رینی آشرم میں آتے ہی یک بیک کیسے دولت مند بن گئی تھی یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اس کا تعاقب بھی کیا تھا لیکن آشرم کی بھیڑ میں وہ کہیں گم ہو گئی تھی۔ تب کیری ڈان نے انٹیلی جنس والوں سے رجوع کیا تھا۔ ان سے تعاون کی درخواست کی۔ انھوں نے بھگوان ہیرا سوامی کے متعلق کچھ معلومات فراہم کیں۔ کیری ڈان نے انھی معلومات کی بنیاد پر بھگوان ہیرا سوامی کے خلاف لکھنا شروع کیا۔ اخبار کے مالک نے اس مضمون کو چھاپنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً اس نے اخبار کو خیرباد کہہ دیا۔ پھر دوسرے اخبار میں ملازمت کر لی۔ وہاں اس کے مضامین کو بہت پسند کیا گیا۔ وہ مسلسل چھپنے لگا۔ بعد میں کیری ڈان کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کیونکہ وہ ہیرا سوامی کے خلاف جو کچھ بھی لکھتا تھا، اس سے اور اس کی پبلسٹی ہوتی تھی۔ اس بھگوان کی شہرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آئے دن یہ خبر ملتی تھی کہ امریکی لڑکیاں اور لڑکے ہندو دھرم اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ جب ایسے جوانوں سے دریافت کیا جاتا تو وہ کہتے۔ ہم نے کوئی دھرم اختیار نہیں کیا۔ ہم دنیا کے کسی دھرم کو نہیں جانتے، محبت ہمارا دھرم ہے۔ ہیرا سوامی ہمارا بھگوان ہے۔ ہمیں اس دنیا میں کچھ نہیں چاہیے، صرف ایک بے خودی چاہیے اور بے خودی نشے اور عورت سے حاصل ہوتی ہے جو ہمیں حاصل ہوتی رہتی ہے۔

کیری ڈان کی سوچ پڑھ کر معلوم ہو گیا۔ وہ میرے کام کا آدمی نہیں تھا۔ میں نے اس کے دل میں رینی کے لیے شدید لگن پیدا کی۔ وہ بڑی بے چینی محسوس کرتے ہوئے سوچنے لگا: ”کسی طرح

رینی سے ملاقات کرنا چاہیے مگر وہ تو نایاب ہوگئی ہے۔ آج کل نظر ملنے پر ہیلو بھی نہیں کہتی۔ دور ہی سے کترا جاتی ہے کیوں نہ اس سے فون پر گفتگو کی جائے وہ اگر بات نہیں کرے گی تو کم از کم ساعت بھر کے لیے اس کی آواز تو سُنائی دے گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ریسیور اُٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ذرا دیر بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سُنائی دی۔ کیری نے کہا۔ "میں رینی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا پہلے سے اپائنٹمنٹ ہے ؟"

" میرا نام کیری ڈان ہے۔ وہ نام سنتے ہی اپائنٹمنٹ کے بغیر گفتگو کرے گی۔"

"آپ ہولڈ آن کریں۔"

ہولڈ آن کا مطلب ہے، ریسیور سے چپکے رہو۔ انتظار کرتے رہو اور میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میں دوسری طرف بات کرنے والی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ انٹرکام کے ذریعے کہہ رہی تھی۔

"مسٹر کیری ڈان آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

رینی کی آواز سُنائی دی "کوئی بہانہ کر دو کہو میں مصروف ہوں۔"

میں فوراً ہی رینی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے انٹرکام کے بٹن کو آف کر دیا تھا۔ وہ ایک ٹائپ رائٹر کے پاس بیٹھی ایک کہانی ٹائپ کر رہی تھی۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ یہ کہانی ایک گھنٹے کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے کیونکہ اسے دوسرے دن کے اخبار میں شائع ہونا ہے۔ وہ صرف کہانی کے لیے پریشان نہیں تھی صرف کہانی ہی لکھنا ہوتی تو اس کے پاس کافی دولت تھی۔ وہ ایسا ایک اخبار خود نکال سکتی تھی یا کوئی اور نفع بخش کاروبار شروع کر سکتی تھی لیکن آج کل جو کہانیاں شائع ہو رہی تھیں ان سے زیادہ نفع بخش کاروبار اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کہانیوں نے اسے دیکھتے ہی دیکھتے دولت مند بنا دیا تھا۔

اس کی ذہنی سوچ پڑھنا کافی ہو گیا۔ مجھے پتا چل گیا، دراصل وہ کہانیوں کے ذریعے پیغام رسانی کرتی تھی۔ اس کی تحریر میں ایسے فقرے اور ایسے پیراگراف ہوتے تھے جو بھگوان ہیرا سوامی کے خاص ایجنٹوں کے لیے خفیہ پیغام ہوتے تھے۔ ابھی وہ جو کچھ لکھ رہی تھی، میں اس کے چند پیراگراف بیان کرتا ہوں۔ اس سے پیغام رسانی کے طریقۂ کار کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ وہ لکھ رہی تھی۔

"صبح کے آٹھ بجے تھے۔ وہ بحری جہاز میری اینڈرسن کے عرشے پر کھڑی ہوئی ... کی ورزش میں مصروف تھی۔ کبھی وہ سیدھی کھڑی ہو جاتی تھی کبھی ایک ہاتھ اٹھاتی تھی اور کبھی دونوں ہاتھ، پھر آگے کی طرف جھک جاتی تھی۔ دُور سے دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ وہ صبح سویرے ورزش کے ذریعے اپنے جسم کو صحت مند اور شاداب رکھنے کی عادی ہے۔

لیکن وہ خفیہ پیغام رسانی کے فرائض ادا کر رہی تھی۔ اس کے سیدھے کھڑے ہونے کا مطلب تھا کہ وہ پیغام دے رہی ہے۔ ایک ہاتھ شانے تک اٹھانے کا مطلب انگریزی حرف "اے" دوسرا ہاتھ شانے تک اٹھانے کا مطلب "بی" تھا۔ اسی طرح دونوں ہاتھ اور پاؤں کی مختلف حرکتوں کے ذریعے وہ انگریزی حروف اے سے لے کر زیڈ تک بیان کرتی تھی اور ان حروف کے ذریعے لفظ بناتی تھی۔ ان الفاظ کے عام معنی کچھ اور ہوتے تھے۔ خاص معنی کچھ اور ہوتے تھے جو کوڈ ورڈز کہلاتے تھے اور جنھیں خاص ایجنٹ ہی سمجھ پاتے تھے۔

وہ اپنے وقت کے مطابق ورزش کرنے کے بہانے سگنل کے ذریعے کہہ رہی تھی کہ لانچ کے نچلے حصے میں پچاس لڑکیاں ہوں گی۔ ان میں سے بتیس لڑکیاں اتنی حسین و جمیل ہیں کہ سو گز کے فاصلے سے صاف طور پر نظر آئیں گی۔ ان کے بعد سات لڑکیاں ڈبل ایم اے ہیں۔ باقی گیارہ لڑکیوں میں سے ہر ایک کی عمر پچیس برس ہے۔

رینی جو کہانی لکھ رہی تھی، اسے شروع سے آخر تک پڑھا جائے تو واقعی نہایت دلچسپ ہوتی مگر میں نے اس کا ایک ٹکڑا سُنایا ہے جس میں کہانی بن تو نہیں رہی ہے مگر کہانی کی دلچسپی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ بظاہر ایک جاسوسی کہانی ٹائپ کر رہی تھی۔ پڑھنے والوں کے لیے وہ کچھ اور تھی، خاص ایجنٹ اس کہانی سے جو بات سمجھنے والے تھے وہ میں بیان کر رہا ہوں۔

اس نے لکھا تھا کہ وہ صبح آٹھ بجے بحری جہاز میری اینڈرسن کے عرشے پر ورزش کر رہی تھی۔ اس کا اصل مطلب یہ تھا کہ میری نا[می] ایک عورت اپنے ساتھی اینڈرسن کے ساتھ صبح آٹھ بجے پہنچنے والی ... وہ جس لانچ میں آئیں گے اس کے نچلے حصے میں پچاس لڑکیاں ہوں گ[ی] لیکن یہاں لڑکیوں سے مطلب ہے پچاس مال سے بھری ہوئی پیٹیا[ں] اس نے آگے چل کر لکھا تھا کہ بتیس لڑکیاں اتنی حسین و جمیل ہوں گ[ی] کہ سو گز کے فاصلے سے دکھائی دیں گی۔ اس کا مطلب تھا، بتیس بو[ر] رائفلیں آ رہی ہیں جن کے ساتھ ٹیلی اسکوپ یعنی دُوربین لگی ہوئی ... جن کے ذریعے سو گز کے فاصلے سے صاف طور پر اپنے ٹارگٹ کو د[یکھا] جا سکتا ہے۔

اس کے بعد اس نے لکھا تھا۔ سات لڑکیاں ڈبل ایم اے ... ڈبل ایم کا مطلب، دو ایم یعنی ایم ایم اور سات کا مطلب ہے ... سات عدد۔ یعنی سب کو ملا کر یہ معنی اخذ کیے جاتے ہیں کہ سا[ت] ایم ایم کی رائفلیں بھی آ رہی ہیں۔ اس کے بعد اس نے لکھا کہ با[قی] گیارہ لڑکیوں میں سے ہر ایک کی عمر پچیس برس ہے یعنی گیارہ پیٹ[یوں] میں چھوٹی مشین گنیں آ رہی ہیں جو ایک وقت میں پچیس را[ؤنڈ] چلاتی ہیں۔

رینی ٹائپ کر رہی تھی اور میں پڑھ رہا تھا۔ وہ اس کہانی میں پوری تفصیل کے ساتھ خفیہ ایجنٹوں کو سمجھا رہی تھی کہ کس وقت کس بلیک پورٹ میں وہ لانچ آئے گی اور کس طرح وہ مال اتارا جائے گا اور جزیرے کے گودام میں پہنچایا جائے گا۔

میں نے اس کے دماغ کو پھر کریدنا شروع کر دیا۔ اسے یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوتی ہیں ؟ ایسا سوال اس کے ذہن میں پیدا کرتے وقت میں نے بھگوان ہیرا سوامی کا نام لیا۔ وہ اسے تصور میں دیکھنے لگی۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی "ہیرا سوامی واقعی بھگوان کی طرح دور ہی دور رہتا ہے۔ مجھے آج تک اس کے قریب جانے کا موقع نہیں ملا پتا نہیں اس میں کیا بات ہے۔ میں اس کی طرف دیکھتی ہوں تو کھنچی جاتی ہوں۔ باس نے مجھے ایک ایسے شخص سے ملایا ہے جس کے کام آ کر میں بھگوان ہیرا سوامی کے قریب پہنچ سکتی ہوں۔"

وہ اپنے اخبار کے مالک کو باس کہہ رہی تھی اور باس نے جس شخص سے ملایا تھا اس کا نام تھامسن بلیک تھا۔ رینی ہفتے میں دو ایسی کہانیاں لکھتی تھی جو پیغام رسانی کا سبب بنتی تھیں۔ ہفتے میں دو بار تھامسن اس سے فون پر رابطہ قائم کرتا تھا، پھر کہیں ملنے کی جگہ مقرر کرتا تھا۔ وہ مقررہ مقام پر پہنچ کر اس سے ملاقات کرتی تھی۔ پھر تھامسن بلیک اسے بتاتا تھا کہ کس دن کون سا پیغام شائع ہوگا۔ کہانی میں کون کون سی خاص باتوں کا ذکر ہوگا۔ وہ ان تمام باتوں کو نوٹ کرتی تھی۔ پھر کہانی کا ایسا تانا بانا بُنتی تھی کہ وہ تمام نوٹ کی ہوئی باتیں اس میں سما جاتی تھیں۔

تھامسن بلیک نے رینی کو نہ تو اپنی رہائش گاہ کا پتا بتایا تھا اور نہ ہی فون نمبر دیا تھا۔ وہ خود ہی اس سے رابطہ قائم کرتا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ ایک دو روز میں وہ پھر رابطہ قائم کرے گا۔ میں اسے چھوڑ کر لوبی کے پاس پہنچ گیا۔ میرے مخاطب کرنے پر وہ ذرا خوش ہوئی۔ پھر ناراض ہو کر بولی "پورے چھتیس گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں، بالکل ہی بھول جاتے ہو۔"

"بھول جاتا تو ابھی نہ آتا۔"

"کوئی کام ہوگا ویسے تو یاد نہیں کرتے۔"

"ہاں کام ہے۔ میں ایک لڑکی رینی کے متعلق بتا رہا ہوں۔ توجہ سے سُنو۔"

وہ سننے لگی میں اس کے متعلق تفصیل سے بتانے لگا۔ تمام باتیں سُننے کے بعد اس نے کہا۔ "وہ آج کہانی ٹائپ کر رہی ہے کل اخبار میں چھپے گی۔ پرسوں اس کہانی کے مطابق صبح آٹھ بجے وہ لانچ بلیک پورٹ پہنچے گی۔ کیا تم چاہتے ہو، میں وہاں کچھ گڑبڑ کروں؟"

میں نے کہا "نہیں، مال آتا ہے، آنے دو۔ جاتا ہے جانے دو۔ ہمیں کوئی غرض نہیں ہے۔ تم رینی سے دوستی کرو۔ ایک دو روز میں تھامسن بلیک اس سے رابطہ قائم کرے گا۔ اسے ملاقات کے لیے کہیں بلائے گا۔ رینی اگر دوست بن جائے گی تب بھی تمھیں ساتھ نہیں لے جائے گی مگر تم اس کا تعاقب کرتے ہوئے تھامسن بلیک تک پہنچ سکتی ہو۔ اس دوران میں تم سے رابطہ قائم کروں گا اور تمھارے یا رینی کے ذریعے اس شخص تک پہنچ جاؤں گا۔"

اس نے پوچھا "کسی کی ہڈی پسلی توڑنے والا کام نہیں ہے ؟ کسی سے دوستی کرنا، اس کا تعاقب کرنا، اس کے ذریعے کسی دوسرے شخص تک پہنچنا، یہ بڑا ہی اُکتا دینے والا کام ہے۔ بائی دی وے، تم نے ابھی تک اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔"

"مجھے وعدہ یاد ہے۔ تم میرے ساتھ کام کرو گی اسی لیے تو تمھیں یہ کام دے رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے تمھیں رینی کے ساتھ رہتے ہوئے بھگوان ہیرا سوامی کے آشرم میں جانا پڑے۔ وہاں تم اپنے لیے جگہ بنا سکو۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہماری ملاقات وہیں ہوگی۔"

"تم صرف ملنے کے وعدے پر قائم رہو۔ وہ آشرم کیا چیز ہے، میں تو بھگوان ہیرا سوامی کے کسی خفیہ اڈے تک پہنچ کر تمھارا انتظار کروں گی۔ بولو، آؤ گے ؟"

میں نے مسکرا کر کہا "میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں، جو کہو گی وہی کر گزرو گی۔ میں ضرور آؤں گا۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ میرے کمرے کا دروازہ کھلا تھا، پھر وہی پرسنل گارڈ نظر آئی۔ اس کے پیچھے کچھ کنیزیں تھیں۔ وہ کھانے کی ٹرالی لے کر آئی تھیں۔ دو بج رہے تھے۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں کھانے بیٹھ گیا۔ پرسنل گارڈ ٹرالی کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے کنیزوں کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے تنہائی میں آہستگی سے کہا "مسٹر فرہاد! کیا تم یہ سوچ سکتے ہو کہ یہ تمھاری زندگی کی آخری دوپہر ہے اور تم اس آخری دوپہر کا آخری کھانا کھا رہے ہو۔"

میں نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ میرے جسم پر جو کپڑا ہے، یہ میرا آخری لباس ہے۔ شاید اس کے بعد کفن بھی نصیب نہ ہو۔ میں ایک مہماتی زندگی گزار رہا ہوں۔ نہ جانے کب اور کہاں کیسی موت واقع ہو۔ تم مجھے لیڈی روزینہ سے ڈرانے آئی ہو۔"

"تم ڈرنے والے بچے نہیں ہو اور میں جھوٹ بولنے والی عورت نہیں ہوں۔ میں نے تو آج تک یہی دیکھا ہے، جو دولہا بن کر اس کی خواب گاہ میں جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔"

"کیا تم مجھے واپس لانے کے سلسلے میں کچھ کر سکتی ہو ؟"

"میری عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ وہ کمبخت خوابگاہ کا دروازہ بند کر لیتی ہے۔ وہاں کی کھڑکیوں اور دروازوں پر بجلی کی رَو دوڑنے لگتی ہے۔ کوئی اس کے قریب نہیں جا سکتا۔"

میں نے پوچھا "یہاں کا مین سوئچ بند کرنے کے بعد بھی

خوابگاہ میں بجلی کی سپلائی جاری رہتی ہے؟"
"ہاں، معلوم ہوتا ہے، خوابگاہ میں بجلی کی سپلائی کسی دوسرے ذریعے یا جنریٹر سے ہے، وہ جنریٹر کہاں ہے؟ یہ میں آج تک معلوم نہیں کر سکی۔"
"ہم میں سے آج تک کوئی یہ معلوم نہ کر سکا کہ موت کب آتی ہے اور کہاں سے آتی ہے۔ پھر پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے؟"
"میں جانتی ہوں، آپ بہت بے باک ہیں، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی گزارتے رہتے ہیں لیکن جان بوجھ کر موت کے منہ میں جانا دانشمندی نہیں ہے۔ میں آپ کے فرار کا راستہ ہموار کرتی ہوں۔ آپ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔"
"یہاں ایک عورت سے مجھے محبت ہو گئی ہے۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا۔"
اس نے تعجب سے دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا وہ مادام مریم ہیں؟"
"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"
"میں سب کی خبر رکھتی ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ کل تمہارے ساتھ کچھ وقت گزار گئی ہے۔"
"کیا تم اس سے ملا سکتی ہو۔"
"کیا اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے؟"
"نہیں، کچھ مجبوری ہے۔"
"کیا مریم تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے؟"
"یہ تو میں اس سے پوچھ کر ہی بتا سکتا ہوں۔"
اس نے کنیز کو بلایا۔ پھر حکم دیا۔ "مادام مریم کو بلا کر لاؤ۔"
کنیز چلی گئی۔ جب میں کھانا ختم کر کے سیون اپ کی بوتل کھول رہا تھا تو مریم آ گئی۔ وہ پرسنل گارڈ کو دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔ میں نے کہا۔ "یہ ہماری رازدار ہے۔"
پرسنل گارڈ نے کہا۔ "آؤ مریم، دروازہ بند کر دو اور یہاں بیٹھ جاؤ۔"
مریم نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔ "تمہاری لیڈی روزینہ کی یہ پرسنل گارڈ مجھ سے پوچھتی ہے کہ میں تمہارے دماغ میں کیوں نہیں پہنچ سکتا۔ اب تم ہی بتا دو کہ تم نے خیال خوانی کے ذریعے اپنے دماغ میں آنے سے منع کیا ہے۔"
مادام مریم نے تعجب سے مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں نے کب منع کیا ہے؟"
"تم کل میرے پاس آئی تھیں۔ تم نے خود منع کیا تھا۔"
"یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں کب تمہارے پاس آئی تھی؟"
پرسنل گارڈ نے کہا۔ "مریم! میں سب جانتی ہوں۔ تم انکار نہ کرو۔ تم یہاں آئی تھیں۔ فرہاد کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزارا ہے۔ لیڈی روزینہ کی سکریٹری بعد میں یہاں آئی تھی مگر تمہیں پکڑ نہیں سکی۔ تم شاید پچھلے دروازے سے چلی گئی تھیں۔"
مادام مریم پریشان ہو کر کبھی پرسنل گارڈ کو اور کبھی مجھ کو دیکھ رہی تھی۔ اب جبکہ وہ کہہ رہی تھی کہ مجھے دماغ میں آنے سے منع نہیں کیا ہے تو میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی۔ تب پتا چلا کہ وہ بے چاری سچ کہہ رہی تھی۔ کل میرے پاس نہیں آئی تھی مگر اس کی سوچ کے ذریعے تصدیق ہو گئی کہ اس کے روپ میں سونیا میرے پاس تھی۔
میں نے کہا۔ "کل مریم کے روپ میں جو میرے پاس آئی تھی وہ میری ایک ساتھی تھی۔ مجھے اسی کا انتظار ہے۔ جب تک اس کی طرف سے اشارہ نہیں ملے گا، اس وقت تک میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"
پرسنل گارڈ نے پوچھا۔ "تمہاری وہ ساتھی کون ہے؟"
"تم سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے لیکن میں اس کا نام نہیں بتا سکتا کیونکہ وہ خود مجھ سے چھپ رہی ہے۔ مجھ پر ظاہر ہو گی تو میں تمہیں بتا دوں گا۔"
"کیا جب تک وہ نہیں ملے گی، تم یہاں سے نہیں جاؤ گے؟"
"کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ مجھ سے ملے لیکن اس کی طرف سے جب تک خطرے کا سگنل نہیں ملے گا، میں نہیں جاؤں گا۔ خواہ مجھے لیڈی روزینہ کی خواب گاہ میں جانا پڑے۔"
پرسنل گارڈ نے کہا۔ "میں کسی نہ کسی طرح تمہارے کام آنا چاہتی ہوں۔ مجھے موقع ملا تو میں لیڈی روزینہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر تمہارے سامنے ڈھال بن جاؤں گی۔"
"میں جانتا ہوں، تم صدق دل سے میرے لیے کچھ کرنا چاہتی ہو۔ مریم بھی چپکے چپکے میرے لیے بہت کچھ کر رہی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ! یہاں کتنی لڑکیاں ایسی ہیں جو انگریزی زبان جانتی ہیں؟"
اس نے کہا۔ "یہ امریکا ہے۔ یہاں جو انگریزی نہیں جانتا، وہ بھی سیکھ لیتا ہے۔ پھر یہاں ملازمت کرنے والی لڑکیاں اس زبان سے کس طرح نا آشنا ہو سکتی ہیں۔ یہ سب انگریزی جانتی ہیں لیکن لیڈی روزینہ کا حکم ہے کہ ان کی زبان پر انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہ آئے۔"
"تم لیڈی روزینہ کی پرسنل گارڈ ہو۔ یہاں جتنی بھی مسلح عورتیں ہیں، وہ تمہاری تابعدار ہیں۔ کبھی تم اپنی لیڈی کے خلاف بغاوت کرنا چاہو تو کتنی عورتیں تمہارا ساتھ دیں گی؟"
"فی الحال پچیس مسلح لڑکیاں ہیں۔ میں ان کے پرائیویٹ معاملات میں رازدار ہوں۔ وہ میرے اشاروں پر ناچتی ہیں۔ مزید پندرہ بیس لڑکیاں ایسی ہیں جنھیں اب تک لفٹ نہیں دی تھی۔ انھیں بھی اپنی مٹھی میں کرنا چاہوں تو وہ میرے اشاروں پر چلنا شروع کر دیں گی۔"

"تم اسی طرح میرے کام آ سکتی ہو۔ انھیں اپنے ہاتھ میں رکھو۔ تمہیں کسی وقت بھی مسلح بغاوت کی ضرورت پڑے گی۔"
مریم نے کہا۔ "ایسی کوئی پچاس کے قریب لڑکیاں میرے اشاروں پر چلتی ہیں۔ میری طرح مادام کہلانے والی یہاں اور بھی سپروائزر عورتیں ہیں۔ ان کی نگرانی میں درجنوں لڑکیاں ہیں۔ میں ایسی مادام قسم کی عورتوں کو اپنے اعتماد میں لے سکتی ہوں۔"
پرسنل گارڈ نے کہا۔ "تقریباً ستر فیصد مسلح لڑکیاں ہمارے قابو میں ہیں۔ تم چاہو تو ابھی لیڈی روزینہ کے خلاف بغاوت ہو سکتی ہے۔ تمہیں اس کی خوابگاہ میں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"
"جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ میں خود اس کی خواب گاہ میں جانا چاہتا ہوں۔"
"یہ دانشمندی نہیں ہے۔ جان بوجھ کر موت کو دعوت دے رہے ہو۔"
"میں نے کہا نا جب تک میری ساتھی کی طرف سے خطرے کا سگنل نہیں ملے گا، موت میرے سامنے نہیں آئے گی۔ اگر ہم بغاوت شروع کر دیں اور مجھے اس کی خوابگاہ میں جانے کا موقع نہ ملے تو جانتی ہو کیا ہو گا؟"
وہ دونوں مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ میں نے کہا۔ "اس خواب گاہ کی چار دیواری میں جو راز ہے، وہ ہمیں کبھی معلوم نہیں ہو گا۔ میں مانتا ہوں، ہم بغاوت میں کامیاب ہو سکیں گے، لیڈی روزینہ کو قید کر لیں گے۔ اسے اذیتیں دے کر خواب گاہ کا راز معلوم کرنا چاہیں گے۔ ہو سکتا ہے، وہ ہمیں سب کچھ بتا دے لیکن نہ بتانا چاہے تو اپنی زندگی پر کھیل جائے گی۔ اس طرح وہ راز اس کے ساتھ چلا جائے گا اور جس مقصد کے لیے میری ساتھی یہاں دن رات مصروف ہے، وہ پورا نہیں ہو گا۔"
پرسنل گارڈ نے کہا۔ "تم لیڈی روزینہ سے کس قسم کے راز کے انکشاف کی توقع کرتے ہو؟"
"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ یہ ہمارا شبہ ہو سکتا ہے کہ لیڈی اوپر سے کچھ ہے، اندر سے کچھ۔ یہ میلوں دور تک پھیلا ہوا فارم محض دکھاوا ہے، اس کے پیچھے کچھ اور ہو رہا ہے۔"
"یہ کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟"
"اس لیے کہ لیڈی روزینہ کے بیڈ روم میں آج تک جو لوگ گئے وہ زندگی کے کسی نہ کسی شعبے میں اہمیت رکھنے والے لوگ تھے۔ تمہاری لیڈی صرف صحت مند اور خوبرو جوانوں سے عشق نہیں کرتی ہے۔ ماضی میں اس نے ادھیڑ عمر کے سائنسدانوں کو بھی اپنا دولہا بنایا ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں، اسے میری خوبروئی اور جوانمردی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، صرف میری ٹیلی پیتھی سے عشق ہے۔"
"یہ محض تمہاری قیاس آرائی بھی ہو سکتی ہے۔ ذرا سوچو تو میڈیکل رپورٹ کے مطابق تم فرہاد ثابت نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود لیڈی روزینہ نے تم سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد کو نہیں، مائیکل گارسن کو پسند کیا تھا۔"
"روزینہ بہت گہری ہے۔ ہم یہ سمجھتے رہے کہ میڈیکل رپورٹ میں جو تبدیلی ہوئی، اسے صرف ہم جانتے ہیں لیکن نہیں، اسے بھی معلوم تھا کہ اس کے ہاں کام کرنے والی لڑکیاں غلط رپورٹ پیش کر رہی ہیں۔ یہ غلط رپورٹ اس کے حق میں بہتر تھی۔ اس نے یہی رپورٹ ماسٹر کے سامنے پیش کی۔ وہ دنیا والوں کے سامنے مائیکل گارسن کو دولہا بنا کر۔۔۔۔۔۔ اپنی خواب گاہ میں لے جانا چاہتی تھی۔ کسی کو پتا نہ چلتا کہ دراصل وہ فرہاد کو لے گئی ہے۔ اگر حالات کروٹ نہ بدلتے، میں خود کو ظاہر نہ کرتا تب بھی وہ اپنے فیصلے پر قائم رہتی۔"
پرسنل گارڈ نے کہا۔ "اس بحث کے نتیجے میں صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ خواب گاہ میں پہنچنے کے بعد زندہ رہ پاؤ گے؟"
میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں تم لوگوں کے سامنے بیٹھا ہوں، ابھی یقین نہیں ہے کہ میں دوسری سانس میں زندہ رہ پاؤں گا۔ بھلا کون اپنی زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔"
"کوئی ضمانت نہیں دے سکتا مگر اعتماد سے زندہ رہ سکتا ہے۔"

"اسی اعتماد سے میں خواب گاہ میں پہنچ کر بھی زندہ رہنے کی کوشش کروں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر مریم سے بولی "کینیوں سے کہہ دو، رات کا اندھیرا ہونے سے پہلے مسٹر فرہاد کو دولہا کی حیثیت سے تیار کر دیں۔ میرے کمرے میں ان کا نیا لباس، لیڈی روزبینہ کا پسندیدہ پرفیوم اور اینٹی ڈارک گاگلز موجود ہیں۔ وہ چیزیں یہاں لے آؤ۔"

وہ حکم دے کر دروازے تک گئی۔ وہاں سے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا "یوں تو تمھارے لیے بہت کچھ کرنے کی کوشش کروں گی۔ ابھی تو صرف دعا ہی کر رہی ہوں۔"

وہ پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

❦

یہ پومی کی فطرت کے خلاف تھا کہ وہ رینی کی رہائش گاہ کے پاس جاتی اور اس کی نگرانی کرتی۔ پتا نہیں رینی اپنی رہائش گاہ میں کب تک رہتی۔ تمام دن، تمام رات باہر نہ نکلتی۔ یا پھر نکلتی تو جانے کہاں کہاں گھومتی پھرتی۔ پومی کو جاسوس بن کر اس کے پیچھے پیچھے پاگلوں کی طرح گھومنا پڑتا اور وہ پاگلوں کا سا کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے باس سے رابطہ قائم کر کے رینی کی رہائش گاہ کا پتا بتایا۔ پھر کہا "اپنے کچھ خفیہ آدمی اس کے پیچھے لگا دو۔ مجھے ہر ایک گھنٹے میں اس کے متعلق رپورٹ ملنی چاہیے۔ وہ کیا کر رہی ہے۔ کہاں جا رہی ہے اور کن لوگوں سے مل رہی ہے۔" وہ تمام ذمے داریاں باس کے آدمیوں پر ڈال کر خود آشرم کی طرف چلی گئی۔

میں نے اس سے کہا تھا، ہماری ملاقات اسی آشرم میں یا بھگوان ہیرا سوامی کے کسی خفیہ اڈے میں ہوگی۔ یہ بات اس کے دل اور دماغ میں نقش ہو گئی تھی۔ میں جس راستے پر اسے مل سکتا تھا، وہ اسی راستے پر چلتے ہوئے آشرم تک پہنچ گئی۔

وہاں عقیدت مندوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ امریکی معاشرے کی مایوس اور دل برداشتہ لڑکیاں اور لڑکے بھگوان ہیرا سوامی کے درشن کرنے آئے تھے۔ بڑے ہال کے باہر لگے ہوئے اسپیکر کے ذریعے اطلاع دی جا رہی تھی کہ بھگوان ہیرا سوامی ابھی ابھی ہیلی کاپٹر کے ذریعے تشریف لائے ہیں۔ اب ہال میں پہنچنے والے ہیں۔ لوگ اندر آ کر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ وہ اسٹیڈیم نما ہال تھا۔ نیچے سے اوپر تک نیم دائرے کی صورت میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تقریباً دو ہزار افراد کی گنجائش تھی لیکن تین ہزار سے زیادہ عقیدت مند بھرے ہوئے تھے۔ جنھیں جگہ نہیں ملی، وہ کھڑے ہوئے تھے۔ سیکڑوں افراد ایسے تھے جنھیں ہال میں قدم رکھنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ باہر کھڑے ہوئے تھے۔ اپنے دل کو تسلی دے رہے تھے کہ بھگوان ہیرا سوامی کا دیدار نہ سہی، اس کی آواز تو سن سکیں گے۔

آشرم میں داخل ہونے کے لیے چاروں سمت چار بڑے بڑے گیٹ بنے ہوئے تھے۔ ان گیٹ کے پیچھے ایک انکوائری کاؤنٹر تھا۔ وہاں آشرم سے متعلق تمام معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔ پومی نے ایک کاؤنٹر گرل کے پاس جا کر پوچھا "میں بھگوان ہیرا سوامی سے کیسے مل سکتی ہوں؟"

جواب ملا "وہ جس سے خوش ہوتے ہیں اسی سے ملتے ہیں۔"

"وہ کیسے خوش ہوتے ہیں؟"

کاؤنٹر گرل نے ایک چھوٹا سا کارڈ دکھاتے ہوئے کہا "یہ آشرم کا پورا نقشہ ہے۔ تم سات نمبر کمرے میں چلی جاؤ۔ وہاں تمھیں بھگوان سے متعلق تمام باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔"

اسی کاؤنٹر گرل نے سات نمبر کے کمرے پر لال پنسل سے نشان لگایا۔ پھر اسے پومی کو دے دیا۔ پومی نے وہیں کھڑے رہ کر آشرم کے نقشے کی اسٹڈی کی۔ پھر اس کے مطابق سات نمبر کمرے کی طرف جانے لگی۔ وہ کمرہ اسٹیڈیم نما ہال کے پیچھے تھا جہاں ابھی بھگوان ہیرا سوامی پہنچ کر اپنے عقیدت مندوں کے سامنے ایسی تقریر کرنے والا تھا جس سے روح کو تازگی اور جذبات کو آسودگی حاصل ہوتی تھی۔ اس سات نمبر کمرے کے ساتھ ہی ایک خوبصورت سا کمرہ تھا جہاں بھگوان ہیرا سوامی ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد آ کر تھوڑی دیر بیٹھ جاتا تھا پھر اسی کمرے کے پچھلے دروازے سے گزر کر اسٹیڈیم نما ہال کے اسٹیج پر پہنچ جاتا تھا۔ اس کمرے کے بعد جو تیسرا کمرہ تھا وہاں آشرم کا مین سوئچ بورڈ تھا۔ مین سوئچ بورڈ کے علاوہ ایسے چھوٹے چھوٹے سوئچ بورڈ تھے جو آشرم کے ہر کمرے میں بجلی پہنچاتے تھے۔

پومی نے سات نمبر کمرے میں پہنچ کر ایک ادھیڑ عمر کے شخص سے ملاقات کی۔ اس نے پومی کو ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ایک بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ دیواروں پر چاروں طرف ریک بنے ہوئے تھے جن میں کتابیں، رسالے اور اخبارات نظر آ رہے تھے۔

پومی نے سوال کیا "میں بھگوان ہیرا سوامی سے کیسے مل سکتی ہوں؟"

"کیا تم پہلی بار آشرم میں آئی ہو؟"

"جی ہاں، پہلی بار۔"

"ہال میں جاؤ اور بھگوان کی روح پرور باتیں سنو۔ اگر وہ باتیں تمھارے دل پر اثر کریں گی تو تم ان پر عمل کرو گی۔"

"عمل کرنے کے طریقے کیا ہیں؟"

"اس آشرم میں کسی کو ہتھیار لانے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی یہاں منشیات کا استعمال نہیں کر سکتا۔ شراب، چرس اور کوکین وغیرہ کی ممانعت ہے لیکن عبادت کے دوران اپنی سوچ اور اپنے تمام جذبوں کو صرف بھگوان پر مرکوز کرنے کے لیے لازمی ہے کہ تم پر بے خودی طاری رہے اور بے خودی طاری رکھنے کے لیے یہاں کی تیار شدہ بھنگ استعمال کی جا سکتی ہے۔ یہاں نفرت سے بھٹکے ہوئے اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگ آتے رہیں۔ اس لیے کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہاں آنے والوں سے ساتھ دل کھول کر محبت کرو گی تو یہ محبت عبادت بن جائے گی۔"

"مگر میں بھگوان سے کیسے مل سکتی ہوں؟"

"یہاں برابر آتی رہو۔ یہاں کے آشرم میں رہا کرو۔ اپنے حسن اور حسن سلوک سے انسانوں کی خدمت کرو۔ تمھارے حسن کارکردگی کی رپورٹ بھگوان ہیرا سوامی کے سامنے پہنچتی رہے گی۔ جب وہ تمھاری کارکردگی سے خوش ہوں گے تو خود ہی اپنے پاس بلائیں گے۔"

"یہ تو بڑا لمبا چکر ہے۔ میں آج اور ابھی بھگوان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

پومی نے نقشے کا کارڈ اٹھایا۔ پھر وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "ہمارے اور آپ کے لیے ناممکن ہے، بھگوان کے لیے تو ممکن ہے۔ میں ان سے مل کر رہوں گی۔"

وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ اب اسپیکر کے ذریعے کسی عورت کی بہت ہی ملائم اور محبت بھری آواز سنائی دے رہی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا "اس اسٹیڈیم نما ہال کے اسٹیج پر بھگوان ہیرا سوامی کے آنے سے پہلے ان کی خاص داسی مائک کے سامنے آتی ہے اور مختصر سی تقریر کرتی ہے اس خاص داسی کو سب عزت و احترام سے ماں نیلما داسی کہتے ہیں۔ اس آشرم میں بھگوان ہیرا سوامی کے متعلق جتنی کتابیں عقیدت مندوں کو پڑھنے کے لیے ملتی تھیں، ان میں ماں نیلما داسی کا ذکر ضرور ہوتا تھا۔ ان کتابوں کو پڑھنے سے پتا چلتا تھا کہ وہ داسی برسہا برس سے بھگوان کے قریب رہتی آئی ہے، وہ کسی روک ٹوک کے بغیر جب چاہے، جہاں چاہے بھگوان سے ملاقات کر سکتی ہے۔ کسی تیسری عورت کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے۔

پومی اس کارڈ پر بنے ہوئے نقشے کو دیکھتے ہوئے اس کمرے کے سامنے پہنچ گئی جہاں بھگوان ہیرا سوامی آ کر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتا تھا۔ پھر ماں نیلما داسی کی تعارفی تقریر کے بعد اسٹیج پر آتا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا۔ باہر دو وردی میں ملبوس ملازم کھڑے ہوئے تھے۔ وہ صحت مند اور قد آور تھے۔ بالکل باڈی گارڈ لگتے تھے لیکن ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

پومی نے کہا "دروازہ کھولو۔ میں بھگوان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

ایک باڈی گارڈ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔ "ہم مجبور ہیں۔ کسی ایک کو بھی ملنے کی اجازت دیں گے تو یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آئیں گے اور بھگوان کو پریشان کریں گے۔"

"میں پریشان نہیں کروں گی۔"

دوسرے باڈی گارڈ نے بھی ہاتھ جوڑ کر کہا "مس صاحبہ! اس دنیا میں کسی بھی بڑے حکمران تک پہنچنے کے لیے چھوٹے چھوٹے افسروں سے ملنا پڑتا ہے۔ ان کی اجازت اور سفارش کے بغیر حکمران تک رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح بھگوان سے ملنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کی نصیحتوں پر عمل کیا جائے۔ اپنی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا جائے۔ اس کے بعد ہی ملاقات ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے آپ ہمیں مجبور نہ کریں۔ ہم یہ دروازہ کسی صورت میں نہیں کھولیں گے۔"

پومی نے پوچھا "تمھارے پاس دروازہ بند رکھنے اور دوسروں کو داخل ہونے سے روکنے کے لیے کون سی قوت ہے، تمھارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اگر میں تمھیں پتھر ماروں اور زبردستی دروازہ کھول کر جاؤں تو کیا کرو گے؟"

"آپ ایسی باتیں آشرم میں نہ کریں، یہاں کوئی کسی پر تشدد نہیں کرتا، کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، کسی کا دل نہیں دکھاتا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ پولیس والے یہاں آتے ہیں تو ہتھیار آشرم کے باہر اپنی گاڑیوں میں رکھ کر آتے ہیں۔ انھیں بھی یقین ہے کہ یہاں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا، کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ پھر پولیس والوں کو بھلا ہتھیار کی کیا ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کے قدموں میں گر جائیں گے مگر دروازہ نہیں کھولیں گے۔"

پومی نے ایک گہری سانس لے کر کہا "واقعی جہاں کے باڈی گارڈ بھی ہتھیار نہ رکھتے ہوں اور کسی کو زبردستی سے روکنے کے لیے قدموں میں گر جاتے ہوں، وہاں کوئی کسی پر تشدد نہیں کر سکتا۔"

وہ آگے بڑھ گئی۔ آشرم میں ہر طرف بڑے بڑے اسپیکر لگے ہوئے تھے جن کے ذریعے ماں نیلما داسی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اب بہت سے لوگوں کی جے جے کار سنائی دینے لگی۔ اسٹیڈیم نما ہال میں بیٹھے ہوئے تمام عقیدت مند بیک آواز کہہ رہے تھے "جے بھگوان ہیرا سوامی، جے بھگوان ہیرا سوامی۔۔۔"

اس کے بعد بھگوان ہیرا سوامی کی بہت ہی نرم اور میٹھی آواز سنائی دی۔ وہ آہستہ آہستہ بڑے ہی اچھے انداز میں تقریر کی ابتدا کر رہا تھا۔ نہایت ہی شفقت آمیز اور سنجیدہ لہجے میں ایسی باتیں کر رہا تھا جو دلوں پر اثر کرتی ہیں۔

پومی ہاتھ میں پکڑے ہوئے نقشے کو دیکھتے ہوئے اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں مین سوئچ لگا ہوا تھا۔ وہ کمرہ خالی تھا، کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ آشرم میں جس کا دل جہاں چاہتا تھا، جا سکتا تھا۔ جس کتاب کو اٹھا کر پڑھنا چاہتا، یا لے جانا چاہتا، کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ صرف ہیرا سوامی سے ملنے سے روکا جاتا تھا۔

وہ مین سوئچ کے پاس گئی۔ پھر اسے ہاتھ بڑھا کر آف کر دیا۔ آشرم کے چاروں طرف اور ہال کے اندر گونجنے والی ہیرا سوامی کی آواز ایک دم سے گھٹ کر رہ گئی۔ یومی نے جیسے گلا گھونٹ دیا تھا۔ ہال میں کتنے ہی عقیدت مند اپنی جگہ سے اٹھ کر کہہ رہے تھے "آواز ہم تک نہیں پہنچ رہی ہے۔"

کتنے ہی کارکن دوڑتے ہوئے اس کمرے میں آئے جہاں مین سوئچ لگا ہوا تھا۔ وہ یومی کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ پھر انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ چھت سے ایک رسّی لٹک رہی تھی۔ اس رسّی کے آخری سرے پر جو پھندا بنا ہوا تھا، وہ یومی کے گلے میں تھا۔ وہ مین سوئچ کے پاس کرسی پر کھڑی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر کہہ رہی تھی "خبردار! اگر کوئی ادھر آئے گا تو میں پھانسی لگا کر مر جاؤں گی۔"

ایک نے گھبرا کر پوچھا "یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"تمہارے آشرم میں ہتھیار لانا منع ہے اس لیے میں نے خودکشی کا یہ طریقہ نکالا ہے۔"

"مگر تم مرنا کیوں چاہتی ہو؟"

"اس لیے کہ بھگوان سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ شاید مرنے کے بعد ان کے درشن ہو جائیں۔"

"نادان نہ بنو۔ خودکشی کرو گی تو بھگوان ناراض ہوں گے۔"

"زندہ رہوں گی تو ان کی کون سی خوشی حاصل ہو جائے گی۔"

"ہم تمہیں سمجھا رہے ہیں، پھندا اپنے گلے سے نکال دو۔"

"نہ نکالوں تو کیا کرو گے۔ کیا مجھ پر تشدد کرو گے جبکہ یہاں کسی کو نقصان پہنچانے، کسی کا دل دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ تم لوگ میرے قریب بھی نہیں آ سکتے۔"

یہ بات بھگوان ہیرا سوامی تک پہنچ گئی۔ ہیرا سوامی نے حیرانی سے پوچھا "کون لڑکی ہے۔ کیا اس آشرم سے تعلق رکھتی ہے؟"

ایک کارندے نے کہا "ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔ شاید وہ پہلی بار یہاں آئی ہے اور آپ سے ملنے کی ضد کر رہی ہے۔"

"اسے کسی طرح سے سمجھاؤ۔ اس کی ناحق ضد سے ہزاروں عقیدت مند میری باتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ مین سوئچ کو آن کیا جائے تاکہ میں اپنی بات اس لڑکی تک پہنچا سکوں۔"

ایک کارندے نے یومی کے پاس پہنچ کر بھگوان ہیرا سوامی کی بات سنائی۔ اس نے کہا "میں یہاں کھڑی رہ کر بھگوان کی باتیں سن لوں گی لیکن اپنا جواب کیسے سنا سکوں گی۔ میں آخری بار کہہ رہی ہوں، میرے اور بھگوان کے درمیان کوئی پیغام رسانی نہ کرے۔ میں ان سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

جب یہ بات ہیرا سوامی کو بتائی گئی تو اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ہزاروں عقیدت مندوں کو دیکھا۔ پھر ایک میگافون فراہم کرنے پر اس نے کہا "میرے بچو! بجلی کی سپلائی میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائے گی، میں پھر تمہارے سامنے آ کر باتیں کروں گا۔ ابھی اجازت چاہتا ہوں۔"

وہ اسٹیج سے اتر کر اپنے خاص کمرے میں آیا پھر پریشانی سے دوسرے دروازے کو دیکھتے ہوئے بولا "لڑکی کو یہاں لے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد ہی یومی کمرے میں داخل ہوئی۔ دروازہ کو باہر سے بند کر دیا گیا۔ کمرے میں کوئی تیسرا نہیں تھا۔ یومی نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ہیرا سوامی نے اسے ٹٹولتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر پوچھا "یہ کیا حرکت تھی؟"

"میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ انکوائری آفس میں جا کر پتا چلا، آپ سے ملنے کے لیے بڑی ریاضت کرنا ہو گی۔ بہت دن لگے گا اور میں آج ہی آپ سے ملنا چاہتی تھی۔"

"مجھ سے ملنا ضروری کیوں ہے؟"

"دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ سے عقیدت ہے۔ آپ کو قریب سے دیکھنا چاہتی تھی۔ مجھے یہ فخر حاصل ہو گیا۔ سب کے سامنے سر اٹھا کر کہہ سکتی ہوں کہ میں نے بھگوان سے براہِ راست ملاقات کی ہے۔"

وہ اسی طرح چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا "اور دوسری بات کیا ہے؟"

"میں بہت پریشان ہوں۔ یہاں پناہ لینے آئی ہوں لیکن کسی نشے کو ہاتھ نہیں لگاتی اور نہ ہی کسی کو اپنے قریب دیکھنا پسند کرتی ہوں جبکہ یہاں عبادت اور محبت میں ذہن کو مرکوز کرنے کے لیے بھنگ پینا لازمی ہے۔ یہاں لڑکے اور لڑکیاں بڑی آزادی سے... پھر! مجھے یہ باتیں پسند نہیں ہیں۔"

"تمہیں پسند نہیں ہیں اور میرے آشرم میں رہنا بھی؟"

"اس لیے کہ یہاں کوئی ہتھیار لے کر نہیں آ سکتا۔ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"کیا تمہیں کسی سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے؟"

"ہاں، وہ ایک نہیں کئی ہیں۔ میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ میرے محبوب کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ کہتے ہیں، وہ زندہ ہے۔ میں ان کے ہاتھ نہ آئی تو اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔"

"تم نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میرا نام لیوچن ہے۔ میں چائنا ٹاؤن کی رہنے والی ہوں۔ میرے محبوب کا نام مائیکل گارسن ہے۔ وہ ہمارے مکان میں کرایہ دار تھا۔ مجھے اس سے محبت ہو گئی۔"

بھگوان ہیرا سوامی آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا اور یومی کو توجہ سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا "محبت اچھی چیز ہے مگر دشمنی کیوں ہو رہی ہے۔ مائیکل گارسن میں ایسی کیا بات ہے کہ اسے اغوا کر لیا گیا؟"

"وہ اچانک ہی دولت مند بن گیا تھا۔ ایک شام نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس لایا۔ اس کے بعد ہم پر تباہی آنے لگی۔ میرا نوجوان بھائی مارا گیا۔ جن لوگوں نے میرے بھائی اور اس کے دوستوں کو قتل کیا، انہوں نے ہم سے وعدہ کیا کہ مائیکل گارسن ان کے کام آئے گا تو ہمارا نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس واپس کر دیا جائے گا۔ میں اور گارسن اس بات کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ہمارا وہ بریف کیس واپس کر دیا گیا لیکن ہم موقع پاتے ہی وہاں سے فرار ہو گئے۔ وہ مائیکل کے چہرے پر پلاسٹک سرجری کر کے اس کی صورت بدلنا چاہتے تھے۔ پتا نہیں اس سے کس طرح کا کام لینا چاہتے تھے۔"

"اچھا، تو تم اپنے محبوب کے ساتھ فرار ہونے میں ناکام رہیں۔"

"ہاں، ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ مائیکل مجھے ایک ہوٹل میں چھوڑ کر کسی کام کے لیے باہر گیا، پھر واپس نہیں آیا۔ میں کل سے انتظار کر رہی ہوں۔ آج صبح مجھے ہوٹل میں کسی نے فون کیا۔ کہنے لگا، میں ہوٹل سے باہر نکل کر فٹ پاتھ پر چلتی رہوں۔ ایک سرخ رنگ کی کار میرے قریب آ کر رکے گی۔ اس کا پچھلا دروازہ کھلے گا۔ مجھے اس کار میں بیٹھ جانا چاہیے، اگر میں نے ایسا نہیں کیا تو مائیکل کو مار ڈالا جائے گا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ ان کے حکم کی تعمیل کروں گی۔"

ہیرا سوامی نے پوچھا "پھر تم نے تعمیل نہیں کی؟"

"کیسے کرتی؟ ایک تو وہ ان کی گرفت میں آ گیا تھا، پتا نہیں، وہ اس سے کیا چاہتے تھے۔ میں مائیکل کی محبت ہوں۔ اس کی کمزوری ہوں۔ وہ میرے ذریعے اس سے اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہوٹل کے پچھلے دروازے سے نکل کر ایک ٹیکسی میں یہاں چلی آئی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ سے ملنے میں کافی عرصہ لگے گا تو میں نے بہت مجبور ہو کر ایسا طریقہ اختیار کیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ دشمن تمہیں مجبور کر رہے ہیں۔ تم نے مجھے مجبور کر کے غلطی نہیں کی۔ کیا مائیکل کی تصویر تمہارے پاس ہے؟"

یومی نے پرس میں سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مائیکل کی تصویر دیتے ہوئے کہا "یہ مائیکل گارسن ہے۔ آج رات ڈنر سے پہلے مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کہاں ہے۔ کن لوگوں نے اسے اغوا کیا ہے اور وہ لوگ اس سے کیا چاہتے ہیں۔"

آنے والا سر جھکا کر واپس چلا گیا۔ ہیرا سوامی نے یومی کے قریب آ کر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "میرے قریب آنے کا یہ انداز مجھے بہت پسند آیا ہے۔ جب تک تمہارا مائیکل تمہیں نہیں ملے گا، تم میری مہمان رہو گی۔"

ایک ادھیڑ عمر کی عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ اگرچہ وہ عمر میں زیادہ تھی مگر صحت مند اور خوب صورت تھی۔ اس نے گیروے رنگ کی ساری پہنی ہوئی تھی۔ ہیرا سوامی نے کہا "لیوچن! یہ نیلما ہے۔"

یومی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "میں پہلی بار آشرم میں آئی ہوں لیکن ماں نیلما داسی کا نام بہت سنا ہے۔ سبھی آپ کی عزت کرتے ہیں، میں بھی کرتی ہوں۔"

ماں نیلما داسی نے آگے بڑھ کر بڑے ممتا بھرے انداز میں اسے دیکھا پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔ ہیرا سوامی نے کہا۔ "نیلما! یہ لڑکی میری مہمان ہے کسی کو پتا نہ چلے کہ ہم اسے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں ورنہ دوسرے عقیدت مند بھی اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایسی ہی ضد کریں گے۔ ایسے ہی انداز سے میرے قریب آنے کی کوشش کریں گے اس طرح میری مشکلات بڑھ جائیں گی۔ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد آؤں گا۔"

وہ پھر اسٹیج کی طرف جانے لگا۔ اس نے ململ کی دھوتی باندھ رکھی تھی۔ اوپر سے گیروے رنگ کا کرتا پہن لیا تھا جس طرح سردی کے موسم میں شال کو تہہ کر کے شانوں پر ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح گیروے رنگ کی ایک چادر اس کے شانوں پر پڑی ہوئی تھی۔ اس چادر پر ہر جگہ چھوٹے چھوٹے حروف میں لکھا ہوا تھا "ادم شانتی، شبھ لابھ، کرم سے دھرم، دھرم سے کرم... تتہ"

وہ صحت مند اور قد آور تھا۔ چہرے پر کشش تو نہیں تھی البتہ شیطانی رعب اور دبدبہ تھا۔ کوئی اس سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ آنکھیں ملتے ہی سر جھک جاتے تھے۔ امریکا جیسے ملک میں گیروے رنگ کی دھوتی کرتے نے ایک انوکھا پن پیدا کر دیا تھا۔ جوان لڑکے اور لڑکیاں اسے ایسے دیکھتے تھے جیسے کوئی سادھو مہاراج برسوں کی تپسیا کے بعد کسی غار سے نکل کر آئے ہوں۔

وہ کمرے سے جا رہا تھا۔ پچھلا دروازہ کھول کر اسٹیج پر پہنچنا چاہتا تھا، اسی وقت ماں نیلما داسی نے مخاطب کیا "سوامی! ہمارے آنند کی کوئی خبر ہے۔ اسے آج صبح پہنچنا چاہیے تھا؟"

بھگوان ہیرا سوامی نے گھوم کر ماں نیلما داسی کو گھور کر دیکھا پھر سخت لہجے میں کہا "میں نے کتنی بار سمجھایا ہے۔ پیچھے سے آواز نہ دیا کرو۔ وجے آنند کوئی نادان بچہ نہیں ہے۔ صبح نہیں آیا ہے

تو شام کو آ جائے گا۔"

وہ دروازے سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ نیلما داسی سر جھکائے یوں کھڑی ہوئی تھی جیسے کسی کے خیالوں میں گم ہو۔ اس کے چہرے پر ممتا کا نور تھا۔ اسے دیکھتے ہی یوں لگتا تھا جیسے کسی محبت کرنے والی ماں کو دیکھ رہے ہوں۔ پومی نے مخاطب کیا وہ خیالات سے چونک گئی۔ ایسے دیکھنے لگی جیسے اب تک تنہا رہی ہو۔

اس نے پوچھا "بیٹی! تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں پوچھ رہی ہوں، یہ دیجے آنند کون ہے؟"

وہ خوش ہو کر بولی "میرا بیٹا ہے۔ میرا بہت ہی پیارا بیٹا ہے۔ بائیس برس کا ہو گیا ہے مگر بالکل بچہ ہے۔ مجھ سے ابھی تک ویسا ہی لاڈ پیار کرتا ہے جیسے میری گود میں کھیل رہا ہو۔ مجھے نیویارک کا ماحول پسند نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے اسے کینیڈا کے میڈیکل ہاسٹل میں رکھا ہے۔ دو برس کے بعد وہ ایک قابل ڈاکٹر بن جائے گا۔ میں اس کے لیے بہت بڑا اسپتال تعمیر کرا رہی ہوں کہ وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ اسے اپنے دیس بھارت سے بہت محبت ہے۔ وہ کہتا ہے، وہیں پریکٹس کرے گا۔ میں نے سمجھایا ہے، پہلے امریکا میں چند سالوں تک پریکٹس کرتا رہے۔ پھر یہاں سے اپنے دیس جائے گا تو بڑی قدر ہو گی کیونکہ ہمارے ہاں بدیسی ڈاکٹروں کو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔ دیسی ڈاکٹروں کو گھر کی مرغی دال برابر سمجھا جاتا ہے۔"

وہ اپنے بیٹے کی تعریف میں بول رہی تھی۔ بولتی ہی جا رہی تھی۔ تھکنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ آخر بیٹا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا، وہ دن رات اس کی تعریفیں کرتی رہے۔ دنیا تسلیم کر لے کہ بس یہ ایک ہی ماں ہے۔ ایک ہی بیٹا آج تک ایسا جنم دیا گیا ہے جس کے سامنے کسی اور کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ ویسے دنیا کی ہر ماں اپنی اولاد کو سب سے اہم اور افضل سمجھتی ہے۔

پومی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کی باتیں سن کر مسکراتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کا ذکر کرتے کرتے چونک گئی۔ پھر بولی "مجھے معاف کرنا۔ میں جانے کیا بولتی جا رہی ہوں۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ سوامی جی تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔"

وہ نیلما داسی کے ساتھ کمرے سے باہر آئی۔ آشرم کے کارندے ان کے آگے پیچھے ہو کر چلنے لگے۔ پومی نے کہا "ماں جی، میں کچھ عرصے ہندوستان اور برما میں رہ چکی ہوں مجھے پتا ہے، کسی کرم دھرم اور بڑے گیان والے شخص کو سوامی کہتے ہیں۔ لیکن عورتیں اپنے شوہر کو سوامی کہتی ہیں۔ کیا بھگوان ہیرا سوامی آپ کے شوہر ہیں؟"

وہ چلتے چلتے ذرا ٹھٹک گئی۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے بولی "نہ نہیں تو۔ وہ بھلا شوہر کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں ہو سکتے۔؟"

"وہ برہمچاری ہیں۔ سادھو ہیں۔ وہ بیوی بچے اور گھر گرہستی سے دور رہتے ہیں۔ اس سنسار کے تمام لوگوں کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں۔"

وہ آشرم چونکہ ایک مربع میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے چھوٹی ریلوے لائن کی طرح پٹریاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان پر چھوٹی چھوٹی ٹرالیاں چلتی تھیں۔ وہاں کے کارندے اس پر بیٹھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے تھے۔ پومی اور نیلما داسی ایک ٹرالی پر بیٹھ کر اس میدانی حصے میں پہنچ گئیں جہاں ایک ہیلی کاپٹر موجود تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو کر پچھلی سیٹ پر آ گئیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد بھگوان ہیرا سوامی اپنے کارندوں کے ہجوم میں وہاں آیا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے اندر پہنچ کر پومی پر ایک نظر ڈالی پھر اپنی سیٹ پر بیٹھ کر پائلٹ سے کہا "ہم شکاگو جا رہے ہیں۔"

ماں نیلما داسی نے چونک کر پوچھا "ہم شکاگو کیوں جا رہے ہیں؟"

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کہا "میں نے کتنی بار سمجھایا ہے، پیچھے سے کوئی سوال نہ کرو۔ میں نے آنند کے پاس خبر بھیج دی ہے۔ وہ شکاگو پہنچنے والا ہے۔"

ماں نیلما داسی مطمئن ہو گئی۔ ہیلی کاپٹر پرواز کرنے لگا۔ میں نے پومی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم بندوق کی گولی کی طرح چشم زدن میں کہیں بھی پہنچ جاتی ہو۔ آخر اتنی جلدی بھگوان ہیرا سوامی تک کیسے پہنچ گئیں؟"

اس نے پوچھا "کیا ابھی میرے پاس آئے ہو؟"

"ہاں، اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں۔"

"فرہاد، تم جہنم میں ملنے کا وعدہ کرو تو وہاں بھی تیزی سے پہنچ جاؤں گی۔ بس اپنا وعدہ یاد رکھو۔ میں بھگوان ہیرا سوامی کے خفیہ اڈوں تک پہنچ کر رہوں گی اور تم وہاں مجھ سے ملو گے۔"

"انشاء اللہ، ضرور ملاقات ہو گی۔ یہ بتاؤ، تمہیں ریتی کا تعاقب کرنے کے لیے کہا تھا۔ تم آشرم کیسے پہنچ گئیں؟"

اس نے بتانا شروع کیا تھا۔ میں نے کہا "ابھی ٹھہر جاؤ۔ دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری ہے۔ تم شکاگو پہنچو، میں آ رہا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "کیا تم شکاگو میں ملو گے؟"

"اتنی جلدی کیسے آ سکتا ہوں۔ خیال خوانی کے ذریعے آ" میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ شام کے چھ بج چکے تھے۔ باہر اندھیرا پھیل رہا ہو گا۔ رہائش گاہ کے اندر قمقمے روشن ہو چکے تھے۔ میں نے قد آور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھا۔ میرے جسم پر آف وہائٹ سوٹ تھا۔ اس کے ساتھ گہرے سرخ رنگ کی بو سے بندھی ہوئی تھی۔ یہ لیڈی روزمینہ کے دولہا کا مخصوص لباس تھا۔ لیڈی کے پسندیدہ پرفیوم کی خوشبو میرے لباس سے امنڈ رہی تھی۔ پاؤں میں ربڑ سول کے جوتے تھے۔ میں خود کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ آخر سونیا کب تک خاموش اور پُراسرار بنی رہے گی۔ ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ خدانخواستہ کسی مصیبت میں پھنس گئی ہو۔ مجھے خطرے کا سگنل نہ دے سکتی ہو۔ میں ایسے میں اس کا انتظار ہی کرتا رہ جاؤں گا اور لیڈی روزمینہ کے دیکھے اَن دیکھے جال میں اس طرح پھنس جاؤں گا کہ نکلنا محال ہو جائے گا۔

ایک کنیز ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے میرے پاس آئی۔ اس ٹرے میں مشروب سے بھرا گلاس رکھا ہوا تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے پرسنل گارڈ سے پوچھا "کیا مجھے یہ مشروب پینا چاہیے جو ایک کنیز لے کر آئی ہے؟"

"پی سکتے ہو۔ میں نے ہی بھیجا ہے۔"

مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ میں نے گلاس اٹھا کر پینا شروع کیا۔ قد آدم آئینے کے سامنے ایک چاندی کی طشتری پر رومال رکھا ہوا تھا۔ میرے لیے یہاں جو بھی چیز آتی تھی، وہ چاندی کی ٹرے یا پلیٹوں میں رکھی ہوتی تھی۔ میں نے پینے کے بعد گلاس کو ایک طرف رکھا۔ پھر رومال اٹھا کر منہ پونچھنا چاہتا تھا۔ مجھے کچھ محسوس ہوا، میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اندر ایک کاغذ کی پرچی تھی۔ دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ دماغ نے فوراً کہا۔ سونیا کا پیغام ہے یا خطرے کا سگنل۔ میں نے اس پرچی کو رومال کے اندر سے نکالا۔ اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ وہ سونیا کی تحریر تھی، اس نے لکھا تھا۔

"اللہ نے چاہا تو تم شادیاں کرتے کرتے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں نمایاں مقام حاصل کر لو گے۔ بائی دی وے میں تم سے دور نہیں ہوں۔"

بس اتنا ہی لکھا تھا۔ گلاس میں تھوڑا سا مشروب رہ گیا تھا۔ میں نے اس پرچی کو اس میں ڈبو دیا تاکہ کاغذ اچھی طرح بھیگ جائے اور تحریر مٹ جائے۔ یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ میرے آس پاس موجود ہے لیکن اس نے خود کو پُراسرار بنا کر اچھا نہیں کیا۔ مجھ میں تجسس پیدا کر دیا۔ پہلے اسے اتنا یاد نہیں کرتا تھا جتنا اب اس کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ وہ کہاں ہو گی، کیا کر رہی ہو گی، میرے پاس آتی ہے تو پتا نہیں چلتا۔ جانے کے بعد میرے احساسات میں خوشبو کی طرح رچی بسی رہتی ہے۔

میرے کمرے میں کتنی ہی کنیزیں آ گئیں۔ وہ ایک جیسا آسمانی رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھیں۔ خوب سجی بنی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ پرسنل گارڈ اور مریم بھی تھیں۔ مریم نے کہا "یہ سب تمہاری بارات میں جانے کے لیے ساتھ آئی ہیں۔"

پرسنل گارڈ نے کہا "ہمیں چلنا چاہیے۔ لیڈی روزمینہ انتظار کر رہی ہیں۔"

میں کمرے سے نکل کر باہر آیا۔ تمام کنیزیں میرے اطراف قطار میں کھڑی ہو گئیں۔ دھیمے سُروں میں گنگنانے لگیں وہ گنگناہٹ گیت میں بدل رہی تھی اور وہ گیت یقیناً ترکی زبان کا ہو گا۔ میں ان کے درمیان رہائش گاہ کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں پہنچا جو ہال نما تھا لیکن اندر تاریکی تھی۔ میرے ساتھ آنے والیوں نے اپنی اپنی آنکھوں پر انفرا ڈارک گلاسز چڑھا لیے۔ ایک چاندی کی طشتری میں ایسا ہی ایک گلاسز پیش کیا گیا۔ میں نے اسے پہن لیا۔ اندر قدم رکھا تو الو کی طرح تاریکی میں سب کچھ نظر آنے لگا۔ میں اپنی زندگی میں عجیب و غریب حالات سے گزرتا رہا ہوں۔ موجودہ سچویشن بھی عجیب سی تھی۔ یوں تو دلہن رات کی تاریکی میں ہی اچھی لگتی ہے لیکن گہری تاریکی میں شادی ہو گی، یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ہماری دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی عجیب و غریب دلہن ہو۔

ایسی ہی باتوں کو، ایسے ہی واقعات کو عجیب و غریب کہا جاتا ہے جو ہماری دنیا میں نہیں ہوتے مگر غیر متوقع طور پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس تاریک ہال میں بچھی ہوئی کرسیوں پر کتنی ہی لڑکیاں

بیٹھی ہوئی تھیں، کتنے ہی مرد بھی تھے چونکہ اس فارم کی مالکہ شادی کر رہی تھی اس لیے کچھ مردوں کو آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ ہال کے اندر داخل ہوتے ہی لیڈی روزینہ نظر آئی، وہ ہال کے پاس ہی منتظر تھی۔ وہ میرے شانہ بشانہ کنیزوں کے درمیان چلنے لگی۔ ہم ہال کے آخری سرے میں ایک بڑی سی میز کے پاس پہنچے۔ میز کے دوسری طرف میرج کورٹ کا ایک جج بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ زیر لب بڑبڑانے لگا۔ شاید ہمارے لیے دعا پڑھ رہا تھا، یوں بھی ایک عورت کی تحویل میں جانے والا شخص دعا ہی کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ زیر لب کچھ پڑھتا ہوا میز کے دوسری طرف سے گھومتا ہوا ہمارے سامنے آیا۔ پھر میرے ہاتھ میں لیڈی روزینہ کا ہاتھ رکھ کر رسمی باتیں کرنے لگا یعنی ہم سے پوچھنے لگا۔ کیا ہم ہوش و حواس میں رہ کر ایک دوسرے کو قبول کر رہے ہیں اور کیا ہم زندگی بھر ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے شریک رہیں گے؟

لیڈی روزینہ نے اپنی زبان میں اور میں نے اپنی زبان میں حامی بھری۔ اس نے کہا "اب ایک دوسرے کو شادی کی انگوٹھی پہنائی جائے۔"

ایک چاندی کی طشتری میں دو انگوٹھیاں لائی گئیں۔ میں نے ایک انگوٹھی روزینہ کو پہنائی، دوسری انگوٹھی اس نے مجھے پہنائی۔ سب ہمیں مبارک باد دینے لگے۔ وہ دلہن کے سفید ریشمی لباس میں تھی۔ چہرے پر سفید باریک سا نقاب پڑا ہوا تھا، اس نقاب کے پیچھے سے اس کا حسن ایسے جھلک رہا تھا جیسے شیشے کے جام سے شراب چھلک رہی ہو۔

پرسنل گارڈ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی تھی، اس نے کہا "آپ میرے ساتھ آئیں۔"

لیڈی روزینہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں اس کے ساتھ پرسنل گارڈ کے پیچھے چلنے لگا۔ کنیزیں ہمارے آس پاس تھیں۔ ہال سے نکلنے سے پہلے ہی باہر کی بتیاں بجھا دی گئی تھیں کیونکہ لیڈی ہمارے ساتھ تھی۔ ہم مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے اس خواب گاہ کے سامنے پہنچ گئے جو میرے لیے زندگی کا آخری دروازہ تھی۔ مجھ سے پہلے جو یہاں سے گزر گیا تھا، زندگی کی طرف لوٹ کر نہیں آیا تھا۔

تمام کنیزیں رک گئی تھیں۔ ہمارے آگے چلنے والی پرسنل گارڈ ایک طرف ہٹ گئی تھی۔ میں نے اسے اور مریم کو دیکھا۔ وہ دونوں ہی میرے لیے پریشان تھیں۔ لیڈی روزینہ نے میرے ہاتھ کو ذرا مضبوطی سے تھام لیا۔ پھر مجھے لے کر آگے بڑھتے ہوئے دروازے کے پاس پہنچی، اسے چابی سے کھولا۔ اس نے اب تک میرے ہاتھ کو یوں تھام رکھا تھا جیسے چھوڑتے ہی بھاگ جاؤں گا۔ ہم کھلے ہوئے دروازے سے اندر آئے، پلٹ کر باہر کھڑی ہوئی کنیزوں کو، پرسنل گارڈ اور مریم کو دیکھا۔ لیڈی روزینہ نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا پھر دروازے کو بند کر دیا۔ چابی لگا کر اسے مقفل بھی کر دیا۔

خواب گاہ میں بھی تاریکی تھی مگر سب کچھ نظر آ رہا تھا، وہ خوبصورتی سے سجائی ہوئی خواب گاہ تھی۔ دیواروں پر بڑی بڑی خوبصورت تصویریں ایسی تھیں جو نئے دولہا اور نئی نویلی دلہن کو بڑی وضاحت سے آداب بے ادبی سکھاتی تھیں۔ وہ سفید نقاب کے پیچھے سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ نیم تاریکی میں اس کی آنکھیں یوں چمک رہی تھیں جیسے بلی اپنے شکار کو تک رہی ہو۔

اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ اپنی زبان میں کچھ کہنے لگی۔ اس کے بعد ریسیور کو رکھ دیا۔ میں نے دیکھا۔ ریسیور رکھتے ہی دروازوں اور کھڑکیوں پر ننھی ننھی روشنیاں جلتی بجھتی ہوئی ایک سمت یوں چل رہی تھیں جیسے بجلی کی رَو دوڑ رہی ہو۔ میں سمجھ گیا، میرے باہر نکلنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔

میں اس دلہن کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے ایک میز پر رکھے ہوئے کیسٹ ریکارڈر کو آن کیا۔ ایک نسوانی آواز سنائی دی "سوری فرہاد! میں ذرا باتھ روم جا رہی ہوں۔ تم اطمینان سے بیٹھ کر خیال خوانی کر سکتے ہو۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایک دروازے کے پاس گئی۔ پھر اسے کھول کر دوسری طرف پہنچ گئی۔ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔

میں نے چاروں طرف گھوم کر دیکھا، وہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ خطرہ محسوس ہوتا، کوئی ڈراؤنا پن نہیں تھا جس سے خوفناک تجسس قائم ہوتا۔ وہ تو ایک عام سی خواب گاہ تھی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دروازے کی طرف دیکھا۔ پتا نہیں وہ کب باتھ روم سے آنے والی تھی۔ میں نے سوچا۔ صرف چند سیکنڈ کے لیے پومی کی خبر لوں گا اور واپس آ جاؤں گا۔ یہ سوچتے ہی میں اس کے پاس آ گیا۔

کوئی سانپ کے بل میں ہاتھ ڈال کر سلامت نہیں رہ سکتا، پومی اگرچہ سلامت تھی مگر سلامتی خطرے میں تھی۔ وہ شکاگو کی ایک ایسی عمارت میں پہنچ گئی تھی جو بھگوان ہیرا سوامی کی ملکیت تھی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو وہ ہیرا سوامی سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اسی وقت چار تنومند قسم کے افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے پومی کو دونوں طرف سے جکڑ لیا۔ ہیرا سوامی نے اسے طنزیہ انداز میں مسکرا کر دیکھا۔ آگے بڑھتے ہوئے ایک دروازے کے پاس گیا۔ اسے کھولتے ہوئے کہا "اس لڑکی کو ہال میں لے جاؤ۔"

ماں نیلما داسی نے حیرانی سے پوچھا "سوامی! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

وہ پھر بگڑ کر بولا "میں نے ہزار بار سمجھایا ہے، پیچھے سے مخاطب نہ کیا کرو، اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ لوگ پومی کو پکڑ کر اسی ہال میں لے گئے۔ ہیرا سوامی بھی اندر آیا۔ پھر دروازے کو بند کرتے ہوئے بولا "اچھا تو تم لیوچن ہو؟"

پومی چاہتی تو ذرا سی جدوجہد کے بعد ان چاروں کو زمین دکھا سکتی تھی لیکن یہ دانشمندی نہ ہوتی۔ وہ دشمن کے ایک اڈے میں تھی، وہاں جانے کتنے لوگ مسلح ہوں گے۔ اس نے کہا "میں لیوچن ہوں لیکن آپ بھگوان ہیں یا نہیں؟"

"میرے بھگوان ہونے میں کیا شبہ ہے؟"

"یہی کہ آپ کے آشرم میں کوئی کسی پر تشدد نہیں کرتا۔"

وہ گمبھیر لہجے میں بولا "لڑکی یہ آشرم ہے۔"

وہ ایک زینے پر چڑھتا ہوا اس ہال کی لابی پر پہنچ گیا، کہنے لگا۔ "تم مائیکل گارسن کو ڈھونڈنے میرے آشرم میں آئی تھیں۔ یہ نام سنتے ہی میں تمہیں اس کا پتا بتا سکتا تھا۔ دو دن پہلے ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ لیڈی روزینہ کے فارم میں ہے۔ کل رات کو انکشاف ہوا کہ وہ مائیکل نہیں، فرہاد ہے، اس نے ہمارے ایک ماسٹر کو مرنے پر مجبور کر دیا۔"

پومی نے کہا "آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ میں اپنے محبوب کی تلاش میں ہوں۔"

"مائیکل گارسن جیسے بہروپیے کو تلاش کرنے والی محبوبہ بھی لیوچن کے روپ میں کوئی اور ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے۔ اگر لیڈی روزینہ کے فارم میں فرہاد ہے تو میرے سامنے سونیا کھڑی ہے۔"

"میں اپنی ذات میں مکمل لیوچن ہوں۔ کسی بہروپیے مائیکل گارسن کو نہیں جانتی۔"

بھگوان ہیرا سوامی نے کہا "ہے راما، ہے کرشنا، اس سنسار میں کیسے کیسے پاکھنڈی اور مکار رہتے ہیں۔ نقل بن کر اصل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میں بھگوان ہوں۔ میرے سامنے اصل اور نقل، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتے ہیں۔"

اس نے ایک ہاتھ کو اٹھایا۔ دوبارہ چٹکی بجائی، اس کے ساتھ ہی اس کے پیچھے سے ایک لڑکی اور ایک نوجوان مرد آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئے اور اس کے اطراف کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں پر کاغذی نقاب تھا۔ بھگوان ہیرا سوامی نے حکم دیا "اپنے نقاب اتار دو۔"

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا تو پومی ایک دم سے چونک گئی۔ اس کے سامنے لیوچن اور مائیکل گارسن کھڑے ہوئے تھے۔ ہیرا سوامی ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا "بھگوان سے جھوٹ چھپ نہیں سکتا۔ یہ اصل ہیں اور تم نقل ہو۔ تم خود ظاہر ہو جاؤ تو بہتر ہے ورنہ تمہیں بے نقاب کرنے کے لیے ایسی ایسی درندگی کا مظاہرہ کیا جائے گا کہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی بھی تمہیں بچا نہیں سکے گی۔"

اس سے آگے میں کچھ سن نہ سکا، میری خیال خوانی کا رشتہ ختم ہو گیا۔ مجھے لیڈی روزینہ کی چیخ سنائی دی تھی۔ میں نے چونک کر باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر تیزی سے دوڑتا ہوا وہاں پہنچ کر آواز دی "روزینہ! کیا بات ہے؟ روزینہ، دروازہ کھولو۔"

میں نے دروازے پر دستک دی وہ دستک کے بوجھ سے کھلتا چلا گیا۔ میں نے اندر پہنچ کر دیکھا، وہ نہیں تھی۔ وہ باتھ روم بھی نہیں تھا۔ قریب ہی ایک زینہ نیچے کی طرف چلا گیا تھا یعنی یہ تہ خانے میں جانے والا زینہ تھا۔ ایک کھٹاکے کی آواز سن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا، وہ بند ہو گیا تھا۔ میں پلٹ کر اس کے قریب گیا پھر اس کے ہینڈل کو دبا کر کھولنے کی کوشش کی۔ وہ مقفل ہو چکا تھا۔ میں نے کئی بار اس کے ہینڈل کو جھنجوڑ ڈالا۔ اسے کھینچ کھینچ کر دروازے کو کھولنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی یعنی اب خواب گاہ میں بھی جانے کا راستہ نہیں تھا۔ میں نے آگے زینے کے اوپری حصے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ دور تک زینہ چلا گیا تھا۔ اس

کے بعد کیا تھا کچھ نظر نہیں آیا۔ کیونکہ تہ خانے کا فرش دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے آواز دی۔ "روزینہ تم کہاں ہو؟"

مجھے اس کی کراہیں سنائی دیں۔ وہ اپنی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ میں سمجھ تو نہیں سکا لیکن کراہوں سے بات سمجھ میں آئی کہ وہ تکلیف میں مبتلا ہے۔ میں محتاط انداز میں زینے سے اترتا ہوا نیچے جانے لگا۔ روشنی کا اچھا خاصا انتظام تھا۔ شاید لیڈی روزینہ روشنی کی وجہ سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کراہ رہی ہوگی۔

میں تہ خانے کے فرش پر پہنچ گیا۔ وہاں مجھے ایک بڑا سا کمرہ دکھائی دیا۔ کمرے کے وسط میں ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ بستر پر لیڈی روزینہ برائے نام لباس میں تھی۔ اس کے جسم سے کتنے ہی سانپ لپٹے ہوئے تھے۔ وہ دہشت زدہ نہیں تھی نہ ہی کسی تکلیف میں مبتلا تھی۔ وہ تو لطف حاصل کر رہی تھی اور ان سانپوں کے جسم پر رینگنے سے خوشی محسوس کرتے ہوئے کراہنے کے انداز میں منہ سے آوازیں نکال رہی تھی۔

اس نے مجھے مخاطب کیا۔ "فرہاد!"

میں نے چونک کر دیکھا۔ پلنگ کے قریب رکھے ہوئے کیسٹ ریکارڈر سے آواز آ رہی تھی۔ "یہ ہمارے سہاگ کا کمرہ ہے اور آج ہماری سہاگ رات ہے۔ ان دیواروں سے لگے ہوئے لوگوں کو دیکھو۔ یہ زندہ نظر آئیں گے لیکن مردہ ہیں۔"

میں زینے کے نچلے حصے میں کھڑا ہوا وہیں سے نظریں دوڑا رہا تھا۔ وہاں مجھے دس افراد نظر آئے۔ وہ سب ایک دوسرے سے دور دیواروں سے لگے کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ سامنے بندھے ہوئے تھے جیسے وہ لیڈی روزینہ کے سامنے ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے ہوں۔ کیسٹ ریکارڈر سے جو نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی، میں نے اس کے لب ولہجے کو گرفت میں لے کر خیال خوانی کی مگر اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکا۔ وہ بولنے والی اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی تھی۔

کیسٹ ریکارڈر سے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے خود لیڈی روزینہ بول رہی ہو۔ "دیکھو ان لوگوں کو دیکھو۔ یہ میرے سابقہ شوہر ہیں جو مجھے پسند آ جاتے ہیں انہیں یہاں لے آتی ہوں مگر مجھے مردوں سے نہیں، سانپوں سے محبت ہے۔ میں ان سے کہتی رہی اگر مجھ سے محبت ہے، مجھے حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرے جسم سے تمام سانپ نوچ کر کچل دو۔ اپنی مردانگی کا ثبوت دو پھر مجھے حاصل کر لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر مردانگی کا ثبوت دیتے دیتے اس حال کو پہنچ گئے۔ میں نے ان کی لاشوں کو مختلف ادویات کے مرکبات سے محفوظ کر لیا۔ ان میں تمہارا بھی اضافہ ہو جائے گا۔"

وہ بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی کیونکہ میری واپسی کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ میں اگر باتھ روم کا دروازہ توڑ کر جاتا تو باہر کے دروازے پر بجلی کی رَو دوڑ رہی تھی، وہاں میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"فرہاد علی تیمور! اچھی طرح سوچ لو۔ تمہاری واپسی ممکن نہیں ہے۔ زندہ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ان سانپوں کو میرے جسم سے الگ کر دو، انہیں کچل ڈالو، پھر میں ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو جاؤں گی، تمہارے لیے زندگی کا راستہ بھی کھل جائے گا اور یہ دنیا پہلے کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمہاری ہوگی۔"

میں نے اس کے خوبصورت جسم سے لپٹے ہوئے سانپوں کو دیکھا پھر ایک قدم آگے بڑھ کر رک گیا۔ چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا۔ کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس کے ذریعے دور ہی دور رہ کر سانپوں کو اس سے الگ کر سکوں۔ اچانک میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ یوں لگا جیسے جسم میں انگارے بھر گئے ہوں۔ میں نے ایک دم سے پیچھے ہٹ کر دیکھا۔ جانے کہاں سے ایک سانپ میرے قدموں کے پاس چلا آیا تھا اور اس نے مجھے ڈس لیا تھا۔ میں ایک دم سے چکرا گیا، لڑکھڑا کر گرتے گرتے ایک دیوار کا سہارا لے کر سنبھل گیا۔ میں گرنا نہیں چاہتا تھا، میں مرنا نہیں چاہتا تھا مگر انگارے جسم میں لہو کی طرح دوڑ رہے تھے۔ زہر تیزی سے پھیل رہا تھا۔ میں اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ آہستہ آہستہ دیوار کے سہارے کو چھوڑ کر فرش پر گر پڑا۔

میں گرنا نہیں چاہتا تھا مگر گر چکا تھا۔ اب مرنا نہیں چاہتا تھا مگر سانپ کے زہر سے کوئی بچ نہیں سکتا تھا۔ میرا سر چکرا رہا تھا۔ درودیوار گھوم رہے تھے، آنکھوں کے سامنے روشنی بجھ رہی تھی اندھیرا چھا رہا تھا۔ زندگی پر آہستہ آہستہ موت کی تاریکی غالب آ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت میں نے اس ڈوبتی ہوئی روشنی میں منجالی کو دیکھا۔

منجالی! میری محبوبہ تم اس دنیا میں نہیں رہیں۔ پھر کہاں سے چلی آئی ہو؟

کیا تم سونیا ہو؟

نہیں، وہ سونیا نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ میرے قدموں میں جھک گئی تھی۔ جہاں سانپ نے ڈس لیا تھا وہاں اپنے ہونٹ رکھ دیے تھے اور زہر چوس رہی تھی۔ یہ ہنر سونیا کو نہیں آتا۔ صرف منجالی کو آتا تھا۔

لیکن پھر بھی وہ منجالی نہیں تھی۔ اگرچہ میرا ذہن ڈوب رہا تھا پھر بھی اس حد تک سوچنے کے قابل تھا کہ میں تصور میں منجالی کو دیکھ رہا ہوں اور تصور ہی میں وہ میرے جسم سے زہر کو چوس رہی ہے۔

یا خدا! یہ کیا ماجرا ہے؟

مجھے اتنا یاد ہے کہ سانپ نے ڈس لیا تھا۔ میں اس کے بعد ایک آدھ منٹ تک بمشکل ہوش میں رہا۔ پھر ہوش سے بیگانہ ہو گیا۔ گویا میں عارضی طور پر گم ہو گیا۔ مجھے اپنے وجود کا احساس نہ رہا۔ میں ایسی حالت میں ایک دشمن عورت کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ میری گردن اتار سکتی تھی۔ میری ٹیلی پیتھی جاننے والی کھوپڑی پر ٹھوکریں مار سکتی تھی اور شاید وہ ایسا کر رہی ہو۔ کیا ہم مرنے کے بعد یہ جان سکتے ہیں کہ کوئی ہماری لاش کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے؟

خدا کا شکر ہے، میں ابھی زندہ ہوں ویسے تو یہ ناقابلِ یقین بات ہے کہ سانپ ڈس لے۔ اس کا زہر جسم میں پھیلتا جائے اور میں زندہ رہوں۔ پھر تو وہ سانپ نہ ہوا۔ ربڑ کا کھلونا ہوا۔

ہم عالم اسباب میں ہیں۔ ہماری موت اور ہماری زندگی کے کیسے کیسے سبب پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ انہونی کا مطلب ہے جو کبھی نہ ہو اور جو انہونی ہو جائے تو پھر وہ خدا کی قدرت ہوتی ہے، مثلاً گنگا الٹی بہنے لگتی ہے۔ چمگادڑ سیدھی لٹکنے لگتی ہے اور جس کی نبض ڈوب جاتی ہے۔ دل کی دھڑکن بند ہو جاتی ہے۔ سانس رک جاتی ہے، وہ کُن فیکون کے مطابق زندہ ہو کر اٹھ بیٹھتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں کسی جواز کے بغیر ہی موت کے منہ سے نکل آیا تھا۔ میرے زندہ بچ رہنے کا ایک ٹھوس بنیادی سبب تھا۔ سانپ کے ڈسنے کے بعد مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی، یہ کہنا چاہیے، دہشت طاری ہو گئی تھی اور ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ سانپ اگر بے ضرر ہو یعنی زہریلا نہ ہو اور وہ بدن کو چھو جائے تو وہ شخص دہشت سے مر جاتا ہے یا بے ہوش ہو جاتا ہے۔

مجھے جس سانپ نے ڈسا تھا، وہ یقیناً زہریلا تھا اور اس کا زہر میرے جسم میں پھیلتا جا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت میں نے تصور میں منجالی کو دیکھا تھا جو میرے پاس آئی تھی اور جھک کر میرے جسم سے زہر کو چوسنے لگی تھی۔ دراصل وہ منجالی نہیں تھی، اس کی یاد تھی۔ اس کا حوصلہ تھا کہ مجھے دہشت زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ زہر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کیونکہ منجالی کے ساتھ ایک طویل عرصے تک رہتے رہتے میں زہر کا عادی ہو گیا تھا۔ اس نے اتنی آہستگی سے اور غیر محسوس طریقے سے اپنا زہر میرے لہو میں پہنچایا تھا کہ معمولی سانپوں کے کاٹنے کا اثر مجھ پر نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ کہ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ جس سانپ نے مجھے ڈسا تھا، وہ معمولی نہیں تھا اور غیر معمولی بھی نہیں تھا۔ اچھا خاصا زہریلا تھا۔ لہٰذا مجھ پر کچھ تو اثر ہونا ہی تھا۔

میں اسی تہ خانے میں بے ہوش پڑا رہا۔ اب تو یوں کہنا چاہیے کہ بے ہوش نہیں تھا۔ مدہوش تھا۔ سانپ کے زہر نے مجھ میں نشہ بھر دیا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ منجالی سے ملتے رہنے کے دوران مجھ پر نشہ سا طاری ہو جاتا تھا۔ وہ مجھے ڈستی نہیں تھی، میرے اندر بستی تھی۔ میرے اندر آج بھی یوں بسی ہوئی ہے کہ دوسرے زہر کے بسنے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔

پھر مجھے ہوش آنے لگا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ مجھے اب تک اپنے وجود کا پتا نہیں تھا۔ اب اپنے آپ کو محسوس کر رہا تھا۔ میرے آس پاس گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس کے باوجود کان کچھ سن رہے تھے۔ دھک، دھک، دھک۔

یہ میرے دل کی دھڑکنیں تھیں جو اس گہری خاموشی اور سناٹے میں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ میں کہاں ہوں۔ کیا کسی خوابگاہ میں سو رہا ہوں؟

مجھے بے چینی سی محسوس ہوئی۔ خوابگاہ کا بستر اتنا سخت اور کھردرا نہیں ہوتا پھر احساس ہوا کہ میں فرش پر پڑا ہوا ہوں۔ تب میں نے آنکھیں کھول دیں۔ وہی تہ خانہ تھا جہاں میں چکرا کر گر پڑا تھا۔ یکلخت سب کچھ یاد آ گیا۔ میں پھولوں کے نہیں، کانٹوں کے بستر پر تھا۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

میری نگاہیں بے اختیار اُدھر اٹھ گئیں جدھر ایک شاہانہ طرز کے پلنگ پر لیڈی روزینہ نظر آئی تھی۔ اس کے جسم پر برائے نام لباس تھا مگر لباس کی کمی سانپ پوری کر رہے تھے۔ کتنے ہی سانپ اس کے جسم سے لپٹے ہوئے تھے مگر اب وہ نظارہ نہیں تھا۔ جانے وہ اپنے پیار کرنے والے سانپوں کے ساتھ کہاں غائب ہو گئی تھی۔

میں پتھریلی دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ دیوار سے ٹیک لگا کر اس تہ خانے کو دیکھنے لگا۔ چاروں طرف دور تک دیواروں سے لگے ہوئے انسانی مجسمے کھڑے ہوئے تھے۔ لیڈی روزینہ کے بیان کے مطابق وہ تمام اس کے سابقہ شوہر تھے۔ ان میں میرا اضافہ ہونے والا تھا۔ ویسے اب تک تو میں زندہ ہی تھا اور وہ مجھے ان کی طرح مجسمہ بنا کر رکھنے والی پتا نہیں کہاں چلی گئی تھی۔

میں اس تہ خانے کو چاروں طرف سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے دیوار سے ہٹ کر درمیانی حصے میں جانا ضروری تھا۔ میں نے وہاں سے ہٹنے کے لیے قدم بڑھایا تو ٹھٹک گیا۔ سامنے ہی فرش پر ایک سانپ اکڑا ہوا پڑا تھا۔ اس کی حالت سے پتا چل گیا، وہ مردہ ہے۔

اسے کسی نے مارا نہیں تھا۔ ورنہ وہ کچلا ہوا نظر آتا۔

پھر کیسے مر گیا تھا؟ کیا یہ وہی تھا جس نے مجھے ڈس لیا تھا؟ اگر یہ وہی تھا تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے ڈسنے کے بعد خود مر گیا تھا۔ یہ میرے لیے بڑی حیرانی کی بات تھی۔ میں نے سنا تھا اور دیکھا تھا کہ منجالی کو ڈسنے والے سانپ خود بیٹھ کر مر جاتے تھے۔ کیونکہ وہ برائے نام زہریلے ہوتے تھے اور منجالی کا زہر اُن پر الٹا اثر کر جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میری وہ ایلیکی محبوبہ اب تک میرے اندر زندہ تھی اور کسی بھی زہر کو مجھ تک پہنچنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر اس سانپ کو جوتے کی نوک سے الٹ کر دیکھا۔ پھر اسے ٹھوکر مار کر ایک طرف کر دیا۔ اس ہال نما تہ خانے کی چار دیواری نگاہوں کے سامنے تھی کہیں سے باہر جانے کا راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں اس ہال کے وسط میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ بس وہی ایک زینہ تھا جس سے اتر کر میں آیا تھا۔ اب میں اس زینے پر چڑھ کر جاتا تو باتھ روم والا دروازہ بند پاتا۔ اگر اسے توڑ کر نکلنا چاہتا تو لیڈی روزینہ کی خوابگاہ کی کھڑکیوں اور دروازوں پر بجلی کی رَو دوڑ رہی تھی یعنی باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

پلنگ کے سرہانے وہی کیسٹ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔ اس کے ذریعے میں نے لیڈی روزینہ کی طرف سے بولنے والی کی آواز سنی تھی جو بول رہی تھی۔ وہ بے چاری اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر لیا تھا۔ اب وہ کیسٹ ریکارڈر خاموش تھا۔ میں نے ایک بٹن دبا کر کیسٹ کو ریوائنڈ کیا پھر اسے اسٹاپ کرنے کے بعد آن کیا اور سننے لگا۔ حالانکہ کچھ باتیں میں سن چکا تھا بے ہوشی کے بعد کچھ اور کہا گیا ہوگا۔ یہ ریکارڈر یقیناً چلتا رہا ہوگا۔ کیونکہ ایک مقام پر آ کر کیسٹ ختم ہو گیا تھا لیکن ریکارڈر آن تھا۔ بہرحال دوبارہ آن کرنے پر اس بولنے والی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ لیڈی روزینہ کی طرف سے مجھے بتا رہی تھی کہ جتنے انسانی مجسمے دیوار سے لگے کھڑے ہیں، وہ سب اس کے سابقہ شوہر تھے۔ یہ باتیں میں پہلے سن چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے جو کہا، وہ میں سناتا ہوں۔

وہ بول رہی تھی "فرہاد علی تیمور! میں نے تمھیں اس تہ خانے میں بلانے کی جرأت کی ہے۔ میں جانتی ہوں جہاں تم اور سونیا پہنچتے ہو وہاں تباہی مچا دیتے ہو۔ کتنے ہی دشمنوں کے خفیہ اڈے تمھارے ہاتھوں نیست و نابود ہوئے لیکن ہم نے پہلے ہی اپنے بچاؤ کے انتظامات کر لیے ہیں۔ ہمیں خطرہ صرف تمھاری ٹیلی پیتھی سے ہے۔ اسے ختم کر کے ہم تمھیں انگلیوں پر نچا سکتے ہیں۔ اس لیے دیکھو، کس طرح ہماری پلا[ننگ] کے مطابق ایک سانپ نے تمھیں ڈس لیا ہے۔ گھبراؤ نہیں [...] موت نہیں آئے گی۔ اس کا زہر تمھارے جسم میں پھیلے گا [...] زندہ رہو گے۔ زہر کے نتیجے میں تمھارا جسم کمزور ہو گا۔ دما[غ] سے بھی زیادہ کمزور ہو گا۔ نہ تم خیال خوانی کر سکو گے۔ نہ [...] قوتوں کا مظاہرہ کر سکو گے۔ تمھارا کوئی ہتھکنڈا کام نہیں آ[ئے گا]"

اس کی باتوں سے پتا چلا کہ جس سانپ نے مجھے [ڈسا] تھا، اس کا زہر کسی عام آدمی کو ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور [کر سکتا] تھا مگر مار نہیں سکتا تھا۔ مجھے بھی مار نہ سکا لیکن ان کے [منصوبے] کے مطابق مجھے ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور ہو جانا چاہیے [تھا۔] اس کے برعکس میں پہلے کی طرح جسمانی توانائی محسوس کر رہا [تھا۔] دماغ کو آزمانا تھا۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ سیڈ پاو[ل کے] پاس کے پاس پہنچ گیا۔ میرے مخاطب کرتے ہی اس نے [کہا] "فرمائیے جناب، آپ کہاں ہیں؟"

"میں لیڈی روزینہ کی خوابگاہ میں گیا تھا۔ اب اس تہ خانے میں ہوں۔ باہر نکلنے کا فی الحال کوئی راستہ نہیں۔"

"آپ حکم دیجیے۔ ہم اس خوابگاہ کو کھود کر آ[پ کو] نکال لیں گے۔"

"ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنے اہم [آدمیوں] کو حکم دیجیے کہ وہ لیڈی روزینہ کے فارم کے اطراف [میں] چھپ کر رہیں کہ ان پر کوئی شبہ نہ کر سکے۔ ضرورت [پڑنے پر] انھیں حملہ آوروں کی طرح فائرنگ کرتے ہوئے رہائش [گاہ میں] داخل ہونا پڑے گا۔ ان کا مقابلہ صرف ان لوگوں سے [ہوگا] جو رہائش گاہ کے باہر ہوں گے۔ اندر جو مسلح عورتیں ہو[ں گی] وہ ان کا ساتھ دیں گی یعنی وہ سب میری حمایتی ہیں۔ لیڈ[ی روزینہ] کی جو خوابگاہ ہے اس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر بجلی کی [رَو دوڑ] رہی ہے۔ اسے کسی طرح ختم کرنے کے بعد بہ آسانی خوا[بگاہ میں] داخل ہو کر اس کے باتھ روم کے دروازے کو توڑا جا[ئے۔] اس کے بعد تمھارے آدمی تہ خانے میں پہنچ سکیں۔ میرے لیے بھی باہر نکلنے کا راستہ بن جائے گا۔"

"میں ابھی اپنے آدمیوں کو اُدھر روانہ کرتا ہوں [...] جب چاہیں گے، ان لوگوں کی آوازیں آپ کو سنا د[وں گا۔] آپ ان سے رابطہ قائم کر سکیں گے۔"

میں نے فی الحال اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ یہ یق[ین ہو گیا] کہ میں جسمانی اور ذہنی طور پر کمزور نہیں ہوں۔ سانپ [کا زہر] میرے لیے پانی ہو گیا تھا۔ لوسی میری طرح مصیبت میں [مبتلا] ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، یہ معلوم کرنا [...]

لیکن میں زیادہ دیر تک اپنی جگہ سے دماغی طور پر غیر حاضر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پہلے مجھے اس تہ خانے کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ یہ بھی تو معلوم کرنا ضروری تھا کہ اچانک لیڈی روزینہ کہاں غائب ہو گئی اور اس نے اب تک میری خبر کیوں نہیں لی تھی۔

میں نے ان پتھریلی دیواروں کو چھو کر دیکھنا شروع کیا۔ تہ خانے کا ہال بہت بڑا تھا۔ میں چاروں طرف گھوم کر دیواروں کو دیکھتا رہا۔ ایسا کوئی خفیہ سسٹم دکھائی نہیں دیا جس کے ذریعے اس خوابگاہ سے باہر جانے کا کوئی راستہ نمودار ہو سکتا۔ آخر میں نے مجسموں پر توجہ دی۔ ایک مجسمے کے سامنے پہنچ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مجھے کچھ شبہ ہوا۔ میں نے اسے ہاتھ لگایا تو اس نے پوچھا "ہیلو فرہاد، آخر ہماری دنیا میں آ گئے۔"

میں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموش تھا۔ اس کے ہونٹ بالکل ساکت تھے مگر اس کی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے گڑیا کے اندر ایک چھوٹا سا ٹیپ لگا دیا جاتا ہے۔ جب وہ ٹیپ چلتا ہے تو آواز آتی ہے اور بچے سمجھتے ہیں، گڑیا بول رہی ہے۔ ان کمبختوں نے مجھے بچہ سمجھ لیا تھا۔

میں نے اس مجسمے کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر پوچھا "تم تو مر چکے ہو۔ پھر کیسے بول رہے ہو؟"

"شاید تم نہیں جانتے۔ روحیں سوچتی بھی ہیں، بولتی بھی ہیں۔ یقین نہ ہو تو میرے دماغ میں پہنچ کر دیکھو۔ تم تو ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔"

میں نے اس کے دماغ تک پہنچنے کے لیے خیال خوانی کے متعلق سوچا۔ پھر رُک گیا۔ یہ بات دماغ میں آئی کہ انھوں نے مجھے جسمانی اور دماغی طور پر کمزور بنانے کے لیے ایک سانپ سے ڈسوایا تھا۔ اگر میں خیال خوانی کر کے اس کے دماغ میں پہنچوں گا اور وہ یوگا کا ماہر ہوگا تو انھیں معلوم ہو جائے گا میرا دماغ، میرا جسم نارمل ہے۔ مجھے دیکھنا تھا کہ یوں کمزور کر کے وہ مجھ سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ پھر پریشان ہو کر کہا "پتا نہیں، مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ کمزوری محسوس کرتا ہوں اور یہ خیال خوانی کیوں نہیں کر سکتا۔ میری سوچ کی لہریں پرواز نہیں کر رہی ہیں۔"

"اوہ، بے چارہ فرہاد، خیال خوانی سے محروم ہو گیا۔ ہم نے سوچا تھا، تم خیال خوانی کر کے دماغ میں پہنچو گے تو چونک اٹھو گے۔ تب تمھیں پتا چلے گا کہ جس کے پاس پہنچنا چاہتے ہو وہ تو تمھارے پیچھے موجود ہے۔"

میں نے ایک دم سے چونک کر وہاں سے گھومتے ہوئے دیکھا۔ جس بستر پر کچھ دیر پہلے لیڈی روزینہ کو دیکھا تھا، اب وہاں وہی شخص نظر آ رہا تھا جس کا مجسمہ میرے پاس دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ یعنی وہ جسمانی طور پر زندہ تھا اور آرام سے پلنگ پر نیم دراز تھا۔ ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھے ہلا رہا تھا اور مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ ہماری نظریں ملیں تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا "تم حیران ہو رہے ہو کہ میں اُدھر تمھارے پاس بھی ہوں۔ اِدھر پلنگ پر آرام بھی فرما رہا ہوں۔"

"کوئی بچہ ہی حیران ہو سکتا ہے۔ یہ مجسمہ اصلی نہیں ہے۔ چرمی مجسمہ ہے۔ کھال کو منڈھ کر تمھارا ہم شکل مجسمہ بنایا گیا ہے۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "پہلے میں نے بھی دھوکا کھایا تھا۔ اپنے جسم کو دیکھ کر یہی سمجھا تھا کہ شاید مجسمہ ہے لیکن پھر یقین ہو گیا۔ تمھارے پاس جو دیوار سے لگا کھڑا ہے، وہ میں ہوں۔"

میں نے پوچھا "اور تم کون ہو؟"

"میں تو صرف روح ہوں۔"

"کیا میں تمھیں چھو کر دیکھ سکتا ہوں؟"

"تم مجھ سے مصافحہ بھی کر سکتے ہو۔"

"پھر تو تم روح نہ ہوئے۔"

"یہی تو بات ہے۔ اب تک ہم یہی سمجھتے آ رہے تھے کہ روح نادیدہ ہے۔ ہم نہ تو اسے دیکھ سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ محسوس کر سکتے ہیں لیکن اب ہم نے اپنے نئے تجربات سے ثابت کر دیا ہے کہ روح کو بھی ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔ آؤ، مجھے ہاتھ لگاؤ۔"

اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر کہا "میں تم سے مصافحہ نہیں کروں گا۔"

اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ روح اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آ سکتی ہے یا نہیں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "بھئی کیوں نہیں آ سکتی۔ ہم نے روحوں پر بڑے عجیب و غریب تجربات کیے ہیں۔ یہ تجربہ تمھارے سامنے ہے کہ میں ایک روح ہوں۔ اپنے جسم سے الگ ہونے کے باوجود زندہ ہوں۔ بول رہی ہوں، اور۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا "بول رہی ہوں یا بول رہے ہو؟"

وہ میرے قریب آ گیا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کرنا

چاہتا تھا۔ میں نے اس سے مصافحہ کیا۔ وہ کہنے لگا۔"روح کے حوالے سے بول رہی ہوں اور اپنے مرد ہونے کے حوالے سے بول رہا ہوں۔ کیا تم نے مشہور و معروف فلسفی ہیوگو آرنالڈ کا نام سنا ہے؟"

"ہاں، سنا بھی ہے اور اس کی موٹی موٹی کتابیں بھی دیکھی ہیں مگر پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"تم بدنصیب ہو جو اسے پڑھ نہ سکے مگر خوش نصیب ہو کہ اس کی روح سے گفتگو کر رہے ہو۔"

"اچھا تو تم وہی مشہور و معروف فلسفی ہیوگو آرنالڈ ہو اور مرنے کے بعد بھی فلسفہ بگھار رہے ہو۔"

"تم میرا مذاق نہیں اڑا سکتے ——— مرنے کے بعد اپنی قبر میں پہنچ کر پتا چلا، مجھ سے بھی بڑے فلسفی، سائنسداں اور ذہین ترین لوگ قبر کی دنیا کو ایک سائنسی اور جدید ترین دنیا بنا رہے ہیں۔ یہاں آکر مجھے اعتراف کرنا پڑا، جو باتیں میں تمھیں سمجھا رہا ہوں ان پر مجھے بھی یقین نہیں تھا۔ میرا فلسفیانہ دماغ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتا رہا لیکن رفتہ رفتہ مجھے یقین کرنا پڑا اور تم بھی یقین کرنے لگو گے۔"

میں نے پوچھا۔"کیا تم اپنی زندگی میں جھوٹ بولتے تھے؟"

"میں ہمیشہ سچ بولتا رہا۔"

"اب مر چکے ہو۔ قبر میں جھوٹ بولو گے۔"

"میں نے کہا نا۔ میں ہمیشہ سچ بولتا رہا ہوں۔ اب بھی بولتا ہوں۔"

"پھر بتاؤ، یہاں اس تہ خانے میں کہاں سے آئے ہو؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔"یہ تہ خانہ نہیں، قبر کی پہلی منزل ہے۔ انسان مرنے کے بعد یہاں آتا ہے۔ اس کے بعد دوسری منزل میں اس پلنگ پر بیٹھ کر جاتا ہے۔"

میں نے پلنگ کی طرف دیکھا۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ بیٹھا ہوا تھا اور اچانک نمودار ہوا تھا، اسی پلنگ پر لیڈی روزینہ بیٹھی ہوئی تھی جو نہ جانے کب غائب ہو گئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "اگر میں اس پلنگ پر بیٹھ جاؤں تو کیا قبر کی دوسری منزل تک پہنچ جاؤں گا؟"

"وہ تو تمھیں بیٹھنا ہی پڑے گا۔ جب مر چکے ہو، قبر میں آچکے ہو تو ایک منزل سے دوسری، دوسری سے تیسری منزل کی طرف تو جانا ہی پڑے گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"تو پھر آؤ۔ ہم دوسری منزل کی طرف چلیں۔"

اس نے کہا۔"ذرا ٹھہرو، بڑی مشکلوں سے تو میں واپس پہلی منزل کی طرف آتا ہوں اور کبھی کبھی اپنے جسم کو حسرت سے دیکھتا ہوں۔"

یہ کہتا ہوا وہ اپنے مجسمے کے پاس گیا۔ پھر اسے بڑی محبت سے چھو کر دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔"آہ، میرے جسم تو مجھ سے جدا ہو گیا۔ یہ تو میرے قبر کے ہمسفر ایسے مل گئے تھے کہ تجھے یہاں محفوظ کر دیا۔ ورنہ میں اپنے جسم کو دیکھنے کے لیے بھی ترس جاتا۔"

میں نے پوچھا۔"قبر کے ہمسفر اور کون لوگ ہیں؟"

اس نے چاروں طرف گھوم کر ان چاروں مجسموں کو دیکھا جو دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ پھر کہا۔"یہی ہمارے ہمسفر ہیں۔"

"یہ کون لوگ ہیں؟"

"میرے ساتھ چلو۔ ان سے ملاقات ہوگی۔ یہ خود اپنا تعارف کرائیں گے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا پلنگ کے اوپر گیا۔ پھر آرام سے بیٹھ کر بولا۔"آؤ، اب مر ہی گئے ہو تو ڈر کس بات کا۔ انسان جب تک زندہ رہتا ہے، موت سے ہی ڈرتا ہے۔"

میں آگے بڑھا مگر جان بوجھ کر لڑکھڑا گیا۔ زمین پر بیٹھ کر کراہتے ہوئے بولا۔"مجھے بڑی کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔ ذرا ایک منٹ ٹھہر جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے سر کو تھام لیا تھا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کی۔ مجھے یقین تھا، جب میں اس فلسفی ہیوگو کے دماغ میں پہنچوں گا تو جگہ مل جائے گی کیونکہ فلسفی یوگا کا ماہر نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا یہ خیال درست نکلا۔

اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کے خیالات کو ٹٹولا تو بڑی حیرانی ہوئی۔ وہ سچ مچ یہی سمجھ رہا تھا کہ مر چکا ہے اور وجود کے ساتھ میرے سامنے ظاہر ہو رہا ہے، وہ ایک روح ہے اور اس کا اصلی جسم تہ خانے کی دیوار کے ساتھ کھڑا ہے۔

میں نے اس کے دماغ میں سوال کیا۔"قبر کی دوسری منزل کیسی ہے؟"

وہ اس سوال کے مطابق سوچنے لگا۔"وہ دوسری منزل اس تہ خانے سے بھی زیادہ وسیع و عریض ہے۔ پختہ فرش ہے، پختہ دیواریں ہیں اور وہاں جدید سائنسی آلات وغیرہ ہیں جہاں بڑے بڑے ڈاکٹر، سائنسدان، انجینئر اور بہت سے لوگ کام کرتے رہتے ہیں۔"

میں نے مختصر سی خیال خوانی کی۔ اس سے پتا چلا کہ اب جہاں جانے والا ہوں، وہاں کوئی بہت ہی لمبا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ پتا نہیں، یہ کون لوگ تھے اور زیر زمین دنیا میں کیا کر رہے تھے۔

ہیوگو نے کہا۔"کب تک کمزور بنے رہو گے۔ مرد ہو، ہمت کرو۔ جلدی سے دوسری منزل تک چلو۔ اس کے بعد تمھاری روح ہمارے پاس رہے گی اور جسم یہاں تہ خانے میں آکر دیوار سے لگ جائے گا۔"

ایک فلسفی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ زندہ ہو اور خود کو مردہ سمجھے۔ اپنے جسم کو چلتی پھرتی روح سمجھتا رہے۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے یہ بھی معلوم کر لیا۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، اسے بالکل سچ سمجھ کر کہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی اور کسی کے بھی دماغ میں کوئی خاص بات بٹھانے کے لیے مخصوص تکنیک ہوتی ہیں۔ جیسا کہ میں اپنی داستان میں بیان کر چکا ہوں پہلی تکنیک تو یہی ہے کہ ہپناٹزم کے ذریعے دماغ کو تسخیر کیا جاتا ہے۔ اپنے مقصد کے مطابق اپنے معمول کو عمل کرایا جاتا ہے اور معمول وہی بات سوچتا ہے اور وہی بات کہتا ہے جو تنویمی عمل کے دوران اس کے دماغ میں نقش کر دی گئی ہو۔

دوسری تکنیک ٹارچر ہے یعنی اذیتیں پہنچا کر دماغ کو اتنا کمزور بنا دیا جاتا ہے کہ پھر دماغ وہی بات سوچتا ہے جو اذیت پہنچانے والے اسے سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسا عمل ان لوگوں پر کامیاب ہوتا ہے جو مستقل مزاج نہیں ہوتے۔ ابھی ایک بات کرتے ہیں۔ دوسرے لمحے کوئی دوسرا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ دماغی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ یہ عمل ایسے لوگوں پر زیادہ کامیاب ہوتا ہے جن کے اپنے کوئی اصول نہیں ہوتے اور حالات کے مطابق اصول بدلتے رہتے ہیں جو لوگ خواہشات کے غلام ہوتے ہیں، ان کا ذہن بدلنے کے لیے انھیں طرح طرح کی خواہشات میں گھیر دیا جاتا ہے اور ان کے اندر نئی نئی خواہشات بھی پیدا کی جاتی ہیں۔ دشمن انھیں خواہشات کی تکمیل میں مصروف رکھتا ہے اور اپنا کام نکالتا جاتا ہے۔

تیسری تکنیک بڑی ظالمانہ ہوتی ہے۔ مشین کے ذریعے دماغ کی صفائی کی جاتی ہے بجلی کے جھٹکے پہنچائے جاتے ہیں۔ دماغ کو اس قابل نہیں رکھا جاتا کہ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل رہے۔ جب دماغ ایسے مرحلے پر پہنچ جاتا ہے تو اس میں پھر اپنی سوچ اور اپنے نظریات بٹھائے جاتے ہیں۔ پھر وہ باقی زندگی اسی نئی سوچ اور نئے نظریات کے مطابق گزارتا ہے جیسا کہ وہ عظیم فلسفی ہیوگو آرنالڈ اب نئے نظریات کے مطابق کہہ رہا تھا کہ وہ زندہ نہیں ہے اور اس کا جسم ایک چلتی پھرتی روح ہے۔

میں نے شیبا کو مخاطب کیا۔ پھر کہا۔"میں اپنے موجودہ حالات تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔ تم میرے دماغ میں رہ کر معلوم کرتی رہو۔ جب تک میں اس زیر زمین دنیا میں رہوں، تم اپنی تمام مصروفیات ترک کر دو اور وقتاً فوقتاً میرے دماغ میں آتی رہو۔"

اسے یہ باتیں سمجھانے کے بعد میں آہستہ آہستہ فرش پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر تھکے ہوئے ایک کمزور شخص کی طرح چلتا ہوا ہیوگو کے پاس آیا اور پلنگ پر بیٹھ گیا۔ شیبا کہہ رہی تھی۔"تم فکر نہ کرو۔ جہاں ہو وہیں مصروف رہو۔ میں صرف تمھارا ہی نہیں، پاومی کا بھی خیال رکھوں گی اور تمھارے جو ادھورے کام ہیں وہ کرتی رہوں گی۔"

فلسفی ہیوگو نے کہا۔"اپنے پاؤں اٹھا کر میری طرح پلنگ پر بیٹھ جاؤ۔"

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس کے بعد پلنگ جیسے لرزنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ آہستہ آہستہ نیچے کی طرف دھنس رہا تھا۔ تہ خانے کے فرش پر یوں تو وہ پلنگ دیکھنے میں اپنے فریم کے ساتھ موجود تھا مگر اس کا اندرونی حصہ اندر جا رہا تھا۔ پھر وہ تہ خانہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کیونکہ وہ اوپر رہ گیا تھا اور ہم نیچے جا رہے تھے۔ ہم تقریباً چھ فٹ نیچے آئے۔ اس کے بعد پلنگ کا وہ مخصوص حصہ جو ایک تختے کی مانند تھا اور جس پر نرم گدا بچھا ہوا تھا، وہ ہمارے بائیں طرف سرکنے لگا۔ اب ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم واقعی قبر میں پہنچ گئے ہیں کیونکہ وہ حصہ بہت ہی تنگ تھا۔ ہمارے سر پر ایک بالشت کے فاصلے پر پختہ چھت تھی۔ ہمارے آس پاس بھی پختہ دیواریں تھیں۔ جدھر سے ہم... آرہے تھے اُس طرف تہ خانے کی ہلکی سی روشنی تھی۔ اس روشنی میں وہ نیم تاریک سی قبر دکھائی دے رہی تھی جس میں سے ہم گزرتے جا رہے تھے۔ آخر ہم اس کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ اب میرے سامنے ایک وسیع و عریض میدان تھا۔ اتنا بڑا میدان جہاں ریس کے گھوڑے دوڑائے جا سکتے تھے لیکن اس میدان کا آسمان نہیں تھا کیونکہ وہاں جو کچھ بھی تھا، وہ زیر زمین تھا۔ دور تک بہت سے لوگ کام کرتے نظر آرہے تھے۔ کہیں کہیں چٹانوں سے دیواریں بنی ہوئی تھیں اور دیواروں کے دوسری طرف اسی میدان کا حصہ تھا۔ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ لوگ کیا کر رہے تھے یہ سب کچھ آگے چل کر آنکھوں سے دیکھوں گا تو بیان کروں گا۔

قریب ہی شیشے کا ایک بڑا سا کیبن تھا جہاں ایک لڑکی ایک بہت بڑے کمپیوٹر کے سامنے آرام سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ہم بستر کے اس مخصوص حصے سے اتر کر کیبن کی طرف آئے۔ میں

نے اس وسیع و عریض میدان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔"یہ کیا ہے۔ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

ہیوگو نے کہا۔"یہ حشر کا میدان ہے۔"

میں نے مسکرا کر پوچھا۔"یہ جو بے شمار لوگ نظر آ رہے ہیں، کیا یہ اپنے اعمال کا حساب دینے آئے ہیں؟"

"ابھی نہیں، ابھی تو یہ سب روحیں ہیں، جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔"

"کیا ہم بھی اس حشر کے میدان میں جائیں گے؟"

"ابھی ہم کیبن میں جائیں گے۔ اس کے بعد تمہارا تعارف یہاں کے اہم افراد سے کرایا جائے گا۔ ایک بات سمجھا دیتا ہوں۔ یہ سامنے خطرے کا جو نشان نظر آ رہا ہے، اس سے آگے جانے کی حماقت نہ کرنا۔ یہاں زمین سے چھت تک نادیدہ تاروں کی دیوار ہے۔ اس دیوار میں بجلی کی رَو دوڑ رہی ہے۔ خطرے کے نشان سے ایک قدم آگے بڑھتے ہی تم اس نادیدہ دیوار سے ٹکراؤ گے پھر اسی دیوار سے چپک کر رہ جاؤ گے۔ تمہاری روح تمہارے جسم سے آزاد ہو جائے گی مگر جسم اس دیوار سے آزاد نہیں ہو سکے گا۔"

میں نے اس میدان میں دور تک کام کرنے والوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام کرنے والے ادھر خطرے کے نشان تک نہیں آ سکتے اور ہم اُدھر نہیں جا سکتے۔"

"یہی بات ہے۔"

"اگر میں وہاں جانا چاہوں یا وہاں سے کوئی اِدھر آنا چاہے تو اس کے لیے کیا کسی سے اجازت لینا پڑے گی۔"

"یہ بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ ابھی میرے ساتھ آؤ۔"

میں اس کے ساتھ کیبن میں داخل ہوا۔ لڑکی نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ ہیوگو نے کہا۔"یہ مسٹر فرہاد ہیں۔ ابھی اپنے جسم کے ساتھ ہیں مگر جلد ہی الگ ہو جائیں گے۔ ان کا نام پاتال دنیا (زیرِ زمین دنیا) میں نئے باشندے کی حیثیت سے درج کر لو۔"

لڑکی نے کمپیوٹر کو آن کیا۔ میں نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ وہاں سوالات ابھر رہے تھے۔ پہلا سوال تھا۔"نام کیا ہے؟"

لڑکی نے کمپیوٹر کو ہینڈل کیا۔ پھر میرا نام درج کرایا۔

"فرہاد علی تیمور۔"

دوسرا سوال تھا۔"قد، جسامت اور وزن کیا ہے؟"

لڑکی نے جواب درج کرایا۔"چونکہ مسٹر فرہاد کی روح ان کے جسم سے الگ کر دی جائے گی لٰہذا روح کا وزن نہیں ہوتا۔ پاتال دنیا میں قد اور جسامت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔"

"سابقہ دنیا میں وطن اور مذہب کیا تھا؟"

"پاکستانی مسلمان۔"

"مستقل پتا ٹھکانہ؟"

"اس شخص کا کبھی کوئی مستقل پتا ٹھکانا نہیں رہا۔"

"رابطے کا کوئی پتا؟"

"ادارہ بابا فرید واسطی مرحوم۔ پیرس۔"

"کیا سابقہ دنیا میں کوئی اس کی لاش کا مطالبہ کرنے والا ہے؟"

"ایک عالم اس سے واقف تھا۔ لاکھوں افراد اس کا انجام معلوم کرنے کے لیے اس کی داستان پڑھا کرتے تھے۔ اس کے جاننے والے اور پڑھنے والے یہ بھول گئے تھے کہ آوارہ گردی کرنے والے کا انجام کیا ہو سکتا ہے؟ یہی کہ اسے ایک دن لاوارث کی طرح مرنا تھا۔ سو یہ مر چکا ہے۔"

"کیا سابقہ دنیا میں اس کے ایسے رشتے دار ہیں جو اپنے سگے کہلا سکتے ہیں؟"

"سگوں میں ماں باپ مر چکے ہیں۔ سگے بہن بھائی نہیں تھے۔ ایک نیم پاگل بیوی رسونتی زیرِ علاج ہے۔ ایک بیٹا پارس ہنوز لاپتا ہے۔"

میں کمپیوٹر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے سوالات کیے جا رہے تھے اور جیسے جوابات دیے جا رہے تھے، اس سے پتہ چل رہا تھا کہ واقعی میں مر چکا ہوں اور مرنے سے پہلے ہی میری دنیا اجڑ چکی تھی۔ میرا کوئی اپنا نہیں تھا۔ ایک بیٹا تھا جو لاپتا ہو گیا تھا۔ ویسے میرے چاہنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں وہاں مجھ سے محبت کرنے والیوں کی باتیں اور یادیں رہ گئی تھیں، بقول شاعر ؎

چند تصویرِ بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

ان کے خیال کے مطابق میں جو دنیا چھوڑ کر آیا تھا، وہاں کے متعلق سوالات اور جوابات ہو چکے تھے۔ اب پاتال دنیا کے متعلق سوالات شروع ہوئے۔"کیا مسٹر فرہاد کو پہلے کبھی مرنے کا اتفاق ہوا ہے؟"

کمپیوٹر آپریٹ کرنے والی نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔"الحمد للہ، ابھی میرے دن پورے نہیں ہوئے ہیں۔ بائی دی وے، ہماری دنیا میں اکثر لوگ مر مر کر جیتے ہیں۔ ایسی موت کا تجربہ بارہا ہو چکا ہے۔"

"کیا پاتال دنیا میں پہلے کبھی آئے تھے؟"

"یہ پہلا موقع ہے۔"

"کیا فرہاد علی تیمور کا کوئی رشتے دار، دوست یا شناسا اس پاتال دنیا میں آ چکا ہے؟"

میں انکار کرنا چاہتا تھا مگر کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے والی نے اس کا جواب درج کرایا۔ اس کا جواب تھا۔"ہاں، فرہاد علی تیمور کی عزیز ترین ساتھی مادام سونیا مر چکی ہے اور اس کی روح یہاں موجود ہے۔"

یہ بڑی چونکا دینے والی بات تھی کہ سونیا مر چکی ہے مگر یہ میرے لیے مضحکہ خیز بات تھی۔ اس سے یہ پتا چل گیا کہ سونیا اسی پاتال دنیا میں کہیں موجود ہے۔

اپنی سابقہ اور موجودہ دنیا کی تمام تفصیلات کمپیوٹر میں درج کرانے کے بعد میں ہیوگو کے ساتھ شیشے کے کیبن سے باہر آیا۔ پھر اس کے ساتھ ایک طرف چلنے لگا۔ ہمارے پاؤں تلے پختہ فرش تھا۔ دیواریں اور چھت پتھریلی تھیں۔ چھت پر جا بجا نوکیلے پتھر ابھرے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اب تب میں ہم پر آ گریں گے اور ہمیں فرش پر کیل کی طرح ٹھونک دیں گے۔

شیبا نے سوچ کے ذریعے کہا۔"ابھی میں نے تمہارے ذریعے ایک وسیع و عریض میدان دیکھا۔ پتا نہیں، وہ کتنی دور تک پھیلا ہوا ہے اور پتا نہیں، وہ کون لوگ ہیں جو یہاں پُراسرار سرگرمیوں میں مصروف ہیں، ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، کیا ان لوگوں نے یہاں اپنا اڈا بنانے کے لیے زمین کو اتنی دور تک کھودا ہو گا کہ اسے وسیع و عریض میدان تک بنا دیا اور یہاں شیشے کے کیبن بھی ہیں، لکڑی کے دروازے بھی ہیں۔ اس میدان میں دور تک جدید سائنسی آلات بھی دکھائی دیے۔ کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ کتنے برسوں سے اس پاتال دنیا کی تعمیر میں مصروف رہے ہوں گے؟"

"یہاں کی دیواریں اور چھت پتھریلی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے باقاعدہ اس کی کھدائی نہیں کی۔ ہماری دنیا میں ایسے ایسے پہاڑ ہیں جن کے غاروں میں داخل ہونے کے بعد پاتال میں جانے کا راستہ بھی ملتا ہے۔ ان راستوں سے گزر کر ہم جس قدر زمین کی تہ میں جاتے ہیں، ہمیں حیرانی ہوتی ہے کہ تہ میں بھی اتنے وسیع و عریض مقامات ہیں۔ اسی طرح لیڈی روز میری کی رہائش گاہ کے پیچھے جو پہاڑی ہے، اس کی تہ میں یہ وسیع و عریض علاقہ ہے۔ یہ قدرتی ہے۔ اسے کسی نے کھود کر یا چٹانوں کو کاٹ کر نہیں بنایا ہے۔"

"فرہاد! میں ابھی تک اپنے معاملات میں الجھی ہوئی تھی۔ پلومی کے پاس نہیں جا سکی۔ ابھی جا رہی ہوں لیکن آمنہ کے متعلق مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"بولو، کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"اسے تل ابیب میں نہیں رہنا چاہیے۔ حالات کسی وقت بھی بگڑ سکتے ہیں۔ اس پاتال دنیا میں نہ جانے تم کب تک مصروف رہو۔ وہاں توجہ نہ دے سکو تو میں تمہاری طرح ہر ساتھی پر توجہ نہیں دے سکوں گی، نہ اپنی حفاظت کر سکوں گی۔ بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ جتنی جلدی ہو سکے آمنہ کو بابا صاحب کے ادارے میں بھیج دو۔ اب جاؤ، بہت دیر ہو چکی ہے۔ پلومی کے پاس تمہیں جلد پہنچنا چاہیے۔"

وہ چلی گئی۔ میں فلسفی ہیوگو کے ساتھ چلتا ہوا ایک دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ اگرچہ چھت اور دیواریں قدرتی طور پر تراشی ہوئی تھیں تاہم کہیں کہیں انسانی صناعی بھی تھی۔ اسی لیے لکڑی کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے دروازے کو کھول کر اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے اندر قدم رکھنے سے پہلے ذرا جھانک کر دیکھا۔ ایک بہت بڑا کمرہ نظر آیا۔ درمیان میں ایک بہت بڑی سی میز تھی۔ ایک شخص میز سے لگا کھڑا تھا اور جھک کر شاید کوئی نقشہ بنا رہا تھا۔ دیواروں پر مختلف مشینوں کے بڑے بڑے نقشے آویزاں تھے۔ ایک طرف دیوار پر بڑا سا ٹی وی اسکرین تھا جس پر بہت سے لوگ کام کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ فلسفی ہیوگو کے مطابق وہ حشر کا میدان تھا جو ٹی وی اسکرین پر نظر آ رہا تھا۔ میرے قدم رکھتے ہی میز پر جھک کر کام کرنے والے نے چونک کر دیکھا۔ ہیوگو نے کہا۔"مسٹر تھرما، ان سے ملو، یہ مسٹر فرہاد علی تیمور ہیں۔"

ہم دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ ہیوگو نے کہا۔"یہ یہاں کے بہت بڑے انجینئر ہیں۔ ان کا نام تھرما کوائل ہے۔ یہاں جتنی مشینیں نصب کی گئی ہیں، ان کی ڈیزائننگ اور ان کی تیاری مسٹر تھرما کے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔"

اس کمرے میں ایک لڑکی اور ایک شخص اور تھا۔ ہیوگو نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔"یہ مسٹر تھرما کی اسسٹنٹ ہیں اور یہ مسٹر براڈنوز ہیں۔ بہت بڑے میکینک ہیں۔ یہاں کی تمام مشینوں کی دیکھ بھال یہی کرتے ہیں۔"

میں نے انجینئر تھرما اور میکینک براڈنوز کو باری باری دیکھا۔ پھر مسکرا کر پوچھا۔"کیا مسٹر ہیوگو کی طرح آپ لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ قبر کی دوسری منزل ہے اور مسٹر ہیوگو اپنے جسم کے ساتھ موجود نہیں ہیں بلکہ یہ ان کی روح ہے۔"

انجینئر تھرما نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔"یہ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ ہم اپنا جسم کھو چکے ہیں۔ ہم زندہ لوگوں میں نہیں

ہیں، تم ہماری روحوں سے باتیں کر رہے ہو۔"

میکینک براڈلوز نے کہا۔" شاید ابھی آپ کو یقین نہ ہو لیکن بہت جلد یقین ہو جائے گا۔"

جب تک انجنیئر تھرما بولتا رہا، میں میکینک براڈلوز کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرتا رہا اور جب میکینک براڈلوز نے بولنا شروع کیا تو میں انجنیئر تھرما کے دماغ میں پہنچ کر حقیقت معلوم کرنے لگا۔ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ وہ انجنیئر تھرما بڑا ہی تجربہ کار، بڑا ہی باکمال تھا اور میکینک براڈلوز بھی مشینوں کی مرمت کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ یہ اتنے سنجیدہ انجنیئر اور میکینک ہو کر خود کو زندہ نہیں سمجھ رہے تھے۔ میں نے ان کے دماغ کی تہ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ یہ اپنی دانست میں مجھ سے جھوٹ نہیں کہہ رہے تھے۔ سچ مچ خود کو روح سمجھ رہے تھے۔

میں نے پوچھا۔" کیا مرنے کے بعد روحیں دنیاوی کاموں میں مصروف رہتی ہیں؟"

اس نے جواباً پوچھا۔" تمہارے خیال میں روحوں کو کیا کرنا چاہیے؟"

" میں نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اور انسان کی موت کے بعد روحیں عالمِ ارواح میں رہتی ہیں۔"

انجنیئر نے پوچھا۔" عالمِ ارواح میں روحوں کا شغل کیا ہوتا ہے؟"

میں نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔" یہ تو میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا اور نہ ہی کسی بزرگ سے پوچھا کہ روحیں قیامت تک کیا کرتی رہتی ہیں۔"

" تم نے نہیں پوچھا۔ ہم سے جواب سن لو اور آنکھوں سے دیکھو۔ پتا نہیں قیامت کب آئے گی۔ جب تک آئے گی، تب تک روحوں کو بیکار نہیں بیٹھنا چاہیے۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ جب تک ہم زندہ رہے، ہم انجنیئر، میکینک، ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کی حیثیت سے زندگی گزارتے رہے۔ انسانوں کی خدمت کرتے رہے۔ زندہ انسانوں کی دنیا میں رہ کر ہم نے جو تجربات حاصل کیے، ان سے اب یہاں کی دوسری روحوں کو فائدہ پہنچانا نیکی اور ثواب کا کام ہے۔ کیا تم نیکی اور ثواب سے انکار کر سکتے ہو؟"

میں نے انکار میں سر ہلایا۔" بھئی تم لوگوں کا فلسفہ عجیب ہے مگر ابھی اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ پہلے یقین ہونے دو کہ میں واقعی روحوں کے درمیان پہنچ گیا ہوں۔"

ایک نے کہا۔" یقین آجائے گا۔"

میں نے کہا۔" تم جو اتنی تجربہ کار روحیں ہو تو اپنے تجربات سے دوسری روحوں کو کیا فائدہ پہنچاتے ہو؟"

انجنیئر نے کہا۔" میں نے زندہ انسانوں کی دنیا میں جتنے تجربات حاصل کیے ہیں، ان تمام تجربات کو اپنے ان تمام ساتھیوں کے دماغ میں منتقل کر دیا ہے۔ اب اگر میں اس میز کے پاس سے ہٹ جاؤں تو مسٹر ہیوگو جو عظیم فلسفی ہیں وہ ایک انجنیئر کا کام کر سکتے ہیں۔ مسٹر ہیوگو، پلیز آپ یہاں میز کے پاس آجائیں اور میرا ادھورا کام مکمل کر دیں۔"

ہیوگو آگے بڑھ کر انجنیئر کی جگہ پر گیا۔ پھر اس کی پنسل اور اسکیل وغیرہ کو لے کر میز پر جھک گیا اور ادھورے نقشے کی تکمیل کرنے لگا۔ میں حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ ہیوگو نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔" مسٹر فرہاد، میرے دماغ میں جتنا فلسفہ بھرا ہوا تھا، میں نے ان تمام فلسفوں کو اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ اپنے ان ساتھیوں کے دماغوں میں منتقل کر دیا ہے۔ یہ انجنیئر تھرما اور میکینک براڈلوز بہترین فلسفی بھی ہیں۔ مسٹر براڈلوز، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی طرف سے کوئی الجھا ہوا مسئلہ پیش کریں۔"

میکینک براڈلوز نے آنکھیں بند کیں۔ ذرا دیر خاموش رہا پھر آنکھیں کھولتے ہوئے کہنے لگا۔" انسان ایک بہت بڑی کائنات کے اندر ہے لیکن انسان کے اندر اس سے بھی بڑی کائنات موجود ہے۔ یہ جس قدر اپنے اندر جھانک کر اپنی بات کو زیادہ سے زیادہ سمجھتا جائے گا، اتنا ہی زیادہ باہر کی کائنات کو تسخیر کرتا جائے گا۔"

میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔" بس، خدا کے لیے بس کرو۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ تمام تجربہ کار روحیں یہاں دوسری روحوں کی بڑی خدمت کر رہی ہیں اور اپنے تمام تجربات ان کے دماغوں میں منتقل کر رہی ہیں۔"

میں نے انجنیئر تھرما کی اسسٹنٹ کو دیکھا۔ پھر پوچھا " کیا یہ بھی ایک روح ہے؟"

" بے شک، یہاں صرف روحوں کے لیے جگہ ہے کسی جسم کے لیے نہیں۔ تمہارے جسم کو یہاں عارضی طور پر آنے کی اجازت ملی ہے۔"

میں نے پوچھا۔" کیا یہ لڑکی بھی تمہاری طرح انجنیئر اور ان کی طرح میکینک اور فلسفی ہے؟"

" اس کا انحصار اپنی مرضی اور دلچسپی پر ہے۔ اگر یہ لڑکی انجنیئر اور فلسفی بننا چاہے گی تو اسے روزانہ مخصوص سائنسی تجربات

سے گزارا جائے گا۔ صرف چند دنوں میں یہ جو چاہے گی، بن جائے گی۔ جیسا کہ یہ میری طرح بہت ہی تجربہ کار انجنیئر بن چکی ہے۔ کچھ دنوں بعد یہ نئے تجربات سے گزرے گی اور بہترین سائنسدان کہلائے گی۔"

میں نے کہا۔" یہ بات سمجھ میں آگئی کہ یہاں ایسے سائنسی عمل سے گزارا جاتا ہے کہ ایک انسان کی تمام سوچ، اس کا تمام نظریہ اور اس کی تمام دماغی صلاحیتیں دوسرے کے دماغ میں منتقل ہو جاتی ہیں مگر ایک سوال کھٹک رہا ہے۔"

" سوال کرو، ہم جواب دیں گے۔"

" اگر تم میں سے کوئی اس لڑکی کی طرح بننا چاہے تو کیا تمام دماغی صلاحیتیں اس لڑکی کی طرح ہوں گی؟"

" بے شک ہوں گی۔"

" کیا یہ لڑکی جسے زیادہ چاہے گی، کیا اسی طرح تم بھی لڑکی بننے کے بعد کسی کو اسی طرح چاہو گے؟"

" بے شک چاہوں گا۔"

" یہ لڑکی جس کے بچے کی ماں بنے گی، کیا اسی طرح تم بھی بچے پیدا کر سکو گے؟"

" یہ کیا بکواس ہے۔ یہاں ہم سب ایک دوسرے کی دماغی اور جسمانی صلاحیتوں کو حاصل کرنے کے سلسلے میں کام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن قبر کی اس دنیا میں مرد اور عورت کے تعلقات نہیں ہوتے۔ نہ ہی یہاں بچے پیدا کیے جاتے ہیں۔ بہتر ہے تم اب آگے جاؤ، ہمیں کام کرنے دو۔"

میں نے پوچھا۔" مجھے کدھر جانا چاہیے؟"

اس لڑکی نے آگے بڑھ کر کہا۔" میرے ساتھ آؤ۔"

اب ہیوگو کا ساتھ چھوٹ گیا۔ میں اس لڑکی کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے دروازے سے گزر کر ایک بہت بڑی راہداری میں پہنچا۔ میں نے اس سے پوچھا۔" لیڈی روزینہ کہاں ہے؟"

اس نے کہا۔" مرنے کے بعد اسے کیوں پوچھ رہے ہو۔ وہ تو زندہ لوگوں کی دنیا میں رہ گئی ہے۔"

میں نے اچانک اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کھینچتے ہوئے پوچھا۔" مردہ لوگوں کی دنیا میں کیا تم رہ گئی ہو؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔" اس کا مطلب کیا ہوا؟"

میں نے محسوس کیا، اس کا جسم بالکل سرد تھا۔ جیسے ابھی برف خانے سے نکل کر آئی ہو۔ انسانی بدن کی آنچ ذرا بھی نہیں تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بالکل سپاٹ تھی۔ اس کے اندر ایسا کوئی جذبہ نہیں تھا جو مرد کی قربت سے پیدا ہوتا ہے۔ میں نے حیرانی سے پوچھا۔" کیا تم کچھ محسوس نہیں کر رہی ہو؟"

اس نے بھی حیرانی سے پوچھا۔" مجھے کیا محسوس کرنا چاہیے؟"

" یہی محبت اور محبت کی گرمی، ایک دوسرے کو پا لینے کی آرزو۔ میں حیران ہوں، تمہارا بدن اتنا سرد کیوں ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔" میں روح ہوں۔ مرنے کے بعد تو ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ اب تک ٹھنڈی ہوں۔"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اسے چھوڑ دیا۔ وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے اس راہداری سے گزرتے ہوئے ایک ایسے کمرے میں لے گئی جہاں کچھ مشینیں تھیں۔ کمرے کے درمیان ایک دائرہ نما شیشے کا کیبن تھا۔ اس کے اندر ایک کرسی رکھی ہوئی تھی اور کئی طرح کے سائنسی آلات تھے۔ اس کیبن کے باہر ایک چھوٹے سے ریوالونگ اسٹول پر ایک ادھیڑ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی مونچھیں اور فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ سر پر برائے نام بال تھے۔ ایسا حلیہ اکثر سائنسدانوں کا ہوتا ہے۔ بعد میں تصدیق ہو گئی کہ وہ ایک عظیم سائنسدان جیری سائمن ہے۔

اس نے ریوالونگ اسٹول پر بیٹھے بیٹھے گھوم کر میری طرف دیکھا۔ پھر کہا۔" کم آن مسٹر فرہاد، میں بڑی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

اس نے اسٹول پر سے اٹھ کر دائرہ نما شیشے کے کیبن کے پاس جا کر ایک بٹن کو دبایا۔ اس کیبن کا ایک دروازہ کھل گیا۔ اس نے کہا۔" یہاں اندر آکر کرسی پر بیٹھ جاؤ۔"

میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔" مجھے اس کرسی پر کیوں بیٹھنا چاہیے؟"

" اگر تمھیں کسی بات کا اندیشہ ہے تو میں اندر جا کر بیٹھ رہا ہوں۔"

وہ اس کیبن کے اندر گیا۔ پھر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ " کیا اس طرح بیٹھنے میں کوئی اعتراض ہے؟"

مجھے یاد آیا۔ جب میں پہلی بار لیڈی روزینہ کے تاریک کمرے میں گیا تھا تو اسی طرح ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ دونوں ہتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے تھے تو ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ گئی تھیں۔ پھر سیٹ کی پشت سے ایک شکنجے نے آکر مجھے جکڑ لیا تھا۔ میں نے کیبن کے دروازے کے پاس آکر کہا۔" اس کرسی کے ساتھ کوئی ایسا میکنزم ہے جو مجھے یہاں جکڑ لے گا۔"

" تم یہاں آکر اچھی طرح اطمینان کر سکتے ہو۔"

میں نے دور ہی سے دیکھ کر اطمینان کر لیا تھا کہ وہاں کوئی ہتھکڑی یا شکنجہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں نے کیبن کے اندر آکر قریب سے دیکھا۔ سائنسدان جیری سائمن نے کرسی سے

اٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر تمھیں ایسا کوئی اندیشہ ہے تو میں اس کرسی کو باہر پھینک دیتا ہوں۔"

اس نے اسے اٹھایا۔ میں ذرا ایک طرف ہٹ گیا تاکہ وہ اسے باہر لے جاسکے لیکن جیسے ہی وہ باہر کرسی رکھنے کے لیے گیا، کیبن کا دروازہ بند ہوگیا۔ میں نے فوراً ہی دروازے کو دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا۔ وہ کھل نہ سکا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ شاید اسے کھولنے کے لیے کوئی ہینڈل یا کوئی بٹن ہو مگر ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔

سائنسدان جیری سائمن اسی چھوٹے ریوالونگ اسٹول پر جاکر بیٹھ گیا تھا۔ مجھے ایک آواز سنائی دی۔ "مسٹر فرہاد، ہم تمھیں بڑی دیر سے دیکھ رہے ہیں۔ تم جسمانی طور پر کمزور نہیں ہو۔ شاید دماغی طور پر بھی کمزور نہیں ہوگے۔ ہم یقین کرنا چاہتے ہیں۔ کیا تم جیری سائمن کے دماغ میں پہنچنے کی زحمت گوارا کرو گے؟"

میں نے دیکھا، جیری سائمن ایک آہنی کیپ سر پر پہن رہا تھا اور اس کے بیلٹ کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے باندھ رہا تھا۔ مجھے پھر آواز سنائی دی۔ "یہ آہنی کیپ جو جیری سائمن پہن رہا ہے، اس کے ذریعے ہمیں تمھاری خیال خوانی کا اندازہ ہوجائے گا۔ جیسے ہی تم اس کے دماغ میں پہنچو گے، اجنبی سوچ کی لہروں کے باعث اس کیپ کا سرخ بٹن روشن ہوجائے گا۔"

میں یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ میری خیال خوانی سے اس کے کیپ کا بٹن کیسے روشن ہوگا لیکن سائنسی کارنامے جیسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن پر آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یقین نہیں ہوتا۔ شاید انھوں نے کوئی ایسا آلہ ایجاد کیا ہو جسے سر پر پہننے سے اس کا تعلق دماغ سے ہوتا ہو اور وہ اس شخص کی ذاتی سوچ کے علاوہ پرائی سوچ کی لہروں کی نشاندہی کرتا ہو۔

میں سوچ رہا تھا اور اس ٹوپی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر آواز سنائی دی۔ "فرہاد، ہم تمھیں صرف بیس سیکنڈ کا وقت دیتے ہیں۔ فوراً خیال خوانی کرو۔ بیس سیکنڈ تک اگر وہ بلب روشن نہ ہوا تو ہمیں یہ یقین ہوجائے گا کہ تمھارا دماغ کمزور ہوگیا ہے اور تم خیال خوانی کرنے کے قابل نہیں رہے ہو۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ خیال خوانی کرتا۔ وہ بلب نہ روشن ہوتا، نہ میری ٹیلی پیتھی کی تصدیق ہوتی۔ میرے سوچنے کے دوران ایک ایک سیکنڈ کرکے وقت گزرنے لگا لیکن میں ایک دم سے چونک پڑا۔ بیس سیکنڈ پورے ہونے سے پہلے ہی اس کیپ کا سرخ بٹن روشن ہوگیا تھا۔ پھر قہقہہ سنائی دیا۔ "فرہاد، تمھاری چوری پکڑی گئی۔ بلب روشن ہوگیا۔ تم دماغی طور پر نارمل ہو۔ خیال خوانی کرسکتے ہو۔"

میں نے بے اختیار کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میں نے خیال خوانی نہیں کی۔"

"تم نے خیال خوانی نہیں کی مگر کوشش کی۔"

"میں نے کوشش بھی نہیں کی۔"

"شاباش، ہم یہی سننا چاہتے تھے۔ تم بہت محتاط ہو۔ اسی لیے خیال خوانی نہیں کی۔"

میں ذرا چکرا کر رہ گیا۔ انھوں نے بڑا ہی نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا۔ میں نے اعتراف کرلیا تھا کہ میں نے خیال خوانی کی ہی نہیں، مجھے یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں کوشش کرتا رہا مگر خیال خوانی نہ کرسکا۔ بے اختیار زبان سے سچ نکل گیا تھا گویا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ واپس نہیں آسکتا تھا۔ پھر بھی میں نے بات بنائی۔ "مجھے غلط سمجھا جارہا ہے۔ دراصل میں نے خیال خوانی کی کوشش اس لیے نہیں کی کہ میں ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔"

جواب میں کسی کی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے محسوس کیا، اس شیشے کے کیبن میں آہستہ آہستہ دھواں بھر رہا ہے۔ میں نے گھبرا کر آس پاس دیکھا تو کیبن کی چھت کے ایک سوراخ سے دھواں آرہا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ چھت اونچی تھی، اگر وہ کرسی ہوتی تو میں اس پر چڑھ کر اس سوراخ کو ایک ہاتھ سے بند کرسکتا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کیبن دائرہ نما تھا مگر بہت بڑا نہیں تھا۔ میں دونوں طرف کی دیواروں پر پاؤں رکھ کر چڑھ سکتا تھا۔ اگرچہ وہ شیشے کی دیواریں تھیں مگر وہ آہنی فریم سے بنی ہوئی تھیں۔ میں ایک ایک فریم پر پاؤں رکھتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔ پھر چھت کے قریب پہنچ کر میں نے ایک ہتھیلی سوراخ پر رکھ دی۔ اس وقت تک مجھ پر نشہ سا طاری ہورہا تھا۔ سر چکرا رہا تھا اور یہ دھویں کا اثر تھا۔

ہاتھ رکھتے ہی وہ سوراخ بند ہوگیا لیکن دوسری جگہ ایک نیا سوراخ کھل گیا۔ وہاں سے دھواں آنے لگا۔ میں نے اس پر دوسری ہتھیلی رکھ دی۔ وہ میری مجبوری اور بے بسی سے کھیل رہے تھے۔ تیسری جگہ ایک اور سوراخ کھل گیا۔ وہاں سے دھواں آنے لگا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "بند کرو، اسے بند کرو۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا سر اس سوراخ سے لگا دیا۔ اتنی دیر میں اس کیبن کے اندر اتنا دھواں بھر گیا تھا جو مجھے کمزور بنانے کے لیے کافی تھا۔ میرا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ کمزوری محسوس ہورہی تھی۔ میں زیادہ دیر دونوں طرف پاؤں پھیلا کر آہنی فریم پر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے غلطی کی، مجھے شیشے کی دیواروں کو توڑنا چاہیے تھا۔ اس طرح تازہ ہوا مل سکتی تھی۔

میں آہنی فریم پر سے کود کر نیچے آگیا۔ اگر نہ آتا تو خود بخود

گر پڑتا۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ میں اپنے بل پر یوں ٹانگیں پھیلا کر کھڑا رہ سکتا۔ نیچے پہنچ کر میں فرش پر جھکا رہا۔ اٹھنے کی کوشش کرتا رہا مگر حوصلہ نہیں ہورہا تھا۔ پھر بھی میں نے فرش پر رینگتے ہوئے، شیشے کی دیوار کے پاس پہنچ کر اسے ایک ہاتھ مارا۔ مگر بڑا کمزور ہاتھ تھا، جس میں اتنی توانائی نہیں تھی کہ بھرپور ضرب پڑ سکتی۔

اب وہ شیشے کی دیواریں دھندلا رہی تھیں۔ سامنے ہی دیوار کے اس پار بیٹھا ہوا جیری سائمن بھی دھندلا رہا تھا۔ میں ہولے ہولے ہاتھ مارتا جارہا تھا۔ اس سے زیادہ طاقت بھی نہیں تھی۔ آخر وہ ہاتھ بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ میں نڈھال سا ہوکر فرش پر گر پڑا۔ میرا ذہن تاریکی میں ڈوب رہا تھا۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں نظر آرہا تھا۔ پھر میری آنکھیں بند ہوئیں۔ دماغ بے حس ہونے لگا۔ میں ڈوب رہا تھا۔ دھویں کے عمیق سمندر میں ڈوبتا جارہا تھا۔ اپنے آپ سے بے خبر ہوتا جارہا تھا۔ آخر میں نے اپنا وجود رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو گم کردیا۔ پھر مجھے اپنی کوئی خبر نہ رہی۔

نہ جانے میں کب تک گم شدہ رہا۔ جب ذرا ہوش آیا تو آنکھیں بند تھیں مگر خود کو کسی بستر پر محسوس کررہا تھا۔ میری ایک کلائی کسی کے ہاتھ میں تھی اور اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ ہوش میں آرہا ہے۔ اسے تھوڑا دودھ پلاؤ۔"

چند لمحوں کے بعد میں نے محسوس کیا، میرے منہ میں کوئی چیز ڈالی جارہی ہے۔ میرے ہونٹ ذرا سے کھل گئے۔ پھر میں نے اپنے حلق کو تر ہوتا ہوا محسوس کیا۔ میں دودھ پی رہا تھا۔ مگر کیسے پی رہا تھا۔ اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا۔ ایک عورت مجھے فیڈر کے ذریعے دودھ پلا رہی تھی۔ میں نے ایک طرف سر گھمایا۔ فیڈر کا نپل منہ سے نکل گیا۔ میں پوچھنا چاہتا تھا، یہ کیا حرکت ہے لیکن زبان ہلانے کی سکت نہیں تھی۔ بے حد کمزوری محسوس ہورہی تھی۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس میں بھی ناکام رہا۔

ڈاکٹر نے میرے شانے کو تھپک کر کہا۔ "ایزی لوائے، ایزی۔ تم بے حد کمزور ہو۔ رفتہ رفتہ بول سکو گے پھر چلنے پھرنے کے قابل بھی ہوجاؤ گے۔ تمھیں صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔"

وہ میرے شانے کو تھپک کر چلا گیا۔ میں چپ چاپ پڑا رہا۔ مجھے پیاس بھی لگ رہی تھی اور بھوک بھی۔ میں نے دیدے گھما کر اس فیڈر کو دیکھا جس میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ وہ عورت میری آنکھ کے اشارے کو سمجھ گئی۔ اس نے پھر فیڈر کو میرے منہ سے لگا دیا۔ میں مجبور ہوکر ایک ننھے سے بچے کی طرح دودھ پینے لگا۔ بھوک اور کمزوری بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ بڑے بڑے شہ زور کو بے دست و پا بنا دیتی ہے۔ فرہاد علی تیمور بھی یوں دودھ پینے کا تصور کبھی نہیں کرسکتا تھا مگر پی رہا تھا۔

ایک کمزور شخص ننھے بچے کی مانند ہوتا ہے۔ دودھ ایسی خوراک ہے جو اس کا پیٹ بھی بھر دیتی ہے اور شکم سیری کا خمار بھی پیدا کرتی ہے۔ مجھ میں بھی یہ خمار پیدا ہوا۔ میں دودھ پیتے پیتے پھر سو گیا۔ گویا مجھے تھوڑی دیر کے لیے ہوش آیا تھا۔ اس کے بعد پھر میں غافل ہوگیا۔ اگرچہ دوبارہ بے ہوش نہیں ہوا تھا مگر غفلت کی نیند میں تھا۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ عارضی ہوشمندی کے وقت دودھ پیتے رہنے کے دوران مجھے اپنے اندر کوئی انجانی سی آواز سنائی دیتی رہی تھی۔ کوئی میرے کانوں کے قریب کہہ رہا تھا۔ "تم فرہاد علی تیمور ہو، تم مرچکے ہو اور اب تمھاری روح یہ سوچ رہی ہے، سمجھ رہی ہے کہ اب تم ایک روح کی حیثیت سے زندہ رہو گے۔"

یہ آوازیں میرے کان کے قریب دھیمی دھیمی سرگوشی میں سنائی دے رہی تھیں مگر میرے دماغ میں گونج رہی تھیں۔ شاید اس لیے کہ میرا دماغ کمزور تھا اور اس سے متاثر ہورہا تھا۔ پھر مجھے نیند آگئی تھی۔

دوسری بار آنکھ کھلی تو وہی عورت میرے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے بیدار ہوتے دیکھ کر اس نے ایک پیالہ اٹھایا، پھر چمچے سے کوئی چیز میرے منہ میں ڈالنے لگی۔ مجھے خوراک پہنچائی جارہی تھی لیکن میری کمزوری اور غفلت بھری نیند کا کوئی علاج نہیں کیا جارہا تھا۔ میں رہ رہ کر آنکھیں کھولتا تھا، پھر غافل ہوجاتا تھا۔ پتا نہیں یہ غفلت کتنی دیر تک رہتی تھی لیکن جب بھی آنکھ کھلتی تو میرے کانوں کے پاس وہی جانی پہچانی آواز سنائی دیتی تھی۔ "تم روح کی حیثیت سے زندہ ہو۔ زندہ انسانوں کی دنیا میں یہ غلط نظریہ قائم کیا گیا تھا کہ روح کو کوئی دیکھ نہیں سکتا، کوئی چھو نہیں سکتا۔ جب تم توانائی حاصل کرو گے اور اپنی جیسی روحوں کے درمیان زندگی گزارنا شروع کرو گے تو دوسرے تمھیں دیکھ بھی سکیں گے اور چھو بھی سکیں گے۔ صرف اتنا ہی نہیں، تم روح کی حیثیت سے دوسروں کی باتیں سن سکو گے۔ اپنی باتیں سوچ سکو گے، اپنی زبان سے بول سکو گے۔"

میں وہ بے تکی باتیں تھوڑی دیر تک سنتا تھا، پھر نیند میں ڈوب جاتا تھا۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ ان باتوں سے متاثر ہوتا جارہا تھا۔ میرا دماغ اتنا کمزور نہیں ہے اور نہ ہی میں کمزور ارادوں کا مالک ہوں۔ اس کے باوجود میرے

ارادے کمزور ہو رہے تھے۔ یقیناً وہ میری غفلت کے دوران کچھ ایسے انجکشن دیتے تھے اور میری خوراک میں ایسی دوائیں حل کرتے ہوں گے جس سے میرا دماغ بُری طرح کمزور ہو رہا تھا۔ جب دماغ کمزور ہو تو قوتِ ارادی قائم نہیں رہتی۔

ہپناٹزم کا عمل کرنے کے لیے تین باتیں لازمی ہیں۔ اوّل تو پُراثر شخصیت جسے دیکھتے ہی معمول متاثر ہو جائے۔ دوسری آنکھیں جو اپنے معمول کو دیکھیں تو معمول کا دل کھنچا چلا آئے یا کمزوری سے دھڑکنے لگے۔ تیسری آواز ہوتی ہے۔ تنویمی عمل کرنے والا اپنی بھاری بھرکم مگر پُراثر آواز سے اپنے معمول کو متاثر کرتا ہے۔ اس وقت میرے ساتھ جو ہو رہا تھا، وہ محض آواز کے ذریعے ہپناٹائز کرنے والا عمل تھا۔

جو لوگ جسمانی اور دماغی طور پر مستحکم ہوتے ہیں وہ دوسروں سے متاثر نہیں ہوتے۔ انھیں ٹرانس میں لانے اور اپنا معمول بنانے کے لیے ایسے ہی مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے۔ میں نے پھر ایک بار بیدار ہونے کے بعد دیکھا۔ اب وہ عورت میرے پاس نہیں تھی۔ مجھے دو بڑی بڑی گھورتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیں۔ وہ سرخ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اگرچہ وہ پورا انسان میرے سامنے موجود تھا۔ اچھا قد آور تھا۔ اندھیرا بھی نہیں تھا کہ وہ چھپا رہتا اور کسی طرح صرف آنکھیں نظر آتیں لیکن وہ آنکھیں ایسی خوفناک اور ایسی متاثر کرنے والی تھیں کہ میں صرف آنکھوں کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کے وجود کو دیکھنا بھول گیا۔ اگرچہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ مگر میری آنکھیں اس کی طرف کھنچی ہوئی تھیں۔ دل دھڑک رہا تھا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جسمانی اور دماغی کمزوریوں کی انتہا کو پہنچ کر دشمنوں کے رحم و کرم پر پڑا رہوں گا۔

اس کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی "فرہاد، تم میری آنکھوں میں دیکھ رہے ہو اور دیکھتے رہو گے۔ میری آنکھوں سے نظریں نہیں ہٹا سکو گے۔"

وہ نہ کہتا، تب بھی میں یہی کرتا۔ اس نے کہا "میں جانتا ہوں تمھیں بھوک لگ رہی ہو گی۔ تمہارا حلق خشک ہو رہا ہو گا مگر تمھیں کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ملے گا۔ تم صرف ان آنکھوں کو دیکھتے رہو گے اور آہستہ آہستہ آنکھیں بند کر کے سو جاؤ گے۔ تمہارے دماغ میں یہ آنکھیں نقش رہیں گی۔ تم بند آنکھوں کے پیچھے جاگتے رہو گے تو میری آنکھیں نظر آئیں گی۔ خوابِ غفلت میں رہو گے تب بھی میری آنکھیں تمھیں دیکھتی رہیں گی اور تم ان آنکھوں میں ڈوبے رہو گے۔ دیکھو تمہاری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔ تمہاری آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ میری آنکھیں واقعی بند ہوتی جا رہی ہیں اور میں غافل ہوتا جا رہا ہوں۔ آخر میں اس کے حکم کے مطابق سو گیا۔ اس نے درست کہا تھا۔ سونے کے بعد بھی مجھے وہ آنکھیں دکھائی دیتی رہیں اور میں ان آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبتا رہا، ابھرتا رہا، ان آنکھوں سے متاثر ہوتا رہا۔ ایسے ہی وقت مجھے شیبا کی آواز سنائی دی "فرہاد فرہاد! میں شیبا بول رہی ہوں، ہوش میں آؤ۔"

میں نے محسوس کیا، جیسے یہ جانی پہچانی آواز ہے مگر کس کی آواز ہے۔ بڑی حیرانی کی بات تھی کہ میں شیبا کو بھول رہا تھا مگر اتنا سمجھتا تھا کہ میں اس آواز کو پہچان رہا ہوں۔

وہ میری سوچ پڑھ رہی تھی۔ اس نے کہا "ہاں فرہاد، تم میری آواز کو پہچانتے ہو، مجھے یاد کرو۔ میں شیبا ہوں، تمہاری شیبا ہوں۔ میں تمھیں آمنہ اور لومی کے متعلق بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں، بہت سی ایسی اطلاعات ہیں جو تمہارے لیے ضروری ہیں۔ پلیز اپنے آپ کو سنبھالو۔"

جب میں اپنے آپ میں نہیں تھا تو خود کو کیا سنبھالتا۔ میرے دماغ میں شیبا کی سوچ کی لہریں ذرا دیر کو رہتی تھیں پھر گُم ہو جاتی تھیں۔ دماغ اس قدر کمزور تھا کہ ان لہروں کو زیادہ دیر تک محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ بار بار پکارتی تھی، میرے دماغ میں اچھی طرح جم کر مجھے دماغی توانائی پہنچانا چاہتی تھی۔ بے چاری ہر طرح کوشش کر رہی تھی اور ناکام ہوتی جا رہی تھی۔

جب دوسری بار میری آنکھ کھلی تو پھر وہی بڑی بڑی آنکھیں میرے سامنے تھیں۔ وہ سوتے جاگتے میرے حواس پر چھائی ہوئی تھیں۔ اس نے بھاری بھرکم گونجتی ہوئی سرگوشی میں پوچھا "تم نے خوابِ غفلت میں کیا دیکھا۔"

میرے ہونٹ لرزنے لگے۔ جب سے میں اس بستر پر آیا تھا، ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں ہوا تھا۔ میں خود میں بولنے کی سکت نہیں پاتا تھا۔ وہ بڑی بڑی آنکھوں والا پھر اپنی بھاری بھرکم سرگوشی میں کہنے لگا "میں جانتا ہوں، تم بولنے کے قابل نہیں ہو۔ مگر میں حکم دیتا ہوں، تم حوصلہ کرو گے اور زبان ہلاؤ گے، میری بات کا جواب دو گے۔ بولو، تم نے خوابِ غفلت میں کیا دیکھا؟"

میں نے اس کے حکم کے مطابق حوصلہ کیا۔ جیسے میں اس سے خوفزدہ تھا کہ حوصلہ نہیں کروں گا تو وہ موت بن کر مجھ پر غالب آ جائے گا۔ میں نے بمشکل لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا "تمہاری آنکھیں۔"

اس نے کہا "شاباش، تم سوتے جاگتے میری آنکھیں دیکھتے رہو گے۔ اب میرا دوسرا حکم یاد رکھو۔ تم سونے کے دوران بڑبڑاؤ گے۔ خاص طور پر ایسے وقت جب تمہارے دماغ میں کوئی بول رہا ہو، تمھیں کوئی ڈسٹرب کر رہا ہو۔ پھر تم بولنا شروع کر دو گے۔"

اس کے حکم سے مجھے وہ عورت کچھ کھلانے لگی۔ کٹورے میں کوئی ایسی غذا تھی جس سے میری بھوک مٹ رہی تھی اور میں اپنے اندر کچھ جان محسوس کر رہا تھا مگر جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، اس خوراک میں ایسی کوئی دوا ملی گئی تھی جو مجھے جلدی سُلا دیتی تھی۔ میں پھر سو گیا۔ نیند کے دوران یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دور بہت دُور سے وہ ہپناٹائز کرنے والا بول رہا ہو، مجھے یاد دلا رہا ہو، کوئی تمہاری نیند میں مداخلت کرے تو تم بڑبڑانا شروع کر دو گے۔ یہ بات میرے دماغ میں نقش ہو گئی تھی۔ جب شیبا میرے دماغ میں آئی تو میں نے پوچھا "کون ہو تم؟ چلی جاؤ یہاں سے چلی جاؤ۔"

اس نے کہا "فرہاد، ہوش میں آؤ۔ میں تمہاری شیبا ہوں۔"

"میں کسی شیبا کو نہیں جانتا۔ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"میں تمھیں ہوشیار کرنا چاہتی ہوں۔ جو شخص تم پر تنویمی عمل کر رہا ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ اپنے آپ کو مضبوط کرو۔ اپنی قوتِ ارادی سے کام لو۔"

"بکواس مت کرو۔ وہ شخص بڑا مہربان ہے۔ اس کی آنکھیں میرے حواس پر چھائی رہتی ہیں۔ وہ آنکھیں مجھے سوتے جاگتے دیکھتی رہتی ہیں۔ میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا۔ ورنہ وہ آنکھیں ناراض ہو جائیں گی۔ تم چلی جاؤ یہاں سے۔"

اس نے کہا "میں تمہارے دماغ میں رہ کر یہ معلوم کر چکی ہوں کہ وہ ہپناٹائز کرنے والا تمھیں یہ ہدایت دے گیا ہے، تم اس کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہو۔ میں جب تک موجود رہوں گی تم سے بولتی رہوں گی۔ تم جواباً بڑبڑاتے رہو گے اور وہ اس وقت تمہاری بڑبڑاہٹ سن رہا ہو گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں تمہارے دماغ میں آتی ہوں۔ فرہاد، تم بڑبڑاتے ہوئے اس تنویمی عمل کرنے والے کو میری طرف سے کہہ دو کہ میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے مجبور تھی ورنہ تنویمی عمل کے پہلے ہی مرحلے میں تمہارے دماغ کے اندر موجود ہوتی تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اب بھی مایوس نہیں ہوں۔ میں تمھیں اس کے طلسم سے نکال لینے کی کوشش کرتی رہوں گی۔"

وہ اپنے طور پر کوشش کر رہی ہو گی۔ مجھے کچھ پتا نہیں۔ میں تو اپنے آپ کو بھولتا جا رہا تھا۔ بس اتنا ہی یاد رہتا تھا کہ وہ تنویمی عمل کرنے والا میرے اندر سما گیا ہے۔ وہ جو بولتا ہے، وہی میں بولتا ہوں۔ وہ جو حکم دیتا ہے، وہی میں کرتا ہوں۔ اس کے سوا میں کسی دوسرے کو نہیں جانتا۔ خود اپنے آپ کو بھی نہیں پہچانتا۔

وہ تنویمی عمل کرنے والا چاہتا تو میں اپنے آپ کو قطعی بھول جاتا لیکن ان کا یہ مقصد نہیں تھا۔ وہ تو مجھے فلسفی ہیوگو، انجینئر تھرماکوائل اور میکینک براڈ نوز وغیرہ کی طرح اس طرح زندہ رکھنا چاہتے تھے کہ میں اپنے جسمانی وجود کو بھول جاؤں، خود کو روح کی حیثیت سے یاد رکھوں اور وہی سب کچھ کرتا رہوں جو یہاں دوسرے فلسفی، انجینئر اور میکینک وغیرہ کر رہے تھے۔ خود کو پہچانتے تھے۔ اپنی پوری ہسٹری شیٹ ان کو یاد تھی کہ وہ ماضی میں کیا رہ چکے ہیں لیکن یہ بے تکی بات ان کے دماغ میں نقش رہتی تھی کہ ان کا جسمانی وجود نہیں ہے اور وہ محض روحیں ہیں۔

پھر میں نے بھی اعتراف کر لیا کہ میں جسمانی وجود نہیں رکھتا ہوں۔ میں ایک روح ہوں، فرہاد علی تیمور کی روح۔ مجھ سے یہ منوانے کے لیے بڑے طویل عمل سے گزارا گیا۔ ایک تو یہ کہ مجھے وقتاً فوقتاً بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ دوسرے یہ کہ جسمانی اور دماغی طور پر کمزور بنایا گیا، اس قدر کمزور کہ کوئی دوسرا میرے حواس پر چھا جائے اور وہ تنویمی عمل کر کے میرے دل و دماغ پر چھا گیا تھا۔ پہلے تو اس نے میرے حوصلوں کو پست کیا، پھر فرہاد والی شخصیت کو ختم کیا۔ صرف وہی میرے اندر سمایا رہا۔ جب میں اس کی طرح سوچنے لگا، اس کی طرح بولنے لگا تو پھر اس نے مجھے وقت پر کھانا دینا شروع کیا۔ میرے جسم میں توانائی پیدا کرتا گیا۔ میری دماغی توانائی بھی بحال ہوتی گئی لیکن اس وقت تک میں خود کو جسمانی طور پر فراموش کر چکا تھا، اپنے آپ کو ایک روح تسلیم کرتے ہوئے اس تنویمی عمل کرنے والے کو خود سے برتر، افضل اور حاکم سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ کون تھا، میں نہیں جانتا۔ تنویمی عمل کے دوران اس کی آنکھیں یاد رہتی تھیں۔ جب میں نارمل ہونے لگا تو اس نے میرے سامنے آنا چھوڑ دیا۔ اب میرے پاس ایک ہیڈ فون ہوتا تھا جسے میں جیب میں رکھتا تھا۔ اس ہیڈ فون سے اشارہ موصول ہوتے ہی اپنے

میں اپنے کانوں پر پہن لیتا تھا۔ پھر وہی بھاری بھر کم حاکمانہ آواز میرے کانوں میں آتی تھی۔ وہ جو کہتا تھا‘ میں اس پر عمل کرتا تھا۔ وہاں جتنی بھی اہم شخصیتیں مثلاً انجینئر تھرما کوائل‘ میکینک براڈنوز اور فلسفی ہیوگو آرنالڈ وغیرہ تھیں سب کی جیبوں میں ایسا ہیڈ فون ہوتا تھا اور جب بھی انھیں اشارہ موصول ہوتا تو وہ کانوں میں پہن لیتے تھے اور جو حکم موصول ہوتا تھا‘ اس پر بے چون و چرا عمل کرتے تھے۔

اپنی داستان کے اس موڑ پر اب میں وہ فرہاد علی تیمور نہیں رہا جس کی اپنی سوچ‘ اپنے نظریات اور اپنے عزائم ہوا کرتے تھے۔ میں اب جسمانی وجود نہیں رکھتا ہوں۔ شاید میرے بے جان جسم کو تہ خانے کی انھی دیواروں سے لے جا کر لگا دیا گیا تھا۔ جہاں میں فلسفی ہیوگو‘ انجینئر تھرما کوائل اور میکینک براڈنوز وغیرہ کے جسموں کو دیوار سے لگا دیکھ چکا ہوں۔ بہر حال اب میں اپنی داستان ایک روح کی حیثیت سے بیان کروں گا کیونکہ میں پاتال دنیا کا باشندہ ہوں۔ زندہ انسانوں کی دنیا میں جو کچھ میرے ساتھیوں کے ساتھ ہو رہا ہے‘ اس کا ذکر اب شیبا کرتی رہے گی۔

”میرا نام شیبا مدام ہے۔ آپ سونیا اور پومی وغیرہ کی طرح مجھے بھی اچھی طرح جان گئے ہیں۔ میں مانتی ہوں‘ سونیا کو فرہاد کی زندگی میں ایسا مقام حاصل ہو چکا ہے جو کسی اور کو نہیں ہو سکتا لیکن سونیا کو میری طرح یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ آج میں دوسری بار راوی بن کر فرہاد کی داستان کو آگے بڑھا رہی ہوں۔

آج سے پہلے انھی صفحات پر میں نے اپنی زندگی کا مختصر سا خاکہ پیش کیا تھا کہ میں کون ہوں‘ میرا نام کیا ہے‘ میں کب پیدا ہوئی اور میں نے ٹیلی پیتھی کا علم کیسے حاصل کیا۔ ان دنوں میں فرہاد کی دوست نہیں تھی‘ دشمن بھی نہیں تھی کیونکہ غیر شعوری طور پر اس سے متاثر ہو چلی تھی۔ آج میں نے فرہاد کا اعتماد اس حد تک حاصل کر لیا ہے کہ اس نے پاتال دنیا میں پہنچتے ہی مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کی عدم موجودگی میں اس کی تمام ساتھیوں کا خیال رکھوں اور ان کی حفاظت کرتی رہوں۔ آج وہ پاتال دنیا میں ہم سے بالکل بیگانہ ہو کر زندگی گزار رہا ہے۔ ہمیں پہچانتا ہے مگر ہمارے کام نہیں آ سکتا۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ اسے پاتال دنیا کے طلسم سے بچا لوں مگر ناکام رہی۔ اب میری کامیابی یہی ہوگی کہ جب تک وہ ہماری دنیا میں واپس نہ آئے‘ اس وقت تک میں اپنی اور اس کے تمام ساتھیوں کی حفاظت کرتی رہوں۔“

جب فرہاد اس نامعلوم شخص کے تنویمی عمل سے گزر رہا تھا‘ اسی دوران میں نے جناب شیخ الفارس کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ انھوں نے کہا: ”فرہاد کو کسی بھی طرح پاتال دنیا سے نکالنا ہوگا۔ اس کے لیے تم ماسک مین اور ریڈ پاور کے باس سے رابطہ قائم کرو۔“

میں نے ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ماسک مین سے رابطہ قائم کیا۔ میں نے شیبا کی حیثیت سے مخاطب کیا تو اس نے خوش ہو کر پوچھا: ”کیا آپ واقعی شیبا مدام ہیں؟ میں نے آپ کے متعلق بہت کچھ سنا ہے اور سنتا رہتا ہوں۔ میری خوش نصیبی ہے کہ سوچ کے ذریعے آپ سے رابطہ قائم ہو رہا ہے۔“

میں نے کہا: ”فرہاد بڑی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ میں اس کے مختصر حالات بتا رہی ہوں۔ آپ کسی طرح اسے ان مشکلات سے نکالنے کی فوراً کوشش کریں۔“

میں مختصر طور پر اسے بتانے لگی۔ اس نے سننے کے بعد کہا: ”یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اگر وہ خفیہ راستہ لیڈی روزینہ کی خوابگاہ سے جاتا ہے تو ہمارے آدمی وہاں پہنچ جائیں گے سیدھی طرح پہنچنے کا موقع نہ دیا گیا تو دوسرے حربے استعمال کریں گے

ماسک مین کے ذرائع بہت وسیع تھے۔ وہ سپر مین کے ملک میں بھی اپنی من مانی کر سکتا تھا۔ اس کے جاسوس اور آلۂ کار کسی وقت بھی لیڈی روزینہ کی رہائش گاہ میں داخل ہو سکتے تھے اس نے وعدہ کیا تھا کہ اس کے آدمی دو گھنٹے کے اندر فرہاد کو پاتال دنیا سے نکال لائیں گے۔

میں نے ریڈ پاور کے باس کو مخاطب کیا اور اس سے اپنا مختصر سا تعارف کرایا۔ چونکہ فرہاد کی عدم موجودگی میں پہلی بار ایسے لوگوں سے خیال خوانی کے ذریعے رابطہ قائم کر رہی تھی‘ اس لیے وہ سب خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ میں نے کہا: ”تمہارے ماسک مین سے رابطہ قائم کر چکی ہوں اور اسے فرہاد کے حالات بتا چکی ہوں۔ تم بھی مختصر طور پر سن لو۔“

میں نے تمام حالات سنانے کے بعد کہا: ”مجھے مریم کی آواز سناؤ۔“

”ابھی سناتا ہوں۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ریکارڈ روم میں گیا۔ وہاں سے ایک کیسٹ نکال کر ریکارڈر میں لگانے کے بعد کہا: ”لیجیے سنیے“

مریم وہی تھی جو لیڈی روزینہ کی رہائش گاہ میں مادام کہلاتی تھی اور وہاں کی نوجوان لڑکیوں کی نگراں کی حیثیت سے ملازمت کر رہی تھی۔ اس کی آواز سننے کے بعد میں نے شیخ صاحب سے کہا: ”اب میں مریم کے پاس جا رہی ہوں۔“

انھوں نے کہا: ”ہر جگہ خود کو شیبا کی حیثیت سے متعارف نہ کراؤ۔ ایک تو وقت ضائع ہوگا۔ دوسرے خود کو جس قدر راز میں رکھ سکتی ہو رکھو۔ فرہاد بن کر خیال خوانی کرو۔“

میں نے یہی کیا۔ مریم کو فرہاد بن کر مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”میں فرہاد بول رہا ہوں۔“

اس نے خوش ہو کر پوچھا: ”کیا تم زندہ ہو؟“

ہاں‘ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے ویسے لیڈی روزینہ کی خوابگاہ میں پہنچنے کے بعد کوئی نہیں مرتا۔ جتنے پہنچ چکے ہیں‘ وہ سب اس تہ خانے میں زندہ ہیں۔ میں بھی ان کی طرح یہاں قید ہو گیا ہوں۔ تم وہاں کی مسلح عورتوں کو بغاوت پر آمادہ کرو۔ کسی وقت بھی لیڈی روزینہ کی خوابگاہ میں گھسنا پڑے گا۔“

”لیکن وہ جو بجلی کی رو دوڑتی رہتی ہے‘ اس کا کیا ہوگا؟“

”اس کی فکر نہ کرو۔ ریڈ پاور کے لوگ وہاں پہنچنے والے ہیں‘ خوابگاہ میں جانے کا راستہ بنا لیں گے۔“

”مجھے یہاں بغاوت کی فضا ہموار کرنے کے لیے پرسنل گارڈ کا تعاون ضروری ہے۔ آپ اس سے بھی دماغی رابطہ قائم کر لیں تو بہتر ہوگا۔“

میں ذرا الجھن میں پڑ گئی۔ پھر کہا: ”میں اس قدر پریشان ہوں کہ پرسنل گارڈ کے لب و لہجے کو فی الحال بھول گیا ہوں۔ تم اسے مخاطب کرو۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔“

وہ اپنی ڈیوٹی کی جگہ کو چھوڑ کر اس رہائش گاہ کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی لیڈی روزینہ کی پرسنل گارڈ کے پاس پہنچی۔ پھر اس نے چپکے سے کہا: ”فرہاد نے دماغی رابطہ قائم کیا ہے۔ وہ زندہ ہے۔“

پرسنل گارڈ نے خوش ہو کر پوچھا: ”کیا واقعی وہ زندہ ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔“

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا: ”میں زندہ ہوں اور تمہارے دماغ میں بول رہا ہوں۔“

وہ خوش ہو کر میری سوچ کی لہروں کو سننے لگی۔ میں نے اس سے بھی یہی کہا کہ وہ مسلح عورتوں کو بغاوت پر آمادہ کرے۔ کسی وقت بھی ریڈ پاور کے لوگ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔

میں نے اسے تمام باتیں سمجھانے کے بعد رابطہ ختم کر دیا۔ تب شیخ صاحب نے کہا: ”سونیا نے اپنے دماغ میں آنے سے منع کیا تھا۔ فرہاد نے جو وعدہ کیا‘ اسے اب تک نبھاتا رہا لیکن ان حالات میں تمھیں سونیا کے پاس ضرور پہنچنا چاہیے۔“

میں خود تجسس میں مبتلا تھی۔ آخر سونیا اس قدر پُراسرار بن کر کیوں رہنا چاہتی ہے۔ ویسے یہ مانتی ہوں کہ وہ ہم لوگوں سے چھپ کر بڑے کام کرتی رہی۔ لیڈی روزینہ کے ہاں بھی اس نے فرہاد کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کی تھیں۔ مگر اب کہاں گم ہو گئی ہے؟ یہ معلوم کرنے کے لیے میں نے اس کے دماغ تک رسائی حاصل کی۔

وہ ایک بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چاروں طرف گھرا اندھیرا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا: ”ہیلو سونیا! میں شیبا بول رہی ہوں۔“

اس نے چونک کر پوچھا: ”شیبا؟“

”ہاں‘ کیا تم مجھے بھول گئی ہو؟“

”نہیں‘ مجھے یاد آ گیا۔ تم فرہاد کی طرح ٹیلی پیتھی جانتی تھیں۔ کیا تم بھی مر چکی ہو؟“

”میں زندہ ہوں۔“

”تعجب ہے۔ پھر یہاں روحوں کے درمیان کیسے... آ گئی ہو۔“

”کیا تم خود کو روح سمجھ رہی ہو؟“

”اور کیا سمجھنا چاہیے؟ مرنے کے بعد تو انسان روح بن کر ہی رہتا ہے۔“

”سونیا‘ یہ بے تکی باتیں ہیں۔ تم تو غیر معمولی طور پر ذہین اور چالاک ہو۔ تم بھی ایسا سوچ رہی ہو۔“

”میں پوری ذہانت اور حاضر دماغی سے جو کہہ رہی ہوں‘ درست کہہ رہی ہوں۔ تم بتاؤ‘ میرے کمرے میں کیسے آ گئیں۔ کیا میں بتی جلاؤں؟“

”ابھی تم نے کہا تھا کہ میں فرہاد کی طرح ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔ کیا تم اپنے دماغ میں کچھ محسوس نہیں کر رہی ہو۔“

اس نے چونک کر کہا: ”اوہ ہاں‘ یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ ٹیلی پیتھی کا علم ایک انسان کو دوسرے انسان کے دماغ تک پہنچاتا ہے لیکن کیا تم اس علم کے ذریعے روح کے دماغ میں بھی پہنچ جاتی ہو۔“

”سونیا‘ مجھے تمھارے پاس آ کر مایوسی ہو رہی ہے۔ میں روح کے سلسلے میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔ اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ فرہاد خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ وہ بھی تمھاری طرح اسی چکر میں آنے والا ہے۔ ابھی تنویمی عمل کے مختلف مراحل سے گزر رہا ہے۔ ہو سکے تو کسی طرح اس کے پاس پہنچو اور اسے اس چکر سے نکالو۔“

فرہاد کا نام سنتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے پوچھا: ”کیا میرا فرہاد یہاں آ گیا ہے۔ کیا وہ بھی مر چکا ہے؟“

”اوہ گاڈ‘ سونیا‘ تم وہی ہو جو فرہاد کی موت بن کر آتے

والوں کو چٹکیوں میں اُڑا دیا کرتی تھیں۔ آج اس کی موت پر خوش ہو رہی ہو۔"

"مجھے خوش کیوں نہیں ہونا چاہیے۔ وہ تو مرنے کے بعد میرے ہی پاس آئے گا۔ یہاں تمام روحیں رہتی ہیں۔ اس کی روح بھی میرے پاس آئے گی۔"

"سونیا، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر تمہارا فرہاد دشمنوں کے جال میں پھنس رہا ہو تو کیا تم اسے نکالنا نہیں چاہو گی۔"

"یہاں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہے۔ یہ تمہاری دنیا جیسی دنیا نہیں ہے۔ یہاں کوئی خود غرض، لالچی اور ہوس پرست نہیں ہے۔ جب خود غرضی نہ ہو جب کسی طرح کی ہوس نہ ہو تو کوئی کسی سے دشمنی نہیں کرتا۔"

"سونیا، اس دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ہوس کے بندے نہ رہتے ہوں۔ تم بہت بڑے چکر میں پھنس گئی ہو۔"

"شیبا، میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ اگر سمجھنا چاہتی ہو تو فوراً مر جاؤ۔ میں کتنی نادان تھی۔ اپنے ساتھیوں کو موت سے بچاتی تھی۔ اب میری خواہش ہے کہ میرے تمام ساتھی ہنستے کھیلتے اپنی جان دے دیں اور یہاں چلے آئیں۔ یہاں بڑا مزہ آتا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "اتنی گہری تاریکی میں تمہیں کیا مزہ مل رہا ہے؟"

"اوہو شیبا، کیا تم اتنا بھی نہیں جانتیں کہ مرنے کے بعد قبر کی تاریکی نصیب ہوتی ہے۔ ہمیں زندگی میں روشنی سے محبت ہوتی ہے۔ مگر مرنے کے بعد تاریکی سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔ میں دوسری روحوں کے ساتھ روشنی میں بھی جاتی ہوں۔ اس کے باوجود ہم تمام روحیں تاریکی پسند کرتی ہیں۔ جب بھی موقع ملتا ہے، اپنے اپنے کمروں میں آکر بند ہو جاتی ہیں، لائٹ آف کر دیتی ہیں اور تاریکی میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی ٹھنڈی چھاؤں میں یا ماں کی گود میں پہنچ گئے ہوں۔"

"یہ درست ہے۔ زندگی میں ماں کی گود چھوٹ جاتی ہے مگر قیامت تک قبر کی گود نہیں چھوٹ سکتی۔" میں نے کہا۔ "تم اپنے خیال کے مطابق قبر کی تاریکی میں آرام کرو۔ میں پھر کسی وقت آؤں گی۔"

میں نے شیخ صاحب کو سونیا کے متعلق بتایا۔ انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ بہت بُرا ہوا۔ فرہاد اگر دماغ ہے تو سونیا ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر وہ دونوں زیادہ عرصے تک پاتال دنیا میں رہ گئے تو ہماری کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"جناب، آپ میری رہنمائی کریں، مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"فی الحال تو اس بات کو گرہ میں باندھ لو کہ فرہاد اور سونیا کے متعلق ہمارے دشمنوں کو علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں کسی سے ذکر نہیں کروں گی لیکن یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔"

"اسے چھپائے رکھنے کے طریقے ہمارے پاس ہیں۔ جس طرح تمہاری دو عدد ڈمی شیبا ہیں، اسی طرح ڈمی فرہاد اور ڈمی سونیا بھی موجود ہیں۔ ہم انھیں منظرِ عام پر لائیں گے۔ اگر دشمن یہ بات پھیلائیں گے کہ سونیا اور فرہاد ان کی قید میں ہیں تو ہم ڈمی سونیا اور فرہاد کے ذریعے یہ ثابت کریں گے کہ وہ آزاد ہیں اور ہمیشہ کی طرح آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں۔"

"یہ تدبیر اچھی ہے مگر آپ مجھے یہ بتائیں، میں سونیا اور فرہاد کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ انھیں کس طرح وہاں سے جلد از جلد نکالا جائے۔"

"ماسک مین، ریڈ پاور کا باس، یہ سب کوشش کر رہے ہیں تم نے مریم کو اور لیڈی روزینہ کی پرسنل گارڈ کو بھی بغاوت کے لیے تیار رکھا ہے۔ یہ سب ہماری بیرونی امداد ہے۔ اب اندرونی طور پر ہماری ذاتی کوششیں کیا ہو سکتی ہیں۔ فی الحال تو دماغ میں یہی بات آتی ہے کہ تم پومی کے ساتھ لگی رہو۔ اس سے کہو وہ فی الحال بھگوان ہیرا سوامی کو چھوڑ کر لیڈی روزینہ کی طرف توجہ دے اور کسی طرح پاتال دنیا میں پہنچنے کی کوشش کرے۔"

جناب شیخ الفارس صاحب تل ابیب آئے تھے۔ وہاں کے سرکاری وفد نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا تھا۔ وہاں کے حکام نے ان کے لیے مختلف تقریبات کا اہتمام کیا تھا۔ انھوں نے کہا۔ "میں صرف ایک دن کے لیے آیا ہوں ضروری باتیں کروں گا، پھر چلا جاؤں گا۔"

میں ابھی تل ابیب کے حالات تفصیل سے بیان نہیں کروں گی کیونکہ مجھے وقتاً فوقتاً پومی کے پاس پہنچنا پڑتا ہے شیخ صاحب نے ان سے مذاکرات کے دوران کہا۔ "ہمارے درمیان دوستی اور بھائی چارے کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ فرہاد اور شیبا کی دوستی آپ لوگوں کو فائدہ پہنچائے گی یا نقصان تو میں اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ دوستی سے کبھی نقصان نہیں پہنچتا جب تک کہ اس دوستی میں کھوٹ پیدا نہ ہو۔"

ایک افسر نے کہا۔ "فی الحال ہماری دوستی اس طرح قائم رہ سکتی ہے کہ آپ شیبا کا مطالبہ نہ کریں۔ یہ ہماری قوم سے، ہمارے وطن سے اور ہمارے مذہب سے تعلق رکھتی ہے یہی اس کی جائے پیدائش ہے۔ لہٰذا اسے یہاں سے نہیں جانا چاہیے۔"

شیخ صاحب نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "میں مانتا ہوں، شیبا کو اپنے ملک میں رہنا چاہیے اور فرہاد کو ہمارے پاس۔ اسی طرح آپس میں اعتماد قائم ہو سکتا ہے لیکن میں آمنہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

ان کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات تھی کہ وہ شیبا کو حاصل کر رہے تھے اور ہمیشہ اپنے پاس رکھنے والے تھے۔ پھر بھلا آمنہ کے جانے پر کیا اعتراض کر سکتے تھے۔ انھوں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔

میں نے پومی کے پاس پہنچتے ہی اسے مخاطب نہیں کیا۔ چپ چاپ اس کے حالات اور خیالات معلوم کرتی رہی۔ اس کے ماسٹر والشورو کی نے اسے بہت کچھ سکھایا تھا۔ مرجانہ کی طرح اسے فولاد بنا دیا تھا اور اسے بار بار یہ سمجھاتا رہتا تھا کہ کسی بھی معاملے میں انسان کو جذباتی اور جوشیلا نہیں ہونا چاہیے لیکن فرہاد کے معاملے میں وہ بے حد جذباتی تھی۔ یہ بات میں نے چپکے سے معلوم کی۔ ورنہ کوئی اپنے دل کی بات کب بتاتا ہے یا بتاتی ہے۔

جب فرہاد نے رنگون میں اسے پہلی بار دیکھا تو وہ رومانہ کی ہو بہو تصویر تھی۔ صرف اس کی ہمشکل نہیں بلکہ اس کی صلاحیتوں کو بھی اپنایا ہوا تھا۔ اگرچہ اس کی صلاحیتوں میں پختگی نہیں تھی پھر بھی رومانہ کی طرح بے حد اسمارٹ تھی۔ رومانہ کے قریب آنا چاہتی تھی۔ فرہاد جو حسن پرستی کے معاملے میں بدنام ہے، کہاں نے پومی کو بھٹکنے سے باز رکھا۔ اسے بڑی محبت سے سمجھایا۔ اگر وہ فرہاد کے شانہ بشانہ کوئی کام کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنی تمام صلاحیتوں میں پختگی پیدا کرنا ہو گی۔ سونیا، رومانہ اور مرجانہ کی طرح بننا ہو گا۔ اس کے لیے فرہاد نے اسے بابا صاحب کے ادارے میں بھیج دیا تھا۔

وہ دن ہے اور آج کا دن، اس نے صرف فرہاد کو حاصل کرنے کی لگن میں بہت کچھ سیکھا تھا۔ ماسٹر والشورو کی نے بھی اعتراف کیا کہ وہ مرجانہ کو جتنا سکھا چکا تھا، پومی اس سے زیادہ سیکھ چکی ہے۔ مکمل فولاد بن گئی ہے۔ پھر اس نے عملی میدان میں قدم رکھتے ہی اپنی صلاحیتوں کو دوستوں اور دشمنوں سے منوا لیا تھا۔ پچھلے دن فرہاد نے اس سے کہا تھا کہ بھگوان ہیرا سوامی کے کیس میں وہ پومی کے ساتھ رہے گا اور شاید اس کے آشرم میں اس سے ملاقات ہو سکے۔

فرہاد کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔ وہ اس سے مل بیٹھنے کے لیے پہلے تو ہیرا سوامی کے آشرم میں پہنچی پھر مختلف چالیں چلتی ہوئی ہیرا سوامی کے قریب پہنچ گئی۔ اس کے اور ماں نیلما داسی کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر شکاگو کی ایک رہائش گاہ میں آگئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بھگوان ہیرا سوامی کو ٹریپ کر رہی ہے اور اس کے کسی خاص خفیہ اڈے تک پہنچنے والی ہے لیکن اچانک ہی بھگوان ہیرا سوامی نے بازی پلٹ دی تھی۔ اس کے ہٹے کٹے آدمیوں نے چاروں طرف سے آکر پومی کو جکڑ لیا تھا اور اس کے حکم کے مطابق اسے رہائش گاہ کے ایک بڑے ہال میں لے گئے تھے۔ ہیرا سوامی بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے زینے پر چڑھتے ہوئے اس ہال کی بالکونی پر پہنچ کر کہا۔ "تم لیوچن نہیں ہو۔ میں یقین سے کہتا ہوں، تم سونیا ہو۔"

پومی نے انکار کیا اور بضد رہی کہ وہ لیوچن ہے۔ تب بھگوان ہیرا سوامی نے اصلی لیوچن اور اس کے محبوب مائیکل گارسن کو اس کے سامنے پیش کر دیا۔

ایسے ہی نازک مرحلے پر فرہاد نے پومی کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اسے دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہونا پڑا تھا اور حاضر ہونے کے بعد ہی وہ لیڈی روزینہ کے جال میں الجھتا ہوا تہ خانے میں پہنچ گیا تھا۔ اُدھر پومی کی داستان اُدھوری رہ گئی تھی۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔

کوئی ایسا معاملہ اچانک سامنے آئے جو بالکل ہی خلافِ توقع ہو تو اس سے دامن بچانا مشکل ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی طرح نمٹنا ہی پڑتا ہے۔ پومی کی توقع کے خلاف اصلی لیوچن اپنے محبوب کے ساتھ ظاہر ہو گئی تھی۔ اب وہ خود لیوچن ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ چند لمحوں تک سر اٹھائے بالکونی میں کھڑی ہوئی لیوچن کو دیکھتی رہی۔ بھگوان ہیرا سوامی نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔ "اب کیا بہانے کرو گی؟"

"میں حیران ہوں کہ یہ لیوچن اور مائیکل گارسن کس طرح تمہارے ہاتھ لگ گئے۔"

"ہاں، تمہارے فرہاد نے بڑی چالاکی دکھائی تھی۔ انھیں امریکا سے باہر بھیج دیا تھا اور اتنی رقم دی تھی کہ یہ ساری دنیا کی سیر کرتے رہیں اور جلد واپس نہ آسکیں۔"

پومی نے پوچھا۔ "کیا یہ دونوں امریکا سے باہر نہیں گئے تھے؟"

"بے شک گئے تھے لیکن ان کے پاس ایک لاکھ ڈالر تھے اور یہ اتنے احمق ہیں کہ اتنی بڑی رقم ساتھ لیے پھر رہے تھے۔ پھر ہمارے آدمیوں کے ہتھے کیسے نہ چڑھتے۔ تم نے مائیکل گارسن کا نام لیا اور اپنا نام لیوچن بتایا تو فوراً یاد آگیا۔ ایک دن پہلے ہی ہمارے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ جزیرہ ہوائی میں یہ دونوں پائے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ مجرم نہیں تھے مگر ان کا بریف کیس ہمارے آدمیوں کے لیے باعثِ کشش تھا۔ بہرحال اس حوالے سے میں نے فوراً ہی اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میرے ذاتی طیارے میں ان دونوں کو جزیرہ ہوائی سے یہاں پہنچا دیا جائے تاکہ تم انھیں اپنی

آنکھوں سے دیکھ سکو۔ جیسا کہ دیکھ رہی ہو۔"

"ہاں، دیکھ رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں۔ بے چاری لیوچن اور بے چارے مائیکل گارسن کا انجام کیا ہوگا۔"

بھگوان ہیرا سوامی نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہ میرا دھرم قبول کر رہے ہیں۔ میرے آشرم میں رہیں گے۔"

مائیکل گارسن نے کہا "مجھے بہت تلخ تجربہ ہوا ہے۔ آج پتا چلا کہ اچانک ملنے والی دولت کتنی مصیبتوں میں گرفتار کراتی ہے۔ جب سے وہ ایک لاکھ ڈالر مجھے بریف کیس میں ملے ہیں تب سے ہمارا سکون برباد ہوگیا ہے۔"

لیوچن نے کہا "میں دولت کے خواب دیکھتی تھی، سوچتی تھی، ایک شاندار محل نما بنگلا بناؤں گی اور میرے پاس قیمتی کاریں ہوں گی، میری خدمت کے لیے نوکر چاکر ہوں گے اور میں دولت سے ساری عمر کھیلتی رہوں گی لیکن نئی نئی مصیبتیں ہم سے کھیلتی رہیں۔ کئی بار جان کے لالے پڑ گئے۔ ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اب ہم اس بریف کیس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ ایسے ایک لاکھ ڈالر پر ہم لعنت بھیجتے ہیں۔ پُرسکون زندگی کے لیے ہم نے بھگوان ہیرا سوامی کا دھرم قبول کر لیا ہے۔ اس دھرم کے مطابق میں اور مائیکل تین ماہ تک ایک دوسرے سے الگ رہیں گے اور بھگتی کرتے رہیں گے۔ جب ہماری بھگتی سے بھگوان خوش ہو جائیں گے تو پھر ہمیں آشرم میں ایک ساتھ رہنے کی اجازت مل جائے گی۔"

مائیکل گارسن نے ہیرا سوامی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہوئے کہا "ہے بھگوان، آپ نے نصیحت کی تھی، وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارنا چاہیے۔ مجھے اجازت دیجیے۔ میں بھگتی کے لیے جا رہا ہوں۔"

بھگوان ہیرا سوامی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ لیوچن کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے اعتماد تھا کہ بھگوان ہیرا سوامی کی پناہ میں آکر وہ اپنی محبوبہ کے ساتھ محفوظ ہوگیا ہے۔ اب کہیں سے کسی دشمن کا خطرہ نہیں ہے۔ اس نے نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس بھگوان ہیرا سوامی کو دے دیا تھا۔ دولت کے ہاتھ سے نکلتے ہی تمام اندیشے دور ہو گئے تھے۔ اب وہ مطمئن تھا۔

اس کے جانے کے بعد بھگوان ہیرا سوامی نے لیوچن کی کمر پر ہاتھ رکھا۔ پھر اسے لیتے ہوئے زینے سے اترتے ہوئے بڑے سے ہال میں آنے لگا جہاں پومی چار ہٹے کٹے جوانوں کے گھیرے میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے لیوچن کو پومی کے برابر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ پھر ذرا دور ہو کر دونوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہائے، دونوں ایک جیسی ہیں۔ ایک جیسا حسن، ایک جیسا شباب، ایک جیسی شکل و صورت۔ ویسے صورت ایک نہ بھی ہو تب بھی ہر عورت ایک جیسی ہوتی ہے لیکن دو بھرپور جوانیاں ایک ساتھ بجلیاں گرا رہی ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کا انتخاب کیا جائے۔ کبھی یہ اچھی لگتی ہے، کبھی یہ۔"

اس نے ذرا اور دور جا کر انھیں دیکھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہا "دور سے اور بھلی لگ رہی ہیں۔ بھئی سمجھ میں نہیں آتا کسے چھوڑا جائے، کسے پکڑا جائے۔ بھئی رام دیال، ایسا کرو، ہماری اسپیشل بھنگ تیار کرو۔ تھوڑی ان دونوں کو پلاؤ، تھوڑی مجھے پلاؤ۔ بھنگ بہت ہی مقدس نشہ ہے ان دونوں کو بھگوان کے پاس پہنچا دے گا۔"

یہ کہتا ہوا وہ دروازے کے پاس گیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر بولا "مگر یاد رکھنا۔ یہ جو دوسری لیوچن ہے، اس کے پیچھے فرہاد کی کوئی بہت ہی خطرناک ساتھی چھپی ہوئی ہے۔ آج کل شمالی امریکا میں اس کی دو ساتھیوں کا زیادہ چرچا ہے۔ ایک سونیا اور دوسری پومی اور ان دونوں میں سے یہ کوئی ہے۔ اگر تم چاروں اسے بھنگ پلانے میں کامیاب ہوگئے تو میں ہر ایک کو دس دس ہزار ڈالر دوں گا۔"

پھر اس نے پومی کو دیکھتے ہوئے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا "ویل بنا پستی لیوچن، اگر تم راضی خوشی بھنگ پی لو تو تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ یہ بہت پیارا نشہ ہوتا ہے۔ تم خود بخود اپنی اصلیت اُگلتی جاؤ گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر باہر آیا پھر باہر سے اس دروازے کو بند کر دیا۔ دوسرے کمرے میں ماں نیلما داسی پریشان حال کھڑی تھی۔ کیونکہ اس کے سامنے ہی پومی کو چار ہٹے کٹے غنڈے پکڑ کر ہال میں لے گئے تھے۔ اس نے بھگوان ہیرا سوامی کو دیکھتے ہی پوچھا "آپ کیا کر رہے ہیں، بے چاری کو غنڈوں کے حوالے کیوں کر دیا؟"

وہ باہر سے دروازہ بند کر رہا تھا۔ اس نے گھوم کر اسے دیکھتے ہوئے کہا "میں نے ہزار بار منع کیا ہے، پیچھے سے آواز نہ دیا کرو اور نہ ہی کسی بات پر ٹوکا کرو۔"

"آپ مجھے بات بات پر ڈانٹ دیتے ہیں۔ میں چپ ہو جاتی ہوں مگر آپ جو کچھ کر رہے ہیں، ایک دن اس سے بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔"

"نقصان مجھے پہنچے گا۔ تمھارا کیا جائے گا۔"

"بہت کچھ جائے گا۔ میں نے آپ کے ہر حکم کو مانا ہے لیکن یہ نہیں مان سکتی کہ ہمارے بیٹے کو باپ کا نام تو ملے مگر باپ نہ ملے۔"

بھگوان ہیرا سوامی اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں نے بچپن سے بیٹے کو یہی بتایا ہے کہ اس کا باپ لاپتا ہے، کسی دن ضرور ملے گا۔"

وہ گرج کر بولا "باپ اسے کبھی نہیں ملے گا۔"

"آپ چاہیں تو مل سکتے ہیں۔ آخر انکار کیوں کرتے ہیں۔"

"بے وقوف کی بچی، میں بھگوان کہلاتا ہوں، بھگوان نہ تو کسی سے شادی کرتا ہے نہ اولاد پیدا کراتا ہے۔"

"مگر آپ نے مندر میں بھگوان کے سامنے مجھے اپنی دھرم پتنی مان لیا تھا۔ ہماری اولاد ہے۔ آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔"

"میں اولاد سے انکار نہیں کرتا۔ اسی لیے تو اسے اپنا نام دیا ہے۔"

"آپ کا اصلی نام نارائن سوامی ہے اور آپ بھگوان ہیرا سوامی کے نام سے مشہور ہیں۔ اس لیے میرا بیٹا آج تک یہ نہ جان سکا کہ آپ ہی اس کے باپ ہیں۔ وہ تو کسی نارائن سوامی کا انتظار کر رہا ہے جو لاپتا ہوگیا ہے اور میری جھوٹی تسلیوں کے مطابق کسی دن ضرور اس سے آکر ملے گا۔"

وہ بولتے بولتے رُک گئی۔ دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ کیونکہ دروازے کے پیچھے کوئی آکر ٹکرایا تھا۔ پھر کسی کی کراہ سنائی دی۔ اس کے بعد ایک لڑکی کے چیخنے کی آواز بھی آئی۔ ماں نیلما داسی نے رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "سوامی جی، یہ ظلم اچھا نہیں ہے۔ ایک لڑکی ہے اور چار ہٹے کٹے غنڈے اسے مار رہے ہوں گے۔ پتا نہیں، اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔"

ہیرا سوامی نے کہا "جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ یہ لڑکی ہمیں دھوکا دے کر یہاں آئی، میری اصلیت معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی میں اس کی اصلیت معلوم کر لوں گا اور اسے اپاہج بنا کر فرہاد علی تیمور کے پاس بھیج دوں گا۔"

ان کی باتوں کے دوران اندر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے زبردست جنگ جاری ہو۔ کوئی گر رہا تھا، کوئی سنبھل رہا تھا، کوئی بار بار آکر دروازے سے ٹکرا رہا تھا۔ آخر دستک سنائی دی۔ ہیرا سوامی نے پوچھا "کون ہے؟"

دروازے کے پیچھے سے آواز آئی "حضور، میں رام دیال بول رہا ہوں، دروازہ کھول دیجیے۔"

ہیرا سوامی نے آگے بڑھ کر دروازے کے ہینڈل کو تھام لیا۔ اس کے ایک بٹن کو دبایا تو دروازے کا لاک کھل گیا۔ پھر اس نے آہستگی سے اسے کھولنا چاہا۔ اسی وقت ایک زور کی لات پڑی۔ وہ سنبھل نہ سکا۔ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ پھر صوفے سے ٹکرا کر دوسری طرف الٹ گیا۔ آج تک اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ غصے سے پاگل ہوگیا۔ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔ کھلے ہوئے دروازے پر رام دیال کھڑا ہوا تھا۔ اس کی حالت غیر تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے، چہرے پر جا بجا زخموں کے نشان تھے۔ ناک سے اور منہ سے خون بہہ رہا تھا، کپڑے پھٹ گئے تھے۔ پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا آکر صوفے کے پاس گر گیا۔ پومی نے اسے پیچھے سے لات ماری تھی۔ پھر اس نے کہا "یہ ایک ہے۔"

اس نے ایک طرف ہاتھ بڑھا کر کھینچا تو دوسرا ہٹا کٹا جوان بھی سامنے آگیا۔ اس نے اسے بھی لات مار کر پھینکتے ہوئے کہا "یہ دوسرا ہے۔"

پھر اس نے اسی طرح تیسرے اور چوتھے کو بھی کھینچ کر ہیرا سوامی کے سامنے پھینک دیا۔ لیوچن کا ہاتھ پکڑ کر دروازے سے باہر آگئی۔ ہیرا سوامی نے اچانک ہنستے ہوئے کہا "مجھے دشمنوں کے سامنے کبھی غصہ نہیں آتا۔ آج اچانک دروازے سے ٹکرا کر مجھے جانے کیوں غصہ آگیا تھا۔ بہرحال تم نے میرے آدمیوں کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔"

پھر اس نے رام دیال کو ایک ٹھوکر مارتے ہوئے پوچھا۔ "بتاؤ، یہ کون ہے؟"

رام دیال نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "حضور، یہ وہی ہے۔ آپ نے جو وڈیو فلم دکھائی تھی، بالکل ویسے ہی لڑتی ہے ہاتھ نہیں آتی۔ کبھی اِدھر سے اُدھر فضا میں قلابازی کھاتی ہوئی جاتی ہے۔ ہم چاروں نے کتنی ہی بار حملہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔"

ہیرا سوامی نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اچھا تو تم پومی ہو۔"

پومی نے طنزیہ انداز میں پوچھا "کیا بھنگ نہیں پلاؤ گے؟"

"اگر تم آسانی سے پی لیتیں تو نشے میں اپنی اصلیت اُگل دیتیں۔ میں چاہتا تھا یا تو بھنگ پیو یا اپنی بقا کے لیے لڑتی رہو تاکہ لڑنے کے انداز سے تمھاری اصلیت معلوم ہو سکے۔ اب بتاؤ، میرا طریقۂ کار کیسا رہا؟"

ایک اجنبی آواز سن کر ہیرا سوامی چونک گیا۔ ماں نیلما داسی بھی خوش ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہاں ایک نوجوان لڑکا کھڑا ہوا کہہ رہا تھا "سوامی جی، آپ کے طریقۂ کار کا جواب نہیں ہے۔ یہ پومی جو کوئی بھی ہے، آج بھیس بدل کر آئی

ہے اور آج ہی آپ کو بے نقاب کر دیا۔ میں تو بچپن سے آج تک آپ کو بے نقاب نہ کر سکا۔"

ہیرا سوامی نے غرّا کر پوچھا۔ "کیا بکتے ہو؟"

ماں نیلما داسی دونوں بانہیں پھیلا کر تیزی سے چلتے ہوئے بیٹے کے پاس گئیں۔ پھر اسے گلے سے لگا لیا۔ اس کے ماتھے کو، اس کے چہرے کو جگہ جگہ سے چومنے لگیں۔ بیٹے نے بڑی آہستگی سے ماں کو ذرا پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "ہم آج تک سیکڑوں بار محبت سے گلے ملتے رہے ہیں۔ آپ کی ممتا کا ایک ایک انداز دیکھ کر میں سوچتا تھا کہ اگر اس دھرتی پر کوئی دیوی ہے تو وہ میری ماں ہے مگر دیوی جھوٹ بھی بولتی ہے، یہ آج معلوم ہوا۔"

"بیٹے، یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں بہت دیر سے اس کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ آپ کی اور سوامی جی کی باتیں سن رہا تھا۔ ماں جی! میں کتنا بدنصیب ہوں! بچپن سے باپ کے سائے میں ہوں مگر لاوارث کی طرح زندگی گزار رہا ہوں۔"

وہ سخت لہجے میں بولا۔ "یہ باتیں کسی اور وقت ہو سکتی ہیں۔ میں بہت مصروف ہوں۔ نیلما! اسے یہاں سے لے جاؤ۔"

ماں نیلما داسی نے بیٹے کا ہاتھ پکڑا۔ بیٹے نے ہاتھ کو ایک جھٹکے سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جاؤں گا۔ آج سوامی جی سے پوچھ کر رہوں گا۔ ایک باپ کے ہوتے ہوئے میں یتیم اور لاوارث کی طرح زندگی کیوں گزار رہا ہوں۔ یہ کیا چاہتے ہیں؟ کیا صرف بھگوان بننا چاہتے ہیں۔ دنیا والوں پر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے کبھی کسی سے شادی نہیں کی۔ کسی کے باپ نہیں بنے کیونکہ بھگوان ایسا نہیں کرتے۔"

ہیرا سوامی نے گرج کر کہا۔ "ہاں بھگوان ایسا نہیں کرتے، میں نے بھی نہیں کیا۔ تم میرے کوئی نہیں ہو۔"

ماں نیلما داسی نے کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا خون کے رشتے سے انکار کر رہے ہیں؟"

بیٹے نے کہا۔ "اگر میں ان کا بیٹا نہیں ہوں تو پھر یہ اپنے عقیدت مندوں کے سامنے بھگوان بھی نہیں رہیں گے۔ یہ ساری دنیا کے لوگوں کو اپنی اولاد کہتے ہیں اور اپنی اولاد سے انکار کرتے ہیں۔ یہ کیسی احمقانہ بات ہے کہ یہ باپ ہو کر باپ بننے کی جرأت نہیں کر رہے ہیں اور بھگوان بننے کی حماقت کیے جا رہے ہیں۔"

ہیرا سوامی نے گرج کر کہا۔ "یو شٹ اپ، یو فول، پتا نہیں تمھاری ماں نے کہاں اپنا منہ کالا کیا اور مجھے بدنام کر رہی ہے۔"

ماں نیلما داسی ایک دم سے بپھر کر سامنے آگئیں، غصے سے بولیں۔ "سوامی جی، میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں، آپ کے سامنے سر جھکاتی ہوں۔ دنیا مانے یا نہ مانے، میں آپ کو بھگوان سمجھتی ہوں، آپ مجھے ٹھوکریں مارتے رہے، میں برداشت کرتی رہی لیکن ایسا گھناؤنا الزام برداشت نہیں کروں گی جس سے ممتا کو گالی ملے۔ ماں، بیٹے سے آنکھ نہ ملا سکے اور بیٹے کا سر شرم سے جھک جائے۔"

"اچھا تو چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہیں۔ آج تم میرے سامنے تن کر باتیں کر رہی ہو۔"

"سوامی جی، میں ابھی آپ کے سامنے جھک جاؤں گی۔ آپ اپنے الفاظ واپس لے لیجیے۔ میرے بیٹے کے سامنے اقرار کیجیے کہ آپ اس کے باپ ہیں۔ میں نے کوئی پاپ نہیں کیا ہے۔ آپ نے مندر میں بھگوان کے سامنے مجھے اپنی دھرم پتنی تسلیم کیا ہے۔"

ہیرا سوامی نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر بیٹے پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے بعد کہا۔ "یہ جوانی کی عمر بڑی جوشیلی ہوتی ہے۔ لڑکے سمجھتے کم ہیں، بولتے زیادہ ہیں۔ معاملات کو بالکل نہیں سمجھتے۔ تم اپنی ماں کے ساتھ جاؤ۔ میں ان لڑکیوں سے نمٹ کر آتا ہوں۔"

ماں نیلما داسی پلٹ کر بیٹے کے پاس آئی۔ پھر اسے وہاں سے چلنے کے لیے سمجھانے لگی۔ ایسے ہی وقت میں خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے پومی کے پاس پہنچ گئی تھی اور چپ چاپ وہ ڈراما دیکھ رہی تھی۔ پومی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ماں نیلما داسی، تم نے مجھے بیٹی کہا تھا اور اپنے بھگوان کے ساتھ یہاں لائی تھیں۔ کیا اب شیطان کے حوالے کر کے اپنے بیٹے کے ساتھ جانا چاہتی ہو۔"

ماں نیلما داسی نے ہیرا سوامی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج ہمارا آنند آیا ہے۔ ہمارے لیے بڑے آنند اور خوشی کا دن ہے۔ بھگوان کے لیے ان دونوں لڑکیوں کو چھوڑ دیجیے۔ یہ ہمارے بیٹے کو دعائیں دیں گی۔"

ہیرا سوامی نے کہا۔ "میں ہزاروں لوگوں کو دونوں ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتا ہوں۔ ہزاروں عقیدت مند میری دعاؤں کے محتاج رہتے ہیں اور تم ان دو معمولی لڑکیوں کی دعا لینا چاہتی ہو۔ جاؤ، میری دعا ہے کہ تمھارے آنند کو کسی کی نظر نہ لگے، کسی دشمن کا سایہ اس پر نہ پڑے۔"

آنند نے ایک ہاتھ اٹھا کر انھیں دعائیں دینے سے

روکتے ہوئے کہا۔ "سوامی جی، پہلے یہ بتا دیجیے، آپ بھگوان بن کر دعائیں دے رہے ہیں یا باپ بن کر۔"

ہیرا سوامی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی آنند نے کہا۔ "اگر بھگوان بن کر دعائیں دے رہے ہیں تو مجھ سے زیادہ ان لڑکیوں کو آپ کی دعاؤں کی اور آپ کی نیک نیتی کی ضرورت ہے اور اگر باپ بن کر دعائیں دے رہے ہیں تو باپ کی غیرت اور بیٹے کی شرم کا خیال رکھیں اور ان لڑکیوں کو آزاد کر دیں۔"

اس وقت میں آنند کے دماغ میں تھی۔ ہیرا سوامی کہہ رہا تھا۔ "تم ان لڑکیوں کی باتیں نہ کرو۔ چپ چاپ ماں کے ساتھ چلے جاؤ، تم نہیں جانتے، یہ فرہاد علی تیمور کی ساتھی ہے۔ اگر میں نے اسے جانے دیا تو اس کی کوئی کمزوری میرے ہاتھ میں نہیں رہے گی۔"

اس نے ذرا خاموش رہ کر آنند کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں دنیا والوں کے سامنے اعتراف نہیں کر سکتا کہ تم میرے بیٹے ہو مگر تنہائی میں پہلی بار باپ بن کر سمجھا رہا ہوں، ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔"

ماں اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے جانا چاہتی تھی۔ مگر اس نے ہاتھ چھڑا لیا۔ اب وہ میری مرضی کے مطابق بولنے لگا۔ "ہیرا سوامی، تمھاری آنکھوں کے سامنے بیٹا ہوتا تو وہ اپنی ماں کے ساتھ جا چکا ہوتا۔ کیا اب بھی نہیں سمجھے کہ تمھارے سامنے فرہاد بول رہا ہے۔"

اس نے چونک کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔ میں نے کہا۔ "تم یوگا کے ماہر ہو۔ مجھے اپنے دماغ میں نہیں آنے دو گے۔ مگر بیٹے کے دماغ میں آنے سے کیسے روک سکتے ہو۔ میں بلند آواز سے بول رہا ہوں تاکہ ماں نیلما داسی بھی سن سکے۔ اگر تم دونوں کو اپنے بیٹے کی زندگی عزیز ہے تو پومی، لیوچن اور مائیکل گارسن کو آزاد کر دو۔"

ماں نیلما داسی نے حیرانی سے اور پریشانی سے بیٹے کے بازو کو تھام کر پوچھا۔ "یہ تم فرہاد بن کر کیوں بول رہے ہو؟"

آنند پوری طرح میری مٹھی میں تھا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق اپنی ماں کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی فرہاد بول رہا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ کا بیٹا اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ میں اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ بہت نیک خاتون ہیں۔ آپ سمجھتی ہیں۔ انسان کیڑا مکوڑا نہیں ہوتا کہ جب چاہا اسے پاؤں تلے مسل دیا۔ میں آپ کے شوہر کو زندگی کی اہمیت کا احساس دلا رہا ہوں۔ یہ اپنے بیٹے کی سلامتی کے لیے میرے ساتھیوں کی بھی قدر کریں گے اور انھیں حفاظت اور سلامتی سے نیویارک پہنچا دیں گے۔"

ہیرا سوامی نے کہا۔ "فرہاد، میں جھکنا نہیں جانتا۔ بڑی سے بڑی قربانی دے کر بھی تمھارے ہر چیلنج کا منہ توڑ جواب دے سکتا ہوں۔ تم نے دیکھا ہی تھا، ماسٹر کی میرا کتنا اہم آدمی تھا۔ ساری دنیا میں اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ اس نے محض ایک حماقت کی تمھیں چھیڑ بیٹھا اور تمھاری وجہ سے ہماری سنڈیکیٹ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ میں نے اسے چٹکیوں میں مسل دیا۔ میں آنند کو بھی قربانی کا بکرا بنا دوں گا۔ تمھاری ایک اہم ساتھی پومی کو اذیت ناک سزائیں دے کر ہلاک کروں گا تو تمھیں دوسری بار ایک اچھا سبق ملے گا۔ پھر تم میری طرف رخ نہیں کرو گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ماں نیلما داسی اپنے بیٹے سے لپٹ گئیں۔ روتے ہوئے کہنے لگیں۔ "نہیں، تم میرے بیٹے کو قربان نہیں کر سکتے۔ میں آج تک تمھارے جتنے مظالم سہتی آ رہی ہوں، وہ صرف اپنے بیٹے کی خاطر۔ میں ایک بے زبان گائے بن کر رہی لیکن اس پر آنچ آئے گی تو میں تمھاری بھی دشمن بن جاؤں گی۔"

اس نے غرّا کر کہا۔ "نیلما، مٹی کے کیڑے کو اپنی اوقات میں رہنا چاہیے۔ مٹی سے سر ابھارنے پر قدموں تلے آجاتا ہے۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ میں نے آنند سے کہا۔ "میں نے تمھارے دماغ میں رہ کر تمھارے متعلق بہت کچھ معلوم کیا ہے۔ تم ایک اچھے کردار کے مالک ہو۔ تم نے میری ساتھیوں کی رہائی کے لیے بھی اپنے باپ سے مخالفت کی۔ میں تمھیں کبھی نقصان نہیں پہنچاؤں گا لیکن تم سے ایک تعاون چاہتا ہوں۔"

وہ اپنی زبان سے بولنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔ "صرف سوچ کے ذریعے جواب دو۔"

اس نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "آج میں اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی سمجھ رہا ہوں۔ آج فرہاد علی تیمور میرے اندر موجود ہے۔ آپ تعاون کی بات کر رہے ہیں، میں جان دینے کو تیار ہوں۔ فرمائیے، مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"تم یہی تاثر دو کہ مجھ سے دہشت زدہ ہو اور میں کسی بھی وقت تمھاری جان لے سکتا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔ یوں بھی سوامی جی نے باپ ہو کر مجھ سے جو ناانصافیاں کی ہیں، مجھے ان کا حساب کرنا ہے۔"

"ایک بات اور، اپنی ماں جی پر بھی یہی ظاہر کرو کہ تم کسی وقت بھی میرے ہاتھوں ہلاک ہو سکتے ہو۔ ابھی تم نے دیکھا جب تم پر آنچ آنے والی تھی تو ماں نے ایک نئی کروٹ لی۔ وہ جو

برسوں سے سوامی جی کی ٹھوکریں کھاتی آئیں، ان کے مجبور کرنے پر تمہیں بھی اپنے باپ کے متعلق حقیقت نہیں بتائی۔ آج وہ شیرنی بن گئی تھیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ ماں جی کی ممتا کو بیدار اور فعال رکھنے کے لیے مجھے ان سے بھی جھوٹ بولنا ہوگا۔ حالانکہ میں آج تک ان سے سچ بولتا رہا ہوں مگر بگڑی بنانے اور زندگی سنوارنے کے لیے جھوٹ بولنا پاپ نہیں ہے۔"

"شاباش، میں یہی چاہتا ہوں۔"

پوجا نے کہا۔ "فرہاد، میرے پاس آؤ۔ میں کچھ ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

میں اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اس نے کہا۔ "ہیرا سوامی کا اس طرح چلے جانا کچھ کھٹک سا رہا ہے۔"

"یہ تو یہاں سے نکلتے وقت ہی پتا چلے گا۔"

"تم نے کہا تھا، یہاں آؤ گے۔ پھر مجھے یہاں سے نکلنا نہیں چاہیے۔ یہیں رہ کر ہیرا سوامی کو الجھاتے رہنا چاہیے۔"

"میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ اب تمہیں اپنے پاس بلا رہا ہوں۔ تم جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

پوجا نے کہا۔ "آنند، میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ کسی نے راستہ روکا تو یہ عمارت لاشوں کا مسکن بن جائے گی۔"

ماں نیلما داسی نے کہا۔ "بیٹی، خون خرابے کی باتیں نہ کرو۔ میرے ساتھ چلو۔ میں اپنے ذاتی ہیلی کاپٹر میں جہاں چاہو گی وہاں پہنچا دوں گی۔"

لیوچن نے پوچھا۔ "ہمارا کیا ہوگا؟"

"تم بھی ساتھ چلو۔"

"میں مائیکل کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

پوجا نے کہا۔ "فرہاد، مائیکل کی خبر لو۔ ہو سکے تو اسے یہاں لے آؤ یا ہمیں بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟"

میں مائیکل کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس کا لب و لہجہ کبھی سنا نہیں تھا، کبھی سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "اس کے پاس جانے میں ذرا وقت لگے گا۔ میں جہاں ہوں، وہاں میرا دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آؤں گا۔"

ماں نیلما داسی نے کہا۔ "جب تک مائیکل نہ آئے، لیوچن اور پوجا تم دونوں میری مہمان رہو گی۔ میرے ساتھ آؤ۔"

میں خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے ریڈ پاور کے باس کے پاس پہنچ گئی۔ ان سے کہا۔ "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ مائیکل کی آواز اور لب و لہجہ بھول گیا ہوں۔ کیا تمہارے پاس اس کا کوئی کیسٹ ہے؟"

اس نے کہا۔ "فرہاد صاحب، مجھے افسوس ہے۔ میں نے اس کی آواز کا ریکارڈ نہیں رکھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑے گی جسے ہم نے امریکا سے باہر بھیج دیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "وہ لیوچن کے ساتھ جزیرہ ہوائی تک گیا تھا کہ بھگوان ہیرا سوامی کے آدمیوں نے اسے پکڑ لیا ہے۔ بہرحال میں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہوں۔"

میں اس کے دماغ سے نکل کر سوچنے لگی۔ کیا کرنا چاہیے۔ فرہاد جسمانی اور دماغی کمزوریوں کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے کسی جواب کی توقع نہیں تھی۔ میں نے جناب شیخ صاحب سے پوچھا۔ "ان حالات میں کیا کیا جائے؟"

انہوں نے تمام حالات سننے کے بعد کہا۔ "بیٹی شیبا، جب بھی کسی معاملے میں کچھ کرنا ہو اور بات سمجھ میں نہ آتی ہو تو اس معاملے کے ہر پہلو اور اس سے تعلق رکھنے والے کردار پر توجہ دو تو تمہیں کوئی نہ کوئی راستہ ملے گا۔ یہ بتاؤ، جب رام دیال آخری بار ہیرا سوامی سے باتیں کر رہا تھا تو تم وہاں پہنچ گئی تھیں۔"

"جی ہاں، میں نے رام دیال کی باتیں بھی سنی تھیں۔"

"پھر دیر کس بات کی ہے۔ اس کے ذریعے مائیکل تک پہنچنے کی کوشش کرو۔"

میں رام دیال کے پاس آگئی۔ وہ اپنے زخموں پر مرہم لگا رہا تھا اور تکلیف سے کراہتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں سوال پیدا کیا۔ "مائیکل کو کہاں لے جایا گیا ہے؟"

اس کی سوچ نے کہا۔ "پتا نہیں۔ ہمارے سوامی جی ایک کی بات دوسرے کو نہیں بتاتے۔"

میں نے پھر اس کے دماغ میں سوچ پیدا کی۔ "مائیکل کو آخر کس کے حوالے کیا ہوگا؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا۔ "اتنا تو میں جانتا ہوں، دادا گو سوامی اسے لے گیا ہے۔"

"وہ اسے کہاں لے جا سکتا ہے؟"

رام دیال نے اپنا سر پکڑ کر سوچا۔ "یہ میں کیا سوچتا جا رہا ہوں۔ ایسے سوالات کیوں پیدا ہو رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "تمہارا باپ سوالات پیدا کر رہا ہے۔ میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ اور جو پوچھتا ہوں، اس کا صحیح جواب دو۔ ورنہ اپنے تمام زخموں کو خود اپنے ہاتھوں سے نوچنا شروع کرو گے اور اذیت میں مبتلا ہوتے رہو گے۔"

وہ خوف سے لرزتے ہوئے بولا۔ "آپ تو میرے دماغ میں ہیں۔ میں جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ جتنا جانتا ہوں، اتنا ہی بتا سکتا ہوں۔ مائیکل کو دادا گو سوامی لے گیا ہے۔ دادا گو سوامی بھنگ گھوٹنے کا ماہر ہے۔ وہ زبردست پہلوان ہے۔ صبح شام بھنگ پیتا ہے، خوب کھاتا ہے اور اکھاڑے میں زور کرتا ہے۔ وہ مائیکل کو بھنگ پلانے لے گیا ہوگا۔"

"اسے بھنگ پلانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

"میں یقین سے کہہ نہیں سکتا۔ ویسے بھنگ کی یہ خاصیت ہے کہ اسے پیتے وقت آدمی جس بات پر اپنے ذہن کو مرکوز کر لیتا ہے بس اسی بات کو نشہ ہرن ہونے تک سوچتا رہتا ہے۔ مگر ہنستے ہنستے پیے گا تو جب تک نشہ ختم نہیں ہوگا، ہنستا ہی رہے گا۔ روتے روتے پیے گا تو روتا ہی رہے گا۔ آشرم میں آنے والے تمام عقیدت مند بھنگ پینے کے دوران اپنے آپ کو بھگوان ہیرا سوامی کی عبادت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ اس کی نصیحتوں کو یاد کرتے ہیں اور نشہ ختم ہونے تک انہی نصیحتوں میں الجھے رہتے ہیں۔ نہ انہیں دنیا کی خبر ہوتی ہے نہ خود اپنا ہوش رہتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ مائیکل کو نشے میں ڈبوئے رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ لیوچن کو بھول جائے۔ چلو اٹھو اور دادا گو سوامی سے رابطہ قائم کرو۔ میں اس کی آواز سننا چاہتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آیا۔ پھر اس عمارت کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ایک بڑے سے کمرے میں پہنچا جہاں بھنگ گھوٹی جا رہی تھی۔ کئی خوش پوش امریکن خواتین اور مرد آرام سے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں مائیکل بھی تھا۔ میں نے رام دیال سے کہا۔ "مائیکل کو مخاطب کرو۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ جواب میں مائیکل نے جب کچھ بولنا شروع کیا تو میں اس کے دماغ میں پہنچ گئی لیکن اسے مخاطب نہیں کیا۔ اتنا معلوم تھا کہ مائیکل کو فرہاد کے متعلق زیادہ علم نہیں ہے۔ نہ ہی وہ یہ جانتا ہے کہ فرہاد اس کے روپ میں کیا کچھ کرتا رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں لیوچن کا تصور پیش کیا۔ وہ تصور میں دیکھنے لگا۔ جیسے وہ دونوں بانہیں پھیلا کر اسے بلا رہی ہو۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کمرے سے جانے لگا۔ دادا گو سوامی نے پوچھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"میں لیوچن کے پاس جاؤں گا۔"

"نہیں، تم نے بھگوان سے وعدہ کیا ہے، تین ماہ تک لیوچن سے نہیں ملو گے۔"

"میں عقیدت میں اندھا ہو گیا تھا۔ یہ سمجھ نہ سکا کہ لیوچن سے اتنا عرصہ دور نہیں رہ سکوں گا۔ عبادت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان دنیا داری چھوڑ دے۔ اپنوں سے ملنے نہ پائے۔"

دادا گو سوامی نے اپنے مضبوط بازوؤں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔ "میں چاہوں تو ان بازوؤں سے روک سکتا ہوں مگر تم میرے برابر کے آدمی نہیں ہو۔"

اس نے کمرے میں بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم سب جانتے ہو۔ بھگوان کی نصیحتوں کے خلاف عمل کرنے والا ہم میں سے نہیں ہو سکتا اور جو ہم میں سے نہیں ہوتا اسے کیا سزا دی جا سکتی ہے۔"

ایک باڈی بلڈر قسم کے امریکی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جو اتنی اچھی محفل سے اٹھ کر جانا چاہے، اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور یہ کام میں بہت آسانی سے کر سکتا ہوں۔"

دادا گو سوامی نے کہا۔ "میں مائیکل کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ اسے یہاں محبت سے یا طاقت سے بٹھا دو تاکہ یہ ہمارے ساتھ بھنگ نوش کر سکے۔"

باڈی بلڈر بڑے فاتحانہ انداز میں چلتا ہوا مائیکل کے پاس آیا۔ پھر ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی۔ اس نے گردن چھڑانے کے لیے پیچھے کی طرف ہاتھ چلانا شروع کیا لیکن باڈی بلڈر نے اتنی مضبوطی سے گرفت میں لے رکھا تھا کہ مائیکل اپنی جگہ سے گھوم نہیں سکتا تھا۔ ہاتھ چلانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ ہاتھ باڈی بلڈر تک نہیں پہنچ رہے تھے۔

پھر میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ اس نے مائیکل کی گردن چھوڑتے ہوئے کہا۔ "دادا گو سوامی، کسی کو زبردستی بھنگ پلانا اور کسی سے زبردستی عبادت کرانا مناسب ہے یا نہیں؟"

دادا گو سوامی نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"بات جیسی بھی ہے۔ چلو ہم زور آزماتے ہیں۔ اگر تم جیت جاؤ تو ہم دونوں مل کر اسے بھنگ پلائیں گے۔ میں جیت جاؤں تو تم مائیکل کا راستہ نہ روکنا۔"

دادا گو سوامی نے اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مانتا ہوں، تمہارا جسم بہت خوبصورت ہے۔ بڑی ورزش کرنے کے بعد ایسا جسم بنا ہے مگر میرے جسم کو بھی دیکھو۔ یہ فولاد ہے فولاد۔"

یہ کہتے ہی دادا گو سوامی نے باڈی بلڈر کے منہ پر

ایک گھونسا رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا مگر اپنے پاؤں پر کھڑا رہا۔ داداگو سوامی نے آگے بڑھ کر پھر حملہ کیا مگر مار کھا گیا۔ اس کے بعد مار کھاتا ہی چلا گیا۔ میں اس کے دماغ کو صرف اپنے قابو میں رکھ سکتی تھی مگر فرہاد کی طرح اپنے معمول کو مزید داؤ پیچ نہیں بتا سکتی تھی۔ جب میں یہ دیکھتی کہ باڈی بلڈر وار کرنا رہا ہے تو میں داداگو سوامی کے دماغ میں پہنچ جاتی تھی۔ وہ جس طرح حملے کرنا چاہتا انھیں ناکام بنا دیتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ناکام حملوں کے بعد اسے باڈی بلڈر کے ہاتھوں سے مار کھانا پڑتی تھی۔ صرف دس منٹ میں فیصلہ ہو گیا۔ میں نے داداگو سوامی کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ کوئی بھی کامیاب حملہ کرتا۔ اُدھر باڈی بلڈر کو اتنا موقع ملا تھا کہ وہ اس کی ناک پر پے در پے گھونسے مارتا رہا تھا۔ نکسیر پھوٹنے کے باعث اتنا خون بہنے لگا کہ وہ چکرا کر گر پڑا۔ داداگو سوامی کے چیلے فوراً ہی تن کر کھڑے ہو گئے۔ باڈی بلڈر نے اپنی جیب سے ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ آشرم نہیں ہے۔ ماں نیلما داسی کا شانتی بھون ہے۔ یہاں تو کوئی بھی ہتھیار لا سکتا ہے اور یہ ہتھیار اب تمہارے خلاف استعمال ہو گا کیونکہ تمہارے دادا سے جو بات طے پائی تھی، اس کے مطابق میں جیت چکا ہوں۔ راستے سے ہٹ جاؤ۔"

ریوالور دیکھ کر وہ لوگ ہٹ گئے۔ باڈی بلڈر نے رام دیال سے کہا۔ "اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کی محبوبہ تک پہنچا دو۔"

مائیکل تیزی سے چلتا ہوا دروازے کے پاس کھڑے ہوئے رام دیال کے پاس گیا۔ پھر وہ دونوں وہاں سے جانے لگے۔ جیسے ہی وہ دروازے سے دو قدم دور گئے، دیسے ہی ٹھائیں ٹھائیں کی آواز سنائی دی۔ پہلے رام دیال چکرایا۔ پھر مائیکل چیخ مار کر گر پڑا۔ باڈی بلڈر دوڑتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔ اس وقت تک دونوں دم توڑ چکے تھے۔ پھر زوردار گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دینے لگی۔ "مسٹر باڈی بلڈر، تم نے درست کہا تھا۔ یہ آشرم نہیں ہے۔ یہاں کوئی بھی ہتھیار لا سکتا ہے مگر یہاں ایسے بھی ہتھیار ہیں جو نادیدہ ہیں۔ کسی کو دکھائی نہیں دیتے اور گولی چل جاتی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ گولی تمہاری طرف نہ آئے تو اپنا ریوالور پھینک دو۔"

اس نے بے بسی سے ریوالور کو ایک طرف پھینک دیا۔ آواز سنائی دی۔ "رام دیال کو غداری کی سزا ملی۔ مائیکل پہلے عیسائی تھا پھر اس نے میرا دھرم قبول کیا۔ اب وہ میرے دھرم سے بھی پھر کر اپنی محبوبہ کی طرف جا رہا تھا۔ بار بار مذہب یا دھرم بدلنے والا نہ تو بندے کے لیے قابلِ اعتبار ہوتا ہے نہ خدا کے لیے۔ جاؤ آرام سے اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ بھنگ تیار ہو رہی ہے، نوش کرو اور اپنے آپ کو عبادت میں گم کر دو۔"

باڈی بلڈر پس و پیش میں تھا۔ میں اس کے دماغ میں تھی مگر اس کا دماغ آزاد تھا۔ ہیرا سوامی کی آواز سنائی دی۔ "مسٹر فرہاد، تم اپنے تمام ہتھکنڈوں کو آزما لو۔ میں پومی کو اپنی گرفت سے نکلنے نہیں دوں گا۔ اگرچہ میں نے اسے باقاعدہ قیدی بنا کر نہیں رکھا ہے لیکن وہ میرے دائرہ اختیار میں رہے گی، اس سے باہر نہیں جا سکے گی۔"

میں نے اس باڈی بلڈر کی زبان سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے، تمہاری موت پومی کے ہاتھوں سے لکھی ہے۔"

"یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔"

"ابھی یہ بتا دو کہ مائیکل نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اسے کیوں مار ڈالا؟"

"لیوچن ایک تازہ گلاب ہے اور گلاب کے ساتھ مجھے کانٹا پسند نہیں ہے۔ اب تمھیں کسی بات کا جواب نہیں ملے گا۔"

میں فوراً ہی پومی کے پاس پہنچ گئی۔ وہ، لیوچن اور آنند اس عمارت کے ایک خفیہ راستے سے گزر رہے تھے۔ ماں نیلما داسی ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ میں نے چپکے سے کہا۔ "لیوچن کے لیے بُری خبر ہے۔ مائیکل کو گولی مار دی گئی ہے۔"

پومی نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا۔ "آہ بے چارہ، میں اس بے چاری کو کس زبان سے بتاؤں۔"

"بتانا تو ہو گا۔ یہ بات کب تک چھپائی جا سکتی ہے۔"

"فرہاد، تم ٹھیک کہتے ہو۔ ویسے بھی لیوچن بار بار مائیکل کو پوچھ رہی تھی۔ بھگوان ہیرا سوامی کی اصلیت اسے معلوم ہو گئی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے لیوچن کا ہاتھ تھام لیا۔ بڑی محبت سے اس کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا۔ پھر کہا۔ "لیوچن، تم نے دیکھ لیا کہ شیطان کس طرح بھگوان کے روپ میں رہتا ہے۔ تم اور مائیکل اپنی محبت اور تحفظ کی خاطر مذہب بدلنے پر راضی ہو گئے۔ اس کا دھرم قبول کیا مگر پھر بھی محفوظ نہ رہ سکے۔"

لیوچن نے پوچھا۔ "تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ ایک خفیہ تنگ راہداری سے گزر رہے تھے۔ پومی نے کہا۔ "اپنا دل مضبوط رکھو۔ ابھی مجھے فرہاد نے بتایا ہے، تمہارے مائیکل کو مار ڈالا گیا ہے۔"

اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ "نہیں۔" وہ چلتے چلتے لڑکھڑا گئی۔ مگر گرنے سے پہلے ہی پومی اور آنند نے اسے سنبھال لیا۔ آنند نے اس کی پیٹھ کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "لیوچن، حوصلہ کرو۔ یہ زندگی تمہارا امتحان لے رہی ہے۔"

ماں نیلما داسی بھی رک گئی تھی۔ ہمدردی اور محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اسے تھپکتے ہوئے بولی۔ "بیٹی، تم پر بہت ظلم ہوا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تمھیں کیسے تسلی دوں۔ میں یہ بھی مانتی ہوں کہ ہمدردی کے دو بول بولنے سے جانے والا واپس نہیں آئے گا لیکن میں اپنے بھگوان جیسے پتی سے ضرور اس کا حساب لوں گی۔ اب میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ اگر مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی اور خوشحالی منظور ہے تو مجھے اپنے شوہر کو بھگوان سے انسان بنانا ہو گا ورنہ وہ اور زیادہ شیطان بنتا چلا جائے گا۔"

لیوچن رو رہی تھی۔ ماں نیلما داسی نے اس کے آنسو پونچھے۔ پھر کہا۔ "یہاں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ تم سب کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔"

وہ آگے بڑھ گئی۔ پومی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ آنند نے لیوچن کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ میں ماں نیلما داسی کے دماغ میں پہنچ کر کچھ معلومات حاصل کرنے لگی۔ پتا چلا، وہ اس عمارت کی مالکہ ہے۔ شکاگو، پیرس، بمبئی اور دہلی میں اس کے نام اتنی زمینیں اور جائداد وغیرہ ہے کہ ان کی مالیت کا اندازہ کروڑوں ڈالر تک لگایا جا سکتا ہے۔

اسے دولت کی ہوس نہیں تھی۔ جب تک وہ اپنے دیس میں تھی، ایک سیدھی سادی زندگی گزارتی تھی مگر ہیرا سوامی کے فریب میں آ کر پہلے تو وہ اس کے بچے کی ماں بن گئی۔ اس کے بعد ہیرا سوامی نے اپنی اس خفیہ شادی کو چھپانے اور باپ بننے سے انکار کرنے کے لیے ماں نیلما داسی کو طرح طرح کے سبز باغ دکھلائے — وہ کہتا تھا کہ ابھی اس بات کی ضد نہ کی جائے کہ وہ خود کو باپ کی حیثیت سے ظاہر کرے۔ پہلے ایک ماں کو اپنے بیٹے کی سلامتی اور خوشحالی دیکھنا چاہیے، اس کے مستقبل کو زیادہ سے زیادہ شاندار بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنا چاہیے۔ وہ ماں نیلما داسی کی زبان بند رکھنے کے لیے اسے زمین، جائداد کی مالکہ بناتا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے ماں بیٹے کو تحفظ دینے کے لیے اتنی دولت دی تھی کہ آنند تمام عمر ہر روز پینے کے بعد چاندی کا جھوٹا گلاس اور کھانے کے بعد سونے کا جھوٹا چمچ خیرات کر سکتا تھا۔

میں نے ماں نیلما داسی کی سوچ میں کہا۔ "یہ عمارت بھی ہیرا سوامی نے خرید کر دی ہو گی۔ کیا وہ اس خفیہ راستے کو نہیں جانتا ہو گا؟"

اس سے پہلے کہ اس کے دماغ میں اس سوال کا جواب ابھرتا، وہ خفیہ راستے کے آخری دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ اس نے دروازے کو کھول دیا۔ سامنے ہی ایک خوبصورت سا باغیچہ تھا۔ وہ سب اس دروازے سے نکل کر جیسے ہی باہر آئے، ٹھٹک گئے۔ بھگوان ہیرا سوامی ایک درخت کے سائے میں ایک کینوس چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تنہا تھا۔ خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ آس پاس کوئی اس کا ماتحت نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "فرہاد علی تیمور، میں تنہا تمہارے لیے کافی ہوں۔ یہ پومی کیا چیز ہے۔ میں تو اسے پلک جھپکتے ہی اس طرح فنا کر دوں گا۔"

اس نے جیب سے ایک ننھی سی گیند نکالی۔ پھر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک ننھا سا بم ہے۔ اس کے اوپری سرے پر اس بٹن کو اگر یوں گھما دیا جائے۔"

اس نے بٹن کو گھما کر دکھایا۔ اس کی گود میں ایک ریموٹ کنٹرولر پڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس ریموٹ کنٹرولر کو اٹھایا پھر دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گیند کو بلندی کی طرف اچھال دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ریموٹ کنٹرولر کے ایک بٹن کو دبایا۔ بلندی پر جانے والی گیند ایک دھماکے سے پھٹ گئی۔ لیوچن کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ماں نیلما داسی نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ اس وقت تک ہیرا سوامی کے ہاتھ میں دوسری ننھی سی گیند آ گئی تھی۔ اس نے اس کے بھی بٹن کو ایک طرف گھما دیا تھا اور اب کہہ رہا تھا۔ "پومی، یہ گیند تمہاری طرف جائے گی اور دھماکے کے ساتھ تمہارے چیتھڑے اُڑا دے گی۔ لہٰذا اپنی طرف سے کوئی چالاکی نہ دکھانا۔ ورنہ میری انگلی اس ریموٹ کنٹرولر کے بٹن تک جائے گی اور اتنی دیر میں گیند تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔"

پومی تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریموٹ کنٹرولر تھا اور دوسرے ہاتھ میں گیند۔ وہ کوئی چالاکی یا پھرتی نہیں دکھا سکتی تھی۔ ہیرا سوامی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دراصل یہ میرا حربہ ہے جسے ماسٹر کی نے اختیار کیا ہوا تھا۔ اس نے لیڈی روزینہ کو اسی طرح دھمکی دی تھی

مگر وہ احمق تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے بم کو لیڈی روزینہ کے قدموں کے پاس پھینک دیا تھا۔ اس نادانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ لیڈی روزینہ نے ٹھوکر مار کر گیند کو دور کیا اور ماسٹر کی کا حربہ ناکام رہا مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ تمھیں سمجھاؤں گا کہ اپنے ان تینوں ساتھیوں کو چھوڑ کر یہاں میرے سامنے درخت کی طرف آؤ۔ نہیں آؤ گی تو مجبوراً یہ گیند تم سب کی طرف پھینکنا ہوگی۔ پھر تم میں سے کوئی ہلاک ہوگا، کوئی زخمی ہوگا۔ کوئی ساری عمر کے لیے اپاہج بن کر رہ جائے گا۔"

ماں نیلما داسی نے کہا۔ "آپ بھگوان بننے اور دوسرے انسانوں سے افضل بن کر رہنے کے لیے اتنا گر گئے ہیں کہ مجھے اور اپنے بیٹے کو بھی مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

اس نے حقارت سے کہا۔ "نیلما، تم نمک حرام ہو۔ میں نے اپنی دولت کا بڑا حصہ تمھیں دیا کہ تمھارا بیٹا عیش و عشرت سے زندگی گزارتا رہے۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود تم میری وفادار نہیں ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ پومی ہمارے بدترین دشمن کی ساتھی ہے، تم اس کی حفاظت کر رہی تھیں۔ اسے خفیہ راستے سے نکال کر یہاں سے بھگانا چاہتی تھیں۔"

آنند نے کہا۔ "سوامی جی، آپ مجھے بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ مجھ پر بہت بڑا احسان کر رہے ہیں۔ میں آپ کو باپ کہنے سے پہلے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔"

"آنند، مجھ سے کچھ نہ کہو۔ اپنی ماں سے پوچھو۔ کیا تمھارا مر جانا اسے پسند ہے؟"

ماں نیلما داسی نے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ ان دونوں لڑکیوں کو معاف کر دیں۔ انھیں جانے دیں۔"

پومی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ بہت اچھی خاتون ہیں۔ ہمارے لیے معافی مانگ رہی ہیں لیکن ہمیں زندگی کی خیرات مانگنے کی عادت نہیں ہے۔ آپ اپنے بیٹے کے ساتھ یہاں کھڑی رہیں۔ میں اس درخت کے پاس جا رہی ہوں مگر یہ پوچھنا چاہوں گی کہ وہاں جا کر مجھے کیا کرنا ہے۔"

ہیرا سوامی نے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس شاخ سے ایک ہتھکڑی لٹک رہی ہے۔ اسے دونوں کلائیوں میں پہن لو۔ وہ خودکار ہے۔ اسے پہن کر خود ہی لاک کر سکو گی۔ چابی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں اس ہتھکڑی کو پہن لوں گی۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"اس عمارت کی چھت پر ایک ہیلی کاپٹر ہے۔ میں تمھیں اس چھت پر لے جاؤں گا اور وہاں میرا نمک کھانے والے بہت سے مسلح جوان ہیں۔ میں انھیں بتانا چاہتا ہوں کہ جو پومی اپنے وڈیو کیسٹ دشمنوں تک پہنچا کر ایک دہشت بن گئی ہے، اسے میں نے تنہا قابو میں کیا ہے۔"

پومی نے کہا۔ "میں تمھاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گی۔"

وہ درخت کی طرف بڑھنا چاہتی تھی مگر آنند نے فوراً ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ "نہیں، میں تمھیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ رک جاؤ یا پھر میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔ اس ہتھکڑی کو ہم دونوں پہنیں گے۔"

ہیرا سوامی نے غرا کر کہا۔ "نیلما، اپنے بیٹے کو سمجھاؤ ورنہ یہ موت کی ننھی سی گیند اسی کی طرف آئے گی۔"

پومی نے آنند کے گال کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم بہت اچھے لڑکے ہو اور اچھے لڑکوں کو ابھی زندہ رہنا چاہیے۔ تم اپنی ماں کے سائے میں رہو۔ میں خدا کے سائے میں جا رہی ہوں۔"

میں پریشان تھی۔ خیال خوانی کے ذریعے وہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ ان حالات میں کیسے اقدامات کرنے چاہئیں۔ دشمن پر غالب آنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ پومی نے ادھر جانے کا عزم کیا تو میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا تم ہتھکڑی پہن لو گی اور اس کے ساتھ اوپر جا کر ہیلی کاپٹر میں بیٹھ جاؤ گی۔ جانتی ہو، وہ تمھیں کہاں لے جائے گا؟"

"یقیناً اپنے کسی خفیہ اڈے میں لے جانا چاہے گا لیکن مجھے کوئی نہیں لے جا سکتا۔ تم نے بلایا ہے تو میں تمھارے پاس ہر حال میں آؤں گی۔"

"تم کیا کرنا چاہتی ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "فرہاد، تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ تم تو بڑی حاضر دماغی کا ثبوت دیا کرتے تھے اور اب میری جان کو خطرے میں دیکھ کر پریشان ہو گئے ہو۔ میں مانتی ہوں، یہ تمھاری محبت کی دلیل ہے۔ تم مجھے چاہتے ہو۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے لیکن حیرانی بھی ہے کہ تم اور ان حالات میں پریشان ہو جاؤ، یہ ممکن نہیں ہے۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ میں فرہاد ہوں یا نہیں۔ اور اسے بتانے کا موقع بھی نہیں تھا۔ میں اطمینان سے اسے فرہاد کے حالات بتانا چاہتی تھی۔ میں نے کہا۔ "پومی، میں دوسرے معاملات میں بھی پریشان ہوں۔ فی الحال تمھارے ذہن میں جو تدبیر ہے مجھے بتاؤ۔"

"میں اس درخت کے پاس جا رہی ہوں۔ وہ ہتھکڑی وہاں سے اٹھاؤں گی اور اپنی کلائیوں میں پہن لوں گی۔ تم میرے دماغ میں رہو گے۔ جیسے ہی میں ہاں کہوں، ٹھیک اسی لمحے تم اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچانا۔ اچانک ہی اس کے دماغ میں پہنچو گے تو وہ سانس نہیں روک سکے گا۔ ایک ساعت کا بھی موقع ملے تو اسے یہ شاک پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"ہاں، ایسا ہو سکتا ہے۔"

"بس میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

"تو پھر وہاں جا کر ہتھکڑی پہننے کی کیا ضرورت ہے۔ میں ابھی اچانک اسے شاک پہنچاتا ہوں۔"

"نہیں فرہاد، معلوم ہوتا ہے، تمھارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماند پڑ رہی ہیں۔ میں نفسیاتی حربہ استعمال کر رہی ہوں۔ اسے اطمینان ہونا چاہیے کہ میں اس کے سامنے مجبور ہو کر درخت کے پاس جا رہی ہوں۔ وہاں سے ہتھکڑی اٹھا رہی ہوں۔ اس ہتھکڑی کو پہن رہی ہوں۔ اپنے آپ کو قید کر رہی ہوں۔ جب اسے اطمینان ہوتا جائے گا تو وہ پھر کسی اور طرف سے ہونے والے حملے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکے گا۔ ایسے ہی وقت تمھیں وہی کرنا ہے جو میں کر رہی ہوں۔ یاد رکھو، جیسے ہی ہاں کہوں، اسی لمحے اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچنا چاہیے۔"

میں نے کہا۔ "ایسا ہی ہوگا۔ تم آگے بڑھو۔"

ہیرا سوامی نے کہا۔ "پومی، تم بڑی دیر سے اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ رہی ہو اور میں نے تمھیں کافی مہلت دی ہے۔ اب آگے بڑھو۔ میں انتظار نہیں کر سکتا۔"

پومی نے سر گھما کر اس درخت کی طرف دیکھا۔ وہ درخت ہیرا سوامی سے تقریباً پانچ گز کے فاصلے پر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے درخت کے پاس پہنچی۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ مایوس ہو گئی ہو اور اب اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے پر مجبور ہو اور بظاہر ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ہیرا سوامی کی آنکھوں کے سامنے وہ ایک شاخ سے ہتھکڑی اٹھا چکی تھی۔ پہلے اس نے ایک کلائی میں اسے پہنا پھر دوسری کلائی میں پہنا۔ وہ بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ننھی سی گیند تھی۔ دوسرے میں ریموٹ کنٹرولر۔ اور وہ پومی کی کسی بھی چالاکی پر کسی لمحے اس گیند کو اس کی طرف اچھال کر دھماکا کر سکتا تھا۔

میں بھی پومی کے دماغ میں بہت محتاط تھی۔ اس نے دونوں کلائیوں میں ہتھکڑی پہننے کے بعد اسے لاک کر دیا تھا۔ صحیح معنوں میں ہیرا سوامی کو مطمئن کر دیا تھا۔ پھر اچانک اس نے کہا۔ "ہاں۔"

میں نے اسی لمحے ہیرا سوامی کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر سانس روکتا، میں نے ایک زبردست جھٹکا پہنچایا۔ اس نے تلملا کر سانس روکی۔ اس کے دماغ کو تکلیف پہنچی تھی مگر وہ زبردست قوتِ ارادی کا مالک تھا۔ تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ اس نے فوراً سانس روک لی۔

اب سانس روکنے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچنے، اس کے سنبھلنے اور پھر سانس روکنے میں جو ایک دو سیکنڈ لگے، وہ پومی کے لیے بہت تھے۔ اس نے پانچ گز کے فاصلے سے فضا میں اچھل کر قلابازی کھائی۔ ہیرا سوامی کے قریب پہنچی پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریموٹ کنٹرولر کو ایک ٹھوکر ماری۔ وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں اوپر کی طرف گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ نیچے آتا، پومی نے دوسری بار چھلانگ لگا کر اسے کیچ کر لیا۔ واپس زمین پر آ کر دونوں پاؤں پر کھڑی ہوئی۔ پھر سخت تنبیہ کے انداز میں بولی۔ "ہیرا سوامی، اک ذرا سی حرکت نہ کرنا۔ تمھارے ہاتھ میں وہ ننھی سی گیند ہے اور میرے ہاتھ میں یہ ریموٹ کنٹرولر۔ اگر اسے ہاتھ سے چھوڑنے کی ذرا بھی حماقت کی تو بٹن دب جائے گا۔"

وہ کینوس کی کرسی پر ساکت بیٹھا رہ گیا تھا۔ ننھی سی گیند اس کے ہاتھ میں تھی۔ نہ اسے چھوڑ سکتا تھا، نہ فضا میں اچھال سکتا تھا۔ اتنی دیر میں دھماکا ہو سکتا تھا۔ اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرنے والی بات تھی۔ اس کے چیتھڑے اڑ سکتے تھے۔ وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر پومی کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سانس لینا بھول گیا ہو۔

آنند نے خوش ہو کر کہا۔ "واہ پومی، تم نے تو کمال کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سوامی جی کو اس طرح بے بس کر دو گی۔"

وہ کہتے ہوئے اس کی طرف آ رہا تھا۔ پومی نے کہا۔ "خبردار، میرے قریب کوئی نہ آئے اور ہیرا سوامی سے بھی دور رہے۔ ابھی میرے لیے ایک ایک پل قیمتی ہے۔"

آنند رک گیا۔ پومی نے کہا۔ "ہیرا سوامی، میری نظر اس گیند پر ہے اور اسی گیند پر رہے گی۔ لہٰذا اسے آہستہ آہستہ اپنی اوپری جیب کی طرف لے جاؤ۔"

وہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "اب اس گیند کو اپنی جیب میں رکھ لو۔"

وہ ہچکچانے لگا۔ پومی نے ڈانٹ کر کہا۔ "میں جو کہہ رہی ہوں کرو ورنہ بٹن دبا دوں گی۔"

زندگی سے کسے پیار نہیں ہوتا۔ خود کو بھگوان کہنے والا بھی موت سے ڈر رہا تھا۔ اس نے تھرتھراتی ہوئی آواز

میں کہا "لومی، ہم سمجھوتا کر سکتے ہیں۔ مجھے ایک بار دوست بننے کا موقع دو۔ میں تمھارے اور فرہاد کے بہت کام آؤں گا۔"

"سمجھوتا ہو سکتا ہے مگر پہلے میرے حکم کی تعمیل کرو۔ اس گیند کو اپنی جیب میں رکھو۔ میں زیادہ وارننگ نہیں دوں گی۔ تین تک گنتی ہوں بلکہ دو تک گنوں گی اور تین گننے سے پہلے ہی بٹن دبا دوں گی۔"

اس نے کہا "ایک۔"

دو کہنے سے پہلے ہی اس نے گھبرا کر گیند کو جیب میں ڈال دیا۔ پھر کہا "دیکھو، میں تمھاری بات مان رہا ہوں۔ تم میری بات مان لو۔"

"ابھی تمھارے مانتے رہنے کی باری ہے۔ اب جو کہہ رہی ہوں اس پر سختی سے عمل کرنا۔ اپنے دماغ کے دروازے کھلے رکھنا۔ اگر ایک ساعت کے لیے بھی فرہاد کو دماغ سے نکالنے کی کوشش کی تو میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

لومی کی بات سنتے ہی میں نے اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے سانس نہیں روکی۔ میں نے اس کی کھوپڑی میں پہنچ کر سب سے پہلے وہ بات کہی جو فرہاد اکثر اپنے دشمنوں سے کہتا ہے۔ "ہیرا سوامی، جو مجھے چیلنج کرتا ہے، میں اسے نہیں مارتا۔ میری ساتھی عورتیں اس کا کباڑا کر دیتی ہیں۔ کیا تمھیں اس بات کی صداقت کا یقین ہو رہا ہے؟"

وہ ننھا سا بم اس کی جیب میں اس جگہ رکھا ہوا تھا۔ جہاں دل دھڑک رہا تھا۔ دہشت کے مارے دھڑکنیں اور تیز ہو گئی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اب تب میں اس کا دل بھی ایک بم کی طرح دھماکے سے پھٹے گا۔

میں نے کہا۔ "اور اس کے بعد لو دِل بی نو مور۔"

پھر میں نے اس کی زبان سے لومی کو کہا "میں یہاں موجود ہوں۔ بہتر ہے اسے عمارت کے اندر لے چلو۔"

لومی نے پوچھا "اس ہتھکڑی کی چابی کہاں ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ جواب دے، میں نے اس کی سوچ سے معلوم کیا اور کہا "ہیرا سوامی، چابی دوسری جیب میں ہے۔ لہٰذا کوئی چالاکی نہ دکھانا۔ چپ چاپ اپنا ایک ہاتھ دوسری جیب میں ڈالو اور اس چابی کو لومی کے پاس پھینک دو۔ تمھارا کوئی ہاتھ اس جیب کی طرف نہیں جانا چاہیے جہاں وہ ننھی سی گیند تمھاری زندگی سے کھیلنے کے لیے رکھی گئی ہے۔"

لومی نے بھی اسے یہی وارننگ دی۔ وہ آہستہ آہستہ ایک ہاتھ دوسری جیب کے اندر لے جا کر چابی نکالنے لگا۔ میں اس کے دماغ میں بہت محتاط تھی۔ کسی لمحے بھی اس کی چالاکی پر دماغی جھٹکا پہنچا سکتی تھی۔ اُدھر لومی شیرنی کی طرح گھور رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس کے اندر اور باہر سخت پہرہ تھا۔ وہ کوئی چالاکی دکھانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جیب سے چابی نکال کر لومی کی طرف اچھال دی۔

لومی نے اسے کیچ نہیں کیا۔ چپ چاپ کھڑی رہی چابی اس کے قدموں کے پاس آ کر گری۔ بعد میں اس نے جھک کر اسے ایک ہاتھ سے اٹھا لیا۔ دوسرے ہاتھ میں بدستور ریموٹ کنٹرولر تھا اور ایک انگوٹھا بٹن کے پاس کسی لمحے بھی حرکت کے لیے تیار تھا۔

لومی نے کہا "اب اپنی جگہ سے اٹھو اور میرے آگے چلتے رہو۔ ہمارے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ ہونا چاہیے تاکہ بم کا دھماکا تمھاری جان لے سکے اور مجھے کم سے کم زخمی کرے۔"

ہیرا سوامی نے لومی کے حکم کے مطابق اپنے دونوں ہاتھ گردن پر رکھ لیے۔ پھر اس کے آگے آگے چلتے ہوئے عمارت میں داخل ہوا۔ چونکہ اس عمارت کا تعلق ماں نیلما داسی سے تھا اس لیے وہاں ہیرا سوامی کے خاص لوگ برائے نام تھے اور وہ بھی چھت پر تھے۔ آنند، لیو چن اور اپنی ماں کے ساتھ لومی کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ سب ماں نیلما داسی کی خوابگاہ میں پہنچے۔

وہ اس قدر دولت مند ہونے کے باوجود بہت ہی سادہ سی زندگی گزارتی تھی۔ اس کی خوابگاہ کے اندر ایک گوشے میں چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ وہی اس کا بستر تھا۔ بیٹھنے کے لیے کرسی بھی نہیں تھی۔ ایک معمولی سے صندوق میں اس کے پہننے اوڑھنے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ کمرے میں نہ پنکھا تھا۔ نہ ایئر کنڈیشنر۔ کھڑکی سے ہوا آتی تھی اور وہ اسی پر گزارا کرتی تھی۔ لومی نے کہا "ہیرا سوامی! اس کھڑکی کی جالیوں سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ اسی طرح رکھو۔"

اس نے چپ چاپ حکم کی تعمیل کی۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر سمجھ رہی تھی۔ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچتا تھا۔ پھر یہ سوچ کر گڑگڑا جاتا تھا کہ فرہاد اس کی تدبیروں کو سمجھ رہا ہے۔ آخر اس نے گڑگڑاتے ہوئے التجا کی "فرہاد، مجھ سے دوستی کر لو۔ میں تمھاری ہر وہ شرط ماننے کو تیار ہوں جو دوسرا نہیں مان سکتا۔ ایسی بھی شرط ماننے کو تیار ہوں جس سے مجھے بڑے سے بڑا نقصان پہنچتا ہو۔"

میں نے کہا "اگر تم لومی کے احکامات کی تعمیل کرتے رہو گے تو ہم ضرور دوستی کریں گے اور ایک دوسرے کے سامنے شرائط پیش کریں گے۔ فی الحال صبر کرو۔"

لومی نے کہا "ماں نیلما داسی، اب آپ کی آزمائشوں کا وقت ہے۔ ابھی فیصلہ کرنا ہو گا کہ بیٹے کی زندگی عزیز ہے یا اس شوہر کی جو کبھی شوہر بن کر نہیں رہا اور تمھارے بیٹے کا باپ بننا اپنی توہین سمجھتا رہا۔"

آنند اپنی ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ ماں نے پوچھا "لومی، تم کیا چاہتی ہو؟"

لومی نے کہا "میں لیو چن کے ساتھ یہاں سے چھت پر جاؤں گی۔ پھر ہیلی کاپٹر کے ذریعے کسی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔ اس کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ یہ ریموٹ کنٹرولر میں آپ کے ہاتھوں میں دوں اور آپ اسے لے کر اپنے شوہر سے کافی فاصلے پر بیٹھی رہیں۔"

ماں نیلما داسی نے کہا "میں ایسا ہی کروں گی۔ ریموٹ کنٹرولر میرے ہاتھ میں رہے گا۔ میں اپنے سوامی کو ان کی جگہ سے ہلنے نہیں دوں گی۔ یہ ذرا بھی حرکت کرنا چاہیں گے یا کوئی چالاکی دکھائیں گے تو میں ان کی زندگی کی پروا نہیں کروں گی اور بٹن دبا دوں گی۔"

یہ کہتے ہی وہ رونے لگیں۔ لومی نے کہا "آپ کا دل کمزور ہے۔ آپ اپنے شوہر کی جان نہیں لے سکیں گی۔"

وہ روتے ہوئے بولیں "کون عورت اپنے ہاتھوں سے اپنا سہاگ اجاڑنا چاہتی ہے۔ انھیں اس بات کا کبھی احساس نہیں ہوا۔ آج میں ایسے موڑ پر ہوں جہاں ایک طرف میرے بیٹے کی زندگی ہے، دوسری طرف شوہر کی۔ میں دونوں کی سلامتی چاہوں گی اور اس لیے تمھارے سامنے انھیں سمجھا رہی ہوں، کوئی ایسی حرکت نہ کریں کہ مجھے ماں بن کر صرف اپنے بیٹے کے متعلق سوچنا پڑ جائے۔"

لومی نے کہا "ہو سکتا ہے آپ بیٹے کی خاطر شوہر کی پروا نہ کریں لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میرے جانے کے بعد ہیرا سوامی آپ کو سبز باغ دکھائے اور آپ اس کی باتوں میں آ جائیں۔ لہٰذا میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی۔ ابھی فرہاد نے کہا ہے کہ وہ آنند کے دماغ میں بھی رہے گا۔ اگر آپ ہیرا سوامی کے سامنے کمزور پڑیں گی تو آنند کو دماغی مریض بنا دیا جائے گا۔"

"نہیں، میں ایسا نہیں کروں گی۔ میرے آنند کو کچھ نہ کرو۔"

آنند نے کہا "میں فرہاد صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ صرف سوامی جی کے دماغ میں رہیں اور انھیں اپنے کنٹرول میں رکھیں۔ میں، لومی اور لیو چن کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں جاؤں گا۔ انھیں ان کی منزل تک پہنچاؤں گا اور جب تک واپس نہیں آؤں گا، وہ ننھا سا بم اسی طرح سوامی جی کی جیب میں رہے گا اور ماں جی ریموٹ کنٹرول لیے بیٹھی رہیں گی۔"

لومی نے کہا "ہاں، مجھے یہ طریقۂ کار پسند ہے۔ جب تک تم یہاں واپس نہیں آؤ گے، اس وقت تک تمھاری ماں جی، سوامی جی کے قریب میں نہیں آئیں گی۔ انھیں تمھاری فکر رہے گی۔"

لومی نے لیو چن کو اپنے پاس بلایا اور کہا "میرے ہاتھ سے چابی لے کر ہتھکڑی کھول دو اور ہیرا سوامی، یہ نہ سمجھنا، میں ہتھکڑی کھلنے کے دوران ذرا سی بھی غافل ہو سکتی ہوں۔"

لیو چن نے پاس آ کر چابی لی اور ہتھکڑی کھول دی۔ لومی نے کہا "اب یہ ہتھکڑی آنند کو دے دو۔"

اس نے یہی کیا۔ آنند نے ہتھکڑی لے کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ لومی نے کہا "اسے اپنے باپ کو اس طرح پہناؤ کہ اس کے دونوں ہاتھ اپنی جیب تک نہ پہنچ سکیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک ہاتھ میں ہتھکڑی پہناؤ پھر ہتھکڑی کا دوسرا سرا کھڑکی کی آہنی جالی سے باہر لے جاؤ اور دوسری طرف گھما کر اندر لاؤ۔ اس کے بعد دوسرے ہاتھ میں ہتھکڑی پہنا دو۔ اس طرح یہ سوامی جی آہنی جالی کے ساتھ پھنسے رہیں گے۔ ہاتھ نیچے نہیں آئے گا اور جیب تک نہیں پہنچے گا۔"

لومی جس طرح کہہ رہی تھی، آنند اسی طرح عمل کر رہا تھا۔ اس نے پہلے ایک ہاتھ میں ہتھکڑی پہنا کر اسے اوپر اٹھایا پھر جالی کے دوسری طرف سے گھما کر ہتھکڑی کے دوسرے سرے کو کھڑکی کے اندر لایا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے باپ کے دوسرے ہاتھ کو اوپر ہتھکڑی کی طرف لے جاتا، باپ نے اسے پکڑ لیا۔ کہنے لگا "میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم میرے ساتھ لگے رہو گے تو لومی اس بم کو بلاسٹ نہیں کرے گی۔ تمھاری زندگی بچانے کے لیے مجھے بھی زندہ رکھے گی۔"

لومی نے ہنستے ہوئے کہا "اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔ مجھے آنند کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

ماں نیلما داسی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم میرے بیٹے کی بھی پروا نہیں کرو گی؟"

لومی نے کہا "میں آپ کو پہلی اور آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ آپ کا بیٹا زندہ نہیں رہے گا۔"

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ لومی نے کہا "ہیرا سوامی، میں پھر تمھیں آخری وارننگ دیتی ہوں۔ ایک سے دو تک گنوں گی پھر تم تین کی گنتی سننے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔"

گنتی شروع کرنے سے پہلے ہی ہیرا سوامی نے اپنا ہاتھ اوپر کر لیا۔ آنند نے اس کے دوسرے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پہنا دی۔ اب وہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے آہنی جالی سے ہتھکڑی میں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے آنند کے دماغ میں پہنچ کر اس کی زبان سے کہا۔ "ماں نیلما داسی، میں فرہاد بول رہا ہوں اور میں جو بولتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔ آپ کا بیٹا پومی کے منصوبے کے مطابق یہاں سے ہیلی کاپٹر میں جائے گا اور پومی اور لیوچن کو چھوڑ کر واپس آئے گا۔ اس وقت تک میں ہیرا سوامی کے دماغ میں رہوں گا۔ اگر اس نے مجھے دماغ میں رہنے کی جگہ نہ دی تو میں تمہارے دماغ میں آکر ریموٹ کنٹرولر کا بٹن دبا دوں گا۔"

میری باتیں سن کر پومی نے ریموٹ کنٹرولر ماں نیلما داسی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ اپنے بیٹے کو یوں ممتا بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے وہ جائے گا تو جان بھی چلی جائے گی۔ اس نے کہا۔ "آنند، یہ تم نے کیا کیا۔ خود ہی جانے کی بات کیوں کہہ دی۔ تمھیں یہاں رہنا چاہیے تھا۔"

"ماں جی، آپ اطمینان رکھیں۔ میں انھیں پہنچا کر بخیریت واپس آؤں گا۔ میری نیت صاف ہے اور آپ کا آشیرباد میرے ساتھ ہے۔ جب تک آپ فرہاد کے کہنے پر عمل کرتی رہیں گی، مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

پومی نے ہیرا سوامی سے پوچھا۔ "تم اوپر چھت والوں سے کس طرح رابطہ قائم کرتے ہو۔ انھیں حکم دو کہ ہمیں ہیلی کاپٹر میں جانے کی اجازت دیں۔"

ہیرا سوامی نے کہا۔ "مجھے چھت پر لے چلو۔ میں تمھاری روانگی کا انتظام کر دوں گا۔"

"تمھیں لے جانا ضروری نہیں ہے۔ تمھارے آدمیوں کو یہاں بُلایا جا سکتا ہے۔"

پومی نے آنند کی طرف دیکھا۔ آنند نے کہا۔ "میں ابھی ان کے دو خاص آدمیوں کو بلا کر لاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ پومی نے کہا۔ "تم ٹیلیفون یا ٹرانسمیٹر کے ذریعے بھی رابطہ قائم کر کے اپنے آدمیوں کو چھت پر سے بلا سکتے تھے مگر تم زیادہ سے زیادہ وقت ضائع کرنا چاہتے ہو تاکہ جان بچانے کا کوئی موقع ہاتھ آجائے۔ ٹھیک ہے، ہر شخص کو اپنی جان بچانے کا حق ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر میں تمھاری آنکھوں کے سامنے یہاں سے جاؤں گی اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے۔"

ہیرا سوامی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ پومی نے کہا۔ "تم اب اس لیے بھی خاموش ہو گئے ہو اور ہم سے زندگی کی بھیک نہیں مانگ رہے ہو کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ صرف تمھاری بیوی اس کمرے میں رہ جائے گی اور تم اسے بہلا پھسلا کر اس ننھے سے بم سے آزاد ہو جاؤ گے۔"

ماں نیلما داسی نے کہا۔ "مجھے ان کی زندگی عزیز ہے۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنا سہاگ نہیں اجاڑوں گی لیکن اپنے بیٹے کی بھی دشمن نہیں ہوں۔ جب تک وہ صحیح سلامت میرے پاس واپس نہیں آئے گا، مجھ سے کوئی یہ ریموٹ کنٹرول نہیں لے سکے گا، نہ ہی ان کی جیب سے وہ ننھا سا بم نکال سکے گا۔"

آنند دو مسلح افراد کے ساتھ وہاں آگیا۔ وہ ہیرا سوامی کو ہتھکڑیوں میں جکڑا دیکھ کر چونک گئے۔ فوراً ہی اپنے ہتھیار سیدھے کرتے ہوئے ایک نے کہا۔ "یہ کیا معاملہ ہے سر، آپ حکم دیجیے۔ ہم ابھی دشمنوں کو گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔"

میں نے ہیرا سوامی سے کہا۔ "ان سے کہو، اب میں اس کے دماغ میں ہوں۔ اس سے پہلے ہی وہ خود کو ہلاک کر لے گا۔"

ہیرا سوامی نے یہی بات اپنے آدمی سے کہہ دی۔ پھر حکم دیا۔ "کوئی ہتھیار استعمال نہ کرے۔ پومی، لیوچن اور آنند ہیلی کاپٹر میں جائیں گے پھر آنند واپس آئے گا۔ اس وقت تک میں اسی کمرے میں رہوں گا۔ اس کمرے کی طرف کوئی شخص نہ آئے۔ جب تک کہ آنند واپس نہ آجائے۔"

پومی نے کہا۔ "ان سے یہ بھی کہہ دو، ہم سے کوئی چالاکی نہ کرے۔ ہیلی کاپٹر میں کوئی ٹائم بم وغیرہ چھپا کر نہ رکھا جائے، ورنہ فرہاد سے بات چھپی نہیں رہے گی اور نتیجہ تمھارے حق میں بُرا ہوگا۔"

ہیرا سوامی نے یہی بات اپنے آدمیوں کو سمجھائی۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے باس کے حکم کی تعمیل کرتے رہیں گے۔ پومی، لیوچن اور آنند ان مسلح افراد کے ساتھ وہاں سے چلے گئے، میں وہیں موجود رہی۔ ہیرا سوامی التجا آمیز نظروں سے ماں نیلما داسی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "آج مجھے اپنی تمام غلطیوں کا احساس ہو رہا ہے۔ آج میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میں سمجھ گیا ہوں، مجھے صرف انسان بن کر رہنا چاہیے، بھگوان نہیں۔"

ماں نیلما داسی نے کہا۔ "یہ اچھی بات ہے سوامی جی کہ آپ کو غلطیوں کا احساس ہو گیا۔ ہمارا آنند واپس آجائے گا تو۔۔۔"

وہ بات کاٹ کر بولا۔ "اس کے واپس آنے میں گھنٹوں لگیں گے۔ یہ ننھا سا بم میرے دل کے پاس ہے۔ میری جان جانے سے پہلے ہی جان جا رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اچانک ہی وہ بٹن دب جائے گا۔ تم نہ دباؤ تو کیا ہوتا ہے۔ چلتے پھرتے تمھیں ٹھوکر لگ سکتی ہے یا ایسے ہی وہ ریموٹ کنٹرول نیچے

گر سکتا ہے اور گرتے ہی اس کا بٹن دب سکتا ہے۔"

ماں نیلما داسی فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گئی۔ ریموٹ کنٹرول کو اپنے پاس رکھ دیا۔ پھر کہا۔ "دیکھو، اب یہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے، یہ ایک طرف رکھا ہوا ہے۔ نہ گرنے کا خدشہ ہے اور نہ ہی میرے ہاتھ سے اچانک یہ دب سکتا ہے۔"

"میں مانتا ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا لیکن ذرا میری طرف سے سوچو کہ یہ بم جب تک میرے سینے سے لگا رہے گا، میں زندہ رہ کر مُردوں سے بدتر رہوں گا۔ میری حالت کیا ہو رہی ہے، یہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بھگوان کے لیے اس بم سے نجات دلا دو۔ میں نہیں کہتا کہ میرے ہاتھ کھول دو، صرف اس ننھے سے بم کو جیب سے نکال کر دور کر دو۔"

"آپ میرے لیے بھگوان جیسے ہیں۔ میں آپ کے قدموں میں سر رکھ کر جان دے سکتی ہوں لیکن وہ بم آپ کی جیب سے نہیں نکال سکتی۔ آنند کو واپس آنے دیجیے۔"

"تم اس طرح سوچو کہ یہ بم آنند کی جیب میں رکھا ہوا ہے اور ہر لمحہ موت اس کے سینے سے لگ کر دھڑک رہی ہو تو تمھارے دل پر کیا گزرے گی۔"

ماں نیلما داسی نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ لیا جیسے اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال رہی ہو۔ پھر کہا۔ "ہم ماں بیٹے نے کبھی کسی کا بُرا نہیں کیا۔ کسی کا دل نہیں دکھایا۔ میرے بیٹے کے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے آپ کے اپنے اطمینان کے لیے اس ریموٹ کنٹرول کو چٹائی پر رکھ دیا ہے لیکن آپ کا کوئی بھی آدمی اس کمرے میں داخل ہوگا تو میں فوراً ہی اسے اٹھا کر بٹن دبا دوں گی۔"

"کیا تم اتنی سنگدل ہو کہ اپنے شوہر کی جان لے لو گی؟ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے موقع پر تم میری دشمن بنو گی۔"

"میں صرف اپنے بیٹے کی سلامتی چاہتی ہوں، اسے زندہ رکھنے کے لیے میں آپ کی موت کا تماشا نہیں دیکھوں گی۔ بھلا کس دل سے دیکھ سکوں گی۔ اس لیے بٹن دبانے کے لیے آپ کے قریب آؤں گی تاکہ دونوں کا خاتمہ ایک ساتھ ہو جائے۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا۔ "واہ، ماں نیلما داسی، تم بہترین عورت ہو۔ اسی لیے بہترین ماں اور بہترین بیوی بھی ہو۔"

پھر میں نے اس کی زبان سے کہا۔ "ہیرا سوامی، میں فرہاد بول رہا ہوں۔ یہ مت سمجھنا کہ یہاں سے جا چکا ہوں۔ میں چپ چاپ دیکھ رہا تھا کہ تم کس طرح اپنی بیوی کو بہلاتے پھسلاتے ہو۔ مجھے یقین ہو گیا ہے، جب تک آنند واپس نہیں آئے گا، تم اس عورت کی ممتا میں ایک ذرا سی بھی لغزش پیدا نہیں کر سکو گے۔"

میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچنا چاہا تو اس نے سانس روک لی۔ میں نے واپس آکر ماں نیلما داسی کے دماغ میں آکر اس کی زبان سے کہا۔ "تم نے میرا راستہ روکا ہے۔ کیا مرنا چاہتے ہو۔ کیا ابھی بٹن دباؤں۔"

اس نے جلدی سے چیختے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب میں کبھی اپنی سانس نہیں روکوں گا۔"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "تمھاری زندگی اسی میں ہے کہ اپنے دماغ کے دروازے بند کرنا بھول جاؤ۔ میں صرف ایک منٹ کے لیے ماں نیلما داسی کے دماغ میں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد تمھارے دماغ میں جم کر بیٹھ جاؤں گا۔"

میں نے اس سے جھوٹ کہا۔ میں صرف پومی کی خبر لینا چاہتی تھی۔ اس کے پاس پہنچ کر دیکھا تو وہ لیوچن اور آنند کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئی تھی۔ پرواز کرنے سے پہلے میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے ان مسلح افراد کے دماغ میں جھانک کر دیکھا جو تھوڑی دیر پہلے اپنے باس ہیرا سوامی کے پاس آئے تھے اور ان کی آوازیں سن لی تھی۔ ان کے ذریعے پتا چلا۔ ہیلی کاپٹر میں کوئی ٹائم بم وغیرہ چھپا کر نہیں رکھا گیا ہے۔ میں نے انھیں اپنے دوسرے ساتھیوں سے باتیں کرنے پر مجبور کیا۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے بھی انھوں نے باتیں کیں۔ میں ایک ایک کے دماغ میں جھانک کر دیکھتی رہی۔ اس کے بعد میں نے پومی سے کہا۔ "سب خیریت ہے، کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ تم پرواز کر سکتی ہو۔ میں ہیرا سوامی کے پاس جا رہا ہوں۔"

میں ان سے رخصت ہو کر پھر اس کے دماغ میں آگئی، اس نے مجھے محسوس کیا مگر دماغ کا دروازہ بند کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اب اس کمرے کی چار دیواری کے اندر وہ دونوں میاں بیوی اس حالت میں تھے کہ وہ دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہتھکڑی میں بندھا ہوا تھا۔ کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا اور ماں نیلما داسی فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھی تھی۔ سامنے ریموٹ کنٹرول رکھا ہوا تھا۔ اُدھر شوہر کی جیب میں موت تھی۔ اِدھر بیوی کی دسترس میں موت کا اشارہ تھا۔ فی الحال دونوں میاں بیوی یونہی زندگی گزارنے والے تھے۔

میں فرہاد علی تیمور خود کو بہت ہی ہلکا پھلکا محسوس کررہا ہوں کیوں کہ روح بالکل ہلکی پھلکی ہوتی ہے، میرا دل کسی خوف سے نہیں دھڑکتا، میرا دماغ کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا کیونکہ مرنے کے بعد تمام خوف، فکر اور پریشانیاں ہمیشہ کے لیے مرجاتی ہیں۔ انسان زندگی میں اور موت کے بعد بھی کیسے کیسے مقامات سے گزرتا ہے، میں وہی ہوں جو زندہ انسانوں کی دنیا میں اپنی سلسلے وار داستان بیان کیا کرتا تھا۔ آج یہی داستان اپنے مُردہ بھائیوں کو سُنا رہا ہوں۔

میرے سامنے تمام مُردہ خواتین وحضرات بیٹھے ہوئے تھے جیسے ایک کلاس روم تھا اور میں استاد کی حیثیت سے انھیں مخاطب کررہا تھا اور انھیں بتارہا تھا کہ میں نے ٹیلی پیتھی کا علم کس طرح کتنی لگن سے حاصل کیا ہے۔ اگر میں سابقہ دنیا میں ہوتا تو کبھی یہ تفصیل سے نہ بتاتا کہ ٹیلی پیتھی کا علم کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ ہماری دنیا میں دوست اور دشمن کی تمیز نہیں ہوسکتی۔ جو دوست بن کر راز معلوم کرتے ہیں وہ بعد میں بدترین دشمن ثابت ہوتے ہیں۔

شاید میں پاتال دنیا میں بھی کسی کو نہ بتاتا لیکن ہر وقت میرے دماغ میں کسی کی باتیں گونجتی رہتی ہیں۔ کوئی میرے اندر بولتا رہتا ہے۔ ”فرہاد علی تیمور، اب تم زندہ لوگوں کی دنیا میں نہیں ہو۔ ایسی پاتال دنیا میں ہو جہاں کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی کسی سے دشمنی نہیں کرتا کیوں کہ یہاں سب کو کھانے کے لیے اس کے پیٹ کے برابر روٹیاں ملتی ہیں۔ اس کی کوئی ایسی خواہش نہیں ہے جو یہاں پوری نہ ہوتی ہو اور جو یہاں پوری نہ ہوتی ہو وہ اس کی خواہش نہیں کرتا۔ جہاں خواہش محدود ہوں۔ جہاں پیٹ کا سوال نہ ہو۔ جہاں نمائشی عادتیں نہ ہوں، ایک دوسرے سے برتر ہو کر دوسرے کو کمتر کرنے کا سازشی جذبہ نہ ہو۔ وہاں کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس لیے تم یہاں تمام روحوں کو ٹیلی پیتھی کے متعلق تفصیل سے بتاتے رہو گے۔ ان میں سے جو سیکھنا چاہے اسے تم یہ علم سکھاؤ گے۔“

وہ میرے اندر بولنے والا جیسے میرا حاکم تھا۔ میرا عامل تھا۔ میں اس کی ہر بات مانتا تھا۔ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ میرے دل میں کوئی ایسا خیال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ میں اس کی کسی بات سے انکار کردوں لیکن اس آواز کو سنتے رہنے کے دوران جب کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تو میں سوال کرتا تھا۔ مثلاً میں نے پوچھا ”ٹیلی پیتھی دوسروں کو کیسے سکھائی جاسکتی ہے؟“

جواباً آواز سنائی دیتی تھی ”جس طرح انجینیئر تھرما کوائل نے اپنی انجینیئرنگ کا تمام ہنر میکینک براڈ نوز کو سکھادیا اور جس طرح میکینک براڈ نوز نے اپنی تمام مشینی ہنرمندی کو انجینیئر تھرما کوائل کے دماغ میں منتقل کردیا، اسی طرح تمہاری ٹیلی پیتھی کا علم دوسروں کے دماغ میں منتقل ہو جائے گا۔ اس طرح پاتال دنیا میں سبھی لوگ ایک جیسی صلاحیتوں کے مالک ہوں گے تو کوئی کسی سے برتری حاصل کرنے کے لیے نہ دھوکا دے گا، نہ جھوٹ بولے گا، نہ کوئی سازش کرسکے گا۔“

میری کلاس روم میں جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ ٹیلی پیتھی سیکھنے کا شوق کسے نہیں ہوتا بلکہ یہ شوق تو دیوانگی کی حد سے بھی نکل جاتا ہے۔ ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کے دل اور دماغ کی باتیں معلوم کرے، دشمنوں کو زیر کرے، دوستوں کو ان کے منہ پر بتائے کہ تم منہ پر کچھ کہہ رہے ہو، دل میں کچھ ہے پھر ٹیلی پیتھی کے ذریعے جو کمالات دکھائے جاتے ہیں اور جس طرح دنیا کی تمام دولت اور اقتدار حاصل کیا جاسکتا ہے وہ تو میری داستان سے ہی ظاہر ہے۔ آج کا ہر بالغ بچہ بھی یہ علم سیکھنا چاہتا ہے۔ پھر میرے کلاس روم میں سیکھنے والوں کی بھیڑ کیسے نہ ہوتی۔ وہ سب میری باتوں کو دلچسپی سے سنتے تھے اور طرح طرح کے سوالات کرتے تھے لیکن ان میں سے کتنوں کو یہ علم سکھایا جائے گا، یہ میں نہیں جانتا تھا اور سیکھنے والے بھی نہیں جانتے تھے۔ اس کا فیصلہ وہی آواز کرنے والی تھی جو میرے اندر سنائی دیتی تھی۔

کلاس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے سوال کیا۔ ”کیا مقناطیسی لہریں ہماری پاتال دنیا میں بھی ہوتی ہیں؟“

میں نے جواب دیا ”جہاں بھی ہوا چلتی ہوگی اور جہاں سے بھی ہوا کا گزر ہوگا وہاں شمال سے آنے والی مقناطیسی لہریں بھی ہوں گی۔“

ایک نوجوان لڑکی نے پوچھا ”مقناطیسی لہروں کے ذریعے ٹیلی پیتھی کی لہروں کو دوسرے دماغ میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ خیال خوانی کرنے والا شمال کی طرف رُخ کرکے بیٹھا رہے مگر آپ ایسا نہیں کرتے، چلتے پھرتے بھی خیال خوانی کرتے رہتے ہیں۔“

”جب میں نے ٹیلی پیتھی کی عملی مشق شروع کی تو شمال کی طرف رُخ کرکے بیٹھا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے ایسی مہارت حاصل ہوگئی کہ اب اُدھر رُخ کرنا ضروری نہیں ہے۔ میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے خیال خوانی کرلیتا ہوں۔“

ایک اور شخص نے کہا ”زندہ انسانوں کی دنیا میں جسے قبر کہا جاتا ہے، اسے ہم پاتال دنیا کہتے ہیں ہم زمین کی اتنی گہرائی میں ہیں، کیا آپ یہاں سے زندہ انسانوں کے دماغوں میں پہنچ سکتے ہیں؟“

میں نے کہا ”بے شک پہنچ سکتا ہوں۔ میں اپنے چاہنے والوں کو یاد کرتا ہوں۔ ان سے باتیں کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ مقدس آواز جو ہم سب کو اپنے اندر سنائی دیتی ہے اس نے مجھے زندہ انسانوں کی دنیا میں رابطہ قائم کرنے سے منع کیا ہے۔“

فلسفی ہیوگو نے پوچھا ”جس شخص کی آواز ہمیں اپنے اندر سنائی دیتی ہے وہ یقیناً ہم میں سے ہوگا۔ زندہ انسانوں سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔ آپ اس کے دماغ میں تو پہنچ سکتے ہیں۔“

میں نے کہا ”بے شک، پہنچ سکتا تھا لیکن یہ وہی آواز ہے جس نے ہم سب کے دماغوں کو تسخیر کیا ہے۔ ہمیں اپنی آواز کا پابند بنایا ہے۔ پھر جب مجھ پر پابندی عائد کردی گئی ہے تو آپ لوگوں کی طرح میں بھی مجبور ہوں۔ میں اس آواز کے ذریعے اس بولنے والے کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا بولنا، اس کا حکم دینا ہمارے لیے محترم ہے۔ ہم بلا چون وچرا اس پر عمل کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔“

ایک اور شخص نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سوال کیا ”جس کی آواز ہمارے دماغوں میں سنائی دیتی ہے کیا وہ بھی ٹیلی پیتھی جانتا ہوگا کیوں کہ آواز اسی کی سنائی دیتی ہے جو خیال خوانی کرتا ہوا ہمارے دماغوں تک پہنچ سکے۔“

میں نے جواب دیا ”ہمارے اندر جو بھی آواز سنائی دیتی ہے وہ ہپناٹزم کا نتیجہ ہے، یہ ٹیلی پیتھی نہیں ہے، اگر وہ ٹیلی پیتھی جانتا تو کسی وقت بھی خیال خوانی کرکے ہمارے اندر آکے تازہ ترین احکامات صادر کرسکتا تھا لیکن ہمارے اندر تو وہی باتیں گونجتی ہیں جو تنویمی عمل کے دوران ہم سب کے دماغوں میں نقش کردی گئی ہیں۔“

کلاس روم کی آخری قطار میں سے ایک لڑکی اُٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی میں چونک گیا۔ وہ سونیا تھی مگر اتنی کم عمر، ایسی نوخیز لگ رہی تھی کہ اسے دیکھتے ہی دماغ میں سوال پیدا ہوا، کیا مرنے کے بعد عورت کی عمر کم ہوجاتی ہے؟

اگر میرے اس سوال کا جواب ہاں میں ہے تو پھر ہر عورت پہلی فرصت میں مرنا پسند کرے گی۔ میں تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ حیرانی سے بولا ”تم سونیا! یہ تم ہو؟“

اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بولی ”میں بہت دیر سے یہاں بیٹھی تمھیں استاد کے روپ میں دیکھ رہی ہوں، اب ان کی طرح میں بھی ایک شاگرد کی حیثیت سے سوال کرتی ہوں جب اس پاتال دنیا میں کوئی کسی سے جھوٹ نہیں بولتا، کوئی کسی کو دھوکا نہیں دیتا اور اپنی بات دوسروں سے نہیں چھپاتا تو پھر وہ ہمارے اندر بولنے والا خود کیوں چھپ کر رہتا ہے۔ وہ کون ہے؟“

”یہ سوال تو شاید ہم سب کے دماغ میں آتا ہے لیکن ہم اسے تلاش کرنے یا اس سے سامنے آکر اپنا چہرہ دکھلانے کا مطالبہ نہیں کرسکتے۔“

سونیا نے کہا ”چاہے یہ دنیا ہو یا وہ دنیا۔ چاہے ہم زندہ ہوں یا مُردہ۔ ہمارا تو خدا ایک ہی ہے اور وہی اوّل راز ہے اور وہی آخر راز ہے۔ کوئی دوسرا راز بن کر رہے تو بدترین کافر ہے، اسے بے نقاب کرنا ہمارا ایمان ہے۔“

”یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔ اس آواز کو جو ہمارے اندر گونجتی رہتی ہے، اسے بے نقاب ہونا چاہیے مگر کیا تمہارے اندر یہ مطالبہ احتجاج یا بغاوت کی صورت میں جنم لیتا ہے؟“

سونیا نے انکار میں سر ہلا کر کہا ”نہیں، ہم روحیں ہیں۔ ہم سرد مزاج رکھتی ہیں، ہمارے اندر بھولے بھٹکے کوئی مطالبہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں شدت اور گرم جوشی نہیں ہوتی، میں اپنے اندر گونجنے والی آواز کے متعلق سوچتی ہوں کہ اسے بے نقاب ہونا چاہیے لیکن پُرزور مطالبہ نہیں کرسکتی، یہ جذبہ میرے اندر پیدا ہی نہیں ہوتا ہے۔“

اس کلاس روم میں وہی آواز گونجنے لگی جسے ہم اپنے اندر محسوس کرتے رہتے ہیں۔ اس آواز نے کہا ”سونیا، تم درست کہہ رہی ہو۔ ہم سب سرد مزاج رکھتے ہیں کسی سے مطالبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں بھی کسی پُرزور مطالبے کے بغیر تم سب کے سامنے بے نقاب ہوسکتا ہوں مگر ابھی مجھ میں اور تم لوگوں میں ایک فرق ہے۔ اگرچہ میں سرد مزاج ہوں مگر تم لوگوں کی طرح ایک روح نہیں ہوں، میرا شمار زندہ انسانوں میں ہوتا ہے، ہم پانچ زندہ بھائی بہن ہیں جو زندہ

ہوتے ہوئے بھی تم لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم پانچوں بھائی بہنوں نے انجنیئر بھترماکوائل، میکینک براڈنوز، فلسفی ہیوگو وغیرہ کی تمام دماغی صلاحیتوں کو اپنے اندر منتقل کرلیا ہے۔ ہم ان کی طرح دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہم بھائی بہن بہت بڑے انجنیئر، بہت بڑے میکینک، بہت بڑے فلسفی اور بہت بڑے ڈاکٹر اور سائنسدان وغیرہ ہیں لیکن ابھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ فرہاد کی طرح ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ جب ہم اس کی صلاحیتوں کو اپنے دماغوں میں منتقل کرلیں گے تو پھر فرہاد سے یا کسی سے خطرہ نہیں رہے گا تو ہم بے نقاب ہو جائیں گے اور تم سب کے ساتھ گھل مل کر رہیں گے۔ ہماری ایک الگ دنیا ہوگی۔ اس دنیا میں جھوٹ، فریب، سازش وغیرہ نام کو نہیں ہوگی۔ ہم سب ایک دوسرے کے مفاد کے لیے اور ایک دوسرے کو خوش رکھنے کے لیے کام کرتے رہیں گے۔"

وہ آواز چُپ ہوگئی۔ چند لمحوں تک خاموشی رہی، پھر ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ اس آواز کو میں خوب پہچانتا تھا، لیڈی روزینہ کبھی ترکی بولتی تھی مگر اب انگریزی بولتی تھی۔ ترکی اور انگریزی الفاظ کی ادائیگی اور لہجے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تاہم بولنے والی کی آواز ایک ہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر تصدیق کی تھی۔ وہ اس پاتال دنیا کے کسی حصے میں تھی۔ جس نے تنویمی عمل کے ذریعے میری مائنڈ واشنگ کی تھی، اس نے یہ حکم دیا تھا کہ میں دانستہ یا نادانستہ پاتال دنیا کے کسی شخص کے دماغ میں رہ کر وہاں کا جغرافیہ معلوم نہیں کروں گا اور نہ ہی کسی کی ذات میں، خصوصاً لیڈی روزینہ میں دلچسپی نہیں لوں گا۔

اگر یہ حکم نہ دیا جاتا، تب بھی اس دنیا میں جذبے سرد پڑ گئے تھے۔ لیڈی روزینہ تو پھر بھی غیر تھی، سونیا سے مل کر بھی اس سے تنہائی میں ملنے اور ذاتی قسم کی گفتگو کرنے کی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال لیڈی روزینہ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "سونیا! تمھیں لوری سنانے اور سُلانے کا وقت آگیا ہے۔ بستر پر سو جاؤ۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے مختلف الفاظ کے مختلف معنی سمجھنے کی ضرورت تھی۔ وہاں کسی کو یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ تم پر تنویمی عمل کرنے کا وقت ہوگیا ہے۔ معمول بن کر بستر پر آجاؤ۔ زندہ انسانوں کی دنیا میں تنویمی عمل غلط مقصد کے لیے کیا جاتا ہے۔ لہٰذا پاتال دنیا میں تنویمی عمل کو لوری سنانا کہتے ہیں۔

وہاں ہم سب کو ہفتے میں ایک بار تنویمی عمل کی لوری سنائی جاتی تھی کیوں کہ ایک ہفتہ پورا ہوتے تک یہ عمل اپنا اثر کھونے لگتا تھا۔ اثر زائل ہونے سے پہلے ہی لوری سنا کر اس طرح تسخیر کیا جاتا تھا کہ ہم کھلی آنکھوں سے بھٹکتی ہوئی روحوں کی طرح جاگتے رہتے تھے مگر ہمارے دماغ غافل رہتے تھے۔

سونیا یہ آواز سنتے ہی لوری سننے اور غافل ہونے کے لیے کسی بستر پر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد پھر وہی مردانہ اور حاکمانہ آواز سنائی دی "اے میری پاتال دنیا کے لوگو! آج تمھارے درمیان ایک نئی روح کا اضافہ ہو رہا ہے۔ زندہ انسانوں کی دنیا سے ایک بہت ہی محترم شخص مرنے کے بعد یہاں آرہا ہے۔ تم سب اس کے استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑے ہوجاؤ۔"

کلاس روم میں حاضر رہنے والے تمام افراد اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ میں سونیا کے جانے کے بعد بیٹھ گیا تھا۔ اس آواز کا حکم سنتے ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا، کھلے ہوئے دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔ وہاں ایک قدآور بوڑھا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی مجھے چونک جانا چاہیے تھا، کیوں کہ وہ میرا بدترین دشمن تھا لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ روحوں کی دنیا میں کوئی کسی کا دشمن نہیں ہوتا۔ اور جب کوئی دشمن نہیں ہوتا تو کسی کو دیکھ کر چونکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس پاتال دنیا میں آنے والا وہ قدآور بوڑھا ربی اسفندیار تھا۔

میں فرہاد کی عدم موجودگی میں اس کے فرائض ادا کر رہی تھی مگر بے حد گھبرائی ہوئی سی رہتی تھی۔ ڈر لگتا تھا کوئی غلطی نہ ہوجائے۔ میری ایک ذرا سی بھول لوبی وغیرہ کو کسی آفت میں مبتلا کرسکتی تھی۔

میں نے جناب شیخ صاحب کو مخاطب کرکے تمام حالات بتائے پھر پوچھا "مجھے کس پر توجہ دینا چاہیے، لوبی پر یا بھگوان ہیرا سوامی پر؟"

انھوں نے سمجھایا "لوبی کی زیادہ فکر نہ کرو، تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس کی خیریت معلوم کرتی رہو، ہیرا سوامی کا پیچھا نہ چھوڑو۔"

"اگر لوبی کو خطرہ پیش آئے تو؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اگرچند لمحوں کے لیے ہیرا سوامی کے دماغ سے آتی جاتی رہوگی اور لوبی کے

کام آتی رہوگی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب تک کوئی خطرہ نہ ہو، ہیرا سوامی کے چور خیالات پڑھتی رہو۔ بہتیری معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔"

میں اس کے دماغ میں واپس آگئی۔ وہ ماں نیلما داسی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ مجھے محسوس کرتے ہی چُپ ہوگیا۔ میں نے فرہاد کے انداز میں کہا "تم اپنی بیوی کو پھسلا رہے تھے، میرے آتے ہی چُپ ہوگئے۔"

"فرہاد! تم نیلما کے دماغ میں رہ کر میری نگرانی کرسکتے ہو، پلیز اُدھر چلے جاؤ۔"

"اُدھر کیا فرق پڑے گا؟"

"تمھارے آنے سے گھبراہٹ بڑھ جاتی ہے۔ جیب میں بم رکھا ہے اور دماغ میں تم ہو۔ دونوں ہی دھماکا خیز ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی میری ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔"

"تمھیں ہلاک کرنا ہوتا تو تمھاری زندگی کی ڈور نیلما داسی کے ہاتھ میں نہ دیتا۔ پلک جھپکتے ہی ختم کردیتا۔"

"میرے دونوں ہاتھ بندھے ہیں۔ میں جیب سے بم نکال نہیں سکتا۔ پھر میری طرف سے کیا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ میں تمھارے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ چلے جاؤ۔"

"یا حیرت! بھگوان میرے خدا کا واسطہ دے رہا ہے۔"

وہ چُپ ہوگیا۔ میں بھی چپ رہ کر اس کے چور خیالات پڑھنے لگی۔ ذرا دیر کی خاموشی کے بعد اس نے چیختے ہوئے کہا "نہیں، ہرگز نہیں۔ تم میرے دماغ کی تہ میں چھپی ہوئی باتیں معلوم کررہے ہو۔ میں نہیں بتاؤں گا۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

اس نے سانس روک لی۔ میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ سے باہر ہوئیں۔ پھر میں نے نیلما داسی کے اندر جگہ بنالی۔ اس کی زبان میں کہا "ہیرا سوامی! تم مجھے دماغ سے نکالو گے، میں تمھیں دنیا سے نکال دوں گا۔"

اس نے انکار میں زور زور سے سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، نہیں۔ مجھے مار ڈالو مگر میں تمھیں آنے نہیں دوں گا۔ میرے اندر کئی اہم راز چھپے ہوئے ہیں۔ اگر ایک راز بھی فاش ہوا تو میں موت کو ترجیح دوں گا۔ اگرچہ میں موت سے ڈر رہا ہوں، کیوں کہ ابھی تک زندگی بہت خوبصورت ہے۔ راز کھلنے پر خوبصورتی مرجائے گی۔ زندہ رہنے کی خواہش بھی مرجائے گی۔ میرے دماغ میں آنے سے بہتر ہے، نیلما کے ہاتھ سے بٹن دبواؤ اور میرا خاتمہ کردو۔ میں تمھیں ہرگز دماغ میں آنے نہیں دوں گا۔"

میں سوچ میں پڑگئی۔ اپنے وعدے کے مطابق اسے زندہ رکھنا تھا۔ نیلما اپنے بیٹے اور شوہر دونوں کو زندہ سلامت دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے میں مار ڈالنے کی دھمکی بھی نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے مجبور ہو کر پھر شیخ صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے کہا "تم نیلما کے دماغ سے ہیرا سوامی کی پوری ہسٹری معلوم کرسکتی ہو مگر پہلے یہ معلوم کرو کہ فرہاد اور سونیا کو پاتال دنیا سے باہر لانے کے لیے کیا اقدامات کیے جا رہے ہیں۔"

"ابھی معلوم کرتی ہوں۔ مگر جناب! نیلما سے ہسٹری معلوم ہوگی۔ اس کے اندرونی راز کس طرح معلوم کیے جاسکتے ہیں؟"

"ابھی معلومات حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ جو کام ابھی نہ ہوسکے اس کے متعلق سوچ کر وقت ضائع نہ کرو۔"

میں نے ریڈ پاور کے باس کو مخاطب کرکے پوچھا۔ "مجھے تہ خانے سے نکالنے کے لیے کیا کررہے ہو، بارہ گھنٹے گزرنے والے ہیں۔ تمھارا کوئی آدمی مجھ تک نہیں پہنچ سکا۔"

"جناب! ہمارے آدمی لیڈی روزینہ کی خواب گاہ میں گئے ہیں۔ وہاں کی مسلح عورتوں نے ہم سے تعاون کیا ہے۔"

"تمھارے آدمی خواب گاہ میں کیسے پہنچ گئے جب کہ کھڑکیوں اور دروازوں پر بجلی کی رو دوڑتی ہے۔"

"بجلی کی رو خود بخود ختم ہوگئی ہے۔ معلوم نہیں بجلی فیل ہوگئی ہے یا اس کی سپلائی میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ بہرحال کنسیلڈ وائرنگ کا سراغ لگا کر تار کاٹ دیے گئے ہیں لیکن ہمارے آدمیوں کو خواب گاہ یا باتھ روم میں کہیں بھی تہ خانے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔ ہمارے دو ماہر ایسے ہیں جو کمال مہارت سے خفیہ راستوں اور تہ خانوں کا سراغ لگا لیتے ہیں مگر وہ بھی ناکام ہو رہے ہیں۔"

"ان ماہرین کے نام بتاؤ؟"

اس نے نام بتائے۔ میں مریم کے پاس پہنچ گئی پھر اس کے ذریعے ان ماہرین تک پہنچ گئی۔ دونوں کے دماغوں میں جا کر تصدیق کی، وہ سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ؟ مجھے ان پر شبہ تھا۔ فرہاد کے بیان کے مطابق اس تہ خانے میں باتھ روم کے راستے سے پہنچا جاسکتا تھا۔

پتا چلا دونوں ماہرین سچ بول رہے تھے۔ کہیں بھی فرش کے نیچے خلا ہو تو وہ چند آلات کے ذریعے معلوم کرلیتے تھے۔

اور آلات بتارہے تھے کہ باتھ روم کے فرش کے نیچے کھوکھلا پن نہیں ہے۔ وہاں ٹھوس زمین ہے اور جہاں ٹھوس زمین ہو، وہاں تہ خانہ نہیں ہو سکتا۔

یہ بڑی عجیب بات تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ خفیہ زینہ اور تہ خانہ کہاں گم ہو گیا ہے؟ اب یہ بات پاتال دنیا میں پہنچ کر ہی معلوم کی جا سکتی تھی۔ میں نے فرہاد کو مخاطب کیا۔ اس نے پوچھا "کیوں آئی ہو؟ جاؤ۔ مجھے مرنے کے بعد سکون سے رہنے دو۔"

"فرہاد! تم زندہ ہو۔ تم پر تنویمی عمل کیا گیا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ تنویمی عمل کے ذریعے میرے اندر سے دشمنی کے جراثیم ختم کیے گئے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔ انسان کو کم از کم مرنے کے بعد کسی سے دشمنی نہیں کرنا چاہیے۔ میں یہاں ربی اسفندیار کے ساتھ بہت خوش ہوں۔"

میں سر پکڑ کے رہ گئی۔ وہ جانی دشمن کے ساتھ دوست بنا ہوا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ فرہاد جب ہوش میں تھا تو سوچنے میں زیادہ وقت برباد نہیں کرتا تھا۔ بڑی حاضر دماغی سے کام کرتا جاتا تھا۔ شیخ صاحب کے پاس بار بار جا کر مشورہ لینا اچھا نہیں لگتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر فیصلہ کیا اور ربی اسفندیار کے دماغ میں پہنچ گئی۔

ربی نے ایک گہری سانس لی پھر کہا "یار فرہاد! اب یہ مجھے پریشان کرنے آئی ہے۔ کیا سانس روک لوں؟"

فرہاد نے کہا "بے چاری سے دو باتیں کر لو۔ کبھی وہ تمہاری بڑی عقیدت مند تھی۔"

ربی نے مجھ سے کہا "میری بچی! میں پہلے فرہاد کا دشمن بن کر تمھیں نصیحت کرتا تھا۔ اب دوست بن کر سمجھاتا ہوں۔ جتنی جلدی ہو سکے مر جاؤ۔ اس فانی دنیا میں کیا رکھا ہے۔ تمہاری روح ہمارے پاس آ کر بڑے آرام سے رہے گی۔"

میں نے پوچھا "میری روح کس راستے سے آئے گی؟ لیڈی روزینہ کے باتھ روم کا خفیہ راستہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

"یہ لیڈی روزینہ کون ہے؟"

"وہی جس کی خواب گاہ سے گزر کر فرہاد وہاں پہنچا ہے۔"

اس نے فرہاد سے پوچھا "کیا تم کسی کی خواب گاہ سے گزر کر آئے ہو؟"

"ہاں! اس خواب گاہ کے باتھ روم میں ایک خفیہ زینہ تھا۔ زینے سے اتر کر تہ خانے میں پہنچا تو ایک سانپ نے ڈس لیا۔ اس کے بعد بھی زندہ رہا، بعد میں پتا چلا میں زندہ نہیں ہوں، صرف میری روح زندہ ہے۔"

میں نے کہا "اس باتھ روم کے نیچے ٹھوس زمین ہے۔"

"زمین ٹھوس ہی ہوتی ہے۔ اسے کھود کر قبر بنائی جاتی ہے۔"

"اچھی بات ہے میں بھی مرنے کے لیے وہاں کھدائی کراتی ہوں۔"

میں نے ریڈ پاور کے باس سے کہا "اس باتھ روم کی کھدائی کراؤ۔"

"فرہاد صاحب! یہ فوراً ہی ممکن نہیں ہے۔ کسی کے گھر میں زبردستی گھس کر وہاں فرش کی کھدائی کرنا غیر قانونی عمل ہے۔ ابھی مجھے ایک آدمی نے اطلاع دی ہے کہ پولیس والے لیڈی روزینہ کی رہائش گاہ میں پہنچ گئے ہیں۔ وہاں ہمارے آدمیوں کی موجودگی پر اعتراض کر رہے ہیں۔ آپ وہاں جا کر صورت حال سے بہتر طور پر واقف ہو سکیں گے۔"

میں پھر مریم کے پاس پہنچ گئی۔ پرسنل گارڈ پولیس افسر سے کہہ رہی تھی "ہم سب چشم دید گواہ ہیں۔ ہماری لیڈی دلھن بن کر مائیکل کے ساتھ خواب گاہ میں گئیں۔ اس کے بعد دونوں باہر نہیں آئے۔ ہم اس دروازے کو توڑ کر اندر گئے۔ وہ دونوں غائب تھے۔ باہر نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

افسر نے ناگواری سے پوچھا "کیا وہ جادو جانتے تھے، جو غائب ہو گئے؟ آخر بند کمرے سے کہاں جا سکتے ہیں؟"

"اس کمرے یا غسل خانے میں یقیناً کوئی تہ خانہ ہے۔ آپ یہاں کھدائی کرا سکتے ہیں۔"

"یہاں کی مالکہ سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔"

"مگر وہ تو زمین کے نیچے ہو گی۔"

"یہ سراسر بکواس ہے۔"

"آفیسر! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس رہائش گاہ میں کچھ لوگ گھس آئے ہیں؟"

"یہاں کے کسی گارڈ نے فون پر اطلاع دی تھی۔ یہ اطلاع درست نکلی۔ میں ان لوگوں کو حراست میں لے رہا ہوں۔"

میں نے سوچا سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا۔ اب ٹیڑھا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔ میں پولیس افسر کے دماغ پر قابض ہو گئی۔ اس نے سر جھٹکا کر سوچا، پھر کہا "تمہاری بات دل کو لگ رہی ہے۔ یہاں تہ خانہ ہو سکتا ہے۔ کدالیں منگواؤ۔ میں کھدائی کراؤں گا۔"

مسلح عورتیں خوش ہو گئیں۔ فوراً ہی کدالیں مہیا کی گئیں۔ چند سپاہیوں کے ساتھ ریڈ پاور کے آدمی بھی باتھ روم کے فرش کو کھودنے لگے۔ جہاں اتنے آدمی لگے ہوں، وہاں دیر نہیں لگتی۔ فرش کے چکنے ٹائیلز اکھڑنے لگے۔ ان کے نیچے سیمنٹ کا فرش تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اکھڑ گیا۔ خفیہ راستہ نظر آنے کی بڑی امیدیں تھیں مگر امیدوں پر پانی پھر رہا تھا۔ نیچے پتھریلی زمین تھی۔ وہ رہائش گاہ پہاڑی کے دامن میں بنائی گئی تھی۔ کدالوں کی ہر ضرب پر پتھر ٹوٹ رہے تھے۔ کھودنے والے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ کچھ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ میں پریشان ہو کر سوچ رہی تھی۔ آخر وہ تہ خانہ کہاں چلا گیا ہے؟

سپاہیوں نے کدال پھینکتے ہوئے کہا "یہاں تہ خانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ٹھوس پتھریلی زمین ہے۔"

میں نے افسر کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے چونک کر اپنے آس پاس دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کہاں آ گیا ہے۔ کیوں کہ جس باتھ روم کو اس نے پہلے دیکھا تھا، وہ کھنڈر بن گیا تھا۔ پھر یہ سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ پتا نہیں کتنی دیر تک غافل بنا رہا تھا۔

اس نے پریشان ہو کر پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ایک سپاہی نے کہا "آپ کے حکم کے مطابق ہم ایک گھنٹے سے کھود رہے ہیں، مگر یہاں تو..."

افسر نے بات کاٹ کر گرجتے ہوئے پوچھا "کس نے حکم دیا تھا؟"

"آپ نے..." سب باری باری یہی کہنے لگے۔

وہ غصے سے بولا "بکواس بند کرو۔ میں قانون کو سمجھتا ہوں۔ مکان کی مالکہ سے اجازت حاصل کیے بغیر کھودنے کا حکم کیسے دے سکتا ہوں..."

میں اسے الجھن میں چھوڑ کر لومی کے پاس پہنچ گئی۔ وہ لیوچن اور آنند کے ساتھ مین ہٹن پہنچ گئی تھی۔ وہ تینوں ایک ہوٹل کے کمرے میں تھے۔ آنند انھیں اپنے ایک شاندار بنگلے میں لے جانا چاہتا تھا، مگر لومی نے کہا "تمہارا کوئی بنگلا کوئی فارم ہماری پناہ گاہ نہیں بن سکتا۔ ہیرا سوامی کے تمام آدمی ہمیں گھیرنا چاہیں گے۔"

آنند نے کہا "سوامی جی موت کے جنگل میں ہیں۔ ان کے آدمی تمھیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"وہ پتا ہی نہیں چلنے دیں گے کہ ہیرا سوامی کے آدمی ہیں۔ میں دشمنوں کی چالبازیوں کو خوب سمجھتی ہوں۔"

لیوچن نے پوچھا "میرا کیا ہو گا؟ میرا بھائی مارا گیا۔ محبوب مارا گیا۔ گھر جاؤں گی تو میرے ماں باپ پر بھی آفت آئے گی۔ اگرچہ ماں باپ نے بھی مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی تاہم میں اپنی طرف سے ان پر کوئی مصیبت لانا نہیں چاہتی۔"

لومی نے کہا "آنند! تم بہت اچھے ہو۔ اس لڑکی کو ہر طرح تحفظ دو۔ مجھے دوسری جگہ مصروف رہنا ہے ورنہ میں اسے ساتھ لے جاتی۔"

آنند نے کہا "لیوچن کی فکر نہ کرو۔ میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس نے لیوچن کا ہاتھ تھام لیا۔ میں سمجھ رہی تھی، وہ اس لڑکی کو پسند کرنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ وہ بولی "تم میرا ساتھ دو گے تو ماں کے پاس کیسے جاؤ گے؟ اور جب تک نہیں جاؤ گے، تمہارے باپ کو اس بم سے نجات نہیں ملے گی۔"

"میں فون کے ذریعے اپنی خیریت کا یقین دلاؤں گا۔ پھر فرہاد صاحب بھی مجھے بخیریت دیکھیں گے تو سوامی جی کو نجات مل جائے گی۔"

لومی نے کہا "فرہاد میرے پاس آئیں گے تو انھیں ہمارے حالات کا علم ہو گا۔ تم فون پر رابطہ قائم کرو۔ میں جا رہی ہوں۔"

اس نے لیوچن سے رخصتی مصافحہ کیا۔ آنند ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ ہوٹل کا کوئی ملازم ہو سکتا تھا۔ آنند نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا "کم اِن۔"

کم اِن کا مطلب یہی لیا جا سکتا تھا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں ہے۔ آنے والوں نے اسے ایک دھڑاکے سے کھول دیا۔ تینوں نے چونک کر دیکھا۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ ایک نے کہا "ہم ہوٹل میں بڑے ہتھیار نہیں لا سکتے تھے۔ چھوٹے سے کام چل جائے گا۔"

کہنے والے نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ دوسرے نے دروازے کو بند کر دیا۔ ریوالور کا رخ لومی کی طرف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہمارے بھگوان ٹیلی پیتھی کے نشانے پر ہیں اور تم میرے نشانے پر۔ میں چیلنج کرتا ہوں، فرہاد میرے دماغ میں نہیں آ سکے گا۔ مگر تمہارے پاس رہ کر یہ بتا سکے گا کہ وہ تمھیں اس ریوالور کی گولیوں سے بچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔"

اس کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ یوگا کا ماہر ہے۔ میں نے فوراً ٹیلی پیتھی کی لہروں کو اس کے دماغ تک

نشر کیا۔ ایک پل کے لیے جگہ ملی پھر اس نے سانس روک لی۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ اس ایک پل میں شدید ذہنی جھٹکا پہنچایا جا سکتا تھا۔ مگر میں نے اسے آزمانا چاہا اور غلطی کر بیٹھی۔ وہ ہنستے ہوئے بولا "فرہاد! کیوں وقت ضائع کر رہے ہو، تم اسے بچا نہیں سکو گے۔ البتہ اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو سمجھا دو کہ یہ چپ چاپ ہمارے ساتھ چلے اور کوئی چالاکی دکھانے کی حماقت نہ کرے۔"

آنند نے کہا "تم لوگ سوامی جی کے آدمی ہو۔ یہ ضرور جانتے ہو گے کہ میں ماں نیلما داسی کا بیٹا ہوں۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے پومی کے سامنے ڈھال بن گیا۔ ریوالور والے نے کہا "ہم تمھیں اچھی طرح جانتے ہیں، سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

آنند نے سینہ تان کر کہا "کبھی نہیں۔ یہ دونوں میری پناہ میں ہیں، تم میری جان لے کر ہی انھیں لے جا سکو گے۔"

ریوالور والے نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آنند کو جبراً سامنے سے ہٹایا جائے۔ میں نے پومی سے کہا۔ "آنے والوں میں سے تم ایک کو سنبھالو۔ دوسرے کو آنند سنبھالے گا۔"

دو شخص اسے ہٹانے کے لیے تیزی سے آئے۔ میں نے آنند کے دماغ میں یہ بات پیدا کی کہ اسے ایک شخص سے لپٹ کر ریوالور والے کی طرف جانا چاہیے۔ آنند نے اس پر عمل کیا۔ اس سے پہلے ہی پومی نے پھرتی دکھائی، اس نے دوسرے شخص کو لات رسید کی، وہ سیدھا ریوالور والے کی طرف گیا۔ اپنے ہی ساتھی پر فائر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر پومی کا نشانہ لینا چاہا۔ یعنی وہ ایکشن میں تھا۔ فوراً ہی سانس نہیں روک سکتا تھا۔ زلزلہ پیدا کرنے کے لیے ایک پل کی مہلت کافی تھی۔ یکبارگی اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ ہاتھ سے ریوالور اچھل کر فضا میں بلند ہوا پھر جمناسٹک کے کرتب دکھانے والی نے ایک چھلانگ لگا کر اسے کیچ کر لیا۔

بازی پلٹ گئی تھی۔ مگر میں فرہاد اور سونیا کے لیے پریشان تھی۔ میرا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ لیڈی روزینہ کے باتھ روم کی کھدائی کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ پومی دشمنوں کے ایک محاصرے سے نکلتی تھی، دوسرے محاصرے میں رہ جاتی تھی۔ میں نے کہا "پومی! میں شیبا بول رہی ہوں۔ یہاں سے فوراً نکلو۔ میں ایک بری خبر سنانے والی ہوں۔"

پومی نے لیوجن اور آنند کو باہر نکال کر چاروں کو کمرے میں بند کر دیا۔ دروازے کو لاک کر کے بولی "شیبا! جلدی بتاؤ کیا بات ہے؟"

"تم کسی فلائنگ کلب کی طرف جاؤ۔ میں بتا رہی ہوں۔"

میں نے فرہاد اور سونیا کے مختصر حالات بتائے۔ میری بات ختم ہونے تک وہ لیوجن کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی تھی۔ آنند اپنی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ پومی نے پوچھا "تم نے اب تک مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی؟"

"میں اتنی مصروف رہی کہ بتانے کا وقت نہیں ملا۔ میری تمام تدبیریں ناکام ہو گئی ہیں۔ بتاؤ میں کیا کروں؟"

"سب سے پہلے ریڈ پاور کے باس سے کہو، وہ ہمارے لیے ہیلی کاپٹر روانہ کرے پھر تم سونیا کے دماغ میں زیادہ رہو۔ فرہاد اور ربی اسفندیار وغیرہ کے پاس نہ جانا، وہ تمھیں محسوس کر لیتے ہیں۔ تم چپ چاپ معلوم کرو آخر پاتال دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ اور اس کے پیچھے کون لوگ ہیں؟"

میں نے باس کو ہیلی کاپٹر بھیجنے کے لیے کہا، پھر پومی کو مخاطب کیا۔ اس نے پوچھا "تم ابھی تک میرے پاس ہو؟"

"میں جا رہی ہوں۔ تمھیں یہ بتا دوں کہ پاتال دنیا میں کچھ ایسے سائنسی آلات ہیں، جن کے ذریعے انسانی دماغ کو کمپیوٹر سسٹم کے مطابق بنایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک کمپیوٹر میں بے شمار یادداشتیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ اسی سسٹم کے مطابق ایک ہی انسان کے دماغ میں ایک ڈاکٹر کے تمام تجربات کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اسی دماغ میں ایک انجینئر، سائنسداں اور ٹیلی پیتھی جاننے والے کی تمام صلاحیتوں کو بھی محفوظ کیا جاتا ہے۔"

پومی نے پوچھا "یہ باتیں تمھیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

میں نے کہا "فرہاد وغیرہ کو جو آواز اپنے اندر سنائی دیتی ہے، اس آواز نے اعتراف کیا ہے کہ وہ پانچ بھائی بہنیں ہیں۔ جب وہ پانچوں فرہاد کی ٹیلی پیتھی کو اپنے دماغوں میں منتقل کرا لیں گے تب ان کے سامنے آجائیں گے۔ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کمپیوٹر سسٹم جیسی مخصوص تکنیک کے ذریعے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کرنے والے ہیں؟"

"اگر ایسا ہوا تو غضب ہو جائے گا۔ ٹیلی پیتھی کے میدان میں تمھارے اور فرہاد کے مقابل پانچ ایسے دشمن ہوں گے جو خیال خوانی میں اگر برتر نہ ہوئے تو کم تر بھی نہیں ہوں گے۔"

"آج نہیں تو کل ایسا ضرور ہو گا۔ ٹیلی پیتھی صرف میری اور فرہاد کی جاگیر نہیں ہے۔ جہاں اتنی سائنسی ایجادیں ہو رہی ہیں، وہاں ایسے سائنسی آلات بھی تیار ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں جو ایک اناڑی کے دماغ کو بھی ٹیلی پیتھی کا عامل بنا سکتے ہیں۔"

"خدا کے لیے تم سونیا کے پاس رہو۔ میں لیڈی روزینہ کے فارم جاؤں گی۔"

میں انھیں چھوڑ کر سونیا کے پاس آگئی۔ میں نے اسے آخری بار اسی روم میں دیکھا تھا، جہاں فرہاد ٹیلی پیتھی کے موضوع پر لیکچر دے رہا تھا اور جہاں ربی اسفندیار پہلی بار ایک روح کی حیثیت سے پہنچ گیا تھا۔ سونیا پاتال دنیا کے کوڈ ورڈ کے مطابق لوری سننے اپنے بستر پر گئی تھی۔ مجھ سے واقعی بھول ہو گئی، مجھے سونیا کے دماغ میں رہنا چاہیے تھا۔ وہ مجھے محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ نہ ہی تنویمی عمل کرنے والے کو میری موجودگی کے متعلق بتا سکتی تھی۔

میں اس کے پاس پہنچی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ کیا اسے پھر ہپناٹائز کیا گیا تھا کیا وہ تنویمی نیند سو رہی تھی؟

میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو پڑھا۔ اچانک ہی میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ وہ میری ہاری ہوئی بازی کو جیت میں بدلنے والی تھی۔ اس مکار کو ایک معمولی سا موقع ملا تھا اور وہ مکاری دکھا گئی تھی۔

وہاں کے دستور کے مطابق ہر فرد کو ہفتے میں ایک بار تنویمی عمل سے گزارا جاتا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو تنویمی عمل کا اثر زائل ہو جاتا۔ ہپناٹزم کے علم میں یہی ایک خرابی ہے، اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ جس وقت سونیا کو ہپناٹائز کرنے کے لیے بلایا گیا، وہ اس عمل کے پچھلے اثر سے نکل رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ آ رہا تھا اور کچھ نہیں آ رہا تھا۔ شاید اسی لیے وہ کلاس روم میں فرہاد سے طرح طرح کے سوالات کر رہی تھی۔

جب وہ کلاس روم سے باہر گئی تو اثر کچھ اور کم ہوا۔ اتنا سمجھ گئی کہ وہ پوری طرح ہوش میں نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے حالات کو اور ماحول کو سمجھنا چاہیے۔ وہ پاتال دنیا کے جس حصے سے گزر رہی تھی، وہاں اکا دکا عورتیں نظر آ رہی تھیں۔ ایک عورت چائے کی ٹرے اٹھائے سامنے سے آ رہی تھی۔ انھیں جبراً روح بنا دینے سے کیا ہوتا ہے، آخر وہ زندہ تھے، انھیں بھوک پیاس لگتی تھی۔ بہرحال وہ سامنے سے آنے والی عورت جانے کیسے لڑکھڑا گئی۔ توازن بگڑنے کا ٹرے سے چائے کی کیتلی پھسلتی ہوئی سونیا پر آگئی۔

چائے کا گرم پانی بدن پر پڑا تو جلن محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی دماغ روشن ہو گیا جیسے آنکھ کھل گئی ہو۔ خواب مٹ گئے ہوں اور یہ دنیا اپنی اصلی صورت میں نظر آ رہی ہو۔

ایک دم سے یاد آیا کہ وہ پاتال دنیا میں کیسے پہنچی تھی؟ اگر اُسے کچھ یاد آنے سے رہ جاتا تو میں اس کے اندر رہ کر بڑی حد تک دماغی توانائی پیدا کر سکتی تھی۔ اس کی یادداشت کے مطابق وہ بیس گھنٹے پہلے لیڈی روزینہ کی رہائش گاہ میں تھی۔ ریڈی میڈ میک اَپ کے ذریعے خود کو چھپائے رکھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اُس نے سوچا تھا، فرہاد کے دولھا بن کر آنے سے پہلے ہی لیڈی روزینہ کی خواب گاہ میں داخل ہو جائے گی۔ آخر وہ سونیا تھی، جو ارادہ کرتی تھی اس پر کامیابی سے عمل کرتی تھی۔

اس پُراسرار خواب گاہ میں صرف ایسے وقت بجلی کی رو راستہ روکتی تھی، جب لیڈی روزینہ اندر ہوتی تھی۔ خواب گاہ سے باہر جب وہ رہائش گاہ کے دوسرے حصوں میں رہتی تو دو عورتیں خواب گاہ کی صفائی کے لیے اندر جاتی تھیں۔ آخری بار سونیا ایک عورت کے ساتھ گئی تھی۔ وہ عورت ہمراز تھی۔ صفائی کے بعد باہر آگئی۔ سونیا اندر ہی رہی، پلنگ کے نیچے جا کر لیٹ گئی۔ دن کے وقت لیڈی روزینہ اپنی عادت کے مطابق سونے کے لیے خواب گاہ میں آئی۔ دروازے کو اندر سے بند کیا، وہ پلنگ کے نیچے سے دیکھ رہی تھی۔ کھڑکیوں اور دروازے پر بجلی کی رو دوڑنے لگی تھی۔ مگر جو بات تجسس میں مبتلا کرنے والی تھی، وہ یہ تھی کہ لیڈی روزینہ باتھ روم میں جانے کے بعد واپس نہیں آئی تھی۔

وہ دو گھنٹے تک انتظار کرتی رہی پھر پلنگ کے نیچے سے نکل آئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ باتھ روم میں جا کر سو گئی ہو۔ اس نے باتھ روم کے دروازے سے کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کی۔ مگر اندر گہری خاموشی تھی۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

پہلے اس نے جھانک کر دیکھا پھر حیرانی سے اندر آگئی۔ وہاں کی صفائی کے دوران جو باتھ روم نظر آیا تھا، اب وہ نہیں تھا۔ سامنے ہی ایک زینہ فرش کی تہ میں جاتا ہوا دکھائی دیا۔ بالکل وہی منظر تھا جسے بعد میں فرہاد نے دیکھا تھا۔ وہ زینے سے اُتر کر تہ خانے میں پہنچی۔ سامنے ذرا فاصلے پر ایک پلنگ نظر آیا جس پر لیڈی روزینہ سو رہی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ نہ دیکھ سکی۔ اچانک اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ ایک

سانپ نے اسے ڈس لیا تھا۔ یعنی فرہاد کو جو کچھ پیش آیا تھا، اس سے پہلے سونیا بھی ان حالات سے گزر چکی تھی۔ اسے بھی یہی محسوس ہوا تھا کہ سانپ کا زہر اسے ہلاک کر رہا ہے۔ وہ مر رہی ہے، مرتی جا رہی ہے اور شاید مر بھی چکی ہے۔

پھر نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ اسے زندگی کا احساس ہونے لگا۔ وہ کسی آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ کہاں تھی، کچھ پتا نہ تھا۔ ابھی آنکھیں بند تھیں مگر کان کچھ آوازیں سُن رہے تھے۔ ایک شخص کہہ رہا تھا "میں اب بھی سمجھا تا ہوں، اسے مار ڈالو۔ یہاں اس کی آمد ہماری موت کی آمد ہے۔"

ایک نسوانی آواز سنائی دی "تم تو بات بات پر ڈر جاتے ہو، بھلا یہ ہمیں کیسے نقصان پہنچائے گی۔ یہ ہمارے انجکشنوں کے ذریعے اپنی ذات سے غافل رہے گی۔"

لیڈی روزینہ کی آواز سنائی دی "جوجو! تم اپنے نام میں صرف ایک "جو" رکھو۔ کتنی بار سمجھایا ہے ایک لفظ کو دوبارا دا نہ کرو۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔"

جوجو نے کہا "میری عادت سے تمھیں کیا لینا ہے۔ کام کی بات کرو۔ میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، اب بھی یہی ضد ہے۔ میں سونیا کی طرح مکّار بنوں گی۔ اس کی تمام چالاکیاں اپنے دماغ میں منتقل کر دوں گی۔"

ایک مرد کی آواز سنائی دی "جوجو ہماری سب سے چھوٹی اور لاڈلی بہن ہے۔ ہم اس کی یہ خواہش ضرور پوری کریں گے۔ مگر ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں اس پر تنویمی عمل نہیں کروں گا۔ میری پیاری بہن جوجو تم اس کی نگرانی کرتی رہو گی۔ اور روزینہ تم ..... انجکشن لگا کر اس مکّار عورت کے دماغ کو فی الحال کمزور بنا کر رکھنا۔ اس کے سرہانے ٹیپ ریکارڈر رکھ دو۔ ریکارڈر سے میری آواز اس کے کانوں میں گونجتی رہے گی۔ اس کے کمزور دماغ کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتی رہے گی کہ یہ مر چکی ہے اور اب پاتال دنیا میں روح کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہے۔"

سونیا سُن رہی تھی۔ آنکھیں کھول کر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ہوش میں آگئی ہے۔ اس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کس طرح وہاں سے بچ کر نکلنا چاہیے۔ ان کی باتوں سے پتا چل رہا تھا، وہ کسی پاتال دنیا میں ہے اور وہاں رہنے والے خود کو زندہ نہیں سمجھتے ہیں۔ روحوں کی طرح ٹھنڈی اور پُرسکون زندگی گزارتے ہیں اور اب کسی انجکشن کے ذریعے اس کے دماغ میں بھی یہی باتیں نقش کی جائیں گی۔

انسانی دنیا میں سارا کھیل دماغ کا ہوتا ہے۔ دماغ کمزور ہو تو وہ دوسرے کی بات بغیر حیل و حجّت کے مان لیتا ہے۔ جسم خواہ کتنا ہی مضبوط ہو، دماغی کمزوری اس طاقتور کو غلام بنا دیتی ہے۔ اس وقت سونیا کے جسم میں زہر کا اثر باقی تھا۔ وہ خود کو بے حد کمزور محسوس کر رہی تھی۔ بستر سے اُٹھ کر کسی سے دو دو ہاتھ نہیں کر سکتی تھی۔ دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اس نے آنکھیں بند رکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر دماغ کمزور ہو تو ارادہ قائم نہیں رہتا۔ اس کی آنکھیں آپ ہی آپ کھل گئیں۔

وہ سب چُپ ہو گئے۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔ نبض کی رفتار محسوس کرنے لگا۔ وہ تعداد میں پانچ تھے، تین مرد اور دو عورتیں۔ ان میں سے ایک لیڈی روزینہ تھی اور دوسری جوجو....... اگرچہ جوان تھی مگر بچّی سی لگتی تھی۔ بڑے شوق سے سونیا کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے تصوّر میں خود سونیا بن رہی ہو۔

وہ سب ٹیلی پیتھی کے خوف سے خاموش ہو گئے تھے۔ جو نبض کی رفتار محسوس کر رہا تھا، اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوفناک سی تھیں مگر اُن آنکھوں میں زہریلی خاموشی اور ویرانی تھی، وہ خوفناک لگنے کے باوجود اپنی طرف کھینچ لیتی تھیں۔ ایسی ہی آنکھیں تنویمی عمل میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔

اس نے سونیا کے ہاتھ کو آہستگی سے بستر پر چھوڑ دیا۔ پھر کہا "افسوس، بے چاری مر گئی۔"

جوجو نے تڑپ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "نہیں، میں اسے مرنے نہیں دوں گی۔ بس سونیا، سونیا..."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایک بھائی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ خوفناک آنکھوں والے بھائی نے بڑے پیار سے کہا "پیاری بہن جوجو! ہم نے اچھی طرح سمجھایا ہے، جب تک سونیا یہاں رہے گی تم اپنی آواز نہیں سناؤ گی۔ ورنہ فرہاد تمھیں ٹریپ کر لے گا۔ وعدہ کرو، آئندہ گونگی بن کر رہو گی۔"

جوجو نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ بھائی نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ لیڈی روزینہ ایک سرنج میں دوا بھر کر لے آئی تھی۔ سونیا کسمسانے لگی۔ کمزوری اتنی تھی کہ نہ اُٹھ سکتی تھی نہ ہی زبان سے کچھ بول سکتی تھی۔ اس شخص نے کہا۔ "سونیا! تم مر چکی ہو۔ مردے حرکت نہیں کرتے۔ تم بھی ہل نہیں سکو گی۔"

انجکشن کی سوئی اس کے بازو میں پیوست ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی دماغ دُھواں دُھواں سا ہونے لگا۔ کانوں کے قریب ایک بھاری بھر کم سی آواز سرگوشیوں میں گونجنے لگی "تم مر چکی ہو۔ زندہ انسانوں کی دنیا سے تمھارا رشتہ کٹ چکا ہے۔ تم اس زیرِ زمین دنیا میں ہو جسے زندہ لوگ قبر کہتے ہیں مگر یہ نیک روحوں کا مسکن ہے..."

وہ کانوں میں چبھنے والی بھاری بھر کم آواز دل میں اُتر رہی تھی۔ دماغ پر چھا رہی تھی اور سونیا تاریکیوں میں ڈوبتی رہی تھی۔ وہ پھر ایک بار غافل ہو گئی۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد آنکھ کھلی۔ مگر وہی بھاری بھر کم آواز دل کو دھڑکا رہی تھی، موت کا یقین دلا رہی تھی اور وہ خود کو مردہ محسوس کر رہی تھی۔ دماغ تسلیم کر رہا تھا کہ وہ محض ایک روح بن کر رہ گئی ہے۔

ایسا تین چار بار ہوا۔ آنکھ کھلتی رہی۔ آوازیں دماغ پر نقش ہوتی رہیں۔ کبھی غافل ہوتی رہی۔ کبھی مدہوشی میں آنکھیں کھول کر دیکھتی رہی۔ آخری بار ہوش آیا تو اس نے جسمانی توانائی محسوس کی۔ شاید غفلت کے دوران انجکشن اور دواؤں کے ذریعے خوراک پہنچائی جاتی رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ مر چکی ہے اور اب روح کی حیثیت سے حرکت کر رہی ہے۔

وہ پانچ بھائی بہن کبھی کسی کے سامنے نہیں آتے تھے۔ پہلی بار سونیا کی بے ہوشی سے دھوکا کھا گئے۔ ان کے اندازے کے مطابق وہ اور کچھ دیر بعد ہوش میں آنے والی تھی۔ یہ اندازہ کرتے وقت وہ سونیا کی قوتِ ارادی اور اعصابی استحکام کو بھول گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے آنکھ کھول کر پانچوں بھائی بہنوں کی صورتیں دیکھ لیں۔ دماغی کمزوری کے باعث مکّاری کی صلاحیت نہ رکھتے ہوئے بھی اس نے خطرناک مکّاری دکھائی تھی۔ پاتال دنیا میں وہ پہلی عورت تھی جس نے ان پانچوں کو دیکھ لیا تھا۔ جب کہ فرہاد نے صرف لیڈی روزینہ کو دیکھا تھا۔

بہرحال یہ مکّاری بعد میں رنگ دکھانے والی تھی، لہٰذا یہ بعد کی بات ہے۔ ابھی سونیا کے خیالات پڑھنے سے یہ معلوم ہوا کہ پاتال دنیا میں رہنے والوں کو دو طرح سے دماغی طور پر کمزور بنایا جاتا ہے۔ ایک تو تنویمی عمل سے جیسے کہ فرہاد کیا جاتا رہا۔ دوسرے دواؤں کے ذریعے جیسا کہ سونیا کے دماغ کو تسخیر کیا گیا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ سونیا سے خوفزدہ تھے، اُسے مار ڈالنا چاہتے تھے۔ مگر چھوٹی بہن جوجو کو اس کی طرح مکّار بنانے کے لیے زندہ رکھا گیا تھا۔ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا تھا کہ ایک فرد کے دماغ کی مخصوص.... صلاحیتوں کو دوسرے کے دماغ میں کیسے منتقل کیا جاتا ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہاں کے لوگوں کو ہپناٹائز کرنے والا وہی ایک بڑا بھائی تھا جس کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوفناک سی تھیں۔ مگر ان آنکھوں میں زہریلی خاموشی اور ویرانی رہتی تھی۔ وہ پاتال دنیا کے اہم افراد کو یکے بعد دیگرے اپنا معمول بنانے میں اتنا مصروف رہتا تھا کہ پچھلے بیس گھنٹوں سے سونیا پر تنویمی عمل کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے دماغ کو انجکشنوں کے ذریعے کمزور بنایا گیا تھا اور مسلسل کانوں میں بجنے والی آواز نے خود کو روح تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

مگر انجکشنوں کا عارضی اثر ختم ہو چکا تھا۔ بدن پر گرم چائے گرنے کے باعث وہ ایسے چونک گئی تھی جیسے خواب میں چلنے والے کو سگریٹ کی ننھی سی آگ سے جرکا دے کر بیدار کر دیا گیا ہو۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور اس نے عزم کر لیا تھا کہ اب کوئی یہ کھیل نہیں کھیل سکے گا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں جا کر بستر پر لیٹنے کے بعد اس کے بازو میں انجکشن لگایا جاتا تھا۔ لیکن کمرے

کا دروازہ مقفل تھا پھر وہی مانوس آواز سنائی دی "سونیا! آپریشن روم میں آجاؤ۔ تمھیں دوسری لوری سنائی جائے گی۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کوئی بھی روح سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتی تھی' فوراً حکم کی تعمیل کرتی تھی۔ وہ بھی آپریشن روم تک جاتے ہوئے سوچنے لگی۔ 'میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ کیا انھیں مجھ پر شبہ ہو گیا ہے؟'

آپریشن روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر قدم رکھتے ہوئے دیکھا، کمرے کے وسط میں ایک اسپتالی بستر تھا' سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ وہی آواز سنائی دی "بستر پر آرام سے لیٹ جاؤ۔"

وہ بستر کے سرے پر بیٹھ گئی۔ پھر جوتے اتار کر لیٹ گئی۔ وہ ظاہر کر رہی تھی کہ ابھی تک دواؤں کے زیر اثر ہے اور معمولہ بن کر تمام احکامات کی تعمیل کر رہی ہے۔ کمرے میں اور کوئی سامان نہیں تھا۔ وہ سمجھ گئی' دوسری لوری سنانے کا مطلب تنویمی عمل کرنا تھا۔ پہلی لوری وہ تھی جب اسے انجکشن دینے کے بعد کانوں کے قریب مخصوص باتیں سمجھائی جاتی تھیں اور ان باتوں کو تسلیم کر کے وہ خود کو روح سمجھنے لگی تھی۔

کمرے میں چار بلب روشن تھے۔ وہ ایک ایک کر کے بجھ گئے۔ باہر سے آنے والی ہلکی روشنی میں ایک قد آور شخص کمرے میں آیا۔ اس نے دروازے کو بند کیا۔ گہری تاریکی چھا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے میں پلنگ کے سرہانے والا دائرہ نما بیڈ لیمپ روشن ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا پلنگ کے قریب آیا، پھر اس کا چہرہ روشنی کے دائرے میں آتے ہی سونیا چونک گئی۔

وہ ربی اسفندیار تھا۔

اس نے گونجتی ہوئی سرگوشی میں کہا "میری بچی! میں کل دشمن تھا' آج دوست ہوں۔ میں نہیں جانتا پہلے یہاں کون تنویمی عمل کرتا تھا۔ میرے اندر سے ابھرنے والی آواز نے حکم دیا ہے، میں تم پر عمل کروں اور تمھیں روحانی جذبات سے مالا مال کر دوں۔"

سونیا نے سوچا: کیا یہ پھر دوست بن کر دشمنی کرے گا؟

میں نے کہا "سونیا! میں شیبا بول رہی ہوں۔ میں فرہاد اور ربی کے دماغوں میں جاتی ہوں تو وہ مجھے محسوس کر لیتے ہیں۔ تنویمی عمل کے دوران وہ اپنے عامل کو کہہ سکتے ہیں کہ میں دماغ میں موجود ہوں۔"

سونیا نے پوچھا "کیا ربی کے دماغ کو بھی تسخیر کیا گیا ہے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ ربی بہت زبردست عامل رہ چکے ہیں۔ پانچ بھائی بہنوں نے انھیں بھی تسخیر کر کے تم لوگوں کی طرح معمول بنایا ہوگا، یہ بات دل کو نہیں لگتی۔ میں ان کے دماغ میں رہ کر چور خیالات نہیں پڑھ سکوں گی۔"

ربی اسفندیار نے گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے سونیا کو دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا تم شیبا سے باتیں کر رہی ہو؟"

"نہیں۔ میں سوچ رہی ہوں' ہم دنیا میں ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ مرنے کے بعد ایک ہی جگہ رہنے پر مجبور ہیں۔"

"تم شیبا سے باتیں کر رہی تھیں۔ جھوٹ نہ بولو۔"

"روحیں جھوٹ نہیں بولتیں۔ اور روحیں کسی پر شبہ نہیں کرتیں، اگر تم خود کو روح کہتے ہو تو مجھ پر اعتماد کرو۔"

"میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ شیبا پر نہیں کر سکتا۔ وہ زندہ لوگوں میں ہے اور ہمیں دھوکا دے سکتی ہے۔ تمھارے دماغ میں ہو سکتی ہے۔ تم سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کرتی ہو۔"

"یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ میرے دماغ میں ہے یا نہیں؟"

"ہم روحوں کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ میں ابھی حقیقت معلوم کر لوں گا۔"

ربی نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا، پھر کہا "میرے پیارے دوست' یہاں آؤ اور میری مدد کرو۔"

کمرے کا دروازہ کھلا کوئی اندر آیا۔ پھر دروازہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا پلنگ کے پاس آیا۔ جب وہ ربی کے قریب دائرہ نما روشنی میں پہنچا تو سونیا پھر ایک بار چونک گئی۔ وہ فرہاد تھا۔

ربی نے کہا "میرے دوست فرہاد! میں تمھاری سونیا کو مکمل روح بنا رہا ہوں۔ مگر میرے عمل کے دوران شیبا مداخلت کر سکتی ہے۔"

"ہاں کر سکتی ہے۔"

"تم اسے سونیا کے پاس آنے سے روک دو۔"

"اگر وہ سونیا کے دماغ میں نہ ہو تو؟"

"وہ جہاں بھی ہو تم اس کے دماغ میں رہو۔ جب بھی وہ سونیا کے پاس آنا چاہے، مجھے بتا دو۔"

سونیا نے سوچ کے ذریعے مجھ سے کہا "شیبا! فوراً یہاں سے جاؤ' میری فکر نہ کرو۔ فرہاد کو باتوں میں الجھاتی رہو۔ وہ میرے دماغ میں نہ آنے پائے۔"

میں اپنی جگہ حاضر ہو گئی۔ چند ساعتوں کے بعد ہی فرہاد نے مخاطب کیا۔ میں نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا "اوہ فرہاد! آخر تمھیں میری یاد آ گئی۔"

"میں مُردہ ہوں۔ کسی زندہ ساتھی کو یاد نہیں کر سکتا۔"

میں نے پوچھا "کیا روحیں زندہ انسان کے دماغ میں آکر باتیں کر سکتی ہیں؟"

"اپنی ساتھی روحوں کی حفاظت کی خاطر روحیں دنیا میں آسکتی ہیں۔ سچ بتاؤ' کیا ابھی تم سونیا کے پاس تھیں؟"

"میں گھنٹے بھر سے اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوں آخر بات کیا ہے؟"

"میں تمھیں سمجھانے آیا ہوں' سونیا کے پاس نہ جاؤ۔"

"کیوں نہ جاؤں؟"

"میرا دوست ربی اس پر تنویمی عمل کر رہا ہے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "فرہاد! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ تم نے ربی کی سازشوں سے مجھے نجات دلائی تھی۔ اس کے برعکس سونیا کو اس کے دام میں لا رہے ہو۔ اپنی سونیا کو دشمن کی معمولہ بنا رہے ہو۔"

"میں پہلے کہہ چکا ہوں' اب وہ دنیاوی ربی نہیں رہا۔ میرا بہترین یار بن گیا ہے۔ آج کے بعد سونیا بھی مکمل روح بن جائے گی۔ پھر ہم تینوں ہنسی خوشی پاتال دنیا میں رہیں گے۔ تمھیں بھی ہمارے پاس آنا چاہیے۔"

"فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے سونیا کے پاس جانے دو۔"

"ہرگز نہیں۔ جب تک تنویمی عمل پورا نہیں ہوگا میں تمھارے پاس رہوں گا۔"

"اگر میں پومی کے پاس جانا چاہوں؟"

"تم آدھے گھنٹے تک کہیں نہیں جاؤ گی۔ ایک ذرا خیال خوانی نہیں کرو گی۔"

"اچھی زبردستی ہے۔ چلو یہ بتاؤ' تمھارے اندر کون بولتا ہے؟"

"وہ بھی میرا دوست بن گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تمھاری اس سے ملاقات ہو گئی ہے؟"

"ابھی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔"

"پھر دوستی کیسے ہو گئی؟"

"خیال خوانی کے ذریعے۔"

"یعنی تم اس کے دماغ میں گئے تھے؟"

"میں نہیں گیا تھا۔ ایک مشین کے ذریعے میری ٹیلی پیتھی کی تمام صلاحیتیں اس کے دماغ میں منتقل ہو گئی ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے شدید حیرانی سے پوچھا "یہ کیسے ہو گیا؟ پلیز مجھے بتاؤ۔ ایک کی صلاحیتیں دوسرے کے دماغ میں کیسے منتقل ہو سکتی ہیں؟"

"کیا اس بات کو سمجھتی ہو کہ ایک کمپیوٹر کی تمام یادداشتیں حاصل کر کے دوسرے کمپیوٹر میں ڈال دی جاتی ہیں۔ اسی طرح دوسرا کمپیوٹر پہلے کی طرح کام کرنے لگتا ہے۔"

"کیا جس دماغ کی بات کر رہے ہو' اس میں دی کلر کی طرح کمپیوٹر لگا ہوا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میرا دوست ایک عام انسان کی طرح دماغ رکھتا ہے۔ میری بات کو سمجھنے کے لیے اس حقیقت کو ماننا ہوگا کہ کمپیوٹر سے زیادہ انسانی دماغ پیچیدہ ہے۔ ہمارے ایک سائنسداں نے اس پیچیدگی کو بڑی حد تک سمجھ لیا ہے۔ اس نے دماغ کے ذرّہ برابر مختلف خانوں کا حساب کر کے یہ عملی تجربہ کیا ہے کہ ایک دماغ کی کوئی خاص بات دوسرے دماغ کے کسی ننھے سے خانے میں کس طرح نقش کی جا سکتی ہے۔ جس طرح کمپیوٹر کا گراف نہیں مٹ سکتا اسی طرح سائنسداں نے دماغ کے اندر جو گراف بنا کر جو باتیں بٹھائی ہیں، وہ کبھی نہیں مٹ سکیں گی۔"

"تمھاری باتوں سے پتا چلتا ہے کہ تمھیں اور اُس شخص کو کسی ایک مشین سے منسلک کیا گیا ہوگا۔"

"ہاں کچھ ایسی ہی تکنیک تھی۔ ہمارے درمیان ایک مشین تھی۔ میں اور میرا دوست مختلف تاروں کے ذریعے مشین سے منسلک تھے۔ اس پر رکھے ہوئے ٹی وی اسکرین پر انسانی دماغ کی واضح تصویر نظر آ رہی تھی' دماغ پر ننھے ننھے سے گراف بنے ہوئے تھے۔ میری سوچ کی لہریں آڑی ترچھی لکیروں کی صورت میں دائیں سے بائیں گزر رہی تھیں اور دماغ کے مختلف گراف لائنوں اور خانوں میں جگہ بنا رہی تھیں۔"

"فرہاد! کیا تم کوئی سائنس فکشن سنا رہے ہو؟"

"روحیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔ یاد ہے، جب میں زندہ تھا اور تم مادام کمپیوٹر کے روپ میں پُراسرار بنی ہوئی تھیں تو میری داستان کا موضوع کیا تھا؟"

"ان دنوں تم داستان گوئی کے ذریعے دہشت گردی کی پیش گوئی کر رہے تھے۔"

"میری داستان کے اس حصّے کو پڑھ کر کتنے لوگوں نے یقین کیا ہوگا کہ عنقریب پاکستان میں دہشت گردی عروج پر ہوگی، کراچی کو بیروت بنایا جائے گا اور پشاور میں آئے دن لرزہ خیز دھماکوں سے قانون کا مذاق اڑایا جائے گا؟"

میں خاموشی سے سن رہی تھی۔ فرہاد نے کہا "ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے الف لیلیٰ کے مصنف نے اپنی کہانی کے کرداروں کو جادوئی شطرنجی پر بٹھا کر فضائی سفر کرایا تھا۔ چاند پر انسان کے

قدم رکھنے سے بہت پہلے کتنے ہی مصنفوں نے اپنے کرداروں کو چاند پر پہنچایا تھا۔ ہماری دنیا کے بیشتر مصنف دانستہ یا نادانستہ اپنی آپ بیتی میں اپنے حالات پیش کرنے کے ساتھ مستقبل کی پیشگوئی بھی کرتے ہیں۔ آج میری یہ بات شاید مضحکہ خیز ہو مگر آنے والا وقت ثابت کردے گا کہ ایک شخص کی صلاحیت دوسرے شخص کے دماغ میں کمپیوٹر سسٹم کے مطابق منتقل کی جاسکتی ہے۔"

میں نے اس کی باتیں سنتے ہوئے گھڑی دیکھی۔ سونیا نے کہا تھا کہ میں فرہاد کو باتوں میں الجھائے رکھوں۔ وہ یقیناً ربّی کی لاعلمی میں کوئی چال چل رہی ہوگی۔ آدھا گھنٹا گزر چکا تھا۔ میں تجسس میں مبتلا تھی۔ سونیا کے حالات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ فرہاد نے مجھ سے پوچھا۔ "اے تم بار بار گھڑی کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"میں پومی کے لیے پریشان ہوں۔ اس کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

"ذرا انتظار کرو۔ میں ربّی سے پوچھ کر آتا ہوں۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ "نہیں فرہاد! مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ وہاں تنویمی عمل جاری رہنے دو۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "ابھی تم تنویمی عمل کے خلاف تھیں، اب اسے جاری رکھنے کو کہہ رہی ہو۔ کیسی عجیب بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔"

"تم کچھ چھپا رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔ ورنہ میں تمھارے چور خیالات بھی پڑھ سکتا ہوں اور سونیا کے دماغ میں بھی جاکر سچ معلوم کرسکتا ہوں۔"

میں مشکل میں پڑگئی۔ اس نے میری گھبراہٹ کو محسوس کرتے ہی کہا۔ "میں ابھی سونیا کے پاس۔۔۔!"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں نے چیخ کر کہا۔ "نہیں، اس کے پاس نہ جاؤ۔ تمھیں سونیا کی محبتوں اور قربانیوں کی قسم ہے، اس سے دشمنی نہ کرو۔"

یہ کہتے ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ فرہاد میرے دماغ سے جاچکا تھا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ ربّی سے پوچھ رہا تھا۔ "کیا تم نے عمل ختم کرلیا؟"

ربّی نے کہا۔ "ہاں۔ میں نے اسے معمولہ بنانے اور اس کے دماغ میں روحانی جذبات نقش کرنے کے بعد تنویمی نیند سلا دیا ہے لیکن میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔ تم اس کے دماغ میں جاکر معلوم کرو کہ کیا واقعی یہ تنویمی نیند میں ڈوب چکی ہے؟"

فرہاد نے مجھ سے کہا۔ "شیبا! میرے دماغ سے جاؤ۔ میں سونیا کے پاس جارہا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میں تمھیں پہلی اور آخری بار سمجھا رہی ہوں۔ اس کے دماغ میں نہ جاؤ۔"

اس نے بات نہ مانی۔ خیال خوانی کی پرواز کی مگر اس سے پہلے کہ وہ سونیا کے دماغ تک پہنچتا، میں نے اچانک ہی اسے ایک دماغی جھٹکا پہنچایا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا لیکن گرنے سے پہلے ہی ربّی نے اسے سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

فرہاد نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔ "میں دنیا میں دشمنوں کو دماغی اذیتیں دیتا تھا۔ آج مرنے کے بعد شیبا نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔"

میں اپنے اس سلوک پر پچھتا رہی تھی۔ مجھے رونا آرہا تھا۔ میں نے بڑی ندامت سے کہا۔ "فرہاد! مجھے معاف کردو۔ میں سونیا کی حفاظت کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہوں۔ فار گاڈ سیک اسے تنویمی نیند میں رہنے دو۔"

فرہاد نے بلند آواز سے کہا۔ "شیبا! ہم روحیں ٹھنڈا مزاج رکھتی ہیں۔ میں جواباً تم سے دشمنی نہیں کروں گا مگر تم یہاں سے چلی جاؤ۔"

ربّی نے کہا۔ "فرہاد! تم سونیا کو مکمل روح بنانے کے لیے زندہ انسانوں کو جواباً سزا دے سکتے ہو۔"

ربی کی بات ختم ہوتے ہی وہی بھاری بھرکم آواز کسی اسپیکر کے ذریعے سنائی دی۔ "فرہاد! میں تمھیں حکم دیتا ہوں، سونیا کے دماغ میں جاؤ۔ کوئی رکاوٹ بنے تو دشمن بن جاؤ۔"

میں نے کہا۔ "نہیں، تم مجھ سے اور سونیا سے دشمنی نہیں کرسکتے۔ میری بات مان لو فرہاد۔"

اسپیکر سے آواز آئی۔ "مان لو فرہاد! سونیا کے پاس جانے کی زحمت نہ کرو۔ آخر میں نے کس دن کے لیے تمھاری صلاحیتیں اپنے دماغ میں منتقل کرائی ہیں۔"

یہ سنتے ہی میں نے اس بولنے والے کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ مجھے معلوم تھا، وہ سانس روک لے گا لیکن روکنے سے پہلے میں نے جھٹکا پہنچا دیا۔ اس کے حلق سے کراہ اور زبان سے گالی نکلی۔ اس نے جھنجلاتے ہوئے اسپیکر کے ذریعے کہا۔ "فرہاد! شیبا نے مجھے مینٹل شاک پہنچایا۔ میں حکم دیتا ہوں، جوابی کارروائی کرو۔"

میں نے سانس روک لی۔ بابا صاحب کے ادارے میں رہ کر میں صحت مند بھی ہوگئی تھی اور چند سیکنڈ تک بہ آسانی سانس روکنے لگی تھی۔ فرہاد کو پہلی بار ناکامی ہوئی۔ اس کی سوچ کی لہریں واپس گئیں مگر میں اس کے بعد سانس نہیں روک سکتی تھی۔ اچانک ہی میرے دماغ کو ایسا شدید جھٹکا لگا کہ ہوش اڑ گئے۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ میں تکلیف سے کراہتے ہوئے بڑبڑائی۔ "ہائے فرہاد! دشمن ہمیں اس مقام تک لے آئے ہیں جہاں ہم ٹیلی پیتھی کے خطرناک ہتھیار کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کررہے ہیں۔ خدا کے لیے سونیا کے پاس نہ جاؤ۔"

مگر وہ جاچکا تھا۔ میں چند سیکنڈ تک خیال خوانی نہ کرسکی پھر سونیا کے پاس پہنچی تو فرہاد ربّی سے کہہ رہا تھا۔ "میرے دوست! سونیا نے تمھیں دھوکا دیا ہے۔ تمھارے ہپناٹائز کرنے کے دوران یہ ٹرانس میں نہیں آئی تھی۔"

ربّی نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔ میری آنکھوں میں اتنی کشش ہے کہ یہ اپنی آنکھیں میری آنکھوں سے ہٹا نہیں سکی تھی۔ میری آواز اور میرے طریقۂ کار سے متاثر ہورہی تھی۔ پھر کس بات نے اسے معمولہ بننے سے روک دیا؟"

فرہاد نے کہا۔ "اس مکار نے ایک معمولی سی حرکت کی۔ تمھارے عمل کے دوران اس کے دونوں ہاتھ سیدھے بستر پر رکھے ہوئے تھے اور جسم سے لگے ہوئے تھے۔ یہ چپکے چپکے اپنے بدن کو نوچتی رہی۔ جب معمولہ بننے والی آرام سے نہ ہو اور جسمانی تکلیف پہنچ رہی ہو تو وہ ٹرانس میں کیسے آسکتی ہے؟"

سونیا بستر پر یوں اٹھ کر بیٹھ گئی جیسے مردہ زندہ ہو گیا ہو۔ اس نے کہا۔ "ٹھیک کہتے ہو فرہاد! یہ تمھارے دوست ربی کی بدقسمتی ہے۔ اس نے آج سے پہلے بھی تل ابیب میں مجھ پر تنویمی عمل کیا تھا اور ناکام رہا تھا۔ تم اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہو۔ پھر بھی سمجھاتی ہوں، یہ ربی اسفندیار ان پانچ بھائی بہنوں سے گٹھ جوڑ کرکے یہاں آیا ہے۔"

ربّی نے کہا۔ "یہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

سونیا نے بستر پر سے اچھل کر ایک ہاتھ رسید کیا۔ وہ مار کھا کر پیچھے گیا۔ فرہاد نے آگے آکر کہا۔ "سونیا! میں تمھیں وارننگ دیتا ہوں، میرے دوست کی آواز نے مجھے دشمنی کی اجازت دے دی ہے۔ مجھے مجبور نہ کرو، ورنہ شیبا کی طرح تمھیں بھی سزا دوں گا۔"

سونیا بولی۔ "اب یہ وقت آگیا ہے کہ فرہاد مجھے وارننگ دے رہا ہے۔ ایسی نادانی سے باز آؤ۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔ جب ہمارے ہاتھ ملتے ہیں تو دشمنوں پر برا وقت آتا ہے۔ کوئی دیوار ہمارا راستہ نہیں روک سکتی۔ ہمیں ابھی پاتال دنیا سے نکلنا ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ ہاتھ تھامنے کے لیے آگے بڑھی۔ اسپیکر سے آواز آئی۔ "فرہاد میرے دوست! اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ اس کی ایسی پٹائی کرو کہ یہ زمین سے نہ اٹھ سکے۔"

یہ سنتے ہی فرہاد کا ہاتھ چل گیا۔ سونیا مار کھا کر اچھلی۔ پھر ایک طرف دونوں پاؤں جما کر کھڑی ہوگئی۔ دوسری بار فرہاد نے حملہ کیا۔ وہ ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف لے جانے لگی مگر وہ پاتال دنیا سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے بھی سونیا کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی ایک داؤ استعمال کیا۔ وہ الٹ کر فرش پر گری۔ لڑھکتی ہوئی ذرا دور گئی۔ پھر اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اسے تنبیہہ کے انداز میں انگلی دکھاتے ہوئے بولی۔ "میں آخری بار سمجھاتی ہوں۔ ذرا سوچو، ایک عورت سے لڑ کر جیتنا چاہو گے تو مردانگی نہ ہوگی اور شکست کھا گئے تو دنیا ہنسے گی کہ ایک عورت سے مار کھا گئے۔"

"میں تم سے ہارنا چاہتا ہوں نہ جیتنا۔ صرف اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"اور میں تمھیں یہاں سے لے جانا چاہتی ہوں۔"

فرہاد نے ایک گھونسا منہ پر رسید کیا۔ اس کے بعد دوسرا اور تیسرا گھونسا مارتے ہوئے پچھلی دیوار تک لے گیا۔ پھر ٹھوڑی کے نیچے گلا دباتے ہوئے اُسے دیوار سے لگا دیا۔ سونیا کا چہرہ غصّے سے تمتما رہا تھا۔ دیدے پھیل گئے تھے۔ ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا جو اس کا اپنا فرہاد بہا رہا تھا۔

میں دم سادھے خیال خوانی کے ذریعے دیکھ رہی تھی۔ سونیا کی غرّاتی ہوئی آنکھوں سے ظاہر تھا، وہ اگلے کسی بھی لمحے میں زندگی اور موت کی جنگ شروع کرنے والی تھی۔ سونیا اور فرہاد کی محبّت کی داستان ایک خطرناک موڑ اختیار کرنے والی تھی۔

محبت میں ایسی گھڑیاں بھی آتی ہیں کہ جس کی چاہت میں جان قربان کی جائے وہی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ وہ فرہاد کی سب سے پہلی محبت تھی اور وہی آخری محبت ہو گی۔ بابا فرید واسطی مرحوم نے اپنی زندگی میں پیشین گوئی کی تھی کی آخری سانسوں میں صرف سونیا ہی ساتھ رہے گی۔

اور وہ اسی سونیا کو مار رہا تھا جیسے مار ڈالنا چاہتا ہو۔ میں سونیا کے دماغ میں تھی۔ اس سے پوچھ رہی تھی "بتاؤ میں کیا کروں؟"

"تم میرے پاس رہو اور چپ چاپ تماشا دیکھتی رہو۔"

"نہیں سونیا! میں کس دل سے دیکھوں۔ تمھاری ناک اور منہ سے خون بہہ رہا ہے۔ یہ تمھیں مار ڈالے گا۔"

"ہم لڑنے والے ٹریننگ حاصل کرتے وقت پہلے مار کھانے اور ظلم برداشت کرنے کی عادت ڈالتے ہیں پھر مارنا سیکھتے ہیں۔ ابھی میں سوچ رہی ہوں کس دل سے فرہاد پہ ہاتھ اٹھاؤں۔"

"میں نے تمھاری خاطر فرہاد کو ذہنی جھٹکا پہنچایا تھا۔ محبت اپنی جگہ ہے۔ تمھیں بھی جوابی کارروائی کرنا چاہیے۔"

پھر میں نے فرہاد سے کہا "کچھ تو خیال کرو۔ سونیا کا گلا دبا رہے ہو۔ اس کا دم گھٹ رہا ہے۔"

اس نے گرفت ذرا ڈھیلی کی پھر پوچھا "بولو، میرے دوست ربی کی معمولہ بنو گی یا نہیں؟"

"یہ مجھے معمولہ بنا کر روح بنانا چاہتا ہے۔ جب کہ میں زندہ ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ مر جاؤں؟"

"ہاں میں چاہتا ہوں تم مر جاؤ۔ اس کے بعد میرے پاس رہو۔"

"فرہاد! میری طرح تم بھی زندہ ہو۔ میری بات کا یقین کرو۔ وہ پانچوں بھائی بہن اس زیرِ زمین حصے میں کہیں سے آتے ہیں۔ اُن کے آنے جانے کا راستہ یہیں کہیں ہے۔ پلیز میرے ساتھ چلو۔"

وہی بھاری بھرکم آواز سنائی دی "فرہاد! یہ بہت مکار ہے۔ تمھیں باتوں میں بہلا رہی ہے۔ میں تمھاری صلاحیتوں کو آزمانا چاہتا ہوں۔ دو منٹ کے اندر اسے تنویمی عمل کے بستر پر پہنچا دو۔"

یہ سنتے ہی اس نے سونیا کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا پھر اُسے ایک جھٹکے سے اُٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ اسی بستر پر اسے پہنچانا چاہتا تھا لیکن بستر کے قریب پہنچتے ہی سونیا نے دونوں ہاتھوں اور پیروں سے اس کے جسم کو جکڑ لیا پھر پوچھا "کیا تم نے اسی طرح گلے لگنے کے لیے اُٹھایا ہے؟"

وہ بستر پر جھکتے ہوئے بولا "چلو لیٹ جاؤ۔"

"میں لپٹی ہوں۔ خود کو چھڑالو تو لیٹ جاؤں گی۔"

وہ اس کے بوجھ سے بستر پر گر پڑا تھا۔ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بے شمار ہاتھ پاؤں والے آکٹوپس کی طرح چمٹی ہوئی تھی۔ دور کھڑا ہوا ربی اسفند یار نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے بولی "کیا دو ہنسوں کے جوڑے پر تنویمی عمل کر سکتے ہو؟"

ربی اسے گھورتے ہوئے ہونٹ بھینچنے لگا۔ سونیا کو اس کے دماغ کے اندر وہی بھاری بھرکم آواز سنائی دی "سونیا! تمھیں ... ہو، فرہاد کی صلاحیتیں مجھ میں منتقل ہو گئی ہیں۔ اگر تم سیدھی طرح معمولہ بننے پر آمادہ نہ ہوئیں تو میں دماغی جھٹکے پہنچاؤں گا۔"

میں نے کہا "یہ مت بھولو کہ سونیا کی حفاظت کے لیے میں بھی اسی دماغ میں موجود ہوں۔"

"پہلے تم نے اچانک دماغ میں آ کر مجھے اذیت میں مبتلا کیا تھا۔ اب میں سانس روک لوں گا۔"

"کیا ہمیشہ کے لیے روک لو گے؟ میں تمھارے پیچھے پڑ جاؤں گی۔ جب بھی سانس لو گے، میں اندر پہنچ جاؤں گی۔"

وہ چپ رہا۔ شاید سونیا کے دماغ سے جا چکا تھا۔ اُدھر فرہاد نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ سر کو جھٹکے دے رہا تھا۔ پھر بھی اسے تنویمی عمل کے بستر پر تنہا رہنا منظور نہ تھا۔ وہ اس سے لپٹی ہوئی لڑھکتی ہوئی پلنگ پر سے فرش پر گری۔ ایسی صورت میں وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ فرہاد نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنا چاہا۔ وہ لڑھکتی ہوئی پلنگ کے نیچے چلی گئی۔

"اسے باہر آؤ۔"

"نہیں آؤں گی۔"

"کیا تم مجھ سے جیت سکو گی؟"

"کیا تم بھول گئے کہ آج تک سونیا پر کوئی قابو نہ پا سکا۔"

"میں فرہاد ہوں۔"

"فرہاد ہو مگر مردہ ہو اور سونیا کو ابھی مردہ بننے کا شوق نہیں ہے۔"

وہ رینگتا ہوا پلنگ کے نیچے آیا۔ وہ لڑھکتی ہوئی دوسری طرف نکل کر کھڑی ہو گئی۔ فرہاد نیچے سے آنے لگا تو وہ دوڑتی ہوئی دروازے تک پہنچ گئی۔ پھر بولی "ربی اسفند یار! گواہ رہنا میں نے اپنے محبوب پر ایک ذرا ہاتھ نہیں اٹھایا اور میں اسے ساتھ چلنے کو نہیں کہوں گی۔ یہ خود ہی میرے پیچھے آئے گا۔ میں اسے اس پاتال دنیا سے نکال کے لے جاؤں گی۔"

فرہاد اس کی طرف دوڑتا آ رہا تھا۔ وہ بھی دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ ان پانچ بھائی بہنوں میں سے بڑے بھائی کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ وہ چیخ کر کہہ رہا تھا "فرہاد! رک جاؤ۔ وہ بڑی مکاری سے تمھیں پیچھے لگا کر ہم سے دور لے جانا چاہتی ہے۔"

فرہاد کمرے سے باہر آ کر رک گیا۔ سونیا ذرا دور ایک پتھریلی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے کہا "شیبا! اس نئے خیال خوانی کرنے والے کو فی الحال بڑے بھائی کہنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ اپنا نام نہیں بتائے گا۔ میں اُسے نصیحت کرنا چاہتی ہوں کہ فرہاد کو نہ روکے۔ اسے دنیا کی حسین ترین عورتیں میرے پیچھے آنے سے نہیں روک سکیں۔ بڑے بھائی کو اپنے فیصلے پر قائم رہنا چاہیے۔ وہ چاہتا تھا فرہاد میری ایسی پٹائی کرے کہ میں زمین سے اٹھ نہ سکوں۔"

میں نے سونیا کے دماغ میں کہا "بڑے بھائی کی گھبراہٹ سے ظاہر ہے کہ خفیہ راستہ تمھیں مل سکتا ہے۔ اسی لیے وہ فرہاد کو روک رہا ہے۔ وہ تم دونوں کو ایک ساتھ کھونا نہیں چاہتا۔"

"وہ فرہاد کو کھونا نہیں چاہتا اور مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ اب دیکھو میں بڑے بھائی کو کس طرح بوکھلاہٹ میں مبتلا کرتی ہوں۔"

اس کے بعد اس نے بلند آواز سے کہا "شیبا! تم تو جانتی ہو میں دوسروں کی آوازوں اور لہجوں کی کتنی کامیاب نقل کرتی ہوں۔ فرہاد تم گواہی دو۔ کیا مجھ میں یہ صلاحیت ہے؟"

فرہاد نے تائید کی۔ سونیا نے کہا "اے بڑے بھائی! میں پہلی عورت ہوں جس نے تم پانچ بھائی بہنوں کی صورتیں دیکھی ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، میں نے تمھاری سب سے چھوٹی اور لاڈلی بہن جوجو کی باتیں بھی سنی ہیں۔ اب میں اس کی آواز اور لہجے کی نقل شیبا کو سنا رہی ہوں۔ ابھی ایک منٹ کے اندر ہی وہ تمھاری بہن جوجو کے دماغ میں پہنچ جائے گی۔"

"نہیں۔" بڑے بھائی کی گرجدار آواز سنائی دی "میں شیبا کو جوجو تک پہنچنے نہیں دوں گا۔ فرہاد! دوڑو، سونیا کو پکڑو۔ اسے جوجو کے لہجے کی نقل سنانے کا موقع نہ دو۔"

فرہاد نے دوڑ لگائی۔ سونیا وہاں سے بھاگنے لگی۔ میں نے شدید حیرانی سے کہا "تم کیا چیز ہو؟ کتنی آسانی سے پھر فرہاد کو پیچھے لگا لیا ہے۔"

اُدھر بڑے بھائی کی آواز جیسے پوری پاتال دنیا میں گونج رہی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "میں ہنگامی حالات کا اعلان کر رہا ہوں۔ میرے جانبازو! سونیا کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ اسے گولیوں سے چھلنی کر دو۔"

میں نے فرہاد کے دماغ میں کہا "اب بھی ہوش میں آؤ۔ یہ وہی شخص ہے جو پاتال دنیا میں کسی سے دشمنی پر روکتا تھا۔ دوستی، امن و آشتی کی فضا ہموار کرتا تھا۔ اب اپنی ہی زبان سے سونیا پر گولیاں چلانے کا حکم دے رہا ہے۔ ہوش میں آؤ فرہاد! ہوش میں آؤ۔"

پاتال دنیا کے مختلف حصوں میں اسپیکر کے ذریعے آواز گونج رہی تھی۔ دوڑتے ہوئے بے شمار قدموں سے زلزلہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سونیا جان بچانے کے لیے بھاگتی رہے گی تو شیبا کو جوجو کا لہجہ نہیں سنا سکے گی۔ سنانے کے لیے رکنا چاہے گی تو گولیوں کی زد میں آ جائے گی۔

پھر گولیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ مجھے سونیا کی مکاری اور دلیری پر حیرت ہوتی ہے۔ اُسے چاروں طرف سے سنانے والی گولیوں سے خوفزدہ ہونا چاہیے تھا مگر وہ مسکرا رہی تھی۔ اُس کی چال کامیاب ہوئی تھی۔ وہ پُراسرار شخص اپنی جوجو کو بچانے کی فکر میں یہ بھول گیا تھا کہ گولیوں کی گونجتی ہوئی آوازیں پاتال دنیا سے باہر جا رہی ہوں گی۔

واہ ری مکاری۔ سونیا اگر فرہاد کی دیوانی نہ ہوتی تو سیانی ضروری ہوتی۔

پومی چلتے چلتے رک گئی۔ اسے فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔ اس کے ساتھ لیوچن اور آنند تھے۔ ریڈ پاور کے ایک ہیلی کاپٹر نے انھیں وہاں پہنچایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جلد ہی لیڈی روزینہ کے فارم تک پہنچ جائے گی لیکن راستے میں اس نے سوچا۔ اس کی رہائش گاہ میں جانا فضول ہے۔ کھونے والوں کو زیرِ زمین دنیا تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملا تھا مگر راستہ تو ضرور کہیں سے ہو گا۔ وہ پاتال دنیا والے بالکل ہی زمین میں دفن نہیں ہو گئے ہوں گے۔ میں خیال خوانی کے ذریعے ان کا سراغ لگا چکی تھی اور یہ بات پومی کو معلوم تھی۔

اس نے ہیلی کاپٹر کو پہاڑی کے دوسری طرف اتارا تھا۔ اس کا خیال تھا اگر پاتال دنیا کا راستہ لیڈی روزینہ کی خواب گاہ سے بند ہو گیا تو پہاڑی کے دوسری طرف دوسرا خفیہ راستہ ضرور ہو گا اور وہ راستہ کسی مکان کے کسی بڑی عمارت کے یا کسی فیکٹری وغیرہ کے اندر سے جاتا ہو گا۔

اس نے پرواز کے دوران ہی ایک میل کے رقبے میں حد بندی کی دیواریں دیکھی تھیں۔ اس حد بندی کے اندر ایک بڑی سی فیکٹری نظر آئی تھی۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے بتایا "اس فیکٹری میں فروٹ جوس تیار ہوتے ہیں۔ آدمرو دو برسوں سے اس فیکٹری کا مالک ہے۔"

پوجی کے حکم سے وہ ہیلی کاپٹر اسی فیکٹری کے احاطے میں اتارا گیا۔ کتنے ہی ٹرک فروٹ جوس کے ٹن سے بھرے ہوئے کارٹن لے جا رہے تھے۔ ریل ٹرالیاں بھی ضروری سامان سے بھری ہوئی فیکٹری کے اندر اور باہر آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ تینوں ایک ٹرالی میں بیٹھ کر فیکٹری کے دفتری حصّے کی طرف آئے۔ وہاں کا منیجر اور دوسرے اہم افراد ہیلی کاپٹر کو اترتے دیکھ کر باہر آ گئے تھے۔ پوجی نے وہاں پہنچتے ہی کہا "میں آپ لوگوں کو زحمت دینے آئی ہوں۔ یہ میری بہن لیوچن ہے۔ اس کا شوہر مائیکل جھگڑا کر کے گھر سے چلا گیا ہے۔ ہم ایک ہفتے سے تلاش کر رہے ہیں۔ کیا اس نام کا کوئی آدمی یہاں کام کرتا ہے؟"

منیجر نے کہا "یہاں مائیکل نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔"

لیوچن نے کہا "اوہ گاڈ! اب وہ نہیں ملے گا۔"

منیجر نے کہا "آفس میں آؤ۔ جوس پی کر جاؤ۔"

پوجی نے پوچھا "کیا ہم فیکٹری کو اندر سے دیکھ سکتے ہیں؟"

منیجر نے اعتراض نہیں کیا۔ انھیں اپنے ساتھ فیکٹری کے اندر لے گیا۔ بڑے فخر سے کہنے لگا "ہمارا مال فروخت کے اعتبار سے نیویارک میں اوّل نمبر پر ہے۔ اس فیکٹری کے دو حصّے ہیں۔ ایک حصّے میں فائن کوالٹی کا جوس بوتلوں میں بھرا جاتا ہے۔ دوسرے حصّے میں کم قیمت کا جوس یہاں سے ٹن میں سپلائی ہوتا ہے۔"

وہ بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ پوجی بڑی توجّہ سے فیکٹری کے فرش کو اور کام کرنے والوں کو دیکھتی جا رہی تھی کہ کسی نہ کسی مشتبہ شخص کو بھانپ لینے کی امید تھی۔ پھر خیال آیا۔ اگر یہاں سے کوئی خفیہ راستہ ہوگا تو وہ فیکٹری میں کام کرنے والوں سے چھپایا گیا ہوگا۔ لہٰذا وہ دفتری حصّے میں ہو سکتا ہے۔

وہ دفتر میں آئی۔ ان تینوں کو بہترین جوس پینے کے لیے دیا گیا۔ وہ پیتی رہی اور سوچتی رہی۔ پھر اچانک ہی پیٹ پکڑ کر کراہنے لگی۔ منیجر نے پوچھا "کیا ہوا؟"

پوجی نے کراہتے ہوئے کہا "پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ذرا سی تکلیف ہے۔ دراصل میں کسی عورت کو ہی تکلیف بتا سکتی ہوں۔ کیا میں کہیں آرام سے پانچ دس منٹ لیٹ سکتی ہوں؟"

"ضرور۔ میرے ساتھ آؤ۔ یہاں آرام کرنے کے لیے ایک ریٹائرنگ روم ہے۔"

وہ لیوچن کے ساتھ منیجر کے پیچھے گئی۔ کئی دفاتر کے پیچھے ایک کمرہ تھا۔ جہاں پلنگ اور صوفے نظر آ رہے تھے۔ منیجر نے کہا "جب تک چاہو آرام کرو۔ کیا میڈیکل ایڈ کی ضرورت ہے؟"

"نو، تھینک یو۔"

وہ چلا گیا۔ لیوچن نے دروازے کو اندر سے بند کر کے پوچھا "تمھیں کیا ہوا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر گئی۔ فرش پر پاؤں مار مار کر اندازہ کرنے لگی۔ ایسے وقت وہ بار بار سوریج کے ذریعے مجھے پکار رہی تھی۔ اگر میں ہوتی تو فیکٹری کے منیجر وغیرہ کے دماغ میں پہنچ کر بہت کچھ معلوم کر سکتی تھی۔ پوجی کو اتنا وقت برباد نہ کرنا پڑتا۔

وہ مایوس ہو کر بولی "یہاں دور دور تک کوئی بنگلا یا عمارت نہیں ہے۔ فیکٹری کے خاص ملازموں کے لیے کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔ خفیہ راستہ یہیں کہیں ہونا چاہیے۔"

لیوچن نے کہا "خفیہ راستہ یہاں سے دو چار میل دور کسی مکان میں ہو سکتا ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "پہلا خفیہ راستہ لیڈی روزینہ کے باتھ روم سے جاتا تھا۔ یعنی تہ خانہ باتھ روم کے نیچے سے شروع ہوتا ہے۔ وہاں سے دوسرا خفیہ راستہ کتنی دور تک کھود کر بنایا گیا ہوگا۔ پہاڑی کے پیچھے اس فیکٹری تک ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہوگا۔ راستہ یہیں ہوگا۔ پاتالی دنیا والوں نے اور دو چار میل دور تک سرنگ کھودنے کی زحمت نہیں کی ہوگی۔"

یہ کہہ کر وہ پھر سوریج کے ذریعے مجھے پکارنے لگی۔ میں اس وقت سونیا کی مکاریاں دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی اور یہ پریشانی بھی تھی کہ کہیں سے آنے والی اندھی گولی اس کا کام تمام کر سکتی ہے۔ بہرحال پوجی مایوس ہو کر ریٹائرنگ روم سے آگئی۔ منیجر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کا ٹیلیفون نمبر نوٹ کیا تاکہ بعد میں فون سے رابطہ کر کے مجھے منیجر کی آواز سنا سکے۔

ان تینوں نے منیجر سے مصافحہ کیا۔ پھر جانے لگے۔ اچانک پوجی چلتے چلتے رک گئی۔ ملے سے فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے منیجر کو دیکھا۔ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ کہنے لگا "اب تم لوگوں کو جانا چاہیے۔ میں بہت مصروف ہوں۔"

"یہ فائرنگ کی آواز کیسی تھی؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ کہیں بہت دور سے آئی تھی۔" وہ

پنی گھبراہٹ پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ ویسے یہ بات رست تھی، گولی چلنے کی آواز بہت دھیمی تھی، دور سے آئی تھی زیرِ زمین سے آئی تھی، صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ پومی سے بولا "تم جاننے کے لیے مصافحہ کر چکی ہو۔ ب خواہ مخواہ میرا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟"

وہ بولی "میرا جتنا وقت برباد ہو چکا ہے، اس کا حساب نے والی ہوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی دوسری بار فائرنگ ی آواز سنائی دی، متواتر کئی سیکنڈ تک فائرنگ ہوئی تھی، پھر اموشی چھا گئی تھی۔ اتنی سی دیر میں یقین ہو گیا کہ پاتال دنیا میں ولیاں چل رہی ہیں، پومی جہاں کھڑی تھی، وہاں پاؤں تلے زمین تنے ہولے سے لرزتی رہی تھی جیسے حساس لوگ ہی محسوس کر سکتے تھے اور پومی نے محسوس کر لیا تھا۔

اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ منیجر نے بے اختیار ہاتھ بڑھا دیا، شاید بھول گیا تھا کہ مصافحہ کر چکا ہے، دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ کو جھٹکا پہنچا۔ وہ جوڈو کے داؤ میں آ گیا تھا پومی کے پاس سے گزرتے ہوئے کھلے ہوئے دروازے سے ہو کر کمرے کے فرش پر چاروں شانے چت ہو گیا۔

وہ کوئی فائٹر نہیں تھا، اپنی کمر پکڑ کر تکلیف سے چیخنے لگا۔ پومی نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر کہا "میرا دوسرا داؤ تمھیں اپاہج بنا دے گا۔ جلدی بتاؤ خفیہ راستہ کہاں ہے؟"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا "میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا کہہ رہی ہو؟"

وہ چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ پومی نے اس کے حلق پر ایک پاؤں رکھ دیا۔ پھر ذرا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا "تم پاتال دنیا میں پہنچنے والے ہو۔"

"میں... میں قسم کھاتا ہوں، میں نے کوئی خفیہ راستہ نہیں دیکھا ہے، پاؤں ہٹاؤ، مجھے بولنے دو۔"

اس نے پاؤں وہیں رکھا، دباؤ کم کر دیا۔ وہ بولا "میرا باس اپنی فیملی کے ساتھ یہاں آتا ہے، اس ریٹائرنگ روم کے ساتھ جو کمرہ ہے، اس میں جاتا ہے، دروازے کو اندر سے بند کر دیتا ہے، گھنٹوں باہر نہیں نکلتا۔ کبھی کبھی تو صبح کو کمرے میں جاتا ہے شام کو باہر آتا ہے۔"

"اس کمرے کی چابی کہاں ہے؟"

"وہ تو کمرے کی صفائی کے لیے کسی ملازم کو بھی اندر نہیں بلاتا، مجھے چابی کیسے دے سکتا ہے۔"

"میں دروازہ توڑ دوں گی۔"

فیکٹری کی مشینیں بند ہو گئی تھیں، سب نے فائرنگ کی آواز سنی تھی۔ بند دروازے کے باہر آفس کے لوگ منیجر کو آواز دیتے ہوئے کہہ رہے تھے "ہم دو بار فائرنگ کی آوازیں سن چکے ہیں، تمام لوگ پریشان ہیں، کیا پولیس کو فون کیا جائے؟"

پومی نے پاؤں ہٹاتے ہوئے کہا "اُن سے کہو، ابھی فون نہ کیا جائے، سب لوگ فیکٹری کے باہر انتظار کریں، تم تھوڑی دیر بعد آؤ گے۔"

منیجر نے فرش سے اٹھتے ہوئے یہی کہا۔ آفس کے لوگ فیکٹری میں کام کرنے والوں کو منیجر کا حکم سنانے چلے گئے۔ پومی نے دروازہ کھول کر دیکھا، میدان صاف تھا، صرف لیوچن اور آنند کھڑے تھے۔ پومی نے ساتھ والے کمرے کے دروازے کو دیکھا، وہ آہنی دروازہ بہت مضبوط تھا۔ اسے توڑنا آسان نہ تھا مگر کسی طرح توڑنا ہی تھا۔ خواہ کدال چلا کر دیواروں کو ہی توڑنا پڑتا، خفیہ راستہ ڈھونڈنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا۔

ایسے ہی وقت میں نے سونیا کے دماغ میں رہ کر سوچا تھا کہ فائرنگ کی آوازیں باہر جا رہی ہوں گی، پومی ہیلی کاپٹر کے ذریعے پہنچ گئی ہو گی۔ لہٰذا پومی، مادام مریم اور پرسنل گارڈ وغیرہ کے ذریعے معلوم کرنا چاہیے کہ انھیں آوازیں سنائی دے رہی ہیں یا نہیں؟

پہلے میں پومی کے پاس پہنچی۔ وہ منیجر سے ایک کدال لانے کو کہہ رہی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا کر رہی ہو؟"

"تمھیں اب آنے کی فرصت ملی ہے؟"

"میں سونیا کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ وہ خطرات میں گھری ہوئی ہے، کیا تم نے گولیوں کی آواز سنی ہے؟"

"آواز نہیں آوازیں سنتی جا رہی ہوں۔ دوسرا خفیہ راستہ یقیناً اس آہنی دروازے کے پیچھے ہے۔"

"ایسا ہے تو دروازہ نہ توڑو۔ وہ پانچ بھائی بہن ہیں دو اہم وجوہات کی بنا پر اس خفیہ راستے سے ضرور باہر آئیں گے دروازہ خود کھولیں گے، ذرا انتظار کرو۔"

"وہ دو وجوہات کیا ہیں؟"

"ایک تو وہ چاروں اپنی چھوٹی بہن جوجو سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ دوسرے سونیا نے چکر چلا کر انھیں فائرنگ پر مجبور کر دیا ہے، وہ سمجھ گئے ہیں کہ فائرنگ کی آواز باہر جا رہی ہے۔ وہ پاتال دنیا اب راز میں نہیں رہے گی۔ اپنی بہن جوجو اور وہاں کی اہم مشینوں کی حفاظت کی خاطر ضرو باہر آئیں گے۔"

پومی نے میری تائید کی، پھر منیجر سے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے؟"

اس نے نام بتایا۔ پومی نے پوچھا "شیبا! اس کے دماغ میں پہنچ گئی ہو؟"

میں نے منیجر کی زبان سے کہا "پہنچ گئی ہوں۔"

وہ بوکھلا گیا۔ شیبا نے پوچھا "تم نے فرہاد کا نام سنا ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ میں نے کھوپڑی میں کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ ثبوت یہ ہے کہ تم اپنی مرضی کے خلاف اپنے منہ پر طمانچہ مارو گے۔"

اس نے سوچا۔ دماغ میں احمقانہ خیالات آ رہے ہیں مگر دوسرے ہی لمحے اس نے بے اختیار اپنے منہ پر طمانچہ مارا۔ میں نے پوچھا "کیا اور ثبوت دوں؟"

وہ سہم کر بولا "نہیں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے۔"

پومی نے کہا "اب باہر جاؤ، اور اپنے آدمیوں کو یہاں آنے سے روکو۔ اگر پولیس کو فون کرو گے تو اپنے ہی منہ پر طمانچے مارتے رہو گے۔ پولیس والے آئیں گے اور تمھیں پاگل سمجھ کر لے جائیں گے۔"

وہ چلا گیا۔ پومی نے لیوچن اور آنند کو ریٹائرنگ روم میں جا کر دروازے کو اندر سے بند رکھنے کے لیے کہا۔ پھر سمجھایا۔ "چاہے کچھ ہو جائے، جب تک میں نہ کہوں دروازہ نہ کھولنا۔"

وہ کمرے میں چلے گئے۔ دروازے کو بند کر لیا۔ پومی آہنی دروازے سے ذرا دور ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے کہا "میں سونیا کی خبر لے کر ابھی آتی ہوں۔"

پاتال دنیا میں فائرنگ بند ہو گئی تھی۔ جہاں سونیا کھڑی ہوئی تھی، وہاں دور تک ایک گمبھیر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اسٹین گن آ گئی تھی۔ میں جتنی دیر غیر حاضر رہی، اتنی دیر میں اس نے کسی مسلح شخص کو ٹھنڈا کر کے ہتھیار چھین لیا تھا اور اب اسٹین گن کا رُخ فرہاد کی طرف کیے کھڑی تھی۔

"فرہاد نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا "کیا تم مجھ پر گولی چلا سکتی ہو؟"

"خاموش رہو۔ تمھاری آواز سن کر کوئی بھی ہماری طرف فائر کر سکتا ہے۔"

"میں تمھارے دماغ میں پہنچ کر فائرنگ سے باز رکھوں گا۔"

"یہ مت بھولو، ایسے نازک موقع پر شیبا جوابی کارروائی کرے گی اور میں تمھیں ہلاک نہیں کروں گی، صرف زخمی کروں گی اس طرح تم خیال خوانی نہیں کر سکو گے۔ میں تمھیں جبراً اٹھا کر لے جاؤں گی۔"

وہ گھور کر رہ گیا۔ سونیا نے جھک [illegible] پتھر اٹھایا۔ پھر دیوار کی آڑ سے دور پھینک دیا۔ پتھر کے گرنے اور دور تک لڑھکنے کی آواز پاتال دنیا کے خلا میں تھوڑی دیر تک گونجتی رہی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ میں نے کہا "دشمن کہیں چھپے ہوئے ہیں، تمھارے نکلتے ہی فائر کریں گے۔"

سونیا نے بلند آواز سے کہا "شیبا! تم کہاں ہو؟ میرے دماغ میں آؤ، مجھے جوجو کی نقل سنانے کا موقع مل گیا ہے۔"

یہ بات سن کر جوجو کے بڑے بھائی کو پھر گھبرانا اور کچھ کہنا چاہیے تھا مگر اب اس کی آواز نہیں آئی۔ میں نے کہا "شاید وہ یہاں سے نکل گیا ہے۔"

سونیا نے ذرا فاصلے پر ایک بڑے سے پتھر کو دیکھا، پھر دیوار کی آڑ سے نکل کر دوڑتی ہوئی اس پتھر کے پیچھے چلی گئی۔ اس نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ انجانے محاذوں پر ڈٹے ہوئے لوگ اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر سکتے تھے مگر کہیں سے گولی نہیں چلی۔ اس نے پھر خطرہ مول لیا۔ وہاں سے دوڑتی ہوئی دوسری پتھریلی دیوار کے پاس چلی گئی۔ اس کے دوڑنے کی آوازیں دیر تک گونجتی رہیں مگر دشمن کی گولی کی ایک آواز بھی سنائی نہیں دی۔

شاید وہ پانچوں اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ فرار ہو گئے تھے۔ سونیا نے اسٹین گن کا رُخ فرہاد کی طرف کرتے ہوئے کہا "تم آگے آگے چلو، ہم باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈیں گے۔"

میں فرہاد کے دماغ میں آئی۔ اُس نے جھنجلا کر کہا "کیوں آئی ہو؟ چلی جاؤ یہاں سے۔"

سونیا نے کہا "میں تمھاری خیال خوانی سے تحفظ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ تم شیبا کو نکالو گے تو میں گولی مار کر زخمی کروں گی۔"

میں نے کہا "پلیز فرہاد! ہمیں دشمن نہ سمجھو، جو دشمن تھے وہ تمھیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں، یہاں اب تمھیں ایک بھی روح نظر نہیں آئے گی۔"

اس نے گھور کر سونیا کو دیکھا، پھر آگے آگے چلنے لگا۔ وہ اسٹین گن لیے محتاط نظروں سے آس پاس، آگے پیچھے دیکھتی جا رہی تھی۔ فرہاد نے آگے چلتے ہوئے ناگواری سے کہا "تم مجھے اس طرح لے جا رہی ہو جیسے میں کوئی مجرم ہوں۔ تمھیں شرم نہیں آتی؟"

"جس دن تم میرے فرہاد بن جاؤ گے، میں معافی مانگ لوں گی۔"

میں نے کہا "سونیا کو غصہ نہ دکھاؤ۔ اُس شخص کے دماغ میں جا کر پوچھو، وہ تمھیں مصیبت میں چھوڑ کر کہاں گم ہو گیا ہے؟"

"میں اس سے پوچھوں گا۔ پہلے تم یہاں سے جاؤ۔"

"فرہاد! میں دشمن نہیں ہوں۔ تمھارے ذریعے چُپ چاپ اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنا چاہتی ہوں، کہیں وہ ایسا جال نہ پھیلا رہا ہو جس کے متعلق ابھی ہم نہیں سوچ رہے ہیں۔ پلیز فرہاد۔"

"ٹھیک ہے۔ تم میرے ساتھ رہو مگر اس شخص نے تمھارے متعلق پوچھا تو میں سچ کہہ دوں گا کہ تم موجود ہو۔"

"کیا سونیا کی خاطر ایک جھوٹ نہیں بول سکتے؟"

"توبہ توبہ! جھوٹ بولنا گناہ ہے۔"

میں نے جل کر کہا "تمھیں تو خدا ہی دشمنوں سے بچائے گا۔ میں جا رہی ہوں، سونیا کے پاس رہوں گی۔"

اس نے مجھے دماغ سے جاتے ہوئے یقیناً محسوس کیا ہو گا اور اُس شخص کے دماغ پر دستک دے رہا ہو گا۔ اس شخص نے شیبا سمجھ کر پہلے انکار کیا ہو گا۔ پھر فرہاد کا یقین کر کے دماغ میں جگہ دی ہو گی۔ میں نے یہ تمام حساب کرنے کے بعد خیال خوانی کی پرواز کی۔ پھر چُپ چاپ اُس کے دماغ میں پہنچ گئی۔

ایک دماغ میں ایک سے زیادہ سوچ کی لہریں محسوس نہیں کی جا سکتیں چونکہ فرہاد کے لیے دروازہ کھلا تھا، اس لیے مجھے جگہ مل گئی۔ وہ پوچھ رہا تھا "میں کیسے یقین کر لوں کہ تم فرہاد ہو؟"

فرہاد نے کہا "مجھے مصیبت میں چھوڑ کر یقین اور بے یقینی کی بات کر رہے ہو۔ پتا ہے سونیا مجھے اسٹین گن کے نشانے پر رکھ کر جبراً پاتال دنیا سے لے جا رہی ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اب ہماری روحیں بھی یہاں سے جا رہی ہیں۔ اب ہم زندہ انسانوں کی دنیا میں رہیں گے۔ تم سونیا کے ساتھ ضرور جاؤ مگر ابھی دوستی نہ کرنا۔ پہلے ہم دونوں مل کر اسے روح بنائیں گے، پھر اس عورت کی دوستی پر بھروسا کریں گے۔"

"تم نے پاتال دنیا میں سونیا پر گولیاں چلانے کا حکم کیوں دیا تھا؟"

"میں جلد سے جلد تمھاری خاطر اسے روح بنانا چاہتا تھا مگر اس کی مکاری نے کام بگاڑ دیا۔ زندہ انسانوں کی دنیا سے لوگ یہاں آنے والے ہیں۔ تم جلدی سونیا کے ساتھ نکل جاؤ۔"

"اچھا جا رہا ہوں۔"

وہ دماغی طور پر حاضر ہوا۔ اس کے نکلتے ہی مجھے بھی نکلنا پڑا۔ کیوں کہ اس نے سانس روک لی تھی۔ میں نے کہا "تم اس سے باہر نکلنے کا راستہ تو معلوم کر سکتے تھے۔ ایک فرمانبردار کی طرح چُپ چاپ چلے آئے۔"

وہ غصے سے بولا "اُنہ! تم دھوکا دے کر میرے دوست کے دماغ میں آئی تھیں، جھوٹی، فریبی، بے ایمان، ہم نیک روحوں سے چھل کپٹ کرتی ہو، اللہ نے چاہا تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "کیوں عورتوں کی طرح کوس رہے ہو۔ تمھارے پڑھنے والے سنیں گے تو تمھیں فرہاد تسلیم کرتے ہوئے شرمائیں گے۔"

وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ چلتے چلتے بڑی دیر ہو گئی مگر مایوسی نہیں ہوئی۔ پاتال دنیا کے ایک حصے میں اوپر کی طرف چڑھتے ہوئے بڑے بڑے ستون نظر آئے۔ وہ دور تک کئی ستون تھے جو سیمنٹ اور بجری سے بنائے گئے تھے۔ میں نے کہا "سونیا! میں یقین سے کہہ سکتی ہوں، یہ فرد وٹ جوس فیکٹری کے.... بنیادی ستون ہیں۔ فیکٹری شمال کی طرف ہے اور وہ خفیہ کمرہ جنوب کی طرف — لہٰذا تم دائیں ہاتھ مڑ کر چلو۔"

اس نے فرہاد کو دائیں طرف گھوم کر چلنے کے لیے کہا۔ اب وہ بھی حیل و حجت کے بغیر چل رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے روحانی دوست نے اسے زندہ انسانوں کی دنیا میں جانے کا مشورہ دیا تھا۔ چند قدم آگے جانے کے بعد پختہ زینہ دکھائی دیا۔ زینے پر چڑھنے کے بعد ایک آہنی دروازہ نظر آ گیا۔ سونیا نے اس کے ہینڈل کو تھام کر اسے کھولنے کی کوشش کی، وہ مقفل تھا۔ اس نے کہا "اسے توڑنا ہو گا۔"

وہ اسٹین گن سیدھی کرنے لگی۔ میں نے کہا "ٹھہر جاؤ، دروازے کے دوسری طرف شاید لومی ہو گی۔"

میں نے لومی کے پاس آ کر کہا "دروازے کے پاس سے ہٹ جاؤ، سونیا فائر کر کے لاک بریک کر رہی ہے۔"

وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ میرے کہنے پر سونیا نے اسٹین گن سے تڑتڑ تڑ کئی فائر کیے۔ پھر ہینڈل کو تھام کر کھولا تو وہ کھل گیا لیکن دوسری طرف لومی نہیں تھی۔ ایک خوبصورت سا کمرہ تھا۔ آرام دہ صوفوں پر انجینئر تھرما کو اٹل مکینک برا ڈنوز، فلسفی ہیو گو اور ڈاکٹر اور سائنسداں وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہیو گو نے انھیں دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "آؤ فرہاد! ابھی ہم تمھارا ہی ذکر کر رہے تھے۔ اس آواز نے پیشنگوئی کی تھی کہ تم یہاں آؤ گے۔"

فرہاد انھیں دیکھ کر ایسے خوش ہوا جیسے اپنے رشتے دار

میں پہنچ گیا ہو۔ اس نے کہا۔" یہ سونیا ہم میں سے نہیں ہے، یہ اس ہتھیار سے مجھے زخمی کرنے کی دھمکی دیتی آئی ہے۔"

فلسفی ہیوگو نے ہنستے ہوئے کہا۔" تم بہت بھولے ہو، اس نے دھمکی دی اور تم ڈر گئے، اتنا بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم مر چکے ہیں، مرنے کے بعد بھلا روح کو زخمی کون کر سکتا ہے؟"

فرہاد نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔" واقعی جب میں مر چکا ہوں تو یہ مجھے اور کیا مارے گی۔ اپنے چلاؤ گولی، اب میں دھمکی میں نہیں آؤں گا۔"

سونیا نے کہا۔" تمھیں ان کی اُلٹی باتیں سمجھ میں آگئیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں تمھیں گولی مار ہی نہیں سکتی۔"

وہ اسٹین گن کو شانے سے لٹکا کر دوسرے دروازے کی طرف گئی، اس کے ہینڈل کو تھام کر کھولا تو وہ کھل گیا، دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا، وہاں رہائشی سامان تھا مگر وہ خالی تھا۔

میں سمجھ رہی تھی۔ پومی پہلے دروازے کے پاس نہیں ملی، دوسرے دروازے کے پیچھے ہوگی مگر وہ نہیں تھی۔ سونیا شاید کسی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی، میں نے کہا۔" تعجب ہے، پومی ایسے ہی ایک آہنی دروازے کے پاس کھڑی ہوئی تھی، پھر کہاں چلی گئی؟"

"تم اس کے پاس جاؤ مگر فوراً آجانا۔"

میں نے خیال خوانی کی پرواز کی، پومی ویسے ہی ایک آہنی دروازے کے پاس سے ہٹ کر ذرا دور کھڑی ہوئی تھی۔ میری اطلاع کے مطابق انتظار کر رہی تھی کہ سونیا فائرنگ کر کے دروازہ کھولے گی، میرے مخاطب کرنے پر اس نے پوچھا۔" دیر کیوں ہو رہی ہے؟ کیا فرہاد بھی ساتھ ہے؟"

"ہاں دونوں ساتھ آرہے ہیں۔ سونیا نے دروازے پر فائرنگ کی تھی مگر وہ کوئی دوسری جگہ ہے۔"

پومی نے مایوسی سے پوچھا۔" کیا فرہاد میرے پاس آتے آتے پھر بچھڑ گیا ہے؟"

"شاید نہ بچھڑا ہو، سونیا کے ساتھ اسی فیکٹری کے کسی دوسرے حصے میں ہو۔ میں ان کے پاس جا کر معلوم کرتی ہوں۔"

مگر میں نہ جا سکی۔ اس آہنی دروازے کے پیچھے سے ہلکی سی آواز آئی تھی۔ پومی نے کہا۔" رُک جاؤ۔ یہ دروازہ کھل رہا ہے۔"

مجھے ذرا اطمینان ہوا، سونیا شاید پومی کو ڈھونڈتی ہوئی اس آہنی دروازے تک آگئی تھی لیکن جلد ہی اپنے احمقانہ خیال کا پتا چلا۔ سونیا تو فائرنگ کے ذریعے دروازے کھولتی آرہی تھی، جب کہ آنے والوں نے چابی سے دروازہ کھولا تھا۔ وہ پومی کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ اس شخص نے پوچھا۔" کون ہو تم؟"

میں آواز سے پہچان گئی۔ وہ پانچوں میں سب سے بڑا بھائی تھا۔ اس کے ساتھ ایک نوخیز دوشیزہ تھی۔ بے حسین تھی مگر چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی، میں سمجھ گئی وہ جوجو تھی۔

میں نے کہا۔" پومی اس کے ساتھ جو لڑکی ہے، اسے بولنے پر مجبور کرو۔"

پومی نے کہا۔" میں یہاں نئی اسٹینو ٹائپسٹ ہوں۔ تم دونوں کون ہو؟"

"میں اس فیکٹری کا مالک ہوں۔" یہ کہتے ہی وہ جانے لگا تھا۔

پومی فوراً ساتھ چلتے ہوئے بولی۔" کیا تم مسٹر آرمر ڈوڈ ہو؟ کیا یہ تمھاری بیٹی ہے؟"

"میں ملازموں سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ یو گن آپ اینڈ گو اوے فرام ہیر۔"

پومی نے مجھ سے پوچھا۔" کیا لڑکی کا نام جانتی ہو؟"

میں نے کہا۔" جوجو۔"

وہ مالکانہ شان سے جوجو کے ساتھ جا رہا تھا۔ پومی نے پیچھے سے چیخ کر کہا۔" جوجو! سانپ ہے۔"

جوجو نے گھبرا کر چیخ ماری، بھائی آگے جا رہا تھا، وہ اچھل کر اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر لپٹ گئی، خوفزدہ ہو کر بولی۔" سانپ کہاں، کہاں ہے؟ اسے مارو۔ وہ مجھے کاٹ لے گا۔"

چونکہ وہ بھائی بہن تہ خانے میں سانپوں کا تماشا کرتے رہے تھے، اس لیے انھیں یوں لگا جیسے واقعی کوئی سانپ نظر آنے لگا ہو۔ جانے کیوں وہ سب جوجو کو بے حد پیار کرتے تھے۔ وہ اسے بچانے کے لیے دوڑتا ہوا ایک کرسی پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد فرش کو دور تک دیکھنے لگا۔

پومی ہنس رہی تھی۔ وہ کرسی سے اُتر کر جوجو کو الگ کرتے ہوئے بولا۔" یو ڈرٹی گرل، تمھاری یہ جرأت، تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو؟"

"میں نے مذاق نہیں کیا ہے۔ ابھی یہاں ایک سانپ تھا۔ میں نے دیکھا، وہ اُڑتا ہوا جوجو کے دماغ میں گھس گیا ہے۔"

جوجو بے اختیار ہنسنے لگی۔ وہ پلٹ کر حیرانی سے بولا۔ "کیا بات ہے بے بی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔" شیبا میرے دماغ کو گدگدا رہی ہے، مجھے ہنسی ہنسی آرہی ہے۔"

اسے یقین نہیں آرہا تھا، پھر بھی پریشان ہو کر بولا۔" کیا کہہ رہی ہو؟"

میں نے پومی کی زبان سے کہا۔" مسٹر آرمر! تم نے سونیا کو جوجو کا لہجہ سنانے کا موقع نہیں دیا تھا۔ میں نے اب سن لیا ہے۔"

وہ تیزی سے جوجو کے پاس گیا، پھر اسے کھینچ کر اپنے بازوؤں میں چھپاتے ہوئے بولا۔" نہیں! تم جھوٹ کہتی ہو، تم اس کے دماغ میں نہیں آسکتیں۔ یہ میری بہن ہے مگر ہم تین بھائیوں نے اسے باپ بن کر پالا ہے، ہم اسے پھول کی طرح رکھتے ہیں۔"

"میں اس پھول کے دماغ میں ہوں مگر ابھی کانٹے کی طرح نہیں چبھ رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے تم مجھے چبھنے پر مجبور نہیں کرو گے۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"تم سے بہت کچھ چاہنا ہے۔ فی الحال یہ بتاؤ سونیا اور فرہاد کہاں ہیں؟"

"تم یقین کرو، میں نہیں جانتا کون کس راستے سے فرار ہوا ہے، مجھے صرف جوجو کی فکر تھی۔ میں اسے لے کر جس راستے سے آیا ہوں، اسے تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔"

"تمھاری ایک بہن اور تین بھائی کہاں ہیں؟"

"وہ اہم مشینیں لے کر کسی اور راستے سے نکل گئے ہوں گے۔"

"آخر کتنے خفیہ راستے ہیں؟"

"چار ہیں۔ ایک راستہ میری بہن روزینہ کی خواب گاہ تک لے جاتا ہے، دوسرا راستہ ابھی تم نے دیکھا ہے، یہ میری ذاتی فیکٹری ہے، یہاں کوئی مجھ پر شبہ نہیں کر سکتا ہے۔"

"باقی دو راستے کہاں ہیں؟"

"میں کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ تیسرا راستہ اس غار میں سے نکلتا ہے جہاں ماسٹر کی اور روزینہ کی ملاقات ہوئی تھی۔ چوتھا راستہ ایک آدھ گھنٹے بعد بتاؤں گا۔"

"میں سمجھ گئی، اُس چوتھے راستے سے اہم مشینیں کسی دوسری جگہ منتقل کی جا رہی ہیں، یہی بات ہے نا؟"

"تمھارا اندازہ درست ہے۔"

"مجھے اپنے دماغ میں آنے دو۔"

"نہیں، میں سانس روک لوں گا، تمھیں اُن مشینوں تک پہنچنے نہیں دوں گا۔"

"کیا میں جوجو کے دماغ سے معلوم نہیں کر سکتی؟"

"میری بہن معصوم اور نادان ہے، اس کا ذہن بچگانہ ہے، نہ ہم اسے اہم باتیں بتاتے ہیں، نہ یہ کسی اہم معاملے میں دلچسپی لیتی ہے۔"

میں چند لمحوں تک جوجو کے دماغ کو اس کی نادانستگی میں ٹٹولتی رہی۔ واقعی وہ اپنی بہن روزینہ اور تینوں بھائیوں کے معاملات کو نہیں سمجھتی تھی، میں نے کہا۔" مسٹر آرمر! کیا تم چاہتے ہو، میں جوجو کو پریشان کردوں؟"

"تم جانتی ہو، ہم بے بی کو کتنا چاہتے۔ تم یہ بھی دیکھتی آرہی ہو کہ ہم فرہاد کو کسی وقت بھی ختم کر سکتے تھے مگر خاص مقاصد کے لیے دوست بنا کر زندہ چھوڑ دیا ہے۔ کیا تم چاہتی ہو میں اس کا کام تمام کردوں؟"

میں سوچ میں پڑ گئی۔ کم بخت جوابی کارروائی کی دھمکی دے رہا تھا۔ بے شک و شبہ فرہاد برین واشنگ کے بعد ان کے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے کہا۔" پومی! مجھے سونیا نے جلدی آنے کے لیے کہا تھا۔ میں یہاں کے معاملے میں الجھ کر رہ گئی۔ تم انتظار کرو، میں ابھی آتی ہوں۔"

میں نے فرہاد کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ تھرما کوائل اور فلسفی ہیوگو وغیرہ کے ساتھ ایک فورڈ ویگن میں سفر کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔" سونیا کہاں ہے؟"

"وہ نالائق ہے۔ میں اُسے چھوڑ کر آگیا ہوں۔"

"کہاں چھوڑا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم، جاؤ یہاں سے۔"

اس نے سانس روک لی، میں باہر نکل گئی، دوسرے ہی لمحے سونیا کے پاس تھی۔ پہلے چپ چاپ معلوم کرنے لگی آخر وہ دونوں کیسے بچھڑ گئے؟ پتا چلا، وہ فرہاد کو تھرما کوائل اور فلسفی ہیوگو وغیرہ کے ساتھ اس کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں گئی تھی، دوسرے کمرے میں کوئی نہیں تھا مگر وہاں رہائشی سامان کی موجودگی سے دوسروں کی موجودگی کا پتا چلتا تھا، فی الحال اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتی رہی، وہاں کھڑکیوں اور دروازوں کے پٹ آہنی تھے۔ تمام کھڑکیاں باہر سے بند تھیں، اس مکان کا محلِ وقوع معلوم کرنے کے لیے کھڑکیوں کو توڑنا ضروری تھا۔ اسے پتا چلا، وہ گھوم پھر کر انہی دو چار کمروں میں آرہی ہے، باہر نکلنے کے جتنے دروازے تھے، وہ مقفل تھے۔ یعنی وہ کسی مکان میں فرہاد وغیرہ کے ساتھ قید ہو گئی تھی۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی فرہاد کی طرف جانے لگی تاکہ ان مقفل دروازوں پر فائرنگ کر کے وہاں سے نکل سکے، جب وہ کمرے میں پہنچی تو وہ خالی تھا۔ فرہاد اور اس کی ساتھی روحیں نہیں تھیں۔ اسی وقت باہر سے کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ دوڑتی ہوئی ایک مقفل دروازے کے

سامنے آئی۔ اس کے لاک پوائنٹ پر فائرنگ کی۔ پھر ہینڈل کو پکڑ کر دبایا تو دروازہ کھل گیا مگر راستہ نہیں تھا۔
ایک بڑی سی الماری دروازے سے لگا کر رکھ دی گئی تھی۔ اس نے فوراً ہی اسٹین گن کو ایک طرف رکھا پھر دونوں ہاتھوں سے الماری کو ہٹانے کی کوشش کرنے لگی، وہ بہت وزنی تھی۔ پتا نہیں اس کے اندر کیا سامان بھرا ہوا تھا، زیادہ زور لگانے پر وہ ہل جاتی تھی مگر سرکتی نہیں تھی۔
وہ اسٹین گن اٹھا کر ایک کھڑکی کے پٹ پر فائر کرنے لگی، پٹ کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکا ہلکا سا دھواں اندر آنے لگا۔ کھڑکی کے ساتھ ایک ایئر کنڈیشنر کی طرح کوئی مشین لگی ہوئی تھی، اس میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی اس کمرے سے نکل گئی، اس نے دوسرے دروازے کو بند کر دیا تاکہ وہ نقصان پہنچانے والا دھواں دوسرے کمرے میں نہ آئے۔
وہ ادھر سے اُدھر بھاگتی جا رہی تھی، ایک اور مقفل دروازے پر پہنچ کر فائرنگ کی، وہ بھی کھل گیا مگر کھلتے ہی درخت کی کئی شاخیں اندر آ گئیں۔ انھوں نے راستہ روکنے کے لیے ایک درخت کو کاٹ کر دروازے کے سامنے گرا دیا تھا مگر راستہ پوری طرح نہ رک سکا تھا۔ درخت کا تنا آدھے دروازے کو گھیرے ہوئے تھا۔ وہ پتوں اور شاخوں کو ہٹاتے ہوئے باہر نکل گئی۔ تازہ ہوا میں پہنچتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے مدتوں بعد کھلے آسمان کے نیچے آئی ہو۔ وہ مکان ایک پہاڑی کے دامن میں تھا، گویا وہی پہاڑی سلسلہ تھا جو لیڈی روزینہ کے فارم سے ملتا تھا۔
وہ مکان کے سامنے والے حصے میں تھی۔ دور تک ایک کچی سڑک جاتی ہوئی دکھائی دی۔ پہیوں کے نشانات صاف طور پر دیکھے جا سکتے تھے، وہاں سے کئی گاڑیاں گئی تھیں۔ میں نے کہا۔ "ان پانچ بھائی بہنوں میں بڑے بھائی کا نام آرمرود ڈ ہے، اس نے بتایا ہے کہ پاتال دنیا سے چار راستے باہر نکلتے ہیں۔"
سونیا سنتی جا رہی تھی اور مکان کے اطراف ایک چکر بھی لگا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "ایک راستہ لیڈی روزینہ کی خواب گاہ تک لے جاتا ہے، دوسرے راستے پر پومی کھڑی تھی، وہاں سے آرمر اپنی بہن جوجو کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔ تیسرا راستہ اس غار سے نکلتا ہے، جہاں ماسٹر کی اور روزینہ کی ملاقات ہوئی تھی اور چوتھا راستہ یہ ہے، جہاں تم ہو، وہ لوگ یہیں سے وہ اہم مشینیں نکال کر لے گئے ہیں۔"
سونیا نے کہا۔ "وہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ میں ان کا تعاقب نہیں کر سکتی۔ یہاں نہ کوئی آدم زاد ہے، نہ سفر کا وسیلہ، ریڈ پاور کے پاس سے بولو میرے لیے گاڑی بھیج دے مگر پہلے فرہاد کی خیریت معلوم کرو۔"
میں پھر فرہاد کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے خوش ہو کر پوچھا "میرے دوست! کیا تم ہو؟"
"ہاں میں دوست ہوں۔"
اُس نے ناگواری کا اظہار کیا۔ پھر سانس روک لی۔ میں فلسفی ہیوگو کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اس کی کھوپڑی میں فلسفہ پک رہا تھا۔ سامنے والی سیٹ پر تھرما کوائل کی خوبصورت اسسٹنٹ بیٹھی ہوئی تھی۔ گاڑی تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ اسسٹنٹ کا بدن ہولے ہولے ہل رہا تھا جیسے اپنی طرف بلا رہا ہو۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے فلسفیانہ انداز میں سوچنے لگا۔ کیا ایک روح دوسری روح کو گلے لگا سکتی ہے؟
اس کا فلسفہ یہ تھا کہ ایک دریا دوسرے دریا سے مل سکتا ہے۔ یعنی پانی پانی سے اور ہوا ہوا سے مل سکتی ہے مگر آدمی پانی کو گلے لگانا چاہے تو وہ اسے بھگو کر زمین پر پہنچ جائے گا۔ ہوا کو بانہوں میں لینا چاہے تو وہ بانہوں میں نہیں سمائے گی، بدن کو چھو کر گزر جائے گی۔ ہیوگو نے پاتال دنیا میں کسی عورت کو چھو کر نہیں دیکھا تھا۔ کیوں کہ وہاں روحیں ٹھنڈی تھیں، زندہ انسانوں کی دنیا میں پہنچتے ہی وہ گرم ہو رہا تھا۔ اس لیے تمام فلسفیانہ سوچیں ایک عورت کے گرد منڈلا رہی تھیں۔
میں اس کے ذریعے ونڈ اسکرین کے پار اور پیچھے گزرنے والے راستے کو دیکھتی جا رہی تھی۔ آگے پیچھے دوسری گاڑیاں نہیں تھیں۔ اہم مشینوں کو لے جانے والی گاڑیاں شاید کسی دوسرے راستے پر چلی گئی تھیں۔ میں نے ریڈ پاور کے پاس کو سونیا کے لیے ایک ہیلی کاپٹر بھیجنے کے لیے کہا۔ وہ بولا۔ "ہمارا ہیلی کاپٹر یہاں کی حکومت نے ضبط کر لیا ہے۔ جو پومی کی مدد کے لیے مسٹر نوا کے قلعے میں گیا تھا۔ دوسرا ہیلی کاپٹر بھی پومی لے گئی ہے، میں کسی تیسرے کا بندوبست کرتا ہوں۔ آپ بھی کوشش کریں، شاید پومی کا ہیلی کاپٹر مل جائے۔"
وہ ہیلی کاپٹر اُس فیکٹری کے احاطے میں اب تک موجود تھا۔ لیوجین اور آنند اُس میں سوار ہونے جا رہے تھے۔ میں نے آنند سے پوچھا۔ "پومی کہاں ہے؟"
اس نے کہا۔ "او فرہاد صاحب! آپ نے دیر کر دی۔ آرمر اسے لے گیا ہے۔"
یہ یقین کرنے والی بات نہیں تھی۔ وہ لیوجین اور آنند کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔ جب کہ اس کا دل فرہاد تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔ اصل قصہ یہ ہے کہ میں فرہاد کی ٹیم میں اکیلی خیال خوانی کرنے والی رہ گئی ہوں، معاملات بڑے پیچیدہ ہیں، تمام ساتھی

مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک کے پاس جاتی ہوں تو دوسرے کے پاس سے غیر حاضر رہتی ہوں، جہاں حاضر نہیں رہتی، وہاں کام بگڑ جاتا ہے۔
جب میں سونیا کے پاس گئی تو فرہاد اس سے بچھڑ چکا تھا۔ ادھر پومی تنہا رہ گئی تھی۔ آرمر خواہ کتنا ہی جی دار ہو، اس کے جیسے درجنوں بھی پومی کو زیر نہیں کر سکتے تھے مگر اس کم بخت نے فرہاد کے ذریعے اپنا کام نکالا تھا۔
پومی نے میرے جاتے ہی دوسرے کمرے کا دروازہ کھلوا کر لیوجین اور آنند کو باہر آنے کے لیے کہا۔ لیوجین کو دیکھتے ہی جوجو اور آرمر حیران رہ گئے۔ کیوں کہ پومی بھی اس کی ہم شکل تھی۔ جوجو نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔ "برادر! یہ دونوں جڑواں ہیں، میں یہ جوڑا اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"
پومی نے کہا۔ "آنند! لیوجین کو یہاں سے لے جاؤ، ہیلی کاپٹر میں میرا انتظار کرو۔"
آنند نے کہا۔ "پومی! ہم تمھیں تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔"
آرمر نے چونک کر دیکھا، پھر حیرت اور مسرت سے بولا۔ "پومی؟ یعنی کہ تم جڑواں بہنیں نہیں ہو؟ تم پومی ہو؟ وہ پومی جس کے وڈیو کیسٹ تمام خطرناک تنظیموں کے ریکارڈ روم میں پہنچ گئے ہیں؟"
"ہاں میں وہی ہوں مگر تمھیں خوشی کیوں ہو رہی ہے؟"
"خوشی کیوں نہیں ہو گی، میرے منصوبوں کی تکمیل ہو رہی ہے۔ میں فرہاد کے ساتھ اس کی تمام ساتھیوں کو زندہ بطور مُردہ بنا کر رکھنا چاہتا ہوں، میں تم میں سے کبھی کسی کو جان سے نہیں ماروں گا، تم سب زندہ رہ کر میرے لیے کام کرو گے مگر دنیا والوں کے لیے مردہ رہو گے۔"
وہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ "میرے سامنے ہوائی محل بنانے والا سونیا کو زندہ بطور مُردہ نہ بنا سکا۔"
وہ ناگواری سے بولا۔ "میری فہرست میں سونیا نہیں ہے۔ ہم بھائی بہنوں نے قسم کھائی تھی کہ پہلی فرصت میں اسے گولی مار دیں گے مگر جب ہماری مشینوں نے توقع سے زیادہ کارکردگی دکھائی تو ہم نے سوچا جوجو کی ضد پوری کی جائے۔ ہماری بہن معصوم اور نادان ہے، وہ سونیا کی طرح مکار بن جائے، اس ایک نامناسب فیصلے کے باعث سونیا کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا۔"
"کتنی عجیب بات ہے، لوگ فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے نہیں، سونیا کی مکاری سے خوفزدہ رہتے ہیں۔"
"اس مکار عورت کی عمر بہت کم رہ گئی ہے۔"
"میرا مشورہ ہے، تم جوجو کی عمر کا حساب رکھو۔ سونیا تمھاری کمزوری کو سمجھ گئی ہے۔"
وہ مسکرا کر بولا۔ "میں بھی سمجھ گیا ہوں، سونیا کی کمزوری فرہاد ہے۔ بابا صاحب کے ادارے میں تمھیں سونیا اور مرجانہ کا مرکب بنانے کی بڑی کامیاب کوششیں کی گئی ہیں، لہٰذا تم بھی سونیا اور بابا صاحب کے ادارے کی ایک کمزوری بن گئی ہو۔ ان میں سے کوئی تمھارا نقصان نہیں چاہے گا۔ کیا خیال ہے، میرے ساتھ چلو گی؟"
"حوصلہ ہے تو ہاتھ لگا کر دیکھ لو۔"
"ہاتھ لگانے کی کیا ضرورت ہے، اتنی دیر کی گفتگو سے سمجھ گیا ہوں، شیبا یہاں موجود نہیں ہے۔"
وہ چپ ہو کر مسکرانے لگا مگر اس کا قہقہہ پومی کو اپنے دماغ میں سنائی دے رہا تھا۔ اس نے یکبارگی چھلانگ لگائی، فضا میں تیرتی ہوئی آئی پھر ایک لات اس کے سینے پر ماری۔ وہ کراہتے ہوئے پیچھے جا کر کرسی سے ٹکرایا پھر اُسے لیے ہوئے فرش نشین ہو گیا۔ وہ چاہتی تھی، پھرتی سے حملے کرتے ہوئے اس قدر زخمی اور کمزور کر دے کہ وہ خیال خوانی کے قابل نہ رہے، اسے دماغی جھٹکے نہ پہنچا سکے۔
واقعی وہ ایسے موقعوں پر سونیا کی طرح حاضر دماغی اور چالاکی کا ثبوت دیتی تھی۔ دوسری طرف آرمر میں ٹیلی پیتھی کی مکمل صلاحیتیں پیدا تو ہو گئی تھیں مگر ان صلاحیتوں کو حاضر دماغی سے کام میں لانے کا تجربہ رفتہ رفتہ ہونے والا تھا۔ وہ زبردست لات کھا کر بوکھلا گیا تھا۔ سنبھلنے سے پہلے پومی نے ایسے ایسے ہاتھ دکھائے تھے کہ وہ چشم تصور میں اُس کا وڈیو کیسٹ دیکھتے دیکھتے ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اب اس کے فرشتے بھی ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال نہیں کر سکتے تھے۔
مگر اچانک ہی پومی کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کے دماغ کو زبردست جھٹکا پہنچا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر آرمر کی طرف دیکھا، وہ نڈھال پڑا ہوا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس میں دماغی جھٹکا پہنچانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ پھر کس نے ایسا کیا تھا؟
وہ پھر چیخ مار کر پیچھے گئی۔ دیوار سے ٹکرا گئی۔ وہاں سے چکراتے ہوئے آ کر صوفے پر گر پڑی۔ اس کا سارا وجود لرز رہا تھا۔ کون دشمن ایسا کر رہا تھا؟ دشمن کی آواز آئی۔ "تم نے میرے پیارے دوست کو زخمی کیا ہے، میں تمھیں سزا دیتا

رہوں گا۔"

وہ کراہتے ہوئے بولی "فرہاد! خدا کے لیے میرا ایک مشورہ مان لو۔ جب تک دوست اور دشمن میں تمیز نہ کرسکو ہمارے درمیان مداخلت نہ کرو۔ ہم میں سے کسی کے کام نہ آؤ، غیر جانبدار رہ کر جھوٹ اور سچ، دشمن اور دوست کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہو۔"

بعض باتیں دشمن پر اثر کر جاتی ہیں، دوست پر نہیں کرتیں۔ اس نے پھر ذہنی اذیت پہنچائی۔ پومی صوفے پر تڑپنے لگی۔ دانت کچکچاتے ہوئے بولی "ارے ظالم! کتنی سزا دے گا؟ بس کر خدا کے لیے بس کر۔"

"اگر تم سلامتی چاہتی ہو تو میرے دوست کے ساتھ چلی آؤ۔ میں تمھارا انتظار کروں گا۔"

پومی شدید تکلیف کے باوجود چونک گئی۔ کراہتے ہوئے بے یقینی سے بولی "تم میرا انتظار کر رہے ہو؟ مجھے اپنے پاس بلا رہے ہو؟"

"ہاں، میں نے وعدہ کیا تھا، تم سے ضرور ملوں گا۔ یہ وعدہ زندگی میں پورا نہ ہوسکا۔ مرنے کے بعد پورا کر رہا ہوں، آجاؤ۔"

وہ آہستہ آہستہ صوفے پر سے اٹھ گئی۔ اس نے ظالم بن کر جو اذیتیں پہنچائی تھیں، انھیں بھول گئی۔ بس اس سنگدل سے ملنا یاد رہ گیا۔ اس نے کہا "مسٹر آرمر! مجھے افسوس ہے آئندہ تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گی۔ مجھے فرہاد کے پاس لے چلو۔"

آرمر نے فرہاد کا شکریہ ادا کیا۔ پھر لیوچن اور آنند سے کہا "ہم جا رہے ہیں۔ تم دونوں پندرہ منٹ بعد یہاں سے جانا۔"

پومی نے ان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میری فکر نہ کرو۔ تم جوان مرد ہو۔ لیوچن کو تحفظ دو۔ اس ہیلی کاپٹر میں اسے جہاں لے جانا چاہو لے جاؤ۔ اسے کبھی بے سہارا نہ چھوڑنا۔"

وہ جوجو اور آرمر کے ساتھ چلی گئی۔ کہاں گئی؟ کس گاڑی میں گئی، یہ آنند نہ دیکھ سکا۔ وہ پندرہ منٹ کے بعد لیوچن کے ساتھ باہر آکر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو رہا تھا۔ تب میں وہاں پہنچی اور یہ تمام حالات معلوم کیے۔ میں نے آنند سے کہا "تم سفر شروع کرو، میں بعد میں آؤں گی۔"

میں نے پومی کے پاس آکر پوچھا "یہ کیا حماقت ہے؟ تم کہاں پھنسنے جا رہی ہو؟"

"پھنسنے نہیں، فرہاد سے ملنے جا رہی ہوں۔"

"تم دشمن کے ساتھ جا رہی ہو۔"

"دوست کے پیار میں پھنسنے کے بعد دشمن کا جال نظر نہیں آتا۔"

"کیا دیوانی ہوگئی ہو؟"

"دیوانی اتنا جانتی ہے جب بھی بلائے یار، آرہو جاؤ یا پار۔"

میں نے سونیا کے پاس آکر کہا "اس پر عشق کا بھوت سوار ہے۔"

"کس پر؟"

"وہ پومی دشمن کے ساتھ فرہاد سے ملنے جا رہی ہے۔"

"جوان لڑکی ہے، عشق تو کرے گی ہی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ کیا تمھیں اس بات پر اعتراض ہے کہ وہ فرہاد سے کیوں محبت کر رہی ہے؟"

میں ذرا گڑبڑا گئی جیسے اندر چھپی ہوئی بات باہر آگئی ہو۔ مجھے سونیا سے گفتگو کرتے وقت محتاط رہنا چاہیے۔ بعض اوقات وہ چالاک عورت اپنی باتوں سے چت کر دیتی ہے۔ میں نے ذرا سنبھل کر کہا "بھلا مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔"

وہ سرد آہ بھر کر بولی "شیبا! ہم سب بیمار ہیں اور ڈاکٹر مقدر بیگ نے اس ایک اتار کو ہم سب کے نسخے میں لکھ دیا ہے۔ صبر کرو۔"

ماں نیلما داسی اور بھگوان ہیرا سوامی کا قصہ ادھورا رہ گیا تھا۔ مجھے کسی اور طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں مل رہی تھی۔ ان لمحات میں بھی سونیا، فرہاد اور پومی آزمائشوں سے گزر رہے ہیں۔ میں ان کی خبر لیتی رہوں گی۔ اگر میری ضرورت پڑی تو میں یہ داستان پھر ادھوری چھوڑ کر ادھر چلی جاؤں گی۔

ماں نیلما داسی اور ہیرا سوامی کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ کچھ آدمیوں نے پومی، لیوچن اور آنند کو ایک ہوٹل میں گھیرنے اور پومی کو جبراً ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن پومی نے ان کی کوششوں کو ناکام بنادیا تھا۔

ہیرا سوامی نے کہا "میں بھگوان کی قسم کھا کر کہتا ہوں، وہ میرے آدمی نہیں تھے۔"

ماں نیلما داسی نے کہا "دنیا والوں کے سامنے بھگوان بنتے ہو اور بند کمرے میں حقیقی بھگوان کی قسم کھاتے ہو۔ میں ایک دوغلے کی بات پر بھروسا نہیں کرسکتی۔"

"منہ سنبھال کے بات کرو۔ اپنے شوہر کو دوغلا کہہ رہی ہو۔"

"کیا دنیا والوں کے سامنے شوہر ہونے کا اعتراف

کرو گے؟"

"بکواس نہ کرو۔ میں یہاں کب تک بندھا رہوں گا؟"

"جب تک میرا بیٹا صحیح سلامت واپس نہیں آئے گا۔"

"آخر وہ کب آئے گا؟ کہاں مر گیا ہے وہ؟"

نیلما نے چیخ کر کہا "وہ نہیں مر سکتا۔ آپ اس کی زندگی کی دعا مانگتے رہیں، ورنہ ریموٹ کنٹرول کا بٹن دب جائے گا۔"

ہیرا سوامی نے دہشت زدہ ہوکر نیلما کے سامنے رکھے ہوئے ریموٹ بلاسٹر کو دیکھا، پھر سر جھکا کر اپنی جیب کو دیکھتے ہی آنکھیں بند کرلیں۔ منہ پھیر لیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی جیب میں رکھا ہوا ننھا سا بم پھٹ پڑے گا۔

وہ بڑی عاجزی سے بڑبڑانے لگا "فرہاد! میں مانتا ہوں، تم نے ان آدمیوں کے دماغ میں پہنچ کر حقیقت معلوم کرلی ہوگی۔ بے شک وہ میرے آدمی تھے مگر تم نے یہ بھی معلوم کیا ہوگا، وہ اپنی مرضی سے پومی کو گرفتار کرنے گئے تھے۔ میں نے حکم نہیں دیا تھا۔ وہ نمک حلال ہیں، اپنے مالک کو بچانے کے لیے اپنی مرضی سے اقدامات کرتے رہتے ہیں۔ میں بھلا کیا کرسکتا ہوں؟"

وہ چپ ہوا۔ میرے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ وہ مجھے فرہاد سمجھ رہا تھا۔ یوں بھی میں اس وقت دونوں میاں بیوی کے درمیان موجود نہیں تھی۔ میں ان کے یہ حالات بعد میں معلوم کرنے کے بعد بیان کر رہی ہوں۔ بہرحال اس نے پھر مخاطب کیا "فرہاد! تم نیلما کو یقین دلاؤ۔ وہ میرے آدمی تھے مگر حکم میرا نہیں تھا۔"

میری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ بار بار مخاطب کر رہا تھا۔ پھر اسے یقین ہوگیا کہ میں موجود نہیں ہوں۔ اس نے گہری سوچتی ہوئی نظروں سے نیلما کو دیکھا۔ پھر کہا "میں کئی بار فرہاد کو مخاطب کرچکا ہوں۔ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ آنند کی خیریت سے ہمیں آگاہ کرتا رہے۔"

نیلما نے تائید کی "ہاں، میں بھی کئی بار مخاطب کرچکی ہوں۔ جانے وہ کہاں ہے؟ شاید میرے آنند کی نگرانی کر رہا ہو۔"

"یہ تمھاری خوش فہمی ہے۔ دوسروں پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے ٹرانسمیٹر لا کر دو۔ میں اپنے آدمیوں کو حکم دیتا ہوں، وہ صرف آنند کی خیریت معلوم نہیں کریں گے، اسے ایک گھنٹے کے اندر یہاں پہنچا بھی دیں گے۔"

"میں ٹرانسمیٹر نہیں دوں گی۔ تم پومی کے خلاف کوئی حکم دو گے تو میرے بچے کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"میں ایسا کروں تو بٹن دبا دینا۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ماں کا دل کہہ رہا تھا، کسی طرح بھی بیٹے کی خیریت معلوم کرنا چاہیے۔ وہ بولا "تم فرہاد نہیں ہو کہ سوچتے سوچتے بیٹے کے پاس پہنچ جاؤ۔ وقت ضائع نہ کرو۔"

اس نے ریموٹ بلاسٹر کو چٹائی کے پاس سے اٹھا لیا۔ پھر کمرے سے جاتے ہوئے بولی "میں دروازہ بند کرکے جا رہی ہوں۔ ٹرانسمیٹر لانے تک کسی نے یہاں آکر کھولنا چاہا تو بٹن دب جائے گا۔"

وہ کمرے سے باہر گئی۔ پھر دروازے کو باہر سے بند کردیا۔ ہیرا سوامی زیرِ لب اسے گالیاں دینے لگا۔ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے ہتھکڑی سے بندھے ہوئے کھڑکی کی آہنی جالی سے منسلک تھے۔ پاؤں آزاد تھے مگر وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ زبان پر پابندی نہیں تھی مگر وہ اپنے آدمیوں کو آواز دے کر بلا نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ بلاسٹر نیلما کے ہاتھ میں تھا۔ آواز دیتے ہی وہ دھماکا کر دیتی۔

کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ وہ ایک ٹرانسمیٹر لے آئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ریموٹ بلاسٹر تھا۔ اس نے ذرا فاصلے سے بائیں ہاتھ کا ٹرانسمیٹر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ لو۔"

وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ نیلما نے اسے دیکھا۔ پھر اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ پھر وہ ٹرانسمیٹر کو کیسے تھام سکتا تھا۔ اس نے کہا "اگر یہ ٹرانسمیٹر تم میرے ہاتھوں میں تھما دو تب بھی میں کسی سے بات کرنے کے لیے نہ تو فریکوئنسی ملاسکوں گا، نہ بات کرسکوں گا۔ چھوٹے ٹرانسمیٹر کو منہ کے قریب رکھ کر بات کرنا ہوتی ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"میرے پاس آؤ۔ میری بتائی ہوئی فریکوئنسی سیٹ کرو۔ پھر میرے منہ کے قریب اسے رکھو۔ میں ابھی آنند کو یہاں بلوالوں گا۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی "نن... نہیں۔ میں قریب آؤں گی تو یہ بلاسٹر چھین لو گے۔"

"تم پاگل ہو۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور کون سے ہاتھ ہیں کہ چھین لوں گا۔ تمھیں بھروسا نہیں ہے تو بلاسٹر کو چٹائی کے پاس رکھ کر آؤ۔ اگر میں ٹرانسمیٹر پر آنند کے خلاف کوئی بات کردوں تو بلاسٹر کے پاس چلی جانا۔"

یہی طریقہ مناسب لگا۔ اس نے چٹائی کے پاس اسے ایسی جگہ رکھا کہ خطرہ محسوس ہو تو ایک قدم بڑھاتے ہی وہاں پہنچ کر بٹن دبانے کی دھمکی دے سکے۔ وہ ایک وفا شعار بیوی تھی۔ اب بھی اسے مار ڈالنے کے لیے نہیں، صرف دھمکی دینے کے متعلق سوچ رہی تھی۔

وہ ٹرانسمیٹر لے کر قریب آئی۔ ہیراسوامی اسے بتانے لگا کہ کس طرح مخصوص فریکوئنسی سیٹ کرنا چاہیے۔ وہ اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگی۔ ذرا سی دیر میں چوں چوں، کی دھیمی آواز سے اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے کہا "دیکھو ذرا سنو کتنی دھیمی آواز ہے۔ اسے منہ کے قریب لاؤ، ورنہ دوسری طرف آواز نہیں جائے گی۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے ذرا قریب آئی۔ ہیراسوامی نے شوہرانہ ناراضگی سے کہا "جاؤ میں بات نہیں کروں گا۔ تم خود ہی بیٹے کو بلا سکتی ہو تو بلا لو۔ کیا مجھ سے آکر لگو گی تو گنہگار بن جاؤ گی؟"

اس نے اور قریب آکر ٹرانسمیٹر کو منہ سے لگا لیا۔ وہ بولنے لگا "ہیلو ہیلو۔ میں جی ایچ ایس بول رہا ہوں۔ ہیلو کوڈ ورڈز میں پیغام سنو اور فوراً عمل کرو۔"

نیلما نے کہا "خبردار! کوڈ ورڈز میں نہیں۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کیا بول رہے ہیں۔"

"بھئی میں کسی سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم نے مجھے باندھ رکھا ہے اور میری جان خطرے میں ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ رہا ہوں کہ تمھارے کمرے میں ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ اچانک اُچھلا۔ پھر دونوں ٹانگیں پھیلا کر نیلما کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چیخ کر بولا "فوراً آکر مجھے بچاؤ۔"

اس کے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر چھوٹ گیا تھا۔ وہ دونوں ٹانگوں کے حلقے سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اس نے بلاسٹر کو صرف ایک قدم کے فاصلے پر رکھا تھا۔ وہ پلک جھپکتے ہی وہاں پہنچ سکتی تھی مگر گرفت سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ اس نے بڑی مضبوطی سے ٹانگوں کا پیچ ڈال رکھا تھا۔

"چھوڑ دو مجھے۔ جانے دو مجھے۔ تم میری اولاد کے دشمن ہو۔ فرہاد کو معلوم ہوگا کہ تم اس بم سے نجات پا گئے ہو تو وہ میرے آنند کو مار ڈالے گا۔"

وہ رونے لگی۔ گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی "میں اپنے سہاگ کی قسم کھاتی ہوں، وہ بلاسٹر حاصل کر کے تمھارے ساتھ جان دے دوں گی۔ ہم اپنی اولاد پر قربان ہو جائیں گے۔"

وہ رو رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی۔ اس کی گرفت میں مچل رہی تھی اور ہیراسوامی چھت پر سے اُتر کر آنے والوں کا انتظار کر رہا تھا۔ ابھی ان کے آنے میں دیر تھی۔ اس سے پہلے ہی اچانک بازی پلٹنے لگی۔ ایک چوہا دوڑتا ہوا جانے کہاں سے آ گیا تھا۔ وہ نیچے کمرے میں آکر ٹھہر گیا۔ اس کے اور ریموٹ بلاسٹر کے درمیان صرف دو گز کا فاصلہ تھا۔

ہیراسوامی کے دیدے وحشت سے پھیل گئے۔ اُس نے "ہش ہش" کہہ کر اسے بھگانا چاہا۔ شاید وہ بھاگ جاتا۔ لیکن صرف انسان ہی دہشت زدہ نہیں ہوتا، جانور بھی ہوتے ہیں۔ چوہا خوفزدہ تھا۔ اس نے گھوم کر دروازے کی جانب دیکھا۔ آواز آئی "میاؤں میاؤں۔"

یک نہ شُد دو شُد۔ بلی نے دروازے سے ہی چھلانگ لگائی۔ ادھر چوہے نے دوڑ لگائی۔ وہ کیا جانے چوہے دانی کیا ہوتا ہے اور بلاسٹر کیا بلا ہے۔ ہیراسوامی نے ایک چیخ ماری۔ "نہیں، ابے وہاں سے نہیں۔۔"

مگر چوہا اپنی جان بچانے کے لیے دوڑتا ہوا بلاسٹر کے اوپر سے گزرتا چلا گیا۔ ہیراسوامی نے آنکھیں بند کر لی تھیں "ہے بھگوان! معاف کر دے۔ اگر بچ گیا تو کبھی بھگوان نہیں بنوں گا۔ سادھو بن جاؤں گا۔ سنیاس لے لوں گا۔"

نیلما نے کہا "ایسے ہی پچھتا رہے ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ تم نیکی کے راستے پر چلنا چاہتے ہو تو میں دھماکا نہیں کروں گی۔ چھوڑ دو مجھے۔"

اس نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا۔ شاید چوہے کا وزن زیادہ نہیں تھا۔ اس لیے بٹن نہیں دبا۔ یا وہ بٹن کے قریب سے گزر گیا ہوگا۔ ہیراسوامی کو یقین ہوا کہ وہ بچ گیا ہے۔ اس نے کہا "نہیں چھوڑوں گا۔ تو میری دشمن ہے۔ تو مجھے بھگوان بنتے نہیں دیکھنا چاہتی۔ اب میرے آدمی آتے ہی ہوں گے۔ میں بچ جاؤں گا۔"

"میاؤں، میاؤں۔" بلی نے جیسے وارننگ دی۔ وہ پھر گھبرا گیا۔ کیوں کہ چوہا پھر بلی کی نظروں میں آ گیا تھا۔ وہ بھاگ رہا تھا۔ یہ پیچھا کر رہی تھی۔ حالات کی ستم ظریفی یہ کہ یہ بھاگ دوڑ بلاسٹر کے آس پاس ہو رہی تھی۔ وہ دور جاتے تھے مگر پھر وہیں آ جاتے تھے۔ ہیراسوامی نے رونے کے انداز میں چیختے ہوئے کہا "ارے اس بلی کا ایک پاؤں بھی بٹن پر پڑ گیا تو کیا ہوگا؟ سب کچھ ہوگا پر یہ بھگوان نہیں ہوگا۔ ہے بھگوان! مجھے معاف کر دے۔ مجھے نہ اٹھا، اس بلی چوہے کو اٹھا لے۔ میں چوہا بن جاؤں گا مگر کبھی بھگوان نہیں بنوں گا۔ میں کبھی تیری گدی پر نہیں بیٹھوں گا۔"

نیلما اب جدوجہد نہیں کر رہی تھی۔ اس نے گردن میں بانہیں ڈال کر کہا "بھگوان نے میری سُن لی۔ بلی ضرور اس پر سے گزرے گی۔ ہم دونوں ساتھ مریں گے۔"

"تو تم مرو، میں نہیں مروں گا۔ کبھی نہیں مروں گا۔ دور ہو جاؤ۔

۔۔۔ نظروں سے، مگر نہیں۔ میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں خود نہیں چھوڑوں گی۔"

اُس نے فوراً ہی گرفت ڈھیلی کر دی، اسے چھوڑ کر دونوں ۔۔۔ پر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا "دوڑو، اُس بلاسٹر کو اُٹھا لو۔"

ادھر بلی نے یکبارگی بلاسٹر کی طرف چھلانگ لگائی۔ چوہا ۔۔۔ری طرف تھا۔ چھلانگ چوہے پر تھی۔ اس لیے وہ بلاسٹر کے ۔۔۔ بالشت اوپر سے گزرتی چلی گئی۔ ہیراسوامی کی آنکھوں کے سامنے ۔۔۔ ناچ رہی تھی۔ اس نے سمجھا بلی بٹن پر پہنچ گئی ہے۔ اس نے ۔۔۔ ہی زندگی کی آخری چیخ ماری۔ پھر بلی کو اور بیوی کو بیک ۔۔۔ گالیاں دیتے ہوئے کہنے لگا "اری اُسے اٹھاتی کیوں ۔۔۔ مجھ سے کیوں چپکی ہوئی ہے؟"

"ہم نے مندر میں بھگوان کے سامنے قسم کھائی تھی کہ ۔۔۔ جنم ساتھ رہیں گے۔"

"میں وہ قسم توڑتا ہوں۔ تجھے آنند کی قسم بلاسٹر کو ۔۔۔ٹھا لے۔"

بیٹے کی قسم سنتے ہی وہ فوراً الگ ہوئی۔ پھر بلاسٹر کو اٹھا ۔۔۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اسے اٹھا لیا۔ کیوں کہ دوڑتے ہوئے قدموں ۔۔۔ آوازیں آ رہی تھیں۔ ذرا ہی دیر میں کتنے ہی مسلح افراد دروازے ۔۔۔ نظر آئے۔ ہیراسوامی نے غصے سے گرجتے ہوئے کہا۔ "ذلیل ۔۔۔ اب آ رہے ہو؟ کہاں مر گئے تھے؟"

ایک نے سر جھکا کر کہا "سوامی جی! ہم مجبور تھے۔ آنند ۔۔۔ بو نے زنانہ گیٹ کو لاک کر دیا تھا۔ ماں نیلما داسی کے آدمی ۔۔۔ تالا توڑنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ ہم نے ان ۔۔۔ سے لڑائی کی۔ انھیں مار کے بھگایا تب تالا توڑ کے یہاں ۔۔۔ پہنچے ہیں۔"

نیلما نے کہا "پہنچ تو گئے ہو مگر میرے کمرے میں قدم ۔۔۔ رکھنا اور تمھارے سوامی جی بھی تم سے یہی کہیں گے۔"

مسلح افراد نے سوالیہ نظروں سے ہیراسوامی کو دیکھا۔ ۔۔۔ نے نیلما کو رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ پھر تھوک نگلتے ۔۔۔ کہا "میری جیب میں ننھا سا بم ہے۔ اگر تم میں سے یہاں ۔۔۔ قدم رکھے گا تو میں ریموٹ بلاسٹر کے ذریعے مر جاؤں گا۔ اس ۔۔۔ میری زندگی تمھاری ماں نیلما داسی کے ہاتھ میں ہے۔"

ایک نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا "ہم کیا کر سکتے ہیں؟ حکم دیجیے۔"

سوامی جی نے کہا "ہمارے تمام ذرائع استعمال کرو۔ جتنی جلدی ۔۔۔ سکے، آنند کو بحفاظت یہاں لے آؤ۔ جتنی جلدی ہو سکے مجھے ۔۔۔ مصیبت سے نجات دلاؤ۔"

وہ حکم سن کر جانا چاہتے تھے۔ اس نے کہا "ٹھہرو، اس کم بخت بلی کو گولی مار دو۔"

وہ چوہے کو شکار نہیں کر سکی تھی۔ جانے وہ کب نکل گیا تھا۔ آنے والے دروازے پر تھے اس لیے بلی نہیں نکل سکی تھی۔ ایک نے اپنی رائفل سیدھی کرنا چاہی، نیلما نے ڈانٹ کر کہا "خبردار! اسے نہ مارنا۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

انھوں نے بے بسی سے سوامی جی کو دیکھا۔ وہ غصے سے بولا "مجھے کیا دیکھتے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔ ابھی جاؤ اور ابھی آنند کو لاؤ۔"

وہ چلے گئے۔ اس کمرے میں وہ دونوں پھر تنہا رہ گئے، نیلما نے کہا "آدمی چاہے جتنی کوششیں کر لے، اپنی زندگی سے زیادہ نہیں زندہ رہ سکتا اور چاہے کتنا ہی خطرات سے کھیل لے اپنی موت سے پہلے نہیں مر سکتا۔"

وہ غرا کر بولا "کیا تم مجھے نصیحتیں کر رہی ہو؟"

"آپ نے بھگوان بن کر نصیحتیں کرنے کا ٹھیکا نہیں لے لیا ہے۔ جو کچھ ابھی ہوا، اس پر غور کیجیے۔ آپ نے اپنے بچاؤ کے لیے کیسی چال چلی تھی۔ مجھے پاس بلا کر جکڑ لیا۔ بڑی چالاکی سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے آدمیوں کو بلایا۔ کیا آپ کے آدمیوں نے بچا لیا؟"

وہ ذرا توقف سے بولی "یہ غور کرنے کا مقام ہے۔ آپ نے کامیاب چال چلی۔ آپ کے آدمی مدد کو آنے والے تھے مگر قدرت نے حقیر سے چوہے اور بے ضرر سی بلی کو بھیج دیا۔ قدرت نے یہ سمجھا دیا کہ آپ بچنا چاہیں گے تو نہیں بچ پائیں گے۔ صرف وہی مالکِ حقیقی ہمیں بچاتا ہے اور وہی ہمارے دن پورے کرتا ہے۔"

اس نے کہا "میں شرمندہ ہوں۔ مجھے عقل آ گئی ہے۔ آئندہ میں بھگوان بننے کی حماقت نہیں۔۔۔"

"یہ شرط اب۔ موت آپ کے سینے سے لگی دھڑک رہی ہے۔ اس کے باوجود آپ چند منٹوں کے اندر کئی بار انسان بن کر پچھتائے، پھر کئی بار شیطان بن گئے۔ میں آپ پر کبھی بھروسا نہیں کروں گی۔ مگر ہاں آپ کو اس موت سے نجات دلاتی ہوں جو انسانی ہاتھوں سے آ رہی ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "یعنی تم میرے ہاتھ کھول دو گی؟"

"ہاں، ابھی میں نے آپ کو جو نصیحت کی ہے، اس پر مجھے بھی عمل کرنا چاہیے۔ مجھے بھی بھروسا کرنا چاہیے کہ وہ مالکِ حقیقی چاہے گا تو میرے بیٹے کو دنیا سے اٹھا لے گا۔ وہ چاہے گا

تو میرے بیٹے کو لمبی عمر دے گا۔ پھر میں تمھیں موت کی دھمکی کیوں دے رہی ہوں؟ اس کا مطلب ہے، میرا ایمان کمزور ہے۔ مجھے آپ کے نہیں، اپنے ایمان کو دیکھنا چاہیے۔ آپ خالقِ حقیقی پر بھروسا کریں یا نہ کریں، مجھے کرنا چاہیے۔"

وہ آگے بڑھی، اس کے قریب آئی۔ اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس ننھے سے بم کو نکالا، پھر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ مارے خوشی کے کانپنے لگا۔ "ہا نیلما، ہا ہا تم دیوی ہو۔ او ہو ہو میں خوشی سے مر جاؤں گا۔ بس ایک بات اور مان لو۔ اس منحوس ریموٹ بلاسٹر کو اپنے سے دور رکھو اور میرے ہاتھ کھول دو۔ میری بات مان لو، میرے دل کی رانی، میری نیلما، میری ماں، میرے ہاتھ کھول دو۔"

اس نے بلاسٹر کو چٹائی پر رکھ دیا۔ اس کی طرف آنے لگی۔ وہ چیخ مار کر بولا "نہیں، وہ حرام زادی بلی آ جائے گی۔ اسے وہاں نہ رکھو۔ میرے ہاتھوں میں دے دو۔ ارے کیوں میرا دل دہلاتی ہو۔ اس بم کو بھی چٹائی پر رکھ دو۔ وہ زیادہ دور تو نہیں ہے، ہم دونوں مر جائیں گے۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ اس کے دل میں ماتا اور چہرے پر ایمان کا نور تھا۔ اس نے پاس آ کر ہتھکڑی کھول دی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ابھی پیدا ہوا ہو۔ ابھی زندگی ملی ہو۔ اس نے آزاد ہاتھوں کو اٹھا کر ایک بڑک ماری۔ نیلما کو ایک طرف دھکا دیتا ہوا چٹائی کے پاس آیا۔ پھر ایک ہاتھ سے ریموٹ بلاسٹر اور دوسرے سے گولی نما بم کو اٹھا کر فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ وہاں سے پاگلوں کی طرح ہنستا ہوا دوڑتا ہوا کمرے سے باہر آیا "میں زندہ ہوں۔ میں مر نہیں سکتا۔ میں کبھی نہیں مر سکتا۔ کیوں کہ بھگوان کبھی نہیں مرتا۔"

وہ خوشی سے چلاتا ہوا، دوڑتا ہوا اس عمارت کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ایک بالکونی میں آیا۔ باہر باغیچے میں اس کے چند افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے ہاتھ جوڑ کر کہا "سوامی جی! ہم تمام ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ آنند بالو کی جلد ہی خبر ملے گی۔"

اس نے کہا "تم لوگوں نے تمام ذرائع استعمال کیے، صرف بھگوان کا ذریعہ رہ گیا ہے۔ نمک حرامو! اسے استعمال کرنے کے لیے بھگوان کے پاس جاؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے بالکونی کی بلندی سے اس ننھے بم کو اپنے وفاداروں کی طرف پھینکا۔ پھر اس کے ساتھ ہی ریموٹ بلاسٹر کے بٹن کو دبا دیا۔ وہ بم چھوٹا سا تھا مگر دھماکا زبردست ہوا۔ کتنے ہی مسلح افراد کی چیخیں دور تک گونج گئیں۔ وہ بالکونی سے منہ پھیر کر واپس آنے لگا۔ مالک یہ نہیں دیکھتا کتنے کتے جو مر گئے سو مر گئے۔ جو زندہ بچے، وہ وفادار رہیں گے کتے ہیں۔

اس کے سر سے موت ٹل گئی تھی۔ وہ جھوم جھوم کر میں چلتا ہوا نیلما کے کمرے میں آیا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں پہنچا۔ نیلما ٹیلیفون کا ریسیور اٹھائے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ وہ آہٹ سن کر پلٹ گئی۔ پھر بولی "آنند میں ہٹن میں ہے۔ میں فون کر کے معلوم کرتی ہوں۔"

ہیرا سوامی نے ریسیور کو چھینا۔ پھر وہی ریسیور اس کے سر پر مارتے ہوئے کہا "ذلیل عورت! اپنے بیٹے کی خاطر مجھے موت کی سولی پر لٹکائے رکھا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ تڑاتڑ ہاتھ جمانے لگا۔ بے چاری مار کھاتی رہی۔ اس نے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ایک جھٹکا دیتے ہوئے کہا "کیا فرہاد تیرا سگا تھا۔ کیا اس کے جانے کے بعد میری جیب سے وہ بم نہیں نکال سکتی تھی؟ کیا اب وہ تجھے بچانے آئے گا؟"

"مجھے صرف بھگوان پر بھروسا ہے۔ یاد رکھیے، میں آپ کا ظلم اس لیے سہتی ہوں کہ ایک دن آپ میرے بیٹے کو باپ کا نام دیں گے۔"

"میں تیرے بیٹے کو چٹکی میں مسل دوں گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔"

"مسلنا تو دور کی بات ہے، آپ اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ میں ہزار بار سمجھا چکی ہوں۔ جب تک آنند سلامت ہے میں آپ کے قدموں کی دھول بن کر رہوں گی۔ اگر اسے نقصان پہنچایا گیا تو میری دشمنی مہنگی پڑے گی۔"

اس نے پھر بھرپور ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا "نمک حرام! میرا کھاتی ہے، مجھ پر غراتی ہے، مجھے دھمکی دیتی ہے۔ میں جا رہا ہوں، اب تیرے بیٹے کی لاش تیرے پاس بھیجوں گا۔"

وہ پاؤں پٹختے ہوئے جانے لگا۔ نیلما نے پیچھے سے چلتے ہوئے کہا "یہاں ہزاروں عقیدت مند جتنا تمھیں جانتے ہیں، اتنی ہی میری عزت کرتے ہیں۔ تم نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ اعتراف کیا ہے کہ ماں نیلما داسی جگت ماتا ہے۔ وہ سچی اور سچی ہے۔ لہٰذا اب میں سچ بولوں گی کہ تم بھگوان ہو نہ بھگوان کے اوتار۔ تم محض ایک عام سے آدمی ہو اور میرے بچے کے باپ ہو۔"

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ وہ بولی "میرے بیان کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ تم آنند سے دشمنی کرنے جاؤ، میں تمھارا پول کھولنے آشرم جا رہی ہوں۔"

وہ پلٹ گیا۔ دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"سچ بولنے سے پہلے ہی تیری آواز ختم کر دوں گا۔"

وہ گلا دبوچنے لگا۔ نیلما کچھ کہنا چاہتی تھی، کہہ نہ سکی۔ اس کی آواز گھٹ رہی تھی، سانس رک رہی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے بولی "ہیرے...."

اچانک اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ نیلما ایک جھٹکے سے خود کو چھڑاتے ہوئے گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ ہیرا سوامی پریشان ہو کر اسے گھورنے لگا۔ وہ بولی "تم امریکا حکومت کو سترہ رولس رائس کاروں کا حساب نہیں دے سکتے، ان ایک کروڑ ڈالر کے ہیروں کا حساب کیسے دو گے، جنھیں میں چھپا کر رکھتی ہوں۔ اگر میں یہ خزانہ ظاہر کر دوں تو؟"

"تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں وہ تمام ہیرے اپنی تحویل میں لے لوں گا۔"

"اگر وہ خزانہ میرے پاس سے برآمد کر سکو تو ضرور اپنی تحویل میں لے لینا۔"

"تمھارا مطلب ہے، وہ ہیرے مجھے واپس نہیں کرو گی؟"

"تم نے بہت کما لیا اور کماتے ہی جا رہے ہو۔ تم جانتے ہو میں لالچی عورت نہیں ہوں۔ جس دن تم آنند کے باپ ہونے کا اعلان کرو گے، میں وہ ہیرے واپس کر دوں گی۔"

"میں زبردستی چھین سکتا ہوں۔"

"میں نے پانچ برس کے عرصے میں انھیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے، یہ تمھارے فرشتے بھی معلوم نہیں کر سکیں گے۔"

وہ گہری سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں تسلیم کر رہا تھا "یہ عورت میرے خلاف ہو گی تو آشرم میں آنے والے مجھ پر شبہ کریں گے۔ انٹیلی جنس والے میرے پیچھے پڑے ہیں۔ یہ میرے خلاف انھیں بہتیرے ثبوت فراہم کر سکتی ہے۔ پھر بیش قیمت ہیروں کا ذخیرہ چھپائے بیٹھی ہے۔ اس کا کچھ بندوبست کرنا ہی ہو گا۔ ماں بیٹے کو اتنی صفائی سے ختم کرنا ہو گا کہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔"

وہ گہری سنجیدگی سے بولا "وہ ہیرے تمھارے پاس ہی رہیں گے۔ اپنے پاس رکھنا ہوتا تو تمھیں نہ دیتا۔ اتنا بتا دو، انھیں کہاں چھپا کر رکھا ہے؟"

"تم نے محض اس لیے مجھے رکھنے کو دیے کہ تمام خزانہ تمھارے پاس نہیں رہنا چاہیے۔ کسی دن بھی پولیس والے چھاپہ مار سکتے ہیں۔ یاد ہے، تم نے مجھے آنند کی قسم دی تھی کہ انھیں جہاں بھی چھپا کر رکھو، کسی کو نہ بتانا۔ میں آج تک اس قسم کی پابند ہوں اور آنند کی سلامتی کے لیے پابند رہوں گی۔"

"تم بہت اچھی ہو، مجھے بتا دو۔"

"یہ تمھاری دی ہوئی قسم ہے کہ کسی کو نہ بتانا۔ پھر میں کیسے بتا سکتی ہوں۔"

وہ غصے سے بھڑک کر بولا "میں غیر نہیں ہوں، مجھے بتا سکتی ہو۔"

"میرے مرنے کے بعد بھی تمھیں معلوم نہیں ہو سکے گا۔"

"اگر میں آنند کو موت کے شکنجے میں پہنچا دوں تو؟"

اس کے اندر ماتا لرز گئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع مل گیا۔ وہ سوچتے ہوئے دھیرے دھیرے فون کے پاس گئی۔ پھر ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو، میں ہوں، ماں نیلما داسی۔"

ہیرا سوامی دور کھڑا اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ اچانک خوشی سے کھل کر بولی "آنند! میرے بچے! تم کہاں ہو؟ ہاں، ہاں، اچھا بالکل خیریت سے ہو؟ کوئی پریشانی یا مصیبت نہیں ہے؟"

اس نے ہیرا سوامی کو کن انکھیوں سے دیکھا۔ وہ ٹیلیفون کے قریب آ رہا تھا۔ نیلما نے کہا "بیٹے! میں آج تک نصیحت کرتی آئی ہوں، آج ایک حکم دے رہی ہوں، کیا مانو گے؟ ہاں۔ ہاں۔ شاباش۔ فی الحال جہاں ہو وہیں رہو۔ میں تمھیں دور نہیں رکھنا چاہتی، مگر میرے پاس خطرہ ہے۔"

ٹھیک اسی وقت میں نیلما کے پاس پہنچ گئی۔ وہ بیٹے سے باتیں کر رہی تھی اور میں چپ چاپ معلوم کر رہی تھی کہ ہیرا سوامی بم اور بلاسٹر سے کیسے نجات پا گیا۔ ماں بیٹے کی گفتگو اتنی جلدی ختم ہونے والی نہیں تھی۔ میں اطمینان سے تفصیل معلوم کرتی رہی۔ ہیرا سوامی نے کہا "نیلما! جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ اور آنند کو بلا لو۔"

وہ بولی "میں اتنی نادان نہیں ہوں۔ تم آنند کو میری کمزوری بنا کر اس خزانے تک پہنچنا چاہو گے۔"

"بے وقوف عورت! مجھے طیش نہ دلاؤ۔ میں اس خزانے تک اور تمھارے بیٹے تک پہنچ کر دکھا سکتا ہوں۔"

میں نے نیلما کو مخاطب کیا "ماں جی! میں فرہاد بول رہا ہوں، ریسیور رکھ دیجیے۔ میں بعد میں آنند سے رابطہ کرا دوں گا۔"

وہ بولی "ہیلو بیٹے! فرہاد میرے دماغ میں ہیں۔ میں پھر تم سے بات کروں گی۔ ریو جین سے کہنا، میں بھی اسے پسند کرتی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر بولی۔

"فرہاد! تم انتر گیانی ہو، اندر کا حال معلوم کر لیتے ہو، کیا بتا سکتے ہو میں تم سے کیا کہنا چاہتی ہوں؟"

"جی ہاں۔ آپ مجھ سے آنند کی حفاظت کرنے کے لیے کہیں گی۔ میں بھی یہی کہنے آیا ہوں۔ جب تک ہیرا سوامی انسان نہ بن جائے اور اُسے بیٹا تسلیم نہ کر لے، آپ کا بیٹا میری پناہ میں رہے گا۔"

"خوش رہو، خدا تمھیں لمبی عمر دے۔ تمھاری پناہ میں میرے بیٹے کی عمر بھی لمبی ہو گی۔ سوامی! تم سُن رہے ہو۔ آج سے آنند فرہاد کی پناہ میں رہے گا۔"

وہ بے یقینی سے بولا "بکواس کر رہی ہو۔ فرہاد یہاں نہیں ہے۔ تم باتیں بنا رہی ہو۔"

میں نے اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے سانس روک لی۔ میں نے نیلما کے ذریعے کہا "ہیرا سوامی بے شک دماغ میں نہ آنے دو مگر میری چند اہم باتیں سُن لو۔ پہلی بات یہ کہ وہ ایک کروڑ ڈالر کے ہیرے صرف آنند کی ملکیت رہیں گے۔ اگر تم وہاں تک پہنچنے کی سازش کرو گے تو تم سے پہلے میں اس خزانے تک پہنچ جاؤں گا۔"

"میں ان ہیروں پر تمھارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔"

"تم سایہ پڑنے کی بات کرتے ہو اور میں ماں جی کے دماغ سے اس خزانے کا پتا پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔"

"میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے اُن ہیروں کا پتا بتا دوں۔ ایک بات یاد رکھو، اگر تم نے کسی سازش کے تحت ماں بیٹے کو ختم کرنا چاہا تو ان کی موت کے بعد وہ ہیرے میں ہی سمیٹ کر لے جاؤں گا۔ دانشمندی یہی ہے، انھیں اپنے بیٹے کے لیے رہنے دو۔"

وہ بے بسی سے نیلما کو یوں تکنے لگا جیسے اس کے پیچھے چھپے ہوئے فرہاد کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ نیلما نے میری مرضی کے مطابق پوچھا "میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ اپنے عیش کدے میں جاؤ۔ تمھارا پلنگ ہیروں سے جڑا ہوا ہے۔ اس خواب گاہ کی ہر چیز میں ہیرے جگمگاتے ہیں، کچھ دن اور عیش کر لو پھر تمھارے اور چھ عدد ماسٹر کی کے دن پورے ہونے والے ہیں۔"

وہ چپ چاپ چلا گیا۔ میں جانتی تھی۔ اس کے دماغ میں بہت سی سازشیں پک رہی ہوں گی۔ وہ ماں بیٹے سے نجات پانے، ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہنے اور ایک کروڑ ڈالر کے ہیروں تک پہنچنے کے لیے ضرور اپنے جال پھیلائے گا جن میں ہم الجھ کر رہ جائیں۔

میں نے نیلما سے کہا "ماں جی! آپ کو بھی یہاں نہیں ر[ہنا] چاہیے۔ ایک بیوی کی حیثیت سے وفاداری آپ کے بیٹے ک[و] نقصان پہنچائے گی۔ جتنی جلدی ممکن ہو، اس جہنم سے نکل جائ[یں]"

"میں یہاں سے نکلوں گی تو سوامی جی کے جاسوس م[یرا] تعاقب کریں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ایک گھنٹے بعد ایک ہیلی کاپٹر اس عمارت کی چھت پر آئے گا، وہ آپ کو آنند تک پہنچا دے گ[ا] باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ میں جا رہا ہوں۔ خدا حافظ۔"

"بیٹے! تم رحمت کے فرشتے ہو، خدا حافظ، رام تمھارا رکھ[وا]"

میں چپ ہو گئی۔ نیلما نے سمجھا، فرہاد چلا گیا ہے۔ وہ بھگو[ان] کی مورتی کے پاس آئی۔ پھر سر جھکا کر دونوں ہاتھ جوڑ کر دو زانو ہو گئی۔ آنند اور فرہاد کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ [میں] خاموشی سے ایسی معلومات حاصل کر رہی تھی جو ہیرا سوامی [کے] خلاف کسی وقت بھی کام آسکتی تھیں۔

ایک بات جو نیلما کے متعلق معلوم ہوئی، وہ یہ کہ وہ بالک[ل] ہی سیدھی نہیں تھی۔ اس نے جوانی میں دھوکا ضرور کھایا تھا او[ر] دھوکا دینے والا ہیرا سوامی ہی تھا۔ اس بے چاری نے سو[چا] جب ایک کی ہو گئی ہے اور اس کے بچّے کی ماں بن گئی ہے تو پھر کسی دوسرے مرد کا منہ دیکھنا گناہ ہے۔ وہ اس کے ہر [ظلم] کو برداشت کرتی رہی۔ اس ظلم کا بھی ایک اہم سبب تھا۔ وہ [یہ] کہ جب پہلی بار ہیرا سوامی نے اس کے بچّے کو اپنا نام دینے [سے] انکار کیا تب اس نے مندر کے پجاری سے یہ تحریر حاصل ک[ی] کہ اس کی موجودگی میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ پجاری کے علاوہ [چند] کے لوگوں نے بھی اس پر دستخط کیے تھے۔ اس طرح اس کے پ[اس] اس بات کا ثبوت ہو گیا تھا کہ اس نے ہیرا سوامی سے شاد[ی] کی تھی اور اس کے بچّے کی ماں بن چکی تھی۔

اب ہیرا سوامی نے امریکا میں بہت نام پیدا کیا [اور] بہت دولت کمائی تھی۔ انسان سے بھگوان بن رہا تھا لیکن [اس] کی ایک کمزوری نیلما کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اس پر ظلم بھی ک[رتا] تھا اور اسے خوش بھی رکھتا تھا تاکہ وہ کسی طرح اس کاغذ[ات] اس کے حوالے کر دے لیکن وہ اہم کاغذ کہاں تھا، یہ نیلما [نے] آج تک نہیں بتایا تھا۔

اسے اپنے بیٹے کی سلامتی، اس کی خوشحالی اس[کی] نیک نامی کی خاطر ذرا عقل آ گئی تھی۔ اس نے جب ہیرا سو[امی] کو ہیرا پھیری کرتے دیکھا تو خود بھی وہی کرنے لگی مگر اسی حد [تک] کہ بیٹے کے لیے سب کچھ کرتی رہے۔ دوسروں کو نقصان نہ [پہنچے] ہیرا سوامی اپنی دولت اور جائدادیں سے جو کچھ اسے دیتا، یہ سب

کچھ اپنے بیٹے کے لیے محفوظ کر لیتی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں، ہیرا سوامی کی طرح اس نے بھی کتنی ہی عورتوں اور مردوں کو دولت سے خرید رکھا تھا تاکہ وہ وقت ضرورت کام آسکیں۔

وہ سال میں دو بار ہندوستان جاتی تھی۔ اس کے پاس پانچ عورتیں اور دس مرد ایسے جاں نثار ملازم تھے جو بظاہر ہیرا سوامی کے لیے کام کرتے تھے لیکن در پردہ ماں نیلما داسی کے کام آتے تھے۔ وہ جب بھی ہیرا سوامی کے کام سے ہندوستان جاتے تو ماں نیلما داسی کا کام پہلے کرتے تھے۔ یعنی وہ ایک کروڑ کے ہیرے جو چھپائے گئے تھے۔ وہ دراصل ہندوستان منتقل کیے گئے تھے اور یہ کام تقریباً پچھلے پانچ برسوں سے ہوتا آرہا تھا۔

گویا نیلما کے پاس ہیرا سوامی کی دو بڑی کمزوریاں تھیں، ایک تو قیمتی ہیرے اور دوسرے وہ اہم کاغذات جو اُسے بھگوان نہیں، ایک معمولی آدمی ثابت کرتے تھے اور اس کی شادی اور اس کے باپ ہونے کا پول کھولتے تھے۔

ہیرا سوامی کو اب تک بھرپور اعتماد تھا کہ نیلما جیسی وفادار بیوی اس کے راز کو فاش نہیں کرے گی۔ اس کے ہیرے اپنے بیٹے کے لیے چھپائے رکھے گی لیکن ایسا نقصان نہیں پہنچائے گی کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ اب یہ اطمینان ختم ہو چکا تھا۔ میں نے فرہاد کی حیثیت سے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا، ٹیلی پیتھی کے ذریعے نیلما کے اندر پہنچ کر وہ تمام راز معلوم کیے جا رہے ہیں جنھیں وہ شوہر کی حیثیت سے بھی معلوم نہ کر سکا تھا۔

میں نے سوچا، فرہاد کے پاس جاؤں لیکن دل چاہتے ہوئے بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ اس کے پاس جاؤں تو سانس روک لیتا تھا۔ کبھی غصہ آتا تھا۔ کیا میں اس کے در کی بھکاری ہوں۔ میرے آتے ہی دروازہ بند کر دیتا ہے۔ دھتکار دیتا ہے۔ کوئی اور ہوتی تو پلٹ کر نہ دیکھتی مگر یہ کم بخت دل لوٹ پوٹ کر اُدھر ہی جانا چاہتا تھا۔

یہ دل اسے کب سے چاہنے لگا تھا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ شاید اس وقت سے جب میں ٹیلی پیتھی کی ابتدائی مشقیں کر رہی تھی۔ حالاں کہ میں اس سے شدید نفرت کرتی تھی۔ کہاں میں یہودی اور کہاں وہ ایسا مسلمان جن سے ہماری تاریخی منافرت چلی آرہی تھی۔ مجھے تو فرہاد کا نام ایک بدترین دشمن کا نام لگتا تھا۔

پھر اس نفرت کی آگ میں ربی اسفندیار نے تیل کا کام کیا۔ وہ مذہبی پیشوا تھے لیکن دین کی باتیں کم کرتے تھے زیادہ تر فرہاد کے خلاف زہر بھرتے تھے۔ ان کا فرض تھا، وہ آسمانی کتاب توریت پڑھتے۔ مجھے بھی پڑھاتے۔ ان آیتوں کے معنی اور تفسیر بیان کرتے مگر وہ توریت کی جگہ فرہاد کا ریکارڈ سناتے تھے۔ انھیں اندیشہ تھا، میں جوان ہوں مگر نادان ہوں، کسی دن بھی فرہاد کے عشق میں مبتلا ہو جاؤں گی۔ وہ بتایا کرتے تھے۔ اس نے رومانہ کے ساتھ عیش کیا۔ پھر اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔ وہ بے چاری اس کی تلاش میں دشمنوں کے ہاتھوں حرام موت مر گئی۔

اس نے سونیا سے محبت کی مگر کبھی اس کے ساتھ چار دن بھی نہیں رہتا۔ وہ بے چاری یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ محبت چار دن کی ہوتی ہے۔ اس نے سب سے زیادہ رسونتی کو احمق بنایا۔ وہ پہلی عورت تھی جو ٹیلی پیتھی کے ذریعے اُسے منہ توڑ جواب دیتی تھی کیوں کہ وہ اس کے دماغ میں پہنچ کر مصیبت بن جاتی تھی اور جب وہ دماغ میں آنا چاہتا تو سانس روک لیتی تھی۔ وہ بدترین مکّار شخص ہے۔ اس نے دماغی داؤ پیچ آزمائے۔ اسے محبت میں گرفتار کیا۔ اسے اپنے بچّے کی ماں بنایا۔ پھر طلاق دے دی۔

ربی نے کہا تھا "ثنیا! تمھیں رسونتی کا عبرت ناک انجام پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی نہ گھر کی رہی نہ گھاٹ کی۔ نہ ہندو رہی نہ مسلمان۔ نہ بیوی رہی نہ بچّے کی ماں۔ میں تمھیں سمجھاتا ہوں، اگر کبھی اس کے فریب میں آؤ تو میری باتوں کو یاد کر لینا۔ تم بھی اس کی محبوبہ رہو گی نہ بیوی۔ یہودی رہو گی نہ مسلمان۔ نہ اسرائیل میں جگہ ملے گی نہ دنیا کے کسی ملک میں۔ وہ تمھیں رسونتی کی طرح یوں دماغی مریضہ بنائے گا کہ پھر تم خیال خوانی کے قابل نہیں رہو گی۔"

ربی کی ایک ایک بات مجھے جانے انجانے اندیشوں میں مبتلا کر دیتی تھی۔ پھر تنویمی عمل کے ذریعے بھی ربی نے میرے اندر نفرت کا زہر بھر دیا تھا اور اس دہشت میں مبتلا کر دیا تھا، جس کی وجہ بیان نہیں کر سکتی کہ آخر اس سے خوفزدہ کیوں ہوں؟ اگر وہ عیاش ہے تو میں اسے کبھی لفٹ نہیں دوں گی۔ اس کے سائے سے بھی دور رہوں گی لیکن میں تو ڈرنے لگی تھی۔ اس کا نام سنتے ہی یوں لگتا تھا جیسے وہ میرے اندر ہے۔ اچانک پھٹ پڑے گا اور میرے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔

اور یہی ایک نفسیاتی نکتہ ہے جو میری اور ربی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ عورت کسی کے متعلق فطرتاً تجسس میں مبتلا رہتی ہے۔ اسے ڈرایا جائے کہ شجر ممنوعہ کی طرف نہ جاؤ، عذاب الٰہی نازل ہو گا تو وہ بے شک ڈرے گی مگر تجسس میں بھی رہے گی۔ تنہا اس اسرار کو سمجھنے کا حوصلہ نہ ہو گا تو وہ مرد کو بہکا کر

اُدھر لے جائے گی۔ عورت آگ سے ڈرتی ہے مگر چولہے کی جلتی ہوئی لکڑی کو پکڑ کر اِدھر سے اُدھر رکھ دیتی ہے۔ یعنی جس سے ڈرتی ہے ایک دن اسی کو پکڑتی ہے۔ مرد ہوتا ہے مہم جو۔ وہ پہاڑ کی بلند ترین چوٹیوں کو سر کر لیتا ہے، عورت ہوتی ہے مہم جو۔ خواہ وہ کتنا ہی خوفناک ہو، وہ اسے سر کرتی ہے اور سر پر چڑھ کر حکومت کرتی ہے۔

مجھے رفتہ رفتہ محسوس ہوا میں فرہاد کو اپنے سامنے بے بس کرنا چاہتی ہوں اور مرد کو بے بس کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور اتنی محبت کی جائے کہ وہ پاگل ہو جائے۔

ایک نفسیاتی نکتہ اور بیان کر دوں، عورت کو ایسی باتوں کے لیے سوچنے اور منصوبے بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ اپنی فطرت کے مطابق سوچے سمجھے بغیر اور کسی ارادے کے بغیر پہلے خود اس کے لیے پاگل ہوتی ہے، اپنا جادو بعد میں جگاتی ہے۔

میں قسم کھا کر کہتی ہوں، میں جان بوجھ کر فرہاد کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دراصل وہ نفرتیں جھوٹ ثابت ہوئیں جو میرے اندر زہر کی طرح بھری ہوئی تھیں۔ میں نے بارہا دیکھا تھا۔ وہ کبھی کسی لڑکی سے نہ محبت میں پہل کرتا ہے، نہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے پہچانتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے کسی بھی شریف زادی کے کمرے میں گھس سکتا ہے مگر آج تک وہ اپنی عورت کی تنہائی میں بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں گیا۔ اگر کسی کم ظرف کو خیال خوانی آتی تو وہ ہماری دنیا کو اپنی طرح ننگا کر دیتا مگر فرہاد خدا سے ڈرتا ہے۔

مجھے اس کی دوسری بات جو پسند آئی، وہ میرے تحفظ کا عمل تھا۔ اس نے میری صحت مندی اور سلامتی کے لیے مجھے بابا صاحب کے ادارے میں رکھا۔ آج میں مختلف مشقوں سے گزرتے ہوئے بڑی حد تک سانس روک لیتی ہوں۔ سانس روک لینے کا مطلب یہ ہوا کہ میں جسمانی اور دماغی طور پر سو فیصد نارمل ہوں۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ میں یوگا میں مہارت حاصل کر کے اس کے برابر ہو سکتی ہوں یا کسی آزمائشی موڑ پر اس کی دشمن بن سکتی ہوں۔ پھر میں پہلے جیسی کمزور شیبا کی طرح اس کے قابو میں نہیں آؤں گی۔

اس نے اپنی غرض کو نہیں دیکھا، میری بھلائی دیکھی۔ آج میں عملی میدان میں خود اس کی جگہ اہم فرائض ادا کر رہی ہوں۔ یہ اعتماد اسی نے پیدا کیا ہے۔ اب وہ اپنے دماغ سے مجھے بھٹکایا کرتا ہے تو بھٹکاتا رہے، میں باز نہیں آؤں گی۔ آخری سانس تک اس کے پیچھے دوڑتی رہوں گی۔

میں نے فرہاد کا ذکر وہاں تک کیا تھا جہاں وہ کسی گاڑی میں فلسفی ہیوگو، تھرما کوائل اور براڈ نوز وغیرہ کے ساتھ بیٹھا سفر کر رہا تھا۔ وہ سب کہاں جا رہے تھے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ میں نے ہیوگو کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان کے آگے پیچھے اور بھی گاڑیاں ہیں یا نہیں؟ وہ گاڑیاں پاتال دنیا کی اہم مشینیں لے کر جا رہی تھیں۔

میں تھوڑی دیر کے لیے فرہاد کو چھوڑ کر ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کے پاس گئی۔ پھر اس سے کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ یہاں میلوں دور تک دائرے کی صورت میں پرواز کرو۔ جن ویران راستوں سے بڑے بڑے ٹرک گزر رہے ہوں ان پر نظر رکھو۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

ہیلی کاپٹر نیو یارک کے قریب پہنچ رہا تھا۔ وہاں سے واپس ہونے لگا۔ لیوچن نے پریشان ہو کر پوچھا "تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟"

میں نے پائلٹ کے بدلے جواب دیا "فکر نہ کرو، میں فرہاد ہوں، میری ایک ضرورت کے لیے ابھی پرواز جاری رہے گی۔"

میں کبھی لیوچن اور آنند کے ذریعے اور کبھی پائلٹ کے ذریعے معلوم کرتی رہی۔ نیچی پرواز کے باعث ویران راستوں سے گزرنے والی گاڑیاں صاف طور پر نظر آ رہی تھیں۔ لیڈی روزینہ کے فارم کے اطراف میلوں دور تک جتنے راستے تھے ان پر بہت کم گاڑیاں چلتی تھیں۔ گاڑیوں میں کاریں، فورڈ ویگن اور موٹر سائیکلیں تھیں۔ وہاں ایک بھی ٹرک یا ایسی کوئی مال بردار گاڑی نظر نہیں آئی۔ جس پر اہم مشینیں لے جانے کا شبہ ہوتا۔

میں نے مایوس ہو کر ہیلی کاپٹر کا رُخ سونیا کی طرف کرا دیا۔ وہ ریڈ پاور کی طرف سے آنے والی کسی گاڑی کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے کہا "ہیلی کاپٹر آ رہا ہے۔"

اس نے پوچھا "تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟"

"کیا بتاؤں سونیا! کچھ میری ناتجربہ کاری ہے۔ کچھ حالات تیزی سے بدلتے رہتے ہیں۔ میں فیصلہ نہیں کر پاتی، پہلے کدھر جانا ہے اور کون سے کام کو پہلے اہمیت دینا چاہیے۔"

"تم اب تک کیا کرتی رہیں؟"

میں نے بتایا کہ میں ان گاڑیوں کا سراغ نہیں لگا سکی جو اہم مشینیں لے کر گئی ہیں۔ میں نے ہیرا سوامی اور نیلما کے بھی

مختصر حالات بتلائے۔ اس نے سر اٹھا کر دور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہیلی کاپٹر آ رہا ہے، اسے یہاں پہنچا کر فرہاد کے پاس رہو۔ بائی دی وے، تم نے ہیرا سوامی کے اہم راز معلوم کر کے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اب شاید چھ عدد ماسٹر کی تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

میں ہیلی کاپٹر میں آ گئی۔ پائلٹ کو بتانے لگی کہ سونیا کہاں انتظار کر رہی ہے۔ جب پائلٹ نے اسے دیکھ لیا اور اس کے سامنے والے میدان میں اترنے لگا تو میں فرہاد کے پاس پہنچ گئی۔ گاڑی تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا آرمرووڈ کے متعلق سوچ رہا تھا حالاں کہ وہ اس کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ اب تک صرف آواز سنتی تھی۔ اس کی صورت تک نہیں دیکھی تھی لیکن اس سے ایسے متاثر تھا جیسے وہی اس کا سب کچھ ہو، جیسے اس کے ہونے سے یہ ہے اگر وہ نہ ہو تو یہ خود بھی نہ ہو۔

میں پریشان تھی کہ اس کے دماغ سے آرمرووڈ کے تاثرات کو کس طرح مٹایا جائے۔ مجھے خیال آیا سونیا بھی اسی طرح آرمرووڈ کی آواز سے متاثر تھی۔ اسے دواؤں اور انجکشنوں کے ذریعے دماغی مریضہ بنا کر اس نے اپنی ذات سے متاثر کیا تھا اور اسے اپنے احکامات پر عمل کراتا تھا لیکن ایک وقت ایسا آیا جب وہ اس کے اثر سے نکل گئی۔ اس طرح یہ بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس شخص کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ شاید اسی لیے وہ ہفتے میں ایک بار فرہاد جیسے لوگوں پر تنویمی عمل کراتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ انھیں لوری سنائی جا رہی ہے۔

اس گاڑی میں سفر کرنے والے فرہاد، ہیوگو، تھرما کوائل اور براڈ نوز وغیرہ سب لوری سن کر خوابیدہ تھے۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، جاگ رہے تھے، ذہن سے آس پاس کی دنیا کو محسوس کر رہے تھے، سب کچھ سمجھ رہے تھے، پھر بھی خوابیدہ تھے یوں گم صم بیٹھے ہوئے تھے جیسے مر چکے ہوں۔ مرنے کے بعد جس دنیا کو چھوڑ چکے تھے، اسی دنیا میں واپس آ کر روحانی سفر کر رہے ہوں۔

سونیا ہیلی کاپٹر میں سفر کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا "فرہاد کو آرمرووڈ کے اثر سے کس طرح نکالا جا سکتا ہے؟"

"اس پر غور کرنا ہو گا۔"

"میں تمھارے تجربات کے حوالے سے پوچھتی ہوں۔ اگر فرہاد کو آگ سے جلایا جائے تو؟"

"کیا تمھارا دماغ چل گیا ہے؟"

"تم پر گرم گرم چائے گر پڑی تھی اور تم ایسے چونک گئی تھیں جیسے نیند سے بیدار ہو گئی ہو۔ اسی وقت تم اس کے اثر سے نکلی تھیں۔"

"میری بات اور ہے۔ مجھ پر دواؤں اور انجکشنوں کا اثر ختم ہو رہا تھا۔ ایسے ہی وقت مجھے اس گرم چائے نے بیدار کر دیا۔"

"پھر تنویمی عمل کے دوران تم چپ چاپ اپنے بدن کو نوچتی رہی تھیں۔ خود کو اذیت پہنچاتی رہی تھیں جس کے نتیجے میں آرمرووڈ ناکام رہا۔"

"یہ درست ہے۔ فرہاد کے ساتھ ایسا کرنے کے لیے اس کے پاس زیادہ سے زیادہ موجود رہنا ہو گا۔ تمھیں کسی ایسے موقع کی تلاش میں رہنا ہو گا جب تم اسے آرمر کے اثر سے نکال سکو۔"

"میں فرہاد کے پاس جا رہی ہوں۔"

"جاؤ مگر پومی کی خبر لیتی رہو۔ مجھے دونوں کے حالات سے باخبر رکھو۔"

میں نے پومی کو مخاطب کیا۔ اس کی خیریت پوچھی، اس نے کہا "جب تک فرہاد مجھے نہ ملے، میں دشمنوں کے ساتھ بخیریت رہوں گی، میری فکر نہ کرو۔"

"کیسے نہ کروں، یہ تمھارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو سونیا سے کر چکے ہیں۔ تمھیں بھی دواؤں اور انجکشنوں کے ذریعے دماغی مریضہ بنایا جائے گا اور یہ تو تم دیکھ چکی ہو، وہ ایسے دماغی مریض بناتے ہیں جو زندہ بطور مردہ ہوتے ہیں۔"

"میں کوشش کروں گی، مجھ پر ایسا وقت نہ آئے۔ تم فرہاد کے متعلق مجھے بتا دو۔ وہ ابھی کہاں ہے اور کہاں مل سکتا ہے اور کب تک مل سکتا ہے؟"

"میں فرہاد کے پاس جا رہی ہوں۔"

میں اس کے پاس آ گئی مگر وہاں پہنچتے ہی گڑبڑا سی گئی۔ پہلے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ فرہاد اور اس کے ساتھ بیٹھنے والے ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ایسا لگا جیسے وہ آپس میں لڑ پڑے ہوں مگر ایسی بات نہیں تھی۔ وہ اوپر سے نیچے ہو رہے تھے۔ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ گاڑی کبھی الٹ رہی تھی، کبھی سیدھی ہو رہی تھی، پھر اچانک ایک طرف کا دروازہ کھلا اور اس میں بیٹھے ہوئے دو چار لوگ باہر کی طرف گرے مگر گاڑی سے نجات پانے کے باوجود اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکے تھے، اس لیے چیختے چلاتے نیچے کی طرف گر رہے تھے۔ گاڑی ان سے آگے تھی اور وہ پیچھے رہ

کیے تھے۔

تب میری سمجھ میں آیا، وہ جس گاڑی میں سفر کر رہے تھے، وہ نشیب میں لڑھک رہی تھی۔ یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔ اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی فرصت نہیں تھی، میں نے فرہاد کو دیکھا۔ وہ گاڑی سے باہر گرنے کے بعد لڑھکتا ہوا دو ابھری ہوئی چٹانوں کے درمیان جا کر پھنس گیا تھا۔ ایک چٹان نے اسے نیچے لڑھکنے سے روکا تھا۔ دوسری سے اس کا سر ٹکرا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ میں نے اتنا ہی سمجھا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گیا ہے، لہولہان ہو رہا ہے اور اب اس کا دماغ ڈوبتا جا رہا ہے۔ میں نے آواز دی ”فرہاد! میری آواز سنو، میں شیبا بول رہی ہوں۔ فرہاد! ہوش میں رہو، اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ فرہاد، فرہاد...“

مگر وہ خود کو سنبھال نہ سکا۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ اس کا دماغ تاریکی میں ڈوبنے لگا۔ میرا دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ جیسے ابھی سینہ پھٹ پڑے گا اور میں بھی فرہاد کے ساتھ تاریکیوں میں ڈوب جاؤں گی۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ سونیا کے پاس پہنچ کر بتایا، فرہاد کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ بھی پریشان ہو گئی۔ اس نے پوچھا ”کیا تمہیں فرہاد کے دماغ میں جگہ نہیں مل رہی ہے؟“

”مل رہی ہے مگر وہ... میرا مطلب ہے، وہاں بالکل تاریکی ہے۔ سناٹا ہے۔ اس کی سوچ کی ایک ذرا سی لہر بھی موجود نہیں ہے۔“

”تم ذرا سی بات پر گھبرا جاتی ہو، فوراً اس کے دماغ میں پہنچو، جب تمہیں دماغ میں جگہ مل رہی ہے تو یقیناً وہ زندہ ہے، سوچ کی لہر کمزور ہو گئی ہے۔ اسے تم محسوس نہیں کر سکو گی مگر وہ زندہ ہے۔ میرا دل کہتا ہے، وہ زندہ ہے۔ تم جاؤ۔“

میں فرہاد کے دماغ میں پہنچی۔ یقیناً وہاں جگہ مل رہی تھی، مگر سوچ کی ایک ذرا سی لہر بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں جانتی ہوں، زندہ اور مردہ دماغ میں کیا فرق ہوتا ہے۔ خیال خوانی کے ذریعے فوراً ہی پتا چل جاتا ہے جیسے ہی آدمی کا دم نکلتا ہے، جسم کے ساتھ دماغ مردہ ہو جاتا ہے۔ خیال خوانی کی لہریں باہر آجاتی ہیں بھٹکتی رہتی ہیں مگر اس مرنے والے کا دماغ خیال خوانی کرنے والے کو نہیں ملتا اور مجھے فرہاد مل رہا تھا۔ ابھی اس کی زندگی کی آس باقی تھی۔

میں سونیا کے پاس آگئی۔ وہ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے کہہ چکی تھی کہ انہی اطراف میں پرواز کرتا رہے اور کسی ایسی گاڑی کو دیکھتا رہے جو نشیب میں گر پڑی ہو اور پرواز کے دوران ایسی ایک گاڑی کو دیکھ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ بشرطیکہ وہ اس علاقے تک پہنچ سکتے۔

میں نے سونیا کو بتایا ”وہ ابھی زندہ ہے مگر تشویشناک حالت میں ہے۔“

”تم اس پر نظر رکھو، کسی طرح اسے مدد پہنچانے کی کوشش کرو، میں اسے تلاش کر رہی ہوں۔“

”میں جا رہی ہوں۔“

”ٹھہرو، اس کے پاس براہِ راست نہ جانا۔ وہ پہلے ہی کمزور ہو چکا ہے، تمہارے بار بار جانے سے اس کے دماغ پر بوجھ پڑے گا، دوسروں کے ذریعے اس کی نگرانی کرو اور دیکھو، اس کے لیے کیا کر سکتی ہو۔“

وہ درست کہہ رہی تھی مجھے دوسروں کے ذریعے اس کی نگرانی کرنا چاہیے تھی۔ لہٰذا میں نے ہیوگو کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی، پھر ناکام ہوئی، وہ مر چکا تھا۔ میں نے تھرما کوائل کو تلاش کیا، اس کے بعد براڈ نوز کے دماغ تک چھلانگ لگانے کی کوشش کی۔ ہر جگہ سے ناکامی ہوئی۔ وہ سب ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے تھے۔ بے چاروں کی موت کتنی عجیب تھی، وہ مرنے سے پہلے مر چکے تھے مگر زندہ تھے اور اب دوبارہ مر چکے تھے۔ پتا نہیں، شاید دوبارہ مرتے ہوئے انھیں احساس ہوا ہو کہ وہ تو زندہ تھے۔ موت تو اب آئی ہے۔ آہ بے چارے۔

میں پھر فرہاد کے دماغ میں پہنچی، حالاں کہ سونیا نے منع کیا تھا لیکن دل نہیں مان رہا تھا۔ اس کے دماغ میں ویسی ہی تاریکی اور گہرا سناٹا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ میری ہی سوچ کی لہریں مجھے سنائی دیں مگر اس کا جواب نہیں ملا۔

میں پومی کے پاس آگئی۔ اس سے کہا ”فرہاد حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ گاڑی میں سفر کرنے والے تمام ساتھی مر چکے ہیں، وہ بھی موت کے منہ میں ہے۔ زندگی کے برائے نام آثار ہیں۔“

میں اس حادثے کے متعلق اسے مختصر طور پر بتانے لگی۔ پھر اس سے کہا ”تم فرہاد سے ملنے کی آرزو لے کر جا رہی تھیں اگر دشمنوں کو معلوم ہو کہ فرہاد ہاتھ سے نکل رہا ہے یا خدانخواستہ دنیا سے اٹھ رہا ہے تو وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑیں گے۔“

”تم میری ذرا پروا نہ کرو۔ ابھی فرہاد کے پاس پہنچو دوسری تمام مصروفیات کو بھول جاؤ۔ اس کا ساتھ بالکل نہ چھوڑنا۔“

وہ میرے دل کی بات کہہ رہی تھی۔ سونیا کی ہدایت کے مطابق مجھے اس کے دماغ میں نہیں جانا چاہیے۔ ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں اس کی خبر لے سکتی اور کسی کے دماغ میں رہ کر اس کی نگرانی کر سکتی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ مجبوراً پھر اس کے دماغ میں جانا پڑا۔ میں وہاں گئی مگر میرا عجب حال تھا۔ جب اسے بالکل بے حس و حرکت دیکھتی تو دل ڈوبنے لگتا تھا۔

مجھے اس کے ذریعے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا وہ کس عالم میں ہے؟ میں گھبرا کر سونیا کے پاس گئی۔ اسے مخاطب نہیں کیا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی، فرہاد کو زندگی اور موت کے درمیان دیکھ کر اس کی دوسری ساتھیوں کی خصوصاً سونیا کی کیا حالت ہوتی ہے، اگر اسے حوصلہ ہو گا تو پھر مجھے بھی حوصلہ ملے گا۔ میں چپ چاپ اس کے خیالات پڑھنے لگی۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی، بابا فرید واسطی کو یاد کر کے کہہ رہی تھی ”آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں، آپ نے فرمایا تھا، فرہاد کے آخری وقت میں ہی اس کے پاس رہوں گی۔ میں آپ کے وسیلے سے دعا مانگ رہی ہوں، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر کہہ رہی ہوں۔ مجھے فرہاد کے پاس نہ پہنچانا۔ اگر اس کے آخری وقت میں پہنچ سکتی ہوں یا میرے پہنچنے سے اس کا آخری وقت آسکتا ہے تو مجھے اُدھر کا رُخ نہیں کرنا چاہیے۔“

یکبارگی اس نے پائلٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہیلی کاپٹر کا رُخ نیویارک کی طرف موڑ دو، میں فرہاد کو تلاش نہیں کروں گی۔ کبھی تلاش نہیں کروں گی۔ وہ میرا کوئی نہیں ہے، میں کبھی اس کی صورت نہیں دیکھوں گی۔ یا خدا، جس کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی، اسے زندہ اور سلامت رکھ، میں یہی چاہتی ہوں۔“

میں فرہاد بول رہا ہوں حالاں کہ ابھی بولنے کے قابل نہیں ہوں۔ جس حالت میں ہوں، اس حالت کو خود سمجھ نہیں سکتا۔ حواسِ خمسہ کے اعتبار سے مردہ ہوں۔ یہ دنیا کہتی ہے، جب آدمی نہ دیکھ سکے، نہ سُن سکے، نہ چھو سکے، نہ چکھ سکے، نہ سونگھ سکے تو پھر وہ زندہ نہیں ہوتا۔ اس کا شمار مردوں میں ہوتا ہے لیکن ایک چھٹی حس بھی ہوتی ہے۔ میں اس غیر معمولی حس کو حوصلہ کہتا ہوں اور اسی حوصلے نے ابھی مجھے زندہ رکھا ہے۔

آدمی کو ڈوبتے اور اُبھرتے دیر نہیں لگتی۔ اچانک ہی میرے پانچوں حواس بیدار ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا، جیسے مجھ پر پانی ڈالا جا رہا ہے، پھر محسوس ہوا نہیں، یکبارگی پانی نہیں ڈالا گیا ہے بلکہ چھینٹے پڑ رہے ہیں یا پانی کی پھوار پڑ رہی ہے۔ شاید کوئی مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ آخر وہ کون ہے؟

کوئی نہیں ہے۔ قدرتی حالات ہیں، قدرت سوتے کو جگاتی ہے، مُردے کو جلاتی ہے اور کھوئی ہوئی دماغی توانائی بحال کرتی ہے۔ میری آنکھیں کھل گئیں، میں نے دیکھا۔ بارش ہو رہی تھی ایسی ہی بارش کو رحمتِ خداوندی کہتے ہیں۔ اس ویرانے میں مجھ پر پانی کے چھینٹے ڈال کر ہوش میں لانے والا کوئی نہیں تھا مگر خدا تو تھا، خدا تو ہے، خدا تو رہے گا۔

میں کچھ دیر تک وہاں پڑا ہوا بارش سے دُھندلائے ہوئے آسمان کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ ’میں کون ہوں؟ میں کہاں ہوں؟‘

پھر مجھے یاد آیا، ہماری گاڑی میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا۔ ڈرائیور اسے سنبھال نہیں سکا تھا۔ وہ قابو سے باہر ہو کر نشیب کی طرف لڑھکنے لگی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا، یہ سوچنا نہیں پڑا۔ میں دو چٹانوں کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ فوراً ہی یاد آگیا کہ لڑھکتی ہوئی گاڑی کے کھلے ہوئے دروازے سے گر کر یہاں آ پڑا تھا۔ چند لمحوں تک میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی، اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد دو سوال ذہن میں پیدا ہوئے تھے ’میں کہاں ہوں اور کون ہوں؟‘ میں جہاں تھا، وہ تو جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اصل مسئلہ تھا: میں کون ہوں؟ اب تک میری ساتھی عورتیں اور بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے میرے متعلق پریشان تھے۔ میں زندہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مردہ سمجھ رہا تھا۔ دوست ہوتے ہوئے بھی دشمنوں جیسا سلوک کر رہا تھا۔ اب مجھے ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس آواز کے طلسم سے نکل رہا تھا جو میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔

میں سر سے پاؤں تک زخمی ہوا تھا، خصوصاً سر پر شدید چوٹیں آئی تھیں، شاید انہی چوٹوں نے مجھے اُس طلسم سے نکالا تھا۔ میں مرتے مرتے بچا تھا اور موت سے بچنے کا مطلب یہی تھا کہ زندگی کی طرف لوٹ آیا ہوں۔ میں وہی فرہاد علی تیمور ہوں جو کسی کے اثر میں نہیں رہتا، کسی کے قابو میں نہیں آتا۔ میں وہی فرہاد علی تیمور ہوں۔

میں نے بڑی مشکل سے کروٹ لیتے ہوئے اوپر کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ بہت بلندی تک چٹانوں اور پتھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ بارش کا پانی ان پتھروں اور چٹانوں سے ہو کر گزرتا ہوا میری طرف آرہا تھا اور میرے پاس سے بھی تیزی سے گزر رہا تھا۔ اگر چٹانوں کا سہارا نہ ہوتا تو پانی کا وہ ریلا مجھے

گہری پستی میں پہنچا دیتا۔ جہاں پہنچنے تک میری ایک ہڈی پسلی بھی سلامت نہ رہتی۔
سر اٹھا کر دیکھنے کے باوجود وہ راستہ نظر نہیں آرہا تھا جہاں سے ہماری گاڑی بے قابو ہوئی تھی۔ اب اس نامعلوم بلندی تک چڑھنے اور سڑک تک پہنچنے کی سکت نہیں تھی۔ سارا جسم پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ سر میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ میں کیا کروں، سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہیں ساری زندگی تو گزار نہیں سکتا تھا۔
اگر میں حوصلہ کرکے اوپر چڑھنا چاہتا، تب بھی یہ ممکن نہ ہوتا۔ اوّل تو ہر طرف سے بارش کا پانی نشیب کی طرف آرہا تھا اور میرے پاس سے گزر رہا تھا۔ دوم یہ کہ تمام پتھر اور چٹانیں گیلی ہوگئی تھیں۔ ہاتھ پاؤں کے سہارے سے چڑھنے والا بار بار پھسل سکتا تھا اور میں یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔
رفتہ رفتہ بارش کی شدت میں کمی ہونے لگی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں، سوچنے لگا، کیا آج میری کوئی ساتھی نہیں ہے؟ آخر یہ شیبا کہاں چلی گئی؟
اس کا نام لیتے ہی ایک سرد آہ سنائی دی۔ پھر وہ سرگوشی میں بولی "میں تمہارے پاس ہوں۔"
"پھر خاموش کیوں تھیں؟"
"تم اب تک مجھے دور ٹالتے رہے ہو۔ میں نے سوچا۔ زخموں سے چُور رہو۔ مجھے اپنے دماغ کے اندر محسوس نہیں کرسکو گے لہٰذا جب تک چاہوں گی، چپ چاپ تمہارے اندر موجود رہوں گی۔"
"میں زخموں سے چُور ہوں۔ آدھا بلندی پر ہوں۔ آدھا پستی میں جانے والا ہوں۔ آدھی زندگی کھینچ رہی ہے۔ آدھی موت بلا رہی ہے، ایسے میں تم رومانی مکالمے ادا کر رہی ہو۔"
اس کی ہنسی سنائی دی۔ میں نے کہا "جاؤ، مجھے یہاں سے نکالنے کا بندوبست کرو۔"
"کیا تم کوئی آواز سُن رہے ہو؟"
میں نے کان لگا کر سُنا۔ دور کہیں سے ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے کہا "سونیا آرہی ہے۔"
بارش ختم ہو رہی تھی۔ بادل چھٹ رہے تھے۔ وہ ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا میرے قریب بلندی پر آگیا۔ پھر اس میں سے ایک رسّا لٹکتا ہوا نیچے آنے لگا۔ اس کے نچلے حصّے میں ایک پھندا بنا ہوا تھا تاکہ میں اس میں پاؤں اٹکا کر رسّے کو پکڑ کر کھڑا ہو جاؤں پھر اوپر سے مجھے کھینچ لیا جائے۔
میں نے رسّے کو تھام لیا۔ پھر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ سر چکرا رہا تھا مگر حوصلہ کرنا ضروری تھا، ورنہ وہیں رہ جاتا۔ میرے ساتھیوں کے نزدیک یہی ایک طریقہ وہاں سے نکالنے کا رہ گیا تھا۔ آخر کار میں نے اس پھندے میں پاؤں رکھا۔ رسّے کو مضبوطی سے پکڑا۔ پھر اس چٹانی حصّے پر سے گھسٹتا ہوا اوپر اٹھنے لگا۔ ہیلی کاپٹر بلند ہوتا ہوا مجھے اس پہاڑی راستے کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں ذرا سی دیر میں اس راستے کے کنارے پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے پھندے سے پاؤں نکالا، اور زمین پر گر پڑا۔ اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ اس لمحے تک زمین پر نہ پہنچتا تو پھندے سے پاؤں نکل جاتا، ہاتھ سے رسّا چھوٹ جاتا اور میں بلندی سے موت کی گہری پستی میں چلا جاتا۔ بہرحال زمین پر گرتے ہی میں پھر اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔
میں بڑی دیر تک اپنے آپ سے غافل رہا۔ جب ہوش آنے لگا تو محسوس ہوا، بہت ہی آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ میرے چاروں طرف خاموشی ہے اور ہلکی ہلکی سی خوشبو پھیلی ہوئی ہے جیسے آس پاس پھولوں کا انبار لگا دیا گیا ہو۔ میں آنکھ کھول کر دیکھنا چاہتا تھا مگر ایک اندیشہ تھا، شاید یہ سب کچھ خواب ہو۔ آرام میری زندگی میں کہاں ہے۔ مجھے اسی طرح آنکھیں بند رکھنا چاہئیں۔ اسی طرح خوابوں میں کچھ دیر تک سکون حاصل کرنا چاہیے لہٰذا میں آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔
پھر مجھے ریڈ یاور کے باس کی آواز سنائی دی، وہ کہہ رہا تھا "مادام سونیا! ڈاکٹر کے بیان کے مطابق انھیں ہوش آجانا چاہیے۔ کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟"
سونیا کی آواز سنائی دی "اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ ہوش میں آچکے ہیں۔"
باس نے حیرانی سے پوچھا "آپ کیسے جانتی ہیں؟"
"ابھی مجھے شیبا نے آکر بتایا ہے۔"
یہ سنتے ہی میں نے آنکھ کھول دی۔ سونیا کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے کھل رہا تھا۔ وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی، میرے سر کو سہلاتے ہوئے، مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی "کیا حال ہے؟"
میں مسکرانے لگا۔ ریڈ یاور کے باس نے بھی میرے قریب آکر خیریت پوچھی، پھر کہا "آپ زیادہ باتیں نہ کریں۔

آرام کرتے رہیں، جلد ہی زخم بھر جائیں گے۔"
وہ باہر چلا گیا۔ اس کے بعد آنند، لیوجن اور ماں نیلما داسی کمرے میں آئیں۔ سونیا نے ان سے میرا تعارف کرایا۔ ماں نیلما داسی نے قریب آکر میرے سر پر ممتا بھرے انداز میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹے! تم نے خیال خوانی کے ذریعے ماں کہاں تھا، اب میرے دو بیٹے ہوگئے۔"
حالاں کہ یہ میں نے نہیں، شیبا نے کہا تھا۔ اس کے باوجود وہ ایسی خاتون تھیں، جنھیں کوئی بھی بڑی چاہت سے ماں کہہ سکتا تھا۔ ان کے چہرے پر ممتا کا تقدس تھا۔ میں نے ان کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر اسے آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد کہا "فرہاد علی تیمور کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ میں جتنی دولت چاہوں، اپنے قدموں میں ڈھیر کرلوں۔ مجھے عزت ملتی ہے، شہرت ملتی ہے، دولت اور محبت ملتی ہے لیکن میری زندگی میں ایک ماں نہیں تھی وہ آج مل گئی۔ میں آپ کو پاکر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔"
انھوں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر مجھے تھپکتے ہوئے کہا "زیادہ نہ بولو۔ آنکھیں بند کرلو اور چپ چاپ سو جاؤ۔ خیال خوانی نہ کرنا۔ تمھیں بہت زیادہ آرام کی ضرورت ہے، چلو، آنکھیں بند کرلو۔"
میں نے انھیں مسکرا کر دیکھا حالاں کہ سونیا سے باتیں کرنا چاہتا تھا مگر ماں کا پہلا حکم تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ میرے سر میں کافی چوٹیں آئی تھیں۔ شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ میں خیال خوانی نہیں کرسکتا تھا۔ اگر کرنے کے قابل ہوتا تب بھی نہ کرتا۔ ماں جی نے آرام کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔
شیبا میرے پاس موجود تھی۔ میں نے کہا "پوجا کے پاس جاؤ۔"
اس نے کہا "میں تمھیں سلا کر جاؤں گی۔"
وہ مجھے ٹیلی پیتھی کے ملائم ہاتھوں سے تھپکنے لگی۔ میں تھوڑی دیر بعد ہی سو گیا۔ بعد میں جب میں بیدار ہوا تب پوجا کے متعلق معلوم ہوا، وہ کن حالات سے گزر رہی ہے۔
بے چاری کی قسمت میں مجھ سے ملنا نہیں تھا۔ جب بھی ہم نے ملاقات کی کوشش کی تو کوئی نہ کوئی مصیبت آڑے آگئی۔ اس بار بھی وہ جان بوجھ کر آرمر ووڈ کے ساتھ گئی تھی۔ اسے یقین تھا، میں اس کے زیرِ اثر ہوں لہٰذا وہیں مجھ سے ملاقات ہوسکتی ہے مگر یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی۔ اُدھر وہ دشمنوں میں جاکر پھنس گئی۔ اِدھر میں ان سے نجات پاگیا۔
شیبا نے اُسے بتا دیا تھا کہ میں حادثے کا شکار ہونے کے بعد آرمر ووڈ کے چنگل سے نکل چکا ہوں۔ ایسی صورت میں وہ آرمر کے پاس نہیں رہ سکتی تھی۔ جب اسے میرے حادثے کی اطلاع ملی، وہ اس کے ساتھ ایک گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ جوجو بھی تھی۔ اس نے کہا "مسٹر آرمر! دشمن ہماری تعریفیں کرتے ہیں کہ فرہاد اور اس کی ساتھی عورتیں اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھتیں، ہمیشہ نہتّی رہتی ہیں اور یہی بات ہمیں دشواریوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔"
"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"
"یہی کہ میں یہاں سے تمھارا ساتھ چھوڑنا چاہتی ہوں۔ اگر میں کہوں، گاڑی روک دو تو تم نہیں روکو گے۔ تمھاری بہن کو گن پوائنٹ پر رکھوں تو مجبور ہو جاؤ گے لیکن میرے پاس گن نہیں ہے۔ پھر یہ کہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرے ہاتھ سے کوئی سا بھی ہتھیار گرا سکتے ہو۔"
"شاباش، اسی طرح سمجھ داری سے کام لو اور میری مخالفت سے باز رہو۔"
"لیکن میں یہاں اترنا چاہتی ہوں۔ کیا گاڑی روکنا پسند کرو گے؟"
"ہرگز نہیں۔ تم فرہاد سے ملنے کے لیے بے چین ہوگی۔

اسی کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

"جہاں لے جا رہے ہو وہاں تمھیں فرہاد نہیں ملے گا البتہ یہاں سے تمھارا ساتھ چھوڑ کر جہاں جاؤں گی وہیں وہ مجھے مل جائے گا۔

اس نے چونک کر کن انکھیوں سے اسے دیکھا، وہ بولی "اس سے پہلے کہ تمھیں فرہاد کے متعلق کوئی نئی اطلاع ملے اور تم مجھ پر خیال خوانی سے سبقت لے جاؤ، میں یہ پوچھوں گی میرے ان ہاتھوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو تھوڑی دیر پہلے تم پر پڑ چکے تھے۔"

"تم فولاد ہو فولاد مگر تم توہین آمیز انداز میں گفتگو کیوں کر رہی ہو؟"

"اس لیے کہ ہتھیار کی جگہ یہی ہاتھ استعمال کے لیے رہ گئے ہیں۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک زبردست ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا، وہ ایک دم سے تلملا گیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس نے دوسرا ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا "میں تمھیں خیال خوانی کا موقع نہیں دوں گی۔ تم مجھے جانے سے نہیں روک سکو گے۔"

اس نے صرف دو ہاتھ ایسے جمائے تھے کہ تیسرے کی نوبت نہیں آئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے جبڑے کی ہڈیاں تڑخ گئی ہوں، منہ سے اور ناک سے لہو رس رہا تھا۔ وہ ایک دم سے نڈھال ہو کر آگے کی طرف جھک گیا تھا۔ پومی نے اس کے بالوں کو پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ جوجو گھبرا کر کہنے لگی "یہ کیا کر رہی ہو، میرے بھائی کو اس طرح کیوں مار رہی ہو؟"

"تمھارا بھائی بے غیرت ہے، اتنی جلدی نہیں مرے گا۔"

اس نے آرمر کے جیبوں کی تلاشی لی۔ ایک ریوالور برآمد کیا، پھر کہا "مجھے اپنی حفاظت کے لیے اس کی ضرورت ہے، تمھاری ضرورت نہیں ہے لہٰذا باہر جاؤ۔"

گاڑی پہلے ہی رک چکی تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر آرمر کو ایک لات ماری۔ وہ وہاں سے لڑھکتا ہوا باہر پہنچ گیا۔ جوجو جانا چاہتی تھی۔ اس نے ریوالور اس کے سینے سے لگاتے ہوئے کہا "اچھی بچیوں کی طرح چپ چاپ بیٹھی رہو۔"

پھر اس نے آرمر کی اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی، دروازے کو بند کیا۔ اس کے بعد گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ جوجو روتے ہوئے کہنے لگی "میں اپنے بھائی کے پاس جاؤں گی۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔"

"تم اتنی بڑی ہو گئی ہو، بچیوں کی طرح روتی ہو، شرم نہیں آتی، میں تمھیں جان سے نہیں ماروں گی، تمھارے بھائی کے پاس پہنچا دوں گی مگر ابھی میرے ساتھ چلو۔"

"جب تم مجھے جان سے نہیں مارو گی تو یہ ریوالور کیوں رکھا ہے؟"

"صرف تمھارے بھائی کو عقل سکھانے کے لیے تاکہ وہ مجھ پر ٹیلی پیتھی کا حملہ نہ کرے۔"

"میرا بھائی بہت اچھا ہے، وہ تم پر حملہ نہیں کرے گا۔"

"جب تک تم میرے پاس رہو گی وہ بہت اچھا رہے گا۔"

پومی چپ ہو کر شیبا کو سوچ کے ذریعے پکارنے لگی، مگر شیبا میرے پاس مصروف تھی۔ کبھی میرے دماغ میں رہتی تھی، کبھی سونیا کے پاس جاتی تھی۔ اسی طرح اس نے ہیلی کاپٹر کو مجھ تک پہنچایا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ میرے ساتھ لگی رہی۔ پریشانی میں تھی، پتا نہیں میرا کیا ہونے والا تھا جب مجھے ہوش آیا اور میں نے اسے پومی کے پاس جانے کے لیے کہا تو دیر ہو چکی تھی۔

ادھر پومی اسے پکار رہی تھی۔ اس کے ذریعے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ہم سب کہاں ہیں اور اسے کس سمت ڈرائیو کرتے ہوئے جانا چاہیے لیکن شیبا کی عدم موجودگی کے باعث اس کی رہنمائی نہ ہو سکی۔ اس نے مجبوراً گاڑی کا رخ نیویارک کی طرف کر دیا۔ امریکا میں صرف ریڈ پاور کا باس ہی اس کا شناسا تھا، وہ وہیں پناہ لینے جا سکتی تھی۔

وہاں سے نیویارک تک بہت لمبی ڈرائیو تھی، آٹھ یا نو گھنٹے میں پہنچنے والی تھی۔ اس نے سوچا اس دوران شیبا ضرور رابطہ قائم کرے گی پھر وہ اپنا راستہ بدل لے گی۔ تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد اس نے محسوس کیا، جہاں وہ جانا چاہتی ہے وہاں نہیں جا رہی ہے۔ بے خیالی میں کسی ارادے کے بغیر اپنا اسٹیئرنگ کسی دوسرے راستے پر موڑ دیتی ہے۔ اس کے اندر کوئی کہتا ہے کہ یہی راستہ مناسب ہے، شاید اسی راستے پر فرہاد سے ملاقات ہو جائے۔

یہ فرہاد سے ملاقات کی جو آگ دل میں بھڑک رہی تھی، وہ اسے بھٹکا رہی تھی۔ اس نے کتنے ہی انجانے راستے بدلے، ہر نئے راستے پر دل کہتا تھا، فرہاد کے قریب پہنچ رہی ہے۔ پتا نہیں دل کہتا تھا یا دماغ کہتا تھا یا دماغ میں بیٹھا ہوا کوئی اور کہتا تھا۔

ایک بار شبہ ہوا کہ آرمر دو ڈ چپ چاپ دماغ میں بیٹھا اسے مس گائیڈ کر رہا ہے، راستے سے بے راستہ کرتا جا رہا ہے اور ایسی جگہ پہنچانا چاہتا ہے جہاں جوجو محفوظ رہ سکے اور اسے بہ آسانی ٹریپ کر لیا جائے۔ اس نے سوچ کے ذریعے مخاطب کیا "اے مسٹر آرمر! کیا تم اپنی چالاکی دکھا رہے ہو؟"

اسے جواب نہیں ملا۔ اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ جوجو کو گھورتے ہوئے پوچھا "سچ بتاؤ، کیا تمھارا بھائی تم سے خیال خوانی کے ذریعے گفتگو کر رہا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا پھر بولی "میں کتنی دیر سے بھائی کو پکار رہی ہوں مگر کوئی جواب نہیں ملتا ہے۔"

پومی نے ریوالور کی نال کو اس کی کنپٹی سے لگا دیا پھر بڑی سفاکی سے کہا "تم بہت خوبصورت ہو، بہت معصوم ہو، کوئی تمھیں خواہ مخواہ ہلاک کرنا نہیں چاہے گا لیکن میں کر دوں گی۔ لہٰذا سچ بولو۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا بھائی میرے پاس نہیں ہے۔ تم نے اسے بہت مارا ہے، پتا نہیں وہ کس حال میں ہوگا۔"

اس نے جوجو کو گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا، پھر پوچھا "تم ان راستوں پر کبھی آئی ہو؟"

"ہاں، یہ راستہ ہمارے ایک بنگلے کی طرف جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، تمھارا بھائی ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے اس بنگلے تک پہنچانا چاہتا ہے اور وہاں مجھے گھیرنے کے مکمل انتظامات کیے جا چکے ہوں گے۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی، اسے ایک یوٹرن دے کر دوسرے راستے کی طرف جانے لگی۔ وہ مضبوط قوتِ ارادی کی مالک تھی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا اب نہیں بہکے گی، نہ دماغ، نہ اسٹیئرنگ بے قابو ہوگا۔ وہ بڑے اعتماد سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس راستے کی طرف جانے لگی جو اسے نیویارک کی طرف لے جاتا لیکن اس راستے تک پہنچتے پہنچتے محسوس ہوا جیسے پھر اسٹیئرنگ بہک رہا ہے۔

اس نے رفتار سست کر دی۔ چپ چاپ اپنے اندر محسوس کرنے لگی، کوئی اس کے اندر موجود ہے یا نہیں، کوئی اس کی سوچ کے ذریعے اسے بہکا سکتا تھا۔ اسی کی سوچ کا لب و لہجہ اختیار کرتا تو پتا نہ چلتا۔ وہ یہی سمجھتی کہ خود سوچ رہی ہے۔ اسی بات کو وہ محسوس کرنا چاہتی تھی لیکن ٹیلی پیتھی کا کمال یہی ہے کہ خیال خوانی کرنے والا اپنے معمول کے لب و لہجے میں بولتا ہے اور معمول اپنی ہی سوچ، اپنا ہی ارادہ محسوس کرتا ہے۔ وہ اسی ارادے کے مطابق راستہ بدل دیتا ہے۔ اس بار پومی بہت محتاط تھی، وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ محسوس کرنا چاہتی تھی مگر نہ ہی محسوس ہو رہا تھا نہ ہی کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔

اچانک اسے خطرہ محسوس ہوا۔ جس ریوالور کو اس نے دھمکی دینے کے لیے اپنے پاس رکھا تھا، اسی ریوالور سے وہ خودکشی کر سکتی تھی۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا اسے مجبور کر سکتا تھا۔ اس نے سوچا، فرہاد نے بارہا ایسے تماشے دکھائے ہیں، جو ریوالور لے کر آیا، وہ خود اپنی ہی گولی سے ہلاک ہو گیا اور یہ سب ٹیلی پیتھی کا کمال ہوتا ہے۔

وہ ریوالور کو ایک طرف سیٹ پر دبائے بیٹھی تھی۔ اس نے گاڑی روک دی، جوجو سے کہا "تم کھڑکی کے پار دیکھو، شاید تمھیں کوئی لفٹ دینے والا مل جائے، میں تمھیں چھوڑ دوں گی لیکن کار سے باہر نہ جانا۔"

وہ خوش ہو کر کھڑکی کے پار دیکھنے لگی۔ پومی نے ریوالور کو اٹھایا تاکہ اس کا چیمبر خالی کر دے، وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی لیکن جب ریوالور کو اٹھا کر اس کے چیمبر کو

دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ خالی تھا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا جب اس نے آرمر کی جیب سے ریوالور نکالا تو وہ بھرا ہوا تھا۔ تب سے اب تک اسی کے پاس تھا۔ کسی دوسرے ہاتھ میں نہیں گیا تھا۔ پھر اسے کون خالی کر سکتا تھا؟

اسے یقین ہو گیا۔ ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کے اندر بھرے ہوئے ریوالور کی طرح موجود تھا۔ اس نے آواز دی۔ "مسٹر آرمر! میں سمجھ گئی ہوں۔ تم میرے اندر چھپے ہوئے ہو۔ پھر چھپنے کا فائدہ؟ ٹیلی پیتھی کا عمل کر رہے ہو تو کھل کر اظہار کرو۔"

یہ بات اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہی تھی۔ جوجو نے کھڑکی کی طرف سے پلٹ کر پوچھا۔ "کیا میرے بھائی سے بات ہو رہی ہے؟"

"ہاں، تمھارا بھائی موجود ہے مگر بات میں کر رہی ہوں۔ وہ ڈر رہا ہے۔ کہیں شیبا اور فرہاد اسے نقصان نہ پہنچائیں۔ وہ احمق ہے۔ کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ ہمارے دونوں ہی ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے لب ولہجے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کسی وقت بھی اس کے دماغ کا کباڑا کر سکتے ہیں۔"

جوجو نے بے یقینی سے کہا۔ "میں نہیں مانتی۔ اگر میرا بھائی تمھارے دماغ میں ہوتا تو وہ میرے پاس ضرور آتا۔ وہ مجھے بہت چاہتا ہے۔ وہ میرے لیے جان دیتا ہے۔ پہلے وہ مجھ سے بات کرتا۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ تمھارے دماغ میں میرا بھائی نہیں، فرہاد ہے۔"

"فرہاد مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ وہ خیال خوانی نہیں کرے گا۔ شیبا فرہاد کے ساتھ ہے۔ دونوں میں سے کوئی میرے پاس نہیں ہے۔ اگر کوئی ایک ہوتا تو تمھارا بھائی مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے غافل بنا کر میرے ہی ہاتھ سے اس ریوالور کا چیمبر خالی نہ کراتا۔ یہ دیکھو، چیمبر خالی ہے۔"

"کیا تم اب تک خالی ریوالور سے مجھے دھمکی دے رہی تھیں؟"

"نہیں، یہ پہلے بھرا ہوا تھا۔ میں نے سوچا تھیں کھڑکی کے پار دیکھتے رہنے میں مصروف رکھوں اور چیمبر خالی کر دوں مگر پتا چلا۔ چیمبر پہلے سے خالی ہے۔ اب میں تم سے چھپا کر کیا کروں۔ چھپاؤں گی تو تمھارا بھائی ٹیلی پیتھی کے ذریعے بتا دے گا، ریوالور خالی ہے۔"

"تو پھر میرے بھائی نے اب تک مجھے یہ کیوں نہیں بتایا۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ میرے دل سے ڈر نکل جاتا۔ میں اب بھی کہتی ہوں کہ بھائی تمھارے پاس نہیں ہے۔"

اس بات نے لومی کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ واقعی آرمر ہوتا تو اپنی بہن کے دل سے ڈر نکالنے کے لیے ضرور یہ بتا دیتا کہ ریوالور کا چیمبر خالی ہے۔ موجودہ حالات بتا رہے تھے کہ اس کے دماغ میں آرمر وڈ نہیں ہے۔ فرہاد اور شیبا بھی نہیں ہیں۔ پھر کون ہے؟

لومی نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو تم؟ میں پوچھتی ہوں، تم کون ہو؟ بولو، کیا شیبا اور فرہاد سے ڈر رہے ہو کہ اپنی آواز اور لب ولہجہ سناؤ گے تو ان کی گرفت میں آجاؤ گے؟"

کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر اچانک یوں لگا جیسے وقت تھم گیا ہو، دنیا تھوڑی دیر کے لیے مر گئی ہو۔ بعد میں پتا چلا کہ وہ غافل ہو گئی تھی۔ پتا نہیں کتنی دیر تک غافل رہی۔ جب چونکی تو دیکھا، اسی جگہ کھڑی ہے جہاں سے واپس ہوئی تھی۔ جہاں اس نے جوجو سے پوچھا تھا اور جوجو نے کہا تھا کہ اس راستے پر آگے ان کا ایک بنگلا ہے۔ گویا وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے دوبارہ یہاں تک لے آیا تھا۔ بالکل فرہاد علی تیمور کی چال چل رہا تھا۔

جوجو نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے گاڑی کیوں روک دی۔ آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے یہاں آئی تھیں پھر واپس چلی گئی تھیں۔ دوبارہ پھر یہاں آکر گاڑی روک رہی ہو۔ آخر مجھے کب تک ادھر سے ادھر گھماتی رہو گی۔ آگے تھوڑی دور ہمارا بنگلا ہے۔ بار بار واپس جانے سے بہتر ہے، اسی بنگلے میں چل کر آرام کریں۔"

لومی نے سوچا۔ کیا میں اس خیال خوانی کرنے والے کے سامنے بے بس ہو گئی ہوں۔ کیا میری قوتِ ارادی کام نہیں آئے گی؟

اس نے پھر گاڑی اسٹارٹ کی۔ اسے یوٹرن دے کر واپس جانا چاہا۔ اسی لمحے وہ غافل ہو گئی لیکن اس بار پوری طرح غفلت طاری نہیں تھی۔ وہ آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ دماغ سے سمجھ رہی تھی کہ واپس نہیں جا رہی ہے سیدھی اسی طرف جا رہی تھی جس طرف جوجو نے اپنے بنگلے کی نشاندہی کی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ ڈرائیو نہیں کرے گی۔ بریک لگائے گی گاڑی رک جائے گی لیکن وہ اپنے اختیار میں نہیں تھی۔ بریک نہیں لگا سکتی تھی۔

اس نے دیکھا، پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ ایک بنگلے کے پورچ میں آکر رک گئی تھی۔ پھر وہ گاڑی سے جوجو کے ساتھ اتر کر بنگلے کے برآمدے میں آئی۔ وہاں سے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں ایک صوفے پر آرام سے بیٹھ گئی۔ اسی وقت چونک پڑی۔ وہ نہیں تھی۔ اس کی گرفت سے نکل چکی تھی۔ اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ کس طرح وہ بے اختیار گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے آئی تھی۔ وہ جاگتی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتی رہی تھی۔ لاشعوری طور پر انکار کرتی رہی تھی کہ ڈرائیو کرتی ہوئی ادھر نہیں آئے گی لیکن وہ آتی چلی گئی، حتیٰ کہ یہاں صوفے پر پہنچ کر بیٹھ گئی تھی۔

ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے معمول کو دو طرح سے کام میں لایا جاتا ہے۔ ایک تو بالکل اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے جہاں چاہے پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسے ہوش نہیں رہتا کہ وہ اتنی دیر تک دماغی طور پر کیسے غافل رہا تھا اور کہاں وقت گزار رہا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ معمول کے دماغ پر قبضہ جمایا جاتا ہے لیکن اسے سوچنے سمجھنے کے لیے آزاد رکھا جاتا ہے جس طرح لومی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی، دماغ سے سب کچھ سمجھ رہی تھی کہ ٹریپ کی جا رہی ہے۔ اپنی مرضی کے خلاف دوسری جگہ لے جائی جا رہی ہے لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ بے بس تھی۔ خیال خوانی کرنے والے کے اختیار میں تھی۔ گویا فرہاد علی تیمور اب تک اپنے دشمنوں پر جتنے حربے آزماتا آیا ہے۔ اب وہی اس کی ساتھی عورتوں پر آزمائے جانے والے تھے۔ اس کی ایک مثال لومی تھی۔

اس کے متعلق یہ تمام واقعات بعد میں معلوم ہوئے تھے۔ میں تو آرام سے سو رہا تھا۔ یہ ڈاکٹر کی دواؤں کا اثر تھا۔ زخموں سے ٹیسیں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ اس لیے گہری نیند آگئی تھی۔ سونے والے کو بیدار نہ کیا جائے تو وہ لمبی تان کر سوتا ہے۔ میں بھی جانے کب تک سوتا رہتا لیکن اچانک ہی آنکھ کھل گئی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں خود بیدار نہیں ہوا۔ کوئی میرے پاس آیا تھا یا کوئی غیر معمولی سی بات ہوئی تھی جس نے آنکھیں کھول کر دیدے گھماتے ہوئے اپنے کمرے کو دیکھا۔ سونیا میرے پاس سو رہی تھی۔ بے چاری نہ جانے کب سے جاگ رہی تھی۔ سونے اور آرام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میرے پاس آکر وہ دشمنوں سے بے خبر ہو گئی تھی۔ میں پھر سیدھی طرح لیٹ کر سوچنے لگا۔ آخر میری آنکھ کس طرح کھل گئی تھی؟ سونے والوں کی آنکھیں تو کھلتی ہی ہیں لیکن

میں کسی کی مداخلت کے باعث بیدار ہوا تھا اور وہ مداخلت میرے دماغ میں ہوئی تھی۔ میں نے ہولے سے آواز دی۔ "شیبا! کیا تم ہو؟"

مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ خود کو خیال خوانی کے لیے آمادہ کرنے لگا۔ میں سمجھنا چاہتا تھا، ابھی مجھ میں کتنی دماغی توانائی ہے۔ میں خیال خوانی کر سکتا ہوں یا نہیں؟ میں نے آرمر ووڈ کا تصور کیا، اس کی آواز اور لب و لہجے کو اچھی طرح یاد کیا، پھر خیال خوانی کی پرواز کی اور کامیاب رہا۔

میں جسمانی اور دماغی طور پر کمزور تھا۔ خیال خوانی کی پرواز کرتے ہی ذہن پر بوجھ پڑا، تکلیف کا احساس ہوا، اس پرواز نے دم توڑ دیا۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا مگر میں نے اتنی سی دیر میں آرمر ووڈ کو ایک بستر پر پڑے ہوئے دیکھا۔ وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میری نیند میں اس نے مداخلت نہیں کی تھی، وہ میرے دماغ میں نہیں آیا تھا۔ اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا، یہ میرے دماغ کی کمزوری تھی۔ خواہ مخواہ آنکھ کھل گئی تھی۔ کسی نے مداخلت نہیں کی تھی۔

ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ شیبا کی آواز سنائی دی۔ میں نے پوچھا "تم کب سے میرے پاس ہو؟"

"میں ابھی آئی ہوں۔ جب تمھیں پہاڑی راستے پر حادثہ پیش آیا تھا تو میں نے سونیا کو ہیلی کاپٹر کے ساتھ وہاں سے پہنچایا تھا۔ اس کے بعد اپنے معاملات میں اس قدر مصروف ہوئی کہ تمھاری خیریت بھی دریافت نہ کر سکی۔ اتنی دیر بعد اب آئی ہوں۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیا کہہ رہی ہو۔ جب میں یہاں لایا گیا، میرا علاج ہوا اور میں ہوش میں آیا تو تم میرے دماغ میں آئی تھیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو! میں تو ابھی آئی ہوں۔"

"شیبا! تم اسی کمرے میں آئی تھیں۔ میں اسی بستر پر پڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے تم سے کہا تھا، تمھیں لومی کی خبر لینا چاہیے اور تم مجھ سے یہی وعدہ کر کے گئی تھیں۔ کیا تم لومی کے پاس سے آ رہی ہو؟"

"میں کہہ رہی ہوں، اپنے معاملات میں الجھی ہوئی تھی۔ مجھے تمھارے پاس آنے کا موقع نہیں مل سکا، پھر لومی کے پاس کیسے جاتی؟"

"اگر تم پورے ہوش و حواس سے کہہ رہی ہو تو میرے ہوش میں آنے کے بعد کون آیا تھا؟ مجھے تمھاری ہی آواز [illegible] ہی لب و لہجہ سنائی دیا۔ کیا آرمر ووڈ نے تمھاری نقل کی [illegible] شیبا بن کر مجھ سے باتیں کرنے آیا تھا؟"

"یہ ناممکن نہیں ہے۔ وہ ایسا کر سکتا ہے۔"

"میں نے ابھی خیال خوانی کی کوشش کی تھی مگر ناکام [illegible] اتنا معلوم ہوا، وہ کہیں بستر میں پڑا تکلیف میں مبتلا ہے۔ تم اس کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرو، کیا وہ شیبا بن کر میرے پاس آیا تھا؟"

وہ میرے پاس سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر [illegible]

"وہ تقریباً ایک گھنٹے سے تکلیف میں مبتلا ہے۔ لومی نے اپنے فولادی ہاتھوں سے دو ضربیں لگائی تھیں۔ اس کے بعد وہ اٹھنے کے قابل نہیں رہا۔ کسی طرح اپنے لوگوں میں پہنچ گیا [illegible] دیا گیا ہے۔"

"پھر ایسا کون کر رہا ہے؟"

"میں تو تمھاری زبان سے یہ سن کر حیران ہوں کہ کسی [illegible] میری آواز اور لب و لہجے کی نقل کی اور تم سے گفتگو کرتی رہی یا کرتا رہا۔"

میں نے کہا "اگر کسی اور نے خیال خوانی کی ہے تو وہ [illegible] ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور آرمر ووڈ کے دو بھائیوں میں سے کوئی ایک ہے۔"

"وہ جو کوئی بھی ہے، بڑی آہستگی سے ہمارے لیے خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ میں اپنے معاملات میں کیوں اس قدر مصروف ہو گئی تھی۔ وہ ہم سب کو اپنی اپنی جگہ الجھا رہا ہے۔ کیا میں بتاؤں کہ وہ مجھے تل ابیب میں کس طرح الجھاتا رہا ہے اور میں یہ سمجھتی رہی کہ ایسے حالات خود بخود پیدا ہو رہے ہیں۔"

"تم اپنے متعلق بعد میں بتانا۔ فی الحال لومی کے پاس جاؤ۔ یقیناً وہ اسے بھی الجھا رہا ہوگا۔"

شیبا اس کے پاس پہنچی تو وہ اسی حالت میں تھی یعنی جوجو کے ساتھ ڈرائیونگ کرنے کے بعد اس بنگلے میں آ کر ڈرائنگ روم کے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جوجو کہیں چلی گئی تھی۔ شیبا کے مخاطب کرنے پر اس نے پوچھا "تم اب تک کہاں رہیں۔ میں محسوس کر رہی ہوں، آرمر ووڈ مجھے خیال خوانی کے ذریعے اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا ہے۔ میں جوجو کو نیویارک لے جانا چاہتی تھی مگر وہ میرے ذہن پر اس قدر چھایا رہا کہ احساس تک نہ ہوا اور میں ادھر چلی آئی۔"

شیبا نے کہا "فرہاد کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔ کوئی شیبا بن کر اس کے پاس آیا تھا۔ شاید یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس حالت میں ہے۔ ہوش میں ہے یا بے ہوش؟ جب وہ ہوش میں آنے کے بعد دوبارہ نیند پوری کر رہا تھا تو کسی کی مداخلت سے آنکھ کھل گئی۔ وہ یقین سے کہہ رہا ہے، کوئی اس کے دماغ میں آیا تھا۔"

"اس پر زیادہ بحث کرنا فضول ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہم سب کے دماغوں میں کوئی آ رہا ہے اور ہمیں اپنی اپنی جگہ مصروف رکھتے ہوئے اپنا کوئی مفاد حاصل کر رہا ہے۔ تمھیں آرمر کے پاس جا کر معلوم کرنا چاہیے جس طرح اس نے ٹرانسفارمر سسٹم کی مشینوں کے ذریعے فرہاد کی خیال خوانی کا علم اپنے دماغ میں منتقل کیا ہے کیا اسی طرح یہ علم اس نے بھائیوں کے دماغوں میں بھی منتقل کیا ہے؟"

وہ فوراً ہی آرمر کے دماغ میں پہنچی۔ وہ نیند میں تھا۔ شیبا اس کے خوابیدہ دماغ سے اہم باتیں اگلوانے لگی۔ اس نے نیند کی حالت میں اعتراف کر لیا کہ اس نے ٹرانسفارمر سسٹم کے مطابق ایک اسپیشل اور مشین کے ذریعے ٹیلی پیتھی کی تمام صلاحیتوں کو اپنے دونوں بھائیوں کے دماغوں میں اسی طرح منتقل کیا ہے جس طرح فرہاد کے دماغ سے تمام صلاحیتیں اس کے دماغ میں منتقل کی گئی تھیں۔ ہیومن کوالیفائر اور مینٹل پاور کا ٹرانسفر پاتال دنیا میں ہی ہو چکا تھا۔

شیبا نے یہ باتیں مجھ کو اور لومی کو بتائیں۔ سونیا بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے یہ سب کچھ سننے کے بعد کہا "اب ایک نیا اور بے حد خطرناک محاذ ہمارے خلاف قائم ہو چکا ہے۔ وہ دونوں اپنے بھائی آرمر ووڈ سے زیادہ ذہین، چالاک اور معاملہ فہم ہیں۔ وہ حتی الامکان پُراسرار بن کر رہنے کی کوشش کریں گے اور بے نقاب ہونے کے بعد بھی شاید ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ اس لیے کہ تم بھی دشمنوں کے سامنے بارہا بے نقاب ہو چکے ہو اور وہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "بے شک وہ دونوں اپنے بھائی آرمر ووڈ سے زیادہ ذہین، چالاک، معاملہ فہم اور بہت ہی قابل ہیں۔ آرمر ووڈ اپنے دوسرے معاملات میں اس قدر مصروف رہا کہ وہ صرف میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں حاصل کر سکا۔ اس کے برعکس اس کے دونوں بھائی تھرما کوائل جیسے انجینئر، ہیوگو جیسے فلسفی، براڈ نوز جیسے مکینک اور دوسرے ڈاکٹر اور سائنس دانوں کے دماغوں سے بہت کچھ اپنے دماغوں میں منتقل کر چکے ہیں۔ ان دونوں کا دماغ اتنا حیرت انگیز ہوگا کہ شاید آج تک کسی انسان کا دماغ ایسا نہ ہو۔ وہ دنیا کے تمام علوم و فنون اور تمام معلومات کا انسائیکلو پیڈیا ہوں گے۔ وہ نایاب ہیرے کی طرح تراشیدہ دماغ رکھنے والے سمجھتے ہوں گے کہ کن حالات میں کیسے اقدامات کرنے چاہئیں، انھیں نہ غصہ آتا ہوگا، نہ وہ جوش میں آتے ہوں گے، نہ وہ اور طرح کے جذبات سے مغلوب ہوتے ہوں گے۔"

پھر میں نے شیبا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "جب تم ہماری زندگی میں دشمن بن کر آئی تھیں تو تمھاری ٹیلی پیتھی سے اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا کیونکہ تم نادان تھیں، تمھارے پاس صرف یہی ایک صلاحیت تھی۔ جب کہ وہ دونوں بھائی بے شمار صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ میرا خیال ہے، مجھے اپنی زندگی کے سب سے خطرناک اور بدترین دشمنوں سے سامنا کرنا ہوگا۔"

سونیا گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ کہنے لگی "شیبا کے بیان کے مطابق اسے تل ابیب میں پریشان کیا جا رہا ہے۔ جب تم تنویمی عمل کے ذریعے ان کے زیر اثر تھے، ان کی ہر بات کو حرف آخر سمجھتے تھے، کیا ان کے زیر اثر رہنے کے دوران تم نے اپنی اور تمام ساتھیوں کی مصروفیات کے متعلق انھیں بتایا نہیں ہوگا؟"

"یقیناً انھوں نے بہت کچھ پوچھا ہے اور میں نے بہت کچھ بتایا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، انھیں تل ابیب میں صرف شیبا کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی اور بھی دوسرے راز معلوم ہو چکے ہیں۔"

"میں نے کہا نا، میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ میں مجبور تھا۔ اپنے آپ میں نہیں تھا۔"

سونیا نے کہا "شیبا! تم فوراً شیخ صاحب کے پاس جاؤ اور انھیں محتاط کر دو۔ بابا صاحب کا ادارہ ہماری پہلی اور آخری پناہ گاہ ہے۔ وہ دونوں بھائی سازشوں کے ذریعے وہاں جگہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ وہاں کے طلبا اور طالبات کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹریپ کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ وہاں صرف شیبا کی موجودگی سے کام نہیں چلے گا۔ فرہاد! ہم دونوں کو ادارے میں جا کر کچھ عرصے تک رہنا چاہیے۔"

"میں شیخ صاحب کے پاس جا رہی ہوں۔"

میں نے کہا "وہاں سے جلد واپس آنا۔"

سونیا نے بھی سمجھایا "تم تنہا خیال خوانی کے ذریعے سب کے پاس پہنچ سکتی ہو۔ ہر ایک کی خبر رکھو اور ہر ایک

کے پاس آتی جاتی رہو۔ ہم میں سے کسی کے پاس آنے میں دیر کروگی تو نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔"

"میں ابھی آؤں گی۔"

وہ چلی گئی۔ میں اور سونیا خاموشی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ ہم دونوں کے دماغوں میں ایک ہی سوال تھا: کیا وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے ہمارے دماغوں میں موجود ہیں؟

فی الحال ہمیں اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکتا تھا۔ ہماری زندگی میں جتنے خطرناک دشمن آئے، وہ پہلے پہل پُراسرار بننے کی کوشش کرتے رہے، سات پردوں میں چھپتے رہے، پھر ان کے اپنے حالات نے اور کچھ ہماری جدوجہد نے انھیں بے نقاب کر دیا مگر اب جو دشمن تھے، وہ سب سے مختلف تھے۔ وہ ہم سے دور نہیں تھے، ہمارے پاس ہی تھے، ہمارے اندر تھے اور ہم انھیں دیکھ سکتے تھے، نہ پہچان سکتے تھے۔

ایک نرس ٹرالی میں کھانے پینے کی چیزیں لے آئی۔ کھانے کے ساتھ دوائیں بھی تھیں۔ اس نے کچھ دوائیں کھلائیں پھر تاکید کی کہ کھانے کے بعد مجھے کچھ اور دوائیں بھی کھانا ہوں گی۔ میں سونیا کا سہارا لے کر باتھ روم میں گیا، منہ ہاتھ دھو کر واپس بستر پر آ گیا۔ اگرچہ سر سے پاؤں تک زخم آئے تھے مگر بالکل ہی کمزور نہیں تھا۔ چلنے پھرنے کے قابل تھا۔ تھوڑی دیر پہلے خیال خوانی کر کے اپنی دماغی توانائی آزما چکا تھا۔ اس آزمائش میں کچھ ناکام ہوا تھا، کچھ کامیاب ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا۔ صبح ہونے تک پھر خیال خوانی کرنے لگوں گا۔

کھانے کے دوران شیبا نے آ کر بتایا "میں نے جناب شیخ صاحب کو تمام حالات تفصیل سے بتا دیے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں، تمھیں اور سونیا کو ادارے میں آ کر رہنا چاہیے۔"

ایسا تو ہم نے بھی سوچ رکھا تھا۔ پھر اس نے پومی کے حالات بتائے۔ وہ اسی بنگلے میں تھی جہاں جوجو کے ساتھ پہنچی تھی۔ جب شیبا اس کے پاس پہنچی تو وہ ایک میز پر جھکی کاغذ پر لکھ رہی تھی۔ اس نے یہ لکھا تھا:

"میں پومی اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہوں۔ یہ تحریر مکمل کرنے کے بعد ہوش میں آؤں گی۔ ابھی میرے اندر ایک ایسی نادیدہ قوت ہے جو مجھ سے یہ سب کچھ لکھوا رہی ہے۔ یہ نادیدہ قوت کہہ رہی ہے کہ وہ جس کے دماغ میں پہنچے گی اسی کی شخصیت اختیار کر لے گی۔ ابھی میرے دماغ میں ہے اس لیے پومی بن کر لکھ رہی ہے۔ سونیا کے پاس جائے گی تو سونیا بن کر بولے گی۔ شیبا کے پاس شیبا بن کر رہے گی اور یہی قوت فرہاد علی تیمور کے دماغ میں پہنچ کر اس کی اصل شخصیت اختیار کر لے گی۔ اس طرح شیبا اور فرہاد کبھی اس نادیدہ قوت کے اصل لب و لہجے کو پکڑ نہیں سکیں گے لہٰذا اس قوت کو سمجھنا، اسے کہیں تلاش کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔

یہ قوت چاہے تو پومی کو پلک جھپکتے ہی فنا کر سکتی ہے یا اس لڑکی کو اپنے پاس بلا کر اس کی برین واشنگ کر سکتی ہے، اسے تمام عمر اپنی کنیز بنا کر رکھ سکتی ہے لیکن یہ قوت ایسا نہیں کرے گی۔

اس قوت سے پہلے کتنی ہی احمقانہ قوتوں نے سونیا، فرہاد اور اس کی دوسری ساتھیوں کو زیر کرنے، انھیں مار ڈالنے یا انھیں اپنا غلام بنائے رکھنے کی کوششیں کیں اور ناکام رہیں۔ ان کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے فرہاد اور اس کی ساتھی عورتوں کو اپنے قریب آنے کا موقع دیا۔ یہ قوت ایسا کوئی موقع نہیں دے گی۔ ہمیں محتاط رہنے کے لیے سونیا کی ایک مثال کافی ہے۔ اس نے پاتال دنیا کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا لہٰذا ہم پومی کو بھی قریب آنے کا موقع نہیں دیں گے۔ اس تحریر کو مکمل کرنے کے بعد یہ باہر جائے گی۔ باہر وہی گاڑی موجود ہے جس میں یہ جوجو کے ساتھ بیٹھ کر آئی تھی۔ یہ چاہے تو اسے استعمال کر سکتی ہے۔ جہاں جانا چاہے جا سکتی ہے۔ اگر ریڈ پاور کے باس کو اپنی مدد کے لیے بلانا چاہے تو یہاں ٹیلیفون موجود ہے۔ اسے ٹیلیفون نمبر یاد نہ ہو تو یہ قوت ٹیلیفون نمبر اس کاغذ پر لکھ رہی ہے۔"

پومی لکھتی جا رہی تھی۔ اس نے فون نمبر بھی لکھا۔ شیبا اس کے دماغ میں رہ کر اس تاک میں تھی کہ جو قوت پومی کا لب و لہجہ اختیار کر کے وہ تحریر لکھوا رہی ہے، اس سے ذرا چوک ہو جائے، اس کا اپنا کوئی لب و لہجہ سنائی دے تو فوراً اسے گرفت میں لے سکے لیکن ایسا موقع نہیں مل رہا تھا۔ پومی لکھ رہی تھی۔

"اب سوال پیدا ہوتا ہے، یہ قوت پومی کو زندہ کیوں چھوڑ رہی ہے۔ اس کا سیدھا سا جواب ہے۔ پومی نے اور سونیا نے ہماری بہن جوجو اور بھائی آرمر کو جانی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ ہم بھی جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ پھر کسی کی جان لے کر ملتا کیا ہے؟

ہم دشمنی کی ایک نئی مثال قائم کریں گے۔ کسی کو جانی نقصان پہنچائے بغیر اپنا مفاد حاصل کرتے رہیں گے۔ البتہ ہمارے راستے میں کوئی آئے گا تو اسے عبرتناک سبق سکھائیں گے۔ اسے زندہ رکھیں گے مگر اس کی زندگی موت سے بدتر بنا دیتے جائیں گے۔ اس سلسلے میں ہمارا طریقۂ کار کیا ہوگا، یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔"

پومی لکھتی جا رہی تھی اور شیبا پڑھتی جا رہی تھی۔ آخر میں اس نے لکھا "اب یہ قوت اپنی تحریر ختم کر رہی ہے۔"

اس تحریر کے نیچے پومی نے لکھا "تحریر کردہ ایک قوت بطور پومی بقلم خود۔"

یہ لکھتے ہی پومی اچانک چونک گئی۔ اس قوت نے دماغ پر سے قبضہ اٹھا لیا تھا۔ اب وہ ہوش میں تھی۔ کبھی اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے قلم کو اور کبھی اس کاغذ کو دیکھ رہی تھی جس پر اس کی اپنی تحریر تھی۔ وہ اسے پڑھنے لگی۔ کسی نے اس کے ہاتھ سے یہ سب کچھ کیوں لکھوایا تھا، یہ سمجھ میں آ گیا۔ وہ قوت چاہتی تھی کہ پومی کی یہ تحریر سونیا اور فرہاد تک پہنچے یا پھر شیبا خیال خوانی کے ذریعے اپنے تمام ساتھیوں کے سامنے اس تحریر کا متن پیش کر دے۔

شیبا نے کہا "پومی! میں تمھارے پاس ہوں۔ یہ تحریر پڑھ چکی ہوں۔ یہ ساری باتیں سونیا اور فرہاد کو بتا دوں گی۔"

"جب میں یہ لکھ رہی تھی تو کیا تم موجود تھیں؟"

"ہاں، میں اس موقع کی تلاش میں تھی کہ تم سے جو قوت لکھوا رہی ہے، اس سے ذرا سی غلطی ہو جائے تو میں اسے پکڑ سکوں مگر مجھے یہ موقع نہیں مل سکا۔"

پومی باتیں کرتے ہوئے بنگلے سے باہر آئی۔ وہاں وہی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا "تم ریڈ پاور کے باس سے کہو، میرے لیے ہیلی کاپٹر بھیج دے۔ میں زیادہ لمبی ڈرائیو نہیں کروں گی۔"

وہ کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ پھر اسے اسٹارٹ کر کے ڈرائیو کرتے ہوئے ایک شاہراہ تک پہنچ گئی۔ شیبا نے اس کے ذریعے ایکسنگ بیل کو پڑھا۔ پھر ریڈ پاور کے باس کے پاس پہنچ کر بولی "پومی اس وقت اوٹاوا سے نیویارک جانے والی شاہراہ پر سفر کر رہی ہے۔ اس کی گاڑی کا رنگ سرخ ہے۔ اس کے لیے ایک ہیلی کاپٹر بھیج دو تاکہ وہ جلد سے جلد سونیا اور فرہاد تک پہنچ سکے۔"

میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ شیبا سونیا کے ذریعے پومی کی روداد بیان کر رہی تھی اور میں سن رہا تھا۔ جو شخص خود کو ایک قوت کہہ رہا تھا، اس کا طریقۂ کار کچھ نیا تھا۔ وہ پومی کے دماغ میں پہنچ کر پومی بن گیا تھا۔ اس نے اسی کا لب و لہجہ اختیار کیا تھا۔ یہ اپنے بچاؤ کی بہترین صورت تھی۔ نہ کبھی وہ اپنا لب و لہجہ کسی کے دماغ میں اختیار کرے گا، نہ ہی اس بات کا اندیشہ رہے گا کہ شیبا یا فرہاد کسی کے دماغ میں چھپ کر اسے گرفت میں لے سکتے ہیں۔

شیبا تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئی تھی، پھر اس نے کہا "فرہاد! وہ قوت میرے اندر بول رہی ہے۔"

"یقیناً اس نے تمھارا ہی لب و لہجہ اختیار کیا ہوگا۔"

"ہاں، وہ ابھی کہہ رہی تھی کہ میں شیبا ہوں۔ اس یقین کے ساتھ شیبا کے لہجے میں بول رہی ہوں کہ فرہاد خیال خوانی کے ذریعے میرے دماغ میں نہیں پہنچ سکے گا۔ میں شیبا کو سمجھا رہی ہوں۔ اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ تل ابیب میں موجود رہے۔ اس پر بُرا وقت آنے والا ہے۔"

میں پریشان ہو کر سونیا کو دیکھنے لگا۔ شیبا پر بُرا وقت آنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم سب پر بُرا وقت آ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "تم تل ابیب جاؤ مگر ہمارے پاس آتی رہو۔"

وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ماں نیلما داسی کمرے میں آئیں۔ انھوں نے پہلے میری خیریت دریافت کی پھر کہا "بیٹے! میں نے تمھیں آرام کرنے کے لیے کہا تھا مگر تم خیال خوانی کرتے رہے ہو۔"

"نہیں ماں جی، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ابھی میں اپنی دماغی توانائی بحال کر رہا ہوں۔ صبح سے پہلے خیال خوانی نہیں کروں گا۔"

"اگر تم ایسا نہیں کر رہے ہو تو میرے سوامی نے ابھی مجھ سے شکایت کیوں کی ہے کہ تم خیال خوانی کے ذریعے انھیں پریشان کر رہے تھے۔"

میں نے حیرانی سے انھیں دیکھا، پھر پوچھا "کیا آپ نے سوامی جی سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا؟"

"ہاں، میرا دل نہیں مانتا۔ آخر وہ میرے سوامی ہیں۔ میں نے فون کے ذریعے خیریت دریافت کی۔ وہ غصے سے کہنے لگے۔ فرہاد میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اگر وہ تمھارا مان کرتا ہے۔

تمھاری عزت کرتا ہے تو اس سے کہو میرے دماغ میں کبھی نہ آئے۔"

ماں جی نے بڑی محبت سے مجھے دیکھا پھر شانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں "بیٹے! وہ بُرے ہیں، بہت بُرے ہیں لیکن میرے شوہر ہیں۔ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر کبھی ان سے تمھیں نقصان پہنچا تو میں تمھیں جوابی کارروائی کرنے سے نہیں روکوں گی مگر... !"

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا "میں نے آپ کو ماں کہا ہے۔ آپ سے جھوٹ نہیں کہوں گا۔ میں نے اب تک خیال خوانی نہیں کی ہے اور نہ ہی سوامی جی سے دماغی رابطہ قائم کیا ہے۔ آپ یقین کریں، ہمارے علاوہ بھی ٹیلی پیتھی جاننے والے موجود ہیں، وہ یقیناً سوامی جی کو پریشان کر رہے ہوں گے۔ میں تھوڑی دیر بعد شیبا کے ذریعے ان کے حالات معلوم کروں گا۔"

پھر میں نے سونیا سے کہا "پتا نہیں، وہ قوت ہیرا سوامی کو کیوں پریشان کر رہی ہے؟ آخر اس سے کیا چاہتی ہے؟"

"یہ شیبا کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔"

وہ اپنے معاملات میں الجھی ہوئی تھی۔ جب تک ہمارے پاس نہ آتی، اسے ہیرا سوامی کے متعلق معلوم نہ ہوتا اور نہ وہ ہمیں معلومات فراہم کر سکتی تھی۔ فی الحال ہم شیبا کے محتاج ہو کر رہ گئے تھے۔

ماں جی مجھے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں، میں نے کہا "ہم شیبا کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں، سوامی جی بخیریت ہوں گے، ہم جلد ہی ان سے رابطہ قائم کر لیں گے۔"

"جب تک شیبا نہ آئے، ٹیلیفون کے ذریعے ان سے بات کر لو۔ ان کے دل میں تمھارے لیے جو شبہات ہیں، وہ دور ہو جائیں گے۔"

سونیا نے تائید کی پھر ایک ملازم سے ٹیلیفون لانے کے لیے کہا۔ جب وہ ٹیلیفون لے آیا تو ماں جی نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہوتے ہی انھوں نے کہا "میں نیلما بول رہی ہوں۔ آپ خواہ مخواہ فرہاد پر شبہ کر رہے ہیں۔ یہ بےچارہ زخموں سے چور ہے، یہاں بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ خیال خوانی نہیں کر سکتا۔"

انھوں نے چپ ہو کر کچھ سُنا، پھر کہا "آپ مجھے غصہ نہ دکھائیں، فرہاد سے بات کریں۔"

میں نے ریسیور لے کر کہا "ہیلو سوامی جی! میں فرہاد بول رہا ہوں۔ پہلے میں تمھیں ہیرا سوامی کہا کرتا تھا لیکن ماں جی کے مقدس رشتے کا لحاظ کرتے ہوئے سوامی جی کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے کیا شکایت ہے؟"

اس کی آواز سنائی دی "بڑے معصوم بن کر پوچھ رہے ہو۔ اتنی دیر تک مجھے پریشان کرتے رہے۔ اب خیال خوانی چھوڑ کر ٹیلیفون کے ذریعے باتیں کر رہے ہو۔"

"میں سچ کہتا ہوں، مجھے اس قدر زخم آئے ہیں کہ خیال خوانی نہیں کر سکتا۔ میں اتنی بڑی دنیا میں تنہا ٹیلی پیتھی جاننے والا نہیں ہوں، میرے علاوہ اور بھی ہیں۔ اس وقت ہمارا ایک مخالف تمھیں پریشان کر رہا ہے۔"

میری بات ختم ہوئی۔ وہ ایک ذرا چپ رہا، پھر یکبارگی بھڑک کر بولا "تم الو کے پٹھے ہو، تم الو کی اولاد ہو۔ تمھیں شرم نہیں آتی۔ نیلما کے سامنے ٹیلیفون کے ذریعے بات کر رہے ہو اور خیال خوانی کے ذریعے مجھے الو کا پٹھا کہہ رہے ہو۔"

میں حیرانی سے چپ رہا۔ اب میں اسے کیسے یقین دلا سکتا تھا کہ یہ میں نے نہیں کہا۔ اسی کی شرارت ہے جو خود کو نادیدہ قوت کہتا ہے۔ ماں جی نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"کوئی خیال خوانی کے ذریعے سوامی جی کو گالی دے رہا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں ایسا کر رہا ہوں۔ اب میں انھیں یقین نہیں دلا سکتا۔"

ماں جی نے میرے ہاتھ سے ریسیور لے کر کہا "کیا آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ فرہاد میرے سامنے باتیں کر رہا ہے۔ پھر یہ کیسے خیال خوانی کر سکتا ہے۔"

"تم ان کی چالوں کو نہیں سمجھ سکتی ہو۔ یہ باتیں کرتے ہیں اور چند سیکنڈ کے اندر ہی چپ رہ کر ڈھیر ساری باتیں خیال خوانی کے ذریعے کر جاتے ہیں۔ اس وقت یہ باتیں نہیں کر رہا ہے، گالیاں دے رہا ہے۔"

"میرا بیٹا کم ظرف نہیں ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے آپ کو اپنے اندر اعلیٰ ظرفی پیدا کرنا ہوگی۔"

"تم ایسا ضرور کہو گی۔ اب تو تمھیں ٹیلی پیتھی کی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ تم میرے خلاف بہت زبردست محاذ بنا سکتی ہو۔ ان کے ذریعے مجھے اپنے بیٹے کا باپ بننے پر مجبور کر سکتی ہو۔ تم نے کروڑوں ڈالر کے ہیرے چھپا رکھے ہیں، اب میں ان تک کبھی نہیں پہنچ سکوں گا۔ وہ خیال خوانی کرنے والے مجھے پہنچنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔ صرف اتنا ہی نہیں، اب میری باقی دولت بھی تم ہتھیا سکتی ہو۔ اگر میں کسی ناگن کو دودھ پلاتا تو وہ اس طرح نہ ڈستی جس طرح تم بیوی ہو کر ڈسنے والی ہو۔"

"آپ جو کہنا چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ جو سمجھنا چاہیں سمجھ سکتے ہیں۔ میں نے آپ کے خلاف کوئی محاذ نہیں بنایا ہے۔ میں صرف اپنے بیٹے کے لیے زندہ ہوں اور جو کرتی ہوں اسی کے لیے کرتی ہوں۔ میں نے آج تک آپ کو نقصان نہیں پہنچایا، آئندہ بھی اس شرط پر نقصان نہیں پہنچاؤں گی کہ آپ میرے بیٹے کو باپ کا نام دیں گے اور اس کا اعلان کریں گے۔"

"آخر وہی بات زبان پر آ گئی۔ اب تم ڈنکے کی چوٹ پر مجھے چیلنج کرو گی لیکن میں بھی ایک ضدی ہوں۔ میں کل بھی کہتا تھا، آج بھی کہتا ہوں اور آئندہ بھی کہوں گا کہ نہ میرا تم سے کوئی رشتہ ہے، نہ تمھارے بیٹے سے۔ تم مجھے بدنام کرنا چاہتی ہو۔ اینڈ ڈیٹس آل۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ جب تک وہ بات کرتی رہیں، میں ان کا منہ تکتا رہا۔ ہمارے درمیان تقریباً تین چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے ہوئے تھیں۔ ہیرا سوامی ان سے کیا کہہ رہا تھا، یہ میں سُن نہیں سکتا تھا لیکن ماں جی کو دیکھتے دیکھتے یوں لگا جیسے وہ ریسیور میرے کان سے لگا ہوا اور مجھے ہیرا سوامی کی آواز صاف سنائی دے رہی ہو۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا، میں اسے پوری تفصیل سے سُن رہا تھا۔

تب اچانک انکشاف ہوا کہ ریسیور کان سے لگا ہوا نہیں ہے بلکہ میں ماں جی کے دماغ میں ہوں اور مجھے ساری باتیں سنائی دے رہی ہیں یعنی خیال خوانی کی پرواز بحال ہو گئی تھی۔

میں دوسرے ہی لمحے ہیرا سوامی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ غصے سے ریسیور رکھ رہا تھا۔ میں پھر واپس آ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ تکیے پر سر رکھ کر چاروں شانے چت لیٹ گیا۔ ماں جی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "کتنی بار سمجھایا ہے، آرام کرو۔ تم پھر تھک گئے ہو۔"

میرے جی میں آیا کہ میں اپنی خیال خوانی کا ذکر کروں لیکن میں نے خود کو روک لیا۔ ابھی میں کہہ چکا تھا کہ کسی کی سوچ نہیں پڑھ سکتا۔ اب اعتراف کروں گا تو ماں جی کو شبہ ہوگا کہ میں نے دشمنی کے تحت چپ چاپ ہیرا سوامی کو گالی دی ہے۔ اس صلاحیت کے بحال ہونے پر خوشی کا اظہار ضروری نہیں تھا۔ میں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

وہ مجھے آرام کرتے دیکھ کر وہاں سے چلی گئیں۔ سونیا نے میرے ہاتھ کو تھام کر ہولے سے آواز دی "فرہاد!"

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس نے پوچھا "کیا بہت تھک گئے ہو؟"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا "میں ذرا سونا... چاہتا ہوں۔"

"آنکھیں بند کر لو، میں ابھی سلا دیتی ہوں۔"

وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ میرے سر کو سہلانے لگی۔ میں نے آنکھیں بند کیں۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا ہیرا سوامی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اس خاص خواب گاہ میں تھا، جہاں میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا اور جہاں کی ہر چیز میں قیمتی ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ وہ ریسیور کو کریڈل پر پٹخنے کے بعد غصے سے ٹہل رہا تھا۔ اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا "غصہ دکھانے سے کام نہیں چلے گا۔ معاملہ بگڑ گیا ہے۔ نیلما کے پاس ایک نہیں، دو ٹیلی پیتھی کی قوتیں ہیں، وہ مجھے زبردست نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

وہ سوچتا جا رہا تھا اور خواب گاہ کی ایک ایک چیز کو، ایک ایک ہیرے کو چھو کر دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ ہیروں کا عاشق تھا، دیوانہ تھا۔ ان کے لیے جان بھی دے سکتا تھا۔

اس کی سوچ نے کہا "مجھے اس طرح ٹہلنا نہیں چاہیے۔ تھک جاؤں گا۔ اب میز کے پاس جا کر بیٹھنا چاہیے۔"

اس کی دوسری سوچ نے کہا "میں میز کے پاس جا کر کیوں بیٹھوں۔ آرام سے بستر پر کیوں نہ لیٹ جاؤں؟"

مگر وہ بستر کی طرف نہ جا سکا۔ بے اختیار میز کے پاس آیا۔ کرسی پر بیٹھ کر ایک قلم کو ہاتھ میں لیا۔ پاس رکھی ہوئی ڈائری کو کھول لیا۔ پھر اس کے ایک سادے صفحے پر لکھنے لگا۔

میں نے محسوس کیا، وہ بے اختیار ایسا کر رہا تھا۔ یقیناً وہ نادیدہ قوت ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ لکھنا نہیں چاہتا ہے۔ اس کے باوجود لکھتا جا رہا ہے اور جو کچھ لکھتا جا رہا ہے، وہ پہلے سے اس کے دماغ میں نہیں تھا۔ اب یہ باتیں دماغ میں پیدا ہوتی جا رہی ہیں اور وہ ان باتوں کو کاغذ پر لکھ رہا ہے۔ اس نے سب سے پہلے ایک ماسٹر جی کا نام لکھا اور اس نام کے ساتھ اس کا ٹیلیفون نمبر لکھ دیا۔ میں نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں۔ سونیا میرے سر کو سہلا رہی تھی۔ میں نے کہا "جلدی کرو، کاغذ اور قلم لاؤ۔ میں جو کہتا ہوں، اسے لکھتی جاؤ۔"

"کیا تم جاگ رہے تھے؟"

"ہاں، یہ بات ماں جی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تم جلدی کرو۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر گئی، فوراً ہی کاغذ قلم لے کر آ گئی۔ میں نے ایک ماسٹر جی کا نام لکھوایا اور اس کے ساتھ اس

کا فون نمبر بھی لکھوا دیا۔ پھر خیال خوانی کی پرواز کی، ہیرا سوامی کے دماغ میں پہنچا۔ اس وقت تک وہ مزید دو عدد ماسٹر کی کے نام اور نمبر لکھ چکا تھا۔ میں نے وہ نام اور نمبر بھی سونیا کو لکھوا دیے، اس طرح اس نے چھ عدد ماسٹر کی کے نام اور فون نمبر لکھے۔ اس کے بعد وہ ایک ایک ماسٹر کی کے متعلق تفصیل سے لکھنے لگا کہ ان کی کمزوریاں کیا ہیں اور ہیرا سوامی انھیں کس طرح بلیک میل کرتا ہے۔ ان سب کے جرائم کے مکمل اور ٹھوس ثبوت کہاں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔

اس کے بعد اس نے لکھنا شروع کیا "میں ہیرا سوامی کے اندر ایک اور ہیرا سوامی بول رہا ہوں اور جو کچھ بول رہا ہوں اسے دوسرا ہیرا سوامی اپنے قلم سے لکھتا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے اس معمول ہیرا سوامی کی یہ غلط فہمی دور کر دوں کہ میں فرہاد نہیں ہوں۔ میں ایک اَن فان پاور، ایک نادیدہ قوت ہوں۔ میرے ایک آلۂ کار نے اس کے کھانے میں ایسی دوا ملائی ہے، جس سے دماغ کمزور ہو گیا ہے۔ یہ سانس نہیں روک سکے گا۔

یہ قوت جس شخص کے اندر پہنچتی ہے، اسی کی شخصیت، اسی کا لب و لہجہ اختیار کر لیتی ہے۔ میں ان گزرتے ہوئے لمحات میں ہیرا سوامی ہوں۔ اپنے راز اپنے ہاتھوں سے اس ڈائری پر لکھ رہا ہوں۔ اس اعتماد کے ساتھ کہ اسے میرے سوا شیبا اور فرہاد نہیں پڑھ سکیں گے کیوں کہ میں نے شیبا کو تل ابیب میں مصروف رکھا ہے اور فرہاد فی الحال خیال خوانی کے قابل نہیں ہے۔

ہیرا سوامی ہوش میں آنے کے بعد اپنی اس تحریر کو پڑھے گا اور یقین کرے گا کہ شیبا اور فرہاد کے علاوہ بھی کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے۔ جب اسے یقین آ جائے گا تو میں اسے تحفظ دوں گا۔ جو راز اس نے ابھی لکھے ہیں انھیں شیبا اور فرہاد تک پہنچنے نہیں دوں گا بلکہ نیلما داسی کے دماغ سے جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ ہیرا سوامی کو بتا دوں گا لیکن اس کے لیے بھگوان بننے والے ہیرا سوامی کو میرا غلام بن کر رہنا ہو گا۔ میرے اشاروں پر چلنا ہو گا۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس دنیا کو تسخیر کرتا رہوں گا اور بھگوان ہیرا سوامی کے روپ میں اپنے نائب ہر جگہ چھوڑتا رہوں گا۔

مجھے ہیرے جواہرات کا لالچ نہیں ہے۔ یہ تو میں جب چاہوں کسی سے بھی چھین لوں۔ جہاں اقتدار حاصل کرنا چاہوں کر لوں لیکن میرے عزائم کچھ اور ہیں جو رفتہ رفتہ ظاہر ہوں گے۔ فی الحال بھگوان ہیرا سوامی کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ نیلما داسی کے ہاتھوں شکست کھائے گا۔ فرہاد اور شیبا کے آگے بے بس رہے گا یا میرا غلام بن کر ان پر سبقت لے جائے گا، اور ان کی ہر چال کو ناکام بنائے گا۔ فیصلہ بھگوان ہیرا سوامی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ تحریر یہیں ختم کر رہا ہوں۔ فقط نادیدہ قوت بطور بھگوان ہیرا سوامی، بقلم خود۔"

یہ تحریر مکمل کرتے ہی وہ چونک پڑا۔ اس نے حیرانی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے قلم کو دیکھا پھر ڈائری پر نظر گئی۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا، وہ اب تک کس طرح غافل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں خیال پیدا ہوا۔ مجھے اس ڈائری پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا چاہیے۔ میں سمجھ رہا تھا۔ وہ نادیدہ قوت اس کی سوچ میں اسے پڑھنے کی طرف مائل کر رہی تھی۔ بہر حال وہ پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے پڑھتا گیا، شدید حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوتا رہا۔ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کتنے راز تحریر کیے تھے۔

جب وہ اور آگے پڑھنے لگا تو یہ یقین کرنا پڑا کہ فرہاد اس کے دماغ میں نہیں آتا ہے، کوئی اور ہے اور وہ کون ہے یہ شاید وہ کبھی نہیں بتائے گا۔ اس نے صاف صاف لکھ دیا ہے، جس شخص کے اندر جاتا ہے، اسی کی شخصیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس نے عجیب انداز اختیار کیا تھا، جس کے پاس جاتا تھا، اسی کا ہمزاد بن کر بولتا تھا۔

دانشمند کہتے ہیں، سامنا کرنے والا دشمن اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا کہ چھپا ہوا دوست خطرناک ہوتا ہے۔ فرہاد اور شیبا اپنے ناموں کے ساتھ ظاہر ہو کر اس کے دماغ میں آتے تھے جب کہ وہ نیا آنے والا چھپ رہا تھا۔ چھپ کر دوستی جتا رہا تھا کہ وہ فرہاد اور شیبا کے خلاف اس کے کام آئے گا۔ جہاں تک کام آنے کا تعلق ہے، وہ یقیناً دوست ہے لیکن یہ دوستی بڑی مہنگی پڑے گی کیوں کہ وہ ہیرا سوامی کو غلام بنا کر رکھنا چاہتا تھا اور اس کا فیصلہ خود اسی پر چھوڑ چکا تھا۔

وہ میز کے پاس سے اٹھ گیا، پھر ٹہلتے ہوئے سوچنے لگا، یہ کیا نئی افتاد آ پڑی ہے۔ اسے افتاد بھی کہا نہیں جا سکتا تھا۔ جس طرح لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، اسی طرح شیبا اور فرہاد کی ٹیلی پیتھی کو کاٹنے کے لیے اسے دوسری طرف سے ٹیلی پیتھی کا ہتھیار مل رہا تھا مگر بڑے مہنگے داموں مل رہا تھا۔ بھگوان بننے والے کو غلام بننا پڑے گا اور یہ بات ہیرا سوامی کو کس ذہنی الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔ اگر کوئی کھل کر سامنے آتا تو وہ اسے منہ توڑ جواب دے سکتا تھا لیکن وہ جانتا تھا، اس نئے ٹیلی پیتھی جاننے والے سے دوستی کرے گا تو کہیں کا نہیں رہے گا۔ ادھر شیبا اور فرہاد دشمن رہیں گے، ادھر یہ نیا آنے والا بدترین دشمن ثابت ہو گا۔ پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا۔ سیاسی دستور کے مطابق اسے کسی ایک طاقت کی طرف جھکنا ہی پڑے گا اور یہ فیصلہ اسی پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ کس طرف جھکنا پسند کرے گا۔

فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے اچانک بلند آواز سے پوچھا "تم کون ہو؟ میرے پاس آؤ، میرا مطلب ہے دماغ میں آؤ، میری باتیں سنو اور میری باتوں کا جواب دو۔ کیا تم میرے پاس ہو؟"

وہ جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے دماغ میں خیال پیدا ہوا "مجھے کہتے رہنا چاہیے، وہ یقیناً چپ ہے مگر میری سوچ پڑھ رہا ہے۔ مجھے بلند آواز سے بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

یقیناً وہ نادیدہ قوت ہی اس کے دماغ میں ایسی سوچ پیدا کر رہی تھی تاکہ وہ اپنا فیصلہ سنا سکے۔ اس نے کہا "میں تمہارا ساتھ چاہتا ہوں، میں غلام بن کر رہوں گا۔ اس کے لیے تمہاری چند شرائط کو تسلیم کرنا ہو گا۔ بولو، کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟"

وہ پھر چپ رہ کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے اندر خیال پیدا ہوا "میں کہہ چکا ہوں، جس شخص کے اندر جاتا ہوں، اس کی شخصیت اختیار کر لیتا ہوں، اسی کے لب و لہجے میں بولتا ہوں اور اسی کے لب و لہجے میں سوچ پیدا کرتا ہوں۔ اس وقت نادیدہ قوت بطور بھگوان ہیرا سوامی بول رہی ہے۔ اپنا فیصلہ، اپنی شرائط سناؤ۔"

میں بڑی توجہ سے اس سوچ کو سن رہا تھا اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کسی ایک آدھ حرف کی ادائیگی میں لغزش ہو جاتی تو میں اسے پکڑ سکتا تھا مگر میں بھی شیبا کی طرح ناکام رہا۔ وہ بولنے والا بہت محتاط تھا۔ اس کی ذہانت کی داد دینا چاہیے۔ اس نے ہم سے محفوظ رہنے کے لیے بڑا ہی انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا۔ جس شخص کے اندر پہنچتا تھا، اسی کی شخصیت اختیار کر لیتا تھا۔ ایسے میں ہم اس کے اصل لب و لہجے تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔

ہیرا سوامی نے کہا "میری پہلی شرط یہ ہے کہ میں دنیا والوں کے سامنے بھگوان بن کر رہوں، چاہے در پردہ تم مجھے ساری عمر غلام بنائے رکھو مگر میں اپنی عزت اور شہرت چاہتا ہوں۔"

وہ ذرا توقف سے بولا "کیا میری یہ پہلی شرط منظور ہے؟"

ذرا دیر خاموشی رہی پھر اس کی سوچ ابھری "منظور ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولا "یہ تو میری اپنی سوچ ہے۔ میں خود ہی کہہ رہا ہوں کہ منظور ہے۔"

"تمہارے اندر دوسرا ہیرا سوامی کہہ رہا ہے، تم کہتے جاؤ، میں سنتا جا رہا ہوں۔"

اس نے کہا "میری دوسری شرط یہ ہے کہ اس نادیدہ قوت کو میری دولت کا تحفظ کرنا ہو گا۔ میرے وہ کروڑوں ڈالر کے ہیرے نیلما سے واپس لا کر دینے ہوں گے یا کوئی آسان راستہ بتانا ہو گا تاکہ ان ہیروں تک پہنچ کر انھیں حاصل کر سکوں۔"

اس کی دوسری سوچ سنائی دی "میں وعدہ کرتا ہوں، ان ہیروں تک تمھیں پہنچا دوں گا۔ انھیں حاصل کرنے یا نہ کرنے کا انحصار تم پر ہو گا۔"

"شیبا اور فرہاد رکاوٹ بنیں گے۔ کیا ایسے میں تم میری مدد نہیں کرو گے؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم عورت ہو یا مرد؟"

"میں کیا ہوں، یہ سوچنے میں وقت ضائع نہ کرو۔ ایک نادیدہ قوت کے حوالے سے باتیں کرو۔ شیبا یا فرہاد کی ٹیلی پیتھی رکاوٹ بنے گی تو میں تمھاری مدد کروں گا۔"

"تم مرد کی طرح بول رہے ہو۔"

"اس لیے کہ میں ہیرا سوامی کے لب و لہجے میں بول رہا ہوں مگر ایک بات یاد رکھو۔ اب تک تم نے جتنی دولت کمائی ہے، اس میں سے ایک پھوٹی کوڑی نہیں لوں گا مگر آئندہ تمہارے کام آؤں گا تو تمہارے منافع میں میرا بھی حصہ ہو گا۔ اگر تم چاہو گے کہ کروڑوں ڈالر کے ہیرے حاصل کرنے میں تمہاری مدد کروں تو پھر آدھے ہیرے میں لے جاؤں گا۔"

اس نے جلدی جلدی انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، نہیں، میں خود حاصل کر لوں گا۔ تم مجھے ان ہیروں تک پہنچا دو۔"

وہ کم بخت اپنے بدن کا تمام خون نچوڑ کر دے سکتا تھا مگر ہیرے نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے تیسری شرط بیان کی "نیلما مجھے یہ اعلان کرنے پر مجبور نہ کرے کہ میں اس کے بیٹے کا باپ ہوں۔"

پھر اسے اپنی ہی سوچ سنائی دی۔ دوسرے لفظوں میں اسی نادیدہ قوت نے کہا "وہ فرہاد کا سہارا لے کر ایسا کرے گی۔ میں اس کا توڑ کرتا رہوں گا۔ تم کسی کے باپ بن کر نہیں، اپنے عقیدت مندوں کے بھگوان بن کر رہو گے۔"

اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خوشی سے کہا "مجھے منظور

ہے آج سے میں تمھارا غلام ہوں، غلام بننے سے میری غیرت مرے گی، غیرت مرتی ہے تو کوئی نہیں دیکھ پاتا، بھگوان نہ بنا تو ناک کٹ جائے گی، ناک کے بغیر منہ لے کر کیا کروں گا۔ لہٰذا مجھے غلامی منظور ہے۔"

میں اس کے دماغ سے نکل کر آرمر ووڈ کے دماغ میں پہنچا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے معلوم کیا۔ پتا چلا، اس کے ایک بھائی کا نام شار پر ووڈ ہے اور دوسرے بھائی کا نام ہار پر ووڈ۔ باقی اس کی دونوں بہنوں کے نام تو پہلے ہی معلوم تھے، یعنی ایک لیڈی روزینہ تھی، دوسری جوجو۔

آرمر کے خوابیدہ دماغ نے یہ بھی بتایا کہ اس کے دونوں بھائیوں کے دماغوں میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں منتقل ہو چکی ہیں، اگر اس کا دماغ نہ بتاتا تب بھی وہ دونوں بھائی اپنی حرکتوں سے ظاہر کر رہے تھے کہ ہمارے مقابلے میں زبردست محاذ قائم ہو چکا ہے۔

سونیا، ماں جی اور میں جس بنگلے میں تھے، وہ ریڈ پاور کے باس کی ملکیت تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اسے مخاطب کیا۔ پھر پوچھا "کیا لوسی یہاں پہنچ رہی ہے؟"

اس نے جواب دیا "ہمارا ہیلی کاپٹر اس کی تلاش میں گیا تھا، شیبا نے بتایا تھا، وہ سرخ رنگ کی کار میں سفر کر رہی ہے اور اوٹاوا سے نیویارک کی طرف جا رہی ہے لیکن ہمارے آدمیوں کو اب تک وہ کار نظر نہیں آئی۔"

"میں معلوم کرتا ہوں، وہ کہاں ہے، فی الحال تم اپنے آدمیوں کو اوٹاوا کے اسی بنگلے کی نگرانی پر لگا دو جہاں کچھ دیر پہلے لوسی موجود تھی۔ وہاں آرمر ووڈ کی بہن جوجو موجود ہے، اس بنگلے میں یقیناً اس کے دوسرے بھائیوں شار پر ووڈ اور ہار پر ووڈ کی تصویریں یا ان سے تعلق رکھنے والے کاغذات ضرور ہوں گے، تمھارے آدمی اس بنگلے میں جبراً گھس سکتے ہیں، وہاں کی تلاشی لے سکتے ہیں۔ انھیں یہ سختی سے تاکید کی جائے کہ وہ اپنی آواز جوجو یا کسی کو نہ سنائیں۔ ورنہ دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والے تمھارے آدمیوں کو ٹریپ کریں گے اور بے موت مار ڈالیں گے۔"

یہ باتیں سمجھانے کے بعد میں لوسی کے پاس پہنچ گیا۔ اسے بہت پہلے ہی میرے پاس پہنچنا چاہیے تھا۔ وہ کیوں نہ پہنچ سکی، کہاں رہ گئی۔ یہ ہم اپنی مصروفیات کے باعث معلوم نہ کر سکے۔ اب میں اس کے پاس پہنچا تو پتا چلا، وہ ایک اسپتال کے بستر پر پڑی ہوئی ہے۔

میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ پہلے اس کی خیریت اور اس کے حالات معلوم کرتا رہا۔ وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی جا رہی تھی، کبھی کبھی آسمان کی طرف دیکھتی تھی کیوں کہ ریڈ پاور کے باس کی طرف سے ہیلی کاپٹر آنے والا تھا۔ ایسے ہی وقت اس کی کار ایک بھاری بھرکم ٹرک سے ٹکرا گئی۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ حادثہ اس کی غفلت سے ہوا یا ٹرک والے نے جان بوجھ کر سائیڈ ماری تھی۔ وہ اسٹیئرنگ پر قابو نہ پا سکی، کار سڑک کے کنارے اترتے ہوئے ایک درخت سے ٹکرا گئی تھی۔ اس کے سر پر اور سینے پر چوٹیں آئی تھیں لیکن وہ فولادی جسم ہی نہیں، فولادی اعصاب بھی رکھتی تھی۔ اس کے باوجود اسپتال کے بستر پر پڑی ہوئی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی "کیا پھر زندہ ہو گئے؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "ہاں، کم بختوں نے مجھے ... بنا کر رکھ دیا تھا۔ کیسی ہو؟"

"کیا مجھے بتانا ہو گا، کس طرح حادثہ پیش آیا؟"

"معلوم کر چکا ہوں، تمھاری جگہ کوئی دوسری ہوتی تو ... کی تاب نہ لاتی، واقعی تم فولادی اعصاب رکھتی ہو۔ اس کے باوجود بستر پر پڑی ہوئی ہو، آخر کیا بات ہے؟"

"تم میرے اندر رہ کر محسوس کر سکتے ہو کہ میں ... کمزوری محسوس کر رہی ہوں، سمجھ میں نہیں آتا، اتنی معمولی چوٹیں مجھے کس طرح بے بس بنا کر یہاں ڈال سکتی ہیں۔"

"جب تمھیں اسپتال پہنچایا گیا تو تم ہوش و حواس میں تھیں؟"

"پوری طرح ہوش میں تھی۔ ذرا کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ میں نے سوچا، فرسٹ ایڈ ملنے کے بعد پھر ڈرائیونگ کے قابل ہو جاؤں گی۔ یہاں میری پیشانی کی چوٹ پر دوائیں لگائی گئیں، پھر دوائیں کھلائی گئیں، انجکشن لگانے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ دل گھبرا رہا ہے اور میں کچھ کمزور سی ہو گئی ہوں۔ مجھے تھوڑی دیر آرام کرنا چاہیے، تب سے میں یہاں ہوں۔ اٹھنے کو جی نہیں چاہتا ہے۔"

"میں ابھی آؤں گا۔ جب تک نہ آؤں، یہاں کی کوئی دوا استعمال نہ کرنا، نہ ہی انجکشن لگوانا، بلکہ ایک گلاس پانی بھی نہ پینا۔"

"کیا تم جا رہے ہو؟"

"تمھارے لیے کچھ انتظامات کرنا چاہتا ہوں۔"

"فرہاد! قسمت کی ستم ظریفی دیکھ رہے ہو۔ کئی بار تمھارے پاس آتے آتے رہ گئی۔ ہر بار یقین ہوتا رہا، تمھارے پاس آ رہی ہوں مگر ہر بار یہی کہنا پڑتا ہے۔

قسمت کی خوبی دیکھیے، ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "ایسا ہوتا ہے مگر ایسا ہمیشہ نہیں ہو گا، ہم ضرور ملیں گے۔"

میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر سونیا سے کہا "لوسی ایک اسپتال میں ہے۔ کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

میں نے ایکسیڈنٹ کے متعلق بتایا، پھر کہا "وہ خطرات میں گھری ہوئی ہے، دشمن چھپ کر وار کر رہا ہے، وہ ہم میں سے کسی کو بظاہر جانی نقصان نہیں پہنچائے گا، جس طرح لوسی کمزوری محسوس کر رہی ہے، اس سے پتا چلتا ہے، وہ دھیرے دھیرے مارے گا۔ تمھارا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"اسے واپس اوٹاوا پہنچا دیا گیا ہے۔"

"جلد از جلد پہنچنے کے لیے ہیلی کاپٹر لازمی ہے۔"

میں نے ریڈ پاور کے باس کو مخاطب کیا اور اپنی ضرورت پیش کی، اس نے کہا "ابھی ہیلی کاپٹر پہنچ رہا ہے۔"

میں نے کہا "میرے آس پاس جو ڈاکٹر، نرسیں اور ملازم ہیں، انھیں بدل جانا چاہیے۔ جن نئے لوگوں کو میرے پاس بھیج رہے ہو، انھیں تاکید کر دو کہ زبان سے ایک لفظ ادا نہ کریں، تنہائی میں بھی ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو نہ کریں۔ ہم سب خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔"

میں نے سونیا سے کہا "تمھیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اب تک ہمارے دشمنوں نے جان سے مار ڈالنے کی کوشش کی یا ہمیں جسمانی اور ذہنی طور پر نقصان پہنچاتے رہے، یہ پہلا دشمن ہے جو آہستہ آہستہ ہمیں کمزور بنا کر اپنے راستے سے ہٹا رہا ہے، اگر ہم اسی طرح یکے بعد دیگرے اسپتالوں اور گھروں تک محدود ہوتے گئے تو اس کے لیے میدان صاف ہو گا اور وہ یہی چاہتا ہے۔"

وہ چلی گئی۔ شیبا بڑی دیر سے نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ ویسے بھی وہ بے چاری تنہائی ابیب میں انجانے دشمنوں سے نمٹتی آ رہی تھی۔ وہ تقریباً دس گھنٹے سے اپنے مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔ اس وقت میں اور سونیا اپنے اپنے معاملات سے الجھ رہے تھے۔ میں تو خیر اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو شیبا کو اتنے مسائل سے دو چار ہونے نہ دیتا۔

وہ خیال خوانی کے ذریعے کبھی میرے پاس آتی تھی، کبھی سونیا کے پاس جاتی تھی۔ کبھی پومی کی خبر لیتی تھی، پھر اپنے مسائل میں الجھتی چلی جاتی تھی۔ اس کی زندگی میں کبھی ایسا وقت نہیں آیا تھا کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے چاہنے والوں کی بھی فکر کرتی رہے، ان کی حفاظت کرتی رہے، پھر اپنی حفاظت کے لیے بھی دماغی صلاحیتوں سے کام لیتی رہے۔

میں نے اس کے پاس جاکر مخاطب کیا "شیبا! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

اس نے تعجب سے پوچھا "فرہاد؟ یہ دوسری بار کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ تم فرہاد ہو؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا "دوسری بار؟ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں اب سے پہلے بھی تمھارے دماغ میں آچکا ہوں؟"

"تم ابھی ابھی مجھ سے باتیں کر رہے تھے، دوسری بار خود کو فرہاد کہہ رہے ہو، میں کیسے یقین کروں؟"

"میں سمجھ گیا، وہ نادیدہ قوت میرا لب و لہجہ اختیار کر کے تم سے گفتگو کر رہی تھی، یہی بات ہے، نا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر خلا میں تکتے ہوئے بولی۔ "میں نہیں جانتی، تم واقعی فرہاد ہو یا نہیں، بہر حال، وہ نامعلوم شخص میرے اندر رہ کر تمام حقائق معلوم کر چکا ہے۔"

"فکر نہ کرو، میں آگیا ہوں۔ دیکھتا ہوں، وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے بھی تم یہی بات کہہ چکے ہو۔"

میں نے پھر حیران ہو کر پوچھا "کیا وہ ایسی ہی باتیں کر رہا تھا؟"

"اب میں کیا کہوں کہ کون کیسی باتیں کر رہا تھا۔"

میں نے اس کی پریشانیوں کو سمجھتے ہوئے کہا "اچھی بات ہے، آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد اپنے فرہاد ہونے کا یقین دلاؤں گا۔"

میں اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے دماغ میں ہوں یا نہیں؟ اور اگر ہوں تو اصل ہوں یا نقل؟ اس نادیدہ قوت نے میری آواز اور لب و لہجہ اختیار کر کے اُسے بُری طرح الجھا دیا تھا۔ بہر حال میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔

اب سے دس گھنٹے پہلے کمانڈو وائی اس سے ملنے آیا تھا۔ آمنہ اب اس کے پاس نہیں تھی بلکہ اسرائیل میں نہیں تھی، وہ بابا صاحب کے ادارے میں واپس پہنچ گئی تھی۔ اس کی خواب گاہ کے باہر دو لیڈی گارڈز موجود رہتی تھیں اور وہ لیڈی سیکریٹری تھی جسے خود شیبا نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔ اسرائیلی کمانڈوز میں کمانڈو وائی بہت بڑا افسر تھا۔ اس کے باوجود وہ بھی اجازت حاصل کرنے کے بعد اس کی خواب گاہ میں آیا تھا۔ شیبا نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "بیٹھو، تمھاری آمد کا مقصد کیا ہے؟"

"میں بہت اہم گفتگو کرنے آیا ہوں۔"

"کیا اس بات کا اندیشہ نہیں رہا کہ فرہاد تمھارے دماغ میں جگہ بنا سکتا ہے؟"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، فرہاد ابھی خیال خوانی کے قابل نہیں ہے۔"

"تمھیں یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟"

"کوئی میرے دماغ میں آتا ہے۔"

وہ شیبا کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی "تم نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کیا مجھے تجسس میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں خود تجسس میں ہوں۔ میں نے خود کو حتی الامکان چھپائے رکھنے کی کوشش کی۔ اپنی آواز، اپنا لب و لہجہ کسی کو سناتا نہیں تھا۔ کوئی میرے دماغ میں پہنچ نہیں سکتا تھا مگر پہنچ گیا۔ کیا تم بتا سکتی ہو، وہ کیسے پہنچ گیا؟"

"میں پہنچنے کا راستہ جانتی تو اس سے پہلے تمھارے دماغ پر قبضہ جما چکی ہوتی۔"

"دیکھا جائے تو تم نے خیال خوانی کے ذریعے مجھے بلایا ہے۔"

"کیا تم یقین سے ایسا سمجھ رہے ہو؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا مجھے کیا سمجھنا چاہیے، وہ جو میرے دماغ میں آکر بولتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ شیبا نہیں ہے، فرہاد نہیں ہے، جس شخص کے اندر پہنچتا ہے، اسی کی شخصیت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی کے لب و لہجے میں بولتا ہے اور میں حیرانی سے اپنے دماغ کے اندر سن رہا تھا۔ وہ بالکل میرے ہی انداز میں بول رہا تھا۔ خود کو کمانڈو وائی کہہ رہا تھا۔ مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے اندر شیبا اور فرہاد پہنچ کر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ مجھے ابھی شیبا کے بیڈ روم میں جانا چاہیے، وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اور میں یہی دیکھنے آیا ہوں کہ مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہو۔"

"نقصان پہنچانا ہوتا تو جہاں ہوتے، وہیں کے وہیں رہ جاتے۔ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے قابل بھی نہ رہتے۔ میں پہلی بار تمھاری آواز اور لب و لہجے کو سن رہی ہوں اور میرے ذریعے فرہاد بھی سنیں گے۔ اب یہ تمھارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ سات پردوں میں رہنے کے باوجود کوئی تمھارے پاس پہنچ گیا اور جب تمھارے پاس پہنچ گیا ہے تو کمانڈو زیڈ کے پاس بھی پہنچ چکا ہوگا یا پہنچنے والا ہوگا۔"

"تم درست کہتی ہو، میں بہت فکر مند ہوں۔ میں نے اب تک کمانڈو زیڈ سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔ سوچتا ہوں، کسی ذریعے سے بھی بات کروں گا تو وہ دماغ میں آنے والا اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، وہ کمانڈو زیڈ تک بھی پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔"

"تم نے کمانڈو زیڈ کو محتاط رہنے کا سگنل تو دیا ہوگا؟"

"اسے میں نے اپنی آواز نہیں سنائی، نہ اسے کچھ کہنے دیا۔ سگنل کے ذریعے کوڈ ورڈز استعمال کیے۔ اسے محتاط اور ہوشیار رہنے کے لیے کہہ دیا لیکن ایک بات جو میں کہنے آیا ہوں، وہ شاید تمھارے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔"

"ہم آئے دن نت نئی پریشانیوں سے گزرتے رہتے ہیں، تم بلا جھجک کہتے جاؤ۔"

"جب وہ نادیدہ قوت میرے اندر آکر میری شخصیت اختیار کر کے میرے لب و لہجے میں بولنے لگی تو پہلے مجھے فرہاد پر شبہ ہوا لیکن اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جس سے مجھے یقین ہو چلا ہے کہ وہ فرہاد نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ میں تم سے محبت کروں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"میں جانتا تھا، تم ناراضگی ظاہر کرو گی۔ شیبا! میں خوبرو ہوں، ایک باوقار شخصیت کا حامل ہوں۔ کمانڈو ایسے ہی نہیں بن جاتے۔ انھیں ہر لحاظ سے ایک مکمل، خوبصورت اور باصلاحیت ہونے کا ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے اور میں نے بارہا خطرناک مہمات کے دوران یہ ثابت کر دیا ہے۔ سیکڑوں لڑکیاں مجھ پر جان دیتی ہیں۔ تم ناراض ہو کر یہ تاثر نہ دو کہ میں تمھارے قابل نہیں ہوں۔ یہ میری توہین ہوگی۔"

"کمانڈو وائی! اپنی توہین کے لیے نہیں، اپنی سلامتی کے لیے سوچو۔ تم سے پہلے کمانڈو ایکس یہاں عشق کرنے آیا تھا۔ اس کا انجام تمھارے سامنے ہے۔"

"وہ دل سے مجبور ہو کر آیا تھا۔ میں دماغ سے مجبور ہو کر آیا ہوں۔ کوئی میرے دماغ میں بار بار کہتا ہے، مجھے تم سے محبت کرنا چاہیے۔ اگر میں نے جبراً تمھارا ہاتھ پکڑ لیا تو فرہاد بھی اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمھیں نجات نہیں دلا سکے گا۔"

وہ شیبا کو گہری نظروں سے دیکھتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا، پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ "خبردار، مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہو گئے ہو؟"

وہ بالکل قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے آہستگی سے ایک ہاتھ اٹھایا، پھر اس کے شانے پر رکھ دیا۔ شیبا نے اسے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے کلائی پکڑ لی۔ وہ اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ کمانڈو وائی نے کہا "میں زبردست ہوں، تم زیر دست ہو۔ مجھ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ خیال خوانی کے ذریعے نقصان پہنچاؤ، میں خوفزدہ ہو کر چلا جاؤں گا۔"

شیبا نے کلائی چھڑانے کی کوشش نہیں کی، چپ ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ وہ کہنے لگا "میرے اندر جو کمانڈو وائی بولتا ہے، وہ اس یقین سے بولتا ہے، تم میرے خلاف ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال نہیں کر سکو گی۔ وہ کہتا ہے، تم دل ہی دل میں مجھے چاہتی ہو، مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔ مجھے یقین کرنا ہوگا کہ واقعی تم مجھے چاہتی ہو مگر اظہار نہیں کرتی ہو۔"

اس نے خود ہی کلائی چھوڑ دی۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ "جب تم مجھے نقصان نہیں پہنچا رہی ہو تو میں بھی ظالم نہیں ہوں۔ میں محبت سے پیش آؤں گا۔ جبراً تمھاری کلائی نہیں پکڑوں گا۔ میں انتظار کروں گا۔ میرے اندر کے کمانڈو وائی نے کہا ہے، مجھے انتظار کرنا چاہیے۔ تم بہت جلد اپنی محبت کا اظہار کرنے والی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا۔ وہاں سے چلتا ہوا دروازے کے پاس گیا۔ اُسے کھول کر جانے سے پہلے شیبا کو دیکھا۔ محبت سے مسکرایا پھر باہر چلا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب میں اور سونیا پاتال دنیا سے نکل کر ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے۔ میں ایک گاڑی میں فلسقی ہیوگو، تھرما کوائل اور براڈ نوز وغیرہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور سونیا ریڈ پاور کے پاس کی طرف سے آنے والے ہیلی کاپٹر کا انتظار کر رہی تھی۔ شیبا ہمارے معاملات میں بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ اپنے حالات بیان کرنے کا اوّل تو موقع نہیں مل رہا تھا، دوسرے میں اس کی بات سننا گوارا نہیں کرتا تھا کیونکہ میں آرمر ووڈ اور اس کے بھائیوں کے زیرِ اثر تھا۔

اس نادیدہ قوت نے کمانڈو وائی کو خوب سمجھایا تھا کہ شیبا اسے دل ہی دل میں چاہتی ہے۔ اسے دماغی نقصان نہیں پہنچائے گی اور فرہاد خیال خوانی کے قابل نہیں ہے، اس سے دشمنی نہیں کر سکے گا۔ کمانڈو وائی شیبا کے پاس پہنچ کر ان تمام باتوں کی تصدیق کر چکا تھا۔

اس نے ٹیلیفون کے ذریعے شیبا سے رابطہ قائم کیا۔ پھر کہا۔ "تم مجھے آواز سے پہچان رہی ہو۔ اگر نہ پہچان سکو تو میرے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر دماغ میں چلی آؤ۔ ہم چپ چاپ گفتگو کریں گے۔"

"کمانڈو وائی! میں نے پہچان لیا ہے۔ میں خیال خوانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ جو کہنا ہے فون پر کہہ دو۔"

"کہہ دوں گا، پہلے محبت کا اظہار کرو۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟"

"محبت پہلے بکواس لگتی ہے اور جب ہو جائے تو اس کے سامنے ساری دنیا بکواس لگتی ہے۔ میں نے سوچا، تمھارے سامنے آؤں گا تو شاید شرم سے محبت کا اظہار نہیں کرو گی۔ فون پر سامنا نہیں ہوگا۔ دل کی بات بھی ہو جائے گی تو پھر کیا خیال ہے؟"

"اگر کام کی بات نہیں کرو گے تو میں ریسیور رکھ دوں گی۔"

"ایسی غلطی نہ کرنا۔ پھر میں تمھاری خواب گاہ میں آجاؤں گا۔ میرے اندر بولنے والے کمانڈو وائی نے پورا یقین دلایا ہے، تم ساری دنیا کو نقصان پہنچا سکتی ہو مگر مجھے نہیں پہنچاؤ گی۔ یہ میرے اندر کا کمانڈو وائی کسی حد تک سچ بولتا ہے۔ میں اور

ایک بار تمھاری خواب گاہ میں آکر تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم یہاں نہیں آسکتے۔ دروازہ اندر سے بند ہوگا۔ میں اعلیٰ حکام سے شکایت کروں گی کہ تم مجھے پریشان کر رہے ہو اور اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔"

"تم اعلیٰ حکام سے شکایت کرنا چاہتی ہو اور ہمارے یہ حکام جو فیصلے کرتے ہیں، وہ سمجھ میں نہیں آتے۔ انھوں نے کل جو فیصلہ کیا تھا اسے آج بدل دیا۔ تمھیں سن کر حیرانی ہوگی۔ محترم ربی اسفندیار کو ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ انھیں دوبارہ اسرائیل کی سرزمین پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی لیکن آج یہ حکم واپس لے لیا گیا ہے۔ وہ یہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔"

شیبا نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا۔ دوسری طرف کمانڈو وائی نے ہیلو، ہیلو کہہ کر اسے مخاطب کیا لیکن جواب نہیں ملا۔ اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ اس کے اندر دوسرا کمانڈو وائی کہہ رہا تھا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ وہ ربی اسفندیار کا نام سن کر گھبرا جائے گی اور میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ وہ تمھیں دماغی جھٹکے نہیں پہنچائے گی۔ جاؤ اس کی خواب گاہ میں جاؤ۔"

وہ تصوّر میں شیبا کا حسن اور اس کا سراپا دیکھنے لگا۔ شاید اس کے اندر بیٹھا ہوا دوسرا کمانڈو وائی اس کے تصوّر میں اس کی جھلکیاں دکھا رہا تھا، اسے للچا رہا تھا۔ عورت خواب میں آکر بلائے تو آدمی نیند کی حالت میں وہاں تک جانا چاہتا ہے جبکہ کمانڈو وائی کی جاگتی ہوئی آنکھوں کے سامنے شیبا کا تصوّر بلا رہا تھا۔ وہ کشاں کشاں اس کی خواب گاہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔

شیبا نے اس سے کہہ دیا تھا۔ وہ آئے گا تو خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند ہوگا اور وہ اعلیٰ حکام سے اس کی شکایت کرے گی۔ اس نے دیکھا۔ دو لیڈی باڈی گارڈز وہاں کھڑی ہوئی تھیں۔ کمانڈو وائی کو دیکھتے ہی اٹینشن ہو گئیں۔ اس نے پوچھا "کیا شیبا نے تمھیں حکم دیا ہے کہ مجھے اندر نہ جانے دیا جائے؟"

ان میں سے ایک نے کہا۔ "نو سر! ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا، وہ اندر سے بند ہوگا لیکن ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ بڑی سی شاہانہ طرز کی خواب گاہ میں ایک شاہانہ طرز کا پلنگ تھا جس پر شیبا اپنے حسن و شباب کی جلوہ سامانیوں کے ساتھ قلوپطرہ کے انداز میں لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی کروٹ بدل کر بولی۔ "میں نے تم سے کہا تھا، یہاں نہ آنا، پچھتاؤ گے مگر تم کمانڈو ایکس کا انجام بھول چکے ہو۔"

کمانڈو وائی نے مسکرا کر اُسے دیکھا، پھر کہا۔ "عشق ایسی بلا

ہے جو ساری دنیا بھلا دیتا ہے اور تم مجھے ایک شخص کے انجام بھول جانے کا طعنہ دے رہی ہو۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ شیبا نے کہا "تم اپنے کا راستہ خود بند کر رہے ہو۔ اچھی طرح سوچ لو۔ باہر سے کوئی نہیں پہنچے گی۔"

اس نے پلٹ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرے ر کا کمانڈو وائی کہہ رہا ہے۔ تم مجھے دماغی جھٹکے نہیں پہنچا سکو ۔ اپنے دل سے مجبور ہو۔"

وہ قریب آگیا۔ شیبا نے اپنا ایک ہاتھ اس کی طرف ھاتے ہوئے کہا۔ "صبح تم نے کلائی پکڑی تھی، میں چھڑا نہ سکی۔ ۔ اس کلائی کو چھو بھی نہیں سکو گے۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے شیبا کو دیکھا۔ ذرا تشویش ں مبتلا ہوا۔ پھر اپنے اندر دوسرے کمانڈو وائی کی آواز سنائی دی۔ کہہ رہا تھا۔ "مرد ہو کر عورت سے ڈرتے ہو جبکہ میں کہہ چکا ہوں۔ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ صاف طور پر سننا چاہتے تو سن لو۔ یہ جو شیبا تمھارے سامنے لیٹی ہوئی ہے۔ یہ ڈمی ہے۔ لی نہیں ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر سوچ کے ذریعے پوچھا۔ "میں کیسے ین کر لوں؟"

اسے جواب ملا۔ "کیا تم نے اسے آزمایا نہیں تھا۔ تم نے ں کی کلائی پکڑی تھی اور یہ کچھ نہ کر سکی۔ نہ اپنا ہاتھ چھڑا سکی، نہ یں نقصان پہنچا سکی۔ حالانکہ اس سے پہلے اس نے کمانڈو ایکس بہت نقصان پہنچایا تھا۔ تم اس پہلو پر غور کرو کہ شیبا کی ٹیلی ھی نے نہیں، آمنہ کی جنگجو صلاحیتوں نے نقصان پہنچایا تھا۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کمانڈو ایکس کے دماغ کو جھٹکے لگے تھے۔"

"ہاں، وہ دماغی جھٹکے شیبا نے نہیں، فرہاد نے پہنچائے ے۔ میں تم سے بار بار کہہ رہا ہوں۔ فرہاد خیال خوانی کے ذریعے یہاں یں آئے گا۔ تم آزما کر دیکھ لو۔"

شیبا پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اسی طرح پنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے۔ تم سوچ میں پڑ ئے ہو۔ شاید میری کلائی کو کسی نئے انداز سے پکڑنا چاہتے ہو جبکہ ز اتھوڑ کی بات ہے۔ میں کہہ چکی ہوں، صرف چھو کر دکھا دو۔"

اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ گھور کر اُسے دیکھا۔ اپنا ایک ھ بڑھایا لیکن اس سے اور آگے بڑھ کر کلائی تھامنے کی حسرت ہ گئی۔ وہ اسے چھو بھی نہ سکا۔ یکبارگی حلق سے چیخ نکلی۔ وہ پیچھے ی طرف لڑکھڑاتا ہوا گیا۔ پھر فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس نے

دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کھوپڑی کے اندر زلزلہ آگیا ہو۔ اس کا سارا وجود لرز رہا تھا۔

باہر سے دروازہ پیٹنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیڈی باڈی گارڈز پوچھ رہی تھیں۔ "کیا بات ہے مسٹر کمانڈو وائی، دروازہ کھولیے۔"

شیبا نے کہا۔ "اس نے خود اپنے ہاتھوں سے دروازہ بند کیا ہے۔ اگر یہ کھول کر باہر جانا چاہے تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔"

وہ اب تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے ذرا سر کو اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر وہاں سے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے اندر پھر ایک آواز ابھری۔ "میں تمھارا ہمزاد کمانڈو وائی بول رہا ہوں۔ میدان نہ چھوڑو۔"

وہ جھنجلا کر بولا۔ "تم بکواس کرتے ہو۔ ابھی تم نے کہا تھا، یہ مجھے دماغی جھٹکے نہیں پہنچائے گی۔ اب کیسے پہنچا رہی ہے؟ تم جھوٹے ہو، مکار ہو۔ پتا نہیں کون سی بلا ہو۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ کیوں مجھے بہکا کر یہاں تک لے آئے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں تمھارا بہترین دوست ہوں۔ ابھی انتقام لیتا ہوں۔ تم شیبا کو دیکھو، وہ یکبارگی چیخ مارے گی۔ پلنگ سے نیچے گرے گی اور تمھارے پاس آئے گی۔"

وہ خود کو نادیدہ قوت کہنے والا آرمر ووڈ کا بھائی نثار ووڈ ہوگا یا ہارپر ووڈ۔ وہ جو کوئی بھی تھا۔ ایک بات بھول گیا تھا کہ جس طرح وہ چپ چاپ کسی کے دماغ میں پہنچ کر میری اور شیبا کی باتیں سن لیتا ہے۔ اسی طرح شیبا بھی کمانڈو وائی کے دماغ میں پہنچ کر اس کی باتیں سن رہی ہوگی۔

واقعی وہ سن رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے پلتھی مار کر آرام سے بیٹھتے ہوئے سانس روک لی۔ کمانڈو وائی سر اٹھا کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ ابھی چیخ مار کر گرے گی۔ پلنگ سے نیچے آئے گی اور اس کے پاس پہنچ جائے گی۔ پھر اُس سے معافیاں مانگے گی مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ غصّے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔ "ابے او میرے اندر بولنے والے، کہاں ہو تم، شیبا کہاں چیخ رہی ہے، کہاں گر رہی ہے، کہاں میرے قریب آرہی ہے۔ تم جھوٹے ہو، فراڈ ہو۔"

شیبا سانس روکے بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر اس نے سانس لی۔ فوراً ہی کمانڈو وائی کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "میں تمھارے اندر کا دوسرا کمانڈو وائی بول رہا ہوں۔ میں جس شخص کے اندر رہتا ہوں اسی کی شخصیت اختیار کر لیتا ہوں، تم مجھے جھوٹا اور فراڈ

کہہ رہے ہو۔ اب میں تمھیں سزا دوں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے پھر ایک زبردست دماغی جھٹکا پہنچایا۔ وہ یکبارگی چیخ مار کر اچھلا پھر فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ شیبا نے فوراً ہی سانس روک لی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کمانڈو وائی بن کر آنے والا اس کے دماغ میں دوبارہ پہنچنے کی کوشش کرے گا اور ناکام ہوگا۔ اُدھر کمانڈو وائی فرش پر لڑھکتا ہوا تکلیف سے کراہتا ہوا، بڑی مشکلوں سے دروازے تک پہنچا۔ پھر دروازے کا سہارا لے کر کھڑا ہوا۔ اپنے ہاتھوں سے چٹخنی گرائی۔ دروازے کو کھولا۔ لیڈی باڈی گارڈز نے اُسے سہارا دیتے ہوئے پوچھا "کیا ہوگیا؟"

شیبا نے کہا "عشق ہوگیا ہے۔ اسے اپنی مرضی سے آنے دو۔ اپنی مرضی سے جانے دو۔"

یہ کہتے ہی اس نے پھر سانس روک لی۔ وہ اس پُراسرار شخص کو دماغ میں آنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ کمانڈو وائی پر یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ اس کے اندر آنے والا شخص شیبا کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

وہ دیکھ رہی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے سے کمانڈو وائی لڑکھڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس نے آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے کہا "میرے دماغ میں آنے اور مجھے دماغی جھٹکے پہنچانے سے پہلے میری ایک بات سن لو۔ تم تینوں بھائیوں کی لاڈلی بہن جوجو کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لہٰذا بزدلوں کی طرح چھپ کر دماغی جھٹکے پہنچانے کی حماقت نہ کرنا۔"

شیبا سانس لیتی رہی اور بار بار سوچ کے ذریعے یہ کہتی رہی۔ پھر اُسے یقین آگیا کہ اس کے دماغ میں چپ چاپ آنے والا اس کی دھمکی کو سن چکا ہے۔ اسے دماغی جھٹکا نہیں پہنچائے گا۔

وہ پلنگ سے اتر کر دروازے کے پاس آئی۔ اسے اندر سے بند کیا۔ پھر واپس آکر بستر پر آرام سے لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کرکے محسوس کرنے کی کوشش کی۔ کیا شارپ دو ڈیا ہارپر دو ڈ اس کے اندر موجود ہیں؟

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر اس نے آرمر ووڈ کو مخاطب کیا۔ اس نے پوچھا "کون فرہاد؟"

"میں شیبا بول رہی ہوں۔ تمھارے بھائی جتنی تیزی دکھا رہے ہیں، اتنی ہی تیزی سے منہ کے بل گریں گے۔ پھر کبھی اُٹھ نہیں سکیں گے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"ہم سے چھیڑ چھاڑ کرنے والا کبھی سکون سے زندگی نہیں گزار سکا بلکہ اس کی زندگی مختصر ہوتی چلی گئی۔ تمھارے دونوں بھائی اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کی میعاد کم کرتے جا رہے ہیں۔"

"کیا میرے بھائیوں نے خیال خوانی شروع کر دی؟"

"تم ابتدا کرنے کی بات کر رہے ہو۔ وہ انتہا کر رہے ہیں۔ پہلی غلطی تم نے ہی کی۔ اس پاتال دنیا میں سب سے پہلے سونیا کو اپنا قیدی بنایا۔ اس کے بعد فرہاد کو وہاں بلایا۔ تم نے جو سُنا تھا، اُسے آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ لیا کہ تمھارے طلسم سے، تمھارے تنو[یمی] عمل سے اور تمھارے ٹرانسفارمر سسٹم والی مشینوں سے گزرنے کے باوجود سونیا اور فرہاد تمھارے اثر سے نکل گئے۔ اس کے بعد بھی تم لوگوں کو عقل نہیں آئی۔ تمھارے بھائیوں نے پومی کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اس کے راستے کی رکاوٹیں بنتے جا رہے ہیں۔ پھر [وہ] تل ابیب میں آکر مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں اصل شیبا نہیں ہوں اور یہ بے چارے زندگی بھر ثابت نہیں کر سکیں گے۔"

"جب تمھیں یقین ہے تو شکایت کس بات کی کر رہی ہو؟"

"شکایت نہیں، وارننگ دے رہی ہوں۔ پتا نہیں، وارننگ تمھارے بھائی سُن رہے ہیں یا نہیں؟ تمھیں سن لینا چاہیے۔ اگر ہماری ایک بھی ساتھی کو تمھاری ٹیلی پیتھی سے نقصان پہنچا تو جوجو زندہ نہیں رہے گی۔ تم ٹیلی پیتھی جاننے کے باوجود ہمارے مقابلے میں کمزور ہو۔ ہم سے زیچ نہیں پاؤ گے۔ تمھارے بھائی پُراسرار بننے کی انتہائی کوششیں کر رہے ہیں۔ ان کی یہ خوش فہمی خاک میں مل جائے گی۔ ہم بہت جلد ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اگر وہ سن رہے ہیں تو اچھی بات ہے ورنہ تم انھیں سنا دو۔"

"کیا ایک منٹ کے لیے میرے دماغ سے جاؤ گی؟"

"میں جا رہی ہوں۔ بس اتنا ہی کہنا چاہتی ہوں، اپنے بھائیوں کو سمجھا دو۔"

وہ اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہوگئی۔ ذرا دیر بعد ہی اسے آرمر ووڈ کی آواز سنائی دی "ہیلو شیبا! کیا تم سمجھ گئی ہو کہ میں نے تمھیں دماغ سے جانے کے لیے کیوں کہا تھا؟"

"کیوں کہا تھا؟"

"یہ بتانے کے لیے کہ تم ابھی کہاں ہو۔"

وہ ذرا پریشان ہوئی پھر اس نے پوچھا "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ تم فی الحال دماغی طور پر تل ابیب میں موجود ہو لیکن جسمانی طور پر بابا صاحب کے ادارے میں ہو۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں وہیں ہوں جہاں تم مجھے پا رہے ہو۔"

"تم لوگوں نے زبردست چکر ڈال رکھا ہے۔ تمھارا جسم بابا صاحب کے ادارے میں ہے۔ دماغ تل ابیب میں ہے بلکہ [تمھارا] نام تل ابیب میں ہو رہا ہے اور تمھارا کام دنیا کے ہر اس حصے میں چل رہا ہے جہاں تمھارے ساتھی موجود ہیں۔"

شیبا کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس نے کہا "پہلے میری بات سن لو۔ میں جانتا ہوں۔ تم انکار کرو گی۔ میں یہ بات دنیا والوں پر اور خصوصاً اسرائیلی حکام پر ثابت نہیں کر سکوں گا۔ اب جبکہ فرہاد میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے تو میں اسے ثابت کر کے دکھاؤں گا۔"

"میں معلوم کرنا چاہتی ہوں، تم ثابت کیسے کرو گے؟"

"تم لوگ یہ بھول رہے ہو کہ فرہاد کو کئی بار تنویمی عمل کے مرحلوں سے گزارا گیا ہے۔ جب وہ پوری طرح معمول بن گیا تھا تو اس کے دماغ سے اہم راز معلوم کیے گئے تھے۔ میں صرف چند خاص رازوں کا ذکر کر رہا ہوں۔"

وہ چپ چاپ سُن رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا "فرہاد سُپر ماسٹر کے دماغ تک پہنچ چکا ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کے اہم منصوبوں کو معلوم کرتا رہتا ہے۔ یہ بات میں کسی وقت بھی سُپر ماسٹر کو بتا سکتا ہوں لیکن ابھی نہیں بتاؤں گا کیونکہ میرا بھی اس میں مفاد ہے۔ فرہاد کی طرح میں بھی تو اس کے دماغ سے بہت کچھ معلوم کر رہا ہوں۔"

اس نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا "دوسرا اہم راز یہ ہے کہ اصل شیبا ابھی تک بابا صاحب کے ادارے میں ہے۔ کمانڈو اکیس نے جسے اغوا کیا تھا، وہ ڈمی شیبا تھی۔ وہ ڈمی تل ابیب میں موجود ہے۔ تم اور فرہاد وقتاً فوقتاً اس کے دماغ میں موجود رہتے ہو اور اس کے ذریعے خیال خوانی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ وہاں کے حکام اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ انھوں نے اصل شیبا کو حاصل کر لیا ہے۔"

"میں تل ابیب میں ہوں۔ اگر ڈمی ہوتی تو اب تک کسی نہ کسی کی نظروں میں آجاتی۔"

"ایسا کئی بار ہوا کہ تمھیں خیال خوانی کرنا تھی مگر نہ کر سکیں کیونکہ تمھارے اندر وہ شیبا نہیں تھی جس سے ابھی گفتگو کر رہا ہوں۔ میں دوسرے لفظوں میں بیک وقت دو عدد شیبا سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ایک اس سے جس کے دماغ میں ہوں چونکہ وہ دماغی طور پر ڈمی شیبا کی کھوپڑی میں پہنچی ہوئی ہے اس لیے میں اس ڈمی کے پاس بھی موجود ہوں۔"

وہ فاتحانہ انداز میں ذرا چپ رہا پھر بولا "جب تک ڈمی کے دماغ میں تمھاری سوچ کی لہریں نہیں ہوتیں۔ اس وقت تک وہ ایک عام سی عورت ہوتی ہے۔ خیال خوانی نہیں کر سکتی۔ اگر خیال خوانی کا موقع آتا ہے تو بہانے کرتی ہے۔ ہم نے تمھارے متعلق بھی بہت کچھ معلوم کیا ہے۔ جب تم ڈمی کے دماغ میں آتی ہو تو چپ چاپ محسوس کرنے کی کوشش کرتی ہو کہ کوئی وہاں موجود ہے یا نہیں؟ لیکن تمھارے دماغ میں کوئی آتا ہے تو محسوس کر لیتی ہو۔ تم نے بڑی حد تک سانس روک لینے کی مشقیں بھی کی ہیں اور یہ مشقیں ابھی تک جاری ہیں۔"

"تم نے فرہاد کے دماغ میں رہ کر اسے معمول بنا کر بہت کچھ معلوم کر لیا لیکن بابا صاحب کے ادارے کے متعلق معلوم نہیں کر سکو گے کیونکہ فرہاد وہاں کے متعلق بہت کم جانتا ہے حتیٰ کہ سونیا بھی وہاں بہت عرصہ گزارنے کے باوجود اہم رازوں سے واقف نہیں ہے۔"

"ہاں، یہ درست ہے۔ تم بھی وہاں رہنے کے باوجود بہت کچھ نہیں جانتیں۔ صرف شیخ الفارس اہم رازوں سے واقف ہیں۔ ان کی طرح اس ادارے کے کچھ اور بزرگ افراد بھی رازدار ہوں گے۔ میں اور میرے بھائی وہاں تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"تم جناب شیخ الفارس کے دماغ تک کیوں نہیں پہنچتے؟"

"بہت مشکل ہے۔ ہم کوشش کر چکے ہیں۔ وہ بظاہر تم سب کو دماغ میں آنے دیتے ہیں مگر ان کے پاس کچھ روحانی عمل ہے جو انھیں بابا فرید واسطی سے ملا ہے۔ جب بھی کوئی منفی سوچ ہوتی ہے، وہ ان کی روح پر بوجھ محسوس ہوتی ہے۔ وہ سانس روک لیتے ہیں۔ میں مانتا ہوں، بابا صاحب کا ادارہ ایک فولادی قلعہ ہے۔ جس کے اندر ٹیلی پیتھی کی آنکھیں بھی جھانک کر نہیں دیکھ سکتیں۔"

"تمھارے بتانے سے پہلے ہی ہمیں معلوم تھا، تم نے فرہاد کو معمول بنانے کے بعد بہت کچھ معلوم کیا ہوگا۔ بابا صاحب کا ادارہ ایک فولادی قلعہ ہے، اس کے باوجود مزید سخت انتظامات کیے جائیں گے۔ پہلے ہمارے دشمنوں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو ٹیلی پیتھی جانتا ہو۔ اب اسی نکتۂ نظر سے حفاظتی اقدامات کیے جائیں گے۔ تم تینوں بھائیوں میں سے کوئی اس ادارے میں نقب نہیں لگا سکے گا۔"

"شیبا! مجھے تم پر حیرت ہے۔"

"بھلا، وہ کیوں؟"

"کیا تمھارے ماں باپ یہودی نہیں ہیں؟"

"ضرور ہیں۔"

"کیا تمھیں اپنے ملک سے، اپنی قوم سے، اپنے مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں ہے؟"

"میرا کتنا گہرا لگاؤ ہے، یہ میں جانتی ہوں۔"

"اس دعوے کے باوجود تم مسلمانوں کے ہاتھوں میں کھیل

رہی ہو۔"

"میری ماں نے، میرے رشتے داروں نے، میرے ہم مذہب لوگوں، اسرائیلی اعلیٰ افسران اور اعلیٰ حکام نے یہی بات کہی ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ مجھے مسلمانوں سے نفرت دلانے کی انتہائی کوششیں کی گئیں، آئندہ بھی یہ کوششیں مزید انتہا کو پہنچیں گی۔ میں نہیں جانتی۔ ابھی بہک رہی ہوں یا بعد میں تم لوگوں کی باتوں سے بہک جاؤں گی۔ فی الحال میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میں اپنے مذہب سے، اپنی قوم سے، اپنے وطن سے الگ نہیں ہوں۔ نہ میری ذات سے کسی کو نقصان پہنچ رہا ہے اور جب ایسا نہیں ہو رہا ہے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں کھیل رہی ہوں۔ انھیں دوستی کا جواب دوستی سے اور محبت کا جواب محبت سے دے رہی ہوں۔ میں احسان فراموش کہلانا نہیں چاہتی۔"

وہ جواباً چپ رہا۔ ثیبا نے کہا۔ "ربی اسفندیار کو ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ پتا نہیں، اس نے تم تین بھائیوں سے کن شرائط پر گٹھ جوڑ کیا ہے۔ ایک شرط تو صاف سمجھ میں آ گئی۔ تم لوگوں نے اسے پھر اسرائیل پہنچا دیا ہے۔ پتا نہیں کیسی چالیں چلی گئی ہیں یہ تو بعد میں معلوم ہوگا۔ ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا فرہاد کی طرح ربی اسفندیار بھی واقعی خود کو روح سمجھ رہا تھا اور وہ بھی کسی طرح معمول بنا لیا گیا تھا؟"

"ہاں، وہ خود کو روح سمجھ رہا تھا۔ ہمارے پاس ایک ایسا تنویمی عمل کرنے والا ہے جس نے ربی جیسے عامل کو بھی ٹرانس میں لا کر اپنا معمول بنایا تھا۔ ربی سے ہماری شرائط یہی تھیں کہ پہلے ہم اسے معمول بنا کر اس کے دل اور دماغ کی ہر دھڑکتی چھپی بات کو سمجھیں گے۔ اس کے بعد بھروسا کریں گے اور ہم نے وعدہ کیا تھا کہ بہت جلد اسے اسرائیل واپس پہنچا دیں گے۔"

"اس کا مطلب ہے ربی کو لانے کے سلسلے میں تم تینوں بھائیوں نے یہاں کے اعلیٰ حکام تک رسائی حاصل کی ہے۔ ان حکام کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے فائدے پہنچانے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا یہی بات ہے؟"

"ایسی ہی کچھ بات ہے، ورنہ اتنی جلدی ربی کو ملک میں واپس آنے کی اجازت نہ دی جاتی۔"

"ربی ایک پٹا ہوا مہرہ ہے۔ اس سے تمھیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

"ہم فائدہ حاصل کیے بغیر کسی کے کام نہیں آتے۔ ہمیں پاتال دنیا میں ایک اور تنویمی عمل جاننے والے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا ہم نے ربی اسفندیار کی خدمات حاصل کیں۔ اب وہ ہمارا مہرہ بن کر اسرائیل میں رہے گا۔ ہم کبھی کبھی ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کیے بغیر اس کے ذریعے بہت کچھ کر سکیں گے۔"

"اپنے اس مہرے سے کہہ دو کہ مجھ سے دور رہے ورنہ اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"ہم حتی الامکان کوشش کریں گے کہ ایک دوسرے کے ساتھیوں کو جانی نقصان نہ پہنچائیں۔ اگر تم نے میری بہن کو یا ربی اسفندیار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو تمھارے ساتھیوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اب میں جا رہا ہوں۔ میرے پاس نہ آنا۔ مجھے آرام کرنے دو۔"

وہ چپ ہو گیا۔ شاید چلا گیا تھا یا چپ چاپ دماغ میں موجود تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے ثیبا دماغی طور پر حاضر ہوئی۔ اپنے دماغ کے اندر اسے محسوس کرنے کی کوشش کی مگر پرائی سوچ کی لہریں محسوس نہیں ہوئیں، اگر ہوتیں تو وہ بے اختیار سانس روک لیتی۔ اس نے پھر خیال خوانی کی پرواز کی اور پومی کے پاس پہنچ گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب پومی حادثے کا شکار ہو کر اسپتال پہنچ گئی تھی۔ میں نے سونیا کو اس کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد خیال خوانی کے ذریعے ثیبا کی خبر لے رہا تھا۔

جب اس نے پومی کو اسپتال میں دیکھا تو فوراً میرے پاس پہنچی۔ کہنے لگی۔ "میں بڑی دیر سے تمھیں دماغ میں محسوس کر رہی ہوں۔ شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں کن حالات سے گزر رہی ہوں۔"

"مجھے تمھارے حالات بھی معلوم ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تم پومی کے پاس سے آرہی ہو۔"

"فرہاد! ہم دونوں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرتی ہیں۔ بابا صاحب کے ادارے میں اعلیٰ بی بی یوگا کی مشقوں سے گزر رہی ہے کہ یہ سونیا اور پومی کے لیے بھی لازمی ہو گیا ہے ورنہ ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن ان دونوں کو ہماری کمزوریاں بنا رکھیں گے۔"

"تم درست کہتی ہو۔ سونیا وہاں پہنچنے ہی والی ہے چلو بھی چلتے رہیں۔ ہمیں اس معاملے میں انھیں قائل کرنا چاہیے۔"

میری بات ختم ہوتے ہی ماں جی کمرے میں آئیں، انھوں نے کہا۔ "بیٹے! وہ اچانک بیمار پڑ گئے ہیں۔"

میں نے تعجب سے پوچھا۔ "کون؟"

"سوامی جی کی بات کر رہی ہوں۔ کسی نے دماغی طور پر پریشان کیا ہے۔ وہ ذہنی مریض بن کر رہ گئے ہیں۔"

"کیا آپ نے فون کے ذریعے رابطہ قائم کیا تھا؟"

"انھوں نے مجھے فون کیا تھا۔ وہ میرے ساتھ جو سلوک کر چکے ہیں، اس پر پچھتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں، میں آنند کے سامنے آجاؤں۔ وہ اس کے باپ ہونے کا اعلان کریں گے۔"

"اگر سوامی جی اپنی بات کے دھنی ہیں۔ تو پہلے آنند

لے جانا ضروری نہیں ہے۔ وہ پہلے اعلان کریں، اس کے بعد آنند ان کے پاس آئے گا۔"

"یہ بات ان سے کہہ چکی ہوں لیکن وہ کہتے ہیں مجھے ایک بیوی کی حیثیت سے ان پر بھروسا کرنا چاہیے۔ وہ دھوکا نہیں دیں گے۔ ان کی حالت بہت نازک ہے۔ ایسے وقت ان کے پاس رہ کر خدمت کرنا میرا فرض ہے۔"

"بیشک آپ کا فرض ہے آپ ضرور جائیں۔ ہم یہاں سے آپ کی حفاظت کرتے رہیں گے لیکن ابھی آنند کا جانا مناسب نہیں ہے۔"

"کیا حرج ہے بیٹے! وہ باپ ہونے کا اعلان کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"آپ ان کی چالاکیوں کو سمجھتے ہوئے بھی سمجھنا نہیں چاہتیں۔ اگر وہ پہلے اعلان کریں گے تو دنیا والوں کے سامنے اور خصوصاً اپنے ہزاروں عقیدت مندوں کے سامنے مجبور ہو جائیں گے۔ پھر بیٹے کے خلاف کوئی سازش نہیں کر سکیں گے۔ آنند کو کچھ ہوگا تو انھیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اگر آپ آنند کو لے جائیں گی اور بعد میں اعلان کرائیں گی تو یقین کریں وہ اعلان سے پہلے ہی سازش کریں گے۔ آنند آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا، خدانخواستہ اسے جانی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئیں۔ میں نے فوراً ہی خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ ان کے دماغ میں ایک سوچ کی لہر کہہ رہی تھی: "نیلما داسی! میں تمہارے اندر ایک اور نیلما داسی بول رہی ہوں۔ میں جس کے اندر جاتی ہوں اسی کا نام، اسی کی شخصیت اختیار کر لیتی ہوں۔ میں یقین دلاتی ہوں آنند کو ہلکی سی خراش بھی نہیں آئے گی۔ وہ ہیرا سوامی کی تمام دولت کا مالک ہوگا۔ اسے ہیرا سوامی کا نام باپ کی حیثیت سے ملے گا۔ اس وقت شام کے چھ بج چکے ہیں۔ دو گھنٹے کے اندر ہیرا سوامی مختلف ذرائع سے آنند کو بیٹا تسلیم کرے گا۔ اس کا یہ اعلان تم سب کے کانوں تک پہنچے گا۔ اس کے بعد کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ فرہاد تمھیں ڈرا رہا ہے۔ تم میاں بیوی اور بیٹے کو ایک جگہ نہیں دیکھ سکتا۔ آخر مسلمان ہے۔ ماں کہنے سے آدمی کا مذہب اور اس کی نیت نہیں بدل جاتی۔"

ماں جی یہ باتیں سن رہی تھیں اور چور نظروں سے مجھے دیکھتی جا رہی تھیں۔ میں نے کہا: "میں آپ کے اندر ہونے والی کشمکش کو سمجھ رہا ہوں۔ اس نادیدہ قوت کی باتیں بھی سن رہا ہوں۔ آپ اپنے طور پر فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہیں لیکن پہلے اعلان ہو جائے پھر آپ آنند کو لے کر ضرور چلی جائیں۔"

"میں تمھاری بات رکھوں گی۔ پہلے اعلان سنوں گی۔ اس کے بعد جاؤں گی۔"

وہ کمرے سے چلی گئیں۔ میں اور شیبا، پومی کے پاس پہنچ گئے۔ سونیا وہاں آ چکی تھی۔ ہم چاروں نے موجودہ حالات پر گفتگو کی۔ ہم سمجھ رہے تھے وہ تینوں بھائی ہمارے درمیان موجود ہوں گے مگر ہم کیا کر سکتے تھے۔ وہ جب چاہتے تھے ہمارے درمیان پہنچ جاتے تھے۔ ہم ان دو بھائیوں کو تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ ریڈ پاور کے باس نے اپنے آدمیوں کو اس بنگلے میں بھیجا تھا جہاں پومی، جوجو کے ساتھ گئی تھی۔ وہاں اچھی طرح تلاشی لی گئی تھی لیکن ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جو ہمیں نثار پروڈ یا ہاربیروڈ تک پہنچا سکتی۔ ریڈ پاور کا باس اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ مختلف ذرائع سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آزمرووڈ جو فروٹ جوس فیکٹری کا مالک ہے اس کے اور کون کون سے کاروبار ہیں۔ اس کے خاندان کے تمام افراد کے نام اور پتے ٹھکانے کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں۔ بہرحال ابھی اس معاملے میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

سونیا نے کہا: "میرے اور پومی کے ساتھ بیٹھ کر کوئی بھی منصوبہ بنانا دانشمندی نہیں ہے۔ ہمارے مہربان ہمارے درمیان موجود ہیں، لہٰذا تمھیں اور شیبا کو جو کرنا ہے چپ چاپ کر گزرو۔"

شیبا نے مجھے سوچ کے ذریعے کہا: "یہ اچھا ہی ہوا کہ ہم نے اپنا منصوبہ پیش نہیں کیا۔ ہم چپ چاپ انھیں بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دیں گے۔ دشمنوں سے چھپانے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ رکاوٹیں پیدا نہ کریں۔"

یہ کہتے کہتے اس نے سانس روک لی۔ میرے دماغ سے چلی گئی۔ میں نے اچانک پرائی سوچ کی لہر محسوس کی۔ شیبا کہہ رہی تھی: "پتا نہیں، میری سانس رک گئی تھی۔"

میں نے ہزاروں میل دور بیٹھی ہوئی شیبا کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ مجھے محسوس کر کے بولی: "کیا تم ہو؟"

"ہاں، میں ہوں۔"

"میں نے پرائی سوچ کی لہر محسوس کی اور تمھارے دماغ سے نکل آئی۔ کیا تم بھی محسوس کر رہے ہو؟"

میں نے مسکرا کر کہا: "مسٹر نثار پیر یا مسٹر ہاربیر! تم شیبا بن کر ابھی میرے دماغ میں پہنچے ہو۔ تم لوگوں سے ایسی نادانی کی توقع نہیں تھی۔ میں اور شیبا ایک دوسرے کے دماغ میں ہیں، تم لوگوں سے دھوکا نہیں کھا سکتے۔ اب بتاؤ شرافت سے جا رہے ہو یا سانس روک لوں؟"

پرائی سوچ کی لہر نکل گئی۔ عجیب تماشا تھا۔ ہماری مشکلات بڑھ رہی تھیں۔ مجھے اور شیبا کو ہر لمحہ محتاط رہنا تھا۔ وہ اپنے دماغ میں میرا لب و لہجہ سن کر یہی سمجھتی کہ میں بول رہا ہوں۔ اسی طرح میں اس کا لب و لہجہ سن کر دھوکا کھا سکتا تھا۔ یوں ہماری خوش فہمی یا غلط فہمی سے دشمن فائدہ اٹھانے والے تھے۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر مخاطب کیا: "تم میری آواز سن رہی ہو؟"

"سن رہی ہوں۔"

"کیا تمھیں یقین ہے کہ میں فرہاد بول رہا ہوں؟"

وہ ایک دم سے چونک گئی پھر بولی: "میں دھوکا بھی کھا سکتی ہوں۔"

"دشمن کے فریب سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے جب بھی میری آواز یا لب و لہجہ سنو تو جواباً خیال خوانی کے ذریعے میرے پاس پہنچ کر معلوم کر لو کہ میں نے ہی مخاطب کیا ہے یا نہیں؟"

"یہ اچھی تدبیر ہے۔"

"اسی طرح میں بھی تمھارا لب و لہجہ سن کر تمھارے پاس آیا کروں گا اور تصدیق کر لیا کروں گا۔"

میں سونیا کے پاس آ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کوئی فرہاد بن کر اس سے کچھ کہہ رہا ہے یا نہیں۔ پھر میں نے اسے مخاطب کیا اور کہا: "وہ تمھارے یا پومی کے دماغ میں ہمیشہ موجود رہیں گے تاکہ ہمارے منصوبوں کے متعلق انھیں کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہے۔ اگر وہ ابھی موجود ہیں تو ان کے سامنے ہی اپنا آئندہ کا منصوبہ پیش کر رہا ہوں۔ آئندہ تم اور پومی ہمارے کسی کام نہیں آؤ گی۔ نہ ہی بابا صاحب کے ادارے میں جاؤ گی۔ تم دونوں آج سے آزاد ہو۔ اپنے طور پر کچھ بھی کرتی رہو لیکن ہم سے کوئی رابطہ نہ رکھو۔ نہ ہی ہم خیال خوانی کے ذریعے تمھاری خبر لیا کریں گے۔ یہ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہو گی؟"

"جب تم نے پہلا اور آخری فیصلہ سنا ہی دیا ہے۔ تو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ میں اور پومی کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ تم ہم سے رابطہ ختم کر سکتے ہو۔"

میں نے خدا حافظ کہا اور رابطہ ختم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی مجھے اپنے اندر میری اپنی سوچ سنائی دی۔ وہ سوچ کہہ رہی تھی: "میں نادیدہ قوت ہوں۔ تم ہمیں اس قدر احمق کیوں سمجھتے ہو؟"

"میں سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید ہی سمجھتا ہوں۔ اگر تم احمق ہو تو احمق ہی سمجھنا چاہیے۔ کام کی بات کرو۔"

اس نے میرے لب و لہجے میں کہا: "یہ ماننے والی بات نہیں ہے کہ تم سونیا اور پومی سے رابطہ ختم کرو گے۔ تم کوئی گہری چال چل رہے ہو۔"

"یہی کہنے آئے ہو؟"

"میں برابر سونیا اور پومی کے پاس موجود رہوں گا۔ دیکھوں گا تم کب تک رابطہ قائم نہیں کرتے۔"

میں نے ایک قہقہہ لگایا۔ پھر چپ ہو گیا۔ میرے اس قہقہے نے اسے الجھا دیا۔ اگرچہ اس نے الجھن کا اظہار نہیں کیا لیکن اس کی خاموشی بتا رہی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا ہے۔ میں نے پوچھا: "کیا میرے دماغ میں ہی رہ کر سوچتے رہو گے یا باہر جانے کی زحمت کرو گے؟"

وہ فوراً چلا گیا۔ میں پھر سونیا کے پاس آ گیا۔ اس سے کہہ چکا تھا۔ رابطہ قائم نہیں کروں گا لہٰذا اسے مخاطب نہیں کیا۔ خاموشی اختیار کی جس کے نتیجے میں میرا ہی لب و لہجہ سنائی دیا۔ وہ کہہ رہا تھا: "سونیا! میں فرہاد ہوں، چپ چاپ آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے، وہ نادیدہ قوت ابھی تمھارے دماغ میں نہیں ہے۔"

سونیا نے پوچھا: "تمھیں یقین کیسے ہو گیا؟"

"میں نے آخری فیصلہ سنانے کے بعد بہت دیر تک خاموشی اختیار کی تھی۔ میں جانتا تھا وہ موجود ہوگا تو ضرور جواباً کچھ کہے گا۔"

"اتنی لمبی باتیں نہ کرو۔ فرہاد ہو تو بتاؤ۔ تم مجھ سے کس طرح محبت کا اظہار کرتے ہو۔"

وہ ذرا گڑبڑایا۔ چپ ہوا۔ یقیناً اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کر رہا ہوگا کہ فرہاد کس طرح محبت کا اظہار کرتا ہے پھر اس نے کہا: "بھئی محبت کے اظہار کے لیے کوئی مخصوص جملے تو نہیں ہوتے، دل جس موڈ میں ہوتا ہے زبان اسی موڈ میں گفتگو کرتی ہے۔"

"اتنا بتا دو کہ فرہاد تمام ساتھی عورتوں کے مقابلے میں مجھے کیا درجہ دیتا ہے؟"

"میں فرہاد ہوں اور اپنے دل کی بات اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے اپنی تمام ساتھی عورتوں سے زیادہ اونچا مقام تمھیں دیا ہے۔"

"الو کے پٹھے، میرے دماغ سے چلے جاؤ۔ تم فرہاد نہیں ہو۔"

ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ چلا گیا تھا یا ڈھیٹ بن کر وہیں موجود ہوگا۔ میں اپنی جگہ واپس آ گیا مسکرانے لگا۔ حقیقت یہ تھی کہ سونیا نے کبھی اپنا مقام نہیں پوچھا، نہ ہی میں نے اسے بتایا تھا۔ اسے اپنے آپ پر بھرپور اعتماد تھا، وہ

جانتی تھی، فرہاد اوّل اس کا ہے، آخر اس کا ہے۔ پھر بابا فرید واسطی کی پیش گوئی نے اس کے اعتماد کو اور زیادہ مستحکم کر دیا تھا۔

میں نے پومی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہاں پھر اپنا لب و لہجہ سنائی دیا۔ میرے پہنچتے ہی اس کی بات ختم ہو گئی تھی۔ اب پومی کہہ رہی تھی "فرہاد! ابھی سونیا نے مجھ سے کہا تھا کہ تم ہم سے کسی طرح بھی رابطہ قائم نہیں کرو گے۔ پھر کیسے آگئے؟"

میرے لب ولہجے میں کہا گیا "وہ تو میں خیال خوانی کرنے والے دشمنوں کو فریب دینا چاہتا تھا۔ مجھے یقین ہے، ان میں سے کوئی تمہارے دماغ میں نہیں ہے۔ اس لیے چپ چاپ آگیا ہوں۔"

"آئے ہو تو میری زبان سے گفتگو کرو تاکہ سونیا بھی سنتی رہے۔"

"میں جو کہنے آیا ہوں۔ اس کا تعلق ہم دونوں سے ہے۔ سونیا کو ہمارے معاملات میں شریک نہ کرو۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے الگ نہیں رہ سکتا۔ تمہیں ہر حال میں اپنے پاس بلاؤں گا۔ اسی لیے سونیا کو یہاں سے ٹال کر اب اسے تمہارے پاس سے دوسری جگہ بھیج دوں گا۔ تم سیدھی میرے پاس چلی آنا۔"

وہ خوش ہو کر بولی "اوہ فرہاد! تم مجھے کس قدر چاہتے ہو، یعنی سونیا سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو، اسے ٹرخا رہے ہو، مجھے بلا رہے ہو۔ مجھے خود کو دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی سمجھ لینا چاہیے۔ تم نے مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا ہے۔ کیا میں اور خوشی کا اظہار کروں؟"

"اپنی خوشیوں کو محدود نہیں کرنا چاہیے۔ میں تمہیں وہ مقام دوں گا کہ دنیا سونیا کو بھول جائے گی۔"

"کیا تم نے ابھی دودھ پینا چھوڑا ہے؟"

اس نے چونک کر پوچھا "کیا مطلب؟"

"گدھے کے بچے، تم فرہاد نہیں ہو۔ خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

یک بیک وہ میرے لب و لہجے میں جھلا کر بولا... "میں تمہیں ایسا دماغی جھٹکا پہنچاؤں گا کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔"

"تم دماغی اذیتیں پہنچا سکتے ہو مگر جان سے نہیں مار سکتے۔ تمہاری کمزوریاں بھی فرہاد اور شیبا کے ہاتھ میں ہیں۔ تم فضول دھمکیاں دینے سے باز آجاؤ۔"

وہ چپ ہو گیا۔ پومی نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ پھر کہا "تمہارا کام یہی ہونا چاہیے۔ ایک وفادار کتا جس طرح گھر کے دروازے سے بندھا رہتا ہے، اپنے مالک کی طرف منہ اٹھا کر نہیں بھونکتا ہے۔ اسی طرح تم ہمارے دماغ کے دروازے سے بندھے رہو۔ ہماری طرف منہ اٹھا کر بھونکنا چاہو گے تو پہچان لیے جاؤ گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں پوری طرح اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ میں جانتا تھا۔ وہ ایسی ذلت آمیز گفتگو برداشت نہیں کرے گا۔ ٹیلی پیتھی جیسا ناقابلِ شکست ہتھیار اس کے ہاتھ آگیا تھا۔ یقیناً پومی کو سزا دے گا اور واقعی اس نے ایک زبردست دماغی جھٹکا پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے دماغ پر پوری طرح حاوی تھا۔ وہ کسی طرح بھی وہاں پہنچ کر اذیت نہیں پہنچا سکتا تھا۔ میں ڈھال بنا ہوا تھا، میں نے اسے بچا لیا لیکن دوسرے ہی لمحے سونیا کی چیخ سنائی دی، وہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی، یک بیک تڑپ کر پیچھے کی طرف الٹ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا تھا اور تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "بزدل! میں تجھے صرف پانچ سیکنڈ کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد تجھے اپنے بھائی آرمر ووڈ اور اپنی بہن جوجو کی آخری چیخیں سنائی دیں گی۔"

جواب میں سونیا کی کراہتی ہوئی سوچ نے کہا "آہ! میں سونیا کے اندر دوسری سونیا بول رہی ہوں، تم زیادہ سے زیادہ میرے دو مہروں کو مار سکتے ہو۔ ان کا مجھے زیادہ دکھ ہوگا لیکن میں تمہارے تمام اہم مہروں کو ختم کر سکتا ہوں۔"

"اس کے باوجود تمہیں ختم کرنے کے لیے شیبا اور فرہاد زندہ رہیں گے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق میں بھی اب مارنے یا مرنے پر تل گیا ہوں۔ مجھے بھی اپنے ساتھیوں کے ختم ہونے کا دکھ ضرور پہنچے گا لیکن میں تم سب کو کتوں کی موت ماروں گا کیونکہ تمہاری وجہ سے سونیا ایک بار چیخنے پر مجبور ہو گئی، لہٰذا اس کے جواب میں اپنے بھائی آرمر ووڈ کی چیخ سنو۔ فوراً وہاں پہنچو۔"

دوسرے ہی لمحے آرمر ووڈ نے ایک فلک شگاف چیخ ماری، پھر فرش پر گر کر تڑپنے لگا، میں نے اسی کے دماغ میں رہ کر پوچھا "اگر تم اپنے بھائی کو بچانے آئے ہو تو دیر ہو گئی۔ جوجو کو بچانے میں دیر نہ کرنا، وہاں پہنچو۔"

میں ذرا دیر سے جوجو کے پاس پہنچا۔ پھر کہا "میں نے جان بوجھ کر تاخیر کی ہے تاکہ اس معصوم کو میری ذات سے تکلیف نہ پہنچے اور تم اس کی نگرانی کے لیے چلے آؤ، اب تم دونوں میں سے ایک جوجو کے پاس رہے گا اور دوسرا آرمر ووڈ کے پاس، اگر کسی نے ان کے دماغ سے نکل کر ہمارے ساتھیوں کے پاس آنے کی کوشش کی تو ہم ایک دوسرے پر اسی طرح جوابی حملے کرتے رہیں گے۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔

فائدہ کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔ اب میں باقی باتیں آرمر ووڈ کے دماغ میں پہنچ کر کروں گا۔ وہاں چلے آؤ۔"

میں نے آرمر ووڈ کے پاس پہنچ کر کہا "تم لوگ اسرائیل میں ایک زبردست بازی شروع کر رہے ہو اور اسے ربی اسفندیار کے ذریعے کھیلتے رہو گے۔ کیا میں اس بازی کے آغاز میں ہی ربی کو ختم کر دوں؟"

دوسری طرف سے آرمر ووڈ نے کہا "نہیں نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"اپنے بھائیوں سے کہو۔ میری تمام ساتھی عورتوں سے دُور رہیں۔"

"میں اُن سے کہہ دوں گا۔ وہ پومی، سونیا، اعلیٰ بی بی وغیرہ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"مردوں کی طرح مقابلہ کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں، جوجو، آرمر ووڈ اور ربی اسفندیار کو براہِ راست چھیڑے بغیر تم لوگوں کے خلاف جوابی کارروائیاں کرتا رہوں گا۔"

آرمر ووڈ نے کہا "ہم بھی وعدہ کرتے ہیں۔ تمہاری ساتھی عورتوں کو چھیڑے بغیر تمہارے خلاف ضروری اقدامات کرتے رہیں گے لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم اپنے وعدے پر اس وقت بھی قائم رہیں گے جب مجھے یا جوجو یا ربی اسفندیار کو نقصان پہنچے گا۔"

"تم یہی باتیں میری طرف سے بھی نوٹ کر لو۔"

میں نے سونیا کے پاس آکر کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ میں نے دشمنوں سے کچھ معاملات طے کیے ہیں۔"

وہ میری بات کاٹ کر بولی "میں کیسے یقین کروں، تم فرہاد ہو۔"

"یقین کرنا ضروری نہیں ہے۔ میں اتنا سمجھانے آیا ہوں کہ فکر اور پریشانیوں کو دماغ سے نکال دو، آرام سے سونے کی کوشش کرو۔"

"کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ ابھی تو آٹھ بجے ہیں اور سونے کے لیے کہہ رہے ہو۔"

"میں نے مشورہ دیا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ اس پر عمل کرو۔ میں جا رہا ہوں۔"

"ٹھہرو، تم نے کہا تھا، رابطہ قائم نہیں کرو گے۔"

"بھئی، مجھے دشمن سمجھ لو۔ میں جا رہا ہوں۔"

میں اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ سوچ رہی تھی "یہ فرہاد نہیں ہو سکتا۔ خواہ مخواہ اُلٹا سیدھا مشورہ دے رہا تھا۔ ابھی آٹھ بجے ہیں اور مجھے سو جانا چاہیے جبکہ اس ہنگامی زندگی میں سونے کا موقع ہی نہیں ملتا ہے۔"

وہ سوچ رہی تھی مگر سوچنے سے کیا ہوتا تھا۔ میں چپکے چپکے دماغ پر حاوی ہوتا رہا۔ اس کے اندر تھکن پیدا کرتا رہا۔ تھکن ہو، کمزوری ہو، آرام طلبی ہو۔ یہ سب انسان کے اپنے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور یہ سب کچھ میں اس کے اندر سے اُبھار رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آدھے گھنٹے بعد بستر پر لیٹ گئی۔ انگڑائی لینے لگی۔ پھر میں اسے ٹیلی پیتھی کی لوری سنانے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کے ذہن کو تھپکنے لگا۔ مزید دس منٹ کی کوششوں کے بعد وہ سو گئی۔ کوئی دوسری ہوتی تو بڑی آسانی سے سُلا دیتا مگر وہ بڑی ضدی اور قوتِ ارادی کی مالک تھی۔ میں تو کیا کوئی دوسرا خیال خوانی کرنے والا بھی اسے آسانی سے ٹریپ نہیں کر سکتا تھا۔

جب وہ گہری نیند میں ڈوب گئی تو میں نے اس پر تنویمی عمل شروع کیا۔ مجھے یقین تھا، وہ تینوں بھائی سونیا اور پومی کے پاس نہیں ہوں گے، بعد میں اس کی تصدیق ہو گئی، وہ سب شیبا کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ اسرائیل میں اپنے محاذ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

میں نے سونیا کو ٹرانس میں لے کر اپنی معمولہ بنایا۔ اس کے دماغ میں یہ بات نقش کر دی کہ جب وہ تنویمی نیند سے بیدار ہو گی تو اس کا ذہن پہلے سے زیادہ حساس ہوگا۔ وہ جاگتی رہے یا خوابیدہ حالت میں رہے، اپنے دماغ میں کوئی بھی غیر معمولی بات ہو گی تو فوراً محسوس کر لے گی اور محسوس کرتے ہی سانس روک لے گی۔

میں جانتا تھا، وہ زیادہ دیر تک سانس نہیں روک سکے گی لیکن وہ بہترین فائٹر تھی۔ ہر فائٹر اپنی سانس کو قابو میں رکھنا جانتا ہے۔ یوگا کے ماہرین کی طرح کئی کئی منٹ تک سانس نہیں روک سکتا مگر سونیا اور پومی ایسی حالت میں سانس لینے کا وقفہ کر سکتی تھیں، بار بار سانس لے کر بار بار وقفے کر سکتی تھیں۔ اس طرح وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے ان کے دماغوں پر مسلسل حملے نہیں کر سکتے تھے، انھیں دماغی اذیتیں نہیں پہنچا سکتے تھے۔

سونیا کے بعد میں نے پومی پر بھی یہی عمل کیا۔ اسے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سلایا۔ پھر گہری نیند میں اسے معمولہ بنا کر وہی باتیں دماغ میں نقش کر دیں۔ دونوں نے وعدہ کیا کہ وہ ذہنی طور پر بہت زیادہ حساس رہیں گی۔ سوتے جاگتے کوئی بھی غیر معمولی بات ہو گی تو اسے محسوس کرتے ہی سانس روک لیں گی، خواہ ان کے دماغ میں فرہاد اور شیبا کی ہی سوچ کی لہریں کیوں نہ آئیں۔ وہ کسی کو دماغ میں آنے کی اجازت نہیں دیں گی۔

میں نے اپنے اس تنویمی عمل کو اڑتالیس گھنٹے کے لیے مقرر کیا۔ اتنے عرصے تک کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا انھیں

دماغی تکالیف میں مبتلا نہیں کرسکتا تھا۔ وہ دونوں تنویمی نیند سو گئیں۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ دشمن ان دونوں کو میری کمزوری بنا کر پیش نہیں کرسکتے تھے۔

اب مجھے معلوم کرنا تھا کہ میری ان مصروفیات کے دوران آرمر ووڈ اور اس کے بھائی سونیا اور پومی کے دماغوں میں موجود تو نہیں تھے؟ ان کی موجودگی سراسر نقصان پہنچا سکتی تھی۔ وہ چپ چاپ میرے تنویمی عمل کی نفی کرسکتے تھے۔ بہرحال میں نے آرمر ووڈ کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے تل ابیب پہنچا ہوا تھا۔ مجھے بھی شیبا کی حفاظت کے لیے وہاں رہنا چاہیے تھا مگر سونیا اور پومی کو ہر طرح محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ آرمر ووڈ کی سوچ سے پتا چلا۔ وہ میرے تنویمی عمل کے دوران نہیں تھا۔

میں نے جوجو کے دماغ میں آکر دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ پتا چلا، اس پر تنویمی عمل کیا گیا ہے اور اسے مختلف مشینوں سے گزارا گیا ہے۔ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا کچھ کیا گیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ میں اس کے لاشعور میں بیٹھ کر بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا لیکن جو فرد تنویمی عمل کے زیر اثر ہو اور گہری نیند سو رہا ہو، اس کے دماغ کو زیادہ کریدنا نہیں چاہیے ورنہ وہ دماغی مریض بن کر رہ جاتا ہے۔ میں جوجو کو خواہ مخواہ نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ ایک معصوم لڑکی تھی اور جب تک ہمیں اس کی ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچتا، وہ ہمارے لیے معصوم ہی رہتی۔

میرا خیال ہے جس طرح میں نے سونیا اور پومی کا تحفظ کیا تھا اسی طرح دونوں بھائی تنویمی عمل اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے جوجو کا تحفظ کررہے تھے۔ میں شیبا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ جس محل نما بنگلے میں زندگی گزار رہی تھی۔ وہاں کے بڑے سے ڈرائنگ روم میں چند اعلیٰ افسران بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں کمانڈو وائی بھی تھا، شیبا ان سے ذرا فاصلے پر ایک شاہانہ طرز کی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جہاں بیٹھی ہوئی تھی، وہاں سے ان حاضرین کے چہروں کو بخوبی دیکھ سکتی تھی اور ان کی آواز سن سکتی تھی۔

اس وقت کمانڈو وائی حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: "میں سمجھ نہیں سکتا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، کون ہمارے دماغوں میں آتا ہے اور ہمارا دوست بن کر یقین دلاتا ہے کہ وہ فرہاد کا دشمن ہے اور اس کے خلاف ہمارا دوست بن کر رہ سکتا ہے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے پوچھا: "اس میں نہ سمجھنے کی کیا بات ہے؟"

"میں اس نادیدہ قوت کی باتوں میں آکر شیبا کی خواب گاہ میں گیا تھا۔ اس نے مجھے بہکایا کہ یہ مجھ سے دل ہی دل میں محبت کرتی ہے۔ مجھے اس کے سامنے بے نقاب ہونا چاہیے، یہ اپنی ٹیلی پیتھی سے مجھے نقصان نہیں پہنچائے گی لیکن اس کے برعکس ہوا۔ مجھے شدید ذہنی جھٹکوں سے دوچار ہونا پڑا۔ شیبا نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔"

شیبا نے کہا: "کیا تم نے میری خواب گاہ میں آکر شریفانہ برتاؤ کیا تھا؟"

ایک اور اعلیٰ افسر نے کہا: "شیبا! میرے دماغ میں بھی وہ نادیدہ قوت بولتی ہے۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ تم خیال خوانی نہیں جانتی ہو۔ بابا صاحب کے ادارے میں دو عدد ڈمی شیبا تیار کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک تم ہو۔ ہمیں تمہارے ذریعے دھوکا دیا گیا ہے۔"

"اگر میں ڈمی ہوں تو پھر خیال خوانی نہیں کرسکوں گی۔ جس میں حوصلہ ہے، وہ مجھے چیلنج کرے اور میری خیال خوانی کا سامنا کرے۔"

سب کو چپ لگ گئی۔ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کس میں حوصلہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسے چیلنج کرتا اور دماغی جھٹکوں سے دوچار ہوتا۔ شیبا نے کہا: "وہ نادیدہ قوت جو آپ لوگوں کے دماغ میں آرہی ہے، خود کو پُراسرار بنانے کی کوشش کررہی ہے۔ وہ جس حد تک بے نقاب ہو چکی ہے۔ اسے میں بیان کرتی ہوں۔ یہ پانچ بھائی بہنوں کا ایک خاندان ہے جس میں تین بھائی ہیں اور دو بہنیں۔ بڑے بھائی کا نام آرمر ووڈ ہے۔ یہ لیڈی روزینہ کے فارم کے پیچھے والی پہاڑی کے دوسری طرف ایک فروٹ جوس فیکٹری کا مالک ہے اور بھی بہت سے کاروبار ہیں۔ اس کے دوسرے بھائی کا نام نثار پرووڈ اور تیسرے کا نام ہارپر ووڈ ہے۔ یہ دو بھائی ہمیشہ گمنامی کی زندگی گزارتے رہے۔ انھوں نے سائنس کے سبجیکٹ میں ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ یہ دونوں بہت تجربہ کار مکینک ہیں۔ انھوں نے تقریباً پندرہ برس سے ایک پاتال دنیا میں رہ کر بہت ہی اہم منصوبوں پر کام شروع کیا۔ یہ ساری دنیا پر چھا جانا چاہتے تھے۔ اس کے لیے یہ ہر وہ قوت اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتے تھے جن کے ذریعے ساری دنیا پر حکومت کرسکیں۔ وہ اس منصوبے پر کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب یہ ساری دنیا پر حکومت کرسکتے ہیں یا نہیں۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا۔"

شیبا نے ذرا چپ رہ کر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نے سوال کیا: "یہ پندرہ برس کے عرصے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟"

دوسرے نے سوال کیا: "کیا یہ پاتال دنیا میں رہ کر ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کررہے تھے؟"

شیبا نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "انھوں نے اتنی آسانی سے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کیا ہے کہ دنیا حیران رہ جائے گی۔ انھوں نے ایک ٹرانسفارمر سسٹم کی مشین ایجاد کی ہے۔ اس مشین سے دو افراد کو منسلک کیا جاتا ہے۔ ایک فرد جو بے مثال سائنسداں ہے، اس کی تمام سائنسی صلاحیتیں اس مشین سے گزر کر دوسرے فرد کے دماغ میں منتقل ہو جاتی ہیں یعنی وہ سائنسداں جس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا، وہ مشین اس کا ایک اور ثانی پیدا کر دیتی ہے۔"

کئی افسروں نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ انکار میں سر ہلایا اور کئی نے زبان سے کہا: "اوہ نو! یہ ممکن نہیں ہے۔ کیا ایسی مشین ایجاد ہو سکتی ہے؟"

"ہو چکی ہے۔ انھوں نے اس مشین سے فرہاد علی تیمور کو منسلک کیا تھا۔ دوسری طرف آرمر ووڈ کو منسلک کیا گیا تھا۔ پھر فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں اس مشین سے گزر کر آرمر ووڈ کے دماغ میں ٹرانسفر ہو گئی تھیں۔"

سب کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ اس نے کہا: "اگرچہ تینوں بھائیوں نے ہم سے دشمنی کی ہے مگر ہم ان کی صلاحیتوں کو مانتے ہیں۔ ہم کیا، ساری دنیا تسلیم کرے گی اور اس مشین کو حاصل کرنے، اس کے فارمولے اور پروسیسنگ کو سمجھنے کی کوششیں کرے گی۔ بیشک انھوں نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اگر یہ مشین عام ہو گئی اور ٹیلی پیتھی کی کلاسوں میں پہنچ گئی تو جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کے دماغوں میں اس علم کو یہ آسانی منتقل کیا جاسکے گا۔"

ایک نے کہا: "یہ ایسی بات ہے جسے عقل تسلیم نہیں کرتی۔"

دوسرے نے اس کی تصدیق کی: "جسے عقل تسلیم نہیں کرتی اسے ہی سائنسداں تسلیم کراتے ہیں۔ ہماری دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں جنھیں عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔ بعد میں تسلیم کرنے لگی۔"

شیبا نے کہا: "اس کے لیے تینوں بھائیوں کی مثالیں کافی ہیں۔ اس وقت بھی وہ خیال خوانی کے ذریعے تم سب کے دماغوں میں موجود ہیں۔"

"ہاں، ہم موجود ہیں۔"

یہ بات ایک اعلیٰ افسر نے کہی۔ دوسرے صوفے پر بیٹھے ہوئے ایک افسر نے کہا: "ہاں، ہم موجود ہیں۔"

تیسری جانب بیٹھے ہوئے ایک اور افسر نے کہا: "ہاں، ہم موجود ہیں۔"

اس طرح تینوں بھائیوں نے تین افسران کی شخصیت اور ان کا لب و لہجہ اختیار کرکے اپنی موجودگی کا اقرار کرلیا۔ پھر ایک نے کہا: "ہم خیال خوانی کے ذریعے دل اور دماغ میں چھپی ہوئی باتوں کو باہر نکال لاتے ہیں۔ شیبا! تم تسلیم کرو کہ ایک ڈمی ہو۔ ابھی تمہارے اندر ٹیلی پیتھی جاننے والی شیبا موجود ہے اور وہ تمہاری طرف سے بول رہی ہے۔"

"میرے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تم ثابت کردو۔ دنیا تسلیم کرے گی۔"

"یہ ثابت کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ ویسے ہم کوشش کررہے ہیں۔"

شیبا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا: "آپ تمام حضرات میرے ملک کے اعلیٰ افسران ہیں۔ آپ کی موجودگی میں مجھے چیلنج کیا جارہا ہے۔ اب وہ شخص مجھے دماغی جھٹکا پہنچائے گا۔ تب ہی میں یہاں بیٹھوں گی ورنہ جارہی ہوں۔"

وہ جانے لگی، کئی افسران اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا: "مس شیبا، پلیز رک جائیے۔"

وہ جاتے جاتے رک گئی۔ پلٹ کر بولی: "میں انتظار کررہی ہوں، وہ میرے دماغ میں آئے لیکن وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پہنچائے گا تو اسے بھی زبردست نقصان پہنچے گا۔ پھر وہ بچوں کی طرح کیوں چیلنج کرتا ہے؟"

دروازے پر ربی اسفندیار کی آواز سنائی دی: "چیلنج کرنے والے بچے نہیں ہیں مگر تم ابھی تک بچی ہو اور ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہو۔"

ربی اسفندیار کو دیکھتے ہی باقی جو بیٹھے ہوئے تھے، وہ کھڑے ہو گئے۔ سب نے سر جھکا لیا۔ اپنے سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔ ربی نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا جیسے ان سب کے سروں پر سایہ کررہا ہو۔ پھر کہا: "آپ لوگ اپنی جگہ بیٹھ جائیں۔"

وہ بیٹھ گئے۔ دروازے پر مسلح فوجی کھڑے ہوئے تھے۔ ربی اسفندیار نے شیبا کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا: "یہ افسران تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوست فی الحال تمہیں ڈمی ثابت نہیں کرسکیں گے۔ لیکن میں یہ جرأت مندانہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔ شیبا اور فرہاد کو چیلنج کرتا ہوں۔ انھوں نے مجھے اس ملک سے باہر نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اگر وہ اپنی ڈمی کی زندگی چاہتے ہیں تو اعتراف کرلیں کہ ہمیں اس نقلی شیبا کے ذریعے اب تک دھوکا دیا جارہا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی دروازے پر کھڑے ہوئے ایک فوجی افسر نے ہتھکڑی نکالی۔ ہاتھ بلند کرکے وہ ہتھکڑی شیبا کو دکھائی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ ربی نے کہا: "یہ تمام فوجی اپنی آواز کسی کو نہیں سنائیں گے۔ ہم تمہیں گرفتار کرنے کے بعد صبح تک انتظار کریں گے۔ اگر یہ اعتراف کرلیا گیا کہ تم ڈمی ہو تو ہم تمہیں بطور یرغمال اپنے ہاں قید رکھیں گے۔"

ہتھکڑی اٹھا کر لانے والا افسر ربی کے پیچھے آ کر رک گیا۔

ربی نے کہا "ہم نے سنا ہے۔ جناب شیخ الفارس بڑے بااخلاق، بڑے ظرف والے ہیں۔ وہ اپنے ادارے کے معمولی سے معمولی طلبا اور طالبات کی ہر طرح حفاظت کرتے ہیں۔ یہ ڈمی بھی ایک معمولی طالبہ تھی، جسے پلاسٹک سرجری کے ذریعے شیبا کا ہمشکل بنایا گیا۔ ہمارا کمانڈو وانجیس دھوکا کھا کر اسے یہاں لے آیا اور ہم سب شیبا کو پا لینے کی خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جناب شیخ الفارس اس معمولی لڑکی کی حفاظت کس طرح کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اس کا مطلب ہوگا کہ بابا صاحب کے ادارے میں قربانی کے بکرے اور بکریاں پالی جاتی ہیں اور انھیں اسی طرح قربان کرنے کے لیے دوسرے ملکوں کی سرحدوں میں پہنچایا جاتا ہے۔"

ربی اسفندیار نے پیچھے کھڑے ہوئے افسر کو اشارہ کیا تاکہ وہ آگے بڑھ کر شیبا کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دے۔ میں نے اچانک ہی کمانڈو وائی کے دماغ پر قابض ہو کر مخاطب کیا "رک جاؤ، میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

آگے بڑھنے والا افسر رک گیا۔ سوالیہ نظروں سے ربی کو دیکھنے لگا۔ ربی نے ایک ہاتھ اٹھا کر اس افسر کو ذرا ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ میں نے کہا "یہ شیبا ہے جس طرح آج تک میرے ہاتھوں میں کسی نے ہتھکڑی ڈالنے کی جرأت نہیں کی۔ اسی طرح شیبا ہماری پناہ میں ہے۔ یہ خود اپنی حفاظت کر سکتی ہے لیکن میرا بھی کچھ فرض بنتا ہے۔ میں آخری بات کہتا ہوں۔ ہتھکڑیاں جیب میں رکھ لی جائیں اور شیبا سے فاصلہ رکھا جائے ورنہ یہاں ایسے دھماکے ہوں گے کہ لوگ ہیروشیما اور ناگاساکی کے دھماکوں کو بھول جائیں گے۔"

اس بڑے سے ڈرائنگ روم میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ وہ بڑے ہی سنسنی خیز لمحات تھے۔ میں نے کہا "اگر کسی نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ شیبا نہیں، ایک ڈمی ہے تو میں اصل شیبا کو یہاں پہنچا دوں گا جبکہ اصل تم سب کے سامنے ہے اور اگر یہ ثابت نہ ہو سکا کہ یہ ڈمی ہے تو پھر اصل شیبا کو پہلی فرصت میں بابا صاحب کے ادارے میں پہنچا دیا جائے۔"

سب لوگ کمانڈو وائی کو دیکھ رہے تھے گویا مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے کہا "ہم نے اب تک شیبا کی خاطر سمجھوتا کیا۔ ہم نے سوچا، یہ ایک یہودی لڑکی ہے، اس کا ملک اسرائیل ہے۔ یہ اپنی قوم میں جائے گی۔ کچھ عرصہ زندگی گزارے گی۔ جب یہاں سے جانا چاہے گی تو ہم بڑی آسانی سے نکال لے جائیں گے۔"

میں نے ایک ذرا توقف سے کہا "معلوم ہوتا ہے، اسے یہاں سے لے جانے کا وقت آ گیا ہے اور یہ وقت تم سب کی حماقتوں سے آیا ہے۔"

ربی اسفندیار نے کہا "فرہاد! کوئی جارحانہ قدم اٹھانے سے پہلے مجھے یقین دلاؤ کہ تم اپنی زبان پر قائم رہو گے، اگر میں اسے ڈمی ثابت کر دوں تو اصل شیبا کو یہاں پہنچاؤ گے۔"

میں نے کہا "ہاں، میں اپنی زبان کا پابند ہوں۔"

ربی نے کہا "یہ افسر جو ہتھکڑی لیے کھڑا ہے، اس نے اپنی آواز شیبا کو نہیں سنائی ہے۔ تم نے بھی نہیں سنی ہے لیکن دماغ میں پہنچنے کا ایک دوسرا راستہ بھی ہے۔ یہ علم جاننے والا اپنے معمول کی آنکھوں میں جھانکتا ہے اور آنکھوں کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ آنکھیں دماغ کی عکاس ہوتی ہیں۔ کیا یہ شیبا اس افسر کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ تک پہنچ سکتی ہے؟"

میں ایک دم سے گڑبڑا گیا۔ ربی نے بڑی ہی ترپ چال چلی تھی۔ وہ ڈمی شیبا ٹیلی پیتھی نہیں جانتی تھی اور ہماری شیبا جو اس کے اندر تھی، اس کے ذریعے افسر کی آنکھوں میں نہیں جھانک سکتی تھی۔ ہم ٹیلی پیتھی جاننے والے اپنے معمول کی آنکھوں سے نہیں، اس کی سوچ کے ذریعے اس کی دماغی آنکھوں کے ذریعے دنیا والوں کو دیکھتے ہیں۔ شیبا اپنی ڈمی کی دماغی آنکھوں کے ذریعے اور میں کمانڈو وائی کی دماغی آنکھوں کے ذریعے وہاں بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھ رہا تھا۔ ہم ان کی ایک ایک حرکتوں کو سمجھ سکتے ہیں اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے جوابی کارروائی کر سکتے ہیں لیکن باقاعدہ اپنے معمول کے ذریعے کسی اجنبی کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے۔ شیبا گھبرا کر میرے پاس پہنچ گئی "فرہاد! اب کیا ہوگا؟"

سچ تو یہ ہے کہ میں بھی پریشان ہو گیا تھا۔ ایسی سچویشن کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ میں اپنی زبان کا دھنی ہوں۔ میں نے دشمن سے بہت بڑا وعدہ کیا ہے۔ اصل شیبا کو اس کے پاس پہنچا دوں گا۔ مگر شرط یہ کہ وہ سامنے کھڑی ہوئی شیبا کو ڈمی ثابت کرے۔ اس کمبخت نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ مجھے ہر طرف سے جکڑ لیا تھا۔ اس ڈمی کو یہ چیلنج کر رہا تھا کہ وہ گونگے افسر کی آنکھوں میں جھانک کر، اس کے دماغ میں پہنچ کر خود کو اصل شیبا ثابت کرے۔

یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ خود کو اصل ثابت نہیں کر سکتی تھی۔ کیا میں اپنی زبان ہار جاؤں؟ کیا میں جھوٹا اور وعدہ خلاف کہلاؤں یا اب اصل شیبا کو ان کے حوالے کر دوں؟

میں جن حالات سے گزر رہا تھا ان سے یہ بتی حاصل ہو رہا تھا کہ آدمی اگر سخی ہے تو وہ مانگنے والے کو سب کچھ دے مگر سوچے سمجھے بغیر زبان نہ دے۔

میں نے ربی اسفندیار کو زبان دی اور پھنس گیا۔ یہ بارہا آزما چکا ہوں، جب بھی اپنی صلاحیتوں پر، اپنے منصوبوں پر، اپنی ٹیلی پیتھی کے علم پر ناز کرتا ہوں تو ضرور ٹھوکر کھاتا ہوں۔ مجھے بڑا ناز تھا کہ وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ڈمی شیبا کے دماغ میں پہنچ کر اسے کسی طرح مجبور نہیں کر سکیں گے۔ وہ کبھی اپنی زبان سے نہیں کہے گی کہ وہ ڈمی ہے بلکہ خود کو اصل شیبا کہتی رہے گی کیونکہ شیبا اور میں برابر اس کے دماغ میں رہتے تھے۔ یہ بات وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ اپنی جگہ مجبور تھے اور میرا چیلنج اپنی جگہ مستحکم تھا۔

دراصل آدمی جب بڑے غرور سے اپنے متعلق سوچتا ہے تو اپنی کسی نہ کسی کمزوری کو بھول جاتا ہے۔ میں بھی چیلنج کرتے وقت بھول گیا تھا کہ ڈمی شیبا کو آنکھوں میں جھانک کر کسی کے دماغ میں پہنچنے کے لیے کہا جائے گا تب کیا ہوگا؟

اب وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔ میرے ہاتھ سے بازی نکل گئی تھی۔ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا کسی ڈمی کے دماغ میں پہنچ کر اس کے ذریعے کسی اجنبی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔ پھر وہ ڈمی کس طرح اس گونگے فوجی افسر کے دماغ تک پہنچ سکتی تھی؟

کبھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ صاف ظاہر تھا۔ میں نے زبان دی تھی، اگر اسے ڈمی ثابت کر دیا گیا تو اصل شیبا اسرائیلی حکام کے حوالے کر دوں گا اور اب مجھے یہی کرنا تھا۔

کیا میں بازی ہار جاؤں؟ شیبا کوئی معمولی لڑکی تو نہیں تھی۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والی ایک اہم ساتھی تھی اور ہم بابا صاحب کے ادارے سے تعلق رکھنے والے کسی ایک طالب علم یا ایک طالبہ کو بھی دشمن کے حوالے کرنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ پھر میں شیبا کو کس طرح ان کے حوالے کر سکتا تھا؟

ان کے حوالے نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں جھوٹا ہوں اور وعدہ خلاف ہوں۔ میں مسلمان ہوں مگر زبان ہار جاتا ہوں۔ کیا میں اتنی بڑی بدنامی اپنے سر لے لوں؟

آدمی کو ہارنے سے پہلے اپنی آخری طاقت کو استعمال کرنا چاہیے۔ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنی آخری غیرت سے کام لینا چاہیے۔ میں نے آخری بار کوشش کی۔ کمانڈو وائی کے دماغ کی تہ میں پہنچ کر معلوم کیا۔ کیا وہ اس فوجی افسر کو ذاتی طور پر جانتا ہے؟ چونکہ کمانڈو وائی بھی اسرائیلی فوج کے ایک اہم شعبے سے تعلق رکھتا تھا، اس لیے وہ افسر کو ضرور جانتا ہوگا۔ ضرور اس سے مل چکا ہوگا لیکن یہ میری بدنصیبی تھی کہ وہ اسے نہیں جانتا تھا۔ ایسے وقت میں یہ بھول گیا تھا کہ کسی بھی ملک کی فوج میں کمانڈوز کا الگ شعبہ ہوتا ہے اور وہ دوسرے فوجیوں سے کبھی ملاقات نہیں کرتے، ایک محدود اور پُراسرار زندگی گزارتے ہیں۔

میں نے ہمت نہیں ہاری۔ وہاں سے خیال خوانی کی چھلانگ لگائی۔ آرمر ووڈ کے دماغ میں پہنچا۔ میں نے سوچا تھا، جب یہ تینوں بھائی، ربی اسفندیار سے مل کر سازش کر رہے ہیں تو انھوں نے ربی کے ذریعے اس فوجی افسر کی آواز ضرور سنی ہوگی۔

اسی وقت ربی نے فاتحانہ انداز میں تمام افسران کو دیکھتے ہوئے کمانڈو وائی سے پوچھا "کیوں مسٹر فرہاد! اب خاموش کیوں ہو؟ کیوں شیبا! تم اس افسر کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتیں؟"

میں اسی لمحے کمانڈو وائی کے دماغ سے نکل کر ڈمی شیبا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر اس کی زبان سے کہا "بے شک میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ تک پہنچ سکتی ہوں۔"

ربی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے بے یقینی سے شیبا کو دیکھا، پھر کہا "اگر ایسا کر سکو تو ہم یہ تماشا ضرور دیکھیں گے۔"

شیبا نے میری مرضی کے مطابق کہا "میں اس افسر کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ میں پہنچ کر، اسے بولنے پر مجبور کر دوں گی لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میری کامیابی کو دیکھ کر ربی اور ان کے ٹیلی پیتھی جاننے والے ساتھی کوئی سازش نہیں کریں گے۔ کوئی مکاری نہیں دکھائیں گے۔"

ربی اسفندیار نے اِدھر سے اُدھر چلتے ہوئے افسران پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا "بھلا ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ مکاری دکھائیں یا ان کے خلاف سازش کریں۔ ہم تو اپنی شیبا کو چاہتے ہیں اور یہاں اصل اور نقل کی تمیز کرنا چاہتے ہیں۔ بس یہ ثابت کر دے کہ اصل ہے پھر ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔"

میں ڈمی کے دماغ پر پوری طرح قابض ہو گیا تھا۔ وہاں اصل شیبا بھی موجود تھی۔ اس نے آہستگی سے پوچھا "فرہاد! تم کیا کرنے جا رہے ہو؟"

"چپ چاپ دیکھتی جاؤ۔ میں تھوڑی سی مہلت حاصل کرنے کے لیے ایک چال چل رہا ہوں۔ اس کے بعد اسے اصل شیبا ثابت کر دوں گا۔"

وہ بے چاری میرے زیرِ اثر رہ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس فوجی افسر کے سامنے پہنچ گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ ڈمی نے میری مرضی کے مطابق کہا "اس طرح آنو کی طرح

دیدے پھاڑ کر نہ دیکھو۔ اپنی آنکھوں میں نرمی پیدا کرو اور میری آنکھوں میں جھانکتے رہو۔"

اس نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ تمام حاضرین بڑی توجہ سے شیبا کو دیکھ رہے تھے۔ ربی کو یقین تھا کہ یہ خود کو اصل ثابت نہیں کر سکے گی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ ہوا جس کی وہ توقع نہیں کر سکتے تھے۔ یکبارگی ڈمی شیبا نے فلک شگاف چیخ ماری۔ اس کے بعد لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے آ کر شاہانہ طرز کی کرسی پر گر پڑی۔ صرف گرنے پر ہی بس نہیں کیا، وہاں سے لڑھکتی ہوئی فرش پر آئی، دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام رکھا تھا اور انکار کے انداز میں سر کو ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی "نہیں نہیں، یہ سازش ہے۔ یہ مکاری ہے۔ ربی اسفندیار! میں نے تمہارے جیسا مکار آج تک نہیں دیکھا۔ تمہارے وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں ڈمی ہوں۔ ابھی ان میں سے ایک نے میرے دماغ کو شدید دھچکا پہنچایا ہے۔ اوہ گاڈ، یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ کہہ رہی تھی اور فرش پر تڑپ رہی تھی۔ میں نے شیبا سے کہا "اب تم اس کے دماغ میں موجود رہو تاکہ میں دوسروں کے ذریعے کچھ بول سکوں۔"

شیبا فوراً ہی اس کے دماغ پر قابض ہو گئی تاکہ اسی طرح تڑپنے اور تکلیف میں مبتلا رہنے کی ایکٹنگ کر سکے۔ ربی اسفندیار حیرانی سے ذرا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ جھوٹ ہے۔ میرے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوستوں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ پھر یہ کہ اصل شیبا سانس روک سکتی ہے۔ اس کے دماغ کو جھٹکا نہیں پہنچایا جا سکتا۔"

میں نے کمانڈو وائی کی زبان سے کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ شیبا سانس روکنا نہیں جانتی ہے۔ تم اور تمہارے وہ تینوں دوست چاہتے ہیں کہ یہ ٹیلی پیتھی جاننے والی اصل شیبا اسرائیل میں نہ رہے، اس کے ذریعے فرہاد سے دوستی نہ ہو سکے تاکہ اسے یہاں سے رخصت کر دینے ...... یا کسی بہلنے مار ڈالنے کے بعد وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے پورے اسرائیل پر چھا جائیں اور یہاں کے حکام کو اپنی انگلیوں پر نچاتے رہیں۔"

ربی نے حیرانی سے دیدے پھیلا کر کمانڈو وائی کو دیکھا پھر کہا "فرہاد! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر مکار نکلو گے۔"

زمین پر پڑی ہوئی شیبا سنبھل کر اٹھ رہی تھی۔ اس کے اندر موجود رہنے والی شیبا نے کراہتے ہوئے کہا "میں جب تک یہاں موجود ہوں، اپنی حکومت کو کمزور نہیں ہونے دوں گی، اپنے اعلیٰ حکام کو تمہارے فریب میں نہیں آنے دوں گی۔ ابھی فرہاد نے کہا تھا، اگر ڈمی ثابت نہ کیا گیا تو مجھے یہاں سے لے جائے گا۔ بے شک، وہ مجھے لے جانا چاہے تو لے جا سکتا ہے لیکن میں نے محبت سے فرہاد کو دوست بنایا ہے اور محبت سے اپنی بات منواتی ہوں۔ میں اسے منا لوں گی۔ وہ تمہارے خلاف کوئی ہتھکنڈا استعمال نہیں کرے گا۔ نہ ہی مجھے یہاں سے لے جائے گا اور میں یہاں سے کیوں جاؤں؟ یہ میرا ملک ہے، یہاں کی مٹی سے مجھے محبت ہے۔ یہ میری قوم ہے اور یہ میرے ہم مذہب ہیں۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ میرے یہاں آنے کا مقصد یہی تھا کہ ہم محبت سے فرہاد کو بھی دوست بنا لیں۔ ہمارے درمیان اب تک جو بات تنازعہ کا سبب بنی ہے، وہ یہی کہ آپ لوگ کس حد تک فرہاد پر اعتماد کر سکتے ہیں، یہ کوئی پیچیدہ بات نہیں ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے لیکن ابھی تو ہمارے محترم ربی اسفندیار ایک نیا مسئلہ لے کر آئے ہیں۔ اپنے تین ٹیلی پیتھی جاننے والے مداریوں کو لا کر نیا تماشا دکھا رہے ہیں۔ مجھے یہاں سے نکال دینا چاہتے ہیں تاکہ میدان صاف رہے۔ میرے جانے کے بعد یہ ان تمام اعلیٰ حکام سے انتقام لیں گے جنھوں نے انھیں ملک بدر کیا تھا۔"

ربی اسفندیار نے کہا "تم بڑی لمبی، بڑی مؤثر تقریر کر رہی ہو۔ میرے خلاف بھڑکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہی ہو لیکن میں بھی یہودی ہوں۔ میں نے اپنے ملک کی، اپنے قوم کی اور اپنے مذہب کی اتنی خدمت کی ہے جتنی خدمت کرنے کے لیے تمھیں میرے جتنی عمر گزارنا ہوگی۔ میں بھی اس مٹی سے محبت کرتا ہوں۔ اب بھی یہی کہتا ہوں، اگر تم اصل شیبا ثابت ہو گئیں تو میں تمھیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔ تم ہماری قوت بن کر رہو گی۔"

"معاف کیجیے، مسٹر ربی! جہاں تین ٹیلی پیتھی جاننے والے شیطان ہوں وہاں میں نہیں رہوں گی اور رہوں گی تو اس شرط پر کہ انھیں اسرائیل کی سرحدوں سے باہر نکال دوں۔"

ایک اعلیٰ افسر نے کہا "مس شیبا! تم سچی یہودی ہو۔ تمہاری حب الوطنی سے ہم انکار نہیں کریں گے۔ ہمارے سامنے یہ پیچیدہ مسئلہ ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔ ربی اسفندیار ہمارے لیے محترم ہیں۔ ہم ان کے منہ پر یا ان کی پیٹھ پیچھے انھیں جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ کہنے کے لیے ثابت کرنا ہوگا۔"

"میں ابھی ثابت کرنے والی تھی لیکن اس کے شیطان دوستوں نے مکاری دکھائی۔ آپ میں سے اس بات کی ضمانت کون لیتا ہے کہ میں اس کی آنکھوں میں جھانکنے جاؤں گی تو دوبارہ دماغی جھٹکا نہیں پہنچایا جائے گا؟"

میں نے شیبا کے دماغ میں پہنچ کر کہا "تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔ اسی طرح انھیں اپنی باتوں میں الجھائے رکھو۔ میں

کوشش کرتا ہوں کہ اس گونگے فوجی افسر کے دماغ میں جھانکنے کی نوبت ہی نہ آئے۔"

شیبا کو سمجھانے کے بعد میں خود سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ اس مصیبت سے کیسے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ ربی نے ابھی تک خیال خوانی کے معاملے میں ڈمی شیبا کو الجھایا ہوا تھا۔ اب دوسرے افسران بھی یہی کہہ رہے تھے کہ شیبا اس فوجی افسر کی آنکھوں میں جھانک کر اپنی سچائی ثابت کرے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ربی اسفندیار نے بہت سوچ سمجھ کر فوجی افسر کا انتخاب کیا تھا۔ وہ افسر تنہائی پسند تھا۔ بہت کم لوگوں سے ملاقات کرتا تھا اور جن کم لوگوں سے ملاقات کرتا تھا، وہ وہاں موجود نہیں تھے۔ آخر وہ کون لوگ تھے؟ میں نہیں جانتا تھا۔ اگر جانتا تو ان کے دماغوں میں پہنچ کر اس افسر کے لب و لہجے کو کسی طرح گرفت میں لینے کی کوشش کرتا۔

آخر میں ایک افسر کے دماغ میں پہنچ گیا جس کی جیب میں ریوالور رکھا ہوا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا، اگر ڈمی شیبا کو اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ تک پہنچنے پر مجبور کیا گیا تو میں اس افسر کے ذریعے فوجی افسر کو گولی مار دوں گا اور گولی مارنے کا الزام ان تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والوں پر عائد کر دوں گا۔ میری عقل اس فیصلے کے خلاف تھی۔ یہ بات میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ دانشمندانہ اقدام نہ ہوگا۔ اس کے بعد بھی شیبا دوسری آزمائشوں سے گزاری جائے گی۔ ایک مر جائے گا تو دوسرے اجنبی کو اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پھر کیا ہوگا؟

میرے سوچتے سوچتے ڈمی شیبا پھر اس فوجی افسر کے قریب پہنچ رہی تھی۔ میں جس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا، میرا وہ معمول اپنی جیب میں ہاتھ ڈال چکا تھا۔ ریوالور کے دستے کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ ادھر شیبا بالکل اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ ایسے وقت کچھ سوچنا نہیں پڑتا، کچھ نہ کچھ کر گزرنا پڑتا ہے

اگرچہ یہ دانشمندانہ اقدام نہ ہوتا مگر اتنا ضرور ہوتا کہ ڈمی شیبا دوبارہ اس آزمائش سے محفوظ رہتی، پھر اسے مہلت مل جاتی۔ دوسرے لفظوں میں مجھے کچھ کرنے کے لیے مہلت درکار تھی۔

دوسری طرف شیبا اپنی ڈمی کے دماغ میں تھی۔ اس کے ذریعے اس فوجی افسر کو دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی "یا میرے مالک! ہماری عزت رکھ لے۔ ہم مکاروں سے مکاری کر رہے ہیں۔ ہماری نیت صاف ہے۔ ہم ان شیطانوں سے بچ کر رہنا چاہتے ہیں۔ میں بحیثیت یہودی اپنی قوم کو، اپنے ملک کو، اپنے مذہب کو ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔"

وہ گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی "میرے خدا! میں ایک محبت کرنے والے کی حیثیت سے التجا کرتی ہوں، میرے فرہاد کی عزت رکھ لے۔ ایسا نہ ہو اسے زبان ہارنا پڑے۔ ایسا نہ ہو، وہ اپنی زبان کا پابند رہنے کے لیے مجھے سچ مچ میری قوم کے حوالے کر دے۔ میں اسرائیل نہیں آنا چاہتی۔ میں اپنے ملک اور اپنی قوم میں فی الحال نہیں رہنا چاہتی اور یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ میں مسلمانوں میں رہ کر بھی اپنے ملک اور اپنی قوم کی وفادار رہ سکتی ہوں۔ میرے مالک! تو ایسے وقت کام آتا ہے جب سب ناکام ہو جاتے ہیں۔ خدائی اسی کو کہتے ہیں جو کبھی ناکام نہیں ہوتی۔"

اس کی اس سوچ کے ساتھ ہی اچانک وہ معجزہ ہوا جس کی ہم توقع نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک وہ گونگا فوجی افسر ہنسنے لگا۔ پھر رونے لگا۔ روتے روتے کہنے لگا "مجھے معاف کر دو۔ خدا نے مجھے بولنے کے لیے زبان دی مگر میں گونگا بنا رہا۔ میں اب بولوں گا اور خوب بولوں گا۔"

میں جس افسر کے دماغ میں تھا، اس کے ذریعے حیرانی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ اچانک کیا ہو گیا تھا؟ میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ فوجی افسر کہتا جا رہا تھا "میں صرف بولتا ہی نہیں، گانا بھی گاتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی وہ گانے لگا۔ سب لوگ اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے گانا گاتے ہوئے کہا "صرف گاتا نہیں ناچتا بھی ہوں۔"

وہ ناچتے ناچتے گانے لگا۔ اچانک ایک افسر نے اٹھ کر کہا "مس شیبا، بس کریں۔ اس بے چارے کا پیچھا چھوڑ دیں۔ ہمیں یقین ہو گیا ہے۔ تمھی ہماری شیبا ہو۔"

"نہیں، یہ شیبا نہیں ہے۔" ربی اسفندیار نے چیخ کر اور دونوں ہاتھ اٹھا کر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میرے بچو! مجھ سے عقیدت رکھنے والو! میری بات کا بھروسا کرو، شیبا اور فرہاد اس ڈمی کے دماغ میں رہ کر کوئی ایسی چال چل رہے ہیں جو اس وقت ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ یہ ہرگز شیبا نہیں ہے۔"

ایک اعلیٰ افسر نے ذرا سخت لہجے میں کہا "محترم ربی! آپ ہمارے مذہبی پیشوا ہیں لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ہمارے حکام نے آپ کو سیاسی معاملات میں مداخلت کی اجازت کیوں دی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں، سب نے دیکھا ہے آپ

کو سیاست میں آنے کی اجازت دے کر ہم کتنا نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ ہماری شیبا ایک بار ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اور یہ آپ کی وجہ سے ہوا۔ یہ مجھے کہنے دیجیے کہ میں عبادت گاہ میں جاؤں گا تو احتراماً آپ کے سامنے سر جھکاؤں گا لیکن یہ ہماری سماجی اور سیاسی محفل ہے۔ یہاں صاف طور پر کہتا ہوں، آپ نے پہلے بھی غلطی کی اب دوسری غلطی کہ کے شیبا کو ہم سے دور کرنا چاہتے ہیں پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں اور ہمارے معاملے میں مداخلت نہ کریں۔"

ایک اور اعلیٰ افسر جو کہ ربّی اسفندیار کا عقیدت مند تھا، اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولا۔ "مسٹر وارنر! آپ ہمارے مذہبی پیشوا کی توہین کر رہے ہیں۔ محترم ربّی کی روحانی قوتوں کو اور ان کی ذہانت کو ساری قوم تسلیم کرتی ہے۔ آپ نے ان کی شان میں گستاخی کی ہے۔ آپ کو معافی مانگنا چاہیے۔"

وارنر نامی افسر نے حقارت سے کہا۔ "تم تو مجھے ایسے حکم دے رہے ہو جیسے تمھاری وردی میں ایک فیتہ زیادہ ہے۔ آئندہ مجھ سے مخاطب ہوتے وقت اپنی زبان اور اپنے لہجے کے سلسلے میں محتاط رہنا۔"

اس افسر نے کہا۔ "میں تم سے برتر نہیں ہوں تو کمتر بھی نہیں ہوں۔ میں ربّی کی شان میں کوئی گستاخی برداشت نہیں کروں گا۔"

وارنر نے کہا۔ "میں فوجی اعتبار سے تمھارے برابر عہدہ رکھتا ہوں لیکن شیبا کے سلسلے میں جو خاص کمیٹی قائم کی گئی ہے، میں اس کا چیئرمین ہوں۔ لہٰذا اس اجلاس میں تم سے برتر ہوں۔ اگر تمھیں محترم ربّی سے اتنی ہی عقیدت ہے تو انھیں اپنے گھر لے جا کر سجدے کرتے رہو۔ ہم یہاں روحانی جذبوں کی بنیاد پر نہیں، ٹھوس حقائق کے پیشِ نظر فیصلے کرنے آئے ہیں۔ ابھی محترم ربّی نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ ڈمی ہے اور اس فوجی افسر کے دماغ تک نہیں پہنچ سکے گی۔ جب اس نے پہنچنا چاہا تو ان نامعلوم ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے شیبا کو دماغی جھٹکا پہنچایا مگر دوسری بار یہ کامیاب ہو گئی اور یہ ثابت کر دیا کہ یہی ہماری شیبا ہے۔ میں حاضرینِ اجلاس سے پوچھتا ہوں، کیا اب بھی کسی کو شبہ رہ گیا ہے؟"

اس بات پر سب کچھ نہ کچھ بولنے لگے۔ پتا چلا، ان میں کچھ تو اس اعلیٰ افسر وارنر اور شیبا کی حمایت میں تھے اور کچھ ربّی اسفندیار کی حمایت کر رہے تھے۔ شیبا نے کہا۔ "میں جا رہی ہوں۔ جب آپ لوگ کسی ایک فیصلے پر متفق ہو جائیں تو مجھے آگاہ کر دیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی۔ پھر دروازے کے پاس رک کر پلٹ گئی۔ ربّی اسفندیار کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "مجھے ہتھکڑی پہنانے کی حسرت آپ کے دل میں رہ گئی ہے۔ میں جانتی ہوں، یہ کانٹا آپ کو ہمیشہ چبھتا رہے گا۔ اگر آپ محبِ وطن ہیں، اگر آپ میں ذرا بھی غیرت ہے تو آپ اس لڑکی کی مخالفت چھوڑ دیں جو آپ کی قوم سے ہے۔ آپ کے مذہب سے ہے۔ ہم سب اسی ارضِ وطن کی خاک سے ہیں۔ آپ مجھ پر خاک اُڑانا چاہیں گے، یہ خاک آپ کے منہ پر پڑے گی اور آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔ میں نے کہا۔ "شیبا! تم اپنی خواب گاہ میں جا کر آرام کرو۔ ہم ابھی تمھارے پاس آئیں گے۔"

وہ خواب گاہ کی طرف جانے لگی۔ شیبا نے میرے دماغ میں آکر کہا۔ "اسے آرام کرنے دو اور یہ بتاؤ، یہ معجزہ کیسے ہو گیا۔ وہ گونگا فوجی افسر اچانک کیسے سننے بولنے لگا؟"

میں تو حیران رہ گیا تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے آمرود کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی، اس کے بھائی ایسی حماقت نہیں کر سکتے کہ گونگے فوجی افسر کو بولنے پر مجبور کریں اور شیبا کا پلڑا بھاری کر دیں۔

"فرہاد! میں نے خیال خوانی نہیں کی۔ تم نے نہیں کی۔ ہمارے دشمنوں نے نہیں کی۔ پھر یہ مزید ٹیلی پیتھی جاننے والا کہاں سے پیدا ہو گیا ہے یا ہو گئی ہے؟"

اس کی آخری بات سن کر میں چونک گیا۔ میں نے کہا۔ "ہاں، کچھ شبہ ہو رہا ہے۔ وہ پیدا ہو گیا ہے نہیں، ہو گئی ہے۔"

"وہ تعجب سے بولی۔ "کیا مطلب؟"

ذرا انتظار کرو۔ میں ابھی آکر بتاتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور جوجو کے پاس پہنچ گیا۔ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے اس کے پاس پہنچا تھا، وہ تنویمی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی سوچ سے پتا چلا تھا اس پر تنویمی عمل کیا گیا ہے اور ان تمام مشینوں سے گزارا گیا ہے جس کے بعد دوسروں کی تمام ذہنی صلاحیتیں اس میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے، ایک کم عمر بچّے کے دماغ میں کتنی معلومات اور کتنے علوم کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک بچّے کے دماغ میں زیادہ سے زیادہ معلومات بھر دی جائیں تو کیا وہ دماغ پھٹ نہ پڑے گا؟

یہی تجربہ ان تین بھائیوں نے کیا تھا۔ جوجو کم عمر نہیں تھی وہ جسمانی طور پر بالغ تھی اور ذہنی طور پر نابالغ۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ کند ذہن تھی۔ اسی لیے جسم کے ساتھ ذہانت پروان نہیں چڑھ سکی تھی۔ وہ نادان بچّوں جیسی حرکتیں کرتی تھی۔ اس لیے بھائیوں نے فیصلہ کیا ہو گا کہ جوجو کے دماغ میں تمام علوم کا ذخیرہ کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ پہلے کسی ایک علم کو اس کے دماغ میں منتقل کر کے دیکھا جائے کہ ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ انھوں نے تجربہ کرنے اور سمجھنے کے لیے ٹیلی پیتھی کے علم کا انتخاب کیا تھا اور اپنے ذہن سے اُن صلاحیتوں کو مشین کے ذریعے اس کے دماغ میں منتقل کر دیا تھا۔

میں پچھلی بار جوجو کے دماغ میں گیا۔ پھر واپس آگیا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ایسے وقت مداخلت نہیں کرنا چاہیے تھی، دماغ پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ میرے واپس آنے کے ایک گھنٹے بعد وہ نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔ اس نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر پایا۔ فوراً ہی سمجھ میں آگیا، یہ اس کی خواب گاہ ہے لیکن سونے سے پہلے وہ خواب گاہ میں نہیں تھی۔ اس کمرے میں تھی جسے اس کے بھائی آپریشن تھیٹر کہتے تھے اور جہاں عجیب و غریب قسم کی چھوٹی بڑی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ آہستگی سے اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ بدل گئی ہے ——— کچھ عجیب سا لگ رہا تھا ——— سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سامنے رکھی ہوئی ایک تپائی پر بڑا سا کارڈ نظر آرہا تھا۔ اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس نے جھک کر اس کارڈ کو اُٹھایا پھر پڑھنے لگی۔ اس پر آمرود نے لکھا تھا۔

"پیاری بہن! جب تک ہم واپس نہ آئیں، اس کمرے سے باہر نہ نکلو۔ آرام کرتی رہو۔ تم سونیا کی طرح ذہین اور چالاک بننا چاہتی تھیں، ہم بنا نہ سکے کیونکہ وہ کمبخت ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ بہرحال اب تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایک جگہ بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کی سیر کر سکو گی مگر ابھی خیال خوانی نہ کرنا۔ کسی کے دماغ میں نہ جانا۔ اگر تم کوئی الٹی سیدھی حرکت کرو گی تو ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ تم بہت اچھی بہن ہو۔ اپنے بھائیوں کی بات مانتی ہو۔

ویسے تم تنہا نہیں ہو۔ میں اپنے بیڈ روم میں ہوں۔ دروازہ اندر سے بند ہے۔ تم مداخلت نہ کرنا۔ میں خیال خوانی میں مصروف ہوں۔ اپنا کام ختم کرتے ہی تمھارے پاس آؤں گا۔ بستر کے سرہانے والی میز پر تمھارا پسندیدہ چاکلیٹ رکھا ہوا ہے۔ تم ٹی وی یا وڈیو گیم سے دل بہلاتی رہو۔ میں جلدی آؤں گا۔ فقط تمھارا بھائی آمرود۔"

اس نے کارڈ کو ایک طرف رکھا۔ پھر لپک کر سرہانے والی میز سے چاکلیٹ کو اٹھا لیا۔ خوش ہو کر اس کا ریپر اتارنے لگی۔ پھر بستر سے اتر کر ٹی وی کے پاس آئی اور اسے آن کر دیا۔ اسکرین پر ایک ڈرامے کا آخری منظر دکھایا جا رہا تھا۔ وہ صوفے پر اُچھل کر بیٹھ گئی۔ بڑی توجہ سے ڈرامائی منظر کو دیکھنے لگی۔ اس منظر میں ایک جوان مرد اور ایک نوجوان خوبصورت سی لڑکی تھی۔ ان کے مکالموں سے پتا چلا، وہ بھائی بہن ہیں۔ بھائی ایک ہاتھ میں رسّی پکڑے ہوئے بہن کی طرف بڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "میں مانتا ہوں، تم میری بہن ہو مگر دنیا میں رشتوں سے نہیں، دولت سے محبت ہوتی ہے۔ آج تم مر جاؤ گی تو تمھارے حصّے کی دولت اور جائداد مجھے مل جائے گی۔"

بہن خوفزدہ تھی۔ پیچھے ہٹ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "بھائی! مجھے نہ مارو۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی تمام جائداد اور دولت تمھیں دے دوں گی۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔"

بھائی نے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ پیچھے ایک دیوار سے جا کر ٹکرا گئی۔ اِدھر جوجو اُچھل کر صوفے پر اکڑوں بیٹھ گئی تھی۔ دونوں مٹھیوں کو بھینچ لیا تھا۔ غصّے سے بھائی کو دیکھ رہی تھی اور بڑبڑا رہی تھی۔ "کمینہ کیسا بھائی ہے۔ اپنی بہن کو مارتا ہے۔ میرے بھائی دیکھ لیں گے تو تجھے جان سے مار دیں گے۔"

اب ٹی وی کے اسکرین پر ظالم بھائی کا بڑا سا چہرہ نظر آرہا تھا۔ رسّی کے دونوں سروں کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بہن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بڑا خوفناک لگ رہا تھا۔ دانت پیستا جا رہا تھا اور کچھ کہتا بھی جا رہا تھا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ باتیں جوجو کے دماغ میں نقش ہو رہی تھیں بلکہ اس کا لب و لہجہ اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ اس کے اندر ایک تحریک پیدا ہو رہی تھی۔ وہ تحریک جو خیال خوانی کے لیے مجبور کرتی ہے۔ اس کے اندر یہی جذبہ بے اختیار پیدا ہو رہا تھا کہ وہ ابھی اُڑ کر جائے اور اس ظالم بھائی کا گلا دبوچ لے۔ اسے خوب مارے۔ مظلوم بہن کی طرف جانے کا موقع نہ دے۔

وہ صوفے سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مٹھیاں بھینچ کر اسکرین کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اے رُک جا۔ میں کہتی ہوں رُک جا۔ ورنہ ٹھیک نہیں ہو گا۔"

وہ ٹی وی کے بالکل قریب نہ جا سکی۔ ایک جگہ رُک گئی۔ اس کا دماغ سمجھا رہا تھا۔ ایسے نہیں بولنا چاہیے بلکہ اس بولنے والے کے لب و لہجے کو گرفت میں لینا چاہیے، اس بولنے والے کا تصور کرنا چاہیے۔

وہ یہی کرنے لگی۔ لب و لہجہ اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ اور وہ تصور میں نظر آرہا تھا .... پھر نظر آتے آتے یک بیک جوجو کو محسوس ہوا، وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اس نے فوراً ہی چیخ کر کہا۔ "تجھے شرم نہیں آتی۔ ایک کمزور لڑکی پر ظلم کرتا ہے۔ وہ کمزور لڑکی تیری بہن ہے۔ لعنت ہے تجھ پر۔"

ٹی وی پروگرام تو پہلے کا ریکارڈ کیا ہوا تھا جو اب اسکرین پر دکھایا جا رہا تھا لیکن بھائی کا اصل کردار کرنے والا اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ وہ یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دماغ میں جوجو کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ حیران

پریشان ہوکر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دماغ میں آواز آرہی تھی "تجھے شرم نہیں آتی۔ ایک کمزور لڑکی پر ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ وہ تیری بہن ہے۔ رک جا' میں کہتی ہوں رک جا۔"

اس نے "رک جا" زور سے چیخ کر کہا۔ اس شخص کا دماغ ہل کر رہ گیا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ فرش پر گر پڑا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر تڑپتے ہوئے کہنے لگا "یہ مجھے کیا ہوگیا ہے؟ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟"

اس کی بیوی ڈائننگ ٹیبل کے پاس سے اُٹھ کر دوڑتی ہوئی اس کے پاس آگئی تھی۔ کتنے ہی ملازم آکر اسے سنبھالتے ہوئے پوچھ رہے تھے کہ آخر اسے کیا ہوگیا ہے۔

جوجو خوش ہوکر قہقہے لگانے لگی۔ اسے اپنی جیت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے ایک مظلوم بہن کو ایک ظالم بھائی سے بچالیا ہے۔ ہنستے ہنستے اس کی نظر اسکرین پر گئی۔ تب اُسے ہوش آیا کہ ڈراما تو ویسے ہی چل رہا ہے۔ اس ظالم بھائی نے اپنی معصوم اور مظلوم بہن کو قتل کردیا تھا۔ پولیس والے آگئے تھے اور اب وہ بھاگتا پھر رہا تھا۔

تب وہ حیرانی سے سوچنے لگی "ابھی تو میں نے اسے سزا دی تھی۔ یہ پھر کیسے آگیا؟"

اس کے دماغ نے سمجھایا "یہ ڈراما ہے۔ ایک بار میرے بھائی نے بتایا تھا' یہ پہلے سے ریکارڈ کیا جاتا ہے اور جو کچھ ڈرامے میں ہوتا ہے' وہ حقیقت نہیں ہوتی۔ اسکرین پر نظر آنے والا ظالم' ظالم نہیں ہوتا' مظلوم' مظلوم نہیں ہوتا۔

وہ شعوری طور پر کوئی دانشمندانہ بات نہیں سوچ سکتی تھی۔ اس کے دماغ میں جو صلاحیتیں منتقل کی گئی تھیں، وہ صلاحیتیں اُسے بولنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ اسی طرح سوچتے ہوئے پھر اسی ظالم بھائی کے دماغ میں پہنچ گئی۔ وہ ایک بستر پر پڑا ہوا تھا۔ وحشت سے دیدے پھیلا کر چھت کی طرف تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا ابھی اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بھی یہی سوال کر رہی تھی۔ جوجو نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ میں نے غلط فہمی کی بنا پر تمہیں تکلیف پہنچائی ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں۔"

وہ شخص ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اپنی بیوی سے کہنے لگا "میرے دماغ میں پھر وہی آواز سنائی دے رہی ہے اور وہ آواز مجھ سے معافی مانگ رہی ہے۔"

جوجو کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ کیسے بتائے کہ وہ خود کہاں ہے اور کس طرح ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے دماغ میں بول رہی ہے۔ وہ ایسی بات وضاحت سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ اُسے یاد آگیا تھا۔ بھائی آرمرووڈ نے منع کیا تھا' نہ کمرے سے باہر جائے۔ نہ خیال خوانی کی کوشش کرے۔

وہ بھائی کی ہدایات کے متعلق سوچ رہی تھی۔ سوچتے سوچتے احساس ہوا کہ اب اس ظالم بھائی کا کردار کرنے والے کے دماغ میں نہیں ہے نہ اس کے گھر میں ہے بلکہ اپنے بیڈ روم میں کھڑی ہوئی ہے۔

اس نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا۔ اُسے عجیب سا لگا۔ ابھی کہیں تھی اور ابھی کہیں ہے۔ یہ تو بہت اچھا علم ہے۔ پہلے وہ ٹیلی پیتھی کے متعلق بہت کچھ سنتی رہتی تھی — مگر سمجھتی کم تھی۔ اب ذاتی طور پر سمجھنے کا موقع مل رہا تھا۔ بڑا لطف آرہا تھا۔ جی چاہتا تھا، بار بار خیال خوانی کرتی رہے۔ کبھی دوسرے کے دماغ میں جائے کبھی اپنے آپ میں رہے اور طرح طرح کے مناظر دیکھتی رہے اور طرح طرح کے تماشے دکھاتی رہے۔

وہ بستر پر آکر چاروں شانے چت ہوگئی۔ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ اگر وہ چپ چاپ خیال خوانی کرے گی تو کیا بھائی آرمرووڈ کو معلوم ہو جائے گا؟

بھائی کے متعلق سوچتے ہی اس کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آگیا۔ وہ واضح طور پر اسے دیکھ رہی تھی۔ بھائی کی آواز اور لب و لہجہ بھی اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے وہ بستر پر لیٹے ہی لیٹے بھائی کے پاس پہنچ رہی ہے بلکہ اس کے دماغ میں پہنچ چکی تھی۔

اس وقت آرمر خیال خوانی کے ذریعے تل ابیب میں تھا۔ ربی اسفندیار کی باتیں سن رہا تھا اور ربی کے چیلنج کے مطابق شیبا خیال خوانی کا ثبوت دینے میں ناکام ہو رہی تھی۔ وہ اپنے بھائی آرمرووڈ کے دماغ میں پہنچنے کے بعد تل ابیب کے اجلاس میں بھی پہنچ گئی تھی۔ وہاں ربی کو دیکھتے ہی یاد آیا کہ اب سے دس گھنٹے پہلے جب وہ پومی سے نجات پاکر اپنے بھائیوں کے پاس پہنچی تھی تو وہاں ربی ایک قدآور شخص کے ساتھ موجود تھا۔

اس کا بھائی آرمرووڈ پومی سے مار کھانے کے بعد بستر پر پڑا ہوا تھا۔ دوسرے کمرے میں ربی اسفندیار اسی شخص کے ساتھ تھا۔ ان کے قریب دونوں بھائیوں شارپرووڈ اور ہارپرووڈ کی آواز سنائی دے رہی تھی یعنی وہ دونوں بھائی ربی یا کسی اور کے سامنے نہیں آتے تھے۔ انھوں نے جوجو کو بھی سمجھا دیا تھا کہ آئندہ وہ بہن کے سامنے بھی نہیں آئیں گے۔ بہرحال' اس وقت وہ اجنبی شخص ربی کے ساتھ بیٹھا ہوا اسپیکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "جناب! میں سارا کام سمجھ گیا ہوں۔ ابھی ایک بجے والی فلائٹ سے محترم ربی کے ساتھ جا رہا ہوں۔ تل ابیب پہنچنے سے پہلے ہی گونگا بن جاؤں گا۔ کسی کو اپنی آواز نہیں سناؤں گا۔ تنہائی میں بھی کھانسنے اور کھنکارنے سے پرہیز کروں گا۔"

اسپیکر سے ہارپرووڈ کی آواز سنائی دی "یہاں سے نکلتے ی ایک لفظ زبان سے ادا نہ کرنا۔ کوئی غلطی کرنے سے پہلے سمجھ ینا' ہم دماغ میں موجود رہیں گے اور تمہیں بولنے کی اجازت نہیں یں گے۔"

جوجو اپنے بستر پر چاروں شانے چت لیٹی چھت کو تک ہی تھی اور پچھلی باتیں سوچتی جا رہی تھی۔ جب اس نے تل ابیب کے جلاس میں ربی کے ساتھ ایک گونگے افسر کو دیکھا تو فوراً اس کے ماغ نے کہا "یہ وہی شخص ہے جو اس کے بھائیوں کے سامنے و نگا بن کر رہنے کا وعدہ کرچکا تھا۔ میں تو اس کی آواز سن چکی ہوں۔ شاید مجھے یاد ہے کہ یہ کیسے بولتا ہے۔"

وہ چپ ہوکر سوچنے لگی۔ اس کے لب و لہجے کو یاد کرنے لگی۔ اگر ہم میں سے کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا کسی اجنبی کی آواز ایک بار سننے کے بعد اسے یاد کرنا چاہے تو اس کا لب و لہجہ یاد نہیں آئے گا کیونکہ وہ اجنبی ہمارے سامنے سے سرسری طور پر گزر گیا ہوگا۔ ہم نے اس کی آواز سنی ہوگی۔ اس کا لب و لہجہ بھی ہمارے دماغ تک پہنچا ہوگا مگر ہم نے توجہ نہیں دی ہوگی لیکن جوجو یاد کرسکتی تھی۔ کیونکہ ٹیلی پیتھی کا عمل بالکل نیا تھا۔ اب تک اس نے کسی اور کے لب و لہجے کو یاد نہیں کیا تھا۔ بہت سی باتیں' بہت سے ٹیلیفون نمبر' بہت سی آوازوں کے نت نئے انداز کو یاد رکھنا پڑتا ہے۔ یہ ساری باتیں آپس میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ جوجو نے ذہن پر زور ڈال کر یاد کیا تو اس اجنبی کا لہجہ من و عن یاد آگیا۔ وہ آواز' وہ لہجہ اس کے دماغ میں سرگوشی کرنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے اجنبی کی صورت گھومنے لگی۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا' جیسے سامنے ٹی وی کے اسکرین پر وہی اجنبی ہے اور بول رہا ہے۔ اپنی آواز' اپنا لہجہ سنا رہا ہے اور اس کے اندر تحریک پیدا کر رہا ہے کہ وہ بھی اس کی نقل کرے اور وہ بے اختیار نقل کرنے لگی۔ اس کی آواز اس کے لہجے میں بولتے بولتے محسوس ہوا کہ وہ اس کے دماغ میں پہنچ گئی ہے۔

وہ خوشی سے کھل گئی کیونکہ جگہ بدل گئی تھی۔ ابھی اپنے کمرے میں تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تل ابیب میں ہونے والے اجلاس میں پہنچ گئی تھی۔ وہ فوراً ہی سمجھ نہیں سکتی تھی کہ تل ابیب پہنچی ہے مگر جگہ اور ماحول بدل جانے سے خوش ہوگئی تھی جیسے دنیا بدل گئی ہو۔ نظارے بدل گئے ہوں۔ وہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے واقعی دنیا کی سیر کر رہی تھی اور دیکھ رہی تھی۔ وہاں ربی اسفندیار کھڑا ہوا ایک خوبصورت سی نوخیز لڑکی کو چیلنج کر رہا ہے۔ تمام افسران کے سامنے دعویٰ کر رہا ہے کہ یہ لڑکی اس فوجی افسر کے دماغ میں نہیں پہنچ سکے گی۔

جوجو چپ چاپ بیٹھی وہاں کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر اتنے سارے لوگ کیوں بیٹھے ہیں — کیا کر رہے ہیں اور اس بے چاری خوبصورت سی لڑکی کو کیوں پریشان کر رہے ہیں؟

اس وقت شیبا نے تمام افسران سے پوچھا "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میں اس افسر کے دماغ میں پہنچنا چاہوں گی تو یہ لوگ دوبارہ مجھے دماغی جھٹکا نہیں پہنچائیں گے؟"

اس طرح جوجو کو معلوم ہوا کہ اس بے چاری کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے دماغی جھٹکا پہنچایا گیا تھا۔ اس نے افسوس کرتے ہوئے سوچا۔ ہائے بے چاری' اتنی اچھی تو ہے۔ یہ داڑھی والا بڈھا اسے کیوں پریشان کر رہا ہے۔ کس نے اسے دماغی جھٹکا پہنچایا تھا؟

وہ شیبا کی آواز سننے کے بعد اس کی آواز اور لب و لہجے کو چپ چاپ دُہرانے لگی اور دُہراتے دُہراتے اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ اس وقت شیبا دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی "یا میرے مالک! ہماری عزت رکھ لے۔ ہم مکاروں سے مکاری کر رہے ہیں۔ ہماری نیت صاف ہے' ہم ان شیطانوں سے بچ کر رہنا چاہتے ہیں۔"

جوجو نے اس کی پوری بات نہیں سُنی۔ خود سوچنے لگی۔ یہ بے چاری شیطانوں سے بچ کر رہنا چاہتی ہے اور شیطانوں سے تو بچ کر رہنا چاہیے۔

جوجو کی عادت تھی' وہ دوسروں کی باتیں سُن کر اپنے طور پر تبصرے کرنے لگتی تھی۔ اس کے بعد جب وہ دوبارہ شیبا کی بات سُننے لگی تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے کہہ رہی تھی "میرے مالک! تُو ایسے وقت کام آتا ہے جب سب ناکام ہو جاتے ہیں۔ خدائی اسی کو کہتے ہیں جو کبھی ناکام نہیں ہوتی۔"

جوجو نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجاتے ہوئے کہا "ہائے کتنی اچھی بات بول رہی ہے۔"

اسے گونگے افسر پر بہت غصہ آیا۔ اس نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "وہ اپنے رب کو یاد کر رہی ہے۔ کتنی اچھی اچھی باتیں کر رہی ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی' گونگا بنا ہوا ہے۔ مانتی ہوں' میرے بھائیوں نے تجھے ایسا کرنے کے لیے کہا ہے مگر کوئی خدا سے بڑھ کر تو نہیں ہوتا۔ یہ بات میرے دل کو لگ گئی ہے۔ خدائی اسی کو کہتے ہیں جو کبھی ناکام نہیں ہوتی۔ چلو' بولنا شروع کردو۔

گونگے فوجی افسر نے پریشان ہوکر کن انکھیوں سے ربی کو دیکھا۔ پھر سوچنے لگا "یہ میرے اندر کیسی آواز آرہی ہے کیا شیبا پہنچ گئی ہے؟"

جوجو نے کہا "نہیں بولو گے تو میں گدگدی کروں گی۔ پھر تم ہنسنے لگو گے۔"

وہ گدگدی کی بات کرتے ہی خود ہنسنے لگی چونکہ اس کی سوچ ہنس رہی تھی، اس لیے وہ گونگا فوجی افسر بھی بے اختیار ہنسنے لگا۔

ہنستے ہنستے یاد آیا کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے اسے گولی مار دیں گے یا ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے ہلاک کردیں گے کیونکہ وہ ان کے منصوبے کے خلاف آواز سنانے جارہا تھا مگر وہ اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ بڑی بے بسی سے رونے کے انداز میں کہنے لگا "مجھے معاف کردو۔ خدا نے مجھے بولنے کے لیے زبان دی۔ میں گونگا بنا رہا۔ میں اب بولوں گا اور خوب بولوں گا۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائی مجھے معاف کردیں۔ میں اپنے بس میں نہیں ہوں۔"

جوجو خوش ہورہی تھی۔ اسے دل بہلانے اور خوش ہونے کے لیے اسے عجیب و غریب علم مل گیا تھا۔ اس کے ذریعے وہ جو چاہے کرسکتی تھی۔ اس نے سوچا "اگر میں اسے ناچنے گانے کے لیے کہوں گی تو وہ ایسا ضرور کرے گا۔" پھر دوسرے ہی لمحے وہ اسے ناچنے اور گانے پر مجبور کرنے لگی اور وہ ایسا کرتا چلا گیا۔

یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی تھوڑی دیر تک ہمارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دے گئی تھی۔ شیبا گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی۔ ہم اسے معجزہ ہی سمجھ رہے تھے اور دشمن سمجھ رہے تھے، ہم نے ٹیلی پیتھی کی کوئی ایسی ٹیکنک استعمال کی ہے جو ابھی ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے اس سمجھ میں نہ آنے والی ٹیکنک کو سمجھنے کے لیے گونگے افسر کے دماغ میں پہنچ گئے تھے معلوم کرنا چاہتے تھے، آخر کیا ہورہا ہے؟ یہ سب کچھ کیسے ہورہا ہے؟ وہ صرف بول نہیں رہا ہے بلکہ مضحکہ خیز حرکتیں بھی کررہا ہے۔ ناچتا گاتا جارہا ہے۔

آخر انکشاف ہو ہی گیا۔ اس کے دماغ میں جوجو تالیاں بجاتے ہوئے ہنس رہی تھی اور بولتی بھی جارہی تھی۔ بھائیوں کی کھوپڑیاں چکرا کر رہ گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بچکانہ ذہن رکھنے والی بہن ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرتے ہی یہ تماشے کرے گی۔ ان میں سے ایک بھائی نے ڈانٹ کر کہا "جوجو! یہ کیا حرکت ہے؟"

وہ یکبارگی دماغی طور پر بیڈ روم میں حاضر ہوگئی۔ حیران ہوکر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس کا بھائی آرمر اس کے دماغ میں اکثر اس سے باتیں کرتا تھا۔ اسے ٹیلی پیتھی کے متعلق بہت کچھ سمجھایا کرتا تھا لیکن وہ تینوں بھائی پیار و محبت سے بولتے تھے اس بار ڈانٹ کر پوچھا گیا تو وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پوچھنے لگی "کون ہو؟ تم کون ہو؟"

دماغ میں آواز آئی "ہم تمھارے بھائی ہیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں نہیں تم میرے بھائی نہیں ہو۔ میرے دشمن ہو۔ میرے بھائی کبھی اس لہجے میں نہیں بولتے۔ چلے جاؤ میرے دماغ سے چلے جاؤ۔ نہیں تو میں اپنے بھائیوں کو بلاؤں گی۔"

ان بھائیوں کا اتنا زبردست منصوبہ خلافِ توقع ناکام ہوگیا تھا۔ وہ جھنجلائے ہوئے تھے، اسی لیے جوجو کے دماغ میں اپنی اصلی آواز اور لب و لہجے کے ساتھ پہنچے تھے اور اس سے ڈانٹ کر سوال کیا تھا۔ اگر میں ایسے وقت جوجو کے دماغ میں ہوتا تو اسی وقت ان کے لب و لہجے کو گرفت میں لے لیتا۔

بہرحال ایک بات یقینی ہے۔ کوئی بھی شخص انسانی فطرت سے باہر نہیں ہوسکتا۔ جوش، جذبے یا غصے کی حالت میں بے اختیار اپنے ہی لہجے میں بول پڑتا ہے۔ ایک دن یہ دونوں بھائی میرے سامنے ضرور بولنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

وہ دونوں بھائی آرمر کے دماغ میں پہنچے۔ آرمر کے لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا "ہم جوجو کے دماغ میں تھے۔ بے اختیار اپنے لہجے میں بول پڑے تھے اور یہ ہمارے لیے اچھی علامت نہیں ہے۔"

آرمر نے پوچھا "تل ابیب کا اتنا اہم اجلاس چھوڑ کر جوجو کے پاس کیوں آئے ہو؟"

"ساری گڑبڑ ہماری بہن نے کی ہے۔ وہ شخص بے اختیار بول پڑا تھا۔ اس کے پیچھے جوجو کی شرارت ہے۔"

آرمر کو یقین نہیں آرہا تھا۔ انھوں نے کہا "جوجو ہماری بہن ہے، اس لیے ہم شرارت کا لفظ استعمال کررہے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو ہم اسے ذہنی اذیتیں دے دے کر مار ڈالتے۔"

"لیکن وہ گونگے افسر تک کیسے پہنچ گئی؟"

"تم سوالات ہم سے کررہے ہو جبکہ دوسرے کمرے میں جوجو موجود ہے۔ اس کے پاس جاؤ اور اسے سمجھاؤ، آئندہ ایسی حرکتیں نہ کرے۔"

آرمر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا "میں جارہا ہوں۔ تم بھی اس کے پاس آؤ۔ ہم اسے پیار سے سمجھائیں گے۔"

"ہم نہیں سمجھا سکتے۔ اس کے دماغ میں اپنا لب و لہجہ اختیار کریں گے تو ہمارے لیے خطرہ ہے اور جوجو کے لب و لہجے میں بولیں گے تو وہ کبھی یقین نہیں کرے گی کہ اس کے باقی دو بھائی بول رہے ہیں لہٰذا تم اکیلے ہی سمجھاؤ۔"

"مجھے پروگرام بتا کر جاؤ تم کیا کرنے جارہے ہو؟"

"آرمر! تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ ہم تمھارے دماغ میں آکر اپنا آئندہ پروگرام بتائیں؟ کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ شیبا اور فرہاد اس وقت تمھارے پاس موجود نہیں ہوں گے؟"

آرمر نے کہا "سوری! میں غلط بات کہہ گیا۔ دراصل موجودہ ناکامی نے الجھا کر رکھ دیا ہے۔"

ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ اپنے کمرے سے [نک]ل کر جوجو کے پاس جانے لگا۔ جب میں جوجو کے پاس پہنچا تو اس [و]قت آرمر اس سے باتیں کررہا تھا۔ اسے پیار محبت سے سمجھا رہا تھا۔ میں اس کے بچکانہ ذہن کو کرید رہا تھا۔ معلوم کررہا تھا کہ اس نے تل ابیب کے اجلاس میں کس طرح ڈراما پلے کیا تھا اور ہماری عزت رکھ لی تھی۔ سچ پوچھیے تو مجھے اس لڑکی پر بہت پیار آرہا تھا۔ اس نے میری حمایت نہیں کی تھی۔ وہ میری جانبدار نہیں تھی۔ فرہاد علی تیمور کے نام سے متاثر نہیں تھی۔ اس نے تو معصومانہ انداز میں ایک بچی کی طرح ہنستے کھیلتے یہ کام کیا تھا۔

آرمر نے اس کے ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکتے ہوئے کہا "میری بہن! تمھیں پتا ہے، ان حرکتوں سے تمھارے تینوں بھائیوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے؟"

وہ ایک ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے بولی "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ بے چاری پریشان تھی۔ اپنے رب سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ مجھ سے دیکھا نہ گیا، میں نے اس کی مدد کردی۔"

"مگر جوجو! دوست اور دشمن کو سمجھ کر مدد کرنا چاہیے۔"

"بھائی! ایک دن آپ ہی نے سمجھایا تھا، مدد کرتے وقت دوست اور دشمن کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ انسان بن کر انسان کے کام آنا چاہیے۔"

وہ اس بات پر گڑبڑا گیا۔ پھر بولا "ٹھیک ہے، میں نے یہ کہا تھا لیکن اب جن دشمنوں کا ذکر کررہا ہوں ان کے ساتھ کبھی انسانیت سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ کبھی ان سے دوستی نہیں کرنا چاہیے۔ کسی حال میں ان کی مدد نہیں کرنا چاہیے۔ آج کی بات اچھی طرح یاد کرلو۔ میں تمھیں دشمنوں کے نام بتا رہا ہوں۔ ان ناموں کو یاد رکھو جہاں بھی وہ ہمارے مقابلے میں نظر آئیں، ان کی بالکل حمایت نہ کرو۔"

میں آرمر کے دماغ میں پہنچ کر ہنسنے لگا۔ اس نے پریشان ہوکر پوچھا "کون ہے؟"

"فضول سا سوال ہے۔ وہی دشمن ہوسکتے ہیں جن کی حمایت سے بہن کو روک رہے ہو۔ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ تمھاری بہن کیسی ہے؟"

"بہت معصوم ہے۔ بہت پیاری ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔"

"پیاری اور خوبصورت لڑکیاں بہت ہوتی ہیں مگر ہماری دنیا میں اب معصوم نہیں رہے۔ یہ بالغ بچی جو نہایت معصوم ہے، صرف دوستی اور محبت کو سمجھتی ہے، دشمنی کو نہیں سمجھتی۔ کسی ٹی وی ڈرامے میں مظلوم لڑکی کو دیکھ کر اس کے لیے تڑپ جاتی ہے۔ شیبا کو پریشان دیکھ کر اس کے لیے بھی بے چین ہوگئی۔ اس کے دماغ کے کسی گوشے میں یہ بات نہیں تھی کہ شیبا دوست ہے یا دشمن۔ مسٹر آرمر! ہماری دنیا میں اتنے معصوم لوگ کہاں ہیں؟ اگر کوئی ہے تو اسے معصوم رہنے دو۔ کیوں ہماری دشمنی کے بیچ اسے گھسیٹ رہے ہو؟"

وہ ذرا چپ رہا۔ جواب میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اپنی بہن کو معصوم نہیں رہنے دے گا۔ جو کسی سے سچی اور گہری محبت کرتے ہیں، وہ ایسا کہہ نہیں سکتے۔ وہ تینوں بھائی جوجو کو اتنی ہی گہرائی سے اور اتنی ہی سچائی سے چاہتے تھے۔ میری بات آرمر کے دل کو لگی تھی۔ اسی لیے وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ جب کوئی جواب نہ دے سکا تو اس نے کہا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟ میرے دماغ سے جاؤ۔"

"تم پہلے سانس روک لیا کرتے تھے۔ اب کیوں نہیں روکتے؟"

"تم سے مطلب؟"

"بھئی! ہم خیال خوانی کرتے ہیں۔ ہمیں دیکھنا سمجھنا پڑتا ہے کس دماغ کے دروازے کھلے ہیں اور کس کے بند ہیں اور اگر کھل گئے ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے۔ میں بتاتا ہوں، تم شراب چھوڑ نہیں سکتے۔ آج کل زیادہ ہی پینے لگے ہو۔ ایسے میں سانس روکنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ تمھارے مقابلے میں تمھارے دونوں بھائی بہت محتاط اور مستقل مزاج ہیں۔ اسی لیے وہ تم تینوں سے یعنی تم سے، جوجو اور لیڈی روزینہ سے بھی چھپ کر رہتے ہیں، رازداری برتتے ہیں، اپنے اہم معاملات اور اہم منصوبوں میں تم لوگوں کو شریک نہیں کرتے۔ ویسے مانتا ہوں، تم پانچوں میں بڑی محبت، بڑا اتحاد ہے۔ میں اسی محبت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں، جوجو کو ان معاملات سے الگ رکھو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کبھی اسے دماغی طور پر یا جسمانی طور پر نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ وہ اتنی معصوم ہے کہ اس سے کوئی دشمنی کر ہی نہیں سکتا۔"

"فرہاد! مجھے نادان نہ سمجھو۔ تم چپ چاپ اس کے دماغ میں آتے رہو گے اور اس کی سوچ میں اسی کو بھڑکاتے رہو گے۔ اسے ہمارے خلاف کرتے رہو گے۔"

"تم یہی سمجھ رہے ہو تو میں تمھارا اعتماد حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ تمھاری بہن کے لیے میرے دل میں جو محبت اور خلوص ہے، وہ تمھارے دل میں نہیں ہے۔ اگر تم مجبور کرو گے تو میں دشمن بن کر اس معصوم کو تم لوگوں کے خلاف بھڑکاؤں گا۔ آؤ، دیکھتے ہیں کہ کس کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔"

وہ پریشان ہوکر بولا "نہیں فرہاد! میری جوجو کا ایک ہاتھ ہمارے ہاتھ میں ہوگا، دوسرا تمھارے ہاتھ میں اور ہم رسہ کشی کی طرح اسے اپنی اپنی طرف کھینچتے رہیں گے۔ یہ ذہنی انتشار میں مبتلا رہے گی۔ نہ معصوم رہے گی نہ چالاک، صرف پاگل کہلائے گی۔ میں

ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ یہ معصوم ہے، تاحیات معصوم رہے گی۔ ہم میں سے کوئی اسے اپنے معاملات میں شریک نہیں کرے گا۔"

وہ کچھ اور بھی کہتا مگر بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک شیبا کی گھبرائی ہوئی سی آواز سُنائی دی "فرہاد! جلدی آؤ۔ اب میری ڈمی نہیں رہی۔ کسی نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔"

میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے حیرانی سے پوچھا "کیا کہہ رہی ہو تم؟"

یہ کہتا ہوا میں شیبا کے دماغ میں پہنچا۔ شیبا گاٹمروائی کے دماغ میں تھی اور وہ اہم فوجی افسران کے ساتھ ڈمی شیبا کے بیڈ روم میں تھا۔ وہاں اس کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

ہم دن رات لاشیں دیکھتے رہتے ہیں مگر اس لڑکی کو مردہ حالت میں دیکھ کر بہت صدمہ ہوا۔ اس بے چاری نے بڑی خوبصورتی سے شیبا کا رول ادا کیا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ وہ بابا صاحب کے ادارے کی بہت ہی ذہین طالبہ تھی۔ اس سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔ وہ ظالم کون ہے جس نے ہماری گڑیا جیسی طالبہ کو ہم سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا؟

میں نے غصّے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ دانت پیسنے لگا۔ پھر پوچھا "شیبا! تم کہاں تھیں؟"

"میں اجلاس میں تھی۔ ہم نے ڈمی کو رخصت کر دیا تھا تاکہ وہ بیڈ روم میں جا کر آرام کرے۔ اس کے بعد تم یہ کہہ کر گئے کہ ابھی واپس آجاؤ گے۔"

میں نے کہا "میں جوجو کے پاس گیا تھا۔ اسی نے ہمیں اتنی بڑی مصیبت سے نکالا تھا۔ بہرحال تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ قتل کردی گئی ہے؟"

"میں نے تھوڑی دیر تمہارا انتظار کیا۔ اس اجلاس میں رہنا ضروری نہیں تھا۔ ہم جیت چکے تھے اور ربّی کی پوزیشن کمزور ہوگئی تھی۔ میں دماغی طور پر بابا صاحب کے ادارے میں حاضر ہونا چاہتی تھی۔ اس لیے سوچا، ڈمی سے ملاقات کرتی جاؤں۔ جب میں نے اس کی جانب خیال خوانی کی پرواز کی تو ناکام رہی۔ میں نے اس کی پرسنل سیکریٹری کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا وہ دوڑتی ہوئی آرہی تھی اور اس وقت اجلاس میں پہنچ گئی تھی۔ خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے کہہ رہی تھی: "مس شیبا کو کسی نے قتل کردیا ہے"

میں نے شیبا سے پوچھا "پرسنل سیکریٹری کو اس کے قتل کی اطلاع کیسے ملی؟"

"یہی سوال کتنے ہی افسران نے اس سے کیا، وہ کہتی ہے۔ "بیڈ روم کے باہر اپنے کام میں مصروف تھی۔ کسی نے اس کے دماغ میں آکر کہا۔ تمہاری مس چل بسی ہیں۔ کمرے میں جاؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

پرسنل سیکریٹری کو یقین نہیں آیا۔ وہ تھوڑی دیر تک اپنے سر کو تھام کر سوچتی رہی۔ پھر کام کرنے لگی۔ کسی نے پھر اس کے دماغ میں کہا "یہاں سے اٹھو اور اجلاس میں شریک ہونے والوں کو اس قتل کی اطلاع دو۔"

پھر پرسنل سیکریٹری کسی ارادے کے بغیر اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اُسے جبراً شیبا کے بیڈ روم میں لے جا رہا ہو۔ جب اس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔ حلق سے چیخ نکلی اور وہاں سے بھاگتی ہوئی اجلاس میں پہنچی۔

"اچھا تو کسی نے اس کے دماغ میں آکر اطلاع دی تھی۔ صاف ظاہر ہے ان دو بھائیوں میں سے کسی نے اسے قتل کیا ہے۔"

"تم تیسرے کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟"

"میں اتنی دیر تک تیسرے ہی کے پاس تھا۔ اس قتل میں اُس کا ہاتھ نہیں ہے۔"

اس ڈمی کے بیڈ روم میں ایسے کئی افراد تھے جن کے دماغ میں میں پہلے پہنچ چکا تھا۔ میں شیبا سے باتیں کر رہا تھا اور کسی نہ کسی افسر کے دماغ میں پہنچ کر اس کے ذریعے وہاں کا منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک افسر نے پلنگ کے سرہانے والی میز پر سے ایک کاغذ کو اُٹھایا۔ اس پر ڈمی نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔

"میں شیبا نہیں ہوں۔ پوری طرح ہوش و حواس میں رہ کر اعتراف کر رہی ہوں۔ میرا نام شیبا نہیں ہے نہ ہی میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔

میں نہیں جانتی میں کون ہوں۔ میرے ماں باپ کون تھے۔ یقیناً لاوارث ہوں، اس لیے بابا صاحب کے ادارے میں پرورش پاتی رہی۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ میرے ساتھ بابا صاحب کے ادارے میں جو نیکیاں کی گئیں، اس کے لیے ادارے کی ممنون ہوں لیکن جو برائیاں کی گئیں۔ اس کے لیے حرفِ شکایت زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔ یہاں آنے کے بعد کئی بار یہودی حکام کے سامنے اس ادارے کا پول کھولنا چاہا۔ میرا دل کہتا تھا کہ مجھے یہاں کے حکام پناہ دیں گے لیکن دماغ سمجھاتا تھا، ایسا ہرگز نہ کرنا۔ میں ڈمی شیبا ہوں اور اب تک یہاں کے لوگوں کو دھوکا دیتی رہی ہوں۔ یہ دھوکا برداشت نہیں کریں گے اور مجھے مار ڈالیں گے۔

مجھے اپنی زندگی سے بہت پیار ہے۔ میں مرنے سے ڈرتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک شیخ الفارس کے اشاروں پر ناچتی رہی۔ وہ میری ذہانت کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے مجھے شیبا کی ڈمی بنانا منظور کیا تھا لیکن میں نے انکار کیا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس اتنی نادان تو نہیں ہے کہ وہ کبھی میری اصلیت معلوم نہ کر سکے معلوم ہونے پر مجھے گولی مار دی جائے گی۔ میں یہاں آنا نہیں چاہتی تھی لیکن شیخ الفارس نے مجھے بابا صاحب کے ادارے کے ایک بہت ہی خفیہ ٹارچر چیمبر میں پہنچا دیا۔ وہ مجھ پر تنویمی عمل کرانا چاہتے تھے۔ اس عمل کے ذریعے شیبا کی تمام حرکات و سکنات کو میرے دماغ میں نقش کر دینا چاہتے تھے لیکن میں اتنی ضدی اور اتنی مستقل مزاج ہوں کہ تنویمی عمل کرنے والا بہ آسانی مجھے معمولہ نہیں بنا سکتا۔ اس لیے ٹارچر چیمبر میں پہنچا کر مجھ پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ میرے اعصاب کمزور بنائے گئے۔ اس کے بعد مجھ پر تنویمی عمل کیا گیا۔ میں مجبور ہوگئی۔ اپنا بچاؤ نہ کرسکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تنویمی نیند پوری کرنے کے بعد بیدار ہوئی تو خود کو بھولتی گئی۔ اپنے آپ کو شیبا سمجھتی رہی۔ پچھلے دو دن سے محسوس کر رہی ہوں کہ جو تنویمی عمل مجھ پر کیا گیا تھا، اس کا اثر زائل ہو رہا ہے اور میں اپنے آپ کو پہچاننے لگی ہوں۔

ابھی اجلاس میں جانے سے پہلے میں نے اصلی شیبا سے کہا تھا، مجھے آزاد کردو۔ مجھے یہاں سے جانے دو۔ میں تمہارا رول ادا نہیں کر سکوں گی۔

اس نے کہا، کچھ عرصہ اور یہاں رہو۔ میرا رول ادا کرتی رہو۔ اس کے بعد تمہیں پیرس بھیج دیا جائے گا۔

لیکن وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائی میرے دماغ میں آنے لگے تھے۔ بار بار دھمکی دے رہے تھے کہ میں اپنی اصلیت ظاہر کر دوں۔ یہودی حکام کو دھوکا نہ دوں ورنہ وہ میرا پول کھول دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ فرہاد اور شیبا کے ہاتھوں سے تو بچ جاؤں گی لیکن یہاں کے لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

ابھی چند منٹ پہلے میں اجلاس سے آئی ہوں۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے مجھے پریشان کر رہے ہیں کہہ رہے ہیں، وہ شیبا اور فرہاد کی طرح مجھے جان سے تو نہیں ماریں گے لیکن میرا چہرہ خراب کر دیں گے۔ میں بدصورت ہو جاؤں گی۔ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ زندگی بوجھ بن جائے گی۔

میں سخت ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں۔ آج مجھے زندگی سے پہلی بار نفرت ہو رہی ہے۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ اگر ایک فریق کی بات نہ مانوں تو وہ مجھے مار ڈالے۔ دوسرے فریق کی بات نہ مانوں تو وہ میری زندگی تباہ کردے۔ اس سے تو بہتر ہے مر ہی جاؤں۔ میری موت سے دوسری مظلوم لڑکیوں کو فائدہ پہنچے گا۔ میں اسرائیلی حکام سے دست بستہ عرض کرتی ہوں کہ میری موت کے بعد ان مظلوم لڑکیوں کو بابا صاحب کے ادارے سے نکالا جائے جو انتہائی بے بسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ وہ اتنی مجبور ہیں کہ فرانسیسی حکومت سے بھی شکایت نہیں کر سکتیں کیونکہ وہ حکومت بابا صاحب کے ادارے کی سرپرست ہے۔

بہت ہو چکا۔ اب مجھ پر زندگی کا ایک ایک لمحہ بھاری ہے لیکن جان دینے سے پہلے اتنا بتادوں کہ میں اس فوجی افسر کے دماغ میں پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ نہ ہی شیبا پہنچ سکتی تھی۔ یہ شیبا کی کوئی ایسی چال ہے جو میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے اور نہ ہی کوئی اور سمجھ پایا ہے لیکن میں بازی پلٹ رہی ہوں۔ میری موت سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میں فرہاد، شیبا اور بابا صاحب کے ادارے کا پول کھول کر جا رہی ہوں۔

میں پھر اس تحریر کے اختتام پر اعتراف کرتی ہوں کہ میں شیبا نہیں ہوں۔ مجھے خودکشی پر کسی نے مجبور نہیں کیا۔ میں اپنی خوشی سے جان دے رہی ہوں۔ فقط راقم الحروف۔ اسٹیلا جوزف۔"

تحریر ختم ہوگئی۔ میں اس افسر کے دماغ میں رہ کر اسے پڑھ رہا تھا۔ وہ بہت ہی نیک اور ذہین لڑکی تھی۔ بابا صاحب کے ادارے کے خلاف کچھ لکھ نہیں سکتی تھی اور آج تک ادارے کے خلاف کسی نے کچھ لکھا بھی نہیں تھا۔ اس کے کسی حصّے میں کوئی خفیہ ٹارچر چیمبر نہیں تھا جہاں کسی کو اذیت پہنچائی جائے۔ یہ سراسر الزامات تھے۔

آفیسر نے تحریر کو بلند کرتے ہوئے، دوسروں کو دکھاتے ہوئے کہا "یہ بہت اہم خط ہے۔ خودکشی کرنے والی نے بابا صاحب کے ادارے کا پول کھول دیا ہے۔ وہاں کی کچھ ڈھکی چھپی باتیں اس میں موجود ہیں۔ اس کے ذریعے ہم اس ادارے کے خلاف تحریک چلا سکتے ہیں۔"

اس نے وہ خط اپنے ایک جونیئر آفیسر کو دیتے ہوئے کہا "اسے پڑھ کر سناؤ۔"

وہ پڑھ کر سنانے لگا۔ میں ڈمی شیبا کی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے میں ایک خنجر دل کی جگہ پیوست تھا۔ اس بے چاری کے ساتھ کتنا ظلم ہوا تھا۔ ان دو بھائیوں میں سے کسی نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر وہ تحریر لکھوائی۔ اس کے بعد اسے وہ خنجر پکڑنے پر مجبور کیا اور اسی کے ہاتھوں اسے مار ڈالا۔

اس کا نام واقعی اسٹیلا جوزف تھا۔ وہ بابا صاحب کے ادارے میں ہر دلعزیز تھی۔ سب اسے چاہتے تھے۔ شیبا نے شیخ صاحب کو اس کے قتل کے متعلق بتا دیا تھا۔ ادارے کے تمام طلباء و طالبات کو جب یہ دل گداز خبر ملی ہوگی تو سب ہی صدمے

سے نچُور ہوگئے ہوں گے سب کے سر ماتمی انداز میں جھک گئے ہوں گے۔

اس خط کو سننے کے بعد ایک افسر نے کہا" یہ ثابت ہوگیا کہ شیخ الفارس نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ ڈمی شیبا ہمارے حوالے کی اور اصل کو چھپا رکھا ہے۔"

دوسرے افسر نے کہا" آپ یہ بات جتنی آسانی سے کہہ رہے ہیں، یہ اتنی آسان نہیں ہے۔ اس میں بڑی گہرائی اور پیچیدگی ہے۔ میرا دل کہتا ہے، یہ قتل ہونے والی ہماری شیبا تھی۔ اس نے بھرے اجلاس میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ثابت کر کے اس گونگے آفیسر کو بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

پہلے آفیسر نے کہا" یہ فرہاد کی چال تھی۔ اس قتل ہونے والی نے اس کے دماغ میں پہنچ کر اسے ہنسنے بولنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔"

دوسرے افسر نے پوچھا" کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس میں فرہاد کی چال تھی اور یہ اصلی شیبا نہیں تھی؟"

افسر نے وہ خط دکھاتے ہوئے کہا" اس کے ڈمی ہونے کا ثبوت یہ خط ہے۔"

" کیا کسی کے دماغ پر قابض ہو کر ایسے خط لکھائے نہیں جا سکتے؟ کیا اسے خودکشی پر مجبور کیا نہیں جا سکتا؟ جیسا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو چکا ہے۔"

ایک افسر نے اس دوسرے افسر کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا" مجھے تم پر شبہ ہو رہا ہے کہ تم فرہاد علی تیمور کے ایجنٹ ہو یا اصلی شیبا جو اب تک ہماری نظروں سے چھپا کر رکھی گئی ہے وہ تمھارے دماغ میں ہے اور تمھاری زبان سے بول رہی ہے۔"

کمانڈو وائی نے بے اختیار کہا" میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔ تم لوگوں نے ربّی اسفندیار کو واپس بلا کر اور تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو دوست بنا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب شیبا تمھیں نہیں ملے گی، ہم بھی اس کی جدائی کا صدمہ سہتے رہیں گے۔ شاید تم لوگوں کو اندازہ نہیں ہے، میں اس کی ہلاکت پر کس طرح غم اور غصے کو برداشت کر رہا ہوں۔ بہت جلد میری انتقامی کارروائی شروع ہونے والی ہے۔ میں تم سب کو سکون سے رہنے نہیں دوں گا۔ میں دیکھتا ہوں، وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے کس طرح تم لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں اور کس طرح شیبا کے قتل کا انتقام لینے سے مجھے روک سکتے ہیں۔"

میرے حمایتی افسر نے کہا" مسٹر فرہاد! آپ غصے میں ہم سے انتقام لیں گے لیکن یہ نہ بھولیں کہ ہم میں سے بیشتر آپ کے دوست ہیں اور اس معاملے میں آپ سے اتفاق کرتے ہیں کہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں کسی بھی موقع پر زبردست دھوکا دے سکتے ہیں، ہمیں ربّی اسفندیار کو واپس نہیں بلانا چاہیے تھا۔"

اس کی بات پر دوسرے افسران اختلاف کرنے لگے۔ اسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ میں نے کہا" میں تم لوگوں کی بحث میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ابھی شیبا کی موت کا صدمہ ہے۔ میں خاموش رہنا چاہتا ہوں، کسی گوشے میں وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد آ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کروں گا لیکن ایک بات سن لو۔ ان تینوں کا وار کامیاب رہا ہے۔ ان کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔ انھوں نے اس بہانے اصل شیبا کو ختم کر دیا ہے تاکہ ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں تمھاری حکومت ان تینوں کی محتاج رہے اور شیبا کبھی تمھارے کام نہ آ سکے۔ اس نکتے کو اپنے دماغ میں رکھو۔ غور کرو تو دشمنوں کی چال سمجھ میں آ جائے گی۔ خدا حافظ۔ پھر آؤں گا۔"

میں وہاں سے رخصت ہو کر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ بستر سے اتر کر فرش پر آیا۔ پھر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ ابھی میرے زخم بھرے نہیں تھے۔ میں جسمانی کمزوری محسوس کر رہا تھا لیکن اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سوچا" یہ ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائی ہمیں ایک معاملے میں الجھا کر دوسرے معاملات سے توجہ ہٹانا چاہتے ہوں گے۔ جانے اور کیسی چالیں چل رہے ہوں گے لہٰذا ماں نیلما داسی اور آنند کی خبر لینا چاہیے۔"

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ وہ ریڈ بالو کے باس کی ایک پرائیویٹ رہائش گاہ تھی۔ باس نے میرا بہت خیال کیا تھا اور بڑی توجہ سے علاج کرا رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا" جناب! بستر سے کیوں آ گئے۔ کال بیل کے ذریعے کسی کو بھی بلا سکتے تھے؟"

" میں مریض بن کر رہنا نہیں چاہتا۔ آپ یہ بتائیں آنند اور ماں جی کہاں ہیں؟"

" وہ ماں بیٹے شاپنگ کے لیے گئے ہیں۔ ایک آدھ گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔"

" میرا ڈرائیور محتاط رہے گا۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔"

میں ایک بڑی سی کھڑکی کے پاس آ کر آرام سے بیٹھ گیا۔ باس نے کہا" جناب! وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے عذاب جان بن گئے ہیں۔ آپ اور مادام سونیا جہاں بھی چھپ کر رہیں گے وہ دشمنوں کو آپ کے بدلتے ہوئے پتے ٹھکانے تک پہنچاتے رہیں گے۔"

میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا" بڑے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ دیکھا جائے تو مجھے اس کھڑکی کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے، دشمن جانے کہاں سے میری تاک میں ہوں گے۔"

" اس کی آپ فکر نہ کریں۔ کھڑکی پر بلٹ پروف پلاسٹک کور چڑھے ہوئے ہیں۔"

باہر دور تک شہر کا ایک حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے کہا" میں اوولٹین پینا چاہتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور سونیا کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔ اب سے تقریباً ڈھائی گھنٹے پہلے میں نے سونیا اور پوجی کو تنویمی عمل کے ذریعے اپنی معمولہ بنایا تھا اور یہ بات نقش کر دی تھی کہ وہ آئندہ اڑتالیس گھنٹے تک بہت حساس رہیں گی۔ ان کے دماغ میں کوئی بھی اجنبی سوچ کی لہر آئے تو وہ سانس روک لیا کریں گی۔

اگرچہ سونیا اور پوجی یوگا کی ماہر نہیں تھیں تاہم دشمنوں سے گھنٹوں لڑنے کی عادی تھیں۔ جو لوگ طویل جنگ لڑنے کے عادی ہوتے ہیں، وہ اپنی سانسوں پر قابو پانا جانتے ہیں۔ سونیا اور پوجی کم از کم ایک منٹ تک ضرور سانس روک سکتی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ دماغ پر دستک دیتے ہی سونیا نے سانس روک لی۔ پھر اس نے سانس لیتے ہوئے پوچھا" کون ہو تم؟"

" میں فرہاد بول...!"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس نے ڈانٹ کر کہا" یو شٹ اپ یو چیٹر! تھوڑی دیر پہلے بھی تم نے فرہاد بن کر مخاطب کیا تھا اور میں نے دھتکار دیا تھا۔ پھر بے شرم بن کر چلے آئے ہو۔ آئی سے گیٹ آؤٹ۔"

جتنی دیر وہ بولتی رہی، میں نے اتنی دیر میں معلوم کیا پوجی کار ڈرائیو کر رہی تھی اور وہ دونوں کہیں تنہا جا رہی تھیں۔ میں نے پوچھا" یہ تو بتا دو، اسپتال چھوڑنے کے بعد کہاں جا رہی ہو؟"

" میں جہاں بھی جاتی ہوں وہ جگہ تم لوگوں کے لیے جہنم بن جاتی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اب میرے دماغ میں نہیں آ سکو گے۔ میں سانس روک رہی ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے اس نے سانس روک لی۔ میں دماغ سے باہر نکل آیا۔ بڑی مشکل تھی۔ میں نے یہ حربہ دشمنوں کے لیے استعمال کیا تھا۔ وہ سونیا اور پوجی کے دماغ میں بے روک ٹوک آ کر ہمارے معمولوں کو معلوم نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی انھیں ٹریپ کر کے اِدھر سے اُدھر بھٹکا سکتے تھے جیسا کہ انھوں نے پوجی کے ساتھ کیا تھا اور اسے اسپتال پہنچا دیا تھا۔

اب دشمن تو کیا، میں خود ان سے دماغی رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی، اگر میں تنویمی عمل کے دوران کوڈ ورڈز مقرر کر لیتا اور ان کے دماغ میں یہ بات نقش کر دیتا کہ فلاں کوڈ ورڈز دُہرانے کے بعد وہ میرے فرہاد ہونے کا یقین کر لیں۔ تو آسانی سے ہمارے درمیان خفیہ گفتگو ہو سکتی تھی لیکن میں جلدی میں تھا۔ پریشان بھی تھا۔ اس لیے یہ نکتہ ذہن میں نہیں آیا۔

میرے لیے شیشے کے ایک چھوٹے سے مگ میں اوولٹین آ گئی۔ ملازم کے ساتھ باس بھی آیا تھا۔ میں نے کہا" سونیا اور پوجی اسپتال سے نکل گئی ہیں۔ کسی کار میں سفر کر رہی ہیں، پتا نہیں کہاں جانا چاہتی ہیں۔"

باس نے کہا" اس اسپتال میں دشمنوں کے ایجنٹ تھے انھوں نے مس پوجی کو ایسا انجکشن دیا تھا جس سے اعصاب کمزور ہو گئے تھے۔ اگر مادام اسے وہاں سے لے کر نکل چکی ہیں تو میں یقین سے کہتا ہوں، وہ میری رہائش گاہ کی طرف ضرور جائیں گی۔ میں انتظامات کرتا ہوں، میرے آدمی راستے میں کہیں نہ کہیں انھیں ٹریس کر لیں گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک شخص تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ پھر اس نے باس کو سلام کرتے ہوئے کہا" جناب! غضب ہو گیا۔ وہ ماں بیٹے کو لے گئے ہیں۔"

وہ باس کا وہی ڈرائیور تھا جو آنند اور ماں جی کو لے گیا تھا۔ باس نے ڈانٹ کر کہا" بات پوری کرو اور سلیقے سے کرو۔ ماں بیٹے کو کون لے گیا ہے؟ کیسے لے گیا ہے؟"

" میں کیا بتاؤں جناب! دو آدمی آئے، انھوں نے میری کنپٹی پر ریوالور رکھ دیا، ماں بیٹے کو چلنے کے لیے کہا۔ وہ ان کے ساتھ چلے گئے۔ اگر ذرا بھی انکار کرتے، میری مدد کرتے تو میں ہرگز جانے نہ دیتا۔ اپنی جان پر کھیل جاتا لیکن وہ ان سے ملے ہوئے تھے۔"

میں نے کہا" یہ نہیں ہو سکتا۔ ماں جی مجھے دھوکا دے کر اپنے بیٹے کو یہاں سے نہیں لے جائیں گی۔"

باس نے کہا" آپ کی ماں جی بہت پریشان تھیں۔ بار بار کہتی تھیں، ان کے بیٹے کو باپ کا نام ملنے والا ہے۔ انھیں جانا چاہیے لیکن میرا بیٹا فرہاد مجھے جانے سے روک رہا ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے آخر میں جانے کا ہی فیصلہ کر لیا ہو اور دشمنوں کے ساتھ راضی خوشی چلی گئی ہوں۔"

" میں ابھی ان کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر سکتا ہوں مگر اس سے پہلے میں ماں کے مقدس رشتے پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے کہتا ہوں، وہ مجھے دھوکا نہیں دیں گی۔ ان کمبختوں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے ماں بیٹے کو ٹریپ کیا ہے۔ آپ جائیں اور سونیا

اور پومی کا خیال کریں۔"

باس چلا گیا۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور ماں جی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے جس اعتماد کا اظہار کیا تھا، وہ درست تھا۔ جس وقت ڈرائیور کو ریوالور دکھا کر بے بس کیا گیا تھا، اس وقت آنند اور ماں جی کے دماغ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے قبضے میں تھے۔ اسی لیے انھوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور اس کار سے اتر کر دوسری کار میں بیٹھ گئے تھے۔ پھر وہ کار انھیں ایک فلائنگ کلب لے گئی تھی۔ وہاں سے وہ ایک ہیلی کاپٹر میں سفر کر رہے تھے۔ سفر کے دوران ان کے دماغوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا لیکن پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس ریوالور تھے۔ ماں جی کے دماغ کو آزاد کرنے سے پہلے کسی نے میرے لب و لہجے میں کہا تھا "ماں جی! میں آپ کا منہ بولا بیٹا فرہاد بول رہا ہوں۔"

انھوں نے خوش ہو کر کہا "بیٹے! یہ تم ہو؟ کیا ابھی میرے پاس آئے ہو؟"

"میں بہت دیر سے آپ کے دماغ پر قبضہ جمائے بیٹھا ہوں۔ آنند کے دماغ پر شیبا نے قبضہ جمایا ہوا تھا۔ ہم نے سوچا اس سے پہلے کہ سوامی جی اپنے ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ذریعے آپ کو اپنے پاس بلالیں، ہم آپ کو اپنے طور پر ٹریپ کر کے ان سے دور لے جا رہے ہیں۔"

"بیٹے! میں گھنٹا بھر پہلے تمھارے پاس تھی۔ تم مجھے جہاں جانے کو کہتے وہاں چلی جاتی۔ آخر یہ اتنا لمبا چکر کیوں چلایا ہے۔ کم از کم میرے بیٹے کی گردن سے ریوالور تو ہٹا دو۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میرے یہ آدمی گونگے رہیں گے اور کسی کی بات نہیں سنیں گے۔ موت آپ کے بیٹے کے قریب رہے گی۔ نیلما داسی! تم بہت بھولی ہو۔ ایک مسلمان کو بیٹا بنا کر تم نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سچ مچ بیٹا بن گیا؟"

"فرہاد! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم تو زبان کے دھنی ہو۔"

"میں صرف مسلمانوں کے لیے زبان کا پابند ہوں۔ کافروں کو کسی گنتی میں نہیں لاتا۔ چاہے وہ ماں بن کر ہی کیوں نہ آئے۔"

میرے دشمن نے ماں جی سے بڑی گھٹیا باتیں کی تھیں۔ ان کے دل میں میرے لیے نفرت پیدا کرنے کے لیے ماں بیٹے کے درمیان مذہب کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ میں نے مخاطب کیا "ماں جی! میں آپ کا بیٹا فرہاد بول رہا ہوں۔"

میری آواز دوبارہ سنتے ہی ان کی آنکھ سے آنسو نکل گئے۔ انھوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "فرہاد! تم کہاں ہو، میں نہیں جانتی۔ آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی ہوں۔ تمھیں دیوتا مان کر ہاتھ جوڑتے ہوئے التجا کرتی ہوں، میرے بیٹے کی گردن سے ریوالور ہٹا دو۔"

میں نے فوراً ہی خیال خوانی کے ذریعے ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو الگ کیا۔ ان کی گود میں رکھا۔ پھر کہا "آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ میری ماں ہیں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔"

انھوں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں، نہیں میں اور کوئی رشتہ رکھنا نہیں چاہتی۔ میری آنکھ کھل گئی ہے۔ ہمارے درمیان دھرم اور مذہب کی دیوار ہے۔ ہم کبھی ماں بیٹے نہیں بن سکتے۔ تمھیں ہمارے خلاف جو کرنا ہے کرو۔ مگر میرے بیٹے کی جان بخش دو۔"

"میں آپ کو یقین نہیں دلا سکتا کہ اب سے تھوڑی دیر پہلے جو بھی آپ کے دماغ میں بول رہا تھا، وہ دشمن تھا۔ میرے لب و لہجے میں اس نے آپ سے گھٹیا باتیں کی ہیں، مجھے شرم آ رہی ہے۔"

"فرہاد! اگر وہ تم نہیں تھے تو تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اس نے گھٹیا باتیں کی تھیں؟"

"آپ بھول رہی ہیں، میں خیال خوانی کے ذریعے چپ چاپ دماغ میں رہ کر پچھلی تمام ہونے والی باتیں معلوم کر سکتا ہوں۔ دشمنوں نے آپ کو ٹریپ کیا ہے۔ اب سوامی جی کے پاس لے جا رہے ہیں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم مجھے سوامی جی کے پاس نہیں، کہیں دور لے جا رہے ہو۔ میں اپنے شوہر سے کبھی نہیں مل سکوں گی اور اپنے بیٹے کو اس کے باپ کا نام نہیں دلا سکوں گی۔"

"تھوڑی دیر بعد آپ کو میری سچائی کا یقین آ جائے گا۔ یہ ہیلی کاپٹر آپ کو جہاں پہنچا رہا ہے، وہاں آپ کے بیٹے کی زندگی انتہائی خطرے میں ہوگی۔ میں وعدہ کرتا ہوں، جس زبان سے آپ کو ماں کہا ہے، اسی جذبے سے آنند کی حفاظت کروں گا۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ماں جی کو یقین دلانا خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ آنے والا وقت ہی ان کی آنکھیں کھول سکتا تھا۔ میں انھیں الزام بھی نہیں دے سکتا۔ وہ بے چاری ٹریپ کی گئی تھیں۔ ان کے دماغ پر قبضہ جمانے کے بعد دشمن نے ایسی چال چلی تھی کہ سبھی دھوکا کھا سکتے تھے۔ ایک ماں جی پر ہی کیا انحصار تھا۔

میں نے ماسک مین سے رابطہ قائم کیا۔ میری آواز سنتے ہی اس نے کہا "فرہاد صاحب! مجھے آپ کے حالات کا علم ہے۔ آپ زخموں سے چور ہیں۔ سب سے پہلے اپنی خیریت بتائیں۔"

"میں بخیریت ہوں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی ہے۔"

"ہاں، یہ مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ ان سے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"میں نے اسی لیے رابطہ قائم کیا ہے۔ میرا مشورہ ہے آپ ...یارک کے باس سے کسی بھی رابطے پر گفتگو نہ کریں۔ وہ ٹیلی پیتھی ...نے والے کسی طرح آپ کے دماغ تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ...ے، نیویارک کے موجودہ باس کو ریٹائر کر دوں اور اس کی جگہ ...سرا لے آؤں جو یوگا کا ماہر ہو۔"

"یہ بہتر ہوگا۔ آئندہ میں آپ سے رابطہ قائم کروں گا تو ...ے آپ کوڈ ورڈز دریافت کریں گے۔ میں اس کے جواب ...کھوں گا۔ فرہاد آن زیرو چینل۔"

"میں اسے یاد رکھوں گا۔"

"میرا دوسرا مشورہ ہے، دنیا کے جتنے ملکوں اور جتنے شہروں ...آپ کے باس اور ایجنٹ ہیں، آپ ان سے براہِ راست ...نہ کریں۔ آپ وہی احتیاطی تدابیر اختیار کریں جو آپ سے ...ماسک مین کرتا رہا ہے۔"

"میں یہی کروں گا۔"

"سونیا اور پومی بھٹک رہی ہیں۔ شاید ایک آدھ گھنٹے میں ...یارک کے باس تک پہنچیں گی۔ میں چاہتا ہوں آپ خفیہ ...یقے سے ایک چارٹرڈ طیارہ ان کے لیے ریزرو کرا دیں، تاکہ ...بخیریت بابا صاحب کے ادارے پہنچ سکیں۔"

"یہ ابھی ہو جائے گا۔"

میں نے رابطہ ختم کیا۔ پھر جناب شیخ صاحب کو مخاطب ...شیبا ان کے پاس موجود تھی۔ وہ اسے سمجھا رہے تھے کہ ...بیب میں آئندہ ربی اسفندیار اور ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے ...ف کس طرح محاذ بنایا جائے گا اور ہماری ڈمی شیبا اسٹیلا جوزف ...ل کا ردِ عمل کس طرح ظاہر کیا جائے گا۔

میرے مخاطب کرنے پر انھوں نے کہا "سونیا اور پومی ...برسائی۔ ان پر زیادہ توجہ دو۔ یہ ٹیلی پیتھی جاننے والے انھیں ...نا پہنچانے کی کوشش کریں گے۔"

"جناب! میں اس قدر مصروف رہا کہ ان کے متعلق کچھ بتا ... بہرحال اطمینان رکھیں، میں نے تنویمی عمل کے ذریعے ...ے دماغوں کو حساس بنا دیا ہے۔ ہمارے دشمن تو کیا، میں اور ...ی ان کے دماغوں میں پہنچ کر اپنی بات نہیں منوا سکیں گے۔"

"بیٹے! یہ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ اب وہ کہاں ہیں؟"

"...یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال جلد ہی پتا چل جائے ...نے ماسک مین سے کہہ دیا ہے۔ وہ انھیں ایک چارٹرڈ ...سے آپ کے پاس بھیجنے والا ہے۔ اگر سونیا یا پومی آپ سے رابطہ قائم کریں تو آپ انھیں چارٹرڈ طیارے کے متعلق بتا دیں۔"

شیبا سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا، وہ چونک گئی۔ پھر اس نے پوچھا "فرہاد! یہ تم ہو؟"

"میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اگر شبہ ہو تو جواباً خیال خوانی کی پرواز کر کے میرے پاس آ جایا کرو تاکہ پتا چلے، ہمارے درمیان کوئی دشمن تو نہیں ہے؟"

دوسرے ہی لمحے اس نے خیال خوانی کی پرواز کی پھر میرے دماغ میں پہنچ گئی۔ میں نے پوچھا "کس سوچ میں گم تھیں؟"

"کیا بتاؤں؟ اس مقتول شیبا کی جگہ خود کو دیکھ رہی تھی۔ خدایا، اگر میں سچ مچ تل ابیب جاتی تو میرا یہی انجام ہوتا۔"

"میں تمھاری سلامتی پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں مگر اسٹیلا کی موت پر بے حد افسوس ہو رہا ہے۔"

"میں دشمنوں سے بُری طرح انتقام لوں گی۔ ایک بار میں پھر تمھارا اور شیخ صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ تم لوگوں کی احسان مند ہوں۔ مجھے پھر ایک بار نئی زندگی مل رہی ہے۔"

"غیروں کی طرح باتیں نہ کرو۔ تم ہماری ہو، ہماری رہو گی۔ یہ ادارہ بھی تمھارا ہے، تمھارا رہے گا۔ کبھی ہمارے درمیان نہ اجنبیت ہوگی نہ شکوک و شبہات دلوں میں جگہ بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ دلوں کے بھید جاننے والا، دعا مانگنے سے پہلے ہی دعا قبول کر چکا ہے۔"

"میں ربی کے پاس جا رہی ہوں۔ شیخ صاحب نے اس کے دماغ کو کمزور بنانے کا مشورہ دیا ہے۔"

"تم جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد تمھارے پاس آؤں گا۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے شیخ صاحب کو مخاطب کر کے پوچھا "ادارے میں دشمنوں کے داخلے کو روکنے کے لیے کیا انتظامات کیے جا رہے ہیں؟"

"میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں کہ ان کی کوئی چال کامیاب

نہ ہو۔ مثلاً ہمارے ہاں جتنے یوگا کے ماہر ہیں' ان تمام طلبا اور طالبات کو ایسی ڈیوٹی پر لگایا گیا ہے' جہاں انھیں ادارے سے باہر والوں سے رابطہ قائم رکھنا پڑتا ہے۔ اس طرح انھیں اپنی آواز سنانا پڑتی ہیں۔ وہ دوسروں کی باتیں نوٹ کرتے ہیں۔ اب وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے انھیں ٹریپ کرنا چاہیں گے تو ناکام رہیں گے۔ اس ادارے میں داخل ہونے کے لیے جتنے گیٹ ہیں' وہاں یوگا کے ماہر افراد کا پہرہ رہے گا۔ باقی جو لوگ سانس روکنا نہیں جانتے' ابھی مشقیں کر رہے ہیں۔ انھیں احتیاطاً بات چیت سے منع کر دیا گیا ہے۔ وہ کچھ عرصے تک گونگوں کی بین الاقوامی زبان یعنی اشاروں کی زبان استعمال کرتے رہیں گے۔ میں نے بہت سی احتیاطی تدابیر کی ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔"

اسی وقت ادارے کا ایک طالب علم ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور اشارے کی زبان میں کہنے لگا۔ "نیویارک سے سونیا بات کرنا چاہتی ہے۔"

وہ فوراً اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے۔ وہاں سے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو، میں شیخ الفارس بول رہا ہوں۔"

سونیا کی آواز سنائی دی۔ "میں اور ریومی ایک بند کمرے میں ہیں۔ ابھی نیویارک کے باس کی پناہ میں ہیں۔ میں بہت رازداری سے بول رہی ہوں۔ میری آواز وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے نہیں سن سکتے۔ آپ ہمیں کسی طرح اپنے ہاں بلانے کا انتظام کریں۔"

"یہ انتظام ہو چکا ہے۔ ماسک مین نے تم لوگوں کے لیے ایک چارٹرڈ طیارے کا انتظام کیا ہے۔ اس میں چلی آؤ۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

میں نے شیخ صاحب سے کہا۔ "آپ انھیں بتا دیں' میں نے ان پر تنویمی عمل کیا ہے جس کا مزید چوالیس یا پینتالیس گھنٹے تک اثر رہے گا اور وہ کسی بھی پرائی سوچ کی لہروں کو فوراً محسوس کر لیا کریں گی۔"

شیخ صاحب نے سونیا کو یہ بات بتائی۔ اس نے کہا۔ "میں سمجھ رہی تھی' میرے اور ریومی کے ساتھ ضرور کچھ کیا گیا ہے' ہم اچانک ہی بہت زیادہ حساس ہو گئی ہیں مگر فرہاد نے ایک غلطی کی۔ ہمیں حساس بنایا مگر رابطے کے لیے کوڈ ورڈز مقرر نہیں کیے۔"

میں نے شیخ صاحب کی زبان سے کہا۔ "آئندہ تنویمی عمل کیا جائے گا تو کوڈ ورڈز مقرر ہو جائیں گے۔ فی الحال تم دونوں یہاں چلی آؤ۔"

انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے' وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے سونیا اور ریومی کی مصروفیات کو نہیں سمجھ پائیں گے۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو گا کہ وہ پیرس جا رہی ہیں۔"

انھوں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہر طرح احتیاط برتی گئی ہے۔ کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا گیا ہے جس کے ذریعے دشمن' سونیا اور ریومی کے سفر کے متعلق کچھ معلوم کر سکیں۔ راستے میں ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔"

تھوڑی دیر بعد میں نے پھر ماسک مین کو مخاطب کیا۔ اس نے کوڈ ورڈ پوچھا۔ میں نے کہا۔ "فرہاد آن زیرو چینل۔"

اس نے مطمئن ہو کر بتایا ——— "میں نے چارٹرڈ طیارے کا انتظام کر دیا ہے۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ سونیا اور ریومی اس میں سفر کرنے کے لیے راضی ہیں۔"

"ان کی حفاظت کا کیا انتظام ہے؟"

"میرا ایک خاص آدمی ان کے ساتھ سفر کرے گا۔ وہ یوگا کا ماہر ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

"مجھے اس کی آواز سنائیے تاکہ میں وقتاً فوقتاً اس طیارے میں موجود رہ کر ان دونوں کی حفاظت کر سکوں۔"

ماسک مین نے اس خاص ماتحت سے رابطہ قائم کیا' اسے بتایا کہ فرہاد صاحب اس کے دماغ میں موجود رہیں گے اور سفر کے دوران اس سے رابطہ قائم کرتے رہیں گے۔

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "فرہاد صاحب مجھ سے رابطہ قائم کریں گے تو میری عزت افزائی ہوگی۔"

میں اس کی آواز سن کر اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اسے مخاطب کیا۔ وہ ایک دم سے اٹینشن ہو کر سلام کرتے ہوئے بولا۔ "غلام حاضر ہے۔ حکم دیجیے۔"

"میں صرف رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے متعارف ہو چکے ہیں' پھر کسی وقت رابطہ قائم کروں گا۔"

میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ سر اٹھا کر دیکھا' ملازم کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "جناب اوولٹین ٹھنڈی ہو چکی ہے۔"

"پھر گرم کر کے لے آؤ۔"

وہ اسے لے گیا۔ میں سر جھکا کر حساب کرنے لگا کہ میں نے اور شیبا نے کہاں کہاں احتیاطی تدابیر کے ذریعے اپنے تمام لوگوں کو محفوظ رکھنے کی کوششیں کی ہیں۔ ہمارے نئے دشمن اور دشمنی کے نئے انداز اختیار کر رہے تھے۔ ہم بھی دشمنی کے دھندوں میں تبدیلیاں لے آئے تھے۔ پہلے ہم احتیاطی تدابیر پر دھیان نہیں دیتے تھے۔ جب بھی کوئی حملہ ہوتا' کوئی رکاوٹ ہوتی تو اس وقت اس کا حل تلاش کر لیتے تھے کیونکہ ہمارے پاس ٹیلی پیتھی جیسا زبردست ہتھیار تھا جو فوراً ہی کارگر ثابت ہوتا تھا۔ اب یہ ہتھیار دشمنوں کے پاس بھی تھا۔ لہٰذا قبل از وقت احتیاطی تدابیر لازمی ہو گئی تھیں۔

اپنی پہلی تدبیر کے مطابق میں نے سونیا اور ریومی کو دشمنوں کی خیال خوانی سے محفوظ کر دیا تھا۔

دوسری تدابیر کے مطابق میں نے اور شیبا نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس کے دماغ میں میری آواز سنائی دے یا میرے دماغ میں اس کی آواز سنائی دے تو تصدیق کرنے کے لیے خیال خوانی کے ذریعے ایک دوسرے کے دماغ میں پہنچ جائیں تاکہ معلوم ہو سکے' ہمارے درمیان تو دشمن نہیں ہیں۔

تیسری احتیاطی تدبیر کے مطابق میں نے ماسک مین کے لیے کوڈ ورڈز مقرر کر دیے تھے' تاکہ وہ دشمنوں سے دھوکا نہ کھائے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں ٹیپر ماسٹر کے دماغ میں پہنچ کر اس کے لیے بھی دوسرا کوڈ ورڈز مقرر کر دیتا لیکن میں نے اس کے سامنے ابھی تک اپنی خیال خوانی ظاہر نہیں کی تھی۔ اسے دھوکے میں رکھا تھا۔ جن دنوں میں زیر زمین دنیا میں تھا اور آرمر کے زیر اثر تھا' اس وقت ان لوگوں نے میرے دماغ سے بڑی اہم معلومات حاصل کی تھیں جن میں ایک معلومات ٹیپر ماسٹر کے متعلق تھی۔ وہ کمبخت تینوں بھائی اس کے دماغ تک پہنچ چکے ہوں گے اور چپ چاپ اس کے اہم راز معلوم کر رہے ہوں گے۔

بہر حال جناب شیخ الفارس بھی دشمنوں کی ٹیلی پیتھی سے ادارے کو محفوظ رکھنے کے لیے احتیاطی تدابیر پر بڑی کامیابی سے عمل کر رہے تھے۔ اب آنند اور رماں جی کا مسئلہ رہ گیا تھا۔ میرے بس میں ہوتا تو میں ان دونوں پر تنویمی عمل کر کے ان کے دماغ کو حساس بنا دیتا لیکن محض حساس بنا دینے سے بات نہیں بنتی۔ وہ نہ تو یوگا کے ماہر تھے اور نہ ہی ایسے فائٹر تھے جو سانسوں کو قابو میں رکھتے ہیں' اگر وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کر کے سانس روکنا چاہتے تو کبھی نہ روک پاتے لہٰذا ان پر تنویمی عمل بیکار ہی ہوتا۔

وہ ہیلی کاپٹر ایک پہاڑی کی ہموار سطح پر اتر رہا تھا۔ آنند کی گردن سے ریوالور ہٹا لیا گیا تھا لیکن وہ دونوں گم صم تھے۔ ان کے دماغوں پر دشمنوں نے قبضہ جمایا ہوا تھا۔ میں نے ماں جی کو مخاطب کیا۔ "آپ اس ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد اپنے سوامی جی کے درشن کر سکیں گی۔"

وہ چپ رہیں۔ میں نے کہا۔ "میں جانتا ہوں' آپ کے اور آنند کے دماغوں پر دشمنوں نے قبضہ جما رکھا ہے' اسی لیے آنند ریوالور کی زد پر نہیں ہے۔"

وہ میری حمایت میں یا مخالفت میں نہیں بول سکتی تھیں۔ جس نے دماغ کو قبضے میں کر رکھا تھا وہ بولنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میں چاہتا تو مجبور کر سکتا تھا۔ فی الحال یہ ضروری نہیں تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا' یہ لوگ ماں بیٹے کو کہاں لے جا رہے ہیں اور ان سے کیا چاہتے ہیں؟

ایک بہت بڑی عمارت کے سامنے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر وہ ہیلی کاپٹر اتر گیا۔ گردش کرتا ہوا پنکھا تھمنے لگا' ایک کار عمارت کے احاطے سے نکل کر ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ آنند اور ماں جی کو اس میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی اور انھیں عمارت کی طرف لے جانے لگا۔ اب ان کے پاس کوئی نہیں تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ اس ویرانے سے کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے تھے۔

میں ہیرا سوامی کے پاس پہنچ گیا۔ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے اپنے آلہ کار کے ذریعے ہیرا سوامی کے کھانے میں کوئی ایسی دوا ملا دی تھی جس کے باعث وہ اکثر کھانسنے لگتا تھا۔ سانس پھولنے لگتی تھی۔ ایسی حالت میں وہ سانس روک نہیں سکتا تھا۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے جب چاہتے تھے' اس کے دماغ میں پہنچ جاتے تھے۔ ان کے اس طریقۂ کار سے مجھے فائدہ پہنچ رہا تھا۔ اسی لیے میں بہ آسانی اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔

وہ اس عمارت کے ایک کمرے میں ماں بیٹے کا انتظار کر رہا تھا۔ کھڑکی کے پاس کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جب کار قریب آ کر رک گئی تو وہ پلٹ کر ایک شاہانہ طرز کی کرسی کے پاس آیا اور اس پر

ایک فاتح کی شان سے بیٹھ گیا۔ ماں جی اپنے بیٹے کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسی کمرے میں داخل ہوئیں۔ میں نے پھر ان کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ بے چاری ابھی تک اپنے آپ میں نہیں تھیں، نہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ کہاں لے جائی جا رہی ہیں اور اب کس طرح اپنے سوامی کے پاس پہنچ گئی ہیں لیکن وہ کچھ بولنے کے اختیار میں نہیں تھیں۔ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے اچانک ہی ان کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ چونک کر سوامی کو دیکھنے لگیں، ہیرا سوامی نے ہنستے ہوئے کہا "نیلما! عورت ایک گائے ہوتی ہے۔ وہ رسّے اور کھونٹے سے بندھی ہوتی ہے۔ کبھی رسّہ تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتی ہے مگر رسّے کی لمبائی تک پہنچ کر جھٹکا کھاتی ہے اور واپس کھونٹے کی طرف آجاتی ہے۔ تم بھی اسی طرح آگئی ہو۔"

ماں جی نے کہا "میں تمہاری مکاریوں کو بیس برسوں سے دیکھتی آرہی ہوں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ میں نے اپنے بیٹے فرہاد پر شبہ کیا۔ اس نے پیشگوئی کی تھی کہ تمہارے درشن ہوں گے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "درشن ہو رہے ہیں۔ آگے بڑھو اور میرے پاؤں کو چھو کر میرے قدموں کی مٹی کو اپنی مانگ میں سجالو۔"

"میں آج تمہارے سامنے بہت اہم اور آخری فیصلہ کر رہی ہوں۔ اگر واقعی تم نے میرے بیٹے کو باپ کا نام دینے کے لیے بلایا ہے تو میں ساری زندگی تمہارے قدموں سے سر نہیں اٹھاؤں گی۔ تمہیں دیوتا مان کر پوجتی رہوں گی، اگر تم نے کوئی چال چلی ہے تو یاد رکھو، آج سے میں تمہاری بدترین دشمن بن جاؤں گی۔"

اس نے ناگواری سے دیکھا۔ پھر حقارت سے تھوکتے ہوئے کہا "دشمن؟ تو کب میری دشمن نہیں تھی۔ میرے کروڑوں روپے کے ہیرے چھپا لیے۔ مجھے اس چھوکرے کے حوالے سے بدنام کرنا چاہتی ہے۔ اب تیری ساری چالاکیاں ختم ہوگئی ہیں۔ میں ابھی تیری آنکھوں کے سامنے تیرے بیٹے کو اذیتیں دے دے کر ماروں گا۔ تو چیختی چلاتی رہے گی۔ کوئی تیری مدد کو نہیں آئے گا۔ تو اپنے بناسپتی بیٹے فرہاد کو بھول جا۔"

"کیا میرے بیٹے کو مارنے کے بعد تم ان ہیروں تک پہنچ جاؤ گے؟"

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے قریب آتے ہوئے بولا "پاگل کی بچی! کیا تجھے یہ نہیں معلوم کہ میرے پاس تین تین ٹیلی پیتھی جاننے والے ہیں۔ انھوں نے بڑی خاموشی سے تیرے دماغ میں رہ کر سارے راز معلوم کرلیے ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ تو نے وہ ہیرے کہاں چھپا کر رکھے ہیں۔ میں بڑی آسانی سے شادی کے کاغذات بھی حاصل کرکے جلا سکتا ہوں۔ اس کے بعد تیرے میرے تعلقات کا کوئی ثبوت نہیں رہے گا۔ نہ تیرا پتی ہوگا نہ یہ بیٹا ہوگا۔ تو پاگلوں کی طرح چیختی چلاتی، اپنے بالوں کو نوچتی، کپڑوں کو پھاڑتی ہوئی پاگل خانے پہنچ جائے گی۔"

ماں جی نے بے یقینی سے کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ شادی کے کاغذات اور ان ہیروں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔"

وہ ہنستا ہوا پھر کرسی کے پاس گیا۔ اس پر ہاتھ ٹیکتے ہوئے بولا "وہ ہیرے ہندوستان میں ہیں۔"

ماں جی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا "اور کچھ سنو گی؟ ان کے لیے مجھے جنوبی ہند تک سفر کرنا ہوگا اور اجنتا کے غاروں میں پہنچنا ہوگا۔"

ماں جی ایک دم سے پریشان ہوگئیں۔ وہ تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "اجنتا پہاڑی کے پچھم میں ایک شیو جی کا مندر ہے۔ تم نے اس مندر کی تعمیر میں بڑی دولت خرچ کی ہے۔ وہاں کا پجاری اور وہاں کا دوسرا اسٹاف سب تمہارے اشاروں پر چلتے ہیں۔ خصوصاً پجاری تمہارا رازدار ہے۔"

ماں جی نے شکست خوردہ انداز میں کہا "میں سمجھ گئی۔ ان کمبخت ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے میرے دماغ سے یہ راز چرا لیا ہے اور تم تک پہنچا دیا ہے۔"

"ہاں، مگر ایک بات مانتا ہوں۔ تم اوپر سے جتنی سیدھی نظر آتی ہو، اندر سے اتنی ہی مکار ہو۔ تم نے ان ہیروں کو عجیب ڈھنگ سے چھپایا ہے۔ چوری کرنے والا انھیں یک وقت چرا کر لے جا نہیں سکتا۔ مندر کے جس استھان میں مہادیو کی مورتی رقص کے انداز میں ہے، وہاں کی چار دیواری میں ہیرے چھپے ہوئے ہیں۔ ہر دیوار میں تھوڑے تھوڑے ہیرے چن دیے گئے ہیں۔ یہ کام تم نے اپنی موجودگی میں بڑی رازداری سے کرایا ہے۔"

ہندوستان میں قیمتی ہیرے جواہرات کو چھپانے کا یہ پرانا دستور چلا آرہا ہے۔ محمود غزنوی نے جب سومنات مندر کے بتوں کو توڑا تو اس کے اندر سے بیش بہا خزانہ برآمد ہوا تھا۔ صدیوں سے مورتیوں کے اندر یا مندر کے تہ خانوں میں خزانہ چھپانے کی روایت چلی آرہی تھی لیکن ماں نیلما داسی نے یہ نیا طریقہ اختیار کیا تھا۔ مندر کی دیواروں میں بیش قیمت ہیرے چنوا دیے تھے۔ ہر دیوار کی چوڑائی تین فٹ تھی اور وہ ہیرے ڈیڑھ فٹ کی گہرائی میں چنے گئے تھے۔

ماں جی نے کہا "مجھے دکھ ہو رہا ہے، تم اس خفیہ جگہ تک پہنچ گئے ہو مگر وہاں سے ہیرے نکال لانا آسان نہیں ہوگا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "بہت آسان ہے۔ وہ مندر تم نے

بنوایا ہے۔ میں اس کے حقوق تم ہی سے حاصل کروں گا۔ تم یہ تحریری اجازت دو گی کہ تمہارے پتی ہیرا سوامی مندر کی ان دیواروں پر نقش و نگار بنوانے کے لیے اسے کچھ توڑنا چاہتے ہیں، کچھ مرمت کرانا چاہتے ہیں۔ بس اتنی ہی اجازت کافی ہوگی۔ ہم اس میں نقش و نگار بنانے کے بہانے ڈرل مشین کے ذریعے جگہ جگہ ڈیڑھ فٹ تک سوراخ کرتے جائیں گے اور ہیروں کو تلاش کرتے جائیں گے۔"

"میں تمہیں کبھی اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ اس سلسلے میں کوئی تحریر نہیں دوں گی۔"

"تم سے مانگتا کون ہے اور کون تمہاری خوشامد کرتا ہے۔ بھگوان بھلا کرے میرے دوستوں کا۔ وہ تمہارے دماغ پر قابض ہو کر خود ہی اپنے مطلب کی باتیں لکھوا لیں گے۔"

ماں جی نے پریشان ہو کر سوچ کے ذریعے مجھے مخاطب کیا۔ "فرہاد! کیا تم موجود ہو۔ کیا یہ باتیں سن رہے ہو؟"

"میں بھی سن رہا ہوں اور ہمارے دشمن بھی سن رہے ہیں۔"

"کیا یہ مجھ سے زبردستی اجازت نامہ حاصل کریں گے؟ کیا یہ سچ مچ اس خزانے تک پہنچ جائیں گے؟"

"آپ ان کی باتیں سنتی جائیں اور اس سلسلے میں سوالات کرتی رہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، آخر یہ اپنے نئے دوستوں کے ساتھ مل کر آپ کو کس حد تک نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔"

ماں جی کو حوصلہ ہوا۔ انھوں نے پوچھا "ان شادی کے کاغذات کے متعلق کیا خیال ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا "جب میں کروڑوں روپے کے ہیروں تک پہنچ سکتا ہوں تو کاغذ تک پہنچنا کون سی بڑی بات ہے۔ سننا ہی چاہتی ہو تو سنو۔ اس مندر کے پجاری کا نام رام موتی ہے اور وہ اہم کاغذات اسی کے گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔"

"تم نے معلومات حاصل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سبھی کچھ معلوم ہوگیا۔ پھر مجھے اور میرے بیٹے کو کیوں بلایا ہے؟"

"اس لیے کہ مجھے تم دونوں کی ضرورت نہیں رہی ہے۔"

آنند نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے ہیرا سوامی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ تمہیں ضرورت نہ ہو مگر میری کوئی ماں نہیں ہے۔ اس لیے مجھے ماں کی ضرورت ہے اور ماں کے رشتے سے چھوٹے بھائی کی بھی ضرورت ہے۔ تم اور تمہارے ٹیلی پیتھی جاننے والے اس خوش فہمی کو دماغ سے نکال دیں کہ انھیں کس طرح کا نقصان پہنچا سکو گے اور اہم کاغذات اور ہیروں تک پہنچ سکو گے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ اپنے دوستوں سے کہہ دو، وہ اپنی تمام صلاحیتیں آزما کر دیکھ لیں۔"

ہیرا سوامی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ میں نے فوراً اس کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ اپنے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوستوں سے پوچھ رہا تھا: مجھے فرہاد کو کیا جواب دینا چاہیے؟"

اسے اپنے دماغ میں اپنی ہی آواز اور اپنے ہی لب و لہجے میں جواب سنائی دیا: "ہیرا سوامی! ہم نے وعدہ کیا تھا، تمھیں ان کاغذات اور ہیروں کا پتا ٹھکانا بتا دیں گے۔ وہ کام ہم نے کر دیا۔ پھر تم نے کہا آنند اور نیلما داسی کو تمھارے پاس پہنچایا جائے۔ یہ دونوں تمھارے سامنے کھڑے ہیں۔ اب کیا چاہتے ہو؟"

"ہیرا سوامی نے کہا: "تم نے ایک اور وعدہ کیا تھا کہ راستے کی رکاوٹیں دُور کرتے جاؤ گے۔"

"یہ وعدہ اس شرط پر تھا کہ آدھے ہیرے ہم لے جاؤں گا۔ بولو منظور ہے؟"

وہ 'نہیں' کے انداز میں جلدی جلدی سر ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ "آدھے ہیرے بہت ہوتے ہیں۔ پلیز! میں تمھیں ایک دوں گا۔ وہ بہت قیمتی ہوگا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اس نے خود اپنے منہ پر زور کا طمانچہ مارا۔ اس کے بعد اس کی اپنی سوچ سنائی دی: "یہ تم نے خود کو نہیں مارا۔ میں نے مارا ہے۔ اس لیے کہ مجھے بھکاری سمجھ کر ایک ہیرا دینا چاہتے ہو۔ لعنت ہے تم پر، تم اپنے معاملات سے نمٹتے رہو۔"

وہ سہم کر جلدی سے بولا: "نہیں، نہیں۔ میرے بھائی! رک جاؤ۔ میرے باپ! تم چلے جاؤ گے تو فرہاد مجھے مار ڈالے گا۔"

اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ سہمے ہوئے انداز میں چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھنے لگا جیسے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوستوں کو تلاش کر رہا ہو۔ میں نے کہا: "انسان جب بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اپنی ساکھ بنائے رکھنے کے لیے شیطان کا سہارا لیتا ہے۔ اسی کے اشاروں پر چلتا ہے۔ پھر کسی نہ کسی مقام پر شیطان اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔"

وہ بُری طرح خوف زدہ تھا۔ اپنے بیٹے آنند کو دیکھ رہا تھا کیونکہ میں آنند کی ہی زبان سے بول رہا تھا۔ میں نے کہا: "ایک بار پھر اپنے دوستوں کو آواز دو۔ جواب نہ ملے تو ان ہیروں کا مجھ سے سودا کر دو۔ میں تمھارے کام آسکتا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر آنند کی طرف بڑھا۔ پھر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا: "کیا سچ کہتے ہو؟ کیا تم میرا ساتھ دو گے؟"

"بے شک! میں اپنی ماں اور بھائی کی سلامتی اور خوشحالی کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

اس نے خوش ہو کر پوچھا: "کیا تم نیلما سے وہ تحریری اجازت نامہ حاصل کر لو گے؟"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ماں جی خود وہاں جا کر وہ ہیرے تمھارے حوالے کر دیں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو فرہاد علی تیمور! میں تمھیں ایک ہیرا انعام کے طور پر دوں گا۔"

"عجیب احمق ہو۔ جہاں میں تمام ہیرے تمھارے حوالے کر رہا ہوں، وہاں تم مجھے ایک کیا دو گے۔ لینا ہوگا تو سبھی لے لوں گا۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا: "کیا تم ایک بھی نہیں لو گے؟"

"میں صرف تمھارے کام آؤں گا۔"

"تم واقعی دیوتا ہو۔ مجھے معلوم ہوتا تو میں بہت پہلے تمھارے سامنے جھک جاتا، تم سے معافیاں مانگتا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمھارے کام آؤں گا مگر میری ایک چھوٹی سی شرط پوری کر دو۔"

"وہ کیا؟"

"انسان بن جاؤ۔"

"میں تو انسان ہوں۔"

"گویا تم اعتراف کر رہے ہو کہ بھگوان نہیں ہو۔"

وہ گڑبڑا کر بولا: "میں بھگوان ہوں۔ دنیا والوں کے سامنے بھگوان ہوں، صرف تمھارے سامنے انسان ہوں۔"

"یہ دوغلا عمل نہیں چلے گا۔ صرف انسان بن کر رہنا ہوگا۔"

"فرہاد! میں دنیا والوں سے افضل اور برتر ہونے کے لیے خود کو بھگوان ثابت کر رہا ہوں۔ تمھارا کیا بگڑ رہا ہے؟"

"یہی تو خرابی کی جڑ ہے۔ جب تک خود کو انسان تسلیم نہیں کرو گے اس وقت تک آنند کو بیٹا تسلیم نہیں کرو گے۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا ہے، نیلما آنند کے ساتھ ہندوستان میں رہے گی۔ میں وہاں جایا کروں گا۔ ان کے ساتھ گھریلو زندگی گزاروں گا۔ اسے بیٹا تسلیم کروں گا لیکن یہاں امریکا میں میری ساکھ بگڑ جائے گی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے خود کو بھگوان منوایا ہے۔ یہاں میرے ہزاروں عقیدت مند ہیں۔ جو بُت میں نے ان کی عقیدت کے سامنے تراشا ہے، وہ پاش پاش ہو جائے گا۔ پلیز، فرہاد! میری مجبوری کو سمجھو۔"

"تمھاری زندگی میں دو چیزیں اہم ہیں۔ ایک تو ہیرے اور دُوسرا احساسِ برتری۔ اور یہ برتری کا احساس اتنی شدت اختیار کر چکا ہے کہ تم آدمی سے بھگوان بن بیٹھے ہو۔ تمھیں فیصلہ کرنا ہوگا۔ کسی ایک چیز کو قربان کرنا ہوگا۔ اگر بھگوان بن کر رہنا چاہتے ہو تو ہیروں سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو لو۔"

اس کے اندر اس کی اپنی آواز اور لب و لہجہ سنائی دیا یعنی اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوستوں میں سے کوئی کہہ رہا تھا: "فرہاد کی

شرط کے مطابق تمھیں کسی ایک چیز کا نقصان برداشت کرنا ہوگا مگر ہماری ہستی تمھیں کسی چیز سے محروم نہیں کرے گی۔ تم جیسے بھگوان ہو، ویسے ہی رہو گے۔ ہیرے بھی تمھیں ملیں گے۔ کیا ہوا اگر ہم آدھے لے جائیں گے۔ ارے احمق، اس کے بعد بھی تم بے شمار دولت حاصل کر لو گے۔"

ہیرا سوامی نے پوچھا: "کیا تم لوگوں کے ذریعے مجھے کسی اور خزانے میں حصّہ مل سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں؟ میں اپنے غلاموں کو کس قدر فائدے پہنچاتا ہوں، یہ رفتہ رفتہ معلوم ہوگا۔"

میں نے کہا: "ہیرا سوامی! عقل سے کام لو۔ تمھارے سامنے جوان بیٹا اور وفادار بیوی موجود ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزارو اور تمام ہیرے اپنی تحویل میں رکھو۔"

اس کے دماغ میں پھر اسی کا لب و لہجہ گونجنے لگا: "ہیرا سوامی! فرہاد سے پوچھو، کیا وہ ہماری طرح ایک خزانے کے بعد دُوسرے خزانے سے پھر تیسرے خزانے سے تمھیں حصّہ دلاتا رہے گا؟ تم نے اس بیش بہا خزانے کو فراموش نہیں کیا ہوگا، جو گوری سجاتا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

ہیرا سوامی کے دیدے لالچ سے پھیل گئے۔ منہ کھل گیا، بس رال ٹپکنے والی تھی۔ اس نے کہا: "ہاں، میں گوری سجاتا کے سپنے دیکھتا ہوں۔ کبھی اسے حاصل کرنے کا یقین نہیں کر سکتا۔ اس کے سر سے پاؤں تک اتنے قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں کہ آج اُن کا کوئی مول نہیں لگا سکتا۔"

اس کے لب و لہجے میں پھر وہی کہنے لگا: "تمھیں یاد ہوگا کہ اسفندیار شیبا کے ذریعے گوری سجاتا کا مجسمہ حاصل کرنا چاہتا تھا، مگر اسے سونیا اڑا کر لے گئی۔ بعد میں فرہاد نے اس قیمتی مجسمے کو فرانسیسی حکومت کی تحویل میں دے دیا۔"

ہیرا سوامی نے کہا: "ہاں دوست! تم نے خوب یاد دلایا۔ کیا ہی مجسمہ ہے، اگر اس کا ایک ہیرا مل جائے تو میں دنیا کا سب سے امیر آدمی کہلاؤں گا۔ اگر ایک بار وہ مجسمہ میرے سامنے آجائے تو مارے خوشی کے اس سے لپٹ کر مر جاؤں گا۔"

میں نے کہا: "تمھاری موت کیسے ہوگی، یہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن مرنے سے پہلے آنند کو اپنا بیٹا تسلیم کرنا ہوگا اور تم ساری دنیا کے سامنے تسلیم کرو گے۔"

ہیرا سوامی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "کروں گا، ضرور کروں گا اور ساری دنیا کے سامنے تسلیم کروں گا۔ میں آنند کا باپ ہوں اور نیلما میری دھرم پتنی ہے لیکن وعدہ کرو، گوری سجاتا کا مجسمہ مجھے لا کر دو گے۔ میں اس مجسمے کو پا کر بھگوان بننے سے توبہ کر لوں گا۔ صرف اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ایک اچھی اور گھریلو زندگی گزاروں گا۔"

ہیرا سوامی کے اندر اسی لب و لہجے نے کہا: "تم نے فرہاد سے بہت اچھا مطالبہ کیا ہے۔ اب جواب کیا ہوگا، یہ ہم بھی سننا چاہتے ہیں۔"

میں نے کہا: "میرا جواب انکار ہے۔ ایک چیز جو کسی کی تحویل میں دی جا چکی ہے، اسے وہاں سے واپس نہیں لا سکتا۔"

ہیرا سوامی نے کہا: "تمھیں فرانسیسی حکومت سے کیا ملتا ہے؟ تم چاہو تو جبراً چھین کر لا سکتے ہو۔"

"میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن وہ حکومت بابا صاحب کے ادارے کی سرپرست ہے۔ وہ ہمارا تحفّظ کرتی ہے، ہم اس کا خیال کرتے ہیں۔ بابا صاحب کا ادارہ ہماری سب سے مضبوط اور محفوظ پناہ گاہ ہے۔ اس کی حفاظت کی ذمّے دار فرانسیسی حکومت ہے۔ لہٰذا گوری سجاتا کے مجسمے کی بات نہ کرو۔ اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

اس ٹیلی پیتھی جاننے والے نے ہیرا سوامی کے لب و لہجے میں کہا: "تم نے فرہاد کا جواب سن لیا، اب میرا جواب سنو۔ اگر تم میرے غلام بنے رہو گے اور شرط کے مطابق آدھے ہیرے مجھے دے دو گے تو میں گوری سجاتا کا مجسمہ تمھارے پاس پہنچا دوں گا۔"

ہیرا سوامی مارے خوشی کے کانپنے لگا، پوچھنے لگا: "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا ایسا ممکن ہے؟"

جواب ملا: "جب ایک ٹیلی پیتھی جاننے والا اس مجسّمے کو کہیں پہنچا سکتا ہے تو تین ٹیلی پیتھی جاننے والے اسے وہاں سے نکال کر بھی لا سکتے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولا: "کیا بات کرتے ہو دوست، تمھاری ہر بات میں وزن ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لیے اندھا ہو گیا تھا، احمق بن گیا تھا۔ اتنا بھی سوچنے کے قابل نہیں رہا کہ جہاں تین ٹیلی پیتھی کی قوتیں ہوں وہاں فرہاد اور شیبا کیا کر لیں گے۔ مجھے منظور ہے۔ میں اپنے آدھے ہیرے تمھیں دوں گا۔ اب بولو، مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا ان ماں بیٹے کو ٹھکانے لگا دوں؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "یہ تو تمھارا باپ بھی نہیں کر سکے گا اور تمھارے باپ وہ تینوں ہیں۔ انھیں نقصان پہنچانے سے پہلے تم مر جاؤ گے اور تمھارے ساتھ اس دُنیا کی ساری دولت مر جائے گی۔"

"دیکھو، یہ کیا کہہ رہا ہے۔ میرے دوستو! تم سُن رہے ہو نا۔ کیا یہ مجھے مار ڈالے گا؟"

"فرہاد سے کہو، تم وہ ہیرے ضرور حاصل کر لو گے۔ اس کے لیے ہم آپس میں معاہدہ کر لیں۔ تم نیلما داسی اور آنند کو نقصان

تم نہیں پہنچاؤ گے۔ ہم ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے بغیر وہ ہیرے حاصل کریں گے۔ اگر ہم میں قوت اور صلاحیت ہوگی تو کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر فرہاد کا پلڑا بھاری رہا تو ہم ناکام رہیں گے لیکن ہم وعدہ کرتے ہیں کسی کو جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

میں نے کہا "پہلے بھی تین بھائیوں نے یہی وعدہ کیا تھا لیکن وعدہ خلافی کی اور ہماری شیبا کو ہلاک کر دیا۔ ہم انتقامی کارروائی کے طور پر انھیں کس طرح جانی نقصانات پہنچانے والے ہیں، یہ انھیں جلد معلوم ہو جائے گا۔"

ہیرا سوامی کی زبان سے کہا گیا "جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔ وہ محض ایک معمولی ڈمی تھی۔"

میں نے غصے سے کہا "بکواس بند کرو۔ ہمارے سامنے کوئی معمولی نہیں ہوتا۔ وہ شیبا کا اہم رول ادا کر رہی تھی۔ تم لوگوں نے اُسے بے موت مار ڈالا۔ اس کا بُرا نتیجہ تمھارے سامنے آنے والا ہے۔"

ہیرا سوامی نے کہا "فرہاد! کیوں جھگڑا بڑھاتے ہو۔ ایک اچھا سمجھوتا ہو رہا ہے۔ یہ وعدہ کر رہے ہیں، آئندہ کسی کو جانی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"یہ ایک نیا معاہدہ ہے۔ اس کی رُو سے ہم کسی کو جانی نقصان پہنچانے کے سلسلے میں پہل نہیں کریں گے۔ پہلے بھی ہم نے پہل نہیں کی تھی مگر جو وہ کر چکے ہیں، وہ ناقابلِ معافی ہے۔ ہیرا سوامی، تم اپنے معاملات پر گفتگو کرو۔ میں پچھلی باتوں کو دُہرانا نہیں چاہتا۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ ہمارا نیا معاہدہ ہے۔ ان ہیروں کو ہندوستان جا کر حاصل کرنے اور واپس آنے تک ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو جانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ البتہ اپنے مخالف کو راستے سے دُور رکھنے کے لیے اسے عارضی طور پر کسی اذیت میں مبتلا کر سکتا ہے۔"

میں نے کہا "منظور ہے۔ میری ماں جی اور آنند کو بخیریت اور صحیح سلامت ان کی رہائش گاہ تک پہنچا دو۔"

"ابھی پہنچا دیا جائے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"تمھارے وعدے پر کون یقین کر سکتا ہے۔ میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ انھیں یہاں سے روانہ کیا جائے۔"

اس نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ آنند اور نیلما داسی کو واپس ہیلی کاپٹر میں پہنچا دیا جائے۔ میں نے کہا میری ماں اور بھائی کے علاوہ ہیلی کاپٹر میں جو لوگ رہیں گے، مجھے ان کی آوازیں سناؤ۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ تم ہمارے پائلٹ کو ٹریپ کرو گے۔"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ پائلٹ بے لگام رہے اور انھیں کوئی نقصان پہنچائے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں۔ یہ دونوں....."

میں نے بات کاٹ کر کہا "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، تمھارے وعدے پر یقین نہیں کر سکتا، جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ان کے ساتھ ہیلی کاپٹر تک جا رہا ہوں۔ ان لوگوں سے باتیں کروں گا، تم سن لینا۔"

وہ ماں جی اور آنند کے ساتھ عمارت سے باہر آیا۔ کار میں بیٹھ کر ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچا۔ پھر اس کے پائلٹ سے گفتگو کی۔ میں نے اس کی آواز اور لب و لہجے کو اچھی طرح گرفت میں لینے کے بعد کہا "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ تم میرے حکم کے مطابق ماں جی کو ان کی رہائش گاہ میں پہنچاؤ گے۔ اگر کسی نے تمھیں ٹریپ کیا یا تم نے کوئی چالاکی دکھائی تو جان سے جاؤ گے۔"

ماں جی آنند کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئیں۔ دوسرے بھی سوار ہونا چاہتے تھے، میں نے پائلٹ کی زبان سے کہا "کوئی فاضل آدمی نہیں جائے گا۔"

دُوسرے لوگ اعتراض کرنے والے تھے لیکن خاموش ہو گئے۔ شاید ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے انھیں وہیں رُکنے کا حکم دیا ہوگا۔ وہ بات بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے رخصت ہونے سے پہلے ہیرا سوامی کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا اسی کے لب و لہجے میں کہہ رہا تھا "انھیں جانے دو۔ معاہدہ ہو گیا ہے۔ اپنے بیٹے اور بیوی کو مار کر تمھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"لیکن نیلما جب تک تحریری اجازت نہیں دے گی، ہم ان دلیواروں سے ہیرے نہیں نکال سکیں گے۔"

"تم دیکھتے جاؤ۔ اس کی تحریری اجازت کے بغیر ہی وہ دولت ہمارے ہاتھ آ جائے گی۔"

ہیرا سوامی نے حیرانی سے پوچھا "وہ کیسے؟"

"یہ ہمارا منصوبہ ہے اور ہم وقت سے پہلے اپنی پلاننگ کی ہوا کسی کو لگنے نہیں دیتے۔"

پتا نہیں، اس نے کیسی پلاننگ کی تھی۔ ہو سکتا ہے اپنے دعوے کے مطابق ماں جی سے تحریری اجازت حاصل کیے بغیر ہیرے وہاں سے نکال لے جائے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ میں ماں جی کے پاس آ گیا۔ انھوں نے کہا "بیٹے! وہ وہیں رہ گئی۔ انھوں نے میرے بیٹے کو تسلیم نہیں کیا۔"

"آپ صبر سے کام لیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں، وہ مرنے سے پہلے آنند کو بیٹا تسلیم کرے گا۔"

انھوں نے فوراً ہی انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں بیٹے، ان کے لیے مرنے کی بات نہ کرو۔ میرا دل گھبراتا ہے۔"

"آپ کس دل گردے کی عورت ہیں۔ وہ آپ کا بدترین دشمن ہے، آپ کے بیٹے کو ابھی ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ پھر بھی آپ اس کی سلامتی چاہتی ہیں؟"

"میں اپنے دل سے، اپنے مزاج سے مجبور ہوں۔ وہ بُرے ہیں۔ میری اور میرے بچے کی بُرائی چاہتے ہیں۔ تم چاہتے ہو میں ان کی بُرائی چاہوں۔ اچھائی تو اسی کو کہتے ہیں کہ آدمی ہر حال میں اچھا بن کر رہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "ماں جی، آپ اس دنیا کی عورت نہیں ہیں۔ بہر حال میں جا رہا ہوں، آپ کی خبر لیتا رہوں گا۔"

"بیٹے! میں اپنے دیس جاؤں گی۔"

"آپ آنند کو لے کر ضرور جائیں۔ ہیرا سوامی تین شیطانوں کے ساتھ وہاں پہنچے گا۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنے اندر پائیں گی۔ جب آپ کا جی چاہے، آپ ہندوستان جا سکتی ہیں۔"

ان سے رخصت ہوتے ہی اپنی جگہ حاضر ہوا۔ شیبا نے مجھے طلب کیا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ واقعی شیبا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا "ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ میرے دماغ سے رخصت ہوئی۔ میں نے خیال خوانی کی پرواز کی، اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"فرہاد بول رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ ابھی آ رہی ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ تم میرے پاس آئی تھیں تو میں نے کہا کہ تمھارے پاس آ رہا ہوں۔"

اس نے کہا "فرہاد! یہ دھوکا ہے۔ میں تمھارے پاس نہیں آئی تھی۔"

"چور پکڑا ہی گیا۔ تمھارے لہجے میں آنکھ مچولی کھیلنے والا تھا۔"

میں اس کے دماغ سے نکل گیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد اس کے پاس پہنچا۔ اس نے پھر پوچھا "کون ہے؟"

"کیا میرے جانے کے بعد تم نے دماغ میں کسی کو محسوس کیا تھا؟"

"یہی محسوس کیا تم اچانک چلے گئے۔ پھر تمھارا انتظار کرتی رہی۔ چند لمحوں کے بعد آئے ہو، مگر میں پھر یقین کرنا چاہوں گی، تم چلے جاؤ۔"

میں اس کے دماغ سے نکلا۔ وہ میرے دماغ میں آ گئی۔ میں نے کہا "اب یقین آ گیا؟"

"بڑی مصیبت ہے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے بڑی الجھنیں پیدا کر دی ہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ ہم ہمیشہ محتاط رہنے کے عادی ہو جائیں گے۔"

"میں نے جناب شیخ صاحب کی ہدایت پر عمل کیا ہے۔ ربی کے دماغ کو کمزور بنا دیا ہے۔ تم جب چاہو، اس کے خیالات پڑھ سکتے ہو۔"

وہ مجھے بتانے لگی، کس طرح اس کے دماغ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ربی اسفندیار اپنے وطن واپس آنے کے بعد تل ابیب کے اسی شاہانہ محل میں قیام کر رہا تھا۔ اس کے وہی پرانے ملازم اور جانی پہچانی کنیزیں تھیں جنھیں شیبا خوب جانتی تھی۔ وہ ان کے دماغوں میں رہ کر ربی کی مصروفیات کو دیکھتی رہتی تھی۔ جو کنیز اس کے سامنے رات کا کھانا لے جا کر رکھنے والی تھی، اس کے دماغ میں زیادہ وقت گزارتی رہی۔ دوسرے لفظوں میں اسے اپنی معمولہ بنا لیا۔ ربی اسفندیار کھانے سے پہلے سوپ پینے کا عادی تھا۔ جب وہ سوپ تیار کرنے لگی تو اس نے کنیز کے ذریعے اس میں تھوڑی سی افیون ملا دی۔

یوں وہ سوپ کچھ زیادہ ہی لذیذ ہو گیا۔ ربی نے بڑی تعریفیں کیں، ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پی گیا۔ پھر کھانے کے دوران اُسے غنودگی کا احساس ہوا۔ اس نے کھانا چھوڑ دیا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ کچھ پریشان سا ہو کر سوچنے لگا "ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

شیبا کنیز کے ذریعے ربی کو دیکھتی جا رہی تھی۔ اب تک اس کے دماغ میں نہیں گئی تھی۔ جب وہ پریشانی محسوس کرنے لگا تو اس نے جرأت کی، خیال خوانی کی پرواز کرتے ہوئے اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ ربی نے اسے محسوس نہیں کیا۔ نشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ آدمی کو اپنے آپ سے غافل کر دیتا ہے۔ اگرچہ وہ غافل نہیں تھا، اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن حس اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ وہ پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

شیبا نے کہا "یہ اچھا موقع ہے، تم اس کے ساتھ جیسا چاہو سلوک کر سکتے ہو۔"

"تم اس کے پاس پہنچو۔ میں سونیا اور لوبی کی خیریت معلوم کر کے آتا ہوں۔"

میں نے ماسک مین کے خاص ماتحت سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "جناب! ہم بخیریت سفر کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ دشمنوں کو مادام سونیا اور مس لوبی کے متعلق کوئی خبر نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا "کیا نیویارک کے باس کو معلوم ہے؟"

"میں نے کسی کو نہیں بتایا ہے۔ باس نے پوچھا تھا کہ مادام

سونیا کہاں جا رہی ہیں؟" اس پیرا دام نے کہا۔ "ایک ضروری کام ہے، جلد ہی واپس آ جائیں گی۔ پھر باس کو کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔"

میں نے اس ماتحت کے ذریعے سونیا اور لوہی کو دیکھا۔ وہ آرام سے سفر کر رہی تھیں۔ میں مطمئن ہو کر نیویارک کے باس کے پاس پہنچا۔ اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ ان کے متعلق نہیں جانتا تھا۔ پھر میں آرمر کے پاس پہنچا۔ اس کے ذہن میں سونیا اور لوہی کا خیال پیدا کیا۔ وہ سوچنے لگا: "پتا نہیں وہ اسپتال سے اچانک ہی کہاں چلی گئیں۔ شاید شارپہ یا ہارپہ کو معلوم ہوگا۔"

وہ ہمارے معاملات میں دونوں بھائیوں پر تکیہ کرتا تھا۔ میں یہ نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ وہ دونوں بھائی سونیا اور لوہی کے متعلق کچھ جانتے ہیں یا نہیں؟

شیبا نے آ کر پوچھا: "کیا میں اسے تھوڑی سی افیون اور کھلا دوں؟"

"ارے نہیں، وہ مر جائے گا۔"

"تو پھر چلو۔ دیر ہو گئی تو جو کھلایا ہے اس کا اثر ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ ہمارے قابو میں نہیں آئے گا۔"

میں نے پوچھا: "تم اتنی دیر اس کے دماغ میں رہیں۔ کیا اس کے ساتھیوں کو بولتے ہوئے سُنا ہے؟"

"میں اس کے دماغ میں بالکل خاموش تھی۔ سوچ رہی تھی، ٹیلی پیتھی جاننے والے اسے افیون کے نشے میں دیکھ کر حیرانی کا اظہار کریں گے اور حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے لیکن دماغ میں کوئی نہیں تھا۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ تینوں دوسرے معاملات میں مصروف ہیں۔ یہ اچھا موقع ہے، چلو۔"

میں دوسرے ہی لمحے ربی اسفندیار کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ کے ذریعے آہستہ آہستہ اپنے ساتھیوں کو پکار رہا تھا۔ "شارپہ! تم موجود ہو، ہارپہ! تم کہاں ہو؟ تم سب کہاں چلے گئے ہو؟ مجھے تم لوگوں کی سخت ضرورت ہے۔ میں دماغی کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ کچھ ہونے والا ہے۔ کہیں یہ فرہاد کی چال تو نہیں ہے؟"

"خوب سمجھے برادر" میں نے کہا۔ "میں فرہاد ہوں۔ یہ جو تمہارا دل گھبرا رہا ہے تو ایسا ہوتا ہے، مرنے سے پہلے آدمی کا دل اسی طرح ڈوبنے لگتا ہے۔"

وہ گھبرا کر اٹھنا چاہتا تھا۔ پھر لڑکھڑا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ ہلا ہلا کر کہنے لگا: "چلے جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ۔ تم کیوں آئے ہو۔ میرے دماغ میں کیوں آئے ہو۔ تم نہیں آ سکتے۔ میں کہتا ہوں نہیں آ سکتے۔ چلے جاؤ۔"

"میں جب تک تمہارے دماغ میں ہوں، تم زندہ ہو۔ میرے جانے کا مطلب ہوگا، تمہارا دماغ مُردہ ہو چکا ہے اور مجھے یہاں جگہ نہیں مل رہی ہے۔ اب بولو، کیا چاہتے ہو۔ میں رہوں یا جاؤں؟"

وہ دیدے پھیلا کر خلاؤں میں تکنے لگا، جیسے مجھے دیکھ رہا ہو۔ پھر اس نے کہا: "تم مجھے نہیں مار سکتے۔ کبھی نہیں مار سکتے۔ میں نے علمِ نجوم کے ذریعے معلوم کیا ہے، ابھی میری زندگی ہے۔ میں زندہ رہوں گا۔"

"تمہارے مقدر میں زندگی ہے تو تمہیں زندہ رہنا چاہیے مگر ڈمی شیبا کا مقدر کاتبِ تقدیر نے لکھا تھا۔ تم نے اسے کیوں مٹا دیا؟"

"یہ جھوٹ ہے۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا ہے۔ یہ شارپہ یا ہارپہ کا کام ہے۔"

"یعنی تم ہمارے دشمن نہیں ہو؟"

"آں؟" وہ جواب نہ دے سکا۔

"تمہیں وطن سے نکال دیا گیا تھا۔ پھر واپس کیوں آئے ہو؟"

"یہ میرا وطن ہے، میری زمین ہے۔ میری قوم ہے، میرے لوگ ہیں۔ میں یہاں آنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"اور شیبا کے خلاف محاذ بنانے کا بھی حق رکھتے ہو۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم ایک مسلمان فرہاد علی تیمور کے دشمن ہو لیکن یہ ضرور پوچھوں گا کہ اپنی قوم کی بیٹی کے دشمن کیوں بن گئے؟ کیا اس لیے کہ اس سے تمہارا کوئی مفاد حاصل نہ ہو سکا۔ اس بات سے تمہاری اَنا کو اور تمہارے مذہبی جذبے کو ٹھیس پہنچی ہے کہ شیبا اپنے مذہبی پیشوا سے زیادہ مجھ پر اعتماد کرتی ہے۔"

شیبا نے کہا: "فرہاد! وقت ضائع نہ کرو۔ تینوں میں سے کوئی آ جائے گا۔"

میں نے ربی سے کہا: "چلو اٹھو، وہ پھل کاٹنے والا چاقو پلیٹ پر رکھا ہوا ہے۔ اسے اٹھا لو۔"

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولا: "کک۔۔ کیا مطلب؟ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"تمہارے مقدر میں تو زندگی ہے۔ گھبراتے کیوں ہو؟"

وہ اٹھنا نہیں چاہتا تھا، میں نے دماغ پر قبضہ جما کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ جب دماغ آزاد ہوا تو اس نے چونک کر اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔ وہ پھل کاٹنے والا چاقو اس کی مٹھی میں تھا۔ اسے پتا ہی نہ چلا، کب وہ اٹھ کر تپائی تک گیا اور پھلوں کے پاس رکھے ہوئے چاقو کو اٹھا کر اپنی مٹھی میں دبا لیا۔ اب جو اس نے شعوری طور پر اسے دیکھا تو ایک چیخ ماری اور اسے چھوڑ دیا۔ چاقو فرش پر گر پڑا۔

میں نے پوچھا: "کیا تم اسے اٹھاؤ گے یا میں ٹیلی پیتھی کا کوئی کمال دکھاؤں؟"

دو ملازم دوڑتے ہوئے آئے۔ انھوں نے ادب سے ہاتھ باندھ کر سر جھکاتے ہوئے پوچھا: "جناب! کیا بات ہے؟ کیا یہ چیخ آپ کی تھی؟"

میں فوراً ہی ربی کے دماغ پر قابض ہو کر اُس کی زبان سے بولا: "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اِدھر کوئی نہ آئے۔ میں بہت مصروف ہوں۔"

وہ سر جھکا کر چلے گئے۔ ربی نے آگے بڑھ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر وہاں آیا جہاں فرش پر چاقو پڑا ہوا تھا۔ اُس نے جھک کر اُسے اٹھا لیا۔

میں نے اُسے آزاد چھوڑ دیا۔ وہ دوبارہ چاقو اپنی مٹھی میں دیکھ کر چیخنا چاہتا تھا، میں نے اس کی آواز بند کر دی۔ پھر کہا: "اپنے ستاروں سے پوچھو۔ چاقو شہ رگ کے قریب ہو تو آدمی مر جاتا ہے یا علمِ نجوم کے مطابق زندہ رہتا ہے؟"

"نن نہیں، میں نہیں مروں گا۔ فرہاد تم مجھے نہیں مار سکتے۔"

"میں نے کب کہا ہے تمھیں مار رہا ہوں یا تم مر جاؤ گے۔ ایسے کمزور دل کے لوگ بھی ہوتے ہیں جنھیں موت نہیں مارتی۔ وہ موت کو دیکھتے ہی خود مر جاتے ہیں۔ جیسا کہ تم اپنی مٹھی میں دبی ہوئی موت کو دیکھ کر تقریباً مر چکے ہو۔ صرف الوداعی سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔"

وہ جھنجلا کر بولا: "میں نہیں مروں گا۔ تم مجھ پر نفسیاتی اثر ڈال رہے ہو۔ میں یہ چاقو پھینک دوں گا۔"

وہ پھینکنا چاہتا تھا، میں نے ایسا کرنے نہیں دیا۔ پھر کہا: "اُسی آئینے کے سامنے جا کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔"

وہ انکار کرنے کے باوجود سیدھا آئینے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا: "اپنے آپ کو دیکھو اور بتاؤ، ہماری ڈمی شیبا کے بدلے اپنے جسم کا کون سا حصہ کاٹ کر دینا پسند کرو گے؟"

"نہیں، میں نہیں کاٹوں گا۔ کوئی ہوشمند اپنے جسم کا حصہ کاٹنا نہیں چاہتا۔ ایسا تو دیوانے کرتے ہیں۔"

"میں صرف ایک بات جانتا ہوں۔ مسٹر ربی اسفندیار! مجھے تمہارے جسم کا تھوڑا سا گوشت چاہیے۔"

وہ غصے سے بولا: "کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔ تم ایسا کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"اس لیے کہ تمہارے ستارے زندگی کا پیغام دے رہے ہیں۔ میں تمھیں مار نہیں سکوں گا۔ مگر کچھ تو تم سے لے کر جاؤں گا۔"

"میں سمجھ گیا۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں، تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟"

"شاباش، جب سمجھ گئے ہو تو میری خواہش پوری کر دو۔"

شیبا نے حیرانی سے پوچھا: "آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو اور یہ ربی کیا سمجھ رہا ہے۔ ذرا مجھے بھی تو سمجھاؤ۔"

"کیا تم نہیں جانتیں؟ جس جانور میں جسمانی نقص ہو اس کی قربانی نہیں دی جاتی۔"

"جانتی ہوں۔ کیا تم ربی کو قربان کرنے جا رہے ہو؟"

"بات قربانی کی نہیں، بے عیبی کی ہے۔ وہ تمام مذاہب جو خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے ذریعے دنیا میں آئے اور جن پیغمبروں پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، ان کے مذہبی پیشوا کے لیے یہ شرائط ہیں کہ وہ جسمانی عیب یا کسی بھی نقص سے پاک ہوں۔ مذہبی پیشوا یا مذہبی پیش امام کا خوش شکل، خوش اندام، خوش لباس، خوش گفتار اور اس کا خوش اخلاق ہونا نہایت لازمی ہے۔"

"میں سمجھ گئی۔ تم ربی کو جسمانی طور پر ذرا سا عیبی بنانا چاہتے ہو تا کہ یہ مذہبی پیشوا نہ رہ سکے۔"

"میں اور تفصیل سے بتاؤں گا۔ تم تھوڑی دیر کے لیے یہاں سے چلی جاؤ۔"

"مجھے جانے کے لیے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"میں جو سلوک اس کے ساتھ کرنے والا ہوں، تم نہیں دیکھ سکو گی۔ میری بات مان لو۔ پانچ منٹ کے بعد چلی آنا۔"

"تم کہہ رہے ہو تو جا رہی ہوں۔ ورنہ مجھے اس بوڑھے سے جتنی زیادہ عقیدت تھی اتنی ہی نفرت ہو گئی ہے۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے کہا: "ربی، وہ چاقو اپنی ناک پر رکھو۔"

اس نے ہڑبڑا کر چاقو کو چھوڑ دیا۔ پھر چیخ کر بولا: "نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تم میری ناک کاٹنا چاہتے ہو۔"

"بے شک، عیب ایسا ہو جو دور سے نظر آئے۔"

میں نے سوچا یہ کبھی اپنے ہاتھوں سے یہ کام نہیں کرے گا۔ خواہ مخواہ وقت ضائع ہوگا اور وہ تینوں کسی بھی وقت یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں نے اس کے دماغ پر پوری طرح قبضہ جما لیا۔ آپریشن والے مریضوں کو پہلے بے ہوش کر دیا جاتا ہے۔ پھر کتنا ہی بڑا آپریشن کیا جائے مریض کو تکلیف نہیں ہوتی۔ جب تک وہ بے ہوش رہتا ہے آرام سے رہتا ہے۔ جب ہوش میں آتا ہے تو ایسے ہی چیختا ہے جیسے اب ربی اسفندیار چیخ رہا تھا، تلملا رہا تھا۔ اِدھر سے اُدھر لڑکھڑا کر سر کبھی دیواروں سے اور کبھی بیڈ روم میں رکھی ہوئی چیزوں سے ٹکرا رہا تھا۔

اُس کی آدھی ناک کٹ گئی تھی۔ کٹی ہوئی ناک چہرے سے الگ ہو گئی تھی اور جو حصہ خالی رہ گیا تھا وہاں خون بھر آیا تھا۔

کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اس حصّے کو چھپالیا تھا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ شرمندہ ہو کر کٹی ہوئی ناک چھپا رہا ہو بلکہ وہ تکلیف کی شدّت سے بے اختیار ایسا کر رہا تھا اور بے اختیار چیختا جا رہا تھا۔

لوگ باہر سے دروازہ پیٹنے لگے۔ کتنی ہی کنیزوں اور ملازموں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ اُسے مخاطب کرکے دروازہ کھولنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ میں نے بولنے والوں میں سے ایک کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا' مسلح سپاہی آگئے تھے اور دروازے کو پیٹ رہے تھے۔ آخر وہ کھل گیا۔ ربی بڑی مشکلوں سے گرتا پڑتا' فرش پر رینگتا ہوا وہاں پہنچ کر دروازہ کھول چکا تھا۔ اُسے لہولہان دیکھ کر دو سپاہی آگے بڑھے۔ پھر انھوں نے اُسے بازوؤں پر اٹھالیا اور بستر پر پہنچادیا۔ دروازے سے بستر تک پہنچنے کے دوران بہت سے افراد نے اس کی کٹی ہوئی ناک دیکھی اور حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ پھر کسی نے فرش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو' چاقو ہے اور یہ کیا ہے؟"

اُس نے آگے بڑھ کر فرش پر سے اٹھایا تو وہ کٹی ہوئی ناک کا حصّہ تھا۔ عقیدت مندی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ ایسے عقیدت مند بھی ہوتے ہیں جو اپنے پیرو مرشد کے قدموں تلے کی دھول اٹھا کر منہ میں رکھتے ہیں اور چاٹ کر نگل جاتے ہیں اور وہ تو کٹی ہوئی ناک تھی۔ محترم ربی اسفندیار کی ناک۔ اُسے دیکھتے ہی اس شخص نے ربی کے نکٹے چہرے کو دیکھا پھر اس ناک کو اٹھا کر چوم لیا۔

اس کے بعد عقیدت مندوں کی لائن لگ گئی۔ اس کے ہاتھ سے دوسرے نے لیا۔ تیسرے نے لیا۔ سب اُسے آنکھوں سے' پیشانی سے لگا کر چومنے لگے۔ اُدھر وہ تکلیف کی شدّت سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ اُسے طبّی امداد پہنچانے کے لیے ڈاکٹر کو فون کیا گیا تھا۔ اسی وقت شیبا واپس آگئی۔ اُس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ربی کی چیخ و پکار سُن کر اُس کے پاس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر بولی: "فرہاد! تم نے اُسے ناک سے ہی محروم کر دیا۔ وہ تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔"

"یہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ اس میں جسمانی نقص پیدا ہوگیا ہے۔ یہ اپنے مذہب کا عالم کہلائے گا مگر مذہبی پیشوا نہیں رہے گا۔ اُن ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے اس کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا تھا اسے یہاں واپس لائے تھے۔ کیونکہ ربی اسفندیار کا نام پورے اسرائیل میں گونجتا ہے۔ سب اس کے عقیدت مند ہیں لیکن اب اس کی سماجی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ لوگ اس سے ہمدردی کریں گے مگر بڑی بڑی تقریبات میں ایک نکٹے کی موجودگی پسند نہیں کریں گے۔"

میں اور شیبا ربی کے دماغ میں آگئے اور وہیں باتیں کرنے لگے تاکہ وہ بھی سُنتا رہے۔ حالانکہ تکلیف کی شدّت سے بے حال ہو رہا تھا۔ میں نے کہا: "تم نے میرے خلاف آج تک جتنے منصوبے بنائے' اپنے حکمرانوں اور سیاست والوں اور فوجی افسروں سے ان پر عمل کراتے رہے مگر ان سب میں ناکام رہے۔ مجھے کبھی دوست نہ بنا سکے۔ شیبا تمہارے ہی مذہب اور قوم سے تعلق رکھتی تھی اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمہارے کام آسکتی تھی۔ تم نے اُسے بھی دشمن بنالیا۔ یہاں کے اعلیٰ حکمران اور اعلیٰ افسران تمہاری حکمتِ عملی کے خلاف تھے صرف چند افسران تمہاری حمایت کر رہے تھے اور تمہارے واپس آنے پر خوش تھے۔ اب وہ بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے تمھیں گاڑی کا ایک بے کار گھسا ہوا پُرانا پُرزہ سمجھیں گے جو کسی طرح بھی کام نہیں آتا۔ یقین نہ ہو تو انھیں آواز دو۔ اپنی مدد کے لیے پکارو۔ وہ جب بھی آئیں گے' تم پر تھوک کر جائیں گے۔"

شیبا نے کہا: "تم نے بہت ہی اچھی سزا دی ہے اِسے۔ جان سے مار ڈالتے تو محض زندگی سے چلا جاتا مگر کیسے جاتا؟ اس نے تو خود ہی کہا تھا علمِ نجوم کے مطابق ابھی زندہ رہے گا۔ بے چارہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ زندگی دو کوڑی کی بھی نہیں رہے گی۔"

"شیبا! مجھے دوسری طرف توجّہ دینی ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ تم یہاں کے اعلیٰ حکّام سے رابطہ قائم کرو مگر فرہاد بن کر۔"

"میں سمجھ رہی ہوں' جناب شیخ صاحب نے بھی یہی سمجھایا ہے۔ آئندہ میں تمہارے لب و لہجے میں بولا کروں گی۔"

"اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بات ضرور کہنا کہ شیبا نہ رہی تو کیا ہوا۔ فرہاد تو ہے۔ وہ اس قوم کا دوست بن کر رہے گا۔ ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والے شیطانوں سے انھیں محفوظ رکھے گا اور وہ محض اِس لیے ایسا کرے گا کہ یہ شیبا کی قوم ہے اور فرہاد اپنی شیبا کو دل و جان سے چاہتا تھا۔"

شیبا نے ایک گہری سانس لی پھر پوچھا: "وہ شیبا کتنی خوش نصیب ہوگی جسے تم چاہتے ہو گے۔"

"یہ میں نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہا ہے' ورنہ تمھیں چاہتا ہوں اور آخری سانس تک چاہتا رہوں گا۔ تم پر دھوپ آئے گی' میں چھاؤں بن جاؤں گا۔ موت آئے گی' ڈھال بن جاؤں گا۔"

اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا: "کیا میں ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ کسی مہم میں تمہارے شانہ بشانہ رہ سکوں؟"

"تم جناب شیخ صاحب کے زیرِ سایہ رہ کر تربیت حاصل کر رہی ہو۔ یوگا کی مشقیں کر رہی ہو اور بہت کچھ سیکھ رہی ہو۔ تم ان سے پوچھو' کیا ادارے سے باہر نکلنا تمہارے لیے مناسب ہوگا؟ اگر

مناسب ہوگا تو کیا وہ تمھیں میرے ساتھ کسی مہم میں جانے کی اجازت دیں گے؟"

وہ سر جُھکا کر سوچنے لگی۔ میں نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

"میں سوچ رہی ہوں' تم آزاد ہو' خود مختار ہو۔ تمہارا کوئی گھر نہیں ہے' تم پر کوئی پابندی نہیں ہے' تم پر کوئی حکم نہیں چلا سکتا۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے پوری دنیا پر حکومت کرسکتے ہو لیکن اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ہو۔ تم چاہو تو مجھے حکم دو اور میں چلی آؤں لیکن یہ سراسر نافرمانی ہوگی' جو بزرگ ہمارے اُستاد کا درجہ رکھتے ہیں ان سے اجازت حاصل کرنا سعادت مندی ہے' فرماں برداری ہے۔ میں تم لوگوں کے درمیان رہ کر سیکھ رہی ہوں کہ اپنی قوت اور غیر معمولی صلاحیتوں پر غرور نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے استادوں اور بزرگوں کے آگے جُھک جانا چاہیے تاکہ اُن کے آگے ہمارا قد چھوٹا رہے۔"

"تم بہت اچھی باتیں کرتی ہو۔ اچھی باتوں کا تعلق ذہانت سے ہے۔ ذہانت کا تعلق دماغ سے ہے اور ابھی میں تمہارے دماغ میں ہوں۔ اجازت ہو تو دماغ کو چوم کر چلا جاؤں' میں یہاں رہوں گا تو تم شرماتی رہو گی۔"

میری سوچ کی لہروں نے اس کے دماغ کو چوم لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سانس روک لی۔ میں اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ دوبارہ اس کے پاس جا نہیں سکتا تھا۔ جانا چاہوں گا تو دماغ کے دروازے بند ہوں گے اور وہ شرما رہی ہوگی۔

میں خیال خوانی کے دوران بڑی دیر تک سوچتا رہا تھا۔ آخر تھک گیا۔ اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ یوں نئے دشمنوں نے ہمیں بہت پریشان کیا تھا۔ ہمیں ہر لمحہ چوکنا رہنے کی ضرورت تھی اور ہم بالکل مستعد تھے۔ ہر پہلو پر دھیان رکھنا پڑتا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ سُپر ماسٹر کو نظر انداز کر رہا ہوں اور وہ تینوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہوں گے۔

میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ وہ کس طرح میرے ذریعے سُپر ماسٹر تک پہنچے ہوں گے۔ میں بڑی خاموشی سے اس کے دماغ میں آکر بیٹھ گیا۔ اس کی سوچ پڑھنے لگا' اگر وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے اس سے دماغی رابطہ قائم کرتے تو اسی کی سوچ' آواز اور لب و لہجے میں گفتگو کرتے لیکن مجھے ان میں سے کسی کی موجودگی کا شبہ نہیں ہوا۔ وہ تنہا سوچ رہا تھا اور پریشان ہو رہا تھا۔

پریشانی اس بات کی تھی کہ اوپر سے احکامات آئے تھے۔ چند لفظوں میں حکم دیا گیا تھا کہ مسٹر گراہم ہارڈلے کی بطور سُپر ماسٹر' خدمات کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اُسے فوری طور پر استعفا پیش کرنا چاہیے۔

وہ حیران تھا کہ اس سے کیا خطا ہوئی ہے۔ آج تک کسی دوسرے سُپر ماسٹر نے اتنی عمدگی سے ملک کی خدمت نہیں کی تھی۔ خواہ وہ خارجہ پالیسی ہو یا داخلہ پالیسی' سُپر ماسٹر نے ان میں بڑی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا اور بیشتر معاملات میں کامیاب رہا تھا۔

جو سُپر ماسٹر دنیا والوں کے سامنے ظاہر ہو کر کام کرتا تھا اس کے پس پُشت رہ کر گراہم ہارڈلے نے اصل سُپر ماسٹر کی حیثیت سے اب تک دو حکومتوں کے تختے الٹ دیے تھے۔ ایک ملک کے ٹکڑے کر دیے تھے۔ کئی ممالک میں دہشت گردی عروج پر تھی۔ اسلامی بلاک کو کمزور سے کمزور تر بنانے میں اُس کا ہر منصوبہ کامیاب رہا تھا۔ اس نے ایسی بیش بہا خدمات انجام دی تھیں جن کے پیشِ نظر اس ملک کے حکمرانوں کو اس کا احسان مند ہونا چاہیے تھا۔ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا اور اُسے تاحیات سُپر ماسٹر بنا کر رکھنا چاہیے تھا لیکن اچانک استعفا طلب کیا جا رہا تھا۔

اس ملک کی خفیہ پالیسیوں پر عمل درآمد کے لیے سُپر ماسٹر کا تقرّر ہوتا تھا۔ یہ تقرّری چند اہم افراد کرتے تھے۔ یہ افراد حکومت کے اہم شعبوں کی نگرانی کرنے اور ان میں اہم تبدیلیاں لانے کے ذمّے دار تھے۔ پچھلے دنوں گراہم ہارڈلے کے ذریعے میں نے اِن افراد کا پتا ٹھکانا معلوم کرلیا تھا اور ان تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے میرے دماغ کے ذریعے وہاں تک رسائی حاصل کی تھی۔

وہ چند افراد جو سُپر ماسٹر کی تقرّری کرتے تھے' ان میں سے ایک کا نام جیری وائنز' دوسرے کا تھام ہرٹ' تیسرے کا ایس ایس پارکر' چوتھے کا بیلے وِنڈسر اور پانچویں کا نام جان پائیرٹ تھا۔ میں جان پائیرٹ کے دماغ میں آکر معلوم کرنے لگا' آخر اسے استعفا دینے پر مجبور کیوں کیا جا رہا ہے؟ بات وہی تھی جو پہلے سے سمجھ میں آگئی۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے جیری وائنز اور تھام ہرٹ تک پہنچ گئے تھے۔ یہ دونوں ان اہم افراد میں اپنی باتیں منوانے کی صلاحیتیں رکھتے تھے اور حکومت کے کسی بھی اہم شعبے میں اپنی پسند کے کسی شخص کا انتخاب کرتے تھے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے شار پر وووڈا اور ہار پر وووڈ نے یقین دلایا تھا' اگر ان کی پسند کا آدمی سُپر ماسٹر بنایا جائے گا تو وہ نئے سُپر ماسٹر کو اپنی ٹرانسفارمر سسٹم کی مشینوں سے گزاریں گے' اُس کے اندر ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں پیدا کر دیں گے۔ جب اُن کے اپنے سُپر ماسٹر کے پاس ٹیلی پیتھی کی صلاحیت ہوگی تو پھر وہ فرہاد اور شیبا سے کسی طور نہ کم تر ہوگا' نہ ان کے دباؤ میں آئے گا۔

وہ اہم افراد شار پر اور ہار پر سے ان جدید مشینوں کا سودا کرنا چاہتے تھے۔ انھیں بڑی سے بڑی قیمت' بڑے سے بڑے ذرائع اور بڑے سے بڑے وسائل کا مالک بنانا چاہتے تھے لیکن شار پر اور ہار پر نے کہہ دیا تھا۔ "ہم صرف کام آسکتے ہیں مگر اپنے کسی راز میں شریک نہیں کرسکتے اور وہ مشینیں ہمیں جان سے بھی زیادہ

عزیز ہیں. ہم اس کا فارمولا اور تیکنک کسی کو نہیں بتائیں گے۔"
پچھلے دس گھنٹوں سے وہ اہم افراد شارپرا اور ہارپر سے مذاکرات کر رہے تھے اور اس نتیجے پر پہنچ رہے تھے کہ میرے اور شیبا کے خلاف محاذ بنانے کے لیے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا ساتھ بے حد لازمی ہے۔ ان سے دوستی کرنا ہوگی اور ان کی مرضی کے مطابق ایک ایسے آدمی کو سپر ماسٹر بنانا ہوگا۔ جو گراہم ہارڈلے کی طرح نہایت دیانتداری اور وفاداری سے اپنے ملک کی خدمت کرتا رہے اور شارپرا اور ہارپر کے مفادات کا بھی پورا خیال رکھے۔

پتا نہیں وہ دونوں بھائی کیسی چالیں چل رہے تھے اور آئندہ کون شخص سپر ماسٹر بن کر آنے والا تھا۔ بہر حال ان کی چالاکی سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ پچھلے دس گھنٹوں سے ان اہم افراد سے اہم معاملات طے کر رہے تھے اور مجھے اور شیبا کو دوسرے معاملات میں اُلجھا رہے تھے تاکہ میں نئے سپر ماسٹر کے معاملے میں مداخلت نہ کرسکوں۔

میں نے شارپرا اور ہارپر کے منصوبے کے عین مطابق فی الحال اس معاملے سے دُور ہی رہنا مناسب سمجھا۔ میں نے سوچا اُنھیں خوش فہمی میں مبتلا رکھ کر ان اہم افراد کے پاس چُپ چاپ آتا جاتا رہوں گا۔ ان کے طریقۂ کار کو سمجھتا رہوں گا۔ ابھی سونیا اور ریومی کا سفر جاری تھا۔ شیبا تل ابیب میں مصروف تھی۔ ماں جی اور آنند اپنی رہائش گاہ میں خیریت سے تھے اور ہندوستان جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ شارپرا اور ہارپر ہمارے خلاف جو کر رہے تھے اس کا جواب دینا بہت ضروری تھا لہٰذا میں سپر ماسٹر گراہم ہارڈلے کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے سرگوشی میں کہا: "ہیلو گراہم ہارڈلے!"

وہ چونک گیا۔ ایک میز کے پاس بیٹھا اپنا استعفا لکھ رہا تھا۔ اس نے سر اُٹھا کر سوچا: "یہ میں نے خود کو گراہم ہارڈلے کیوں کہا؟"

"یہ میں نے تمھیں مخاطب کیا ہے۔"

وہ یک بیک اُچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پریشان ہوکر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر کہنے لگا: "نہیں، میرے دماغ میں کوئی نہیں آسکتا۔ میں بہت پُراسرار ہوں۔ میں نے بڑی احتیاطی تدابیر کی ہیں۔"

"ساری تدابیر پانی کی طرح بہہ گئی ہیں۔ تم تنہا اور بے یار و مددگار ہو۔ تم نے خود کو اپنے ملک کا وفادار ثابت کرنے کے لیے بہت سے ملکوں کو تباہ کیا ہے۔ تمھارے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔"

"تم کون ہو؟ کیا تم۔ تم فرہاد بول رہے ہو؟"

"کیا ٹیلی پیتھی صرف فرہاد کی جاگیر ہے۔ کیا تم نے کچھ اور لوگوں کے نام نہیں سُنے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "مجھے معلوم ہے۔ تین بھائیوں نے بڑی حیرت انگیز مشین ایجاد کی ہے۔ اس کے ذریعے وہ ٹیلی پیتھی کی صلاحیت حاصل کرچکے ہیں۔"

"میں ان میں سے ایک ہوں۔"

پہلے تو وہ پریشان ہوا پھر اچانک خوش ہوکر بولا: "میں تمھیں خوش آمدید کہتا ہوں اور فرہاد کے مقابلے میں تم سے دوستی کا ہاتھ ملاتا ہوں۔ اچھا ہوا تم میرے پاس آگئے۔ میری دوستی قبول کرو۔ میں تمھیں پوری دُنیا کا بے تاج بادشاہ بنا دوں گا۔"

"جب میں تاج پہن کر بادشاہ بن سکتا ہوں تو تمھارے ساتھ بے تاج کیوں رہوں۔ جب تمھاری کھال پہن کر سپر ماسٹر بن سکتا ہوں تو پھر تمھاری کیا ضرورت ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ پہننے کے لیے تمھارے جسم پر سے یہ کھال اُتارنا ہوگی اور میں اسی لیے آیا ہوں۔"

وہ سہم کر بولا: "کیا تم مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو؟"

"کیا تم نے اپنے کسی دشمن کو زندہ چھوڑا ہے؟ تم نے تو شہر کے شہر اُجاڑ دیے، ملک کے ملک تباہ کر دیے۔ کیا اب گڑگڑانے اور معافی مانگنے سے زندہ رہ سکو گے؟"

اس کی آنکھوں کے سامنے موت ناچنے لگی تھی۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ میں نے کہا: "تم ٹیلی پرنٹر کے ذریعے اپنے چند اہم افراد تک چند اہم اطلاعات پہنچاتے رہے ہو۔ چلو اس ٹیلی پرنٹر کو آپریٹ کرو۔"

میں نے اُسے وہاں سے اُٹھایا۔ وہ ٹیلی پرنٹر کے ذریعے ان اہم افراد کو یہ اطلاع پہنچانے لگا کہ شارپرا اور ہارپر اس کی کھوپڑی پر سوار ہیں، انھوں نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ گراہم ہارڈلے کے صرف استعفا دینے سے کام نہیں چلے گا۔ یہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی راستے کی رکاوٹ بن سکتا ہے۔ کسی نہ کسی معاملے میں نقصان پہنچا سکتا ہے لہٰذا ہم اسے پہلی فرصت میں ختم کر رہے ہیں۔ ہم ان پانچوں اہم افراد جیری وائنر، ٹام ہرٹ، ایس۔ ایس پارکر، بیلے وڈرُو اور جان پائیرٹ کو پہلی اور آخری وارننگ دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے کوئی چالاکی نہ دکھائی جائے۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے مذاکرات کرنے کے بعد بڑی رازداری سے اہم افراد کے اس بورڈ میں تبدیلی لائی جائے گی، یہ لوگ بھی گراہم ہارڈلے کی طرح ملازمت سے سبکدوش کر دیے جائیں گے اور ایسے نئے افراد آئیں گے جن کے دماغوں تک ہم نہ پہنچ سکیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم ایسا کرنے والوں کو کس طرح ہلاک کریں گے، وہ یہاں آکر گراہم ہارڈلے کی لاش دیکھ لیں اور عبرت حاصل کریں۔"

میں نے ٹیلی پرنٹر کے ذریعے پیغام پہنچانے کے بعد کہا: "اب وہاں سے اُٹھو اور بتاؤ کتنی اذیتیں برداشت کرنے کے بعد مرنا پسند کرو گے؟"

وہ گڑگڑا کر بولا: "نہیں۔ مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ میں تو دوست

بنانا چاہتا ہوں۔ میں تو تمھارے ساتھ مل کر فرہاد کو ہمیشہ کے لیے نابود کر دینا چاہتا ہوں۔"

میں نے کہا: "اُلّو کے پٹھے، میں فرہاد ہی بول رہا ہوں۔"

"آں" وہ بوکھلا گیا۔ جلدی سے انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا: "نہیں، نہیں۔ تم فرہاد نہیں ہو۔ تم مذاق کر رہے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں، فرہاد کبھی میرے پاس نہیں پہنچ سکے گا۔ تم لوگوں کی بات کچھ اور ہے۔ تم تینوں بھائی اس سے افضل اور برتر ہو۔ بہت ذہین ہو۔ تم لوگوں نے ایک حیرت انگیز مشین ایجاد کی ہے۔ میں تمھاری صلاحیتوں کو سلام کرتا ہوں۔"

اس نے سلام کرنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا۔ میں نے اسی ہاتھ سے اس کے منہ پر طمانچہ رسید کرا دیا پھر کہا: "یہ طمانچہ فرہاد کی طرف سے ہے، اِسے قبول کرو۔"

وہ خوف سے لرزتے ہوئے بولا: "کیا تم سچ مچ فرہاد ہو؟"

"کیا دوسرے طمانچے پر یقین آئے گا؟"

وہ بُری طرح سہما ہوا تھا۔ میں نے کہا: "تم سمجھ رہے ہو، تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بھلا بتاؤ تو سہی، تمھیں مارنا کیوں چاہتا ہوں اور وہ بھی کُتّے کی موت؟"

وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ میں نے کہا: "تم کتنے شہ زور تھے کسی کو مارتے وقت تمھارا ضمیر نہیں کانپتا تھا مگر آج تم سر سے پاؤں تک کانپ رہے ہو۔ ذرا سوچو تو تم کتنے ذہین اور طاقتور رہے۔ تم نے میری سونیا اور علی بی بی کو کوما میں ڈال دیا۔ تم نے میری مرجانہ کو ہلاک کر دیا، میری ثبانہ تمھارے ہاتھوں مر گئی۔ میرا جاں نثار بھائی سجاد علی تمھاری وجہ سے بے موت مر گیا۔ میری شریکِ حیات رسونتی کو ذہنی طور سے ایک ننھی سی بچی بنا دیا۔ تم اپنی مکارانہ سیاست سے نگر نگر دہشت گردی پھیلاتے ہو مگر یہ نہیں سوچتے کتنوں کی چاہنے والیاں مر جائیں گی۔ کتنی بیوہ ہو جائیں گی، کتنی ماؤں بہنوں کے گھر اُجڑیں گے، بچے یتیم ہوں گے، دربدر ہوں گے اور ہمیشہ کے لیے اپنوں سے بچھڑ جائیں گے۔ ذلیل، کمینے، تیری وجہ سے میرا بیٹا پارس مجھ سے بچھڑ گیا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس دنیا میں ہے۔ کیا تو یقین سے کہہ سکتا ہے؟"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر چاروں طرف گھوم کر خلاؤں میں تکنے لگا جیسے مجھے ڈھونڈ کر گڑگڑا رہا ہو۔ پھر کہنے لگا: "میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ زندہ ہوگا۔ میں تمھیں تمھارا بیٹا واپس لاکر دوں گا۔"

"موت کو سامنے دیکھ کر زندہ رہنے کی مہلت چاہتے ہو، تم میرے بچے کا سہارا لے رہے ہو۔"

وہ نہیں، نہیں کے انداز میں سر ہلا کر بولا: "میں مہلت نہیں چاہتا۔ میں نے جو کیا ہے اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمھارے تمام چاہنے والوں کو واپس نہیں لاسکتا لیکن بچے کو ہر حال میں لاؤں گا۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دو۔"

میں سوچ میں پڑ گیا، اولاد کی محبت تھی۔ دشمن کے لیے فیصلے میں لچک پیدا ہونے لگی۔ میں نے سوچا اُسے ماردوں گا تو مر جائے گا۔ میرے اپنے لوگ جو اس دنیا سے اُٹھ چکے ہیں، واپس نہیں آئیں گے۔ کیوں نہ اسے زندہ رکھا جائے۔ میں نے پوچھا: "تم پارس کو کہاں تلاش کرو گے؟"

"جہاں سے وہ گم ہوا تھا، وہیں سے تلاش شروع کروں گا۔ میں آج ہی وادئ قاف جاؤں گا۔"

"تم جہنم میں جاؤ مگر مجھے میرا بیٹا چاہیے۔ اس کے لیے میں سات دن کی مہلت دیتا ہوں۔ ساتویں دن کے اختتام پر بیٹا نہ ملا تو تم دنیا کے جس کونے میں بھی چھپے ہوئے ہوگے، میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد تم چُپ چاپ نہیں مرو گے۔ تمھاری موت کا عبرت ناک تماشا ساری دنیا دیکھے گی۔"

سات دن کے لیے موت ٹل گئی۔ اس نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "میں صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"ابھی یہاں سے نکلو۔ سفر کے لیے ایک بیگ اپنے پاس رکھو۔ اس میں ضرورت کا سامان ہونا چاہیے۔ کرنسی ہونا چاہیے۔ اس سے زیادہ اور کوئی چیز ضروری نہیں ہے۔"

"تم جو کہو گے، وہی کروں گا مگر اس سلسلے میں میرا ایک اہم نکتہ سُن لو۔ میں نہیں جانتا ابھی وہ تینوں ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے دماغ میں ہیں یا نہیں؟ ہوسکتا ہے، تمھارے جانے کے بعد آئیں اور انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ میں تمھارے بیٹے پارس کی تلاش میں نکلنے والا ہوں۔ یہ تو ان کے لیے بڑی خوشی کی بات ہوگی۔ وہ مجھے کہیں نہ کہیں ٹریپ کریں گے، اگر میں نے پارس کو حاصل کرلیا تو وہ تمھارے بیٹے کو مجھ سے چھین کر لے جاسکتے ہیں۔"

کم بخت بڑا اہم نکتہ بیان کر رہا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا: "رات بہت ہوچکی ہے۔ تم کب سوتے ہو؟"

"میں تھوڑی دیر بعد سونے جارہا تھا۔"

"میرا مشورہ ہے، ابھی آرام سے جاکر بستر پر لیٹ جاؤ۔"

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ آرام سے لیٹ گیا۔ میں نے کہا: "اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دو۔ دماغ کو میری طرف مائل کرو۔ میں تم پر تنویمی عمل کر رہا ہوں۔"

اس نے پریشان ہوکر پوچھا: "تمھارا کیا ارادہ ہے؟"

"گھبراؤ نہیں، جب تنویمی نیند سے بیدار ہوگے تو تمھارا دماغ بہت حساس ہوگا۔ تم پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کرلوگے۔ کیا تم تھوڑی دیر تک سانس روک سکتے ہو؟"

"ہاں، آدھا منٹ تو روک ہی سکتا ہوں۔"

"جب بھی تم سانس روکو گے، پرائی سوچ کی لہریں دماغ سے نکل جایا کریں گی۔ کوئی تمھیں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹریپ نہیں کر سکے گا۔ میں بھی نہیں کر سکوں گا۔"

وہ بے یقینی سے خلا میں تکنے لگا۔ میں نے کہا: "میرے تنویمی عمل کا اثر سات دن تک رہے گا۔ ساتویں دن کے اختتام پر تم اس اثر سے نکل آؤ گے۔"

اس کے لیے یہی بات اطمینان بخش تھی کہ ابھی سات دن تک زندہ رہے گا۔ وہ بڑے ذرائع کا مالک تھا۔ اگرچہ اب سپر ماسٹر نہیں رہے گا تاہم اس کی پہنچ دُور دُور تک تھی۔ اب بھی اس کے چاہنے والے اور اس پر جان دینے والے موجود تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کر کے میرے بیٹے کو تلاش کر ہی لے گا۔

میں نے اس پر تنویمی عمل شروع کیا۔ کیونکہ وہ ذہنی طور پر تیار تھا، اس لیے جلد ہی ٹرانس میں آگیا۔ میرا معمول بن گیا۔ میں نے اس کے دماغ میں یہ بات نقش کر دی کہ وہ آج سے ٹھیک سات دن تک صرف ایک کام کرے گا اور وہ کام ہوگا میرے بیٹے کی تلاش۔ اس سلسلے کی اہم باتیں اس کے دماغ میں نقش کرنے کے بعد میں نے کہا: "اب آرام سے سو جاؤ۔ صبح تک آرام سے سوتے رہو گے۔ جب آنکھ کھلے گی تو تمام کاموں کی اہمیت کو بھول جاؤ گے، صرف ایک کام کی اہمیت یاد رہے گی۔ تم سات دن تک میرے بیٹے کو تلاش کرتے رہو گے۔"

وہ گہری نیند سو گیا۔ میں واپس چلا آیا۔ اسے کچھ سزا دینا چاہتا تھا مگر بیٹے کی محبت میں سوچا اسے صحت مند، چاق و چوبند رہنا چاہیے۔ میں اسے ذہنی یا جسمانی تکلیف پہنچاؤں گا تو یہ میرے پارس کو تلاش نہیں کر سکے گا لہٰذا میں نے اس کے حال پر اُسے چھوڑ دیا۔ سات دن بعد دیکھا جائے گا۔

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ مجھے سو جانا چاہیے تھا۔ میں نے سوچا شیبا کو شب بخیر کہہ کر سونا چاہیے۔ پھر خیال آیا شاید وہ مجھ سے پہلے سو گئی ہو۔ میں نے جناب شیخ الفارس سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے مجھے اپنے دماغ میں محسوس کرتے ہی کہا: "شیبا کچھ کہہ رہی تھی۔"

"میں اس کے پاس جاؤں؟"

"ابھی نہیں، وہ سو چکی ہے۔ تل ابیب میں اپنا کام نمٹا کر میرے پاس آئی تھی۔ تمھارے پاس جانا چاہتی تھی۔ میں نے کہا، فرہاد کو آرام کرنے دو، صبح بات کر لینا۔ وہ بڑی سعادت مندی سے تمھارے ساتھ کسی مہم میں شریک ہونا چاہتی ہے۔"

"آپ نے کیا جواب دیا؟"

"ابھی وہ یہاں رہ کر بہت کچھ سیکھ رہی ہے۔ بڑے تجربات حاصل کر رہی ہے۔ حاضر دماغی کی مشقوں میں کافی آگے نکل چکی ہے۔ پھر بھی کچھ عرصہ اور صبر کر لیتی تو میں اسے بہت بڑی مہم میں تمھارے ساتھ روانہ کرتا۔"

"آپ اُسے سمجھا دیں۔"

"وہ میری ہر بات مانتی ہے۔ یہ بھی مان لے گی لیکن میں حالات کے پیشِ نظر اُسے تمھارے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ تم سے بے حد متاثر ہے۔ فرہاد! وہ شیشے کی نازک سی گڑیا ہے۔ محبت سے سلامت رہے گی ورنہ ٹوٹ جائے گی۔ کیا تم اس کی حفاظت کر سکو گے؟"

"آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟"

"بھروسا ہے مگر مجھ سے ایک وعدہ کرو۔"

"میں ہزار وعدے کر سکتا ہوں اور ان پر عمل کر سکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ جو بھی کہیں گے، ہماری بھلائی کے لیے کہیں گے۔"

"فرہاد، تم اسے چاہتے ہو۔ وہ تمھیں چاہتی ہے لیکن جب چاہت حد سے بڑھ جاتی تو ایک دوسرے کو جسمانی طور پر طلب کرتی ہے۔ وعدہ کرو تم اُسے طلب نہیں کرو گے۔ اُس سے محبت کرو گے۔ اُسے تحفظ دو گے لیکن نہ جسمانی لگاؤ رکھو گے نہ اس سے شادی کرو گے۔"

میں اُن کا آخری فقرہ سن کر چونک گیا۔ پھر میں نے پوچھا: "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ کیا شادی کرنا جرم ہے؟"

"دیکھو بیٹے! رسونتی کی مثال تمھارے سامنے ہے۔ اگر تم نے ایک ٹھوکر سے کچھ نہیں سیکھا تو آئندہ کبھی کچھ نہیں سیکھ پاؤ گے۔"

وہ ذرا چپ ہوئے پھر بولے: "میں تمھیں وضاحت سے سمجھاتا ہوں۔ تمھیں رسونتی کو شریکِ حیات بنانے سے پہلے اُسے مسلمان بنا لینا چاہیے تھا۔ میں ایک مسلمان عالم ہونے کے ناتے یہ نہیں کہوں گا کہ تمھیں اس کا دھرم قبول کر لینا چاہیے تھا لیکن یہ اصولی بات ہے جب دل مل جاتے ہیں اور جسم ملنا چاہتے ہیں تو دونوں کا فرض ہے کہ پہلے وہ ایک مذہب اور ایک نظریے کو اپنائیں اس کے بعد شادی کریں۔"

انھوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "تمھاری اسی غلطی کی سزا تم سے زیادہ رسونتی کو مل رہی ہے اور رسونتی سے زیادہ اُس بچے کو مل رہی ہے جو نجانے کہاں ہوگا۔ ٹھوکروں میں ہوگا یا کسی اور کی آغوش ملی ہوگی۔"

میں نے ندامت محسوس کی مگر اپنے طور پر صفائی پیش کرتے ہوئے کہا: "جناب! میری کس غلطی سے رسونتی اس حال کو پہنچی اور میرا بیٹا مجھ سے الگ ہو گیا؟ کیا میں نے کسی سے دشمنی کرنے میں پہل کی تھی؟"

"ہم اس دنیا میں کیا کرتے ہیں، اس کا حساب خود ہم نہیں رکھتے۔ کس عمل کی کون سی سزا مادی طور پر ملتی ہے اور کون سی سزا روحانی یا قدرتی طور پر ملتی ہے، اسے انسان سمجھ نہیں پاتا۔ ایک موٹی سی بات ہے، جب بھی مذہب سے اور قانون سے باہر نکل کر کوئی کام کرو گے تو اس کا بُرا نتیجہ آج یا برسوں بعد ضرور سامنے آتا ہے۔"

اُن کی بات سمجھ میں آرہی تھی۔ اگر ہم کسی شخص پر جارحانہ حملہ کرتے ہیں اور وہ کمزور ہے تو مار کھا کر چلا جائے گا مگر کسی دن کہیں سے طاقت حاصل کر کے ہم پر جوابی حملہ کرے گا، تب ہم کہتے ہیں جیسا ہم نے کیا تھا ویسا ہی پایا لیکن قدرت کسی کو ایک وقت کمزور بناتی ہے تو دوسرے وقت شہ زور بنا دیتی ہے۔ خواہ کسی وسیلے سے بنائے۔ آدمی لباس کے بغیر ننگا، قانون کے بغیر غیر محفوظ اور مذہب کے بغیر گمراہ ہوتا ہے اور رہزن ہوتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی سنبھل کر رہے۔"

میں نے ڈوبتے ہوئے دل سے کہا: "میں وعدہ کرتا ہوں، شیبا سے شادی نہیں کروں گا۔ ہمارے درمیان ہوس نہیں، محبت ہوگی۔"

میں وعدہ کر رہا تھا مگر یقین نہیں تھا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے بلا محبت ہو اور دونوں طرف سے ہو آگ برابر لگی ہوئی تو آدمی نہ جلے، مگر جناب شیخ صاحب کچھ سوچ سمجھ کر ہی مجھے پابند کر رہے تھے۔ لہٰذا میں پابندی قبول کر رہا تھا۔

اُنھوں نے پوچھا: "ماں نیلما داسی اپنے بیٹے کے ساتھ ہندوستان جا رہی ہے؟"

"میں ابھی بتاتا ہوں۔"

میں نے ماں جی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ پھر واپس آکر کہا: "وہ کل شام کی فلائٹ سے جا رہی ہیں۔"

"کوشش کرو اسی فلائٹ میں تمھیں جگہ مل جائے۔ ایک تو خیال خوانی کے ذریعے ان کی حفاظت کرو گے، دوسرے وہ آنکھوں کے سامنے رہیں گی۔"

"اچھی بات ہے، کوشش کرتا ہوں۔"

"جب بمبئی پہنچو گے تو وہاں کے تاج محل ہوٹل میں شیبا تمھیں ملے گی۔"

میں ایک دم سے چونک کر بیٹھ گیا۔ بعض مسرتیں ایسی ہی ہوتی ہیں، نیچے سے اوپر تک اُچھال دیتی ہیں۔ میں تکلیف سے ہنسنے لگا۔ زخم دُکھنے لگے تھے۔ شیخ صاحب نے پوچھا: "کیا ہوا؟"

میں نے کہا: "زخموں سے ٹیسیں اُٹھ رہی ہیں۔"

"روانگی سے پہلے میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کر لینا۔ اب تم جاؤ۔"

میں آرام سے لیٹ گیا۔ وہ مجھے ملنے والی تھی۔ میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ سے ملنے والی تھی لیکن بڑا فرق ہے، "مجھ سے ملنے" والی کا مطلب ہے، مجھ سے ملاقات کرنے والی، اور "مجھے ملنے" والی کا مطلب ہے میرے ہاتھ آنے والی۔ شیخ صاحب نے ایسے ہی خیالات کی وجہ سے خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی اور مجھے پابند کر دیا تھا۔

ایسے وقت ایک محبت کرنے والا چاروں شانے چت لیٹ کر چھت کی طرف گھورنے لگتا ہے۔ وہاں اُسے چاہنے والی نظر آتی ہے۔ خود بھی جاگتی ہے اور اپنے چاہنے والے کو بھی جگاتی ہے۔ ایسے وقت میری بھی نیند اُڑ جاتی۔ میں بھی سو نہ سکتا لیکن بھلا ہو ٹیلی پیتھی کا، چشم زدن میں آدمی نیند کی گود میں پہنچ جاتا ہے۔ میں نے بھی دماغ کو ہدایت دی اور نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

سونیا اور لومی بابا صاحب کے ادارے میں پہنچ گئی تھیں۔ انھوں نے سب سے پہلے شیخ الفارس کے سامنے حاضری دی۔ پھر اُن کے ساتھ رسونتی کے پاس آئیں۔ سونیا نے اُسے گلے لگا کر پیار کیا۔ اس سے باتیں کیں۔ اب وہ نارمل ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن بچکانہ نہیں رہا تھا۔ بابا صاحب کے ادارے میں ایک ملازم کا علاج بھی توجہ سے ہوتا ہے۔ بجا یہ کہ وہ رسونتی تھی۔ بابا صاحب کے ادارے میں اور ہماری زندگی میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ پھر اُس کا علاج توجہ سے کیوں نہ ہوتا۔ صبح شام اُسے ڈاکٹر اٹینڈ کرتے رہتے تھے۔ وقت پر دوائیں ملتی تھیں۔ نفسیاتی طور پر بھی علاج ہو رہا تھا۔ اس کی صحت اچھی ہو گئی تھی۔ وہ صبح کو جوگنگ اور شام کو ورزش کرتی تھی۔ شیخ صاحب کی ہدایت پر ہمیشہ ہنستے بولتے رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ بس کبھی کبھی اپنا بیٹا پارس یاد آجاتا تھا۔ حالات نے اُسے پتھر بنا دیا تھا۔ اب وہ روتی نہیں تھی مگر صدمہ تو بہر حال دل میں چھپا رہتا ہے۔ وہ کہتی تھی: "میرا بیٹا جانے کہاں ہے۔ کبھی ملے گا یا نہیں لیکن جناب شیخ صاحب! فرہاد کا پتا آپ جانتے ہیں۔ وہ تو مجھ سے رابطہ قائم کر سکتا ہے، مجھے اپنے پاس بلا سکتا ہے یا میرے پاس خود آسکتا ہے۔"

وہ اُسے پیار سے تھپک کر کہتے: "بیٹے! پہلے تم اچھی طرح صحت مند ہو جاؤ۔ ان شاء اللہ جلد ہی خیال خوانی کی صلاحیتیں واپس آئیں گی۔ تم بیٹھے بیٹھے فرہاد کے پاس پہنچ جاؤ گی۔ ہمارے آدمی پارس کی تلاش میں ہیں۔ تم بھی مختلف ذرائع اختیار کر کے بیٹے کو تلاش کر سکو گی۔"

سونیا اور لومی وہاں سے ایک بڑے میدان میں آئیں جو کھیل کود کے لیے وقف تھا۔ وہاں تقریباً چھ سو طلباء و طالبات مختلف قطاروں میں نظر آرہے تھے۔ وہ سب یوگا کی مشق کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے ایک اونچے سے چبوترے پر اعلیٰ بی بی پلتھی مارے، دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے سانس روکے بیٹھی ہوئی تھی۔

سونیا نے مخاطب کیا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ اُسے خوش ہو کر دیکھا، پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر گلے لگ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پیار کیا۔ اس کے بعد اعلیٰ بی بی نے یومی کو گلے لگا کر اس کی پیٹھ کو تھپکتے ہوئے کہا "تم پہلی بار بابا صاحب کے ادارے سے باہر گئی تھیں اور حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کرکے آئی ہو۔ میں تمھیں دلی مبارکباد دیتی ہوں۔"

جناب شیخ صاحب نے کہا "اعلیٰ بی بی! تم سونیا اور یومی کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ انھیں پورے ادارے کی سیر کراؤ اور بتاؤ کہ ہم نے کیسے کیسے حفاظتی انتظامات کیے ہیں۔ مجھے کچھ ضروری کام ہے۔"

وہ چلے گئے تو وہ انھیں لے کر شیبا کے پاس آئی۔ شیبا ایک اٹیچی میں کپڑے رکھ رہی تھی۔ سونیا اور یومی کو دیکھتے ہی خوشی سے کھل گئی۔ دوڑ کر اُن کے گلے لگنے لگی۔ پہلی بار میری تمام ساتھی عورتیں ایک جگہ جمع ہو گئی تھیں۔ سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی، شیبا اور یومی۔ یہ پانچ عورتیں تھیں۔ دشمنوں کے نقطۂ نظر سے میرے پاس صرف پانچ عورتوں کی ایک فوج تھی۔

یومی پہلی بار ایک بہت بڑی مہم سر کرنے گئی تھی۔ دی کلر کو ناقابلِ شکست سمجھا جاتا تھا۔ اس کا سر کاٹ کر لانا جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل تھا بلکہ ناممکن تھا۔ یومی مختصر سے عرصے میں تمام خطرناک تنظیموں کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔ وہ پہلی لڑکی تھی جس کے وڈیو فلم دشمنوں تک پہنچے تھے۔ وہ اسے ریکارڈ کے طور پر اپنے پاس رکھتے تھے۔ وہ اپنے خطرناک فائٹروں کو وہ فلم دکھاتے تھے اور کہتے تھے، اس لڑکی کے فائٹ کرنے کا انداز کتنا دشوار اور غیر معمولی ہے۔

ماسک مین نے اور زیادہ دہشت بٹھانے کے لیے ایک اور وڈیو فلم تیار کی تھی جس میں دی کلر کا کٹا ہوا سر تھا۔ یہ فلم بھی تمام خطرناک تنظیموں کے سربراہوں تک پہنچائی گئی تھی۔ اس فلم میں ایک اداکارہ نے یومی کا رول ادا کیا تھا۔ اس میں دکھایا گیا تھا یومی نے کس طرح خطرناک دی کلر کو چیلنج کیا تھا اور کس طرح اُسے دوڑاتے ہوئے ایک خفیہ سُرنگ میں لے گئی تھی اور وہاں اس کے جسم سے گردن الگ کر دی تھی بلکہ الگ کرنے کے لیے نہ اس نے چاقو استعمال کیا، نہ خود کو زحمت دی۔ بس یہ ذہانت ہی کی بات تھی اور اس نے دی کلر کا سر جس طرح تن سے جُدا کیا تھا، وہ سب کچھ فلم میں موجود تھا۔ وہ صرف دو ماہ ادارے سے باہر رہ کر واپس آئی تھی۔ اب تمام دشمن سکون کا سانس لے رہے ہوں گے مگر ایک چھپا چھپا سا خوف بھی ہوگا۔ پتا نہیں یہ بلا پھر کب ادارے سے باہر آئے گی۔

میری دوسری فوجی شیبا تھی جو چھ ماہ پہلے ایک دُبلی پتلی سی اور بیمار سی لڑکی تھی۔ اب ایک صحت مند اور پُر اعتماد زندگی گزارنے والی لڑکی بن گئی تھی۔ اس نے ربی اسفندیار کے زیر اثر رہ کر مادام کمپیوٹر کی حیثیت سے بڑی سرگرمیاں دکھائیں۔ بڑے ہنگامے کیے۔ اب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ سب بچکانہ پن تھا۔ ربی صرف اپنا مفاد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ اس لیے کبھی اس کی دُکھ بیماری اور گرتی ہوئی صحت کا خیال نہیں کیا۔ اس کے برعکس ادارے میں آتے ہی سب سے پہلے اُس کی صحت کا خیال رکھا گیا۔ باقاعدہ علاج ہوتا رہا۔ وہ صحت مند رہنے اور یوگا میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مختلف مشقوں سے گزرتی رہی۔ آج وہ ایک حسین اور صحت مند دوشیزہ نظر آتی تھی۔ دشمن فی الحال اس کی ٹیلی پیتھی سے خائف تھے۔ اب یہ پہلی بار ادارے سے باہر نکلنے والی تھی چونکہ ناتجربہ کار تھی اس لیے شیخ صاحب نے مجھے اس کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی تھی۔

میری تیسری فوجی اعلیٰ بی بی تھی۔ کوئی سا بھی پیچیدہ مسئلہ ہوا وہ اپنی ذہانت، منصوبہ بندی اور حاضر دماغی سے حل کر لیتی تھی۔ بابا صاحب کے ادارے میں ہر سال دو سال میں ایک نئی اعلیٰ بی بی کا انتخاب ہوتا تھا لیکن پچھلے پانچ برس سے اس اعلیٰ بی بی نے ایسے ایسے نمایاں کارنامے انجام دیے تھے کہ اس کے بعد کوئی دوسری اعلیٰ بی بی اس کی جگہ نہیں لے سکی تھی۔ بابا فرید واسطی اس پر بڑے مہربان تھے۔ انھوں نے اس کی صلاحیتوں سے خوش ہو کر اُسے سیاہ موتیوں کی ایک مالا دی تھی جو بظاہر ایک معمولی سی مالا تھی لیکن ان سیاہ موتیوں میں گہرے راز پوشیدہ تھے۔ وقت آنے پر وہ موتی خطرناک ہتھیار کی طرح کام آتے تھے۔ اس ہتھیار کو اس نے شاذونادر ہی استعمال کیا تھا ورنہ میری دوسری ساتھی عورتوں کی طرح بغیر ہتھیار کے دشمنوں سے نمٹنا جانتی تھی۔ دشمن اس کے گلے میں سیاہ چمکتے ہوئے موتیوں کو دیکھتے تھے اور اُسے سنگھار کے طور پر پہنی ہوئی چیز سمجھ کر نظر انداز کر دیتے تھے۔

رسونتی اگرچہ گوشہ نشین ہو چکی تھی، تاہم دشمن آج بھی اس کے نام سے خوف کھاتے تھے اور یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وہ کسی دن صحت یاب ہو کر ادارے سے نکلے گی تو جتنے دشمن اُسے کوما میں پہنچانے، اس کے دماغ کو بچکانہ بنانے اسے بیمار بنا ڈالنے کے ذمے دار تھے، ان سے گِن گِن کر بدلے لے گی۔

میرے قارئین میری تمام ساتھی عورتوں کے متعلق خوب جانتے ہیں، اس کے باوجود میں ان کا ذکر کر رہا ہوں۔ صرف سونیا کا ذکر نہیں کروں گا کیونکہ میری داستان اُس کے بغیر اور اس کی داستان میرے بغیر نامکمل ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میری تمام ساتھی عورتیں ایک

جگہ جمع ہو گئی ہوں۔ یہاں جمع ہونے کا مقصد ایک ہی تھا جب خطرناک بلائیں ادارے کے اندر موجود ہوں گی تو ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو یہاں نقب لگانے اور ادارے کے معمولی ملازمین کے دماغوں پر قبضہ جما کر انھیں آلۂ کار بنانے کا موقع آسانی سے نہیں ملے گا۔ وہ اُن پانچوں کا نام سُن کر ہی محتاط ہو جائیں گے۔ بہت سنبھل کر اس ادارے میں قدم رکھیں گے۔ خدانخواستہ داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے تو پھر دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے ہیں اور یہ بلائیں کیا تماشے دکھاتی ہیں۔

اس ادارے میں کچھ عرصے تک کم از کم سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی اور یومی کا رہنا ضروری تھا۔ صرف شیبا وہاں سے نکل رہی تھی۔ سونیا نے اس سے پوچھا "یہ تم اٹیچی میں سامان کیوں رکھ رہی ہو؟"

اعلیٰ بی بی نے کہا "یہ بمبئی جا رہی ہے۔ وہاں سے مدراس پہنچے گی اور ایک سیاح خاتون کی حیثیت سے اجنتا کے غاروں میں دلچسپی لیتی رہے گی۔"

سونیا نے کہا "سمجھ گئی۔ ماں نیلما داسی کا کیس ہے اور کروڑوں ڈالر کے ہیروں کا چکر ہے۔"

"یہی بات ہے۔"

"کیا شیخ صاحب ان ہیروں کی خاطر شیبا کو وہاں مصروف رکھنا چاہتے ہیں؟"

اعلیٰ بی بی نے کہا "بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔ اس کیس کے کئی پہلو ہیں۔ ایک تو شیبا یہاں سے نکل کر نگر نگر کی سیر کرے گی۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے ملے گی۔ طرح طرح کے تجربے حاصل کرے گی۔ یہ اب تک ایک محفوظ پناہ گاہ میں رہ کر خیال خوانی کے ذریعے دشمنوں کا سامنا کرتی آئی ہے۔ اب صحیح معنوں میں دشمنوں سے آمنا سامنا ہوگا۔"

سونیا نے چونک کر پوچھا "ارے وہ ہماری آمنہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی سفر کی تیاری کر رہی ہے۔"

"کیا اُسے بھی کسی مہم پر روانہ کیا جا رہا ہے؟"

"شیبا کے ساتھ جا رہی ہے۔ وہ ایک بے مثال فائٹر ہے۔ اس سفر میں شیبا کی بہترین ساتھی ہوگی۔"

میں سمجھ گیا، جناب شیخ صاحب نے کباب میں ہڈی رکھی تھی تاکہ وہ میری اور شیبا کی تنہائی میں چبھتی رہے۔ میں نے شیخ صاحب کے پاس پہنچ کر پوچھا "کیا آپ آمنہ کو شیبا کے ساتھ بھیج رہے ہیں؟"

"کیا تمھیں کوئی اعتراض ہے؟"

"جی ہاں۔ آمنہ کو ادارے میں رہ کر یوگا کی مشقیں کرنا چاہییں۔ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے اُسے پریشان کریں گے۔ اس کے دماغ کو نقصان پہنچائیں گے۔ ہمارے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔"

انھوں نے کہا "تم آمنہ کے دماغ میں جا کر اس کی خیریت معلوم کرو اور مجھے آکر بتاؤ۔"

میں نے ان کی ہدایت کے مطابق خیال خوانی کی پرواز کی۔ آمنہ کے پاس پہنچا تو اس نے سانس روک لی۔ پھر آہستہ آہستہ سانس چھوڑتے ہوئے پوچھا "کون ہو تم؟"

"میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

"اگر فرہاد ہو تو میں تمھاری عزت کرتی ہوں لیکن میرے پاس تمھیں پہچاننے کی کوئی کسوٹی نہیں ہے۔ تم وہ ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں سے ایک ہو سکتے ہو۔ پلیز، چلے جاؤ۔"

اس نے سانس روک لی۔ میں نے واپس آکر شیخ صاحب سے کہا "کمال ہے۔ یہ تو دو روز پہلے یوگا کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہمارے ادارے میں بھی تنویمی عمل کرنے والے ہیں۔ ان میں سے ایک نے آمنہ کے دماغ کو اسی طرح حساس بنا لیا ہے جس طرح تم نے سونیا اور یومی کے دماغ کو بنایا ہے۔"

میں چپ رہا۔ انھوں نے پوچھا "اور کوئی اعتراض؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "آپ اتنے بڑے ادارے کے سربراہ یونہی تو نہیں بن گئے ہیں۔ آپ کے معاملات میں اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔"

میں اپنے سفر کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سب سے پہلے میں نے مائیکل گارسن کا پلاسٹک سرجری والا میک اپ ختم کرا دیا۔ اپنے اصلی رُوپ میں آ گیا۔ نیویارک کا باس بدل چکا تھا۔ اب نیا باس یوگا کا ماہر تھا۔ اس نے بڑی رازداری سے میرا پاسپورٹ بنوایا۔ میں نے اپنے چہرے پر ہلکی سی تبدیلیاں کیں۔ میں یہ عارضی میک اپ کسی وقت بھی ختم کر سکتا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ اس میک اپ میں دشمن مجھے پہچان نہیں سکیں گے۔

اس عارضی میک اپ کی ایک خاص وجہ تھی۔ کوئی چار گھنٹے پہلے شیبا میرے پاس آئی تھی تو اس نے فرمائش کی تھی کہ وہ مجھے اصلی رُوپ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے جواباً کہا "میں بھی تمھیں اصلی روپ میں دیکھوں گا۔"

"میں کسی بھی میک اپ میں چھپی نہیں رہوں گی۔ شیخ صاحب یقین سے کہتے ہیں کہ مجھے شیبا کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا ہے۔"

"کیا اسرائیلی انٹیلی جنس والے ہندوستان میں نہیں ہوں گے؟"

"ضرور ہوں گے لیکن مجھے شاید ہی کوئی چہرے سے پہچانتا ہو۔ میں جب تک ہاسٹل میں رہی گمنام رہی۔ پھر ربی اسفندیار کے ساتھ

اُن کی رہائش گاہ میں رہنے لگی۔ وہاں سخت پہرہ رہتا تھا۔ گنتی کے چند افسران رُبی سے ملنے آتے تھے۔ وہی مجھے صورت شکل سے پہچانتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مجھے پہچاننے والوں کی تعداد برائے نام ہے، پھر ڈمی شیبا کے قتل ہونے کے بعد یہ پیچیدگی باقی ہے کہ وہ اصلی تھی یا نقلی؟ اکثریت اُسے اصلی شیبا سمجھ رہی ہے اور اب رُبی اسفندیار بھی اُسے اصلی تسلیم کرلے گا۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم نے رُبی کو اس بات کے لیے مجبور کیا ہے؟"

"ہاں۔ تم اُسے سزا دے کر چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے دھمکی دی، اگر وہ قتل ہونے والی کو اصلی شیبا تسلیم نہیں کرے گا تو اس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔"

"کیا وہ دھمکی میں آجائے گا جبکہ تین ٹیلی پیتھی جاننے والے اس کے حمایتی ہیں؟"

"میں رُبی کے پاس اس وقت گئی جب اُسے اسپتال پہنچایا گیا تھا۔ اس کی ناک کی مرہم پٹی ہوچکی تھی اور وہ دواؤں کے زیرِاثر سو رہا تھا۔ میں نے سوچا، اپنے مطلب کی بات اس کے ذہن میں نقش کردینا چاہیے لیکن مجھے ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں سے کسی کی آواز سُنائی دی۔ وہ رُبی کی آواز اور اس کے لب و لہجے میں بول رہا تھا "ہمیں افسوس ہے، تمھاری ناک کٹ گئی۔ ہم ایسے وقت موجود ہوتے تو تمھارے ساتھ یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ ابھی تم نیند میں ہو، خواب کی اسکرین پر ہمیں دیکھ رہے ہو۔ ہماری باتیں سُن رہے ہو مگر جواب نہیں دے سکتے۔"

ایک گہری نیند سونے والا اور خواب دیکھنے والا نہ کسی کو اپنی مرضی سے خواب میں دیکھ سکتا ہے اور نہ خواب میں بولنے والے کا جواب اپنی مرضی سے دے سکتا ہے اس لیے رُبی چُپ چاپ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اس ٹیلی پیتھی جاننے والے نے کہا "میں آخری بار تم سے گفتگو کررہا ہوں اور تمھیں مسٹر اسفندیار کہہ رہا ہوں کیونکہ اب تم رُبی نہیں رہے۔ تمھاری قوم کے لوگ تمھیں رُبی تسلیم نہیں کریں گے۔ حکومت اور فوج کے اہم شعبوں میں تمھارا پہلے جیسا عمل دخل نہیں رہے گا۔ اس لیے تم ہمارے کام کے آدمی نہیں رہے۔ تم ہمارے لیے بڑی اہم خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ تم نے اعلیٰ حکام سے ہمارا تعارف کرایا اور اُن کے دلوں میں ہماری طرف سے اعتماد پیدا کیا اس لیے ہم افسوس کرنے چلے آئے۔ جب گھوڑا بیمار ہو جائے، کسی کام کا نہ رہے تو اُسے گولی مار دی جاتی ہے۔ تم ہمارے کسی کام کے نہیں رہے لیکن پچھلی خدمات کو دیکھتے ہوئے ہم تمھیں زندہ چھوڑ کر جارہے ہیں۔ ہمارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھنا۔"

وہ چلے گئے۔ اس کے دماغ میں سناٹا چھا گیا۔ میں تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی پھر خواب کی اسکرین میں خود کو پیش کیا۔ وہ مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا "مجھے پہچانتے ہو۔ میں وہی ہوں جسے تمھاری سازشوں نے قتل کرادیا۔ بے وقوف بوڑھے! اب تجھے دُنیا والوں کے سامنے یہ کہنا ہوگا کہ اصلی شیبا قتل کی گئی ہے۔ قتل کس نے کیا، یہ بتانا چاہو تو بتا دینا لیکن تمھیں اس قتل ہونے والی کو اصلی شیبا تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ نہیں کروگے تو تمھاری زبان بھی کاٹ دی جائے گی۔" اسے دھمکی دینے کے بعد میں نے سوچا، جب وہ بیدار ہوگا تو اس کے دماغ میں جاؤں گی اور دیکھوں گی، خوابیدہ دماغ میں دھمکی دینے کا کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ لیکن اب تک وہاں نہ جاسکی۔ تھوڑی دیر بعد جاؤں گی۔"

"تم چلو۔ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

ہم دونوں ہی سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مائیکل گارسن والا میک اَپ اُتر چکا تھا۔ دوسرے عارضی میک اَپ میں تصویریں اُتر چکی تھیں۔ پاسپورٹ تیار ہوچکا تھا۔ میں نے رُبی کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ اسپتال کے بستر پر آرام سے لیٹا تھا۔ ناک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ کتنے ہی بڑے بڑے افسران اس کی عیادت کے لیے آئے تھے۔ وہ اُن کے سامنے کہہ رہا تھا "میں آپ لوگوں کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ جو قتل کی گئی ہے، وہی ہماری اصل شیبا تھی۔"

تمام افسران نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ایک نے پوچھا "آپ اب تک انکار کیوں کرتے رہے۔ کیوں اُسے آزمائشوں میں مبتلا کرنے کے لیے ایک گونگے افسر کو اس کے سامنے پیش کیا تھا؟"

"میں ٹیلی پیتھی جاننے والے تینوں مکاروں کے فریب میں آگیا تھا۔ وہ نہ میرے دوست ہیں اور نہ اس ملک و قوم کے خیرخواہ ہوسکتے ہیں۔ اُن سے دوستی نہ کی جائے تو بہتر ہے۔"

ایک اور افسر نے کہا "واہ مسٹر اسفندیار! ان سے دوستی کرانے کے بعد کہتے ہو اُن سے دشمنی کریں تاکہ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہمیں نقصان پہنچاتے رہیں۔"

دوسرے افسر نے پوچھا "تم کس بنا پر کہتے ہو کہ وہ دوست بن کر نہیں رہیں گے؟"

رُبی کی آواز کٹی ہوئی ناک سے نکل رہی تھی۔ جس طرح نکٹے بولتے ہیں اسی طرح وہ بول رہا تھا "شیبا یہودی تھی۔ ہمارے ملک سے تعلق رکھتی تھی۔ ہماری قوم کی بیٹی تھی اور اس کی ٹیلی پیتھی آج نہیں تو کل ہمارے کام آتی لیکن اِن تینوں نے اسے ختم کردیا۔ ہماری اپنی ٹیلی پیتھی جاننے والی کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا تاکہ ہم ان تینوں پر انحصار کرتے رہیں۔"

کئی افسران کے سر جھک گئے۔ ایک نے کہا "اوہ گاڈ! ہم شیبا کی موت سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ان تینوں نے زبردست دھوکا دیا۔ ایسی گہری چال چلی۔ ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ مسٹر اسفندیار! یہ سب تمھارا کیا دھرا ہے۔ تمھاری وجہ سے ہم نے اپنی شیبا پر اعتماد نہیں کیا۔ اُسے ہمیشہ کے لیے کھودیا۔"

دوسرے افسر نے پہلے افسر سے کہا "وہ کب ہماری تھی جسے کھو دینے کا دُکھ ہو رہا ہے۔ وہ تو شروع سے ہی فرہاد کے جال میں پھنس گئی تھی۔"

"شیبا کو اس ملک سے بھاگ جانے پر اسی اسفندیار نے مجبور کیا تھا۔ اگر یہ ہمیں پہلے بتا دیتا کہ شیبا کے پاس ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ہیں تو ہم اُسے کبھی نہ جانے دیتے۔ کبھی وہ فرہاد کے جال میں نہ پھنستی۔"

کئی افسران اس کی مخالفت میں بولنے لگے۔ شیبا سے نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ کوئی کہہ رہا تھا "اگر اُس میں ذرا بھی قومی غیرت ہوتی تو وہ فرہاد سے دل نہ لگاتی۔"

دوسرے نے کہا "اگر وہ سچی یہودی ہوتی تو بابا فرید واسطی کے ادارے میں جاکر نہ رہتی۔"

ایک اور نے کہا "اولاد گمراہ ہو جائے تو اس کا سارا الزام والدین کے سر تھوپنا مناسب نہیں ہے۔ بے شک مسٹر اسفندیار سے کچھ غلطیاں ہوئیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شیبا اپنی پوری قوم کی دشمن بن جاتی۔ اپنے ملک کے مفاد میں اُس نے آج تک ایک بھی اچھا کام نہیں کیا، اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ زندہ ہوتی تب بھی ہماری بھلائی کے لیے کچھ نہ کرتی۔"

ایک اور افسر نے کہا "بابا صاحب کے ادارے میں برین واشنگ بھی کی جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، شیبا کی برین واشنگ بھی کی گئی۔ اس کے دماغ میں یہودیوں کے خلاف نفرت بٹھائی گئی۔ پھر اُسے یہاں بھیجا گیا۔ یہاں آنے کے بعد اتنے دنوں میں اس نے ہمارے لیے کیا کیا؟ صرف فرہاد کی حمایت میں ہم سے لڑتی رہی۔ اچھا ہوا وہ مرگئی۔ زندہ رہتی تو فرہاد کی طرح ہمارے لیے مصیبت بن جاتی۔"

کئی افسران نے بیک زبان کہا "لعنت ہے اس مرنے والی پر۔ اُسے تو بہت پہلے ہی مرجانا چاہیے تھا۔"

شیبا وہاں موجود تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "سن رہی ہو؟"

"ہاں۔ مرنے کے بعد آدمی کو پتا نہیں چلتا، دنیا والے اس کے متعلق کس قسم کی رائے قائم کررہے ہیں۔ مجھے مرنے سے پہلے ہی اپنے متعلق اپنے ہی لوگوں کی رائے معلوم ہو رہی ہے۔"

"میں نے اس کی تسلی کے لیے کہا "یہاں تمھاری حمایت میں بولنے والے بھی ہیں۔"

"ہاں۔ دیکھ رہی ہوں۔ پندرہ افسران ہیں، اُن میں سے صرف دو نے میری حمایت میں کچھ کہا ہے۔"

اس وقت ایک افسر کہہ رہا تھا "بھئی! یہ اسپتال ہے، عدالت نہیں ہے۔ مسٹر اسفندیار کا کیس خصوصی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

ایک افسر نے پوچھا "ہمارے اُن تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

اس نے جواب دیا "وہ ہمارے دوست ہیں اور دوست رہیں گے۔ شیبا کی زندگی میں ہی ان سے معاہدہ ہوچکا تھا کہ ایک طرف ہم شیبا کو بھرپور محبت دیں گے۔ اُسے اس کی قومیت، اس کے مذہب اور اس کے ملک کا واسطہ دے کر اپنے مفادات میں کام کرنے کے لیے کہیں گے۔ جب وہ فرہاد کے دباؤ میں آکر وہ کام نہیں کرسکے گی اور ہمارے یہ تین دوست کرتے رہیں گے تو وہ خود شرمندگی محسوس کرے گی۔ فرہاد سے بدظن ہوتی جائے گی اور اُسے یہ کبھی نہیں معلوم ہوگا کہ ہم نے پسِ پردہ اُن تینوں کو دوست بنا کر رکھا ہے اور ان کے ذریعے فرہاد کی عیاریوں کو بے نقاب کردیا ہے۔"

میں نے کہا "شیبا! سُن لو، انھوں نے اُن تینوں سے خفیہ معاہدہ پہلے ہی کر رکھا ہے۔ اسفندیار کی زبان سے تمھاری موت کا یقین ہونے کے بعد انھیں کسی کا ڈر نہیں رہا۔ اس لیے خفیہ معاہدے کا ذکر کر رہے ہیں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ اگر میں ان کے سامنے اصل روپ میں آجاتی، ان کی ہر بات مانتی تب بھی مجھے اس خفیہ معاہدے کا علم نہ ہوتا۔ لعنت ہے ان لوگوں پر۔ میں جارہی ہوں۔"

"کیا موڈ آف ہوگیا ہے؟"

"ہاں۔ دُکھ پہنچا ہے۔ میں تھوڑی دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں۔"

"جاؤ، مگر اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ میں پھر آؤں گا۔"

وہ رخصت ہوگئی۔ میں نے اُسے تنہا رہنے اور اپنے طور پر سوچنے سمجھنے کے لیے چھوڑ دیا۔

طیارہ ہزاروں فٹ کی بلندی پر پرواز کررہا تھا۔ میں شمالی امریکا میں اچھا خاصا وقت گزارنے کے بعد ہندوستان جارہا تھا۔ طیارے کے اندر مسافر آرام سے سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے یا سیٹوں کو آرام دہ بنا کر نیم دراز ہوگئے تھے۔ ماں جی آنند کے ساتھ اگلی قطار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں ایک درمیانی قطار

میں تھا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلتے پھرتے انھیں دیکھ سکتا تھا۔ اُن کی نگرانی کرسکتا تھا۔

ٹیلی پیتھی جاننے والے بھائیوں میں آرمر وڈ برائے نام کسی معاملے میں مداخلت کرتا تھا، ورنہ اس کے دونوں بھائی شارپہ اور ہار پر ہی زیادہ سرگرمِ عمل رہتے تھے۔ مجھے یقین تھا میرے اس سفر کا اُن دونوں کو علم نہیں ہے۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ نیویارک کے نئے باس نے اس بات کو راز رکھنے میں میری مدد کی تھی۔ موجودہ میک اَپ کے مطابق میرا نام جعفر نوبل مین تھا یعنی میں ایک امریکی نومسلم تھا۔ پہلے عیسائی ہونے کے ناتے میرا نام جیفری نوبل مین تھا، مسلمان ہونے کے بعد جعفر کہلانے لگا تھا۔

میں اپنی طرف سے مطمئن تھا۔ ماں جی اور آنند کا تعاقب یقیناً ہورہا ہوگا۔ طیارے میں ان کی نگرانی کرنے والے دشمن ضرور موجود ہوں گے۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے ہیرا سوامی کے متعلق معلوم کرنا چاہا تو کچھ زیادہ تعجب نہ ہوا۔ وہ بھی اسی طیارے میں موجود تھا۔ ابھی تک میری نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتا تو کبھی پہچان نہ سکتا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹوائلٹ کی طرف جانے لگا۔ میرے پیچھے ایک اور مسافر آرہا تھا۔ وہاں جتنے ٹوائلٹ کے دروازے تھے سب اندر سے مقفل تھے۔ اس شخص نے میرے پاس آکر کہا: ”اے مسٹر! دروازہ کھلے گا تو پہلے میں اندر جاؤں گا۔“

میں نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کے لہجے میں غرور اور بدمعاشی چھپی ہوئی تھی۔ میں نے کہا: ”اچھی بات ہے جناب، آپ ہی پہلے جائیے۔“

اس شخص کے چہرے پر دو جگہ زخم تھے اور ان پر کراس پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ میرے قدوقامت کا آدمی تھا۔ گردن کے پاس کچھ ایسے ابھرے ہوئے نشان تھے جیسے وہ حصہ کسی حادثے میں جل گیا ہو۔ اس نے دُور ایک سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کر آنے لگی۔ اس شخص نے ٹوائلٹ کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا: ”کم آن، پتا نہیں یہ لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ ٹوائلٹ میں جاکر سو جاتے ہیں۔“

وہ عورت آہستہ آہستہ ہماری طرف آرہی تھی۔ ایسا لگتا تھا وہ کسی تکلیف میں مبتلا ہو۔ جب وہ قریب آگئی تو میں نے اس شخص سے پوچھا: ”پہلے آپ جائیں گے یا یہ؟“

”اس نے غرا کر کہا: ”یو شٹ اَپ۔“

اسی وقت ٹوائلٹ کا دروازہ کھل گیا۔ ایک شخص باہر نکلا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا: ”اگر میں پہلے چلا جاؤں تو؟“

اس شخص نے غرا کر دیکھا۔ عورت نے التجا کی: ”پلیز، مجھے جانے دیجیے۔“

میں پیچھے ہٹ گیا۔ وہ فوراً ہی اندر گئی اور دروازے کو بند کرلیا۔ وہ دونوں کچھ گڑبڑ کر رہے ہیں، اس کا مجھے اندازہ ہوگیا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرسکتا تھا مگر غیر ضروری ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ یہ دشمنوں میں سے ہوسکتا تھا اور میری سوچ کی لہروں کو محسوس کرسکتا تھا۔ لہٰذا میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اُسے چھیڑنے کے لیے کہا: ”جب یہ باہر آئے گی تو میں جاؤں گا۔“

”ہرگز نہیں۔ میں زیادہ ضرورت محسوس کر رہا ہوں، میں جاؤں گا۔“

اسی وقت دوسرے ٹوائلٹ کا دروازہ کھلا۔ ایک دوسرا شخص باہر آیا۔ میں نے مسکرا کر کہا: ”تم زیادہ ضرورت مند ہو۔ لہٰذا اُدھر جاؤ۔“

وہ ذرا ہچکچایا پھر بولا: ”میں برداشت کرسکتا ہوں۔ میں نے خواہ مخواہ تمھیں روک لیا۔ پلیز، تم چلے جاؤ۔“

”اب تو میں اسی ٹوائلٹ میں جاؤں گا جس میں وہ عورت گئی ہے۔“

وہ میرے اور دروازے کے درمیان تن کر کھڑا ہوگیا: ”وہ میری بیوی ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں جانا چاہتے ہو؟“

”اس نے مجھے اشارہ کیا تھا۔“

”تم جھوٹ بولتے ہو۔“

”جھوٹ تم بول رہے ہو۔ وہ تمھاری بیوی نہیں ہے، اگر ہوتی تو مجھے آنکھ مار کر نہ جاتی۔“

وہ غصے سے تلملانے لگا۔ دونوں مٹھیاں بھینچ لیں جیسے میرے مُنہ پر گھونسا رسید کر دے گا۔ میں نے گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا: ”بھائی صاحب، غصہ کیوں کرتے ہو۔ میں جارہا ہوں۔“

میں دوسرے ٹوائلٹ کے دروازے پر پہنچا۔ اندر گیا پھر کہا: ”وہ آنکھ مارنے والی برابر والے ٹوائلٹ میں ہے۔ میں دروازہ بند کرکے اس سے باتیں کروں گا۔“

وہ میری طرف بڑھا۔ میں نے فوراً دروازے کو بند کرکے اندر سے لاک کردیا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہورہا تھا۔ میں یقین سے کہہ سکتا تھا بازو والے ٹوائلٹ میں وہ عورت کیا کر رہی ہے۔ خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھی، مگر عورت تھی۔ خواہ کوئی سا بھی جرم کر رہی ہو، اس کے پاس جانا خلافِ تہذیب تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ باہر نکلی ہوگی اور وہ اندر آرہا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ تب ہی میں نے خیال خوانی کی پرواز کی اور اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ دروازہ بند کرتے ہی سینیٹری باکس کی طرف گیا۔ اُسے کھول کر دیکھا تو اندر ایک پلاسٹک کی تھیلی پھٹی ہوئی تھی۔ وہ تھیلی کسی شیشے کی نلکی کی طرح پتلی سی تھی۔ اس کا قطر بمشکل ایک انچ ہوگا مگر لمبائی ایک فٹ تھی۔ اس پھٹی ہوئی تھیلی کے پاس ایک چھوٹا سا تہ کیا ہوا کاغذ پڑا تھا۔ اُس نے کاغذ کو اٹھا کر کھولا پھر پڑھنے لگا۔ اس میں لکھا تھا۔

”سب ٹھیک ہے۔ پلاسٹک کی تھیلی پھٹ گئی تھی۔ میں اُٹھ کر کھڑی ہوئی تو ایک دانہ نکل کر نیچے گر پڑا۔ اچھا ہوا کسی کی نظر نہیں پڑی۔ میں نے اُسے اٹھا لیا ہے۔ فکر نہ کرو۔ پورے دانے موجود ہیں۔ میں نے تھیلی بدل لی ہے۔ میں اس معاملے میں محتاط ہوں۔ تمھارا مال اسی طرح محفوظ رہے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں محفوظ رہتا ہے۔“

اس نے خط اور پلاسٹک کی تھیلی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے انھیں کموڈ میں ڈال کر فلش کر دیا۔ وہ کچھ ہیرے لے جارہا تھا۔ ہندوستانی کرنسی کے حساب سے وہ ہیرے تقریباً پانچ لاکھ روپے مالیت کے تھے۔ اُسے دولت سے زیادہ نشے کی طلب ہوتی تھی۔ دولت کے لیے وہ کہتا تھا جب چاہوں حاصل کرسکتا ہوں، مگر جب چاہتا تھا چرس نہیں ملتی تھی۔ اگر ملتی بھی تو بہت مہنگے داموں۔

اس کے ساتھ نشہ کرنے والوں نے کہا: ”چلو ایک بار زبردست ڈاکا ڈالیں گے، جو مال ہاتھ آئے گا اُسے لے کر ہندوستان جائیں گے۔ نیپال میں چرس بہت سستی ہے۔ فارایسٹ کی سیر کریں گے۔ جب دل بھر جائے گا تو باقی رقم سے چرس خرید کرلے آئیں گے۔“

اُنھوں نے ڈاکا ڈالا اور وہ ہیرے ہاتھ آگئے۔ ان کی مالیت کا اندازہ لگایا گیا۔ وہ پانچ لاکھ روپوں میں کم از کم پانچ مہینے فارایسٹ میں گزار سکتے تھے اور ہزاروں روپے کی چرس لاسکتے تھے۔ اس نے سوچا: ”یہ دو ساتھی خواہ مخواہ گلے پڑ گئے۔ اگر میں تنہا رہوں تو پانچ لاکھ روپے کی چرس پیتے پیتے آدھی زندگی گزار دوں گا۔ ہو سکتا ہے میری زندگی آدھی سے بھی آدھی رہ گئی ہو، نشہ کبھی آدھا نہیں رہتا۔ یہ اپنی مقدار میں بڑھتا جاتا ہے۔ بڑھتا جاتا ہے اور جتنا بڑھتا جاتا ہے، زندگی اتنی ہی گھٹتی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ پانچ لاکھ صرف میرے ہیں۔“

اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو باری باری دھوکے سے مار ڈالا۔ ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ اب کوئی حصہ طلب کرنے والا نہیں تھا۔ صرف وہی ایک عورت رہ گئی تھی۔ وہ نشہ کرنے والوں کی سوسائٹی میں گنگوبائی کہلاتی تھی۔ ہندوستان سے لے کر امریکا تک مشہور تھی۔ مال چھپا کر لے جانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ صرف ایک بار ہندوستان میں پکڑی گئی تھی مگر بھوانی کی رشوت دے کر جلد ہی چھوٹ گئی تھی۔

اس شخص نے مجبور ہو کر گنگوبائی کو اپنا رازدار بنایا۔ اس سے طے ہوا کہ وہ یہاں سے ہیرے لے جائے گی۔ ایک ماہ بعد وہاں سے چرس لائے گی۔ آنے جانے، رہنے سہنے کا خرچ یہ برداشت کرے گا اور اُسے پچاس ہزار روپے دے گا۔

وہ ٹوائلٹ کے اندر چرس بھرے سگریٹ کا دم لگا رہا تھا اور میں اس کے خیالات پڑھ رہا تھا۔ اس کا نام آرتھر تھا۔ اس نے دو چار گہرے کش لگانے کے بعد سگریٹ کو بجھایا۔ اس کا باقی حصہ واپس پیکٹ کے اندر چھپا لیا۔ وینٹی لیٹر کا بٹن آن کیا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر اِدھر سے اُدھر ہلانے لگا۔ دھوئیں کو باہر بھگانے لگا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور اس کے بعد کوئی دوسرا ٹوائلٹ کے اندر آتا تو اُسے چرس کی بدبو ضرور محسوس ہوتی۔ اس نے سفر کے دوران گنگوبائی کو اپنے سے الگ رکھا تھا۔ اگر مقدر کی خرابی سے وہ پکڑی جاتی تو یہ قانون کی گرفت سے محفوظ رہتا۔ میں ٹوائلٹ سے نکل کر اپنی سیٹ پر آگیا۔ آرتھر ابھی تک وہیں تھا۔ اب آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر زخموں کی مرہم پٹی کر رہا تھا۔ یہ زخم اپنے دوستوں سے لڑنے کے دوران آئے تھے۔ اس نے بڑی جان لیوا جنگ لڑنے کے بعد اپنے دونوں ساتھیوں کو ہلاک کیا تھا۔

سفر بڑا آرام دہ تھا۔ ابھی ہمارے نصیب میں تھوڑا سا سُکون تھا۔ جب میں خیال خوانی کرتا ہوں تو کسی نہ کسی نئی الجھن میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔ فی الحال خیال خوانی کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی اور لومی، بابا صاحب کے ادارے میں محفوظ تھیں۔ اُن کی طرف سے کوئی فکر نہیں ہوسکتی تھی۔ شیبا مجھ سے پہلے بمبئی پہنچ گئی تھی۔ خدانخواستہ وہ کسی مصیبت میں ہوتی تو مجھ سے رابطہ قائم کرتی۔

مختصر یہ کہ اپنوں کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی، البتہ دشمن جتنے محاذوں سے چالیں چل رہے تھے، ان کے مطابق تازہ ترین معلومات رکھنا لازمی تھا مگر دشمنوں کی خبر رکھتے رکھتے زندگی گزر رہی تھی۔ جتنا ان کے متعلق تازہ ترین معلومات حاصل کرو، مزید اُلجھنیں بڑھتی جاتی تھیں۔ مصروفیات میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا، بمبئی پہنچنے تک خیال خوانی نہیں کروں گا۔ اس کے بعد میں بڑی دیر تک اپنے فیصلے پر عمل کرتا رہا۔

ہم کسی سے نہ ملنے کا فیصلہ کرلیتے ہیں مگر جس سے نہ ملنے کا فیصلہ کرتے ہیں، وہ خود چلا آتا ہے۔ میں خیال خوانی سے پرہیز کر رہا تھا مگر پرائی سوچ کی لہریں دماغ میں چلی آئیں۔ میں

نے فوراً سانس روک لی۔ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر، بات ایک ہی ہے۔ مجھے خیال خوانی کرنا پڑی۔ میں نے شیبا کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے پوچھا "کون ہے؟"

"میں فرہاد بول رہا ہوں۔ کیا تم میرے پاس آئی تھیں؟"

"نہیں تو؟"

"میں یہی پوچھنا چاہتا تھا۔ آرام کرو۔ میں بھی خیال خوانی سے پرہیز کر رہا ہوں۔"

میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اسی لمحے میں نے پھر اپنے دماغ میں پرائی سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور سانس روک لی یقیناً وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے دماغ میں آ کر معلوم کرنا چاہتے ہوں گے کہ میں کہاں ہوں۔ اگر انھیں دماغ میں جگہ دے دوں تو فوراً پتا چل جائے گا کہ طیارے میں ہوں۔ ماں جی اور آنند کے ساتھ سفر کر رہا ہوں اور میری منزل ہندوستان ہے۔

میں چند سیکنڈ تک سانس روکنے کے بعد پھر سانس لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سوچ کی لہر محسوس ہوئی۔ میں نے پھر سانس روک لی۔ شار پر اور ہار ہر مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ اُدھر انھوں نے ریڈ یادر کے پاس پہنچ کر میرے متعلق معلوم کرنا چاہا ہوگا۔ انھیں یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی ہوگی کہ ریڈ یادر کا باس بدل چکا ہے۔ پھر وہ سونیا اور لوسی کے دماغوں میں پہنچنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بھی مایوس ہو رہے ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد مجھے اپنے دماغ میں ایک نسوانی ہنسی سنائی دی۔ میں حیران ہوا مگر سانس روک لی۔ میرے دماغ میں آنے والی سُریلی ہنسی شیبا کی ہو سکتی تھی یا رسونتی کی لیکن رسونتی فی الحال خیال خوانی کے قابل نہیں تھی۔ شیبا سے طے ہو گیا تھا کہ ہم خیال خوانی نہیں کریں گے لہٰذا میرے پاس آ کر ہنسنے والی صرف ایک جوجو رہ گئی تھی۔

میں چپ چاپ جوجو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ فرش پر پاؤں پٹخ پٹخ کر کہہ رہی تھی: "فرہاد اچھا نہیں ہے۔ بہت خراب ہے۔ مجھے اپنے پاس آنے نہیں دیتا۔ میں کیا کروں؟"

اسی کے لہجے میں اس کی سوچ سنائی دی "پیاری بہن! ایک بار اور کوشش کرو۔ وہاں پہنچتے ہی یہ معلوم کرو کہ وہ کس جگہ ہے؟"

میں نے کہا: "پیاری بہن کے نامعقول بھائیو! تم لوگوں سے کہہ چکا ہوں، اس معصوم کو ہمارے درمیان نہ لاؤ مگر مجھے تلاش کرنے کا تم لوگوں کے پاس یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے۔ میں آخری وارننگ دے رہا ہوں، اگر کسی نے میرے دماغ میں آنے کی کوشش کی تو میں جوجو کو دماغی جھٹکے پہنچاؤں گا۔"

اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ یہ کم بخت ماننے والے نہیں تھے۔ صرف دھمکی دینے سے بات نہیں بن سکتی تھی۔ جوجو کو ہلکی پھلکی سزا دینا لازمی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہی ان بھائیوں کو ذرا عقل آ سکتی تھی۔

میں نے شیبا کو مخاطب کیا "آجاؤ۔"

میرے ایک لفظ "آجاؤ" کے ساتھ ہی اس نے سانس روک لی تھی۔ پھر مجھے اُس کی سوچ سنائی دی۔ میں نے کہا "ابھی میں نے ہی تمھیں بلایا ہے۔"

کیا بات ہے؟"

"میں نے اُسے بتایا کس طرح شار پر اور ہار ہر جوجو کے ذریعے مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ شیبا نے کہا: "وہ بہن کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ اس کے باوجود سنگین معاملات میں گھسیٹ رہے ہیں۔ شاید انھیں یقین تھا کہ ہم جوجو کی معصومیت کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے، جوابی کارروائی میں اُسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"دشمنوں کے سامنے ہمارا ریکارڈ ہے اور وہ درست سمجھ رہے ہیں، ہم نے کبھی کسی معصوم اور بے ضرر شخص کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اب جوابی کارروائی ضروری ہے۔"

"کیا اس معصوم لڑکی کو تکلیف پہنچاؤ گے؟"

"اسے تکلیف پہنچائے بغیر ان بھائیوں کو اچھا سبق سکھایا جا سکتا ہے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ ابھی تدبیر سوچ رہا ہوں، وہ جوجو کے ذریعے تمھیں بھی تلاش کرنا چاہیں گے۔ ایک فریق دوسرے فریق کی پوزیشن معلوم کرنا چاہتا ہے، ہم دونوں کہاں ہیں، کیا کر رہے ہیں؟ انھیں اس بات کی بے چینی ہوگی۔"

"میرے دماغ میں کوئی بھی دستک دے، میں اسے آنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ اتنا تو سمجھتی ہوں، وہ جوجو کے ذریعے میرے دماغ میں چند سیکنڈ کے لیے بھی رہیں گے تو پتا چل جائے گا میں کہاں ہوں۔"

میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "بمبئی میں رات کے دو بج رہے ہوں گے۔ تم ابھی تک جاگ رہی ہو!"

"نیند نہیں آ رہی۔"

"ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے لیے نیند کو بلانا کون سی بڑی بات ہے؟"

"میں نے اپنے دماغ کو ہدایات نہیں دیں۔ سوچ رہی تھی، خود ہی نیند آ جائے تو اچھا ہے مگر..."

میں نے کہا "مگر رنگین اور سنگین خیالات نیند اُڑا دیتے ہیں۔"

وہ چپ رہی۔ شاید شرما رہی ہوگی۔ میں نے پوچھا "کیا میں آجاؤں۔ تھپک تھپک کر سُلا دوں گا۔"

"اوں ہوں، میں سو جاؤں گی۔"

"ایسے تو کبھی نہیں سو سکو گی۔ اپنے دماغ کو ہدایات دو اور سو جاؤ۔ آرام کرنے کا جتنا موقع ملتا ہے، اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ پچھلے دنوں میں زیرِ زمین دنیا میں تھا۔ تم دن رات خیال خوانی میں مصروف رہیں۔ اب عملی میدان میں آئی ہو تو پھر وہی مصروفیات ہوں گی۔ لہٰذا آرام کے وقت آرام کرو۔"

ہم نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے سوچا تھا، خیال خوانی نہیں کروں گا مگر خیال تو پھر خیال ہوتا ہے۔ شروع ہوتا ہے تو آدمی کو خیالوں میں گم کر دیتا ہے۔ ایک بات جب چل پڑتی ہے تو چل پڑتی ہے۔ میں ہیرا سوامی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں بھائی اس کے لب و لہجے میں بول رہے تھے "تمھیں پھر ایک بار اُٹھ کر دیکھنا چاہیے، ان مسافروں میں فرہاد ہو سکتا ہے۔"

"میں دو بار جہاز کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا چکا ہوں۔ ہر مسافر پر نظر ڈالی ہے۔ کسی پر فرہاد کا شبہ نہیں ہو رہا ہے۔"

ہیرا سوامی! ہمارا دل نہیں مانتا، وہ شخص زبان کا دھنی ہے۔ جب تمھاری بیوی کو ماں کہتا ہے تو اس کی حفاظت کے لیے بنفسِ نفیس موجود رہ سکتا ہے۔"

"وہ دور رہ کر بھی نیلما اور آنند کے قریب رہ سکتا ہے۔ تم ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے لیے یہ کون سی بڑی بات ہے۔"

"ہمارے اطمینان کے لیے ایک بار اور اٹھو۔ ہم تمھیں ایک اہم نشانی بتاتے ہیں۔ وہ آج کل زخمی ہے۔ اگر اسی طیارے میں سفر کر رہا ہے تو یقیناً تم ایک زخمی شخص کو دیکھ سکو گے خواہ وہ کسی روپ میں ہو۔"

ہیرا سوامی نے چونک کر کہا "ہاں، ہے ایک زخمی شخص اس طیارے میں ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے۔ چہرے پر زخم ہیں۔ شاید لباس کے اندر بھی زخمی ہو۔"

میں بے اختیار مسکرانے لگا۔ آرتھر کی شامت آ گئی تھی، اُس کے چہرے پر زخم کے نشان تھے، دو جگہ کراس پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ اگرچہ میں بھی زخمی تھا لیکن وہ زخم لباس کے اندر تھے۔ بظاہر زخمی نظر نہیں آتا تھا۔

ہیرا سوامی نے کہا "مجھے یاد نہیں رہا تھا ورنہ میں اس پر کڑی نظر رکھتا۔"

"اب رکھو اور دیکھو تم کہیں دھوکا تو نہیں کھا رہے ہو۔"

"میں اسے دیکھتا رہوں گا۔"

میں آرتھر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے اندر پھر نشے کی طلب پیدا کی۔ وہ بے چین سا ہو گیا۔ پلٹ کر پچھلے حصے کے ٹوائلٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "اب مجھے اگلے حصے والے ٹوائلٹ میں جانا چاہیے۔ بار بار ایک ہی جگہ نشہ کرتے جاؤں گا تو کسی کو شبہ ہوگا۔"

میں ماں جی کے پاس آیا۔ عجیب اتفاق تھا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹوائلٹ کی طرف جانا چاہتی تھیں۔ اگر وہ نہ جاتیں تب بھی میں کسی بہانے لے جاتا۔ بہرحال جب وہ وہاں پہنچیں تو ٹھیک اسی وقت آرتھر بھی پہنچ گیا۔ ماں جی نے اس سے کہا "پہلے تم چلے جاؤ۔"

آرتھر نے مسکرا کر کہا "آپ بزرگ ہیں۔ پہلے آپ جائیے۔"

وہ جانا چاہتی تھیں، میں نے مزید گفتگو کے لیے روک دیا۔ وہ کہنے لگیں "تم بہت اچھے ہو۔ کہاں جا رہے ہو؟"

"اس طیارے میں بمبئی تک سفر ہے۔ پھر نیپال جاؤں گا۔"

میں انھیں چھوڑ کر ہیرا سوامی کے دماغ میں آیا۔ وہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان سے بہت دور تھا۔ وہ گفتگو کر رہے تھے۔ یہ سن نہیں سکتا تھا مگر میں جو سمجھانا چاہتا تھا، وہی سمجھ رہا تھا یعنی وہ زخمی فرہاد ہے اور ٹوائلٹ جانے کے بہانے ماں جی سے کچھ اہم باتیں کر رہا ہے۔ اس نے فوراً ہی سوچ کے ذریعے کہا "کیا تم لوگ میرے پاس موجود ہو؟"

اسے جواب نہیں ملا۔ وہ بے چینی سے اپنی سیٹ پر پہلو بدلنے لگا۔ وہ موجود ہوتے تو ماں جی کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر سکتے تھے کہ وہ اُس زخمی سے کیا باتیں کر رہی ہیں اور وہ زخمی کیا فرہاد ہے؟

ماں جی اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئیں۔ آرتھر ٹوائلٹ میں چلا گیا تھا۔ ابھی کچھ وقت وہاں گزارنے والا تھا۔ چرس کا ادھ جلا سگریٹ پوری طرح پھونک کر آنے والا تھا۔ میں نے ماں جی کو مخاطب کیا۔ وہ خوش ہو کر بولیں "بیٹے! تم کہاں ہو؟"

"میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گا۔ لہٰذا آپ کے پاس ہوں۔"

وہ مزید خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں "کیا تم ہمارے ساتھ طیارے میں سفر کر رہے ہو؟"

"آپ یہ سوال نہ کریں۔ میں دشمنوں سے چھپا ہوا ہوں۔ اچانک کسی موقع پر ظاہر ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹے، تمھیں اسی طرح محتاط رہنا چاہیے۔ میں تمھارے لیے دعا کرتی رہتی ہوں۔"

"اس کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیے، خدا سب کی سنتا ہے مگر ماں کی دعا پہلے سنتا ہے۔"

"تمھارے زخم کیسے ہیں؟"

"یہ بھر رہے ہیں مگر چہرے کا زخم ویسا ہی ہے، اگرچہ میں پلاسٹک سرجری کے ذریعے روپ بدل چکا ہوں لیکن دشمن ان زخموں کی وجہ سے تاڑ سکتے ہیں۔"

وہ چونک کر بولیں "ارے بیٹا، کیا تم وہی ہو جو ابھی ٹوائلٹ کے پاس ملے تھے؟"

"ماں جی، آپ نے تو فوراً ہی تاڑ لیا۔ پھر بھلا دشمن کب پیچھے رہیں گے۔"

"میں کسی کو نہیں بتاؤں گی، اپنے دماغ میں یہ خیال ہی نہیں لاؤں گی کہ ٹوائلٹ کے پاس جس زخمی سے مل چکی ہوں، وہ میرا بیٹا ہے۔"

"آپ آرام کریں، میں جا رہا ہوں۔"

میں آرتھر کے پاس آگیا۔ وہ اپنی طلب پوری کر چکا تھا۔ اسی طرح وینٹی لیٹر کا بٹن آن کرنے کے بعد دھوئیں کو باہر نکال رہا تھا۔ پھر وہ باہر آگیا۔ جب سیٹوں کی درمیانی راہداری سے گزرنے لگا تو میں نے اس قطار کے قریب پہنچنے سے پہلے چال سست کر دی۔ وہاں ہیرا سوامی بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ میں نے آرتھر کو کن انکھیوں سے ادھر دیکھنے پر مجبور کیا۔ جب ہیرا سوامی سے نظریں ملیں تو آرتھر نے فوراً ہی نظریں چرالیں، تیز قدم بڑھاتا ہوا اپنی سیٹ پر چلا گیا۔ اب تو ہیرا سوامی کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ میں ہی ہوں۔ جب اس کے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوست اس کے پاس آتے تو وہ ضرور بتاتا کہ ماں جی اور آرتھر ٹوائلٹ کے پاس کچھ باتیں کر رہے تھے۔ پھر وہ یقیناً ماں جی کے دماغ میں پہنچتے۔ چپ چاپ ان کے خیالات پڑھتے۔ وہ میرے بارے میں سوچنا نہ چاہتیں۔ یہ خیال دماغ سے نکالنا چاہتیں کہ جو زخمی ان سے ٹوائلٹ کے پاس ملا تھا وہ فرہاد ہے لیکن کچھ نہ سوچنے کی جدوجہد کے دوران شمار بار، بار بار یہی خیالات پڑھ لیتے اور سمجھ لیتے کہ فرہاد اس طیارے میں آرتھر بن کر سفر کر رہا ہے۔

مجھے یقین تھا، وہ آرتھر کو خیال خوانی کے ذریعے نہیں چھیڑیں گے۔ اگر چھیڑیں گے تو میری ہی سوچ کا لب و لہجہ اختیار کر کے اس کے دماغ میں جانا چاہیں گے مگر میرے دماغ میں پہنچ جائیں گے۔ کیوں کہ آرتھر کا لب و لہجہ وہ نہیں جانتے ہیں۔ اگر انھوں نے ہیرا سوامی کے ذریعے اس لہجے کو سن بھی لیا تو اس وقت میں محتاط رہوں گا۔ جیسے ہی اندازہ ہو گا کہ وہ آرتھر کے دماغ میں پہنچنا چاہتے ہیں، میں اس کی سانس روک دوں گا۔ اس چکر بازی کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو میں دیکھنا چاہتا تھا، وہ میری موجودگی معلوم کر لینے کے بعد کیا کرتے ہیں؟ دوسرے وہ بھی بڑے چکر باز تھے۔ ان کے جواب میں ایسی ہی چکر بازی لازمی تھی۔

طیارہ لندن ائیرپورٹ پر اتر گیا۔ اب مزید ایندھن لینے کے بعد پرواز کرنے والا تھا۔ یہاں کچھ مسافروں کا سفر ختم ہو چکا تھا، کچھ نئے مسافر آنے والے تھے۔ میں نے دیکھا، آرتھر کے پاس والی سیٹ خالی رہ گئی تھی۔ وہ مسافر چلا گیا تھا۔ پتا نہیں کون آنے والا تھا۔ میں نے آرتھر کے دماغ میں پہنچ کر یہ خیال قائم کیا کہ اسے گونگا بن کر رہنا چاہیے۔ اگر بولے گا تو منہ سے چرس کی بو آئے گی۔

وہ گونگا بن کر رہنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں آرام سے اپنی سیٹ پر ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ جوجو کا تصور کر رہا تھا، اس کے لب و لہجے کو یاد کر رہا تھا۔ پھر چپ چاپ اس کے پاس پہنچ گیا۔ آرمر اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا، اس کے سر کو سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا "اب تم ٹیلی پیتھی جانتی ہو، اپنے دماغ کو ہدایت دو کہ تم کتنے گھنٹے تک سونا چاہتی ہو پھر صبح دیکھو گی کہ جو وقت مقرر کیا تھا، اسی وقت تمھاری آنکھ کھلے گی۔"

وہ خوش ہو کر بولی "کیا سچ، اگر صبح پانچ بجے اٹھنا چاہوں تو ٹھیک اسی وقت اٹھوں گی؟"

"ہاں، آزما کر دیکھ لو۔ اپنے دماغ کو ہدایت دیتے وقت یہ بھی کہنا کہ تم سکون سے سوتی رہو گی لیکن تمھارے کمرے میں کوئی داخل ہو گا یا تمھارے دماغ میں کوئی آنا چاہے گا تو تمھاری آنکھ فوراً کھل جائے گی اور جب آنکھ کھل جائے گی تو تم خیال خوانی کے ذریعے مجھے مخاطب کرو گی۔ میں تمھاری مدد کے لیے پہنچ جاؤں گا۔"

اس نے پوچھا "بھائی! کیا فرہاد گندہ ہے؟"

"ہی از اے بلڈی، ڈرٹی مین۔ وہ معصوم لڑکیوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی لیے سمجھا رہا ہوں، اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سو جاؤ، کوئی گڑبڑ ہو گی تو میں پہنچ جاؤں گا۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آرمر اس کے سر کو سہلاتے ہوئے چپ چاپ اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے دماغ کو ہدایات دے رہی تھی "میں صبح چھ بجے تک سوتی رہوں گی۔ پھر ٹھیک چھ بجے میری آنکھ کھل جائے گی۔ اگر سونے کے دوران میرے کمرے میں یا میرے دماغ میں کوئی آئے گا تو میری آنکھ کھل جائے گی۔ پھر میں خیال خوانی کے ذریعے اپنے بھائی کے پاس پہنچ جاؤں گی، اُسے اپنے پاس بلاؤں گی۔"

آرمر اس کے خیالات پڑھ رہا تھا اور مطمئن ہو رہا تھا۔ ذرا دیر بعد وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔ بھائی نے اسے محبت سے دیکھا۔ جھک کر اس کی پیشانی کو چوما۔ پھر لائٹ آف کر کے کمرے سے باہر آگیا۔ باہر آتے ہی اسے اپنے لب و لہجے میں بھائی کی بات سنائی دی۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "یہ تم نے اچھا کیا۔ وہ دماغ کو ہدایت دے کر سونا سیکھ گئی ہے۔ فرہاد یا شیبا بے جھجک اس کے پاس نہیں آئیں گے۔ آئیں گے تو وہ فوراً ہی تمھارے پاس پہنچ جائے گی۔"

وہ تینوں مطمئن تھے۔ میں آرمر کے پاس تھوڑی دیر تک رہا، جب وہ اپنے کمرے میں پہنچ کر شراب پینے بیٹھا تو میں جوجو کے دماغ میں آگیا۔ اس نے یکبارگی آنکھیں کھول دیں، فوراً یاد نہیں آیا کہ ایسے وقت کیا کرنا چاہیے۔ پھر یاد آگیا، خیال خوانی کے ذریعے بھائی آرمر کو مخاطب کرنا چاہیے لیکن میں نے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس کے دماغ پر قبضہ جما کر اسے پھر لٹا دیا۔ آنکھیں بند کر دیں اور تھپک تھپک کر سلانے لگا۔ ذرا دیر بعد ہی وہ دوبارہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔ تب میں نے اس پر تنویمی عمل شروع کیا۔

وہ میری معمولہ بن گئی، میرے زیرِ اثر آگئی۔ اب صرف میری آواز سن سکتی تھی۔ صرف میری بات سمجھ سکتی تھی، ساری دنیا کو بھول چکی تھی، حتیٰ کہ بھائیوں کو بھی بھلا دیا تھا۔

میں نے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام جوجو ہے۔"

"میرا نام کیا ہے؟"

"معلوم نہیں۔"

میں نے کہا "میرا نام دوست ہے اور تم مجھ سے دوستی کرو گی۔"

اس نے میری بات دہرائی اور دوستی کا وعدہ کیا۔ میں نے پوچھا "فرہاد کیسا آدمی ہے؟"

"وہ بہت گندہ ہے۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میرے بھائی کہتے ہیں۔"

"تمھارے بھائی بھی گندے ہیں۔"

اس نے میری بات دہرائی۔ میں نے کہا "صرف زبان سے نہیں، دل سے یقین کرو۔ جو شخص بھی تمھاری معصومیت کا خیال نہ کرے، تمھیں سنگین معاملات میں ملوث کرنا چاہے، وہ گندا ہے۔ میں تمھارا دوست ہوں اور تمھاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تم اپنے بھائیوں سے زیادہ مجھ پر بھروسا کرو گی۔"

"میں اپنے بھائیوں سے زیادہ تم پر بھروسا کروں گی۔"

"میں ہمیشہ تمھارے خیالوں میں آؤں گا لیکن دماغ میں نہیں آسکوں گا کیوں کہ میں ٹیلی پیتھی نہیں جانتا۔ کیا تم میری یہ باتیں یاد رکھو گی؟"

"یاد رکھوں گی۔ تم ٹیلی پیتھی نہیں جانتے ہو۔"

"تمھارے تینوں بھائی یا اور کوئی سوال کرے کہ وہ دوست کون ہے تو تم کہو گی، میں نہیں جانتی، میں تو صرف اس کا خیال کرتی ہوں۔ وہ میرا آئیڈیل ہے۔"

"میں صرف اس کا خیال کرتی ہوں۔ وہ میرا آئیڈیل ہے۔"

"وہ تمھارے دماغ میں آتا ہے نہ آئے گا۔ تم نے اپنے دوست سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ کبھی اس کی صورت نہیں دیکھی۔ اس لیے تم اس کا تصور کرتی ہو، خیالوں میں اس سے باتیں کرتی ہو اور خیالوں میں اس کے پاس پہنچ جاتی ہو۔"

وہ میری تمام باتوں کو دہرانے لگی۔ میں نے کہا "تمھارے بھائی فرہاد کی سوچ پڑھنے کی فرمائش کریں تو انکار کر دینا۔ کہہ دینا وہ گندہ ہے۔ اس کے دماغ میں نہیں جاؤ گی۔"

"وہ گندہ ہے، میں اس کے دماغ میں نہیں جاؤں گی۔ اپنے بھائیوں سے انکار کر دوں گی۔"

میں نے پوچھا "کیا وہ تینوں تمھارے دماغ کو حساس بنانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں، باتیں کر رہے تھے۔ پھر آرمر بھائی نے انکار کر دیا۔ کہنے لگے، جوجو کے دماغ کو حساس بنائیں گے تو فائدہ نہیں ہو گا۔ ہماری بہن سانس نہیں روک سکتی۔ چند سیکنڈ میں گھبرا کر سانس لینے لگے گی اور اگر ہم نے۔۔۔"

میں نے محسوس کیا، تنویمی عمل کے دوران وہ کچھ پریشان سی ہے، دماغ پر بوجھ محسوس کر رہی ہے۔ یقیناً اس کا دماغ نازک سا تھا، وہ ہنسنے بولنے والی لڑکی تھی۔ تنویمی عمل کی سنجیدگی اور سنگینی کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے اسی وقت یہ عمل ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر اس سے

کہا، "تم بہت اچھی ہو۔ ہمیشہ ہنستی بولتی رہتی ہو۔ اپنے دماغ کو ہلکا پھلکا رکھنے کے لیے کوئی ہنسنے والی بات بولو۔"

وہ آنکھیں بند کیے بستر پر چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا، اس کے دماغ میں ہلکی پھلکی تازگی آگئی ہے۔ وہ خوش ہورہی تھی۔ پھر اچانک ہی ہنسنے لگی۔ میں نے پوچھا "کس بات پر ہنس رہی ہو؟"

"وہ جو داڑھی والا بڈھا ہے، اس کی ناک کٹ گئی ہے۔"

میں اس بات پر اس کے دماغ میں ہنسنے لگا تاکہ وہ تازگی محسوس کرے۔ اس نے کہا "میں ایک بار اس کے دماغ میں گئی تو اس کی ناک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، وہ آدھی ناک سے بول رہا تھا۔ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کی بات سننے سے ہنسی آتی ہے۔ میں پھر اس کے پاس جاؤں گی اور اسے چھیڑ چھیڑ کر آدھی ناک سے بولنے پر مجبور کروں گی۔"

"تم بہت اچھی ہو۔ اسی طرح دوسروں کو چھیڑتی رہو، ہنستی رہو، بولتی رہو اور ہمیشہ خوش رہو۔"

میں نے اسے خاموش رہنے اور چپ چاپ سو جانے کی ہدایت کی۔ پھر کہا "صبح چھ بجے اٹھو گی تو یہ یاد نہیں رہے گا کہ دماغ کو ہدایت دینے کے لعد ایک بار تمھاری آنکھ کھل گئی تھی اور تم پر کسی نے تنویمی عمل کیا تھا۔"

اس نے میری یہ باتیں دُہرائیں۔ میں نے اسے نیند کی حالت میں چھوڑ دیا۔ اپنی جگہ واپس آگیا۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ طیارہ بمبئی ائیر پورٹ کے رن وے پر اتر چکا تھا۔ شیبا وزیٹر لابی میں کھڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے دوربین لگائے طیارے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے شانے سے ایک بہت ہی قیمتی کیمرہ جھول رہا تھا۔

کسی نے کہا "کیا قیامت ہے۔ پاس والے کو چھوڑ کر دور والے کو دیکھا جارہا ہے۔"

یہ سنتے ہی شیبا آنکھوں سے دوربین ہٹانا چاہتی تھی، پھر خیال آیا، وہ گونگی بہری ہے۔ اسے کسی کی باتوں کا اثر نہیں لینا چاہیے، وہ بدستور دوربین سے طیارے کی جانب دیکھتی رہی۔ البتہ آمنہ کی آواز سنائی دی "اے مسٹر ہیرو، اگر تم میری سہیلی کو کہہ رہے ہو تو تمھیں افسوس ہوگا نہ یہ سن سکتی ہے نہ بول سکتی ہے۔"

ہیرو ٹائپ کے جوان نے کہا "تم تو سن سکتی ہو؟"

"میں سنتی ہوں نہ سناتی ہوں۔ اٹھا کر لابی سے نیچے پھینک دیتی ہوں۔ آزمانا چاہتے ہو تو ہاتھ ملاؤ اور خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ چلے جاؤ۔"

لابی میں کھڑے ہوئے لوگ اس جوان کو ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جھینپ کر چلا گیا۔ میں اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میرے پاس ایک بیگ تھا اور ایک بیگ آرتھر کے پاس بھی تھا۔ جب ہم دونوں سیٹوں کے درمیان والی راہداری سے گزرنے لگے تو میں نے اس کے دماغ پر تھوڑی دیر کے لیے قبضہ جمایا، اپنا بیگ اسے دے دیا اور اس کا بیگ خود لے لیا۔ ہم نے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات اپنے اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے۔ میرے بیگ میں کچھ ایسی چیزیں تھیں جو بعد میں برآمد ہوتیں تو دشمن آرتھر کو ہمیشہ کے لیے فرہاد تسلیم کرلیتے مثلاً میری ایک چھوٹی سی ڈائری میں جناب شیخ النفارس کا فون نمبر اور پتا لکھا ہوا تھا۔ ایک صفحے پر سونیا سے محبت کا اظہار تھا۔ پھر کچھ ایسی کتابیں تھیں جو اجنتا کے غاروں سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ چیزیں دیکھتے ہی ہیرا سوامی اور وہ تینوں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ فرہاد، ماں جی اور آنند کے ساتھ اجنتا کے غاروں تک جانے والا تھا۔

میں چلتے چلتے پیچھے ہوگیا۔ آرتھر کو آگے جانے دیا۔ ہمارے آگے پیچھے کچھ نگرانی کرنے والے لوگ ہوں گے۔ اب انھوں نے بیگ کو بدلتے دیکھا ہے یا نہیں، میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ طیارے کی سیڑھی سے اترتا ہوا انڈین ائیر لائن کی کوچ سروس کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہی ہوا جس کا مجھے شبہ تھا اور جس کے لیے میں نے اتنے پاپڑ بیلے تھے۔

اچانک ہی ایک جیپ کار تیزی سے آئی، اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر تڑاتڑ فائرنگ شروع کردی۔ آرتھر گولیوں کی زد میں تھا۔ اس کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ گیا تھا۔ وہ کبھی سینہ تھام رہا تھا، کبھی بازو اور پھر چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ مسافر مرد، عورتیں، بچے سبھی دہشت سے چیخنے لگے تھے۔ چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ائیر پورٹ کی سیکیورٹی فورس پہنچ گئی۔ اس قاتل نے ہتھیار والے ہاتھ کو بلند کرتے ہوئے کہا "میں کسی کا دشمن نہیں ہوں اور میں سیکیورٹی فورس سے مقابلہ نہیں کروں گا۔ یہ ہتھیار ابھی پھینک رہا ہوں۔ مگر اپنی حکومت کو یہ خوشخبری سنا دو کہ میں نے فرہاد علی تیمور کو گولی ماردی ہے۔"

میں نے اچانک اس کے دماغ کو مٹھی میں لے لیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق جیپ پر سے چھلانگ لگا کر زمین پر آیا۔ دوڑتا ہوا آرتھر کے پاس پہنچا۔ اس میں ابھی جان باقی تھی۔ وہ اکھڑی اکھڑی سانس لیتا ہوا زندگی کے لیے لڑ رہا تھا۔ میرے معمول نے سیکیورٹی فورس کے مسلح جوانوں کو دیکھتے ہوئے کہا "میں ابھی ہتھیار ڈال رہا ہوں لیکن یہ بہت سخت جان ہے۔ ہمیشہ بچ کے نکل جاتا ہے۔ یہ دیکھو، اتنی گولیاں لگنے کے باوجود زندہ ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے آرتھر کے چہرے پر مسلسل فائرنگ کی۔ میرا مقصد تھا، وہ ناقابلِ شناخت ہوجائے۔ دشمن سمجھتے ہیں، فرہاد کے چہرے پر پلاسٹک سرجری کی گئی ہوگی۔ طبی سائنس اس قدر ایڈوانس ہوچکی ہے کہ اب انسانی کھالوں کے ریشوں اور مخصوص میڈیکیٹڈ پلاسٹک کے ریشوں کی آمیزش سے سرجری کی جاتی ہے۔ میرے معمول نے آرتھر کا چہرہ بالکل ہی چھلنی کردیا تھا۔ اب اس کے چہرے کی کھال کا تجزیہ کرنا مشکل ہوجاتا۔

ایسے وقت تمام مسافر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ صرف ماں جی اور آنند آرتھر کی طرف دوڑتے آرہے تھے۔ آنند جان کی پروا کیے بغیر قاتل سے لپٹ گیا۔ اسے رگیدتا ہوا دور لے گیا۔ ماں جی دھاڑیں مارتی سینہ پیٹتی ہوئی آرتھر کی لاش پر گر پڑیں "میرا بیٹا نہیں مرسکتا نہیں نہیں۔ یہ سپنا ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔ میرے فرہاد بیٹے کو کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ دیوتا کا اوتار ہے۔ بھلا دیوتا بھی کبھی مرتے ہیں۔"

وہ اپنی دانست میں فرہاد کی لاش سے لپٹی ہوئی تھیں۔ مگر اس کی موت سے انکار کر رہی تھیں۔ سیکیورٹی فورس کے مسلح جوانوں نے سمجھا منا کر انھیں وہاں سے ہٹانا چاہا۔ مگر وہ لاش کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ مسلح جوان انھیں جبراً وہاں سے دور لے گئے۔ قاتل کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ وہ فخر سے سینہ تان کر کہہ رہا تھا "میں نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے، جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ناقابلِ علاج کینسر کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا ہے۔"

میں نے شیبا کو آرتھر کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ اس فائرنگ سے پریشان ہوگئی۔ وہ نہیں جانتی تھی، کسے گولی ماری گئی ہے۔ جب ماں جی لاش سے لپٹ کر رونے لگیں تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک منحوس خیال پیدا ہوا، فائرنگ کی زد میں فرہاد بھی آسکتا ہے۔

اس نے تڑپ کر خیال خوانی کی پرواز کی۔ میں نے سانس روک لی۔ پھر سانس لیتا ہوا اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس نے محسوس کرتے ہی پوچھا "فرہاد! یہ تم ہو نا؟"

"ہاں میں ہوں اور خیریت سے ہوں۔ ویسے حالات بدل گئے ہیں۔ آئندہ تم میرے پاس نہ آنا۔ یوں سمجھ لو، فرہاد پر گولیاں چلائی گئی ہیں، تمھاری دوربین کے سامنے میری لاش پڑی ہے۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔"

"ایسی باتیں زندہ فرہاد کر رہا ہے۔ بائی دی وے میں ہی اُن گولیوں کا نشانہ بننے والا تھا مگر میں اللہ رکھا ہوں۔ ابھی دنیا میں رکھا رہوں گا۔"

"فائرنگ کا مطلب ہے، شار پر اور ہار پر کو یہاں تمھاری موجودگی کا علم ہوگیا ہے۔"

"اندھا علم ہوا۔ اسی لیے میری جگہ دوسرا مارا گیا۔"

"بے چارہ۔"

بے موت مرنے والے کو بے چارہ ہی کہنا چاہیے مگر آرتھر جیسا مجرم جس نے ڈاکے ڈالے، دوستی کی آڑ میں دوساتھیوں کو قتل کیا اور جو باقی زندگی چرس کے دھوئیں میں اُڑا دینا چاہتا تھا، اسے ایک دن بے موت مرنا تھا۔ سو آج مرگیا۔

میں نے کہا "تم میرے دماغ میں رہو گی تو دوسروں کو بھی ہمارے دماغ کے دروازے کھلے ملیں گے۔"

"کیا تم انھیں اپنی موت کا یقین دلانا چاہتے ہو؟"

"میں بعد میں تمھارے پاس آکر اس موضوع پر گفتگو کروں گا۔"

وہ چلی گئی۔ یہ میری بہت پرانی گھسی پٹی چال تھی۔ ایسا بارہا ہوچکا ہے۔ میں نے دشمنوں کو اپنی موت کا یقین دلایا۔ وہ کچھ عرصہ تک فریب میں مبتلا رہے۔ پھر میں منظرِ عام پر آگیا۔ اس بار بھی ساری دنیا کو یقین آسکتا تھا۔ قاتل نے بانگِ دہل فرہاد کی موت کا اعتراف کیا تھا۔ ماں جی کی ممتا شبہے کو یقین میں بدل رہی تھی۔ آرتھر کے بیگ سے برآمد ہونے والی چیزیں اسے فرہاد سمجھنے پر قائل کرسکتی تھیں۔ میں پھر ایک بار دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا تھا مگر اب ایسی چالیں میرے لیے ممکن نہیں رہی تھیں۔ کیوں کہ وہ خیال خوانی کرنے والے میری زندگی کا سراغ لگا سکتے تھے۔

پھر یہی ہوا۔ میں نے اچانک سانس روک لی۔ مجھے سوچ کی لہر محسوس ہوئی تھی، وہ شیبا نہیں ہوسکتی تھی۔ تمام مسافر ائیر پورٹ کی بسوں میں آکر چھپ گئے تھے۔ سیکیورٹی فورس کے جوان مسافروں کو تسلیاں دے رہے تھے۔ کچھ جوانوں کے پاس فرسٹ ایڈ کا سامان تھا تاکہ فائرنگ کے دوران کوئی زخمی ہوا ہو تو اسے فوری طبی امداد پہنچائی جاسکے۔ میں نے ایک جوان سے تھوڑی روئی طلب کی۔ پھر اسے دونوں کانوں میں ٹھونس لیا۔ اب وہ خیال خوانی کرنے والے اچانک میرے

دماغ میں آکر آس پاس کے مسافروں کی آواز نہیں سن سکتے تھے۔ ان کے آنے اور میرے سانس روکنے میں ایک ساعت لگ سکتی ہے، اس ساعت میں وہ مسافروں کا شور سن سکتے ہیں۔ مگر یہ تعین نہیں کر سکتے کہ میں کسی شہر کے پُرشور بازار میں ہوں یا بمبئی ایئرپورٹ کی بس میں سفر کر رہا ہوں۔

کانوں میں روئی ٹھونس کر احتیاطی تدبیر کی تھی۔ کسٹم والوں اور ایئرپورٹ کے متعلقہ افراد سے گفتگو کے دوران وہ پھر دماغ میں آسکتے تھے۔ ہمارے ایک فقرے یا لفظ سے بہت کچھ سمجھ سکتے تھے۔ یوں اُس مقام کا پتا چل جاتا جہاں میں ہوں۔

میں نے شیبا کو مخاطب کرنا چاہا، اسی لمحے سوچ کی لہر محسوس ہوئی۔ میں نے پھر سانس روک لی۔ اگرچہ انھیں میرے دماغ میں جگہ نہیں مل رہی تھی، تاہم دماغ مل رہا تھا۔ وہ میری زندگی کا سراغ لگا چکے تھے۔ میں نے آرمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تمھاری اور جوجو کی شامت آگئی ہے۔“

اس نے پوچھا۔ ”کیا ہماری ذات سے تمھیں نقصان پہنچ رہا ہے؟“

”کیا تمھیں نہیں معلوم کہ ماں جی اور آنند کے ساتھ سفر کرنے والے ڈمی فرہاد کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ تم میں سے کسی بھائی نے کرایا ہے۔“

”تم خواہ مخواہ الزام دے رہے ہو۔ ہم میں سے کسی کے قاتل ہونے کا کوئی ثبوت ہے؟“

”شارپر اور ہارپر سے کہو، مجھے اپنی آواز سنائیں۔ میں ابھی ثابت کر دوں گا۔ فی الحال اتنا ہی سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ میں نے ماں جی اور آنند کی نگرانی کے لیے ایسی ڈمی بھیجی تھی جو میری طرح زخمی تھا۔ میں زخمی حالت میں ہندوستان کا سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ تمھارے بھائیوں نے اس ڈمی کو فرہاد سمجھا اور اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔“

”میں پھر کہتا ہوں، میرے بھائیوں نے ایسا نہیں کیا۔“

”اگر میں سچ مچ قتل کر دیا جاتا تو تم لوگ فاتحانہ انداز میں میرے قاتل ہونے کا اعتراف کرتے۔“

”تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔“

”تمھارے پاس وقت ہی کتنا رہ گیا ہے، تم تو چند سانسوں کے مہمان ہو۔“

وہ گھبرا کر بولا۔ ”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

میں نے جواباً پوچھا۔ ”تمھارے بیڈ روم میں چاقو تو ہوگا؟“

وہ ایک دم سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”نہیں، تم میری ناک نہیں کاٹ سکتے۔ میں ربی اسفندیار کی طرح بے بس نہیں ہوں۔ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ تم میرے دماغ پر قبضہ نہیں جما سکتے۔ مجھے اپنا معمول نہیں بنا سکتے۔“

وہ بُری طرح سہما ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے پلٹ کر صوفے کے پیچھے چلا گیا تھا۔ وہاں سے لرزتے قدموں آتش دان کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”جب میں کچھ کر نہیں سکتا تو ڈرتے کیوں ہو؟“

اس نے آتش دان کے پاس رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھایا۔ ایک مخصوص نمبر ڈائل کیا۔ میں اس کے اندر رہ کر سن سکتا تھا۔ آرمر کو دوسری طرف سے موسیقی سنائی دے رہی تھی، یہ اشارہ تھا کہ اس کی باتیں ریکارڈ ہو رہی ہیں۔ اس نے کہا۔ ”بتاؤ، میں خطرے میں ہوں۔“

صرف اتنا ہی کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں نے نیویارک کے نئے باس کو مخاطب کیا۔ اسے وہ مخصوص نمبر بتائے پھر کہا۔ ”ابھی آرمر نے اس نمبر پر بھائیوں کے نام پیغام ارسال کیا ہے۔ معلوم کرو اس نمبر پر کون ہے، جو شارپر اور ہارپر تک رابطے کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔“

میں پھر آرمر کے پاس آگیا۔ وہ سانس روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ”تھوڑی شراب اور پیو، سانس ہمیشہ کے لیے رُک جائے گی۔“

وہ گہری گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ”چلے جاؤ یہاں سے۔“

”آج تک ایسا نہیں ہوا کہ موت کو جانے کے لیے کہا گیا ہو اور وہ ٹل گئی ہو۔“

میں نے اس کے دماغ پر قبضہ کیا۔ اس نے جہاں چاقو رکھا تھا، وہاں جانے لگا۔ وہ سب سے بڑا بھائی تھا۔ اچھی صحت کے باوجود نشہ اسے کمزور بنا دیتا تھا، اسی لیے بھائیوں نے دور رکھا تھا۔ اسے کسی اہم معاملے میں شریک نہیں کرتے تھے۔ اپنے لب و لہجے میں رابطہ قائم نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ میری دسترس سے دور تھے اور یہ میری گرفت میں آگیا تھا۔

میں نے اس کے دماغ کو آزاد کیا۔ وہ بوکھلا گیا۔ اس کے سامنے ٹی وی اسکرین پر فلم چل رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا، کوئی آ نہیں سکتا تھا۔ پھر ٹی وی کس نے آن کیا؟

اُس نے چونک کر کیسٹ ریکارڈر کی طرف دیکھا۔ وہاں سے تیز دُھن کی موسیقی اُبھرتے ہوئے کمرے میں گونج رہی تھی۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ کیسٹ ریکارڈر کو کس نے آن کیا؟ کیا میں نے؟ کیا میں نے اپنے ہاتھوں سے...!

اس نے سوچتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو خوف سے

چیخ نکل گئی۔ اس کی ایک مٹھی میں کُھلا ہوا چاقو تھا۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ وہ دہشت کے مارے چاقو پھینک دینا چاہتا تھا مگر چاقو تھا کہ ہاتھ سے چھوٹ نہیں رہا تھا۔ میں جب تک نہ چاہتا، وہ اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

وہ تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں نہیں کاٹوں گا۔ اپنی ناک نہیں کاٹوں گا۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔“

”میں نے دشمنوں کی ناک کاٹنے کا ٹھیکا نہیں لیا ہے۔ وہ تو اسفندیار کو ربّی کے مقدّس عہدے سے گرانے کے لیے ناک کاٹی گئی تھی۔ تمھارے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔ تم اس چاقو سے خودکشی کرو گے۔“

”نہیں۔“ وہ زور زور سے چیخنے لگا۔ ”میں خودکشی نہیں کروں گا۔“

”تم اپنے ہاتھ سے اپنے جسم میں چاقو اتار دو گے۔“

”بھائی شارپر، تم کہاں ہو؟“ وہ دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف جانا چاہتا تھا، میں نے جانے نہیں دیا۔ وہ پلٹ کر چیخنے لگا۔ ”بھائی ہارپر، کیا تم بھی نہیں ہو؟“

”اپنی پوری قوت سے چیختے رہو۔ تمھاری زندگی کے آخری دس منٹ رہ گئے ہیں۔“

”میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟ مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو؟“

”ہاں، سزائے موت پر عمل ہونے سے پہلے تمھارا جرم بتانا چاہیے۔ تمھارا جرم یہ ہے کہ تم میرے مخالف گروہ سے تعلق رکھتے ہو، جیسے سونیا اور پومی وغیرہ تمھارے مخالف گروہ سے تعلق رکھتی ہیں، اور وضاحت سے سُنو۔ ڈمی شیبا نے تم لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ ڈمی فرہاد صرف ایک آلۂ کار تھا۔ تمھارے بھائیوں نے دونوں کو اس لیے ہلاک کر دیا کہ وہ میرے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔“

مجھے اس کے دماغ میں بھائیوں کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ آرمر کے لب و لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ”فرہاد! یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم اس کی حفاظت کے لیے آگئے ہیں۔“

”میں نے تم ہی لوگوں کے انتظار میں اسے دس منٹ کی مہلت دی تھی۔“

ایسا کہنے کے دوران آرمر کا دماغ میری گرفت سے نکل گیا۔ میں تنہا تھا، اُدھر دو بھائیوں کی مشترکہ خیال خوانی نے ذرا برتری حاصل کی۔ اور اس کے ہاتھ کا چاقو دور پھینک دیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا۔ ”تم ہماری برتری سے پریشان ہو کر بچوں جیسی حرکتیں کر رہے ہو۔ چلے جاؤ۔ ورنہ تمھاری کسی ساتھی عورت کو نقصان پہنچے گا۔“

”تم نقصان پہنچا چکے۔ تل ابیب میں اصل شیبا اور طیارے میں اصل فرہاد ہوتا تو تم ہمیں ہلاک کر چکے ہوتے۔ یہ نہ کہنا کہ ہم زندہ ہیں۔ تم لوگ اپنی دانست میں ہماری زندگی چھین چکے تھے۔ اس کے بدلے تمھارا یہ خاص آدمی ضرور مارا جائے گا۔“

کسی کے دماغ کو میدانِ جنگ بنا کر ٹیلی پیتھی جاننے والے کس طرح جنگ لڑتے ہیں، اس کا عملی مظاہرہ آج ہو رہا تھا۔ اگرچہ دو بھائیوں نے آرمر کے دماغ پر اپنی گرفت مضبوط رکھی تھی۔ ایک بار انھوں نے اسے سانس روکنے پر مجبور کیا۔ مجھے اس کے دماغ سے باہر دھکیل دیا مگر چند سیکنڈ کے بعد میں پھر پہنچ گیا۔ پہنچتے ہی اس کے دماغ کو زبردست جھٹکا پہنچایا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ تکلیف کے باوجود چھلانگ لگا کر وہاں پہنچا، جہاں چاقو گرا ہوا تھا۔ اس نے چاقو اٹھا کر پھر اُسے مٹھی میں جکڑ لیا۔

مگر دوسرے ہی لمحے انھوں نے پھر چاقو گرا دیا۔ وہ سمجھ رہے تھے، دماغ پر گرفت مضبوط رکھنے کے باوجود میں موجود رہ سکتا ہوں، مجھے نکالنے کے لیے وہ آرمر سے یوگا کا مظاہرہ نہیں کرا سکتے تھے۔ میں ان حالات میں اسے خودکشی پر مجبور نہیں کر سکتا تھا مگر جنگ جاری رکھ سکتا تھا۔ میں نے یہ چکر اسی لیے چلایا تھا کہ شارپر اور ہارپر مجبور ہو کر بھائی کی حفاظت کریں اور مجھ سے مقابلہ کرتے رہیں۔

پتا نہیں وہ دونوں باری باری بول رہے تھے یا ایک خاموشی سے آرمر کی حفاظت کر رہا تھا، دوسرا اس کے لب و لہجے میں بول رہا تھا۔ ان کا طریقۂ کار جو بھی رہا ہو مگر وہ پریشان ہو گئے

تھے۔ کیوں کہ اس انداز میں یہ جنگ ختم ہونے والی نہیں تھی۔

میں نے کہا ”میں ایک ہوں اور تم دو ہو۔ لہٰذا میں تمھاری طاقت کو دو حصوں میں تقسیم کر رہا ہوں۔ جانتے ہو کیسے؟“

ایک نے دانت پیستے ہوئے کہا ”فرہاد باز آجاؤ۔“

وہ دانت پیس کر بولتے وقت آرمر کا صحیح لب و لہجہ برقرار نہ رکھ سکا۔ میں نے اسے نوٹ کیا مگر ظاہر نہیں کیا۔ ابھی ان کے اندر اُبال پیدا کرنا تھا۔ میں نے کہا ”دشمن کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے مختلف محاذ کھولنے پڑتے ہیں۔ میں جوجو کے دماغ میں نیا محاذ کھول رہا ہوں۔ اب ایک بھائی اُدھر آ جائے۔“

ایک نے غصے سے مجھے گالی دی۔ میں نے جواباً آرمر کو دماغی جھٹکا پہنچایا۔ وہ چیخ مار کر گر پڑا۔ تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگا۔ وہ صحیح طور پر بولنے کے قابل نہیں تھا۔ زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ ایسے میں دونوں بھائی اس کا صحیح لب و لہجہ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔

ایک نے طیش میں آکر کہا ”ہم ابھی رسونتی کو ذہنی عذاب ...“

میں نے پوری بات نہیں سنی۔ فوراً جوجو کے پاس آیا۔ وہ آرمر کی چیخیں سن کر ادھر ہی آرہی تھی۔ میں اسے دوڑاتا ہوا بند دروازے کے پاس لایا۔ وہ چیخ کر کہنے لگی ”میرے پیارے بھائیو! رسونتی کے پاس جانے سے پہلے مجھے بچاؤ۔ میرے دماغ میں کچھ ہو رہا ہے۔“

وہ یقیناً بہن کی حفاظت کے لیے آئے ہوں گے۔ میں نے آرمر کے پاس پہنچ کر چاقو اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وہ میری مرضی کے مطابق چیخ کر بولا ”شارپر! ہارپر! جلدی آؤ۔ میرے ہاتھ میں پھر چاقو آگیا ہے۔“

اب وہ دونوں الگ الگ دماغ میں رہنے پر مجبور ہو گئے۔ مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ جو آرمر کے ہاتھ سے چاقو گرانا چاہتا تھا، وہ تنہا ہونے کے باعث میرے مقابلے پر ناکام ہو رہا تھا۔

میں نے کہا ”تم جو کوئی بھی ہو، اب میرا کمال دیکھو۔ آرمر اس چاقو سے خودکشی نہیں کرے گا۔ ابھی دوڑتا ہوا جائے گا۔ دروازہ کھولے گا پھر دروازے کے پاس کھڑی ہوئی معصوم بہن کے سینے میں یہ چاقو پیوست کر دے گا۔“

یہ کہتے ہی میں نے آرمر کو دوڑایا۔ ایک بھائی نے اُسے روکا۔ میں نے پھر دوڑایا۔ ہماری جدوجہد کے دوران وہ کبھی رک رہا تھا، کبھی آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے چاقو اس کے ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا، اسے دروازے تک پہنچا دیا۔ اس کا دماغ بار بار جھٹکے کھانے کے باعث کمزور ہو چکا تھا۔ اس کی حفاظت کرنے والے بھائی کو اس کی دماغی توانائی نہیں مل رہی تھی۔ میں اس پر حاوی ہو چکا تھا۔

میں نے اسے دروازے تک پہنچاتے ہی کہا ”یہ دیکھو میرا فیصلہ کُن حملہ۔ بچاؤ اپنی بہن کو۔“

وہ ذہنی انتشار میں مبتلا کرنے والی سچویشن تھی۔ باپ کی طرح چاہنے والا بھائی اپنی بہن پر قاتلانہ حملہ کرنے جا رہا تھا۔ اس نے چشم زدن میں دروازے کی چٹخنی گرائی۔ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا۔ میں نے آرمر کو چھوڑ کر جوجو کو خوف سے چیخنے پر مجبور کیا۔

اگر چہ اس کے دماغ میں دوسرا بھائی تھا مگر وہ آرمر کو قاتل کے روپ میں بہن کی طرف آتے دیکھ کر پریشان ہوا ہوگا۔ اب وہ بہن کو بچاتے تو میں آرمر سے قاتلانہ حملہ کراتا۔ اگر دونوں بھائی آرمر کو سنبھالتے تو ان کی دانست میں میری ٹیلی پیتھی سے بہن کو نقصان پہنچتا۔ ان حالات میں ان کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔

وہ ایک راستہ یہ کہ میرے دماغ میں آئیں۔ میری خیال خوانی کو روکیں۔ اس طرح الگ الگ بھائی بہن کے پاس نہیں جانا پڑے گا۔ مختلف محاذ پر ہونے والی جنگ صرف میرے دماغ میں ہوگی۔ ابھی تو ان میں سے ایک آرمر کو روک رہا تھا۔ دوسرا بہن کو وہاں سے بھگا کر لے جا رہا تھا۔ میں نے آرمر کی زبان سے چیخ کر کہا ”میں یہاں سے چاقو پھینک کر جوجو کو ہلاک کر سکتا ہوں۔“

ایسا کہتے ہوئے اس نے چاقو کو نوک کی طرف سے پکڑ لیا۔ جیسے دور ہی سے نشانے پر خنجر زنی کا مظاہرہ کرنے جا رہا ہو۔ تب اچانک ہی میرے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے تکلیف کے مارے کراہتے ہوئے سر کو تھام لیا۔ وہ میرے اندر غصے سے بول رہا تھا۔ گالیاں دے رہا تھا۔ اپنی بہن اور بھائی کی حفاظت کے لیے قسمیں کھاتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اس میں جوش تھا، جذبہ تھا، غصہ اور جنون تھا۔ اور جنون کے سلسلے میں کہا گیا ہے ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

میں نے تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے سانس روک لی۔ وہ دھواں دار بکنے والا دماغ سے نکل گیا۔ میں نے گہری گہری سانسیں لیں۔ بڑے اطمینان سے اس کے لب و لہجے کو گرفت میں لیا پھر خیال خوانی کی پرواز کرتا ہوا اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔

”ہیلو ہارپر! تمہارے جنون پر مجھے پیار آرہا ہے۔ کیا مجھے اپنے دماغ سے نکال سکو گے؟“

اُسے چپ لگ گئی۔ وہ کان لگا کر یوں سن رہا تھا جیسے فرہاد کو آس پاس بولتے ہوئے محسوس کر رہا ہو۔ ابھی اسے یقین نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی اس کے دماغ میں آسکتا ہے۔ جو اسرار کے دبیز پردوں میں چھپے رہتے ہیں، انھیں اتنی جلدی یقین کیسے آسکتا ہے۔ دماغ کی تاریکی میں شب خون مارنے والے گرفتار نہیں ہوتے مگر ایک ہو گیا تھا۔ ابھی اُسے گرفتاری کا یقین نہیں ہو رہا تھا۔

اسے یقین دلانا ضروری نہیں تھا۔ میں نے سوچا جب تک وہ مخمصے میں ہے، مجھے اہم معلومات حاصل کر لینا چاہئیں۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا ”نہیں، میرے دماغ میں کوئی نہیں ہے۔ اگرچہ میں نے فرہاد کا لب و لہجہ سنا ہے مگر وہ فرہاد نہیں ہو سکتا۔ اس کی دہشت ہو گی۔ دن رات یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہیں وہ کسی نامعلوم ذریعے سے ہم تک نہ پہنچ جائے۔“

اس نے سوچا ”میرے دل اور دماغ میں اس کی دہشت نہیں ہے۔ میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ وہ کوئی سا بھی ذریعہ استعمال کر لے مجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔“

میں نے پھر اس کی سوچ میں کہا ”میں بھلا کیوں دہشت زدہ ہوں گا۔ میں اس سے کسی طرح کمتر نہیں ہوں۔ البتہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہو سکتا ہے۔ ہم فرہاد کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس لیے لاشعوری طور پر وہ ہمارے ذہنوں پر خوف بن کر چھایا رہتا ہے۔“

اُس نے قائل ہو کر سوچا ــــ ”ہاں اسے لاشعوری خوف مانتا ہوں مگر میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ ویسے اطمینان کے لیے اس کے پاس جا کر دیکھنا چاہیے۔ کیا وہ میرے دماغ میں پہنچنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے؟“

اُس کی سوچ پڑھتے ہی میں اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ اسی وقت سوچ کی لہر کو محسوس کرتے ہوئے سانس روک لی۔ وہ اپنے اطمینان کے لیے آیا ہو گا، واپس چلا گیا۔ میں نے پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر تصدیق کی۔ واقعی ناکام ہو کر گیا تھا اور اب آرمر کے پاس تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا ”آرمر! اگر تمھارے دونوں بھائیوں میں سے کوئی موجود ہو تو اس سے کہہ دو، وہ دونوں ایک بار دھوکے سے مجھے دماغی جھٹکا پہنچا چکے ہیں۔ دوسری بار کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اگر انھوں نے یہی سلسلہ جاری رکھا تو میں تمھیں اور جوجو کو ذہنی اذیتیں پہنچاؤں گا۔“

میں یہ دھمکی ہارپر کے دماغ میں پہنچ کر دے سکتا تھا۔ چونکہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا ہارپر کو یقین ہو گیا کہ میں اس کے دماغ میں نہ پہنچا ہوں نہ پہنچ سکتا ہوں۔ جس کے پاس غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے، وہ خود کو ناقابلِ شکست سمجھتا ہے۔ اگر اس کی نادانستگی میں کوئی نقصان پہنچ رہا ہو تو وہ اس نقصان کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہی بات ہارپر کے ساتھ تھی۔ اب میں اسے خوش فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ اگر وہ سمجھتا ہے کہ فرہاد اُس کے دماغ میں کبھی نہیں پہنچ سکتا تو پھر یہی سہی۔

اب میں اس کے ذریعے معلوم کر سکتا تھا کہ شارپر جوجو کے آس پاس ہے اور اس کی حفاظت میں لگا ہوا ہے۔ اس نے آرمر کے ہاتھ سے چاقو پھر گرا دیا تھا۔ اب ہارپر اس کے لب و لہجے میں کہہ رہا تھا ”فرہاد! ہم نے بہت برداشت کیا ہے۔ اب نہیں کریں گے۔ آخری وارننگ دے رہے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم تمھاری کسی ساتھی عورت کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے۔ تم نے بڑی پیش بندی کی ہے۔ تمھاری احتیاطی تدابیر کامیاب رہی ہیں مگر تم بھول رہے ہو۔ ہم تمھاری ماں جی اور آنند کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لہٰذا فوراً آرمر اور جوجو کے دماغ سے واپس جاؤ۔ ورنہ تمھیں ماں نیلما داسی کی چیخیں سنائی دیں گی۔“

”میں تمھارے چیلنج کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے معلوم کرنا چاہوں گا، تم دونوں بھائی یہاں موجود ہو یا نہیں؟“

مجھے جواب ملا ”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں ایک بھائی کافی ہے۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”میں بہت ہی اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا دونوں بھائیوں کی موجودگی ضروری ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ انتظار کرو۔ صرف پندرہ سیکنڈ میں دوسرا بھائی آجائے گا۔“

یہ سنتے ہی میں پھر ہارپر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا، وہ شارپر کا لب و لہجہ اختیار کر کے اس کے دماغ میں جائے گا پھر آرمر کے دماغ میں اسے پہنچنے کے لیے کہے گا تاکہ میری اہم بات سن سکے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پندرہ سیکنڈ پورے ہوتے ہی وہ پھر آرمر کے دماغ میں آیا۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کہا ”فرہاد! تم موجود ہو؟“

”ہاں، میں انتظار کر رہا ہوں۔“

”ہم دونوں بھائی موجود ہیں۔“

میں مسکرا کر رہ گیا۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ پندرہ سیکنڈ ضائع کرنے کے بعد تنہا آرمر کے دماغ میں آکر مجھے دوسرے بھائی کی موجودگی کا یقین دلا رہا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ میں نہ تو ان دو بھائیوں کا سراغ لگا سکتا ہوں اور نہ ہی یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ اس وقت صرف ایک بھائی سے بات کر رہا ہوں۔

وہ مجھے بنا رہا تھا۔ میں نے بے وقوف بنتے ہوئے کہا۔ ”شارپر اور ہارپر! اچھی طرح سن لو۔ میں ماں جی اور آنند کی وجہ سے کمزور پڑ گیا ہوں۔ انھیں نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا لیکن یہ تو سوچو، میں نے انھیں بھی تمھاری ٹیلی پیتھی سے محفوظ رکھنے کے لیے اگر کوئی ایسا طریقۂ کار اختیار کیا جس کے بعد تم انھیں بھی نقصان نہ پہنچا سکو،

تب میری کس کمزوری سے فائدہ اُٹھاؤ گے؟ کس طرح اپنے بھائی آرمر اور جوجو کو مجھ سے بچا سکو گے؟"

مجھے جواب ملا "تم سمجھتے ہو، تمھاری یہی ایک دو کمزوریاں ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ تمھیں مسلسل کامیابیوں نے مغرور اور خوش فہم بنا دیا ہے۔ ذرا آگے آگے دیکھتے جاؤ، ہوتا ہے کیا؟"

"آئندہ کیا ہوگا، یہ صرف خدا جانتا ہے۔ فی الحال تم دونوں کو یہ یقین کر لینا چاہیے کہ آئندہ میرے کسی آدمی پر قاتلانہ حملہ کرو گے تو جواباً جوجو یا آرمر پر قاتلانہ حملہ ہوگا اور اس وقت تم کسی کو بچا نہیں سکو گے۔ میں جا رہا ہوں۔"

میں اپنی جگہ واپس آ گیا۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔ اتنی دیر سے باتھ روم کے اندر کھڑا دونوں بھائیوں سے خیال خوانی کی جنگ کرتا رہا تھا۔ مجھے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ میرے پاس صرف ایک بیگ تھا، وہ بھی میرا ٹیں آرتھر کا تھا ــــ مجھے ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے بوریا بستر ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جہاں جاتا ہوں، وہیں کی چیزیں خرید کر استعمال کرتا ہوں۔

شیبا اور آمنہ تاج محل ہوٹل کی کار میں بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھیں۔ میں نے شیبا کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے جواباً میرے دماغ میں آ کر پوچھا "کیا تم مخاطب کر رہے ہو؟"

"ہاں، میں آ رہا ہوں۔ مجھے گائیڈ کرو۔"

وہ گائیڈ کرنے لگی۔ اس کار کا رنگ اور نمبر بتایا۔ پھر میں پارکنگ ایریا میں پہنچ گیا۔ وہ کار نظر آ گئی۔ میں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا، وہاں آمنہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ یعنی کباب میں ہڈی۔

دونوں نے ایک طرف سمٹ کر میرے لیے جگہ بنائی۔ اس جگہ بیٹھنے کا مطلب یہ ہوتا کہ آمنہ درمیان میں ہوتی اور دوسری طرف شیبا۔ میں نے کہا "کوئی بات نہیں۔ میں دوسرے دروازے سے آ کر بیٹھتا ہوں۔"

دوسرے دروازے سے آنے کا مطلب یہ ہوتا کہ مجھے شیبا کے پاس بیٹھنے کا موقع ملتا مگر آمنہ نے کہا "وہ دروازہ مقفل ہے کھل نہیں سکے گا۔ بہتر ہے میرے پاس بیٹھو۔"

میں نے بے بسی سے ایک گہری سانس لی۔ بیگ کو اگلی سیٹ پر رکھا پھر آمنہ کے پاس بیٹھ گیا۔ دروازے کو بند کر دیا۔ شیبا میری بے بسی اور بے چینی پر زیرِ لب مسکرا رہی تھی۔

میں نے آمنہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ یعنی ایک میں شوخی اور دوسری میں سنجیدگی، دونوں ہی خوبصورت بلائیں تھیں۔ بابا صاحب کے ادارے میں آمنہ پر تنویمی عمل کیا گیا تھا، اس کے دماغ کو حساس بنا دیا گیا تھا ورنہ میں اس کے دماغ میں پہنچتا تو اسے اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کے متعلق سوچتا ہوا پاتا اور اس حوالے سے وہ میرے متعلق سوچتی ہوئی پائی جاتی کیونکہ میں نے ماضی میں کافی عرصے تک اس کے مرحوم محبوب یا شوہر کا رول ادا کیا تھا اور اتنی شرافت سے کہ کبھی اسے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

حالانکہ اس کا حُسن چھونے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ ایک ایسی سہاگن تھی جو سہاگ رات کو ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ اسے اپنے شوہر کی قربت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ ایسی آگ تھی جو برسوں سے دہک رہی تھی۔ اوپر سے خاموش تھی، اندر سے آتش فشاں تھی لیکن اس عورت نے اپنے حسن و شباب کو اپنی آرزوؤں اور جذبوں کو ایک نئی راہ پر لگا لیا تھا۔ ہاتھ میں کلاشنکوف لے کر دہشت گردوں کی دنیا میں خطرے کا نشان بن گئی تھی۔ اس کی یہ غیر قانونی سرگرمیاں زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکیں۔ بابا صاحب کے ادارے میں پہنچنے کے بعد اس نے اپنی خطرناک صلاحیتوں کا رُخ اُدھر موڑ دیا جدھر سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی، شیبا اور پوجا اس کا ساتھ دینے کے لیے کھڑی ہوئی تھیں۔

آمنہ میری ان ساتھی عورتوں میں سے تھی جن سے میرا رومانی لگاؤ نہیں تھا لیکن وہ میرے لیے جان پر کھیل جانے والی عورت تھی۔ میں نے ہی اسے بابا صاحب کے ادارے میں پہنچایا تھا۔ اس نے مجھے اپنے شوہر کے روپ میں دیکھ کر، متاثر ہو کر کہا تھا "فرہاد! میں تمھاری بے حد عزت کرتی ہوں، تمھارے احسانوں کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں مگر یہ خیال دل سے نکال دو کہ آمنہ کبھی اپنے شوہر کی جگہ تمھیں دے گی۔"

اب وہی آمنہ ننگی تلوار بن کر میرے اور شیبا کے درمیان حائل رہی تھی۔ اس نے پہلے ہی میرے لیے ہوٹل کا ایک کمرہ ریزرو کرا لیا تھا۔ منصوبے کے مطابق وہ اور شیبا تاریخ کی اسٹوڈنٹ تھیں، اس لیے اجنتا کے غاروں میں دلچسپی لینے آئی تھیں۔ میں امریکی آثارِ قدیمہ کے شعبے میں ایک پروفیسر تھا۔ شیبا اور آمنہ کے والدین سے پرانی شناسائی تھی۔ اس لحاظ سے وہ میرے قریب تھیں۔ انھیں ہندوستان میں میری آمد کا علم تھا، اس لیے انھوں نے ہوٹل تاج محل میں ایک کمرہ ریزرو کرا لیا تھا۔

ائیرپورٹ سے ہوٹل تک خاموشی رہی۔ کیونکہ ڈرائیور ہماری باتیں سن سکتا تھا۔ میں ہارپر کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ سب سے پہلے میں نے اس ٹرانسفارمر سسٹم کی مشین کے متعلق معلوم کیا۔ پتا چلا، اس مشین کے تین حصے کیے گئے ہیں۔ ایک حصہ شارپر کے پاس ہے، دوسرا ہارپر کے پاس اور تیسرا لیڈی روزینہ نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ ویسے تینوں کو ایک دوسرے کے مشینی حصوں کے متعلق معلوم نہیں تھا کہ کس نے وہ چیزیں کہاں چھپائی ہیں۔ اگر کوئی ہارپر یا شارپر یا لیڈی روزینہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ مشین کے ایک ہی حصے تک پہنچ سکتا تھا۔

مثلاً میں ہارپر تک پہنچ گیا تھا اور اب اسی کے ذریعے ہارپر والے حصے تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کا دماغ بتا رہا تھا۔ تینوں بہن بھائیوں میں بڑا اتحاد ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے حصوں کے متعلق نہیں بتایا ہے۔ میں اتنی رازداری برتنے کے باوجود ہارپر کے ذریعے شارپر اور لیڈی روزینہ کے حصوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وہ مجھ سے اور شیبا سے خوفزدہ تھے ورنہ دوسرے دشمن خواہ کتنے ہی خطرناک ہوتے، ان سے ٹیلی پیتھی کے ذریعے نمٹ سکتے تھے۔ انھوں نے ہم سے محفوظ رہنے کے لیے پہلے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں۔ شارپر نے اپنے بھائی ہارپر اور لیڈی روزینہ پر اپنی نگرانی میں تنویمی عمل کرایا تھا اور ان کے دماغوں سے اپنے لب و لہجے کو فراموش کرا دیا تھا۔ اسی طرح ہارپر نے اپنی نگرانی میں شارپر پر تنویمی عمل کرایا تھا اور اس کے دماغ سے اپنے لب و لہجے کو فراموش کر دیا تھا، اس طرح وہ تینوں ایک دوسرے کے لب و لہجے کو بھول چکے تھے۔ خیال خوانی کے ذریعے ایک دوسرے کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہ آپس میں رابطہ قائم کرنے کے لیے ٹرانسمیٹر یا ٹیلیفون کا سہارا لیتے تھے۔ جب ٹرانسمیٹر پاس نہ ہو تو ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر مخصوص نمبر ڈائل کرتے تھے۔ انھیں دوسری طرف سے مخصوص موسیقی سُنائی دیتی تھی۔ وہ اپنا پیغام نوٹ کرا دیتے تھے یا ٹرانسمیٹر کے ذریعے کوڈ ورڈز دہراتے تھے۔ اس کے بعد وہ تینوں سمجھ لیتے تھے کہ انھیں کہاں پہنچنا ہے اور پہنچنے کے لیے جوجو اور آرمر کا دماغ تھا۔ وہ وہیں آ کر ان کے لب و لہجے میں ایک دوسرے سے باتیں کر لیتے تھے۔

اگر کوئی اہم منصوبہ تیار کرنا ہوتا تو اس کے لیے آرمر اور جوجو پر بھروسا نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ ہم ان کے دماغوں میں آ کر ان کی پلاننگ معلوم کر سکتے تھے، اس کے لیے وہ ٹیلی پرنٹر یا ٹیلی گراف کا سہارا لیتے تھے۔

میری اتنی جدوجہد کا مختصر سا خلاصہ یہ ہے کہ تینوں میں سے ایک میری گرفت میں آیا تھا۔ اس کے ذریعے باقی دو تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آئندہ اپنے ہی طریقۂ کار کے مطابق جدوجہد جاری رہتی تو شاید تقدیر ان دونوں تک پہنچا دیتی۔

ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ جس فلور پر شیبا کا کمرہ تھا، ٹھیک اس کے سامنے والا کمرہ میرا تھا۔ انھوں نے مجھے غسل وغیرہ کرنے اور تازہ دم ہونے کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا پھر غسل کرنے کے لیے باتھ روم میں آ گیا۔ وہاں مجھے ہارپر کا دماغ بتانے لگا۔ ٹرانسفارمر مشین کا ایک حصہ اس نے بڑی ذہانت سے چھپایا ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا، وہاں تک کسی کا ذہن نہیں پہنچے گا۔ ویسے وہ کوئی غیر معمولی پوشیدگی نہیں تھی۔ ایسا کتنے ہی مجرم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ اس نے مشین کے اس حصے کو ایک قبر میں چھپایا تھا۔

میں نے معلوم کر لیا، وہ قبرستان کہاں ہے۔ وہ کسی نامعلوم شخص کی قبر تھی اور شکستہ تھی۔ اس میں اپنا حصہ چھپانے کے بعد اس نے قبرستان کے ذمے دار افراد سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اس قبر میں دفن ہونے والے مردے سے اپنا رشتہ ظاہر کیا تھا اور درخواست کی تھی کہ وہ اپنے اخراجات سے قبر کو پختہ بنانا چاہتا ہے۔ اب وہ پختہ ہو چکی تھی۔ اس کے سرہانے صلیب کا بڑا سا نشان بنا ہوا تھا اور مرنے والے کا نام لکھا ہوا تھا۔ "ہیرالڈ ہیری سن۔"

اس غیر معمولی ٹرانسفارمر مشین کی ایجاد کے بعد انھوں نے سوچا تھا، جب وہ سب بھائی بہن ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں اپنا لیں گے تو اس ٹرانسفارمر کو تباہ کر دیں گے۔ اس کا فارمولا جلا دیں گے تاکہ پھر کوئی ایسی مشین ایجاد نہ کر سکے اور نہ ہی ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کر سکے۔

لیکن وہ مشین کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھے۔ ایک خیال پریشان کرتا تھا۔ وہ یہ کہ ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں فرہاد کے دماغ سے اپنے دماغوں میں منتقل کرنے کے بعد اس کا اثر کب تک رہے گا۔ مہینے، دو مہینے، سال دو سال یا صرف چند دنوں میں اثر ختم ہو جائے گا اور ان کے دماغ ٹیلی پیتھی سے خالی ہو جائیں گے۔ اس اندیشے کے باعث انھوں نے مشین کو سنبھال کر رکھا تھا مگر احتیاطی تدابیر کے مطابق اس کے تین حصے کر دیے تھے۔

ہارپر کے دماغ سے کتنے ہی خفیہ گوشے نمایاں ہو رہے تھے۔ سب سے اہم معلومات یہ تھیں کہ اب نیا سُپر ماسٹر بنانے کے سلسلے میں کیا چکر چلایا جا رہا ہے۔ وہاں ایک ایسا ادارہ تھا جہاں کے پانچ اہم افراد بڑی رازداری سے کسی سُپر ماسٹر کا انتخاب کرتے تھے۔ سُپر ماسٹر بننے کے سلسلے میں جو اُمیدوار آتے تھے، ان کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ وہ پانچ افراد جو اس اہم عہدے پر کسی اُمیدوار کو لانے کے ذمے دار تھے، وہ بھی ان اُمیدواروں کے نام، پتے ٹھکانے نہیں جانتے تھے اور نہ ہی ان کے صورت آشنا ہوتے تھے۔ ان اُمیدواروں کو مختلف امتحانوں سے گزرنا ہوتا تھا۔ فائنل سلیکشن کے وقت وہ ان پانچ اہم افراد کے سامنے آتے تھے۔

اس سلسلے میں سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ سُپر ماسٹر بننے کے لیے اس بار تین امیدوار تھے اور ان تینوں میں سے ایک ہارپر تھا۔ وہ ان دنوں منسٹری آف فارن افیئرز میں چیف سیکریٹری تھا۔ اس سے قبل وہ حکومت کے مختلف اہم شعبوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرتا رہا تھا، اس لیے اسے بھی اُمیدواروں کی فہرست میں رکھا گیا تھا۔

ہارپر ایک عرصے سے اس بات کا منتظر تھا کہ موجودہ سُپر ماسٹر کسی طرح ریٹائر ہو مگر وہ اتنی عمدگی سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا اور

اتنی کامیابیاں حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ریٹائر ہونے کے امکانات نہیں تھے۔ ایسے ہی وقت ہارپر اپنے بھائیوں کی مدد سے ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس علم کے ذریعے تمام امتحانات میں خود کو منوا تا آیا تھا لیکن اس کے لیے پہلے سپر ماسٹر کو اس کے عہدے سے گرانا ضروری تھا۔ اس کے لیے اُس نے ان پانچ افراد کے دماغوں میں پہنچ کر یہ تاثر دیا کہ نئے ٹیلی پیتھی جاننے والے جہاں چاہیں وہاں پہنچ سکتے ہیں اور ان کی حمایت میں فرہاد کے خلاف محاذ بنا سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ ان کی پسند کا آدمی سپر ماسٹر بنا دیا جائے۔

ہارپر کی چال کچھ اور بھی تھی۔ وہ خیال خوانی کے ذریعے اُن پانچ افراد کو خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ پانچوں محبِّ وطن تھے۔ وہ یہ سوچنے لگے کہ ٹیلی پیتھی جاننے والا فرہاد ہو یا کوئی اپنا، اس پر کسی حد تک بھروسا کیا جا سکتا ہے؟ ویسے کوئی غیر معمولی علم رکھنے والا ہو تو وہ بعد میں ڈکٹیٹر بن جاتا ہے۔ یہی سوچ کر ان پانچوں نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا اور اعلیٰ حکام تک یہ رپورٹ پیش کر دی کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے صرف سپر ماسٹر تک ہی نہیں بلکہ ان پانچوں کے دماغوں تک بھی پہنچ چکے ہیں لہٰذا ان کی جگہ بڑی رازداری سے دوسرے پانچ افراد کی سلیکشن کمیٹی بنائی جائے۔ اب ان نئے پانچ اہم افراد کی کمیٹی بن گئی تھی۔ اس کی چال کے مطابق اب میں ان پانچ افراد کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا جو نئے تھے اور نہ ہی نئے آنے والے سپر ماسٹر کے دماغ کو چھو سکتا تھا۔

یہ اچھا ہی ہوا کہ میں نے ہارپر کے دماغ میں پہنچ کر اسے اپنی موجودگی کا یقین نہیں دلایا۔ اب میری پوزیشن وہی تھی جو پہلے سپر ماسٹر کے وقت تھی یعنی میں چپ چاپ ہارپر کے دماغ میں موجود رہتا اور اسے کبھی پتا نہ چلتا۔ اس کے ذریعے اس سلیکشن کمیٹی کے نئے اہم پانچ افراد تک بھی پہنچ سکتا تھا۔

ہارپر کے دماغ سے جو تیسری بات معلوم ہوئی، وہ یہ کہ سپر ماسٹر کے سلسلے میں جو بھی جدوجہد جاری رکھنا تھی، اس کی ذمے داری ہارپر پر تھی۔ جب تک میں ہارپر کے دماغ میں نہیں پہنچا تھا، اس وقت تک یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ کس کے دماغ میں کون بھائی یا کون بہن بول رہی ہے۔ لیڈی روزینہ ایک عورت ہونے کے نا... ہیرے جواہرات سے بہت پیار کرتی تھی۔ اس لیے بھگوان بیرا سوامی کو اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ہندوستان سے کروڑوں ڈالر کے ہیرے لانے، پھر وہاں سے ہیرس پہنچ کر گوری سجاتا کے مجسمے کو چرانے کی ذمے داری لیڈی روزینہ پر تھی۔ شارپ نے اسرائیلی حکام کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کی ذمے داری لی تھی، اس لیے وہ وہاں مصروف رہتا تھا۔ تینوں بہن بھائی اپنی اپنی ڈیوٹی میں مصروف رہتے تھے۔ جسے بھی کوئی دشواری پیش آتی وہ خفیہ ذرائع سے مشورہ طلب کرتا تھا اور ان کی امداد بھی حاصل کرتا تھا۔

میں لباس تبدیل کر کے شیبا کے کمرے کے پاس آیا۔ دروازے پر دستک دی۔ دروازہ شیبا نے ہی کھولا جیسے میرے انتظار میں وہیں کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بڑی محبت سے مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ بہت کچھ کہنا چاہتی ہے مگر کمرے میں آمنہ ہے۔

بہت کچھ کہنے کے لیے خیال خوانی سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ ہو سکتا تھا مگر عورت کی آنکھوں اور اداؤں کو پڑھنے میں اور سمجھنے میں جو لطف آتا ہے وہ بھلا خیال خوانی میں کہاں آ سکتا ہے۔ پھر ایسے وقت شیبا اپنے دماغ میں آنے کی اجازت ہی کیوں دے گی۔ وہ تو اپنے چور خیالات کو چھپاتی رہے گی۔

آمنہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اُٹھ کر بولی۔ "چائے پیو گے یا کافی؟"

میں نے خوش ہو کر پوچھا۔ "کیا تم لینے جاؤ گی؟"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں ٹلنے والی نہیں ہوں۔"

"میں جانتا ہوں، شیخ صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی تمھاری ڈیوٹی لگائی ہے۔ بہرحال ہندوستان کی آب و ہوا میں کافی سے بہتر چائے ہو گی۔"

وہ ریسیور اٹھا کر چائے کا آرڈر دینے لگی۔ میں نے مسکرا کر شیبا کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا پھر آہستگی سے کہا۔ "کیا ان نازک ہاتھوں کو چھو سکتا ہوں؟"

وہ جھینپ کر آمنہ کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ فون کرنے میں مصروف تھی۔ میں نے مضبوطی سے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ چور جذبوں سے کانپنے لگی۔ پہلی بار جب اس سے سامنا ہوا تھا تب وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ بلکہ ڈرتی تھی۔ اس کے باوجود حالات سے مجبور ہو کر میرے ساتھ جنگلوں میں بھٹکتی رہی تھی۔ تب اور اب میں بڑا فرق تھا۔ اب وہ محبت سے مل رہی تھی۔ آمنہ نے بزرگانہ انداز میں ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے جلدی سے شیبا کا ہاتھ ڈھیلا کرتے ہوئے کہا۔ "نبض دیکھ رہا ہوں۔ یہ کانپ رہی ہے۔"

کانپنے کی بات پر اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا، جلدی سے منہ گھما کر کھڑی ہو گئی۔ آمنہ نے کہا۔ "شاباش، اسی طرح ہاتھ چھڑا لیا کرو۔"

میں نے پوچھا۔ "آمنہ! پہلی بار تمھارے محبوب نے تمھارا ہاتھ پکڑا تھا تو تم نے کیا...؟"

اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔ "میں نے ایک طمانچہ رسید کر دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم محبت کو نہیں سمجھتی تھیں۔ جب سمجھنے لگیں اور دوسری بار تمھارے محبوب نے ہاتھ کو تھام لیا تب؟"

اس نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر کہا۔ "آہ، جب اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تو میں نامعلوم جذبوں سے کانپنے لگی تھی۔"

اس کی بات سنتے ہی شیبا نے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا لیا۔ پھر دوڑتی ہوئی آ کر آمنہ سے لپٹ گئی۔ تب آمنہ کی سمجھ میں آیا۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو تم رومانی انداز اختیار کر کے اسے بہکا رہے ہو۔"

"بھئی، محبت سے باتیں کرنا کوئی بری بات تو نہیں ہے۔"

"یہاں میں بھی ہوں۔ ذرا مجھ سے محبت کے مکالمے بول کر دیکھو۔"

"تم بھری ہوئی بندوق ہو۔ میں چاہتا ہوں میرے ایک ہاتھ میں بندوق رہے۔ دوسرے ہاتھ میں یہ کھلا ہوا پھول۔"

وہ جواباً کچھ نہ کہہ سکی۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ اس لیے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ ملازم چائے لے کر آیا تھا۔ ہم چائے پینے بیٹھ گئے چونکہ پہلی ملاقات تھی اور میں نے آتے ہی اسے محبت بھرے انداز میں چھیڑا تھا، اس لیے وہ اب تک شرما رہی تھی۔ میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا۔ "میں اپنے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے متعلق اہم باتیں کر رہا ہوں، ذرا توجہ سے سنو۔"

پھر میں نے آمنہ سے پوچھا۔ "تم نے اس کمرے کو اچھی طرح چیک کیا تھا؟"

"میں نے اطمینان کی حد تک چیک کیا ہے۔ ہماری گفتگو اس چار دیواری کے باہر نہیں جائے گی۔ اگر بہت ہی اہم بات ہے اور تمھیں شبہ ہے تو خیال خوانی کے ذریعے گفتگو کر سکتے ہو۔"

میں نے خوش ہو کر کہا۔ "تمھارا بہت بہت شکریہ۔ اب ہم آزادی سے باتیں کر سکیں گے۔"

اس نے چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔ "زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خیال خوانی کی شرط یہ ہے کہ تم دونوں میرے دماغ میں آ کر باتیں کر سکتے ہو۔ اگر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر خاموش رہو گے تو میں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔"

میں نے چائے کی ایک چسکی لی۔ پھر کہا۔ "پتا ہے تمھارے دماغ کو تنویمی عمل کے ذریعے حساس کیوں بنایا گیا ہے؟"

"تاکہ دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے میرے پاس نہ آ سکیں۔"

"اگر میں اور شیبا تمھارے دماغ میں آ کر گفتگو کریں گے تو ہمارے دشمنوں کو بھی تمھارے دماغ میں آنے کا راستہ مل جائے گا۔ جب ایک سوچ کی لہر آتی ہے تو اس کے بعد دماغ کو دوسری تیسری سوچ کی لہریں محسوس نہیں ہوتیں اور زیادہ وضاحت سے سنو۔ جب تک ہم تمھارے اندر بولتے رہیں گے اس وقت تک تمھیں دشمنوں کی موجودگی کا احساس نہیں ہو سکے گا۔"

اس نے دوسری پیالی شیبا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پھر تو مجبوری ہے۔ تم دونوں خیال خوانی کے ذریعے باتیں کر سکتے ہو۔"

میری سوچ کی لہریں شیبا تک پہنچنے لگیں۔ اس نے نظریں اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ تم ہی ہو نا؟"

"ہاں، اب ہم آزادی سے..."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ آمنہ نے ایک دم سے چونک کر کہا۔ "اے، ٹھہر جاؤ۔ ابھی تم شیبا کے دماغ میں ہو۔ یہ تمھاری سوچ کی لہروں کو محسوس کر رہی ہے۔ تمھارے پیچھے دوسری سوچ کی لہریں آئیں گی تو کیا یہ محسوس کر سکے گی؟"

"میں تمھیں بتا چکا ہوں، ایک سوچ کی لہر موجود ہو تو اس کے بعد دوسری تیسری سوچ کی لہریں محسوس نہیں ہو سکتیں۔"

"جب تک شیبا سے باتیں کرتے رہو گے، اس وقت تک شیبا کو کیسے معلوم ہو گا کہ کوئی دشمن اس کے دماغ میں چھپا ہوا باتیں سن رہا ہے یا نہیں؟"

شیبا نے کہا۔ "یہی تو مجبوری ہے۔ ہم دشمنوں کے خیال سے ہمیشہ گونگے بن کر نہیں رہ سکتے۔ کام کی باتیں کرنا ہی ہوں گی۔"

"تو یہ کام کی باتیں میرے دماغ میں کرو۔ دشمن کو آنا ہو گا تو وہ کسی کے بھی دماغ میں آ جائے گا۔"

بڑی مجبوری تھی۔ ہم دونوں اس کے دماغ میں آ گئے۔ میں بتانے لگا کہ ہارپر کے دماغ میں جگہ مل گئی ہے۔ اس کے ذریعے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ سب کی سب اہم ہیں۔ میں ان معلومات کو تفصیل سے بتانے لگا۔ شیبا اور آمنہ خوش ہو رہی تھیں۔ آمنہ نے کہا۔ "اچھا تو وہ صرف تین بہن بھائی ہیں۔ شارپ اپنی سرگرمیوں کا مرکز اسرائیل کو بنانا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسی نے ہماری ڈمی شیبا اسٹیلا جوزف کو قتل کیا تھا۔"

شیبا نے کہا۔ "لیڈی روزینہ ہندوستان میں ہو گی۔ وہ کروڑوں ڈالر کے ہیروں اور گوری سجاتا کے مجسمے کے چکر میں ہے لہٰذا اس نے ہی تمھاری ڈمی کو ائیرپورٹ پر قتل کرایا ہے۔"

"جو ہو گیا، اس کی بات نہ کرو۔ جو ہونا ہے اس کے لیے سوچو اور عمل کرو۔ میں خیال خوانی کے ذریعے ہارپر کے پاس جا رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ پرواز کرو اور اس کے دماغ میں پہنچ کر یہ معلوم کرو کہ بابا صاحب کے ادارے میں اس کے کتنے جاسوس ہیں۔ ان کے نام کیا ہیں۔ تم یہ تمام تفصیلات شیخ صاحب کو بتاؤ گی۔"

میں اس کے سامنے ہارپر کے لب و لہجے میں بولنے لگا۔ وہ غور سے سن رہی تھی اور ذہن نشین کرتی جا رہی تھی۔ پھر میں نے کہا۔ "میرے ساتھ چلو، میں ہارپر کے پاس جا رہا ہوں۔"

وہ میرے پاس آئی۔ ہارپر کے لب و لہجے کو گرفت میں لے کر میرے ساتھ خیال خوانی کی پرواز کرتی ہوئی اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔ ہم پہنچ تو گئے مگر پتا نہیں چلتا کب کون سی بات ہو جائے گی۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے، وہی پیش آتا ہے۔ اس کے دماغ میں پہنچتے ہی ہم

واپس آگئے۔ شیبا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا لیا تھا۔ پھر وہ مارے شرم کے وہاں سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔ اس ایک کمرے میں چھپنے کی اور کوئی جگہ نہیں تھی۔

آمنہ پہلے تو دیدے پھیلائے اُسے حیرانی سے جلتے ہوئے اور جھپتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے مجھے گھور کر کہا۔ "اچھا تو تم شرارت کر رہے تھے۔ مجھ سے کہا تھا ہارپر کے پاس جا رہے ہو!"

"ہم اسی کے پاس گئے تھے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ وہ بے چاری یونہی تو شرما کر نہیں گئی ہے' ضرور تم نے شرارت کی ہے۔"

"شرارت میں نہیں' وہ ہارپر کر رہا تھا!"

"کیا مجھے نادان بچی سمجھتے ہو۔ کیا وہاں پہنچتے ہی ہارپر نے شیبا کو محسوس کر لیا تھا؟"

"اس نے ہم دونوں کو محسوس نہیں کیا۔ وہاں اس کے ساتھ کوئی تھی۔ ان دونوں تھی اور تھا کے درمیان کوئی آمنہ جیسی دیوار نہیں تھی۔ اسی لیے ہم واپس بھاگ آئے۔"

وہ یکبارگی جھینپ گئی۔ اس کا گورا اُجلا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ اس نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ پہلے نظریں چرانے کی کوشش کی۔ پھر جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' میرے سامنے رہنا چاہیے یا نہیں؟ پھر وہ اسی طرح نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "مم میں ذرا اسے جا کر دیکھتی ہوں۔ یہ عجیب لڑکی ہے۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی باتھ روم میں گئی اور دروازے کو بند کر لیا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر سوچا میں جب تک یہاں ہوں گا' یہ دونوں باہر نہیں نکلیں گی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا باتھ روم کے دروازے پر آیا پھر دستک دینے کے بعد کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔"

کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ دونوں ہی چپ ہو گئی تھیں۔ میں وہاں سے اپنے کمرے میں آگیا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت میں نے شیبا کو فون کیا۔ ریسیور اسی نے اٹھایا۔ میں نے کہا۔ "فرہاد بول رہا ہوں۔ کیا بھوک لگ رہی ہے؟"

"میں بعد میں کھاؤں گی۔"

"تاکہ ساتھ کھانا نہ پڑے' سامنے آنا نہ پڑے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔"

"بات جیسی بھی ہو' کھانے کے لیے نہ سہی' کھلانے کے لیے آ جاؤ مگر آ جاؤ۔ میں کھانے کا آرڈر دے رہا ہوں۔"

"اچھا آ رہی ہوں مگر ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ میرا وطن اور میری قوم کے لوگ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے جال میں اُلجھتے جا رہے ہیں۔ پلیز' کچھ کرو۔"

"شیبا! اسرائیل تمہارا وطن ہے اور بابا صاحب کا ادارہ ہماری پناہ گاہ ہے۔ میں دونوں کی حفاظت کے لیے جدوجہد میں مصروف ہوں۔ ابھی میں نے شیخ صاحب اور اعلیٰ بی بی کو ان آلہ کاروں کے متعلق بتا دیا ہے ان کی نشاندہی بھی کر دی ہے جو شارپر اور ہارپر کے لیے وہاں کام کر رہے ہیں۔ لنچ کے بعد ہم دونوں اسرائیل پہنچیں گے اور ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے طلسم کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔"

وہ خوش ہو گئی۔ میں نے اس سے رابطہ ختم کیا پھر دوسرے رابطے پر کھانے کا آرڈر دینے لگا۔

جب سے نئے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا خطرہ پیدا ہوا تھا تب سے بابا صاحب کے ادارے کا ایک ایک فرد اپنی جگہ محتاط اور مستعد تھا۔ جناب شیخ صاحب نے چند خاص ہدایات دی تھیں جن پر سبھی عمل کر رہے تھے۔ اس ادارے میں جو بنیادی ہدایات دی جاتی تھیں' وہ نفس پر قابو پانے' جسم کو صحت مند رکھنے اور دماغ کو منفی خیالات سے باز رکھنے کی تعلیم اور ان کی عملی مشقیں تھیں۔

شیخ صاحب نے یہاں کے ہر فرد کو سمجھایا۔ "تم سب نہایت مثبت سوچ رکھنے والے بندے ہو۔ اگر تمہارے اندر کوئی منفی سوچ پیدا ہو یا ایسی بات دماغ میں آئے جو تمہارے مزاج کے خلاف ہو اور ہمارے ادارے کے لیے نقصان دہ ہو تو فوراً مجھے بتاؤ۔"

وہاں جتنے طلباء و طالبات یوگا کی مشقیں کرنا چاہتے تھے' وہ تو کرتے ہی آ رہے تھے۔ اب اس ادارے کی تمام جوان لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے بھی یہ ضروری قرار دیا گیا تھا۔ وہ بھی صبح و شام یوگا کی مشقیں کرتے تھے علی الصبح مراقبے میں گم ہو کر اپنے دماغ میں صرف ایک ہی سوچ کو مرکوز کرتے تھے۔ کوئی ایک خیال ان کے دماغ میں ہوتا اگر کوئی دوسرا خیال آنا چاہتا تو وہ اسے دماغ سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس ادارے میں پہلے بھی ایسی مشقیں کرائی جاتی تھیں۔ اب اور توجہ سے اس پر عمل کیا جا رہا تھا۔

جناب شیخ صاحب کی ہدایت کے مطابق اس ادارے کے افراد ایک دوسرے کو محتاط نظروں سے دیکھتے تھے۔ ایک دوسرے سے گفتگو کے دوران بھی محتاط رہتے تھے۔ اگر کوئی بات یا کسی کا عمل اس ادارے کے خلاف ہوتا یا کسی طور شبے میں مبتلا کرتا تو وہ اس کی رپورٹ ادارے کے بزرگ افراد کو دیتے تھے۔

جناب شیخ صاحب نے مجھ سے اور شیبا سے کہا تھا۔ "تم دونوں کا فرض ہے' جب کبھی فرصت ملے' یہاں ادارے کے کسی نہ کسی فرد کے دماغ میں جھانک کر دیکھ لیا کرو۔ اگر کوئی مجرم ہوا یا مجرموں کا آلہ کار ہوا تو اسے فوراً ادارے سے نکال دیا جائے گا۔ اگر وہ ادارے کا پرانا وفادار ہو گا تو اسے یہاں سے نکالنے کے بعد اس کا علاج کرایا جائے گا۔"

مختصر یہ کہ ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں سے ادارے کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن احتیاطی تدابیر کی گئی تھیں۔ سونیا اور پومی بھی وہاں پہنچ گئی

تھیں۔ اعلیٰ بی بی پہلے سے موجود تھی۔ ایسے ہی حالات میں کہا جاتا ہے' جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ ایسے ہی وقت ہارپر میری گرفت میں آ گیا تھا۔ اس کے جتنے آلۂ کار اس ادارے میں تھے' میں نے ان کی نشاندہی کر دی تھی۔

یوں تو آلۂ کار کئی ہو سکتے ہیں۔ ہارپر کے طریقۂ کار کے مطابق ہمارے ادارے میں اس کا ایک خاص آدمی تھا۔ وہ جیکی ماسٹر کہلاتا تھا۔ بابا صاحب کے ادارے میں برسوں سے انسٹرکٹر کے فرائض انجام دیتا آ رہا تھا۔ وہاں کے طلباء و طالبات کو لڑنے کے داؤ پیچ سکھایا کرتا تھا۔ جن دنوں پومی' ماسٹر دانشور دکی سے فولاد بننے کی تربیت حاصل کر رہی تھی' ان دنوں جیکی ماسٹر بھی وہاں موجود رہتا تھا۔ جب دانشور دکی کسی وجہ سے غیر حاضر رہتا تھا تو وہ پومی کو سکھایا کرتا تھا۔ پومی اس کی بڑی عزت کرتی تھی۔

ادارے میں ایک عدالت نما بڑا سا کمرہ تھا جہاں جناب شیخ صاحب دوسرے بزرگوں اور اہم افراد کے ساتھ بیٹھتے تھے اور کسی اہم مسئلے کا حل تلاش کرتے تھے اور متنازعہ معاملات کا تصفیہ کرتے تھے۔ اس وقت عدالت کا وہ کمرہ ادارے کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں سونیا' سوتنی' اعلیٰ بی بی اور پومی وغیرہ کے علاوہ ماسٹر دانشور دکی اور جیکی ماسٹر بھی تھے۔ جناب شیخ صاحب جج کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "جیسا کہ آپ جانتے ہیں' ہمارے ادارے کو نئے ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے خطرہ لاحق ہے۔ اس کے لیے ہم اپنی بساط کے مطابق احتیاطی تدابیر کر رہے ہیں۔ ان تدابیر کے علاوہ ہماری یہ کوشش بھی رہتی ہے کہ ادارے میں اگر دشمن عناصر ہوں تو ان کا سراغ لگایا جائے اور انہیں گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔ یہ بات آپ لوگوں کے لیے باعثِ اطمینان ہو گی کہ ہم نے دشمن عناصر کو ڈھونڈ نکالا ہے۔"

سب ہی کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شیخ صاحب نے کہا۔

"اور وہ دشمن عناصر اس عدالت میں ہمارے درمیان موجود ہیں۔"

اس بات پر تمام حاضرین میں کھلبلی مچ گئی۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور پوچھنے لگے۔ "ہمارے درمیان اور اس عدالت میں؟ وہ بھی دشمن عناصر؟ ہم تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ بابا صاحب کے ادارے میں دشمن بھی آ سکتے ہیں۔"

شیخ صاحب نے کہا۔ "براہِ مہربانی آپ خاموش رہیں' وہ دشمن ابھی آپ کے سامنے آئیں گے۔"

عدالت میں خاموشی چھا گئی۔ سبھی کے دلوں میں تجسس تھا آخر وہ کون لوگ ہیں؟ جناب شیخ صاحب نے کہا۔ "جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں' بابا فرید واسطی صاحب کے ادارے میں پولیس نہیں ہے کیونکہ پولیس وہاں ہوتی ہے جہاں چور ہوتے ہیں۔ اس ادارے میں کبھی چور نہیں ہوئے۔ اب اگر دشمن پیدا ہو گئے ہیں تو میرا نیک مشورہ ہے' وہ خود ہی مجرموں کی طرح عدالت کے اس کٹہرے میں آ کر کھڑے ہو جائیں۔"

عدالت میں گہری خاموشی چھا گئی۔ سب انتظار کرنے لگے کوئی مجرم سامنے نہیں آ رہا تھا۔ جیکی ماسٹر اندر ہی اندر پریشان ہو رہا تھا۔ جب اعلیٰ بی بی اس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی تو اس کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ وہ کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

ایک نوجوان اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کٹہرے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ صاحب نے کہا۔ "دراصل ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمنوں کا صرف ایک ہی ایجنٹ ہے۔ اس ایجنٹ کے ذریعے وہ ہمارے نوجوانوں کے دماغوں میں پہنچ جاتے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس نوجوان کے پاس آئی پھر اس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس کٹہرے میں آنے پر کسی نے مجبور کیا ہے؟"

نوجوان نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "کسی نے مجبور نہیں کیا مگر میں سمجھتا ہوں، خود نہ آتا تو فرہاد صاحب یا شیبا صاحبہ کی خیال خوانی یہاں لے آتی۔"

"کیا تمھیں اس بات کا خوف نہیں تھا کہ دشمن کے آلۂ کار بنو گے تو فرہاد اور شیبا تمھارا محاسبہ کریں گے؟"

"کوئی میرے دماغ میں بولتا تھا اور یقین دلاتا تھا کہ شیبا صاحبہ اور فرہاد صاحب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ابھی میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر کٹہرے میں آنا چاہتا تھا تو کوئی مجھے روک رہا تھا۔ یقین دلا رہا تھا کہ وہ فرہاد صاحب کا مقابلہ کریں گے اور مجھے مجرم ثابت نہیں ہونے دیں گے۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا: "پھر تم نے اس پر اعتماد کیوں نہیں کیا۔ مجرم بن کر اس کٹہرے میں کیوں آ گئے؟"

"وہ دشمن طفلِ تسلیاں دے رہا تھا۔ اگر ان میں اور فرہاد صاحب میں خیال خوانی کے ذریعے مقابلہ ہوتا اور میں درمیان میں تماشا بنا رہتا تو آپ سب مجھے مجرم ثابت نہ کر سکتے مگر شبہ تو کرتے، اس ادارے میں میری پہلی جیسی عزت نہ رہتی۔"

"تم کیسے ان کے آلۂ کار بن گئے۔ تمھیں کس قسم کا لالچ دیا گیا۔ تمھیں کس طرح ہمارے خلاف خریدا گیا؟"

وہ سر جھکا کر بولا: "میں خالدہ کو چاہتا تھا۔ جب میں جیکی ماسٹر کی کلاس اٹینڈ کرنے جاتا تو وہاں خالدہ سے زیادہ سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع ملتا تھا۔ یہ بات جیکی ماسٹر کو معلوم ہے۔"

عدالت میں بیٹھے ہوئے لوگ کبھی خالدہ کو اور کبھی جیکی ماسٹر کو دیکھنے لگے۔ کٹہرے میں کھڑے نوجوان نے کہا: "پچھلے تین دنوں سے میں نے محسوس کیا جیسے میری محبت ہوس میں بدلتی جا رہی ہے۔ میں خالدہ کو خوابوں میں اور خیالوں میں دیکھتا تھا اور پُرہوس نظروں سے دیکھتا تھا۔ میرے اندر اسے حاصل کرنے کے لیے جنون پیدا ہوتا تھا۔"

خالدہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ وہاں سے چلتی ہوئی دوسرے کٹہرے میں آکر کھڑی ہو گئی۔ پھر کہنے لگی: "میرا بھی یہی حال تھا۔ میں بھی پچھلے تین دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ ہماری محبت ہوس میں بدلتی جا رہی ہے اور ہمارے اندر بُرے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا: "خالدہ! صرف یہی خیالات تھے یا کچھ اور باتیں بھی دماغ میں آتی ہیں؟"

"اس ادارے میں کتنے ہی ممالک کے اہم راز مائیکرو فلموں میں چھپے ہوئے ہیں۔ میرے دماغ میں بات آتی تھی کہ ان فلموں کو چُرانے کے لیے مجھے ایک شخص کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر میں ایسا کرنے کا صرف ارادہ کر لوں تو میرا محبوب میری تنہائیوں میں آ سکتا ہے۔"

اس نوجوان نے کہا: "مائیکرو فلموں سے متعلق میرے دماغ میں بھی ایسے ہی خیالات آتے ہیں۔ پھر ایک رات مجھے حوصلہ ہوا۔ میرے دماغ میں بات آئی کہ گرلز ہاسٹل کا چوکیدار گہری نیند میں ہے۔ مجھے وہاں جانے سے کوئی روک نہیں سکے گا اور جب میں ہاسٹل کی حد کو پھلانگ کر اندر گیا تو واقعی چوکیدار سو رہا تھا۔ میں خالدہ کے کمرے میں چلا گیا۔"

اعلیٰ بی بی نے پوچھا: "یہاں کے تمام نوجوان لڑکے ہاسٹل کی لڑکیوں کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ تم سب کو اخلاقیات کا درس دیا جاتا ہے۔ کیا تمھارے ضمیر نے ملامت نہیں کی۔ کیا تمھیں اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ پکڑے جاؤ گے تو عزت دو کوڑی کی نہیں رہے گی؟"

اس نوجوان نے کہا: "میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا، کوئی غیبی قوت ہے جو مجھے کشاں کشاں خالدہ کے کمرے میں لے گئی ہے۔"

خالدہ نے سر جھکا کر کہا: "میری بھی یہی حالت تھی۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ مجھ پر کیا گزری۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "محترم جناب شیخ صاحب! میرا خیال ہے، ان دونوں کا اتنا ہی بیان کافی ہے۔ ویسے ہم اور آپ حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ہم عدالت میں حاضر ہونے والے تمام افراد کو ان کے متعلق صورتِ حال سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ مقصد پورا ہو رہا ہے۔ خالدہ اور اس نوجوان کی طرح اور بھی چھ لڑکیاں اور لڑکے ہیں جو ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ آپ ان کے بیانات سے اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ ان نوجوانوں کی نیت بُری نہیں تھی۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے اندر شیطانیت پیدا کی گئی تھی۔ میں باقی چھ لڑکیوں اور لڑکوں سے کہتی ہوں کہ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کٹہرے کے پاس آ کر کھڑے ہو جائیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک ایک کر کے لڑکیاں اور لڑکے اُٹھنے لگے۔ لڑکیاں سر جھکا کر خالدہ کی طرف چلی گئیں۔ لڑکے اس نوجوان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ شیخ صاحب نے کہا: "اعلیٰ بی بی! اپنا بیان جاری رکھو۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "آپ لوگوں کے سامنے جو طلبا و طالبات نظر آ رہے ہیں، یہ معصوم ہیں۔ کئی برس سے ادارے میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ ان سے کبھی ایسی غلطی سرزد نہیں ہوئی جس پر انھیں شرمندہ ہونا پڑے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا، اس میں ان کا قصور نہیں ہے۔"

اعلیٰ بی بی ایک ایک لڑکی اور ایک ایک لڑکے کے پاس جا کر کہنے لگی: "یہ لڑکی اس لیے ٹریپ کی گئی کہ میرے کھانے میں کوئی ایسی دوا ملا سکے جس کے باعث میرا ذہن کمزور ہو جائے اور میں سانس نہ روک سکوں اور وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا بہ آسانی میرے دماغ میں پہنچ سکے۔ اسی طرح وہ لڑکا سونیا اور پوجی کے کھانے میں ایسی ہی دوائیں ملانے کے لیے ٹریپ کیا گیا تھا۔"

اس نے دو لڑکیوں اور دو لڑکوں کا نام لیتے ہوئے کہا: "ہمارے ادارے میں دو واٹر ٹینک کے ذریعے پینے کا پانی سپلائی ہوتا ہے۔ ان لڑکوں اور لڑکیوں کو پانی میں زہر ملانے کے لیے ٹریپ کیا گیا تھا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ پانی پی کر یا تو ہم سب مر جائیں گے یا بے ہوشی کی حالت میں رہیں گے تو اس شخص کو ہماری مائیکرو فلموں تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔"

اس بات پر عدالت کے محدود ماحول میں سنسنی سی پھیل گئی۔ لوگ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ شیخ صاحب نے کہا: "پلیز، میں آپ لوگوں کی توجہ چاہتا ہوں۔"

سب خاموش ہو گئے۔ انھوں نے کہا: "آپ اس شخص کو دیکھنا چاہتے ہوں گے جس نے اتنا بڑا جال پھیلایا اور جس کے ذریعے ٹیلی پیتھی جاننے والے ان سات طلبا و طالبات کو اپنا آلۂ کار بنانے میں کامیاب ہوتے رہے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "اب بھی اس شخص کو موقع دیا جاتا ہے، وہ خود اپنی جگہ سے اُٹھے اور مجرموں کے کٹہرے میں پہنچ جائے۔"

شیخ صاحب نے کہا: "آپ کو معلوم ہو چکا ہے، ان سات طلبا و طالبات کا قصور نہیں ہے۔ انھیں سخت سزائیں نہیں دی جا سکتیں لیکن ان پر اعتماد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ان کے لیے باہر ایک گاڑی تیار ہے۔ یہ اس میں بیٹھ کر ادارے سے باہر جائیں گے۔ اس ملک کے کسی بھی شہر میں ان کے لیے روزگار فراہم کیا جائے گا لیکن یہ کبھی ادارے میں قدم نہیں رکھ سکیں گے۔"

یہ حکم سُننے کے بعد وہ طلبا و طالبات کمرے سے باہر چلے گئے۔

اب جیکی ماسٹر کی باری تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھبرا رہا تھا مگر بڑی مستقل مزاجی سے ڈھیٹ بنا اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مجرم کی حیثیت سے ظاہر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اعلیٰ بی بی نے کٹہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی تک خالی ہے۔ آپ حضرات دیکھیں گے، وہ خود چل کر یہاں آئے گا۔ میں یقین دلاتی ہوں، اُسے فرہاد اور شیبا کی ٹیلی پیتھی نہیں لائے گی۔ اسے مجرم ثابت کرنے کے لیے وہ ثبوت کافی ہیں جن کا ذکر میں کرنے جا رہی ہوں۔"

جیکی ماسٹر اپنی جگہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اعلیٰ بی بی کہہ رہی تھی: "جیسا کہ میں بیان کر چکی ہوں، ان سات طلبا و طالبات کو آلۂ کار بنانے کے بعد ان سے گھناؤنا کھیل کھیلا گیا۔ انھیں گناہ کی دلدل میں دھکیلا گیا۔ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ ان نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو کمزور بنایا جائے اور یہ گناہ کی لذّت حاصل کرنے کے لیے ان کے محتاج رہیں۔ ان نوجوانوں نے بعد میں سمجھ لیا تھا کہ ان پر جو بے خودی طاری ہوتی تھی اور وہ بے اختیار ایک دوسرے کی جانب کھنچے جاتے تھے تو یہ ٹیلی پیتھی کی وجہ سے تھا۔"

اعلیٰ بی بی نے ایک نظر دور بیٹھے ہوئے جیکی ماسٹر پر ڈالی۔ پھر کہا: "ان دشمنوں نے دوسرے مقصد کے مطابق ان طلبا و طالبات کی حیاسوز تصاویر اتاری ہیں۔ وہ معصوم اور نوجوان لڑکیاں اور لڑکے ایسی تصویریں دیکھ لیں تو شرم سے مر جائیں گے۔ یہ تصویریں اس شخص کے کوارٹر میں ابھی تک موجود ہیں جو ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کا خاص ایجنٹ ہے۔ ابھی میں آپ لوگوں کو اس کے کوارٹر میں لے جاؤں گی اور وہاں سے تصویریں برآمد کروں گی۔"

یہ سُنتے ہی جیکی ماسٹر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں سے جانے لگا۔

اعلیٰ بی بی نے پوچھا: "کیوں جیکی ماسٹر! اپنے کوارٹر تک جانا چاہتے ہو۔ ہم بھی ساتھ چلیں گے۔"

وہ جواب دیے بغیر تیزی سے چلتا ہوا دروازے کی طرف جانے لگا مگر باہر نہ جا سکا۔ دروازے کے سامنے پہنچتے ہی ٹھٹک گیا۔ پوجی دونوں ہاتھ کمر پر رکھے بیچ دروازے میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا: "سوری ماسٹر! تم ہو استاد، میں ہوں شاگرد۔ دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع نہ دو کہ آج کل کے شاگرد استاد سے سیکھے ہوئے داؤ استاد پر ہی آزماتے ہیں۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "پوجی! اگر تم سے کہا جائے کہ استاد پر کبھی ہاتھ نہ اُٹھانا، گستاخی نہ کرنا تو اسے کس طرح روکو گی؟"

اس نے جواب دیا: "میں صرف نصیحت کروں گی۔ اے استادِ محترم! اس دروازے سے باہر نہ جانا خطرہ ہے۔ پھر نصیحت کرنے کے بعد ایک طرف ہٹ جاؤں گی۔ راستہ چھوڑ دوں گی۔"

یہ کہتے ہوئے پوجی دروازے سے ہٹ گئی۔ اس کے جانے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ جیکی ماسٹر نے آگے بڑھنے میں پس و پیش کیا۔ پلٹ کر اعلیٰ بی بی کو دیکھا۔ پھر پوجی پر سوچتی ہوئی نظر ڈالی۔ جناب شیخ صاحب نے ایک بڑا سا لفافہ اُٹھاتے ہوئے کہا: "جیکی ماسٹر! تم جو ثبوت ضائع کرنے جا رہے ہو، وہ یہاں ہے۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا: "اب دو میں سے ایک بات ہو گی۔ تم یہاں سے بھاگو گے یا مجرموں کے کٹہرے میں آکر کھڑے ہو جاؤ گے۔"

وہ فوراً اعلیٰ بی بی کی طرف سے پلٹ گیا۔ تیزی سے بھاگنے کے لیے دروازے سے نکلنا چاہتا تھا لیکن اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اچانک ہی سونیا سامنے آ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دو ریوالور تھے اور وہ تڑاتڑ فائرنگ کرتی جا رہی تھی۔ اسے فائرنگ سے بچنے کے لیے کمرے کے اندر آنا پڑا۔ وہ چیختا ہوا، بچتا ہوا، دوڑتا ہوا بے اختیار مجرموں کے کٹہرے میں پہنچ کر رک گیا۔ ہاتھ اُٹھا کر کہنے لگا: "رک جاؤ، میں آ گیا ہوں۔ میں یہاں آ گیا ہوں۔"

اعلیٰ بی بی نے حاضرینِ عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مجرم اپنی جگہ پہنچ چکا ہے۔ اب عدالتی کارروائی شروع ہو گی۔ اس سے پہلے میں سونیا سے پوچھتی ہوں۔ اس نے خواہ مخواہ کبھی ہتھیاروں کو استعمال نہیں کیا۔ آج اسے کٹہرے تک پہنچانے کے لیے فائرنگ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

سونیا نے جواب دیا: "میں خواہ مخواہ ہاتھا پائی نہیں کرتی۔ کوشش کرتی ہوں کہ کسی تدبیر سے دشمن زیر ہو جائے۔ میری ایسی تدابیر کو لوگ مکاریاں کہتے ہیں۔ بہرحال، یہ میرے لیے بڑے شرم کی بات ہے۔ آج میں نے یہ دو ریوالور استعمال کیے۔ میں سب کے سامنے شرم سے مرنے جا رہی ہوں۔"

اس نے ریوالورز کو اپنی دونوں کنپٹیوں سے لگایا پھر ٹھائیں ٹھائیں گولیاں چلانے لگی۔ جیکی ماسٹر حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ عدالت میں بیٹھے ہوئے لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔ جناب شیخ صاحب نہایت ہی سنجیدہ انسان تھے۔ انھیں کسی نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ آج وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگے تھے۔

جیکی ماسٹر نے غصے سے کٹہرے کی ریلنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے زور سے گرجتے ہوئے پوچھا "کہاں ہو تم لوگ؟"

تمام قہقہے لگانے والے چپ ہو گئے۔ عدالت میں یکبارگی خاموشی چھا گئی۔ سب کی نظریں جیکی ماسٹر پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ وہ سر اٹھائے خلا میں تکتے ہوئے پوچھ رہا تھا "تم سب کہاں مر گئے؟"

وہ کٹہرے کے اندر چاروں طرف گھوم گھوم کر کہتا جا رہا تھا "تم لوگوں نے میرے تحفظ کا وعدہ کیا تھا۔ تم لوگوں نے دعویٰ کیا تھا، مجھے شیبا اور فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے محفوظ رکھو گے اور برے وقت میں میرے کام آؤ گے۔ کیا اتنا نہیں بتا سکتے تھے کہ سونیا کے ہاتھوں میں نقلی ریوالور ہیں۔"

وہ گرج رہا تھا اور ٹیلی پیتھی جاننے والے مددگاروں کو پکار رہا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ کٹہرے کی ریلنگ پر مارے اور سر کو جھکا لیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ بالکل خاموش ہو گیا۔ عدالت میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ بھی خاموش ہو گئے تھے، دیکھنا چاہتے تھے، وہ کیا کرتا ہے؟ اور وہ کیا کہتا ہے؟

پھر وہ آہستہ آہستہ سر اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا "میں ایک نادیدہ قوت، ایک بلائنڈ پاور ہوں۔ اس وقت جیکی ماسٹر کے لب و لہجے میں تم سب کو مخاطب کر رہا ہوں۔"

میں اس وقت ممبئی کے ہوٹل تاج محل میں تھا۔ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا ٹیلی پیتھی کی آنکھوں سے ہارپر کو دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ میرے سامنے ہی نادیدہ قوت ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ یعنی ایسی قوت جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ جسے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ نہ جانے انسان کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ ازل سے پُراسرار اور ناقابلِ تسخیر بن کر رہنا چاہتا ہے مگر بن نہیں پاتا۔

میں پلک جھپکتے ہی اس کی تمام خوش فہمیوں کو خاک میں ملا سکتا تھا۔ وہ نادیدہ قوت بننے والا دیدہ دلیر ہو کر اتنے غرور سے نہ بولتا جتنا کہ اس وقت شیخ صاحب کے سامنے، عدالت کے کمرے میں بول رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "جیکی ماسٹر میرا وفادار ہے۔ میں ہر حال میں اس کی حفاظت کروں گا۔ آئندہ اس ادارے میں جو بھی میری پناہ میں آئے گا، میرا وفادار بن کر رہنا چاہے گا، میں اس کی حفاظت کروں گا۔ اس کا ایک نمونہ ابھی پیش کر رہا ہوں۔ تم سب گواہ رہنا۔ اس عدالت کا جو بھی فیصلہ ہو، جیکی ماسٹر کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ جس طرح مکھن سے بال نکل آتا ہے، اسی طرح جیکی ماسٹر اس ادارے سے صحیح سلامت نکل کر میرے پاس پہنچ جائے گا۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "جیکی ماسٹر نے ہمارے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔ یہ غدار ہے۔ اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے، یہ جناب شیخ صاحب ہی فرمائیں گے۔"

شیخ صاحب نے کہا "غدار کو سزائے موت دی جائے گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دماغ میں خیال خوانی کے ذریعے بولنے والا بولنے والے اسے کس طرح یہاں سے بچا کر لے جا سکتے ہیں۔"

جیکی ماسٹر کے ذریعے ہارپر نے کہا "خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔ اگر میرے آدمی کو سزائے موت دی جائے گی تو میں اس ادارے کی ایک اہم ہستی کو ہمیشہ کے لیے مٹا دوں گا۔"

اس کے جواب میں اعلیٰ بی بی کچھ کہنا چاہتی تھی، جیکی ماسٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا "رک جاؤ۔ میری بات پوری نہیں ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اگر میں نے اس ادارے کی کسی اہم ہستی کو جانی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو شیبا اور فرہاد میری بہن اور میرے بھائی کو مار ڈالیں گے۔ بھلا اپنوں کی موت کون برداشت کر سکتا ہے۔ ہم بھی نہیں کر سکتے۔ جان کے بدلے جان لینا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا میں جیکی ماسٹر کو بچانے کا دوسرا راستہ اختیار کرنے جا رہا ہوں۔"

اس نے ایک ذرا توقف سے کہا "میں ایک بات پوچھ رہا ہوں۔ جیکی ماسٹر کو سزائے موت دینے کے بعد اس کی لاش کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

"اس کی لاش اس ادارے سے باہر کسی بھی قبرستان میں دفن کرنے کے لیے بھیج دی جائے گی لیکن تم نے اسے زندہ سلامت یہاں سے لے جانے کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر اس کی موت کی بات کیوں کرتے ہو؟"

"میں خون خرابہ نہیں چاہتا۔ جان کے بدلے جان لینا نہیں چاہتا، اس لیے اب میرا یہ وفادار یہاں سے سزائے موت پانے کے بعد مردہ حالت میں ادارے سے باہر جائے گا۔ اس کے بعد زندہ ہو جائے گا۔"

اعلیٰ بی بی نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا تم سامری جادوگر کی اولاد ہو؟"

"تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔ حقیقتاً ایسا ہی کچھ ہے۔ تم ہماری اس غیر معمولی ایجاد کو بھول گئیں۔ وہ ٹرانسفارمر مشین جس کے ذریعے ہم دوسروں کی صلاحیتوں کو اپنے دماغ میں منتقل کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی ایک کالا جادو جاننے والے کے دماغ سے ہم نے وہ سارے کالے عمل اپنے دماغ میں منتقل کر لیے ہیں۔ میں دعویٰ کرتا ہوں۔ جب جیکی ماسٹر کی لاش اس ادارے سے باہر جائے گی تو یہ کسی وقت بھی زندہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی روح ہمارے کالے عمل کے حصار میں رہے گی۔ باہر نکل نہیں پائے گی۔ ہم جب بھی چاہیں گے، اس کی روح پھر اس کے مردہ جسم میں داخل ہو جائے گی۔"

عدالت میں بیٹھے ہوئے بیشتر افراد اس کی باتوں سے متاثر ہو رہے تھے۔ حیرانی سے سن رہے تھے۔ کیا جیکی ماسٹر بظاہر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو سکے گا؟ کچھ ایسے لوگ تھے جو اس بات کو مضحکہ خیز سمجھ رہے تھے

اور میں ہارپر کے دماغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس حقیقت کو سمجھ رہا تھا کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ وہ جو کہہ رہا ہے محض ڈرامائی انداز اختیار کرنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ میں نے شیخ صاحب اور اعلیٰ بی بی سے کہہ دیا "اس کا باپ بھی کالا جادو نہیں جانتا۔ بس یہ دیکھتے جائیں کہ کیسی چالیں چل رہا ہے۔"

دراصل ہارپر بابا صاحب کے ادارے میں اپنی ساکھ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ وہاں کے تمام افراد کو یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ اپنے وفاداروں کو بے موت نہیں مرنے دے گا۔ اگر ادارے میں اس کے کسی بھی وفادار کو سزائے موت دی جائے گی تو وہ مرنے کے بعد اس ادارے سے باہر لاش کی صورت میں آئے گا لیکن دوبارہ زندگی حاصل کرے گا۔

اعلیٰ بی بی نے میری باتیں سن کر کہا "میں سمجھ گئی۔ جیکی ماسٹر ہمارے ہاں سزائے موت پائے گا۔ یہاں سے مرنے کے بعد ہی باہر جا سکے گا اور مرنے کے معنی ہیں ہمیشہ کے لیے فنا ہو جانا اور فنا ہونے والے دوبارہ زندہ نہیں ہوتے مگر یہ ہمارے ادارے کے لوگوں کو یقین دلانے کے لیے کسی ڈمی جیکی ماسٹر کو منظرِ عام پر لائے گا۔"

جیسا وہ کہہ رہی تھی، ویسا ہی ادھر جیکی ماسٹر کے ذریعے ہارپر کہہ رہا تھا "میں اس ادارے کے ان تمام خوش نصیبوں سے مخاطب ہوں جو آئندہ میرے وفادار بننے والے ہیں میرا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ آپ سب دیکھیں گے کہ جیکی ماسٹر کی موت یہاں ہو گی اور دو دن بعد یہ پیرس میں گھومتا پھرتا نظر آئے گا۔ آج سے ٹھیک دو دن بعد آپ اسے ایفل ٹاور کے آس پاس کہیں بھی دیکھ سکتے ہیں۔"

جیکی ماسٹر اپنے آپ میں نہیں تھا۔ ہارپر کے بس میں تھا اور اس کی مرضی کے مطابق مجرموں کے کٹہرے میں شان سے تن کر کھڑا ہوا تھا۔ فاتحانہ انداز میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "صرف جیکی ماسٹر زندہ سلامت نہیں رہے گا بلکہ وہ سات طلبا و طالبات جو یہاں سے نکال دیے گئے ہیں، میں انھیں بھی عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے تمام مواقع فراہم کروں گا۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "کیا خوب آئیڈیا ہے۔ یہ ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آئے گا مگر ہم سمجھ گئے ہیں۔"

اس نے جیکی ماسٹر کی زبان سے کہا "تمھارے سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ادارے کے ذہین افراد کو ثبوت چاہیے اور میرے وعدے کے مطابق تمام لوگوں کو میری سچائی کا ثبوت مل جائے گا۔ اپنی اس عدالت کے فیصلے سے پہلے میرا فیصلہ سنو۔"

سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس نے کہا "ابھی تمھارے شیخ صاحب نے کہا ہے، غدار کو سزائے موت دی جائے گی اور میرا فیصلہ ہے، طرف تمھاری طرف سے موت کی سزا نہیں مل سکے گی۔ یہ تمھارے ہاتھوں سزا پانے سے پہلے ہی خودکشی کر لے گا۔ یہ عزت کی موت مرے گا۔"

یہ سنتے ہی سونیا اور لوسی اس کی طرف بڑھنے لگیں وہ اسے خودکشی سے باز رکھنا چاہتی تھیں۔ میں نے دونوں کو دور رکھنے کے لیے کہا "ان پر مزید اڑتالیس گھنٹے کا تنویمی عمل کیا گیا تھا تاکہ دشمن ان کے دماغوں تک نہ پہنچ سکیں لیکن دوسری بار جب تنویمی عمل کیا گیا تو میرے لیے خاص طور پر کوڈ ورڈ مقرر کر دیا گیا تھا اور کوڈ ورڈ وہی تھا "فرہاد آن زیرو چینل"۔ یہ الفاظ سننے کے بعد وہ یقین کر لیتی تھیں کہ میں ہی بول رہا ہوں۔ میں نے کہا "جیکی ماسٹر کے پاس خودکشی کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے مارا جائے گا۔"

اسی وقت جیکی نے تمام حاضرینِ عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اب میں جیکی ماسٹر اپنے آپ میں ہوں اور پورے ہوش و حواس میں رہ کر اپنی جان دے رہا ہوں۔ مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

ویسے تو میں ہارپر کو بڑی آسانی سے روک سکتا تھا لیکن وہ عدالت میں ڈرامائی انداز اختیار کرنے کے باوجود یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ شیبا اور فرہاد اس عدالت میں اس کے راستے کی رکاوٹ کیوں نہیں بن رہے ہیں!

وہ جیکی ماسٹر کی سانس روک رہا تھا اور ہماری طرف سے مخالفت کی توقع کر رہا تھا۔ ادھر جیکی سانس لینا چاہتا تھا، زندہ رہنا چاہتا تھا مگر وہ خیال خوانی کے ذریعے اسے سانس لینے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ عدالت میں کتنے ہی لوگ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اسے کٹہرے کے اندر تڑپتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ زندگی کے لیے یہ جدوجہد دو منٹ تک جاری رہی۔ اس کے بعد وہ بے جان ہو کر کٹہرے کے اندر گرا۔ پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا نیچے آ گیا۔

جناب شیخ صاحب نے تمام حاضرین کو اپنی جگہ بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر ایک ڈاکٹر ان کی ہدایت کے مطابق جیکی ماسٹر کا معائنہ کرنے لگا۔ آخر اس نے تصدیق کی، وہ مر چکا تھا۔ جو لوگ ضعیف الاعتقاد تھے اور کالے جادو پر یقین رکھتے تھے، ان کی نظروں میں جیکی ابھی زندہ تھا۔ بظاہر مر چکا تھا اور دو دن بعد پیرس شہر میں ظاہر ہونے والا تھا۔

جناب شیخ صاحب نے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی عدالت کی کارروائی ختم نہیں ہوئی ہے۔ ہمارے ادارے کا یہ اہم شخص جسے ہم جیکی ماسٹر کہتے تھے، یہاں مجرم کی حیثیت سے آیا تھا جو اب فنا ہو چکا ہے۔ اسے ہم سزا سنا سکے مگر سزا دے نہ سکے۔ اس سے پہلے ہی یہ مر گیا۔ اس کے بعد عدالت کو برخاست ہو جانا چاہیے مگر ابھی کیس ختم نہیں ہوا۔ دراصل اس کیس میں دو مجرم تھے۔ ایک آپ کے سامنے مر چکا ہے جو دیدہ تھا۔ دوسرا یہاں موجود ہے مگر نادیدہ ہے۔"

وہاں موجود لوگوں نے تائید کے انداز میں خاموشی سے سر ہلایا۔ انھوں نے کہا "وہ نادیدہ مجرم اس عدالت کی کارروائی دیکھ رہا ہے اور میری باتیں سن رہا ہے۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں، اس نے کتنی بڑی حماقت

کی ہے۔ کالے جادو کا ڈھونگ رچانے سے میرے ادارے کے افراد متاثر نہیں ہوں گے۔ یہاں کوئی ضعیف الاعتقاد نہیں ہے۔ ہم کالے جادو کو مانتے ہیں مگر جب تک اس مردہ جیکی ماسٹر کا جسم ادارے سے باہر نہیں جائے گا اور اس کالے جادو جاننے والے تک نہیں پہنچے گا، اس وقت تک وہ اپنے وفادار جیکی ماسٹر کو اپنے سیاہ عمل سے دوبارہ زندہ نہیں کر سکے گا حالانکہ دوبارہ کسی انسان کو زندہ کرنا کبھی بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے جو قادرِ مطلق ہے اور جو مارنے اور مار کر دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔"

انھوں نے ایک ذرا توقف سے کہا "وہ نادیدہ مجرم ہمارے ہاتھ نہیں آیا۔ یہ بات اس کے لیے باعثِ اطمینان ہے اور ہم اپنی کارکردگی سے مطمئن ہیں۔ ہم نے اس نادیدہ مجرم کی کوئی چال کامیاب نہیں ہونے دی۔ وہ شرمناک تصویروں کے ذریعے اس ادارے کے تقدس کو مشکوک بنانا چاہتا تھا۔ وہ سارے ثبوت ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ہمیں کوئی بدنام نہیں کر سکے گا۔"

وہ ذرا چپ ہوئے۔ جیکی ماسٹر کی لاش کو اٹھا کر لے جایا جا رہا تھا۔ انھوں نے کہا "اس نادیدہ مجرم کے سامنے ایک مسئلہ درپیش تھا کہ وہ کس طرح اس ادارے میں اپنی ساکھ برقرار رکھ سکے۔ آئندہ ہمارے لوگوں کو آج کی کامیابی کا حوالہ دے کر کس طرح متاثر کر سکے اور انھیں اپنا آلۂ کار بنا سکے لیکن اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ جب اس نے سمجھ لیا کہ اس کا خاص ایجنٹ جیکی ماسٹر بے موت مر جائے گا تو اس نے کالے جادو کا ڈھونگ رچایا۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ آئندہ ہم میں سے کوئی بھی جیکی ماسٹر کو پیرس میں دیکھے گا تو وہ ایک ڈمی جیکی ماسٹر ہوگا۔ ہم نے دشمنوں کے سامنے بارہا ڈمی فرہاد کو پیش کیا ہے اور حال ہی میں ڈمی شیبا بھی پیش کی گئی تھی۔ وہ نادیدہ مجرم ہماری ہی چال کو دہرا رہا ہے۔"

انھوں نے تمام حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں اس سلسلے میں آپ کا ووٹ حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ جیکی ماسٹر کی لاش کو یہیں دفن کیا جائے یا ادارے سے باہر بھیج دیا جائے؟"

سبھی لوگ باری باری کہنے لگے "یہ غدار تھا۔ اسے ہمارے ادارے کی زمین میں دفن نہ کیا جائے۔"

"اس کی لاش لاوارثوں کے قبرستان میں بھیج دی جائے۔"

"ہمارے طلبا و طالبات کو اچھا سبق حاصل ہوگا۔ جب تک ہمارے ادارے میں کوئی معزز ہوتا ہے، اچھے کام کرتا ہے ہم اسے سر پر بٹھاتے ہیں۔ جب غدار ثابت ہو جاتا ہے تو اسے لاوارثوں کے قبرستان میں پہنچا دیا جاتا ہے۔"

ایک نے کہا "لیکن وہ نادیدہ مجرم لاوارثوں کے قبرستان سے لاش کو غائب کر دے گا۔ پھر ایک ڈمی جیکی کو پیش کرے گا۔ کچھ ایسے انتظامات کیے جائیں کہ وہ لاش اس نادیدہ مجرم کے ہاتھ نہ لگے۔"

جناب شیخ صاحب نے کہا "اس کی ایک ہی صورت ہے۔ اس نادیدہ مجرم نے دعویٰ کیا ہے کہ دو دن بعد جیکی ماسٹر پیرس شہر میں دیکھا جا سکے گا لہٰذا ہم ایک ہفتے تک ماسٹر کی لاش کو یہاں محفوظ رکھیں گے۔ اس کے بعد اسے باہر بھیج دیا جائے گا۔"

سب نے اس فیصلے کی تائید کی۔ اچانک ایک شخص نے اٹھ کر کہا "تم لوگ جسے نادیدہ مجرم کہتے ہو، وہ میں ہوں مگر میں نادیدہ قوت ہوں۔ یہ بات مت بھولو، جب مجھے جیکی کی لاش نہیں ملے گی تو میں کسی دوسرے مردہ جسم میں جیکی کی روح پہنچا دوں گا۔ وہ دوبارہ زندہ ہوگا۔ فرق اتنا ہوگا کہ اس کی شکل و صورت جیکی جیسی نہیں ہوگی لیکن اس کا دل دماغ، اس کا مزاج، اس کی گفتگو، اس کا لہجہ اور اس کی وفاداری جیکی ماسٹر جیسی ہوگی۔"

اعلیٰ بی بی نے کہا "یہ ثابت ہو گیا کہ تم اصلی جسم اور اصل شکل و صورت کے ساتھ جیکی ماسٹر کو پیش نہیں کر سکو گے چونکہ میں بحیثیت اعلیٰ بی بی اس ادارے کے باہر تمام بیرونی معاملات سے تعلق رکھتی ہوں لہٰذا آخری بار سمجھاتی ہوں، یہ بچکانہ کھیل ختم کرو۔ کسی ڈمی جیکی ماسٹر کو پیش نہ کرو ورنہ میں کوئی دوسرا جیکی ماسٹر اصل شکل و صورت کے ساتھ پیش کروں گی۔ جہاں بھی تمھارا ڈمی جیکی جائے گا، وہ وہاں پہنچ کر اس کی مرمت کرے گا۔ حالانکہ تمھارے ڈمی سے ہمارے ادارے کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن تمھارے ساتھ توڑ جوڑ لازمی ہے لہٰذا اپنے ڈمی کو سمجھا دینا، دو دن بعد جب بھی وہ ظاہر ہوگا، اس کی موت ایک نئے جیکی ماسٹر کے ہاتھوں سے ہوگی۔"

میں ہارپر کے دماغ میں تھا اور وہ اب دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا تھا۔ پریشان ہو کر سوچ رہا تھا "میرا کتنا اہم منصوبہ ناکام ہو گیا ہے۔ جیکی ماسٹر نے بڑا اچھا رول ادا کیا تھا۔ اس کے ذریعے جتنے طلبا و طالبات آلۂ کار بن گئے تھے، وہ میری پلاننگ کے مطابق کام کرنے والے تھے۔ پینے کا پانی جہاں سے سپلائی ہوتا ہے، وہاں زہر ملا دیا جاتا۔ پورا ادارہ اسے پی کر ہمیشہ کے لیے سو جاتا۔ اگر کوئی قسمت سے بچ بھی جاتا تو وہ ادارہ اسے قبرستان نظر آتا۔ پھر وہاں کے اہم راز جو مختلف مائیکرو فلموں میں ہیں، سب میرے ہاتھ لگ جاتے۔ او مائی گاڈ! میں بہت بڑی کامیابی حاصل کرتے کرتے ناکام ہو گیا۔ آخر ایسا کیوں ہو جاتا ہے۔ فرہاد اور اس کے ساتھی ڈوبتے ڈوبتے پھر کس طرح بچ نکلتے ہیں؟" وہ سوچ رہا تھا۔ پریشان ہو رہا تھا اور اپنی ناکامی پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

میں نے شیبا سے وعدہ کیا تھا کہ ہم لنچ کے بعد اسرائیل جائیں گے اور ثناریر کے خلاف محاذ بنائیں گے۔ شیبا نے کھانے کے دوران کہا "ہم جتنے اسرائیلی افسران اور اعلیٰ حکام تک پہنچ چکے ہیں، میں ان کے پاس جاتی رہی ہوں۔ میرا خیال تھا ثناریر کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں گی لیکن وہ تمام افسران اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے — ان کی سوچ کے ذریعے پتا چلا، ثناریر ان سے رابطہ قائم نہیں کرتا ہے۔"

میں نے کہا "اسے ہر ایک سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت بھی

کیا ہے۔ اس نے دو ایک افسران یا اعلیٰ حکام سے رابطہ قائم کیا ہوگا اور انھی کو اپنے رابطے کا ذریعہ بنا رکھا ہوگا۔ ہمیں ان خاص افسران تک پہنچنا ہوگا۔"

"ایسے خاص افسران کا سراغ کیسے لگایا جا سکتا ہے؟"

"یہ بڑی بات نہیں ہے۔ دراصل ان بہن بھائیوں نے اسرائیل میں یہ طے کر رکھا ہے کہ جب بھی ایک دوسرے کی مدد لازمی ہو تو انھیں فلاں فلاں افسر کے دماغ میں آنا چاہیے اور ان کے ذریعے اس افسر سے رابطہ قائم کرنا چاہیے جس کے دماغ میں ثناریر آیا کرتا ہے۔"

لنچ کے بعد میں اور شیبا ہارپر کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے دماغ میں چپ چاپ رہ کر آسے ثناریر سے اسرائیل میں رابطہ قائم کرنے کی طرف مائل کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ایک اسرائیلی افسر سے رابطہ قائم کیا۔ وہ افسر اسرائیلی حکومت کے ایک خفیہ شعبے "بلائنڈ کلب" کا ریٹائرڈ ممبر تھا۔

بلائنڈ کلب کا مطلب اندھوں کا کلب نہیں تھا۔ وہاں سب آنکھ والے تھے۔ تمام ممبران ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے مگر کلب کے باہر ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی تو کبھی پہچان نہیں سکتے تھے کیونکہ یہ لوگ بیرونی دنیا میں زندگی گزارتے وقت اپنے اصل روپ میں ہوتے تھے اور کلب کے احاطے میں داخل ہوتے وقت بہروپیے بن جاتے تھے۔ کوئی اپنے اصل روپ میں نہیں ہوتا تھا۔ وہ سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے تھے۔ اس کے باوجود ایک قوم کے افراد ہوتے تھے۔ آپس میں اتنا زبردست اتحاد ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو نہ پہچانتے کے باوجود اپنی حکومت کے اہم رازوں کی حفاظت کرتے تھے اور بہت ہی خفیہ منصوبے بنا کر حکومت کو پیش کرتے تھے۔

وہ گونگے بن جاتے تھے۔ بولتے نہیں تھے چونکہ بولتے نہیں تھے اس لیے ایک دوسرے کی آوازیں بھی سن نہیں سکتے تھے۔ آپس میں اشاروں کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ جیسا کہ گونگے کیا کرتے ہیں۔ اس کلب کے سات ممبران تھے، ان کے لیے سات خفیہ راستے تھے۔ ہر ممبر کے لیے ایک ایک راستہ مخصوص تھا۔ ایک ممبر دوسرے ممبر کے راستے کو نہیں جانتا تھا۔ ایک دوسرے سے چھپ کر آنے جانے کا طریقۂ کار کچھ یوں تھا کہ وہ ساتوں ممبر ایسی جگہ جاتے تھے جہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا مثلاً کسی بڑی سپر مارکیٹ میں، کاٹن ایکسچینج کی عمارت میں، ایئرپورٹ یا ریلوے اسٹیشن کے ہجوم میں خود کو گم کرتے تھے۔ اپنے پاس ریڈی میڈ میک اپ رکھتے تھے۔ وہاں کے باتھ روم میں جاتے تھے اور جب وہاں سے نکلتے تھے تو ان کی شخصیت تبدیل ہو جاتی تھی۔ پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر بلائنڈ کلب کی عمارت تک پہنچتے تھے۔ اپنی ذاتی گاڑیاں ایئرپورٹ، ریلوے اسٹیشن، کاٹن ایکسچینج یا کسی سپر مارکیٹ کے پارکنگ ایریا میں چھوڑ دیتے تھے۔ اس بلائنڈ کلب کی عمارت کے باہر مسلح فوجیوں کا سخت پہرہ رہتا تھا اور وہ فوجی بھی ان سات ممبران کو نہ تو جانتے تھے اور نہ ہی ان خفیہ راستوں سے واقف تھے۔

یہ غیر معمولی حفاظتی انتظامات تھے۔ اس بلائنڈ کلب میں کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں تو خیر دشمن سمجھا جاتا تھا مگر ثناریر وغیرہ دوست بن کر بھی وہاں ایک سانس نہیں لے سکتے تھے اور نہ ہی کسی سانس لینے والے کے دماغ میں پہنچ سکتے تھے۔ ٹیلی پیتھی سے قطع نظر غیر ملکی ایجنٹ اور سراغرساں بھی اس بلائنڈ کلب کے احاطے میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے، نہ ہی ان سات خفیہ ممبران تک پہنچ سکتے تھے۔

اس کلب کے اندر سات خفیہ ممبران کا طریقۂ کار کیا تھا؟ وہ کس طرح منصوبے بناتے تھے؟ کس طرح اہم رازوں کی حفاظت کرتے تھے؟ یہ شاید اس وقت بیان کر سکوں گا جب ادھر سے میرا گزر ہوگا۔ ابھی یہ ناممکن سا لگ رہا تھا۔ ہارپر جس ریٹائرڈ افسر کے دماغ میں پہنچا تھا، میں اسی کے پاس رہ کر یہ معلومات حاصل کر رہا تھا۔

اس افسر کا نام تھامسن تھا۔ اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے ایک سینئر آفیسر سے رابطہ قائم کیا، پھر کہا "ایک بھائی دوسرے بھائی سے ہماری موجودگی میں باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ آپ کے دماغ میں موجود ہے تو ہم آپس میں رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔"

دوسری طرف سے جواب ملا "وہ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد میرے پاس آئے گا۔ تمھیں یہاں آنے میں پندرہ منٹ لگیں گے لہٰذا چلے آؤ۔"

اس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ جب وہ سینئر آفیسر کی رہائش گاہ میں پہنچا تو پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔ اس سینئر افسر کے دماغ میں ثناریر موجود تھا اور ادھر تھامسن کے پاس ہارپر تھا۔ یعنی ثناریر اور ہارپر اور دو افسروں کی ملاقات ہو رہی تھی۔ اس خفیہ میٹنگ میں بظاہر چار افراد تھے۔ مجھے اور شیبا کو شامل کر لیا جائے تو چھ تھے۔

ثناریر نے جس افسر کو اپنے رابطے کا ذریعہ بنایا تھا، اس کا نام کیری ہام تھا۔ وہ دونوں افسران ایک دوسرے کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے جیسے ثناریر اور ہارپر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے ہوں۔ پھر کیری ہام نے اطمینان کے لیے پوچھا "کیا تمھارے پاس وہ بھائی موجود ہے؟"

تھامسن نے کہا "جی ہاں، میں ایک بھائی ہوں۔ ابھی تھامسن کی زبان سے بول رہا ہوں اور اپنے بھائی کو مخاطب کر رہا ہوں۔"

کیری ہام کی زبان سے دوسرے بھائی نے کہا "میں بھی مسٹر کیری ہام کی زبان سے بول رہا ہوں۔"

دونوں بھائیوں نے دونوں افسران کا لب و لہجہ اختیار کیا ہوا تھا۔ ہارپر نے کہا "میں نے بابا صاحب کے ادارے میں اتنی مستحکم پلاننگ کی تھی کہ ناکام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر اچانک میرا ایجنٹ جیکی ماسٹر فرہاد کی گرفت میں آ گیا۔ سارا پول کھل گیا۔ میں وہاں سے بری طرح ناکام ہو کر آیا ہوں۔"

وہ بتانے لگا کہ بابا صاحب کے ادارے سے نہ تو خفیہ مائیکرو فلمیں حاصل ہو سکیں، نہ ہی وہ شرمناک تصویریں جن کے ذریعے اس ادارے

کے تقدس کو پامال کیا جا سکتا تھا۔ جناب شیخ صاحب نے جس قدر احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں اور ان پر عمل کر رہے تھے اور کرا رہے تھے، ان کے پیش نظر اس ادارے میں نقب لگانا ناممکن سا لگ رہا تھا۔

تمام باتیں سننے کے بعد کیری ہام نے کہا "تم دونوں بھائیوں سے پہلے ہمارے سراغ رسانوں نے اس ادارے میں نقب لگانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اس ادارے کے چاروں طرف فولادی دیواریں ہیں۔ فولاد سے مراد ہے مضبوط حفاظتی دیوار، جسے کوئی توڑ نہ سکے۔ پہلی مضبوطی فرانسیسی حکومت کی ہے۔ اس حکومت کی سرپرستی نے ادارے کے لیے بڑی سہولتیں اور بڑے بڑے ذرائع پیدا کر دیے ہیں۔ ان کی دوسری مضبوطی قابل رشک ہے۔ آج تک کسی ادارے، کسی تنظیم میں اتنے ذہین اور حاضر دماغ افراد نہیں ہوئے جتنے کہ بابا صاحب کے ادارے میں ہیں۔ وہاں زندگی سے، معاشرے سے اور سیاست سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے ماہرین موجود ہیں۔"

تھامسن نے کہا "پہلے ہمارے پاس ٹیلی پیتھی کی قوت نہیں تھی۔ اب یہ دو بھائی ہمارے دوست ہیں۔ اب ان کے ذریعے پتا چلتا ہے کہ بابا صاحب کے ادارے میں یوگا کے ماہرین بھی ہیں اور وہاں صبح و شام سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں طلبا و طالبات اس کی مشقیں کرتے رہتے ہیں۔ آج ایک بھائی ناکام ہو کر آیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں زیادہ کام نہیں آسکیں گی۔"

کیری ہام کی زبان سے شارپ نے سخت لہجے میں کہا "کیسے کام نہیں آئیں گی؟ یہ ہمارا علم ہے۔ ہم خیال خوانی کے ذریعے اس ادارے میں ضرور جگہ بنائیں گے اور ایک دن ایسی تباہی و بربادی لائیں گے کہ لوگ اسے قبرستان کے نام سے یاد کریں گے۔"

تھامسن نے کہا "اس ادارے کو تباہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ اگرچہ ماضی میں ہمارے جاسوس ناکام ہو چکے ہیں۔ تاہم یہ ناممکن نہیں ہے۔"

شارپ نے کیری ہام کے ذریعے کہا "فرہاد کی اصل طاقت اسی ادارے میں ہے۔ سونیا، رسونتی، اعلیٰ بی بی، پومی اور شیبا سب کی سب وہاں پناہ لیتی ہیں۔"

کیری ہام نے مسکرا کر کہا "مسٹر! شیبا کا نام نہ لو۔ اسے تو تم لوگوں نے مار ڈالا ہے۔"

"ہم بارہا یقین دلا چکے ہیں کہ شیبا کی ڈمی ماری گئی ہے۔"

"ربی اسفندیار نے اپنی پچھلی تمام غلطیوں کا اعتراف کیا ہے۔ جو بات ہم سے چھپائی گئی، اس کا انکشاف کیا ہے اور آخری انکشاف یہی ہے کہ مرنے والی اصل شیبا تھی۔"

تھامسن نے کہا "دیکھیے مسٹر! ہم سے کوئی پردہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہم آپس میں گہرے دوست ہیں۔ آپ لوگوں کی یہ چال صاف طور پر سمجھ میں آرہی ہے۔ آپ اپنا میدان صاف رکھنے کے لیے شیبا کی موت لازمی سمجھتے تھے، لہٰذا اسے مار ڈالا۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو ہم اس پر یہودی ہونے کے ناتے زیادہ اعتماد کرتے اور آپ لوگوں کی ثانوی حیثیت ہوتی۔ لہٰذا خود کو اولیت دینے کے لیے ہمیں اپنا احسان مند بنائے رکھنے کے لیے آپ لوگوں نے یہ کانٹا صاف کر دیا۔"

کیری ہام نے کہا "ہمیں تم لوگوں سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ اپنی عزیز ترین چیز کو ہمیشہ کے لیے کھو کر دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے، دوستی ہونے کے بعد اب تم لوگ دوسرے نہیں رہے۔ ہمارے اپنے ہو لہٰذا اس بات پر مٹی ڈالو۔ شیبا کا ذکر نہ کرو۔"

شارپ نے کہا "میں بھی اب شیبا کے سلسلے میں بحث نہیں کروں گا نہ ہی اس کی زندگی کا یقین دلاؤں گا۔ ایک دن آپ پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ بہرحال، ہم بات کر رہے تھے کہ بابا صاحب کا ادارہ فرہاد کی تمام ساتھی عورتوں کی پناہ گاہ ہے۔ فرہاد بھی زخمی ہونے کے بعد وہاں پہنچتا ہے۔ گویا وہ ان کا ایک حفاظتی کیمپ ہے۔ اب اس مضبوط کیمپ کو کس طرح تباہ کیا جائے۔ اس کی ٹھوس منصوبہ بندی ضروری ہے۔"

تھامسن نے کہا "میں یہ مسئلہ بلائنڈ کلب میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں کے افراد جو منصوبہ بندی کریں گے، اس کا علم کسی کو نہیں ہوگا اور ہم اندر ہی اندر سرنگ بناتے ہوئے اس ادارے کے اندر پہنچ جائیں گے اور وہاں جو کچھ کرنا ہوگا، وہ سب بلائنڈ کلب والوں کی منصوبہ بندی میں شامل ہوگا۔ اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"

شارپ نے ہنستے ہوئے کہا "تمھارا بلائنڈ کلب ہمارے لیے ایک چیلنج ہے۔ کیا تمھیں پورا یقین ہے کہ ہم ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی اس کلب کے اندر یا ان ممبران تک نہیں پہنچ سکتے؟"

"ٹیلی پیتھی جاننے والے تو بہت بڑی چیز ہوتے ہیں۔ ایک چیونٹی بھی اس کلب میں نہیں جا سکتی۔"

"مسٹر شارپ اور مسٹر ہارپر! میں تم لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ بلائنڈ کلب میں پیش کر رہا ہوں۔ میرے دماغ میں رہ کر وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ ویسے تم وہاں تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

تھامسن نے اپنے سینئر آفیسر سے اس کا ٹرانسمیٹر طلب کیا۔ پھر اسے آپریٹ کرنے کے بعد کہنے لگا "میں تھامسن بول رہا ہوں۔ ہمارے ٹیلی پیتھی جاننے والے دوستوں نے بابا فرید واسطی کے ادارے میں نقب لگانے کی بڑی حد تک کامیاب کوشش کی تھی مگر ناکام رہے۔ میں اس کی تفصیل بتا رہا ہوں۔ پلیز، میری یہ رپورٹ بلائنڈ کلب کے بلائنڈ ممبران تک پہنچا دی جائے۔"

وہ بول رہا تھا۔ ہیں، شیبا، ہارپر، شارپ سبھی اس کے دماغ میں تھے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ کس سے باتیں کر رہا ہے۔ تھامسن کا دماغ بتا رہا تھا کہ دوسری طرف جو باتیں سن رہا تھا، وہ اس کی تمام رپورٹ ایک کمپیوٹر کو فیڈ کر رہا تھا۔ اس کمپیوٹر کے ذریعے بلائنڈ کلب

کے اندر ایک مانیٹر ٹی وی پر اس کی ساری رپورٹ پڑھی جا سکتی تھی۔ ہم تمام ٹیلی پیتھی جاننے والے زیادہ سے زیادہ اس شخص تک پہنچ سکتے تھے جسے تھامسن رپورٹ سنا رہا تھا مگر اس شخص کے بعد اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کمپیوٹر کو فیڈ کرنے والا شخص خود نہیں جانتا تھا کہ یہ رپورٹ کہاں پہنچے گی اور کون لوگ اسے اسکرین پر پڑھنے والے ہیں۔

تھامسن نے ٹرانسمیٹر آف کرنے کے بعد کہا "آپ دونوں بھائی ہمارے پاس موجود رہیں۔ تھوڑی دیر بعد جواب موصول ہو سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ دوسری طرف سے کوڈ ورڈز میں کچھ کہا گیا۔ کیری ہام نے ایک کمپیوٹر سے منسلک ٹی وی اسکرین آن کرنے کے بعد کہا "اسکرین آن ہے۔ ہم جواب پڑھنا چاہتے ہیں۔"

پھر اسکرین پر جواب موصول ہونے لگا۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔ "بابا فرید واسطی کے ادارے میں کسی آپریشن کے لیے منصوبہ بندی کی جائے گی۔ اس سلسلے میں چوبیس گھنٹے بعد رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اسکرین پر دوسرے الفاظ نمایاں ہونے لگے۔ وہاں لکھا ہوا تھا "جیکی ماسٹر مر چکا ہے۔ اسے دوبارہ زندہ کرنے کا یقین دلانا محض بچکانہ پن ہوگا لہٰذا جیکی ماسٹر کی ڈمی پیش نہ کی جائے اور اس معاملے میں خاموشی اختیار کی جائے۔ ڈیٹس آل۔"

پھر اسکرین سادہ ہو گیا۔ انھوں نے اسکرین اور ٹرانسمیٹر کو آف کر دیا۔ اس کے بعد کہا "مسٹر شارپ اور مسٹر ہارپر، بابا واسطی کے ادارے میں کسی آپریشن کے لیے چوبیس گھنٹے بعد ہی بات کی جا سکتی ہے۔"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہے۔ پھر کیری ہام نے پوچھا "کیا فرہاد ہندوستان میں ہوگا؟"

"وہ ماں نیلما داسی کے دماغ میں رہ کر اس کا اور اس کے بیٹے کا ساتھ دے سکتا ہے مگر اتنا لمبا سفر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ زخمی ہے۔"

تھامسن نے پوچھا "تم ان دنوں بابا صاحب کے ادارے میں مصروف رہے ہو۔ اپنے ایجنٹ کے ذریعے رسونتی کے متعلق کچھ معلوم کیا ہوگا؟ وہ ایک ایسا خطرہ ہے جو کسی وقت بھی سر پر مسلط ہو سکتا ہے۔"

ہارپر نے کہا "رسونتی صحت یاب ہو چکی ہے۔ میں اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکا۔ اسے ابتدا ہی سے یوگا میں مہارت حاصل ہے، فرہاد بھی اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

کیری ہام نے پوچھا "یعنی یہ صحت مند ہے۔ اسے یوگا کی مہارت حاصل ہے۔ خیال خوانی کی لہروں کو اپنے دماغ میں آنے سے روک سکتی ہے مگر خیال خوانی نہیں کر سکتی؟"

"فی الحال تو یہی سمجھ میں آتا ہے۔"

"مسٹر ہارپر! یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ جب ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی صحت مند ہے اور کئی کئی منٹ تک سانس روک لیتی ہے لیکن وہ خیال خوانی نہیں کر سکتی، بھلا یہ ماننے والی بات ہے؟"

ہارپر نے تھامسن کی زبان سے پوچھا "کیا آپ مجھے جھوٹا کہہ رہے ہیں؟"

"میں ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہمارے ہاں جھوٹ اور فریب کو سیاست کہتے ہیں۔ میں آپ کو بہت بڑا سیاست داں کہوں گا۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ رسونتی اب خیال خوانی کر سکتی ہے۔ وہ فرہاد کے ساتھ تم بھائیوں کے مقابلے پر ہے لیکن تم لوگ ہمیں یہ تاثر دینا چاہتے ہو کہ شیبا کو قتل نہیں کیا گیا ہے، وہ زندہ ہے اور فرہاد کے ساتھ خیال خوانی کرتی ہے۔ ہمیں تمھاری بات کا یقین کرنا پڑے گا۔ ہم یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ جسے تم شیبا کہہ رہے ہو، دراصل وہ رسونتی ہے جو خیال خوانی کر رہی ہے۔"

شارپ نے کہا "مسٹر ہام! دراصل ڈمی شیبا کے قتل ہونے کے بعد فرہاد بڑے فائدے اٹھا رہا ہے۔ وہ شیبا کو خیال خوانی کے ذریعے تمھارے پاس آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ ہمیں ایسا ظالم ثابت کر رہا ہے جس نے ٹیلی پیتھی کی صلاحیت رکھنے والی ایک یہودی لڑکی کو قتل کر دیا ہے۔ اب وہ لڑکی کبھی نہیں بولے گی۔ اگر بولے گی تو تم لوگ اسے رسونتی سمجھو گے۔ دراصل ہم نے ڈمی شیبا کو قتل کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ فرہاد اس غلطی سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور ہمیں چکر میں ڈال رہا ہے۔"

ہارپر نے کہا "ہم جلد ہی یہ ثابت کریں گے کہ شیبا زندہ ہے

اور وہ خیال خوانی کے ذریعے تمھارے اعلیٰ افسران تک پہنچتی رہتی ہے۔“

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہوگیا۔ شیبا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”ہمارا ایک ساتھ ایک ہی جگہ موجود رہنا مناسب نہیں ہے۔ مختلف جگہ خیال خوانی کے ذریعے جانا چاہیے۔ دشمنوں نے ہمارے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ تم رسونتی بن کر اپنے یہودی افسران سے رابطہ قائم کرسکتی ہو۔ اُنھیں سمجھاؤ کہ بابا صاحب کے ادارے میں وہ کوئی مداخلت نہ کریں۔ ہم مرنے والی شیبا کی خاطر دوستی کرنا چاہتے ہیں اور ہم جلد ہی ان دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو اسرائیل کی سرحد سے باہر نکال دیں گے۔ وہ کبھی خیال خوانی کے ذریعے تمھارے اہم افسران اور اعلیٰ حکام تک نہیں پہنچ سکیں گے۔“

میں نے اس سلسلے میں جناب شیخ صاحب سے مشورہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا ”جب دشمن چکر چلا رہے ہیں تو جواب میں یہی کرنا چاہیے۔ شیبا اگر رسونتی کا رول ادا کرے گی تو ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی ساکھ بگڑ جائے گی۔ یہودی افسران اور اعلیٰ حکام ان پر مکمل اعتماد کبھی نہیں کریں گے۔“

پھر انھوں نے خلا میں تکتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور کہا۔ ”فرہاد! تم شیبا کو رسونتی کی حیثیت سے اسرائیل میں پیش کر رہے ہو۔ میں تو ہر نماز کے بعد دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ رسونتی کی صلاحیتوں کو جلد بحال کرے۔“

میں ان سے رخصت ہوگیا۔ شیبا سے کہا ”شام ہو رہی ہے۔ بمبئی آکر جوہُو کی سیر نہ کرنا، سمندر کے ساحلی نظاروں کو نظر انداز کرنا بڑی حماقت ہوگی۔ چلو ذرا تفریح کے لیے نکلتے ہیں۔“

بمبئی کو گیٹ وے آف انڈیا کہتے ہیں۔ یعنی ہندوستان میں داخل ہونے کا راستہ۔ جس طرح کراچی شہر کو منی پاکستان کہا جاتا ہے، اسی طرح بمبئی .... کو منی بھارت کہا جاسکتا ہے۔ اس شہر میں ہندوستان کی ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگ رہتے ہیں۔ یہ بندرگاہ بھی ہے اور صنعتی شہر بھی۔ لوگوں کو یہاں روزگار میسر ہوتا ہے لیکن اس کی دلچسپی اور اس کی کشش یہاں کی فلمی صنعت میں ہے۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے فنکاروں اور ہنرمندوں کے علاوہ حسین ترین لڑکیاں اور خوبرو جوان بمبئی آتے ہیں تاکہ اپنی قسمت آزما سکیں اور گمنامی کی دنیا سے نکل کر فلمی دنیا کے جگمگاتے ہوئے ستارے بن سکیں۔

ہم نے ہوٹل سے جوہُو کے ساحل تک بھانت بھانت کے لوگ دیکھے۔ وہاں ایسے لوگ بھی نظر آئے جن کے رنگ سیاہ تھے، زرد تھے، فاقہ زدہ لگتے تھے اور ایسے خوش حال اور خوش پوش بھی نظر آئے جنھیں دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ہندوستان ایک غریب ملک ہے یا امیر؟ ہم نے ساحل کی ریت پر ننگے پاؤں چلنے کے لیے کار کو ایک جگہ پارک کیا۔ جب سمندر کی طرف جانے لگے تو کتنے ہی بھکاری ہمارے

آس پاس منڈلانے لگے۔ ان میں سے کچھ ایسے بدحال تھے کہ ہمارے قدموں میں گر کر چار آنے، آٹھ آنے مانگ رہے تھے۔ اُنھیں دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ اسی بمبئی شہر میں کروڑوں روپے کی لاگت سے گلیمر فلمیں بنائی جاتی ہیں۔ ہم نے پرس میں سے روپے نکال کر ان میں تقسیم کرنا شروع کیے تو مانگنے والوں کا ہجوم لگنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا وہ کرنسی نوٹ ٹیلی پیتھی کی طرح ہیں جو ایک کان سے دوسرے کان تک پہنچ رہے ہیں۔ دور دور سے مانگنے والے گرتے پڑتے چلے آرہے تھے۔ مشہور مصنف ابراہیم جلیس نے ہندوستانیوں کو چالیس کروڑ بھکاری لکھا تھا۔ اب یہ آبادی دگنی ہو رہی تھی۔ بھکاریوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ پولیس کے دو سپاہی آکر ڈنڈوں سے اُنھیں مارنے اور بھگانے لگے۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا ”اے بھائی! یہ بے چارے بھوکے ہیں، مجبور ہیں۔ انھیں جانور سمجھ کر ڈنڈوں سے نہ مارو۔“

مگر اس وقت تک مار کھانے والے خوفزدہ ہو کر دور چلے گئے تھے۔ ہمیں رحم طلب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ہم سمندر کی طرف بڑھنے لگے۔ دونوں سپاہی ہمارے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگے ”جناب! یہ جونک ہوتے ہیں جونک۔ پیسے والوں کو دیکھ کر یوں چمٹ جاتے ہیں کہ چھڑائے نہیں چھوٹتے۔“

میں نے ان کی باتوں کا جواب نہیں دیا۔ آمنہ اور شیبا کے درمیان چلتا رہا۔ ایک سپاہی نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا ”اچھا تو صاحب! ہم جائیں؟“

میں نے کہا ”ہاں۔“

مگر وہ دونوں ساتھ چلتے رہے۔ پھر دوسرے سپاہی نے پوچھا ”صاحب، ہم جائیں؟“

میں رُک گیا۔ اپنی جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکالے اور اُن کی طرف بڑھا دیے۔ ان کی باچھیں کھل گئیں۔ انھوں نے سلام کیا اور جھک کر ان نوٹوں کو لے لیا۔ بھکاریوں کی تعداد اب اسّی کروڑ سے اوپر جارہی تھی۔

شیبا اُداس ہوگئی تھی۔ بار بار پلٹ کر دور جانے والے بھکاریوں کو دیکھ رہی تھی مگر وہ بہت دور نکل کر اِدھر اُدھر پھیل گئے تھے۔ اب دوسرے لوگوں کے پاس جا کر مانگ رہے تھے۔ میں نے کہا ”بمبئی کے ساحل پر چٹ پٹے دہی بڑے اور بھیل پوریاں مشہور ہیں۔ کیا تم کھانا پسند کرو گی؟“

ہم ایک بھیل پوری والے کے پاس آئے۔ دوسری طرف سے بھکاری ہمیں گھیرنے آگئے۔ یہ پہلے والے نہیں تھے، یہ مانگنے والوں کا دوسرا گروپ تھا۔ وہ ہمارے جیسے خوشحال لوگوں کو گھیر رہے تھے۔ گڑگڑا کر بھیک مانگ رہے تھے۔ شیبا نے کہا ”یہاں سرکار کی طرف سے پولیس والوں کی ڈیوٹی ہے کہ بھکاری نظر نہ آئیں مگر بھوک اور بیماری کو زیادہ دور بھگایا نہیں جاسکتا۔“

میں نے ہنستے ہوئے کہا ”اور جو بھگانے والے سپاہی ہیں، وہ خود ہی مانگنے لگتے ہیں۔“

ہمارے قریب کھڑے ہوئے سیٹھ نے ایک بھکاری کے منہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ”بھاگ جاؤ یہاں سے ذلیل، کمینو، کہیں پیچھا نہیں چھوڑتے۔“

دوسرا سیٹھ ایک نوجوان لڑکی کے ہاتھوں سے بھیل پوری کھا رہا تھا۔ اس نے کہا ”بھیک مانگنے کا تو بہانہ ہے۔ یہ لوگ مانگتے مانگتے قریب آتے ہیں اور جیب کاٹ کر چلے جاتے ہیں۔“

شیبا اس سیٹھ کو گھور کر دیکھ رہی تھی جس نے بھکاری کے مُنہ پر ہاتھ مارا تھا۔ وہ بے چارہ دور جا کر ریت پر گر گیا تھا اور تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اچانک سیٹھ صاحب نے آگے بڑھ کر اسے اُٹھا لیا۔ اُٹھا کر گلے لگا لیا۔ گلے لگا کر کہا ”میرے بھائی! تم بھی ہندوستانی ہو، میں بھی ہندوستانی ہوں۔ میں دولت کے نشے میں اپنا دھرم بھول گیا تھا۔ آؤ، میرے ساتھ بھیل پوری کھاؤ۔ مگر نہیں، تمھارے گھر میں کتنے ہی لوگ بھوکے ہوں گے۔ یہ لو۔“ اس نے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر دیا۔

ایک کو سو کا نوٹ ملا تو کتنے ہی بھکاری شہد کی مکھیوں کی طرح منڈلانے لگے۔ چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کر آنے لگے اور سیٹھ صاحب تھے کہ اپنا بیگ کھول کر روپے، دو روپے، دس روپے، بیس روپے کے نوٹ نکال نکال کر دے رہے تھے۔ دوسرے سیٹھ نے حیرانی سے اُنھیں دیکھتے ہوئے پوچھا ”سیٹھ بنواری لال! یہ تمھیں کیا ہوگیا ہے۔ میں نے تو تمھیں جیب سے ایک پیسہ نکال کر کبھی کسی کو دیتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

سیٹھ بنواری لال کا بیگ خالی ہوگیا تھا۔ اس نے اپنا بیگ دکھاتے ہوئے کہا ”دیکھو، میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب چلے جاؤ ورنہ جو کچھ دیا ہے، تم لوگوں سے چھین لوں گا۔“

چھیننے کی بات آئی تو سارے ہی بھکاری وہاں سے بھاگنے لگے۔ شیبا نے گھور کر دوسرے سیٹھ کو دیکھا جو ایک جوان لڑکی کے ہاتھوں سے بھیل پوری کھا رہا تھا اور بنواری لال کے سلسلے میں حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے جوان لڑکی کو ایک طرف دھکا دیا۔ پھر بھکاریوں کو ہاتھ ہلا ہلا کر بلانے لگا ”ارے بھاگتے کہاں ہو۔ ایک سیٹھ دل والا ہے تو کیا دوسرا نہیں ہوسکتا۔ آؤ، دیکھو میرے پاس اس سے زیادہ ہیں۔“

اس نے اپنا پرس کھولا۔ اس میں سے اپنے نوٹ نکال نکال کر ہوا میں اڑانے لگا۔ پرس کے پیسے ختم ہوئے تو وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالنے لگا۔ جوان لڑکی اس کے قریب آگئی تھی۔ پریشان ہو کر کہہ رہی تھی ”یہ کیا کر رہے ہو۔ میرے پیسے تو بچا کر رکھو۔“

اس نے پھر اسے دھکا دیتے ہوئے کہا ”چل، بھاگ یہاں سے۔ صرف ساحل پر گھومنے پھرنے اور کھانے پینے کے دو سو روپے لیتی ہے۔ تجھے دینے کے بجائے اگر.... یہی پیسے میں بھکاریوں کو دوں گا تو مجھے دعائیں ملیں گی۔“

اس نے جیبوں سے بھی نوٹ نکال کر ہوا میں اُڑا دیے۔ وہاں عجیب منظر تھا۔ تمام بھکاری اِدھر سے اُدھر دوڑتے ہوئے اُڑنے والے نوٹوں کو پکڑ رہے تھے۔ اب ان میں بھکاری ہی نہیں، کچھ اچھے کھاتے پیتے لوگ بھی تھے جو مفت ہاتھ آنے والی دولت کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ بھکاریوں سے ٹکرا رہے تھے۔ ان کے ساتھ گر رہے تھے۔ اچانک جوان لڑکی نے سیٹھ کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا ”سیٹھ کے بچے! میرے دو سو روپے نکال، نہیں تو سب کے سامنے تیری عزت اتار دوں گی۔“

شیبا نے دونوں کے دماغوں کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ دونوں پریشان تھے کہ ان سے کیسی حماقتیں سرزد ہو رہی تھیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اپنے پیسے لُٹا رہے ہیں مگر اپنے آپ پر اختیار نہیں تھا۔ بے اختیار حاتم طائی بن کر جیب اور پرس کی آخری پونجی تک ختم کر دی تھی۔ دور دور تک کھڑے ہوئے لوگ واہ واہ کہتے ہوئے دونوں سیٹھوں کی تعریفیں کر رہے تھے۔ اب ان سے یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ جنھیں خیرات کر چکے ہیں، ان سے اپنی رقم واپس مانگ سکیں۔ لینے والے بڑے بڑے نوٹ لے کر نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اُدھر دوسرا سیٹھ نوجوان لڑکی سے مار کھا رہا تھا۔ حالانکہ وہ کمزور نہیں تھا مگر نیت کمزور تھی۔ اپنی عزت کا خیال تھا۔ یہ بات ساحل سے نکل کر اس کے گھر تک جائے گی۔ اس کی سوسائٹی تک جائے گی تو وہ بدنام ہو جائے گا اور گھر والی تو اس کا جینا حرام کر دے گی۔

اس نے سیٹھ بنواری لال کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے دو سو روپے ادھار دے دو۔“

”میرے پاس ایک ٹکا بھی نہیں رہا۔“

اس نے بھیل پوری والے سے کہا ”بھائی! تم مجھے جانتے ہو۔ میں کنگال نہیں ہوں۔ تمھارے پیسے مل جائیں گے۔ مجھے دو سو روپے دے دو۔“

جو بھکاریوں کو دھکے دے رہے تھے اب وہ خود بھیک مانگ رہے تھے۔ جوان لڑکی نے قریب آکر کہا ”سیٹھ! یہ دولت بڑی بے وفا ہوتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔ اگر کچھ عقل آئی ہو تو پھر کبھی کسی لڑکی کو اس طرح مول تول کر کے نہ خریدنا۔ انسان بن کر اس کے ہاں ایک دن کا راشن پہنچا دینا۔ میں دو سو روپے معاف کرتی ہوں مگر تم گھر واپس کیسے جاؤ گے۔ جیب تو بالکل خالی ہے۔“

وہ بے بسی سے لڑکی کو اور بھیل پوری والے کو دیکھنے لگا۔ لڑکی نے اپنا پرس کھول کر اسّی پیسے نکالتے ہوئے اور اس کے ہاتھ پر رکھتے

ہوئے کہا۔"یہاں سے تمھارے گھر تک جو بس جاتی ہے، یہ اس کا کرایہ ہے۔ مجھے یہاں دوسرے گاہک مل جائیں گے۔"

وہ وہاں سے جانے لگی۔ مجھے اس کا طرزِ عمل بہت اچھا لگا۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو محسوس ہوا، وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ کسی کے قابو میں ہے اور بے اختیار وہاں سے دور جارہی ہے۔ اچانک وہ چلتے چلتے لڑکھڑائی۔ تب میں نے محسوس کیا، اب وہ اپنے اختیار میں ہے۔ حیران پریشان ہو کر آس پاس دیکھ رہی ہے اور سوچ رہی ہے: "ابھی تو میں بھیل پوری والے کے قریب اپنے سیٹھ کے ساتھ تھی، پھر یہاں کیسے چلی آئی؟"

اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اسے سمجھ نہیں سکتی تھی۔ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا مگر مجھے خطرہ محسوس ہوا۔ میں نے شیبا سے کہا۔"یہاں کوئی خیال خوانی کرنے والی ہستی موجود ہے۔ وہ لڑکی جو سیٹھ کو اتنی پیسے کی بھیک دے کر گئی ہے، وہ اپنے اختیار میں نہیں تھی۔"

"تعجب ہے۔ خیال خوانی کرنے والے یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟"

"ظاہر ہے، دشمن ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔ اس شہر میں مال جی اور آنند ہیں۔ ہمیں ڈھونڈنے والے اتنا تو جانتے ہیں کہ ہم بھی اسی شہر میں ہیں اور یہاں آنے والے شام کے وقت جوہو کی سیر کے لیے ضرور آتے ہیں۔ انھوں نے آج صبح کی فلائٹ سے آنے والوں پر نظر رکھی ہوگی اور انھیں یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ہوٹل تاج محل میں صبح آنے والے کتنے مسافر قیام کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں ہوں۔ ہمیں تلاش کرنے والے تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئے ہیں اور یہاں انھوں نے تمھاری خیال خوانی کا تماشا دیکھا ہے۔"

شیبا نے پریشان ہو کر کہا۔"اوہ گاڈ! مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔"

"جذبات میں بہنے سے ایسا ہی ہوتا ہے۔ تم ان بھوکے اور مجبور انسانوں کی مجبوریاں نہ دیکھ سکیں۔ نیکی کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اس طرح دشمنوں کو ہمارا سراغ مل گیا۔ اب وہ سوچ رہے ہوں گے، بیرونی ممالک سے آنے والے اس بھیل پوری والے کے پاس ہیں۔ ہم تینوں میں سے یا تو میں فرہاد ہوں یا تم دو عورتوں میں سے ایک شیبا ہے۔"

شیبا پریشان ہو گئی۔ بھیل پوری کھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہاں سے پلٹ کر چلتے ہوئے بولی۔"ہمیں ہوٹل واپس چلنا چاہیے۔"

میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔"تم مایوس کیوں ہو گئی ہو؟"

"میں نے تمھارے ساتھ عملی میدان میں پہلی بار قدم رکھا ہے اور پہلی غلطی کر بیٹھی ہوں۔"

"اوہ شیبا! ایسی غلطیاں مجھ سے بھی ہوتی ہیں۔ تم اسے اہمیت کیوں دے رہی ہو؟"

"اہمیت کیوں نہ دوں۔ تمھارے لیے اور پرابلم پیدا کر دیے ہیں۔"

"کوئی پرابلم نہیں ہے۔ دشمنوں سے آج نہیں تو کل سامنا کرنا ہی تھا۔ پھر آج ہی سہی۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ آمنہ کو بتانے لگا کہ کس طرح خیال خوانی کرنے والوں نے ہمارا سراغ لگایا ہے۔ اس نے کہا۔"اگر ایسی بات ہے تو ہمیں کچھ دیر ساحل پر ٹہلنا چاہیے۔"

"شیبا ہوٹل جانا چاہتی ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"جو شیبا چاہتی ہے۔"

وہ اداس تھی۔ میری بات پر مسکرانے لگی۔ اچانک ہم نے محسوس کیا، دو اجنبی پیچھے آرہے ہیں۔ سامنے دیکھا، ذرا دور دو اجنبی مسکراتے ہوئے یوں کھڑے تھے جیسے ہمارے قریب آنے کا انتظار کر رہے ہوں۔ شیبا نے اپنے دائیں طرف دیکھا، اُدھر سے بھی دو شخص آرہے تھے۔ آمنہ کے بائیں طرف اور دو کا اضافہ ہو گیا تھا۔ پیچھے سے آنے والوں نے کہا۔"یار! یہ کوئی انصاف نہیں ہے۔ ایک مرد کے ساتھ دو دو حسین عورتیں ہیں۔"

دوسرے نے کہا۔"ایک فاضل ہے، اسے ہمارے حصے میں آنا چاہیے۔"

سامنے کھڑے ہوئے دو افراد میں سے ایک نے کہا۔"بھئی، پیسے لٹانے کا تماشا ہم نے خوب دیکھا۔ دوسروں کی جیب سے نکالنا تو آسان ہے، کچھ اپنی جیب سے بھی نکالو۔"

دوسرے نے کہا۔"ہمیں بھی ضرورت مند سمجھ کر اپنی جیبیں اور اپنے پرس خالی کر دو۔"

وہ غنڈے کچھ نہ کچھ بولتے جا رہے تھے۔ میں نے اور شیبا نے ان کے دماغوں میں پہنچ کر دیکھا، پتا چلا، وہ جان بوجھ کر بول رہے ہیں، ہمیں اپنی آوازیں سُنا رہے ہیں تاکہ بات بڑھے تو ہم خیال خوانی پر مجبور ہو جائیں پھر اس طرح تصدیق ہو جائے کہ خیال خوانی کرنے والا یا کرنے والی ہم تینوں میں سے کوئی ایک ہے۔

ایک قدآور غنڈہ شانِ بے نیازی سے چلتا ہوا آمنہ کے سامنے آیا۔ یہ اسی نے کہا تھا کہ ایک فاضل حسینہ کو اس کے حصے میں آنا چاہیے۔ آمنہ نے کہا۔"لو، میں تمھارے ہی حصے میں آرہی ہوں۔"

پھر اس نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا اور جوڈو کا داؤ آزماتے ہوئے اسے دور ریت پر پھینک دیا۔ یوں جنگ کا آغاز ہو گیا۔ وہ حملے کرنے لگے۔ ہم اپنا بچاؤ کرتے ہوئے حملوں کا جواب دینے لگے۔ ان میں سے دو نے شیبا کو پکڑ لیا تھا۔ وہ بےچاری لڑنا نہیں جانتی تھی۔ ایک شخص نے اسے اس طرح چھیڑا کہ وہ غصے سے تلملا گئی۔ ایسے وقت یقیناً وہ خیال خوانی کرتی مگر اس نے روک دیا۔ لڑنے کے دوران اس کی طرف توجہ تھی۔ اس لیے دشمنوں سے مار کھاتا ہوا شیبا کے پاس پہنچا۔ اسے چھیڑنے والے کی اچھی طرح پٹائی شروع کر دی یعنی ایک طرف مار کھا رہا تھا۔ دوسری طرف مارتا جا رہا تھا۔ آمنہ میرے

قریب رہ کر مجھ پر حملہ کرنے والوں کے سامنے دیوار بنتی جارہی تھی۔ بڑی مہارت سے لڑتی جارہی تھی۔ اسی وقت پولیس والوں کی سیٹیاں سُنائی دیں۔ دو طرف سے بہت سے پولیس والے دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ ان میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ چار بدمعاشوں نے مجھے بُری طرح جکڑ لیا تھا۔ دو بدمعاش آمنہ سے مقابلہ کر رہے تھے۔ باقی دو میں سے ایک نے شیبا کو ریت پر گرا دیا تھا اور اس پر چھا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر جھک کر آہستگی سے کہہ رہا تھا۔"اگر اپنی عزت چاہتی ہو تو مجھے دماغی جھٹکا پہنچاؤ۔"

وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ چیختی جارہی تھی اور کہتی جارہی تھی۔"تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ مجھے جانے دو۔ پلیز، مجھے چھوڑ دو۔"

وہ اس کے چہرے پر جھکتا جا رہا تھا۔ اپنی بات دُہراتا جا رہا تھا۔"میں نادان نہیں ہوں۔ ابھی تمھاری عزت کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ خیریت چاہتی ہو تو میرے دماغ میں آؤ اور مجھے نقصان پہنچاؤ۔"

وہ اس کے چہرے کے اور قریب ہو گیا۔ اسی وقت اس کے منہ پر ایک زبردست ٹھوکر پڑی۔ وہ اُلٹ کر دوسری طرف ریت پر گرا۔ آمنہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔ اس کے اُٹھنے سے پہلے منہ پر ایک اور ٹھوکر رسید کی۔ میں نے خود کو ان چاروں سے چھڑا لیا تھا۔ اب اس انداز سے لڑ رہا تھا کہ وہ میرے قریب نہ آئیں۔ دوسرے شخص نے شیبا کو اٹھنے سے پہلے دبوچ لیا تھا۔ میں ایک چھلانگ لگاتا ہوا پہنچا۔ اس کے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر کھینچتا ہوا دور لے گیا۔ اسی وقت سپاہیوں نے آکر ایک ایک کو پکڑنا شروع کر دیا تھا۔ دو سپاہیوں نے مجھے بھی پکڑ لیا۔ ایک نے کہا۔"اے مسٹر! ڈنڈے کھاؤ گے یا ٹھنڈے رہو گے؟"

میں نے غصے کو ٹھنڈا رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ اتنی دیر تک جان بوجھ کر اناڑیوں کی طرح لڑتا رہا تھا۔ اس کے برعکس آمنہ نے لڑنے کے دوران بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں چاہتا تھا، کوئی مجھے فرہاد کی حیثیت سے نہ پہچان سکے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے دشمن ان غنڈوں کے دماغوں میں تھے۔ وہ آمنہ کے انداز کو دیکھ کر شبہ کر سکتے تھے کہ یہ سونیا یا پومی ہو سکتی ہے یا پھر آمنہ ہی ہو گی۔

سب انسپکٹر نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔"تم لوگ غیر ملکی ہو۔ یہاں جھگڑا کیوں ہو رہا ہے؟"

میں نے کہا۔"آپ اپنے ملکی بھائیوں سے پوچھیں۔ یہ ہمیں کیوں پریشان کر رہے ہیں؟"

سب انسپکٹر نے ان کی طرف انگلیاں گھماتے ہوئے کہا۔"یہ سب شکل و صورت سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگتے ہیں۔"

ان میں سے ایک جوان نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔"یہ بے شک بدمعاش ہیں لیکن میں کیا ہوں۔ اسے دیکھ لو۔"

اس نے کارڈ کو دیکھا، پھر اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ وہ انٹیلی جنس کا کوئی آفیسر تھا۔ اس نے کہا۔"مجھے ان عورتوں اور ان کے ساتھی پر شبہ ہے۔ آپ انھیں تھانے لے چلیں۔ میں آتا ہوں۔"

سب انسپکٹر نے ان غنڈوں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ آفیسر نے کہا۔"ان سب کو جانے دو۔"

انھیں چھوڑ دیا گیا اور ہمیں پکڑ لیا گیا۔ میں نے کہا۔"واہ کیا انصاف ہے۔ غنڈے بدمعاش آزاد پھرتے ہیں اور شریف آدمیوں کو پکڑا جاتا ہے۔"

آفیسر نے طنزیہ انداز میں کہا۔"ذرا تھانے چلو۔ ابھی تمھاری حقیقت کھل جائے گی۔"

ہم پولیس والوں کی حراست میں اپنی کار تک آئے۔ سب انسپکٹر نے کہا۔"تمھاری گاڑی تھانے پہنچ جائے گی۔ ہماری گاڑی میں بیٹھو۔"

وہ ہمیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر تھانے کی طرف لے جانے لگا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اس انٹیلی جنس آفیسر کے متعلق معلوم کرنا شروع کیا۔ پہلے میں ہاریہ کے پاس پہنچا۔ پتا چلا، اسے بمبئی میں ہونے والے واقعات کا علم نہیں ہے۔ یوں بھی یہاں کے معاملات کی ذمے دار لیڈی رودینہ تھی اور میں اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے انٹیلی جنس آفیسر کے دماغ کو ٹٹولنا شروع کیا، پتا چلا، اس کے اندر آواز آتی ہے کہ وہ جلد ہی بین الاقوامی شہرت رکھنے والے فرہاد علی تیمور یا شیبا کو گرفتار کر سکے گا۔ وہ دونوں اس ملک میں تخریبی کارروائیوں کے سلسلے میں آئے ہیں۔

اگر دماغ میں صرف اتنی ہی بات آتی کہ فرہاد کو گرفتار کر سکتا ہے تو وہ اسے خیالی پرواز سمجھ کر ٹال جاتا مگر یہ بات اس میں تحریک پیدا کر رہی تھی۔ وہ سمندر کے ساحل تک نہیں آنا چاہتا تھا اور نہ چاہنے کے باوجود چلا آیا تھا۔ کوئی اسے اندر سے دھکیلتا لایا تھا۔

انٹیلی جنس کا وہ آفیسر یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اتنی جلدی اس نے کس طرح علاقے کے غنڈوں کو جمع کیا اور کس طرح فرہاد کو شناخت کیے بغیر ان تین غیر ملکیوں تک پہنچا، جن میں ایک مرد اور دو عورتیں تھیں۔ آفیسر نے انھیں سب انسپکٹر کے حوالے کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ تھانے پہنچ کر ہمیں بے نقاب کرے گا۔

میں اس کے خیالات پڑھ رہا تھا اور وہ انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ قائم کر کے ان سے تھانے پہنچنے کی درخواست کر رہا تھا۔ اپنے ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ کو بھی فرہاد اور شیبا کا حوالہ دے رہا تھا۔ یہ چونکا دینے والی بات تھی۔ آج صبح ایئرپورٹ پر ایک قاتل نے فرہاد کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا تھا اور شام کو انٹیلی جنس کا ایک افسر اس مقتول فرہاد کو زندہ گرفتار کر لینے کا یقین دلا رہا تھا۔

میں چاہتا تو اس افسر کے دماغ کو اپنے قابو میں رکھ سکتا تھا۔ پھر وہ اپنے اعلیٰ افسر کو رپورٹ نہ دیتا۔ شیبا سب انسپکٹر کے دماغ پر قابض ہو کر ہمیں رہا کرنے پر مجبور کر دیتی مگر ہمارا مقابلہ ہندوستانی پولیس اور انٹیلی جنس سے نہیں تھا۔ ان کے پیچھے ٹیلی پیتھی جاننے والی روزینہ کام کر رہی تھی۔ ہم ایک افسر کو قابو میں کرتے تو وہ دوسرے افسر کو ہمارے خلاف کارروائی پر مجبور کر دیتی۔

میں نے ایک بار پھر ہارپر کے پاس آ کر معلوم کیا۔ اسے اپنی بہن روزینہ کی طرف سے خفیہ پیغام موصول ہوا تھا کہ وہ انٹرپول کے ہندوستانی رابطہ افسر سے لہجہ بدل کر گفتگو کرے اور اس کے دماغ میں رہ کر انتظار کرے۔ وہ رابطہ افسر بمبئی کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل سے گفتگو کرے گا۔ ہارپر اس ڈائریکٹر جنرل کے دماغ میں جگہ بنا کر ہم تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اسی طریقۂ کار کے مطابق شارپر بھی ہمارے خلاف کارروائی کرنے والے افسروں کے دماغ میں رہے گا۔ میری اور شیبا کی گرفتاری کے سو فیصد امکانات تھے۔ پھر بھلا وہ تینوں بھائی بہن وہاں موجود کیسے نہ ہوتے؟

اگر ہم سب انسپکٹر کی تحویل سے نکل جاتے تو اس اجنبی شہر میں چھپنا آسان نہ ہوتا۔ ہم ہوٹل میں واپس نہیں جا سکتے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ شیبا یہودی تھی۔ یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کی زبانیں جانتی تھی مگر ہندی، اردو اچھی طرح نہیں جانتی تھی۔ اسے ہندوستانی عورت کے روپ میں چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔

میں عارضی میک اپ میں تھا۔ دشمن اپنے آلۂ کار افسروں کے ذریعے منٹوں میں میک اپ اتروا سکتے تھے۔ ساری دنیا کو میرا اصلی چہرہ دکھا سکتے تھے۔ یہاں شیبا اور آمنہ کو چہرے سے کوئی پہچانتا نہیں تھا مگر تل ابیب سے شیبا کی تصویریں منگوا کر شناخت کی جا سکتی تھی۔ آمنہ کی شناخت ہوتی یا نہ ہوتی لیکن اس کا اسٹائل اور لڑنے کا انداز دیکھ کر اس پر سونیا ہونے کا شبہ برقرار رہتا۔

ہم تھانے پہنچ گئے۔ مجھے مردانہ اور ان دونوں کو زنانہ لاک اپ میں رکھا گیا۔ اس پولیس اسٹیشن میں تمام سپاہی مستعد نظر آ رہے تھے کیونکہ بڑے بڑے افسران وہاں پہنچنے والے تھے۔ میں نے ماسک مین کو مخاطب کیا۔ پھر کہا "میں بمبئی پہنچ کر پھنس گیا ہوں۔ اس وقت جوہو پولیس اسٹیشن کے لاک اپ میں شیبا اور آمنہ کے ساتھ ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔ ہارپر اور شارپر کا داؤ چل گیا ہے۔"

"میں عورتوں کے معاملے میں بدنام ہوں۔ مجھ پر ایک عورت کا داؤ چل رہا ہے اور وہ عورت ان کی بہن روزینہ ہے۔ وہی لیڈی روزینہ جو شمالی امریکا میں ایک بہت بڑے فارم کی مالک تھی اور جو مجھے ٹریپ کر کے زیرِ زمین دنیا میں لے گئی تھی۔ اس کمبخت نے مجھے دوسری بار پھنسایا ہے۔"

"آپ یقیناً حراست سے نکلنا چاہیں گے۔"

"میرے تین مقاصد ہیں۔ ایک تو حراست سے نکلنا، دوسرے ہیرا سوامی کو بیرون تک نہ پہنچنے دینا اور ہندوستان میں ہی اسے مجبور کرنا کہ وہ ماں جی کو بیوی اور آنند کو بیٹا تسلیم کرے۔ تیسرے یہ کہ شارپر، ہارپر اور روزینہ کو سبق آموز شکست دینا۔"

"آپ اپنے طور پر جو کر سکتے ہیں کرتے رہیں۔ میں اپنے طور پر خفیہ ذرائع استعمال کر رہا ہوں۔ آپ تینوں کو وہاں سے نکال کر کسی دوسرے ملک میں پہنچا دینا کوئی مشکل نہیں ہے مگر آپ ہندوستان میں کچھ عرصہ رہنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کچھ مسائل کا سامنا ہوگا۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں کہ کیا کر سکتا ہوں۔ آپ مجھ سے برابر رابطہ رکھیں۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر کسی سوچ کی لہر کو محسوس کرتے ہی سانس روک لی۔ اس کے بعد شیبا کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا "ابھی میں آئی تھی۔ کچھ بتاؤ، یہاں کس قسم کا بیان دینا ہوگا؟"

"صاف اور سیدھی بات کہہ دینا، تم شیبا ہو۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟ دشمن مجھے مار ڈالیں گے۔"

"انھوں نے ایک ڈمی شیبا کو مار کر غلطی کی ہے۔ یہ بات انھیں معلوم ہے کہ باباصاحب کے ادارے میں دو عدد ڈمی تیار کی گئی تھیں۔ میں یہ تاثر دوں گا کہ تم دوسری ڈمی ہو۔ دشمن تمھیں نقصان پہنچانے سے پہلے اصل اور ڈمی کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرتے رہیں گے۔"

"آمنہ کیا بیان دے گی؟"

"یہی کہ وہ آمنہ ہے۔ پہلے اسے ڈمی شیبا کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ اب بھی جس کے ساتھ ہے، وہ اصل ہے یا نقل؟ آمنہ یقین سے بیان نہیں دے گی۔ اب تم جاؤ۔"

وہ چلی گئی۔ میں نے جناب شیخ الفارس کو اپنے موجودہ حالات سے آگاہ کیا۔ انھوں نے پریشان ہو کر پوچھا "یہ اچانک کیسے ہو گیا؟ تم دونوں ٹیلی پیتھی جاننے والے ان کے دام میں آ گئے ہو۔ خدانخواستہ تمھیں جانی نقصان پہنچا تو ہماری کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"میں کوشش کروں گا، ایسا نہ ہو۔ آپ ہماری فکر نہ کریں۔ دشمن یہ بھی تو چاہتے ہیں کہ آپ مختلف سمتوں میں مصروف رہیں اور وہ ادارے میں سرنگ بنا کر داخل ہو جائیں۔"

"میں ادارے کی حفاظت بخوبی کرتا رہوں گا۔ تمھیں ان حالات میں سونیا، اعلیٰ بی بی اور پورس کی ضرورت ہے۔ میں انھیں بھیج رہا ہوں۔"

"دشمن یہی چاہتے ہیں، وہ تینوں وہاں سے نکل جائیں۔ آپ ہم سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ پلیز، انھیں ادارے میں رہنے دیں۔ اگر زیادہ مشکلات کا سامنا ہوا تو میں اعلیٰ بی بی کو بلاؤں گا۔ یہاں ہاتھاپائی کرنے اور ایکشن میں رہنے کے لیے میں اور آمنہ کافی ہیں۔ البتہ اعلیٰ بی بی کی حاضر دماغی کام آ سکتی ہے۔ میں پھر آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں دماغی طور پر حوالات میں حاضر ہو گیا۔ اس پولیس اسٹیشن کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا، بمبئی کی پوری پولیس فورس آ گئی ہے۔ تھانے کو چاروں طرف سے مسلح سپاہیوں نے گھیر لیا تھا۔ کسی کو نہ آنے کی اجازت تھی اور نہ کوئی تلاشی دیے بغیر باہر جا سکتا تھا۔ جو سب انسپکٹر مجھے گرفتار کر کے لایا تھا، اسے میرے سامنے سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اب ایسے افسران اور سپاہی لائے جا رہے تھے جو گونگے بنے ہوئے تھے۔ ڈائریکٹر جنرل اپنے ماتحت عملے اور سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ میرا اور شیبا کا سامنا کرنے سے پہلے وہ لوگ ایک کمرے میں بیٹھ گئے تھے۔ آپس میں مشورے کر رہے تھے۔ جس انٹیلی جنس آفیسر نے ڈائریکٹر جنرل کو میری گرفتاری کی خوشخبری سنائی تھی، اس کا نام راما راؤ تھا۔ اس کے سینئر آفیسر نے پوچھا۔ "مسٹر راما راؤ! تمھیں کیسے پتا چلا کہ ان گرفتار ہونے والوں میں شیبا اور فرہاد ہو سکتے ہیں؟"

"میرے اندر ایک آواز ابھرتی تھی جو مجھے مجبور کرتی تھی کہ سمندر کے ساحل پر جا کر تین ایسے غیر ملکیوں کو گرفتار کرنا ہے جن میں ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گی۔ لہٰذا میں نے ایسا کیا ہے۔"

"واٹ نان سنس، کیا تمھارے دماغ میں کوئی بھی خیال پیدا ہوگا تو تم اس پر عمل کر دو گے اور ہمیں یہاں تک دوڑاتے رہو گے۔"

"نو سر! وہ آواز جو میرے دماغ میں ابھرتی ہے، وہ آپ کے دماغ میں بھی آ رہی ہے۔ آپ اسے سن سکتے ہیں۔"

دوسرے ہی لمحے ان تین بہن بھائیوں میں سے کوئی ایک ڈائریکٹر جنرل کے لہجے میں بول رہا تھا "میں تمھاری ہی سوچ میں بول رہا ہوں۔ تمھیں یقین نہیں آئے گا۔ یقین دلانے کے لیے فرہاد کا طریقۂ کار اختیار کرتا ہوں۔ تم فیصلہ کر لو، اپنی جگہ سے نہیں اٹھو گے مگر میں تمھیں اٹھا دوں گا۔ تم اپنا سگار سلگاؤ گے، ایک کش لو گے۔ اس کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ سکو گے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افسران کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا "مجھے میری سوچ میں کچھ ایسی باتیں سنائی دے رہی ہیں جن پر یقین نہیں آ رہا ہے۔ ویسے میں کوشش کرتا ہوں۔ تم سب دیکھتے رہو۔ میں اپنی جگہ سے نہیں اٹھوں گا۔"

وہ اپنی کرسی پر جم کر بیٹھا رہا۔ پھر اچانک ہی بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ سگار نکال کر اس کے سرے کو دانتوں سے چبا کر ایک طرف تھوک دیا۔ اس کے بعد ہونٹوں میں دبا کر لائٹر کے ذریعے سلگانے لگا۔ پھر اس نے ایک کش لیا۔ اس کے بعد آرام سے بیٹھ گیا۔ تب وہ اپنے ہوش میں آیا۔ چونک کر اپنے ہاتھ میں سگار کو دیکھنے لگا۔ آفیسر راما راؤ نے کہا "جناب! اس نامعلوم شخص نے آپ کے دماغ میں جو کہا تھا، وہی آپ نے کیا ہے۔ اب تو یقین کر لیجیے۔"

"ہاں یقین کر رہا ہوں مگر دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، کیا یہ دماغ میں

میں اکر بولنے والا فرہاد نہیں ہو سکتا۔"

"اگر فرہاد ہوگا تو خود کسی فرہاد کو کیوں گرفتار کرائے گا؟"

"یہ اس کی چال ہو سکتی ہے۔ کسی ڈمی فرہاد کو گرفتار کرانے کے بعد ہمارے ملک میں آزادی سے گھومنا پھرنا چاہتا ہوگا۔ ادھر ہم مطمئن رہیں گے کہ ہم نے ایک فرہاد علی تیمور کو گرفتار کر کے اپنے ہاں بند کر رکھا ہے۔"

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں، تازہ ترین اطلاعات کے مطابق تین نئے ٹیلی پیتھی جاننے والے پیدا ہو گئے ہیں اور یہ تینوں فرہاد کے خلاف محاذ بنائے ہوئے ہیں۔ انھوں نے پیرس میں بابا صاحب کے ادارے والوں کی نیندیں اڑا دی ہیں۔ فرہاد جہاں بھی جاتا ہے، اس کے راستے کی رکاوٹ بن جاتے ہیں اور اسے بے نقاب کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ہاں کر دیتے ہیں۔"

ایک سینئر افسر نے کہا "ہم مان لیتے ہیں، تم نے فرہاد کو گرفتار کرایا ہے۔ اگر واقعی وہ فرہاد ہے تو تمہاری آواز سننے کے بعد وہ بھی ہم سب کے درمیان ہوگا۔ ہم دو طرف سے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے شکنجے میں ہیں۔ ایک طرف وہ جو فرہاد کے دشمن ہیں اور اسے ہمارے حوالے کر رہے ہیں۔ دوسری طرف فرہاد اپنے دشمنوں کے خلاف جوابی کارروائی کے لیے ہمارے پاس موجود ہے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے تائید میں سر ہلا کر سینئر افسر سے کہا "آپ نے بہت اچھا نکتہ بیان کیا ہے۔ اس وقت ہمارے دماغ دونوں طرف سے ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ اگر ہم پہلے کے خلاف کارروائی کرتے ہیں تو دوسرا دشمن ہو کر ہمیں دماغی اذیتیں پہنچائے گا۔ اگر دوسرے کی بات نہیں مانتے ہیں تو پہلا ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم بزدل ہیں اور قانونی طور پر کسی بھی کارروائی سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو ہمارا ساتھ دے رہا ہے جو ہمارا دوست بن رہا ہے اور جو فرہاد کے خلاف ہم سے کارروائی کرانا چاہتا ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ ایک سچے دوست کی طرح ہمارے سامنے آئے۔ ہمیں تحفظ کی ضمانت دے۔ اس کے بعد ہم کسی کارروائی کا آغاز کریں گے۔"

ایک آفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ہم نادیدہ قوت ہیں اور ابھی اس افسر کی زبان سے بول رہے ہیں۔ ہمارے درمیان جو بھی گفتگو ہوگی، وہ اسی کے ذریعے ہوگی۔ آپ ہمیں سامنے آکر دوستی کا ثبوت دینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ ایسا تو اس میدان کا پرانا کھلاڑی فرہاد بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ چھپ کر رہتا ہے۔ ہم بھی چھپنے پر مجبور ہیں۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کہا "کوئی بات نہیں۔ آپ صرف ہمیں تحفظ دیں۔"

اس آفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ہم تحفظ نہیں دیں گے اور آپ سے دوستی بھی نہیں کریں گے مگر ایک سوال کریں گے۔"

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس نے پوچھا۔ "کیا دوستی نہ کرنے اور ضمانت نہ دینے پر آپ ایک خطرناک مجرم کو چھوڑ دیں گے۔ اگر ایسا کر سکتے ہیں تو بے شک فرہاد کو رہا کر دیجیے پھر دیکھیے آپ کے ملک میں کیسی کیسی تخریبی کارروائیاں ہوں گی۔"

ڈائریکٹر جنرل نے پریشان ہو کر کہا "میں پیش آنے والے حالات کو سمجھ سکتا ہوں۔ فرہاد ہمارے گلے میں ہڈی کی طرح اٹک گیا ہے۔ نہ ہم اسے نگل سکیں گے نہ اُگل سکیں گے۔"

"یہ ہڈی کسی طرح بھی گلے سے نکال کر بحرِ ہند میں پھینک دو۔ یہ اعزاز حاصل کرو کہ فرہاد علی تیمور کو تم لوگوں نے ختم کیا ہے اور ساری دنیا کو اس کی دہشت سے نجات دلائی ہے۔"

"واقعی، ہم نے ایسا کیا تو انٹرپول جیسا ادارہ بھی ہندوستانی پولیس اور انٹیلی جنس کا لوہا مان لے گا لیکن ہم نے فرہاد کے دھوکے میں کسی دوسرے شخص کو ہلاک کیا تو ہماری شامت آ جائے گی۔"

"وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے فرہاد کو یہاں لایا جائے۔ سب کے سامنے اس کا میک اپ اتارا جائے۔ اس کا اصل روپ سامنے آئے گا تو شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔"

"ہمیں پہلے اس کے فرہاد ہونے کا یقین کرنا چاہیے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے اپنے ایک ماتحت افسر کو حکم دیا "تینوں کو یہاں لے آؤ۔"

ماتحت افسر نے ہچکچاتے ہوئے کہا "سر! اگر وہ فرہاد ہوا تو میرے دماغ میں پہنچ جائے گا۔"

"تمھیں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ گونگے بن کر رہو۔ تمھارے ساتھ جانے والے سپاہی تینوں کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر لائیں گے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "جناب! گونگے بن کر رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ وہ تو آنکھوں میں جھانک کر دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے تمام افسران کو دیکھتے ہوئے پوچھا "کون اسے لائے گا؟"

ایک افسر نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا "آج تک فرہاد اور اس کے ساتھیوں کو نہ کوئی ہتھکڑی پہنا سکا نہ بیڑیاں۔ میرا مشورہ ہے کہ اسی حوالات میں اسے بندوقوں کے سائے میں رکھ کر اس کا میک اپ اتارا جائے۔"

"تم جاؤ، اس کا میک اپ اتار دو۔ ہم چھپ کر دیکھیں گے۔"

"معاف کیجیے گا سر! آپ لوگ چھپ کر دیکھیں گے اور میں قربانی کا بکرا بن کر جاؤں گا۔ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے۔ مجھ سے زیادہ ذمے دار افراد یہاں موجود ہیں۔ آپ ان کی خدمات حاصل کریں۔"

ڈائریکٹر جنرل اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ غصے سے کہنے لگا "آرڈر از آرڈر۔ سپاہی کا یہ پہلا فرض ہوتا ہے کہ اپنے افسر کے حکم پر جان کی بازی لگا دے۔"

"آج کوئی آپ کے حکم پر فرہاد کے سامنے جان کی بازی لگانے نہیں

جائے گا۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کہا "یہ۔ یہ ہمارا پولیس ڈپارٹمنٹ ہے۔ مجھے شرم آ رہی ہے تم لوگوں پر۔"

ٹیلی پیتھی جاننے والوں نے جس افسر کو رابطے کا ذریعہ بنایا ہوا تھا، وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا "آپ لوگ اسے مسئلہ نہ بنائیں۔ میں کسی کے بھی دماغ پر قبضہ جما کر اسے فرہاد کے پاس جانے اور اس کا میک اپ اتارنے پر مجبور کر سکتا ہوں۔"

ایک افسر نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کرتے ہوئے کہا "جنابِ! آرمی ایکشن ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، یہ کیس ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

ڈائریکٹر جنرل پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا "کیا کہہ رہے ہو؟"

"آپ باہر جا کر دیکھ لیں۔ فوجی آ گئے ہیں۔ تھانے کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔"

پولیس اسٹیشن کے اندر اور باہر بھاری بھر کم فوجی بوٹوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پھر دو افسران ڈائریکٹر جنرل کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے کہا "میں اپنی آواز سنا رہا ہوں اور یہ حکم نامہ پیش کر رہا ہوں۔ ان قیدیوں میں فرہاد ہے یا نہیں، اس کی تصدیق ہم کریں گے اور نہایت خفیہ طریقے سے کریں گے۔ یہ کیس اب ملٹری انٹیلی جنس کے ہاتھ میں ہے۔"

انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل کو سُبکی کا احساس ہو رہا تھا۔ اتنا بڑا کیس ہاتھ سے لے لیا گیا تھا لیکن وہ اندر ہی اندر خوش بھی تھا۔ اسے ٹیلی پیتھی کے عذاب سے نجات مل رہی تھی۔ میں اس ملٹری آفیسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ مجھے یقین تھا، دوسرے ٹیلی پیتھی جاننے والے بھی اس کے دماغ میں پہنچ گئے ہوں گے اور اس کے ذریعے معلوم کرنا چاہتے ہوں گے کہ یہ فوجی ہم تینوں کو کہاں لے جائیں گے؟ اور ہمیں کہاں رکھا جائے گا؟

مجھے شیبا کو اور آمنہ کو چاروں طرف سے مسلح فوجیوں نے گھیر لیا تھا۔ جدید طرز کی رائفلیں ہماری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ ہمیں اسی طرح گھیر کر پولیس اسٹیشن سے باہر لایا جا رہا تھا۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ باہر بجلی کی روشنی تھی مگر اندھیرا بھی تھا۔ دور تک فوجی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ہمیں ایک ایسی گاڑی میں بٹھایا گیا جس کا پچھلا حصہ کیبن کی طرح تھا۔ اسے باہر سے مقفل کیا جا سکتا تھا۔ ہمیں وہاں بٹھا کر دروازے کو لاک کر دیا گیا۔

ہمارے آس پاس چار مسلح فوجی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں جس فوجی افسر کے دماغ میں تھا، وہ تھانے میں رہ گیا۔ ہماری گاڑیاں آگے بڑھ گئیں۔ یعنی اب ہمارا اس فوجی افسر سے کوئی رابطہ.... نہیں رہا تھا...... نہ ہی وہ جانتا تھا کہ ہمیں کہاں لے جایا جائے گا اور کہاں رکھا جائے گا۔ یہ بات ہمارے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والوں کے لیے پریشان کن تھی۔ وہ کسی کے دماغ میں بھی جگہ بنا کر دیکھتے رہنا چاہتے تھے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے؟ کیا ہمیں چپکے سے مار ڈالا جائے گا؟ یا ہم کسی طرح بچ نکلیں گے؟

انھیں ہمارے بچ نکلنے کی زیادہ اُمید تھی۔ صرف وہی کیا، تمام دشمن یہ کہتے تھے کہ کاتبِ تقدیر نے مجھے زندگی بھر زندہ رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں نے ہارپر کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ خیال خوانی میں مصروف تھا اور رجو مُنو پولیس اسٹیشن کے ایک پولیس افسر کے دماغ میں تھا، وہیں اس کی بہن اور بھائی بھی تھے۔ وہ سب پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ میں اپنی دو ساتھیوں کے ساتھ آسانی سے نکل گیا، اس کی وہ توقع نہیں کر سکتے تھے۔ اب میں زندہ رہوں گا یا مر جاؤں گا، یہ تو بعد کی بات تھی مگر میرا ہاتھ سے نکل جانا ان کی بدترین ناکامی تھی۔

ہم گاڑی کے اندر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا۔ شیبا اور آمنہ مجھے دیکھ رہی تھیں۔ شیبا نے سوچ کے ذریعے مخاطب کیا۔ میں نے سانس روک لی۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "کیا ابھی تم آئی تھیں؟"

"ہاں، پوچھ رہی ہوں، کس سوچ میں ڈوب گئے ہو۔ کیا بہت فکر مند ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بائی دی وے، ہمیں کم سے کم اس طرح گفتگو نہیں کرنا چاہیے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والے مہربان ہماری باتیں سن سکتے ہیں۔ جب ہم ضرورت محسوس کریں گے، تب ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ میں دشمنوں کو کچھ دیکھنے، سمجھنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ اندھیرے میں تھے۔ انھیں اندھیرے میں ہی رکھنا مناسب تھا۔ آمنہ کو پتا نہیں تھا کہ میں نے اور شیبا نے کیا گفتگو کی ہے۔ اس نے پوچھا "کیا ہم گونگے بنے رہیں گے؟"

"عورت خاموش رہ کر سب سے بڑا احسان کرتی ہے۔"

"میں مانتی ہوں، بڑے زندہ دل ہو مگر یہ بھی تو سوچو کس طرح کے حالات پیش آئیں گے۔"

"یہ دنیا کا ہر انسان سوچتا ہے۔ آئندہ کس قسم کے حالات پیش آئیں گے؟ آدمی خواہ مصیبت میں گرفتار ہو یا آرام سے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں لیٹا ہو، وہ آنے والے وقت کے لیے بے چین رہتا ہے۔ آرام سے رہ کر بھی آرام سے نہیں رہ سکتا۔ کبھی اُٹھ کر بیٹھتا ہے۔ کبھی بیٹھ کر لیٹتا ہے۔ پھر اُٹھ کر ٹہلنے لگتا ہے۔ آنے والا وقت کیسا ہوگا؟ اچھا ہوگا یا بُرا ہوگا؟ دنیا کے کروڑوں لوگ آنے والے لمحے کے لیے اس قدر بے چین ہوتے ہیں۔ اس قدر تڑپتے ہیں اور اندر ہی اندر پریشان ہوتے ہیں اور جب وہ آنے والا وقت آ جاتا ہے، پھر ہم دوسرے آنے والے وقت

سکے لیے پریشان ہونے لگتے ہیں۔"

شیبا میری باتوں پر مسکراتی جا رہی تھی۔ آمنہ نے کہا "اللہ! میں نے اتنی لمبی تقریر کے لیے نہیں کہا تھا ویسے تمھاری زندہ دلی سے سمجھ گئی ہوں، ہمیں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہیے۔"

ہم جہاں بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سے باہر دیکھ نہیں سکتے تھے دو طرف دو چھوٹے چھوٹے روشن دان تھے۔ ہم اٹھ کر دیکھنا چاہتے تو رات کی تاریکی میں باہر کچھ نظر نہ آتا۔ جدھر ڈرائیور کی سیٹ تھی، اس طرف ایک چھوٹی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی جسے دوسری طرف سے کھولا اور بند کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے دیکھا، وہ سامنے والی کھڑکی کھل گئی تھی۔ میں صاف طور سے ڈرائیور کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا اس کے پاس بیٹھا ہوا ایک افسر ذرا جھک کر کھڑکی سے جھانکتے ہوئے بولا "ہیلو فرہاد!"

میں نے جواب نہیں دیا۔ اس نے کہا "کھڑکی کے قریب آؤ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

میں قریب آ گیا۔ اس نے آہستگی سے کہا "می فرام ماسک مین۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا "یہ جو تمھارے ساتھ فوجی بیٹھے ہوئے ہیں، یہ اپنے ہی بندے ہیں ڈرائیور بھی ہمارا آدمی ہے۔ گویا یہ پوری گاڑی تمھاری ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "تھینک یو۔ اور کچھ؟"

ہمارے آگے پیچھے تین گاڑیاں ہیں۔ ایک گاڑی آگے جا رہی ہے دو پیچھے پیچھے آ رہی ہیں۔ ہمیں ان گاڑیوں کو ڈاج دینا ہے مگر اس طرح کہ ہم پر بھی کوئی بات نہ آئے اور تم تینوں بھی صاف بچ نکلو۔"

"کیا آپ نے کوئی منصوبہ بنا لیا ہے۔ یا مجھے بنانا ہوگا؟"

"ہمارے منصوبے کے مطابق جب یہ گاڑیاں گودھے گاؤں سے گزر رہی ہوں گی تب اچانک دھماکے ہوں گے۔ ان گاڑیوں کو روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ جیسے ہی پہلا دھماکا ہو تم سب نیچے لیٹ جانا۔ کیونکہ ہمارے آدمی فائرنگ کے ذریعے اس گاڑی کا پچھلا تالا توڑیں گے پھر آپ لوگوں کو اپنی رہنمائی میں کہیں لے جائیں گے۔ میرا خیال ہے اتنا ہی کافی ہے۔ مجھے زیادہ نہیں بولنا چاہیے دشمن ٹیلی پیتھی جاننے والے مجھے ٹریپ کر سکتے ہیں۔"

"جی ہاں آپ کا خاموش رہنا بہتر ہوگا۔"

اس نے کھڑکی بند کر دی۔ میں نے شیبا اور آمنہ سے پوچھا "تم سن رہی تھیں؟"

انھوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر آس پاس بیٹھے ہوئے فوجیوں کو دیکھا۔ اب وہ دوستانہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ کہاں تو ہم نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا اور نڈھال سے بیٹھے ہوئے تھے اور کہاں یہ کہ ہم میں مستعدی اور پھرتی پیدا ہو رہی تھی اور ہم آنے والے آزمائشی لمحات سے بخوبی نمٹ سکتے تھے۔

ایسے وقت خیال خوانی نہیں کی جا سکتی تھی۔ دشمن پر نظر رکھنا بھی ضروری تھا۔ وہ بہن بھائی ہمارے پاس آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں اور شیبا سانس روک روک کر انھیں بھگا رہے تھے۔ وہ کسی نہ کسی فوجی افسر یا سپاہی تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ اس کے لیے بڑے بڑے ذرائع بھی استعمال کر رہے تھے۔ شاید پر نے اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس والوں کو اپنی دوستی کا واسطہ دے کر بھارتی ملٹری انٹیلی جنس والوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ دو اہم باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ہمیں کہاں پہنچایا جائے گا؟ اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

بھارتی انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر نے جواب دیا تھا "ابھی یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ فرہاد ہماری حراست میں ہے۔ جب ثابت ہوگا تب ہم فیصلہ کریں گے کہ اسے گولی مار کر نقصان میں رہیں یا دوست بنا کر فائدہ حاصل کریں۔"

یہودی افسران نے بھارتی افسر کو سمجھایا "فرہاد مسلمان ہے۔ پیدائشی طور پر پاکستانی ہے۔ وہ بھارت کے مفاد میں کبھی کام نہیں کرے گا اگر اسے پہلی فرصت میں گولی مار دی جائے تو بھارت کو تین ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی قوت حاصل ہو سکتی ہے۔"

اُدھر سے آخری فیصلہ کن جواب ملا "پہلے فرہاد کی شناخت ہونے دو۔ پھر مذاکرات کا دور شروع ہوگا۔"

دوسرے بھائی ہار پر نے امریکی حکام کے ذریعے بھارتی حکام سے رابطہ قائم کیا۔ وہاں سے جواب ملا "ہماری ملٹری انٹیلی جنس فرہاد کے متعلق سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے گی۔ ہم اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتے۔"

امریکا اور اسرائیل کی جانب سے سمجھایا گیا' فرہاد کو گرفتار کرنے کا کوئی ایک راستہ ہوتا ہے مگر اس کے لیے فرار کے ہزاروں راستے نکل آتے ہیں۔ دونوں حکومتوں نے حفاظتی اقدامات کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ فرہاد اور اس کی ساتھی عورتوں کو جہاں بھی چھپا کر قید کیا جائے گا امریکا کے خلائی جاسوس سیارے ان قیدیوں کی نگرانی کریں گے ان کے فرار ہونے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیں گے۔ اس مقصد کے لیے ان تینوں قیدیوں کو جس کال کوٹھری میں چھپایا جائے گا وہاں سے خلائی سیارے کا رابطہ کر دیا جائے گا۔

اس طرح ہار پر کو ہمارے قید خانے کا علم ہو جاتا مگر بھارت کی ملٹری انٹیلی جنس نے ہمیں ایسی جگہ چھپا کر رکھنے کا فیصلہ کیا تھا جہاں دوست اور دشمن ممالک کا کوئی جاسوس نہیں پہنچ سکتا تھا۔

میرا خیال خوانی کا ارادہ نہیں تھا۔ پھر بھی خیالات پڑھتا رہا۔ پھر یکبارگی دھماکے کی آواز نے چونکا دیا۔ شیبا چیخ مار کر میرے پاس آئی میں اسے لے کر سیٹ کے نیچے پہنچ گیا۔ حالات بڑے سنگین تھے۔

آمنہ دوسری سیٹ کے نیچے سے بلی کی طرح غرا کر دیکھ رہی تھی کچھ کہنے کا موقع نہیں تھا۔ پاس آ نہیں سکتی تھی کیونکہ ہمارے اور اس کے درمیان فوجی لیٹے ہوئے تھے۔ دھماکے کے چند لمحے بعد ہی ہماری گاڑی ایک طرف تیزی سے گھوم گئی تھی۔ باہر قیامت خیز فائرنگ ہو رہی تھی گولیاں گاڑی کے آہنی دروازوں پر لگ رہی تھیں پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ کسی نے کہا "کم آن' ہری اپ!"

ہم تینوں تیزی سے سرکتے ہوئے دروازے تک پہنچے آگے پیچھے والی گاڑیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ کیونکہ ہماری گاڑی نے گھوم کر رخ بدل لیا تھا۔ اس طرح ہم فائرنگ کی زد میں نہیں تھے۔ چار آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ ہمیں کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ انھوں نے دھماکے کے لیے موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ وہ ایک پہاڑی کے دامن سے گزرنے والی سڑک تھی نہ جانے ہمارے کتنے حمایتی تھے جو پہاڑی چٹانوں اور پتھروں کی آڑ سے فائرنگ کر رہے تھے اور فوجیوں کو پیش قدمی سے روک رہے تھے۔

ہم جلد ہی ایک غار میں پہنچ گئے۔ دو آدمیوں نے ہمیں ٹارچ اور اسٹین گنیں دیں۔ پھر کہا "یہ غار آپ کو جہاں تک لے جائے' آپ چلے جائیں۔ اس کے دوسری طرف ہیلی کاپٹر آپ کے لیے موجود ہے۔"

شیبا نے ٹارچ سنبھال لی۔ میں نے اور آمنہ نے اسٹین گنیں لیں۔ پھر اس غار کے اندر دوڑنے لگے۔ وہ انجانا راستہ تھا مگر فرار کا واحد راستہ تھا۔ ہمارے لیے جان کی بازی لگانے والوں نے غلط نہیں کہا تھا۔ تقریباً دو فرلانگ تک دوڑتے رہنے کے بعد ہم غار سے نکلے سامنے

میدان میں ایک ہیلی کاپٹر کی سرخ بتی جل رہی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی پنکھا گردش کرنے لگا۔ ایک شخص ہماری رہنمائی کرتا ہوا ہیلی کاپٹر تک آیا۔ جب ہم سوار ہو گئے تو وہ چلا گیا۔

پائلٹ نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "ماسک مین کا حکم ہے میں اپنی آواز آپ کو سنا دوں' کیا آپ مطمئن ہیں؟"

میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے فلائی کرو۔"

ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔ میں نے ماسک مین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ہم ان کی گرفت سے نکل آئے ہیں اور ہیلی کاپٹر میں پرواز کر رہے ہیں۔"

ماسک مین نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا "فوراً میک اپ اتار لیں۔ آپ کے ہوٹل کا سامان شاید ہیلی کاپٹر میں پہنچ گیا ہے۔"

میں نے سوچ کے ذریعے پائلٹ سے پوچھا۔ اس نے کہا۔ "جی ہاں سیٹ کے پیچھے خواتین کے دو جوڑے ہیں۔ آپ کے کمرے میں صرف ایک بیگ تھا' اس میں لباس نہیں تھا۔ میں نے اپنا لباس سیٹ کے پیچھے رکھ دیا ہے۔ آپ پرواز کے دوران چہرے اور لباس میں تبدیلی لے آئیں۔"

وہاں آئینہ اور میک اپ کرنے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ میں نے میک اپ اتارتے ہوئے پوچھا "پرواز کتنی دیر جاری رہے گی؟"

"صرف چالیس منٹ' اتنی دیر میں ایئر فورس کے ہیلی کاپٹر ہماری تلاش میں نکل پڑیں گے۔ میں آپ لوگوں کو ایک جگہ ڈراپ کر دوں گا۔"

شیبا ہیلی کاپٹر میں لباس تبدیل کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

آمنہ نے کہا۔" ہم پچھلی سیٹ پر ہیں۔ شرماتی کیوں ہو؟ جب میدانِ عمل میں آئی ہو تو پتا نہیں کیا کچھ کرنا پڑے گا۔ فرہاد! تم اِدھر نہ دیکھنا۔"

میں ان کے سامنے والی سیٹ پر تھا۔ وینشنگ کریم کے ذریعے اپنا میک اپ اتارتے ہوئے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بولا۔" ابھی تو میں اپنا چہرہ دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں مجھے میک اپ کے بغیر رہنا چاہیے۔"

میں نے اس فیصلے پر سنجیدگی سے غور کیا۔ سمجھ میں یہی آیا کہ میری تصویریں زیادہ سے زیادہ پولیس تھانوں میں دی جائیں گی۔ زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے گی۔ میرے دشمن اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ میں کبھی اصلی چہرے کے ساتھ اتنی آزادی سے گھومنا پھرنا پسند نہیں کرتا۔ ہمیشہ میک اپ میں رہتا ہوں۔ لہٰذا وہ مجھ سے کسی بہروپ کی ہی توقع کرتے ہیں۔

پائلٹ نے بتایا۔" ہم ایک پسماندہ علاقے میں پہنچ رہے ہیں۔ اس اعتبار سے شیبا اور آمنہ نے چہرے پر کوئی میک اپ نہیں کیا۔ میں پیچھے مڑ کر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ بعد میں دیکھا تو آمنہ نے پوری طرح لباس بدل لیا تھا لیکن شیبا بہت شرما رہی تھی۔ اس نے پینٹ کوٹ نہیں اتارا تھا۔ صرف اوپر کا بلاؤز تبدیل کیا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔" ہم کسی گاؤں دیہات میں پہنچنے والے ہیں۔ تم اسکرٹ اور بلاؤز میں جاؤ گی تو تماشا بن جاؤ گی۔ سبھی تمھیں دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل آئیں گے۔"

وہ بے بسی سے بولی۔" میں کیا کروں؟ مجھے ساڑی پہننا نہیں آتی۔ آمنہ نے تو بڑے مزے سے پہن لی ہے۔"

" بھئی! یہاں گھاگھرا، چولی، چنریا ہے، یہ تو پہن سکتی ہو۔"

" اسے پہن کر کیا ہوگا۔ میں تو چہرے سے غیر ملکی لگتی ہوں۔"

" میں میک اپ کے ذریعے تمھیں دیسی عورت بنا سکتا ہوں۔"

اب دس منٹ رہ گئے تھے۔ نہ وہ لباس تبدیل کر سکتی تھی، نہ ہی میں میک اپ کے ذریعے اس کا حلیہ بدل سکتا تھا۔ ہیلی کاپٹر ایک جگہ اتر رہا تھا۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا۔ نیچے کئی ٹارچ کی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں۔ سرچ لائٹ آن ہو گئی تھی۔ اس روشنی میں ہیلی کاپٹر اتر چکا تھا۔ میں نے سلائیڈنگ ڈور کو ایک طرف سرکاتے ہوئے دیکھا۔ تقریباً بیس مسلح افراد دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلا رہے تھے۔ میں نیچے آیا۔ پھر وہ دونوں آ گئیں۔ پائلٹ سے سوچ کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا۔" جناب! اجازت دیجیے۔ میں جا رہا ہوں۔ یہاں آپ دوستوں میں ہیں۔ یہ لوگ یہاں سے آگے سفر کے انتظامات کر دیں گے۔"

وہ ہیلی کاپٹر پھر فضا میں بلند ہونے لگا۔ ہم ان مسلح افراد کے درمیان ایک جیپ کے پاس آئے۔ وہ پرانے ماڈل کی جیپ تھی۔ ایک قد آور بڑی بڑی مونچھوں والے جوان نے جیپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" ای ہم گریب لوگن کی موٹر گاڑی ہے۔ ای میں بیٹھ جاؤ۔"

ہم بیٹھ گئے۔ اس مونچھوں والے شخص نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔" ہم ای علاقے کے ٹھاکر ہیں۔ کونو چنتا نئی کرو۔ رات بھری بستی میں بسرام کرو۔ بھور ہوتے ہی جدھر بھی جاؤ گے ای ٹھاکر اُدھر پہونچا دے گا۔"

اس نے جیپ اسٹارٹ کی تو ایسا لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ وہ دائیں بائیں ڈگمگا رہی تھی۔ جب آگے بڑھ کر چلنے لگی تو خطرہ لاحق ہوا۔ جیسے پرزے پرزے الگ ہو جائیں گے۔ ہم سڑک کے کنارے گر پڑیں گے اور جیپ آگے نکل جائے گی۔ وہ گاڑی یقیناً دوسری جنگِ عظیم کی یادگار تھی۔ شیبا میرے بازو کو مضبوطی سے تھام کر مجھ سے لگ گئی۔ آمنہ نے مجھے دیکھا۔ پھر شیبا کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنی طرف کر لیا۔ اسے اپنے بازوؤں میں چھپا لیا۔ پھر آہستگی سے کہا "جیپ پرانی ہے مگر مضبوط ہے۔ تم اس طرح ذرا ذرا سی بات سے سہم جاؤ گی اور فرہاد کا سہارا تلاش کرو گی تو بے باکی سے اپنے طور پر حالات کا مقابلہ کرنا نہیں سیکھ سکو گی۔"

جیپ کسی بستی کی طرف جا رہی تھی۔ اندھیرے میں دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ البتہ جیپ کے آس پاس مسلح افراد دوڑتے آ رہے تھے، جیسے پرانے زمانے کے غلام، راجے، مہاراجے کی سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے ہیں۔ بالکل وہی منظر تھا۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد ہلکی ہلکی سی روشنی دکھائی دینے لگی۔ جیسے دور دور رکھے ہوئے دیے ٹمٹما رہے ہوں۔ قریب پہنچنے پر پتا چلا، وہ مکانوں کی کھڑکیوں اور دروازوں سے جھلکنے والی روشنیاں تھیں۔ میں ٹھاکر کے خیالات پڑھنے لگا۔ پتا چلا، وہ ریڈ پاور کا پروردہ ہے لیکن اسے یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ہم کون ہیں؟

وہ بستی پچاس مکانوں اور دکانوں پر مشتمل تھی۔ پوری بستی پر ٹھاکر کی حکمرانی تھی اور یہ حکمرانی ریڈ پاور کی بدولت تھی۔ وہ اسے بھاری اسلحہ، بارود، شراب کی بوتلیں اور منہ مانگی رقمیں دیتا تھا۔ اس کے عوض اس بستی کو اور وہاں کے قریبی میدان کو بلیک پورٹ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

وہ علاقہ ریڈ پاور کا خفیہ ایئرپورٹ تھا۔ وہ اپنے جاسوسوں کو رات کی تاریکی میں وہاں پہنچاتا تھا۔ ....

ہندوستان میں ریڈ پاور کے ایسے کئی اڈے تھے۔ سیاست میں دوستی اور دشمنی ایک ساتھ چلتی ہے۔ جس سے دوستی ہوتی ہے، اسی کو درپردہ دھوکا بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً بھارتی حکومت کے تعلقات ماسک مین کے ملک سے بہت مضبوط اور مستحکم تھے۔ اس ملک سے بھارت کو دفاعی اور اقتصادی امداد حاصل ہوتی تھی۔ اس کے باوجود ریڈ پاور نے بھارتی حکومت سے چھپ چھپا کر ایسے خفیہ اڈے قائم کر رکھے تھے۔

ٹھاکر کی سوچ پڑھتے وقت پتا چلا، اس کی نیت میں کھوٹ ہے۔ وہ میرے ساتھ دو حسین عورتوں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا۔" ایک کے پاس دو کیوں ہیں؟ ہم دونوں کے پاس ایک ایک ہونا چاہیے۔"

وہ دوسرے معاملات میں قابلِ اعتماد تھا مگر عورتوں کے معاملے میں اس پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہماری جیپ بستی کی جس سڑک سے گزر رہی تھی، اس کے اطراف کے تمام مکانات کے دروازے کھل گئے تھے۔ مسلح مرد اور سولہ سنگھار کی ہوئی عورتیں باہر آ رہی تھیں۔ بستی میں بجلی نہیں تھی۔ اپنے اپنے گھر سے نکلنے والی عورتیں، مرد ہاتھ میں لالٹینیں لیے ہماری گاڑی کے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ پھر ایک بہت بڑے برگد کے درخت کے سائے میں گاڑی رک گئی۔ اس کے سائے میں ایک بہت بڑا سا گول چبوترہ تھا۔ وہاں جتنے لوگ جمع ہوئے، اتنی ہی لالٹینیں آ گئیں۔ اتنی روشنی ہو گئی جیسے بجلی کے بلب روشن ہو گئے ہوں۔

ٹھاکر چاہتا تو لاکھوں روپے خرچ کر کے اس علاقے میں بجلی لے آتا لیکن ریڈ پاور کی طرف سے اجازت نہیں تھی۔ وہ بلیک پورٹ کو بجلی کے بغیر ہمیشہ تاریکی میں رکھنا چاہتے تھے۔ ہم گاڑی سے اتر کر ٹھاکر کے پیچھے چلتے ہوئے چبوترے کے اوپر آ گئے۔ بستی کے لوگ سامنے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ٹھاکر نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" ای ہمرے مہمان ہیں۔ کھوب دھیان سے سن لو۔ ای رات بھری بستی میں بسرام کریں گے، بھور بھئے چلے جائیں گے۔"

ایک جوان عورت جو خوب بن ٹھن کر آئی تھی، اس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔" اے ٹھاکر! یہ دو دو لوگائی کا تمرے گھر رہیں گی؟"

ٹھاکر نے کہا۔" ای ہمری مہمان ہیں۔ ہمرے گھر رہیں گی، تم کاہے پوچھت ہو؟"

عورت نے ہاتھ نچا کر کہا۔" ارے، پوچھنے کی جرورت ہے۔ تمرے منہ سے رال ٹپکتی دکھائی دیت ہے۔"

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" ہم اپنی مرضی کے مہمان ہیں۔ یہاں رہ بھی سکتے ہیں اور جا بھی سکتے ہیں۔ رہنے کی شرط یہ ہے کہ ہم تینوں کو کسی کا خالی مکان ملنا چاہیے۔ وہاں ہم کسی کی مداخلت پسند نہیں کریں گے۔"

ٹھاکر کو میری بات ناگوار گزری۔ اس نے کہا۔" ارے واہ، تم میہمان ہو مگر ہٹلر بن کر حکم دے رہے ہو۔ ای ہمری بستی ہے۔ اِدھر ہمرا حکم چلت ہے۔"

وہ آگے بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں اتنی دیر میں اس کے دماغ سے اس کے باس کا نام پڑھ چکا تھا۔ اس کا نام چندر بھان تھا۔ میں نے کہا۔" ٹھاکر! میں تمھارا نہیں، چندر بھان کا خاص مہمان ہوں۔ تمھارا حکم بستی والوں پر چل سکتا ہے، مجھ پر نہیں۔ مجھے مجبور کرو گے تو میں ابھی ٹرانسیٹر کے ذریعے چندر بھان سے رابطہ قائم کروں گا اور یہاں کا کوئی مکان اپنے لیے خالی کرا لوں گا یا گاڑی منگوا کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

ایک قد آور جوان رائفل کاندھے سے لٹکائے چبوترے کے اوپر آیا۔ وہ تعلیم یافتہ تھا۔ مجھ سے انگریزی میں کہنے لگا۔" آپ ناراض نہ ہوں۔ میں ٹھاکر جسپال ہوں۔ بڑے ٹھاکر کا دستِ راست۔ آپ صرف چندر بھان کے نہیں، ہمارے بھی مہمان ہیں۔ آپ کے لیے یہاں ایک مکان خالی کر دیا جائے گا اور آپ کی مرضی کے بغیر کوئی شخص وہاں داخل نہیں ہوگا۔"

ٹھاکر کو اپنی بے عزتی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ نیچی نظروں سے بستی والوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر غصے سے بھڑک کر بولا۔" اے جسپال! کا انگریجی میں گٹ پٹ گٹ پٹ کرت ہو۔ اپنے باپ دادا کی بھاشا بولو۔ اے کا ہم اتنے نادان ہیں۔ کا ہم اپنے مہمانن کی سیوا کرنا نئی جانت ہیں۔ ارے ای سامنے والا مکان خالی کرائے دو — ای ہمرے انگریجی میہمان ہیں۔ ان کے لیے سور کا گوشت پکاؤ...!!"

مجھے اس پر بڑا غصہ آیا۔ میں نے اسے آگے کہنے کا موقع نہیں دیا۔ جب بھی کہنا چاہتا تھا زبان لڑکھڑانے لگتی تھی۔ سب لوگ اپنی اپنی لالٹین سر سے اونچی کیے اس کی طرف حیرانی سے دیکھ رہے

تھے۔ میں نے اس کے دستِ راست سے کہا "مسٹر جسپال! ہم نہ تو شراب پیتے ہیں نہ ہی حرام جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں ہو سکے تو سیدھے سادے انداز میں اپنے گھر کا کھانا کھلاؤ اور ہمیں آرام کرنے دو۔"

جسپال نے کہا "آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا مگر آرام کرنے کی بات نہ کریں۔ آپ مہمان ہیں۔ آپ کے آنے کی خوشی میں آج رات بھر ناچ گانا ہوتا رہے گا۔ آپ کو شریک ہونا چاہیے۔"

جسپال کے حکم پر سامنے والا ایک مکان خالی ہو گیا۔ وہاں کے مکین دوسرے گھر میں چلے گئے۔ اس دوران ٹھاکر نے پھر کچھ بولنے کی کوشش کی۔ پھر اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ اسی وقت ٹھاکر نے محسوس کیا۔ اس کی جیب میں رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر سے اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا سامنے والے مکان میں گیا۔ اپنے ماتحتوں کو حکم دیا، جب تک وہ کمرے سے باہر نہ آئے، کسی کو اِدھر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس نے کمرے میں آ کر دروازے کو بند کرنے کے بعد جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر اُسے آن کیا۔ اپنے کوڈ ورڈز دہراتے کے بعد کہا "ہم ٹھاکر ہرنام سنگھ بولت رہیں۔ آپ کے میہمان ہمری بستی میں آ گئے ہیں۔ ہم ابھی ان کی سیوا کرنے جات رہے ہیں۔ اتنے میں آپ کا ٹیلیفون آ گیا۔"

"ٹھاکر ہرنام سنگھ، تمھیں کتنی بار سمجھایا ہے، یہ ٹیلیفون نہیں، ٹرانسمیٹر ہے۔"

"صاحب، ہم دو برس میں ٹیلیفون بولنا سیکھے ہیں۔ اب ٹرٹرمیٹر سیکھنے میں کاہے کو دو برس گنوانا چاہت ہو؟"

میں اسے بکواس کرتا چھوڑ کر دوسری طرف بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر اسے مخاطب کیا "ہیلو چندر بھان! میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں۔"

اس کے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اُسے سنبھالا۔ دوسرے ہاتھ سے سر کو تھام کر دور تاریکی میں گھورنے لگا۔ میں نے کہا "سوچ کی لہریں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ پہلے یقین نہیں آتا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والا دماغ میں بول رہا ہے۔"

اسے سچ مچ یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے کہا "تم اپنی مرضی کے خلاف اس ٹرانسمیٹر کو آف کر کے جیب میں رکھو گے۔ ارادہ کر لو کہ ایسا نہیں کرو گے۔"

اس نے مصمم ارادہ کر لیا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اُسے آف کیا اور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ جب میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا تو وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھ کر ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "یقین آ گیا۔ مجھے یقین آ گیا — آپ فرہاد صاحب ہیں۔"

"مسٹر چندر بھان! میں سب سے پہلے یہ سوال کروں گا کہ آپ نے ایسے جاہل اور نالائق شخص کو اس بستی کا انچارج کیوں بنایا؟ کیوں اسے اتنی اہمیت دے رہے ہیں؟"

"مجبوری ہے۔ وہ بستی اور اس کے آس پاس کا علاقہ اس کے باپ دادا کی جاگیر ہے۔ چونکہ وہ بنجر علاقہ ہے اس لیے بھارتی حکومت ادھر توجہ نہیں دیتی ہے۔ وہ علاقہ ہمارے بڑے کام کا ہے۔ اس کے لیے ہمیں اس احمق ٹھاکر ہرنام سنگھ کو خوش رکھنا پڑتا ہے اور ہمارا کچھ نقصان بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس کی ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تکلیف پہنچنے سے پہلے اُسے پہنچ جائے گی۔ آپ ہمارے لیے کیا کر رہے ہیں؟"

"میں ٹھاکر کی بستی سے پچاس میل کے فاصلے پر ہوں۔ یہاں ایک منگلا نامی ریلوے اسٹیشن ہے۔ صبح پانچ بجے یہاں سے مدراس میل گزرتی ہے۔ چونکہ یہ چھوٹا اسٹیشن ہے۔ اس لیے میل گاڑی نہیں ٹھہرتی۔ میں آپ کے لیے اسے ٹھہرانے کا انتظام کروں گا۔ آپ فی الحال بستی میں آرام کریں۔ ٹھاکر جسپال پڑھا لکھا آدمی ہے۔ اُسے میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ آپ اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ یہاں کا طرزِ گفتگو اور یہاں کا لباس اختیار کر لیں۔ اس کے لیے جسپال آپ کی مدد کرے گا۔"

میں پھر رابطہ قائم کرنے کا وعدہ کر کے اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ جسپال مجھے تک رہا تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ ٹھاکر ہرنام سنگھ سے زیادہ جسپال کی اہمیت ہے۔ اُسے میرے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔ میں نے آہستگی سے کہا "ابھی چندر بھان سے بات کر چکا ہوں۔ اب ہم اس مکان میں جائیں گے۔"

وہ ہمیں سامنے والے مکان میں لے آیا۔ دو عورتیں وہاں کی صفائی کر رہی تھیں۔ دو کمروں میں صاف ستھرے بستر بچھا رہی تھیں۔ میں نے کہا "میں اپنی ان عورتوں کا حلیہ اور لباس بدلنا چاہتا ہوں۔ کیا میک اپ وغیرہ کا سامان مل سکے گا؟"

"میں ابھی حاضر کرتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ اس کے آنے تک عورتوں نے صفائی کر دی اور ہم سے اجازت لے کر چلی گئیں۔ باہر برگد کے سائے میں لوگ جمع تھے۔ ڈھول بج رہے تھے۔ چند عورتیں اور مرد جھک جھک کر ہمارے لیے استقبالیہ گیت گا رہے تھے۔ ٹھاکر جسپال سنگھ تھوڑی دیر بعد میک اپ کا سامان اور مختلف ملبوسات لے آیا۔ کہنے لگا۔ "ہمارے ہاں نوٹنکی میں ناچنے گانے والیاں یہ میک اپ استعمال کرتی ہیں۔ فی الحال اسی سے کام چلائیے۔"

"یہ سامان یہیں رہنے دو۔ ہم شاید رات کے دو بجے یہاں سے روانہ ہوں گے، اس سے پہلے میک اپ کر لیا جائے گا۔"

ٹھاکر جسپال سنگھ وہاں سے چلا گیا۔ شیبا نے پوچھا "ہم رات کے دو بجے کہاں جائیں گے؟"

میں نے جسپال کو بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا مگر شیبا اور آمنہ کو تفصیل سے بتا دیا۔ آدھے گھنٹے بعد عورتیں ہمارے گھر آنے لگیں۔ کوئی چٹائی بچھا رہی تھی۔ کوئی دسترخوان اور کوئی خالی پلیٹیں لا کر رکھ رہی تھی۔ پھر ہمارے لیے طرح طرح کی ڈشیں آنے لگیں۔ میں نے جسپال سے کہا "بھئی! اتنا کھانا کون کھائے گا۔ میں بہت عرصے بعد ہندوستان آیا ہوں اس لیے بیسن کی روٹی اور سرسوں کا ساگ کھاؤں گا۔"

میں نے یہی کھایا، جب شیبا کو چکھایا تو یہ غریبوں کی نئی ڈش اُسے بہت پسند آئی۔ اس نے تمام ڈشوں کو چھوڑ دیا۔ میرے ساتھ وہی کھانے لگی۔ بستی والوں نے خاطر مدارات کی انتہا کر دی تھی۔ عورتیں ہمارے چاروں طرف کھڑی ہوئی پنکھے جھل رہی تھیں۔ حالانکہ رات کا وقت تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں مگر وہ ہماری خدمت کر کے خوشی حاصل کر رہی تھیں۔

کھانے کے بعد تمام برتن اور دوسری چیزیں اُٹھالی گئیں۔ سب چلے گئے۔ میں نے شیبا سے کہا "آؤ، ہم اس کمرے میں باتیں کریں گے۔"

شیبا نے آمنہ کی طرف دیکھا۔ پھر کہا "تم چلو، میں آتی ہوں۔"

میں دوسرے کمرے میں آ کر اس کا انتظار کرنے لگا مگر وہ نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے اسے مخاطب کیا، وہ میری موجودگی کا یقین کرنے کے بعد خاموش رہی۔ میں اس کے ذریعے آمنہ کی باتیں سننے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی "شیبا! میرے محبوب نے بارہا مجھے اپنی تنہائی میں بلایا۔ میں نہیں گئی۔ اس نے آنا چاہا۔ میں ہی شرماتی اور انکار کرتی رہی۔ مجھے سہاگ رات کا انتظار تھا۔"

- ایسا کہتے کہتے آمنہ کی آواز میں آنسو بھر گئے تھے۔ وہ اپنے اندر فولاد تھی۔ بڑے سے بڑے صدمے کو پی جاتی تھی۔ وہ سرد آہ بھر کر بولی "ہائے مجھے سہاگ رات کا انتظار تھا مگر جب شادی ہوئی اور سہاگ رات آئی تو وہ ہمیشہ کی نیند سو گیا۔"

وہ شیبا سے ذرا دور جاتے ہوئے بولی "کبھی کبھی سوچتی ہوں، میں نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اپنے محبوب کو زبانی محبت دی اور اسے خالی ہاتھ دنیا سے جانے دیا۔"

شیبا نے کہا "آمنہ! تمھارا کوئی قصور نہیں ہے۔ بھلا تم کیسے جان سکتی تھیں کہ سہاگ رات کو بیوہ ہو جاؤ گی۔"

"ہاں، بھلا کون جان سکتا ہے کہ موت کیسے آتی ہے۔ کب آتی ہے، کیا تم جانتی ہو؟"

شیبا چپ رہی۔ آمنہ نے پوچھا "کیا تم جانتی ہو، فرہاد کی موت کب ہو گی؟"

شیبا نے ایک دم سے لرز کر آمنہ کو دیکھا۔ پھر پوچھا "کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"میری بات کا بُرا نہ ماننا، اگر فرہاد کی موت کا اندیشہ ہو تو جاؤ، ابھی جاؤ اور اس کے دل کی تمام حسرتیں پوری کر دو۔ اگر یقین ہو کہ وہ زندہ سلامت تمھاری سہاگ رات میں آئے گا تو پھر حیا کا پاس رکھو، یہی عورت کا حسن ہے اور یہی عورت کا غرور ہے۔"

شیبا آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور ان دھڑکنوں کو آمنہ محسوس کر رہی تھی۔ پھر شیبا نے جذبوں کے ہجوم میں کہا "نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔ اس کے لیے دعا کروں گی۔ وہ ہمارے بعد بھی زندہ رہے گا۔ سلامت رہے گا۔ میں پیش آنے والے اندیشوں میں گھر کر اپنی حیا کو، اپنے غرور کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔ آمنہ، تم بہت اچھی ہو۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ اُٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر بستر پر لیٹ کر سوچا، آمنہ بہت اچھی ہے مگر اس سے زیادہ اچھائی یہ ہے کہ میں کسی کو مجبور نہیں کرتا۔

میں نے آنکھیں بند کیں۔ دماغ کو ہدایت دی۔ نیند کے لیے دو گھنٹے کا وقت مقرر کیا۔ پھر سو گیا۔ باہر ناچ گانا جاری تھا۔ میری ہدایت کے مطابق اگر کوئی برآمدے میں آتا یا کمرے میں گھسنے کی کوشش کرتا تب آنکھ کھل جاتی۔ ڈھول تاشے یونہی بجتے رہتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ البتہ کوئی غیر معمولی بات ہوتی مثلاً فائرنگ ہوتی یا دھماکا ہوتا تو آنکھ کھل جاتی۔

پھر میری آنکھ کھل گئی۔ ہم جس مکان میں تھے، اس کے پچھلے دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ شیبا کی آنکھ کھل گئی تھی۔ آمنہ پوچھ رہی تھی "کون ہے؟"

شراب کے نشے میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی "ہم ٹھاکر ہرنام سنگھ ہیں۔ تمرے میج بان ہیں۔"

آمنہ نے سخت لہجے میں کہا "یہاں سے چلے جاؤ ورنہ کہیں آنے جانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

میں نے دونوں کمروں کے درمیانی دروازے کو کھول کر ان سے کہا "تم آرام سے سوتی رہو۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔"

میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ پھر اس کے دماغ پر سوار ہو گیا۔ وہ شراب کی بوتل ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔ تقریباً پوری بوتل خالی کر چکا تھا۔ میں اسے وہاں سے چلاتا ہوا مکان کے سامنے والے حصے میں لے آیا۔ برگد کے سائے میں اب تک ڈھول تاشے بج

رہے تھے۔ عورتیں اور مرد ناچ گا رہے تھے۔ اس نے چبوترے پر پہنچ کر زور سے بوتل کو پٹخ دیا۔ بوتل ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی۔ پھر وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر ناچنے لگا۔ سب اُسے حیرانی سے تک رہے تھے۔ ڈھول اور تاشے بجانے والوں کے ہاتھ رُک گئے تھے۔ وہ بھی ناچتے ناچتے رُک گیا۔

پھر وہ چھلانگ لگا کر چبوترے سے نیچے آیا۔ کہنے لگا "بستی کے لوگو! دیکھو، میں یہاں سے اس گلی کے موڑ تک دوڑتا ہوا جاؤں گا، جب واپس آؤں گا تو مجھ میں ایک کمی ہوگی۔"

سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ دوڑتا ہوا چلا گیا۔ سب لوگ لالٹینوں کو سر سے اونچا کر کے اسے دور جاتے دیکھ رہے تھے۔ وہ گلی کے موڑ پر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جب نظر آیا تو اس کے جسم پر کرتا نہیں تھا صرف بنیان اور پاجامہ تھا۔ وہ دوڑتا ہوا پھر برگد کے سائے میں آیا۔ وہاں سے پلٹ کر بولا "اب دیکھو، پھر جا رہا ہوں۔ پھر تم لوگ مجھ میں کسی چیز کی کمی پاؤ گے۔"

وہ دوڑتا ہوا اُس گلی سے گزرتا ہوا آخری موڑ پر گم ہو گیا جب دوبارہ نظر آیا تو اب اس کے بدن پر بنیان نہیں تھی۔ صرف پاجامہ تھا۔ وہ برگد کے سائے میں پہنچ کر ہانپتے ہوئے بولا "دیکھا تم لوگوں نے میں نہ کہتا تھا، مجھ میں کمی محسوس ہوگی۔ میں پھر جا رہا ہوں۔ پھر تم لوگوں کو کمی محسوس ہوگی۔"

اس کی بات سن کر کئی لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بھاگ بھاگ کر اپنے گھروں کی طرف جانے لگے۔ ایک بزرگ نے پوچھا "ٹھاکر ہر نام سنگھ! تجھے کیا ہو گیا ہے۔ تو ہماری بستی کا سردار ہے۔ تجھے ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

مگر وہ سنی اَن سنی کر کے دوڑتا ہوا گلی سے گزرتا ہوا جانے لگا۔ اس کے بعد آخری موڑ پر گم ہو گیا۔ عورتیں اپنے اپنے گھروں کے دروازے تک پہنچ گئی تھیں۔ مرد لالٹین اونچی کیے دیکھ رہے تھے جب وہ نظر آیا تو اس کے بدن پر صرف انڈرویئر تھا۔ اس بار برگد کے سائے میں کچھ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ اسے جھنجوڑ کر سمجھانے لگے۔ "ٹھاکر! تجھے کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔ پھر وہاں سے دوڑتا ہوا، گلی سے گزرتا ہوا آخری موڑ پر جا کر گم ہو گیا لیکن جب واپس آیا تو گلی ویران ہو چکی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا برگد کے سائے میں آیا۔ وہاں سے ڈھول تاشے بجانے والے اور ناچنے گانے والے بھی جا چکے تھے۔ سب نے اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے تھے۔ اسے دیکھنے کے لیے کوئی موجود نہیں تھا۔

میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے چونک کر آس پاس دیکھا۔ پھر حیرانی سے بڑبڑایا "یہ بستی والے کہاں غائب ہو گئے"

اس نے سردار کی حیثیت سے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر سینہ تان کر گرجتے ہوئے پوچھا "اے بستی والو! تم سب کہاں مر گئے ہو؟"

اسی وقت محسوس ہوا جیسے کمر خالی خالی سی ہے۔ اس نے جھکا کر خود کو دیکھا تو چیخ مار کر اچھل پڑا۔ چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ "وہ بھری بستی میں لٹ گیا ہے۔ کوئی اس کے کپڑے اتار کر لے گیا ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے ان دو مہمان عورتوں کی طرف جانا چاہیے، دروازے پر دستک دے کر ان سے ملاقات کرنا چاہیے۔"

وہ آگے بڑھا، پھر اپنے آپ کو دیکھ کر رک گیا۔ انکار میں سر ہلاتے ہوئے، وہاں سے دوڑتے ہوئے اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ کوئی مانے یا نہ مانے، یہ حقیقت ہے کہ دوسروں کو بے لباس کرنے والے اپنے ننگے پن پر شرما جاتے ہیں۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ میں نے کہا "شیبا! تمہیں لباس تبدیل کر لینا چاہیے۔ شاید ہم ایک آدھ گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

"شاید کا مطلب کیا ہوا۔ کیا یقین نہیں ہے؟"

"میں ابھی معلوم کر کے بتاتا ہوں۔"

میں نے ریڈ پاور کے باس چندر بھان کو مخاطب کر کے پوچھا "ہمارے لیے گاڑی کب تک آئے گی؟"

"میں ایک یا ڈیڑھ بجے تک گاڑی روانہ کروں گا۔ اس کے جانے اور آنے میں تین گھنٹے لگیں گے۔ آپ یہاں مدراس میل کے پہنچنے سے پہلے پہنچ جائیں گے۔"

میں اپنی جگہ واپس آیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ پھر ٹھاکر جپال سنگھ کی آواز سنائی دی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ پریشان تھا۔ اس نے کہا "ابھی ہمیں تین گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس نظر آئی ہیں۔ وہ گاڑیاں ہماری بستی کی طرف آ رہی ہیں۔ آپ لوگ فوراً یہاں سے نکل چلیں۔"

ہم پچھلے دروازے سے باہر آئے۔ وہاں چار مسلح جوان کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے اور آمنہ کو ایک ایک اسٹین گن دی۔ شیبا نے ٹارچ لے لی۔ ہم ایک آدمی کی رہنمائی میں اس بستی سے باہر جانے لگے۔ جپال ہمیں تھوڑی دور تک چھوڑنے آیا۔ اس نے کہا "آپ کی رہنمائی کرنے والا آپ کو پہاڑی کے ایک ایسے حصے میں پہنچا دے گا جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا۔"

میں نے پوچھا "کیا بستی کے لوگ یہ نہیں بتائیں گے کہ یہاں تین مہمان آئے تھے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہاں غیر ملکی آتے رہتے ہیں مگر بستی کا ایک بچہ بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے کسی اجنبی کو دیکھا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہماری جاسوسی کرنے والے ٹیلی پیتھی

جانتے ہیں۔ جو لوگ گاڑیوں میں آ رہے ہیں، وہ تم سے یا بستی کے کسی فرد سے باتیں کریں گے۔ ان کے دماغوں میں رہنے والے بستی والوں کے دماغوں میں پہنچیں گے اور چپکے سے معلوم کرلیں گے کہ یہاں ایک شخص دو عورتوں کے ساتھ آیا تھا۔"

جسپال نے پریشان ہو کر کہا "پھر تو بڑی مشکل ہو گی۔"

میں چلتے چلتے رُک گیا۔ میں نے اسٹین گن کے لیے کارتوسوں کی دوا اور پیٹیاں ان سے لیں۔ پھر کہا "بہتر ہے، تم ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ باس ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

میں اسے سمجھا دوں گا۔ مشکل یہ ہے کہ تم ہمیں پہاڑی کے کسی حصّے میں چھپانا چاہتے ہو مگر وہ کمبخت تمہارے دماغ میں آ کر چپکے سے معلوم کرلیں گے۔"

"میں نہیں بتاؤں گا۔"

"تم خیال خوانی کے طریقۂ کار کو نہیں سمجھتے ہو۔ آدمی خواہ کتنا ہی مستقل مزاج ہو اور کچھ نہ بتانا چاہے مگر خیال خوانی کے ذریعے چور خیالات پڑھ لیے جاتے ہیں۔"

اس نے بے بسی سے پوچھا "اب کیا ہو گا؟"

میں نے کہا "یہاں ہمیں چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔"

وہ کھڑا سوچتا رہ گیا۔ میں شیبا اور آمنہ کے ساتھ دوسری طرف چل پڑا۔ ذرا دور جا کر میں نے شیبا سے کہا "تمہیں بمبئی کے جتنے پولیس آفیسرز کے لہجے یاد ہیں۔ ان کے دماغ میں پہنچو اور معلوم کرو، ہمیں کہاں کہاں سے گھیرا جا رہا ہے۔ میں بھی یہی معلوم کر رہا ہوں۔"

ہم دونوں نے خیال خوانی کی پرواز کی۔ مختلف پولیس اور انٹیلی جنس کے افراد کے ذریعے معلوم ہوتا رہا کہ ہمارے لیے کتنی دور دور تک جال بچھائے جا رہے ہیں۔ کس طرح ناکہ بندی کی جا رہی ہے۔

پھر ہم نے ایک افسر کے دماغ میں پہنچ کر سنا۔ وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے گفتگو کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا "اس وقت ہم ٹھاکر ہرنام سنگھ کی بستی کے قریب ہیں۔ یہاں داخل ہونے سے پہلے یقین کرنا چاہتے ہیں کہ ان ٹیلی پیتھی جاننے والوں میں سے کوئی ہمارے دماغ میں ہے یا نہیں؟ جب تک وہ نہیں ہوں گے۔ ہم بستی والوں سے ڈھکی چھپی بات معلوم نہیں کر سکیں گے۔"

میں تاریکی میں چلتے چلتے اس افسر کے دماغ میں پہنچ گیا جو ٹھاکر ہرنام سنگھ کی بستی کے قریب تھا۔ اس کے دماغ میں اسی کے لہجے میں کوئی کہہ رہا تھا "میں موجود ہوں۔ اطمینان سے بستی کے اندر چلو۔ میں ایک ایک کے دماغ کو کھنگال کر صحیح معلومات فراہم کروں گا۔"

میں فوراً اس افسر کے دماغ میں پہنچا جو ابھی ٹرانسمیٹر پر گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ذریعے دوسرے سپاہیوں کی آوازیں سُنیں۔ شیبا سے کہا "تم ان سپاہیوں کے لب و لہجے کو یاد کرو اور یہاں ہنگامہ برپا کر دو۔"

پھر ذرا سی دیر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ایک سپاہی دوسرے سپاہیوں کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔ شیبا کا معمول بننے والا دوسری طرف کے سپاہیوں پر فائرنگ کر رہا تھا۔ وہ دونوں سپاہی اِدھر سے اُدھر بھٹکتے ہوئے جا رہے تھے اور اس گاڑی پر فائر کر رہے تھے جہاں اسلحے کا ذخیرہ تھا۔ ایک سپاہی نے ہینڈ گرنیڈ کو منہ سے لگایا۔ دانتوں سے پکڑ کر چابی نکالی۔ پھر اسے اسلحہ سے بھری ہوئی گاڑی پر پھینک دیا۔

اس کے بعد ہی ایک زبردست دھماکا ہوا۔ پھر دوسرا، پھر تیسرا دھماکا ہوا۔ پولیس فورس نے جو کیمپ قائم کیا تھا۔ وہاں زلزلہ سا آ گیا۔ بھگدڑ مچ گئی۔ میں اس افسر کے دماغ میں گیا جو ٹرانسمیٹر کے ذریعے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے پھر ایک جگہ چھپ کر ٹرانسمیٹر آن کیا۔ میری مرضی کے مطابق کہنے لگا "فرہاد! اِدھر ہے۔ یہاں ہنگامے کر رہا ہے۔ شاید تم اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے دھماکوں کی آوازیں بھی سُن رہے ہو۔"

شیبا نے میری ہدایت کے مطابق ایک سپاہی کو ایک گاڑی میں بٹھایا۔ پھر اسے ڈرائیو کرنے پر مجبور کیا۔ ٹرانسمیٹر پر بات کرنے والے نے چونک کر سر اُٹھاتے ہوئے اس گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر کہا "ایک گاڑی یہاں سے جا رہی ہے۔ ارے اسے روکو۔ کون جا رہا ہے۔ اسے پکڑو۔"

مگر پکڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ سبھی قیامت خیز دھماکوں سے لرز گئے تھے۔ دور جا کر پناہ لے رہے تھے۔ کتنی ہی گاڑیاں تباہ ہو گئی تھیں۔ اگر ایک آدھ گاڑی صحیح سلامت رہ گئی ہو تو اسے ڈرائیو کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ دوسری طرف سے کہا گیا "ہم اس راستے کی ناکہ بندی کرتے ہیں۔ جو بھی ڈرائیو کرتا ہوا آ رہا ہے، ہم اسے روک لیں گے۔"

اب صورتِ حال یہ تھی کہ جس پولیس فورس کے کیمپ میں دھماکے ہوئے تھے۔ وہ کیمپ بمبئی سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر قائم کیا گیا تھا اور جو گاڑی والے ٹھاکر کی بستی میں آنا چاہتے تھے۔ وہ ناگ پور جانے والے ہائی وے پر تھے۔ جب انھیں پتا چلا کہ تباہ ہونے والے کیمپ سے ایک گاڑی میں کوئی آ رہا ہے تو انھیں واپس بمبئی کا رُخ کرنا پڑا تاکہ اسے راستے ہی میں روک لیں۔ اس طرح میں نے خطرے کو ٹال دیا۔ اب نہ کوئی ٹھاکر ہرنام سنگھ کی بستی میں آ کر ہمارے متعلق سوال کر سکتا تھا۔ نہ وہ ٹیلی پیتھی جاننے والے کسی کے چور خیالات پڑھ کر ہم تک پہنچ سکتے تھے۔

میں نے شیبا سے کہا "فی الحال خطرہ ٹل گیا ہے۔ تم چندر بھان

سے رابطہ قائم کرو۔ اس سے کہو، ہم ہائی وے کے قریب ہیں۔ فوراً ہمارے لیے گاڑی روانہ کی جائے۔"

میں اسے ہدایات دے کر اس فوجی افسر کے دماغ میں پہنچ گیا جس نے گاڑی کے اندر ہمارے فرار کا منصوبہ ہمیں سمجھایا تھا۔ جب میں نے اسے مخاطب کیا تو اس نے کہا "آپ اتنی دیر تک کہاں گم رہے۔ میں بڑی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ آپ کو میرے پاس آنا چاہیے تھا۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب چاروں طرف سے گھیرا جا رہا ہوں تو عقل آ رہی ہے۔ میں نے ابھی ابھی پولیس فورس کو غلط راہ پر لگا دیا ہے۔ آپ بتائیں، فوج کے سپاہی کس طرح ہمیں گھیرنا چاہتے ہیں؟"

"مجھے افسوس ہے، میں صحیح معلومات فراہم نہیں کر سکوں گا۔ ایک اسپتال میں پڑا ہوں۔ میں نے اپنے آدمیوں سے کہا تھا۔ جب تم اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ فرار ہو جاؤ تو ان میں سے کوئی میری ٹانگ پر گولی مارے۔ انھوں نے یہی کیا۔ اس طرح کوئی مجھ پر شبہ نہیں کر رہا ہے۔ کل صبح تک اسپتال سے چھٹی لوں گا۔ پھر تمہارے لیے کچھ کر سکوں گا۔ فی الحال ایک دوستانہ مشورہ ہے، یہاں تمہاری سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ تمہارے ساتھ دو عورتیں ہیں۔ تم کہیں بھی جاؤ گے، کہیں بھی پناہ لو گے۔ تمہارے ساتھ دو عورتیں ہوں گی — دوسری کمزوری شیبا ہے۔ وہ کسی پہلو سے ہندوستانی یا ایشیائی نہیں لگتی ہے۔ شاید وہ یہاں کی زبانیں بھی نہ بول پاتی ہو۔ ایسے میں قدم قدم پر مصائب کا سامنا کرو گے۔ بہتر ہے، ماسک مین سے رابطہ قائم کرو۔"

میں نے ماسک مین کو مخاطب کیا۔ وہ بھی یہی سمجھانے لگا۔ "مسٹر فرہاد! ہم مانتے ہیں، آپ قسمت کے دھنی ہیں۔ بڑے بڑے مسائل سے اور بڑی بڑی مصیبتوں سے گزر جاتے ہیں۔ موت کو شکست دیتے ہیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر دو ٹیلی پیتھی جاننے والے ایک ہی جگہ رہیں۔ ایک ساتھ رہیں تو یہ دانشمندی نہیں ہے۔"

میں نے چلتے چلتے شیبا کو دیکھا۔ وہ کبھی کبھی ٹارچ روشن کرتی تھی۔ سامنے راستہ دیکھتی تھی۔ پھر ہمارے ساتھ آگے بڑھتی تھی۔ میں نے اچانک اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "شیبا! ہمارے بچھڑنے کا وقت آ رہا ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک گئی "کیا مطلب؟"

"ہم جذبات سے مغلوب ہو گئے ہیں، عقل کا دامن چھوڑ چکے ہیں۔ دانشمندی یہی ہے کہ تم واپس چلی جاؤ۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"اگر دو ٹیلی پیتھی کی قوتیں ایک جگہ ہوں گی تو بیک وقت دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ ہم مختلف جگہ ہوں گے تو ایک دوسرے کی حفاظت کر سکیں گے۔"

اس نے ٹارچ کی روشنی میرے
سے دیکھا۔ ایک ہاتھ سے میرے چہرے
بتا رہی تھیں، اس قدر قریب آ کر دور رہ
کیسی تھی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے تڑپتے
نے بڑی سخت پابندیاں لگائی تھیں۔

اچانک اس کے ہاتھ سے ٹارچ
تھام کر بولی "نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤ
صلاحیتیں چھین لو۔ مجھے ایک معمولی عورت

آمنہ ٹارچ اُٹھا کر ہم سے دور
ہمیں کچھ کہنے سُننے کا موقع دیا۔ میں نے
کو چھو کر دیکھا، وہ آنسوؤں میں بھیگ
کو پکڑ کر چہرہ اوپر اُٹھایا۔ وہ ایک
اس کے آنسوؤں کو پونچھنے لگا۔ وہ جو
کی طرح کانپنے لگی۔ لرزتی ہوئی آواز میں
نہ کرو۔ ایک موقع دو۔ میں تمھیں پریشان
باؤں سے چلوں گی۔ اپنی ذہانت سے اپنی صلاحیت
کا مقابلہ کروں گی۔ اپنے لیے تمھیں پریشان نہیں ہونے دوں
ایک موقع دو۔"

وہ میری منت کر رہی تھی۔ میں چپ چاپ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ پھر میں نے کہا "شیبا! تمہارا یہاں سے جانا ضروری ہو گیا ہے۔"

"کیوں ضروری ہو گیا ہے؟ کیا ہم ساری زندگی ایک دوسرے سے دور رہیں گے اور تم یہ سمجھاتے رہو گے کہ دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ایک جگہ نہیں رہنا چاہیے۔ ایسے تو ہم زندگی بھر کبھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ پائیں گے۔"

"ہم ساتھ رہیں گے مگر ابھی نہیں۔"

"ایک بات سچ سچ بتاؤ گے؟"

"پوچھو، میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"کیا تم مجھے اس لیے دور کر رہے ہو کہ پاس رہ کر بھی تم سے دور رہتی آئی ہوں؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں حالات تمہارے موافق نہیں ہیں۔ تم یہاں کی زبانیں نہیں جانتی ہو۔ یہاں کی تہذیب کو نہیں سمجھتی ہو۔ تمہارا چہرہ، تمہارا ہیر اسٹائل، تمہاری آنکھیں سب چغلی کھاتے ہیں کہ تم ایشیا کی رہنے والی نہیں ہو۔"

"مجھے قریب لانے سے پہلے تمھیں یہ سوچنا چاہیے تھا۔"

"کیا تم سوچ سکتی تھیں کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے؟"

وہ چپ رہی۔ میں نے کہا "میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں۔

تمہاری سلامتی کے لیے جدائی برداشت
کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں میں بہت جلد
جانتے ہیں۔ جو لوگ گاڑیوں میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ کچھ ایسے انتظامات
کسی فرد سے باتیں کریں گے کسی کو ہوا بھی نہ لگے۔"
والوں کے دماغوں میں پہنچتا ہو۔"
یہاں ایک شخص دو عورتوں بارہ ملن کی گھڑی نہیں آئے گی۔ تمہیں یقین نہیں
جسپال نے پریشا
میں چلتے چلتے رک ... سونیا، سونتی، اعلیٰ بی بی سبھی تمھیں دل و
کی دوا اور بیٹیاں ان سے لو محبت اور وفا میں ذرا شبہ نہیں ہے۔ تم
سے دور رکھتے ہو پھر میں کیسے نہ
حال پر چھوڑ دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی
میں اسے سمجھا دوں گا۔
کسی حصے میں چھپانا چاہتے ہو مگر پائلٹ سے رابطہ قائم کیا۔ پتا چلا
لے دور کھڑی ہوئی آمنہ سے کہا۔
چپکے سے معلوم کر لیں گے۔"
تو اپنی ٹارچ کو جلاتی بجھاتی رہنا۔"
"میں نہیں بتاؤں گا۔"
ہی یکبارگی روتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں
"تم خیال خوانی
تم جھوٹے ہو، فریبی ہو۔ بے وفا ہو۔ تم انسان نہیں،
مستقل مزاج
میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ میں تم سے بات نہیں کروں
خیالات
بھی بات نہیں کروں گی۔"

وہ مجھ سے نفرت کر رہی تھی مگر مجھے چھوڑ نہیں رہی تھی۔ وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی تھی مگر میرے لیے روتی جا رہی تھی۔
ہیلی کاپٹر قریب آ رہا تھا۔ اسے سگنل مل رہا تھا۔ پھر وہ ہم سے بہت دور میدانی علاقے میں اتر گیا۔ میں شیبا کو لے کر ادھر بڑھتے ہوئے بولا۔ "ذرا تیز قدم بڑھاؤ۔ دشمنوں نے ہیلی کاپٹر کو اس علاقے میں پرواز کرتے دیکھا ہوگا۔"

وہ اُدھر جانا نہیں چاہتی تھی مگر میرے ساتھ کھنچی آ رہی تھی۔ میں ہی اسے کھینچتا لا رہا تھا۔ پھر میں نے ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ کر اس سے بے پناہ محبت کا اظہار کیا۔ وہ سمجھ گئی تھی، یہاں سے جانا ہی ہوگا۔ میں نے کہا۔ "آمنہ تم بھی ساتھ جاؤ گی۔"

شیبا نے چونک کر اُسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ میں تنہا چلی جاؤں گی۔ آمنہ تمھارے ساتھ رہے گی۔"

"میں مرد ہوں۔ تنہا رہ سکتا ہوں۔ تم نہیں رہ سکتیں۔ تمھارے ساتھ آمنہ کا جانا ضروری ہے۔"

آمنہ نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "چلو دیر نہ کرو۔ آرمی کے ہیلی کاپٹر یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

ہم دونوں نے اُسے سمجھا منا کر ہیلی کاپٹر میں سوار کرا دیا۔ آمنہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ میں دور جا کر اُدھر دیکھنے لگا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یوں بھی تاریکی تھی۔ وہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔ پھر پرواز کرنے سے قبل اچانک نظر آ گئی ——— میں نے جو ٹارچ آمنہ سے لی تھی اس کی روشنی ادھر پھینکی تو اس نے ہیلی کاپٹر کے اندر کی لائٹ آن کر دی۔ میں نے ٹارچ کی روشنی اپنے چہرے پر کر لی۔ اب وہ مجھے دیکھ سکتی تھی۔ میں اسے دیکھ سکتا تھا مگر یہ چند لمحوں کی بات تھی۔ ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر بھی پرواز کرتا ہوا دور جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ابھی وہ میرے سامنے تھی۔ ابھی ہوا اسے اُڑا کر لے گئی تھی۔ دنیا تاریک تھی۔ آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے میں بھری کائنات میں تنہا دھرتی کے سینے پر کھڑا ہوں۔

اس دلچسپ داستان کے باقی واقعات
سترھویں حصے میں ملاحظہ فرمائیے۔

معیاری نفسیاتی اور علمی کتابیں
ٹیلی پیتھی و مستقبل بینی
اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور ان کے دلوں کا حال جاننے کا سائنسی طریقہ
قیمت ۲۰ روپے
ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات
ٹیلی پیتھی کی جدید ترین کتاب نئے طریقے، نئی مشقیں، سوال و جواب
قیمت ۲۰ روپے
امتحان میں کامیابی
مطالعہ کرنے، امتحان دینے اور یادداشت بڑھانے کے نفسیاتی طریقے
قیمت ۱۵ روپے
خوابوں کے اسرار
خوابوں کی حقیقت اور ان کی تعبیر معلوم کرنے کے طریقے
قیمت ۱۵ روپے
قیمت ۲۰ روپے
ہپناٹزم کو سیکھنے کے آسان طریقے اور مشقیں
ہپناٹزم کے عملی طریقے
قیمت ۱۵ روپے
ہپناٹزم کی تاریخ، اس کی حقیقت اور اس کو سیکھنے کے طریقے
ہپناٹزم
قیمت ۲۰ روپے
ایک ماہر علم کے قلم سے جدید طریقے، ہپناٹزم سیکھنے کے لیے لائحہ عمل مع تصاویر و جدید تحقیقات
ہپناٹزم کی جدید تحقیقات
قیمت ۱۵ روپے
اپنے آپ کو ہپناٹائز کر کے اپنی کمزوریاں اور خرابیاں دور کریں
ذاتی ہپناٹزم
مقناطیسیت
بغیر کسی مشق کے اپنے اندر مقناطیسی قوت پیدا کریں اور دوسروں کو اپنا تابع بنائیں
قیمت ۲۰ روپے
موٹاپا اور اس کا سدِباب
اپنا وزن کم کر کے طویل اور صحت مند زندگی گزاریے ان کے لیے جو سڈول اور خوبصورت جسم چاہتے ہیں
قیمت ۲۰ روپے
دست شناسی کے نسخے
ان لوگوں کے لیے جو کسی پیشہ ور دست شناس کے بغیر دست شناسی سیکھنا چاہتے ہیں
قیمت ۲۰ روپے
نظر کی کمزوری اور اس کا سدِباب
بصارت کی کمزوری بغیر دواؤں کے دور کریں ان حضرات کے لیے جو عینک سے نجات چاہتے ہوں
قیمت ۱۵ روپے
قیمت ۱۵ روپے
تحریر شناسی کے فن پر ایک نادر و نایاب کتاب جس کی مدد سے دوسروں کی شخصیت کو کھلی کتاب کی طرح پڑھیں
تحریر اور شخصیت
قیمت ۳۰ روپے
وہ خواتین جو اپنے آپ کو سمجھنا چاہتی ہیں اور وہ مرد جو خواتین کو سمجھنا چاہتے ہیں
عورتوں کی نفسیات
قیمت ۳۰ روپے
ازدواجی زندگی کے مسائل، ان کا حل اور تدارک، ہر شادی شدہ مرد و عورت کے لیے
ازدواجی نفسیات
قیمت ۲۰ روپے
آپ کی الجھنیں آپ کے مسائل اور ان کا حل، جذباتی ازدواجی ملازمت اور دیگر بے شمار مسائل کا حل
مسائل اور حل
باخبری
کسی خاص وقت آپ کا مزاج کیا ہے اور آپ کو کیا کرنا چاہیے، ہر وقت کام آنے والی کتاب
قیمت ۱۰ روپے
چھ حیرت انگیز علوم
تاش اور رمل کے ذریعے قسمت شناسی، فال اور رمل کے ذریعے کردار معلوم کیجیے، خوابوں کی تعبیر
قیمت ۱۵ روپے
احساس کمتری
احساس کمتری کے موضوع پر ایک مستند اور مکمل کتاب، اسباب، تدارک، علاج
قیمت ۱۵ روپے
کامیابی
ایک مکمل اور کامیاب شخصیت بننے کے آسان طریقے، ان لوگوں کے لیے جو کامیابی چاہتے ہیں
قیمت ۱۵ روپے
قیمت ۳۰ روپے
مارشل آرٹ گھر بیٹھے سیکھیے بے شمار تصاویر سے مزین
کراٹے
قیمت ۱۵ روپے
سگریٹ اور دوسری بری عادتوں سے چھٹکارا حاصل کیجیے
سگریٹ پینا چھوڑیے
قیمت ۳۰ روپے
خوف و شرم کو دور بھگائیے اور نئی زندگی شروع کیجیے
خوف و شرم اور اس کا سدِباب
اندرونِ ملک ڈاک خرچ
صرف رجسٹری فیس ۶/- روپے لی جائے گی
۱۰۰/- روپے کی کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف
یہ قیمتیں اور ڈاک خرچ کی سہولت تا اطلاع ثانی ہے
کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں یا خط لکھ کر بذریعہ وی پی طلب کریں۔
بیرونِ ملک وی پی روانہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے قیمت و ڈاک خرچ بذریعہ بینک ڈرافٹ ارسال کریں
ڈاک خرچ —— (بیرونِ ملک) سعودی عرب، کویت، مشرق وسطیٰ ۲۰/- روپے فی کتاب
یورپ ۴۰/- روپے فی کتاب —— امریکا، آسٹریلیا ۶۰/- روپے فی کتاب
ڈرافٹ پر نام اس طرح لکھوائیں: مکتبۂ نفسیات، اکاؤنٹ نمبر ۶۸۸ حبیب بینک مینسفیلڈ اسٹریٹ کراچی
مکتبۂ نفسیات، پوسٹ بکس نمبر ۹۴۴ سعید مینشن بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200